سلسلۂ نصابِ تعلیمِ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ انگلستان

حصۂ دوم

تالیف

کیرل رینسم - ایم - اے

ترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

سابق رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۵۹ھ سنہ ۱۳۵۰ف سنہ ۱۹۴۱ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب مسرز رٹیونیگٹنس و پبلشرز (لندن) کی
اجازت سے جن کو حق اشاعت حاصل ہے
اُردو میں ترجمہ کر کے طبع و شایع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین

تاریخ انگلستان حصۂ دوم

(ریفنسم)

فہرست شجرہ ہائے شاہان انگلستان

فہرست نقشہ جات

جزو ششم

خاندان ٹیوڈر

شجرۂ خاندان ٹیوڈر

ہنیری ہفتم زوج الزبیتھ (یارکی)
(شہزادہ جان گونٹی کی پوتی مارگریٹ بنت ایڈورڈ چہارم
بوفرٹ کا بیٹا) ۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۹ء

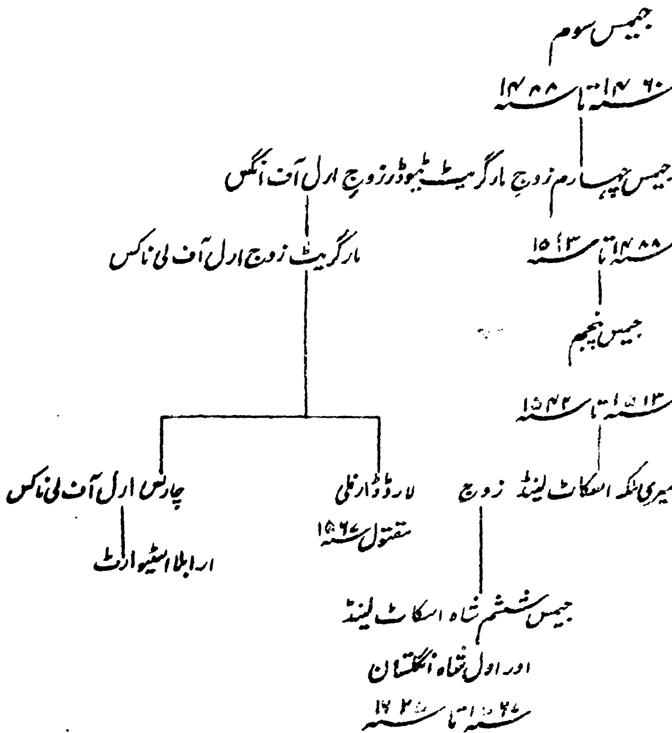
آرتھر المتوفی ۱۵۰۲ء — ہنیری ہشتم ۱۵۰۹ء تا ۱۵۴۷ء — مارگریٹ (زوجہ جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ) — میری ۱۔ زوجہ لوئی شاہ فرانس ۲۔ " چارلس برنیڈن شہزادہ سفک۔

ہنیری ہشتم کی اولاد:
میری ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء — ایڈورڈ ششم ۱۵۴۷ء تا ۱۵۵۳ء — الزبیتھ ۱۵۵۸ء تا ۱۶۰۳ء

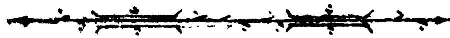
میری (زوجہ چارلس برنیڈن) کی اولاد:
فرانسیز زوجۂ ہنیری گرے (الزبیتھ وڈ ویل کا پرپوتا، پہلے شوہر سے، الملقب بہ شہزادۂ سفک)

لیڈی جین گرے (زوجۂ گلڈ فرڈ ڈوڈلی) — کیتھرائن

شجرۂ شاہان اسکاٹ لینڈ (سنہ ۱۴۶۰ء تا سنہ ۱۶۰۳ء)



شجرہ شاہان فرانس (سنہ ۱۴۸۳ء تا سنہ ۱۶۰۳ء)

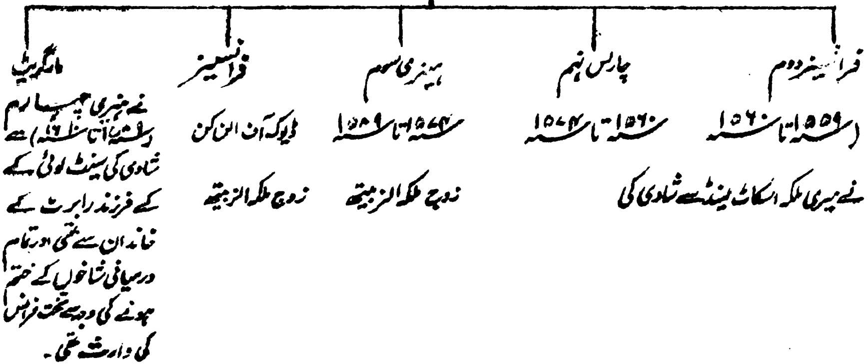


چارلس ہشتم (سنہ ۱۴۸۳ء تا سنہ ۱۴۹۸ء چارلس ششم کا پرپوتا) کے بعد

لوئی دوازدہم (سنہ ۱۴۹۸ء تا سنہ ۱۵۱۵ء) لوئی ڈیوک آف اورلیان برادر چارلس ششم کا پرپوتا تخت پر بیٹھا

کلاڈ زوجہ فرانسیس اول (سنہ ۱۵۱۵ء تا سنہ ۱۵۴۷ء) لوئی ڈیوک آف اورلیان برادر چارلس ششم کا پرپوتا

ہینری دوم (سنہ ۱۵۴۷ء تا سنہ ۱۵۵۹ء) زوجہ کیتھرائن دی مڈیسی





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

ہنری ہفتم ۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۹ء

ولادت ـ ۱۴۵۶ء ـ ازدواج با الزبتھ دیارکی ۱۴۸۶ء

معاصرین ـ فرانس .... چارلس ہشتم لوئی دوازدہم

اسکاٹ لینڈ .... جیمس سوم و چہارم

ہسپانیہ فرڈی نینڈ واز ابلا

ہینری ٹیوڈر نے بوس ورتھ کے میدان ہی میں منصب شاہی اختیار کر لیا اور چھوٹی چھوٹی منزلیں کرتا ہوا شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ لندن میں داخل ہوا۔ جنگ کے بعد یہ دوسرے ہفتے کا دن اور ستمبر کی تیسری تاریخ تھی۔ دعاوی کو باضابطہ بیان کرنے میں بعض دقتیں اور قباحتیں واقع ہوتیں لہٰذا ہینری نے واقعات مسلمہ کی خاموش منطق سے کام لیا اور ۳۰ اکتوبر کا دن تاجپوشی کے واسطے مقرر کر کے، بہ حیثیت بادشاہ پارلیمنٹ کے ارکان منتخب کرنے کے احکام بھیجے۔ پھر، ۷ نومبر کو، پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو ہینری نے

ہینری کی تاجپوشی اور پہلی پارلیمنٹ

مبہم الفاظ میں اعلان کیا کہ وراثت کے جائز حق اور میدانِ جنگ میں خدائی فیصلے نے مجھے تاج شاہی کا مالک بنا دیا ہے اور پارلیمنٹ کے ارکان نے بھی اسی رنگ میں باضابطہ قانون کے ذریعے اعلان کر دیا کہ انگلستان و فرانس کے تاجوں کی وراثت ہمارے نئے ولی نعمت فرماں روا، شاہ ہینری ہفتم اور اس کی اولادِ صلبی کا حق ہے، اسی کو حاصل ہوا اور اسی کو حاصل رہے گا۔ اسی کے ساتھ رچرڈ ثالث کو غاصب اور جو لوگ اس کی طرف سے بوس ورتھ میں لڑے، انھیں غدار قرار دیا گیا۔ بایں ہمہ قتل و خون کی نوبت نہ آئی کیونکہ ہینری ان خونی سزاؤں کو جو کچھ مدت سے معمول بن گئی تھیں، روکنا مناسب سمجھتا تھا اور عفو عام نے ملک میں بہت جلد امن و اطمینان بحال کر دیا۔ شروع میں الزبیتھ کی موعود شادی کا، جس پر بادشاہ کے یارکی خیر خواہ بھروسہ کئے ہوئے تھے، کوئی ذکر نہ آیا لیکن اجلاس ختم ہوتے وقت پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے بالاتفاق درخواست کی کہ بادشاہ اس رشتے کو شرفِ قبول بخشے اور ہینری نے اسے بے تامل منظور کر لیا۔ جنوری ۱۴۸۶ء میں شادی ہوئی اور اسی سال بہت سے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا بیٹا، آرتھر پیدا ہوا اور عیار اسقف مورٹن کی تدبیر کہ ان دو خاندانوں کو ملا دیا جائے، پوری طرح کامیاب ہو گئی۔ مگر ہینری تلا ہوا تھا کہ بادشاہی اس کے ذاتی حق پر مبنی رہے گی نہ کہ بیوی کے۔ اور اسی لئے کچھ عرصے تک ملکہ ملکی معاملات میں پسِ پشت رہی اگرچہ خانگی طور پر بادشاہ اس سے محبت آمیز برتاو کرتا رہا۔

(ہینری کے انھی کاموں سے اس کی خوخصلت ظاہر ہو گئی۔ وہ مزاج کا ٹھنڈا، محتاط، مستقل۔ اچھا خاصہ سپاہی اور خلقی سیاست داں تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی بعض باتیں ایسی تھیں جو شاہانِ ماسبق سے اسے ممتاز کرتی اور صحیح معنی میں عصرِ جدید کا پہلا انگریز بادشاہ کہلانے کا مستحق بناتی ہیں۔ اس کی شبیہیں دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بدرجۂ اولیٰ مفکر اور محنتی آدمی تھا اور یہی خال و خط بتاتے ہیں کہ اس کے چہرے میں جو "پادری پن" بیان کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ بخلاف اس کے ملکہ خاص یارکی نمونے کی تھی۔ چہرہ بھرا ہوا جذباتِ نفسانی کا مرقع دکھاتا تھا،

جیساکہ ایڈورڈ چہارم کی بیٹی کو ہونا چاہیئے تھا۔

ہینری کی حکمتِ عملی

اپنے مزاج کے موافق ہینری تمام عہد میں جبر و جور کی بجائے زیادہ تر سیاسی جوڑ توڑ سے کام نکالتا رہا۔ ضرورت کے وقت جنگ کی قابلیت دکھانے میں اس نے کمی نہیں کی لیکن ترجیح اسی کو دی کہ کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے دشمن کو اپنی چالوں سے دنگ کر مارے۔ اس کی حکمتِ عملی کے دو بڑے مقصد تھے (ایک تو یہ کہ تخت سلطنت اپنے اور اپنی اولاد کے لئے محفوظ اور تمام حریفوں کا قلع قمع ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اُمرا کی طاقت توڑ کر بادشاہی اقتدار کو مضبوط کیا جائے۔ آخر میں ایک تیسرا مقصد یہ بھی) اُس نے بڑھا لیا تھا کہ ممالک یورپ کے معاملات میں عملی حصہ لیا جائے اور ازدواجی تعلقات سے اپنی قوت بڑھائی جائے۔ ہینری نے یہی تین بنیادی مقاصد اپنی اولاد میں ورثہ چھوڑے اور اُس زمانے کے حالات ایسے تھے کہ تھوڑے سے تغیر و تبدّل کے ساتھ تمام ٹیوڈر بادشاہوں کی حکمتِ عملی انھی پر مبنی رہی لیکن واضح رہے کہ ایسی حکمتِ عملی سے صرف ہر دلعزیز بادشاہ کام لے سکتے تھے کیونکہ بادشاہ کے پاس مستقل فوج نوکر نہ ہونے کی صورت میں، اگر بغاوت ہو تو قانون پسند رعایا ہی کے حسنِ عقیدت پر بھروسہ ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ہینری اور اس کے جانشینوں نے شرفا اور طبقۂ متوسّط کا دل ہاتھ میں لینے کی غرض سے جان و مال کے حفاظتی قوانین پر سختی سے عمل کرایا۔ انھوں نے ایک طرف تو بڑے امرا کے خدم وحشم کو دبایا کہ انھی کے وجود سے خانہ جنگی بپا ہو سکتی تھی اور دوسری طرف قزاقی اور ظلم کی ہر صورت کا سختی سے سدّ باب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جان و مال کی حفاظت کا ایسا اطمینان پیدا ہو گیا کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ لوگوں میں اسلحہ باندھنے کا عام رواج موقوف ہو گیا۔ اہل حرفہ کو تجارت کی نئی سہولتوں سے فائدہ پہنچا تو وہ حکومت کے مستقل طور پر مدد و معاون بن گئے۔

اپنے باقاعدہ منصوبے کے مطابق، سب سے پہلی فکر تو ہینری نے یہ کی کہ حریفوں کو قابو میں لایا جائے۔ رچرڈ ثالث نے مختلف موقعوں پر ایڈورڈ (پلان ٹا جینیٹ)، جان دی لا پول (ابیر لنکن) اور جان دی لا پول (ابیر سفک) کو اپنا

جانشین بنانے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ایڈورڈ، شہزادۂ کلیرنس کا بڑا بیٹا اور ردادی کے بعد امارت وارک کا وارث ہونے والا تھا۔ اسے تو ضلعدار ہنٹن نے یارک شہر میں گرفتار کر کے قلعۂ لنڈن کے زنداں میں بھیجدیا اور امیر لنکن کو، جو بادشاہ کی بہن الزبیتھ کا بڑا بیٹا تھا، قبولِ اطاعت اور دربار میں رہنے کی اجازت دیدی گئی۔

بغاوتیں۔ سمنیل کا مفسدہ

مگر ان سب احتیاطوں کے باوجود شورش و فساد بپا ہوئے بغیر نہ رہا۔ ۱۴۸۶ء میں ہینری نے شمالی اضلاع کا دورہ کیا تو یارک شہر اور ورسٹر شر میں سخت ہنگامے ہوئے اور مقدم الذکر علاقے میں تو وہ شورہ پشتوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بال بال بچا۔ اِن یارکی باغیوں کا سرغنہ امیر لوول تھا۔ اسی سال رچرڈ سائمن نامے پادری نے ایک لڑکے مسمی لیمبرٹ سمنیل کو ایڈورڈ (پلان ٹاجینٹ) کا روپ دھارنا سکھایا اور اُس سے آئرستان میں خروج کیا جہاں خاندانِ یارک ہمیشہ سے مقبولِ عام و خاص تھا۔ چنانچہ یہ مدعی وہاں بلامزاحمت بادشاہ بن بیٹھا اور اس فریب کو مزید قوت اس لیے پہنچ گئی کہ امیر لنکن دربار سے یکایک فرار ہو کے فلینڈرس چلا گیا اور یہ خبر مشتہر کی کہ خود میں نے ایڈورڈ کو نکل بھاگنے میں مدد دی تھی اور آئرستان جاتے وقت اُس سے ملاقات کر چکا ہوں۔ فلینڈرس میں لوویل بھی اُسے آملا اور چارلس دلیر کی بیوہ مارگریٹ نے انھیں بہت کچھ مدد دی۔ اسی کی اعانت سے دو ہزار قواعد داں جرمن سپاہی مارٹن شوارز کی قیادت میں، اُجرت پر رکھے گئے اور یہ فوج مئی ۱۴۸۷ء میں آئرستان پہنچ گئی۔ پھر سمنیل اور ایک آئرستانی جمعیت کو لیکر لنکن ساحل انگلستان پر بارڈسی ان فرنس میں لنگر انداز اور یارک شہر میں داخل ہو گیا۔ مگر یہاں ان کی زیادہ آؤبھگت نہ ہوئی اور جنوب کی طرف واپسی میں خود بادشاہ سے نیوآرک کے قریب اسٹوک (اپان ٹرینٹ) پر مقابلہ ہو گیا۔ یہ لڑائی بوسورتھ سے زیادہ خونریز ہوئی۔ لنکن اور شوارز مارے گئے۔ لوول مفقود الخبر ہو گیا۔ سمنیل اور سائمن اسیر کر لیے گئے اور سائمن کو تو پھانسی ملی اور سمنیل شاہی باورچی خانے کے برتن دھونے پر رکھ لیا گیا۔ غرض ساری باغی فوج کا تار و پو و بکھر گیا۔ ورنہ، اگر یہ بغاوت کامیاب ہو جاتی تو غالباً لنکن خود بادشاہ بن بیٹھتا۔ بہرحال، اب تو ایسی زبردست فوج کو شکست دینے سے بادشاہ کی شہرت

بڑھ گئی اور یارکی فریق کو خوش کرنے کی غرض سے اس نے ملکہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنی بھی مصلحت سمجھی جسے اب تک ٹالتا رہا تھا۔

آیندہ پانچ سال تک یارکی فریق خاموش رہا۔ مگر ۱۴۹۲ء میں پھر ایک فریبی نے خروج کیا جس کا نام بہت جلد ثابت ہو گیا کہ پرکن اوس بیک یا واربیک تھا مگر اُس نے دعوی کیا کہ میں رچرڈ دامیر کبیر یارک) ہوں اور اپنے بڑے بھائی کے قتل کے وقت قلعۂ لندن سے نکل بھاگا تھا۔ اس فریب نے بھی آئرستان میں فروغ حاصل کیا بلکہ حق یہ ہے کہ کورک کے لوگوں نے نووارد اور خوش لباس پرکن سے یہ کہہ کر کے وہ ہو نہ ہو کوئی شہزادہ ہے، گویا اُسے یہ بہروپ بھرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر، اگرچہ پرکن کی اصلیت بہت کچھ ظاہر ہو گئی تاہم اُس کا فریب ہینری کے حق میں کافی زحمت کا موجب ہوا۔ وہ اصلی شہزادوں کی موت کو ٹھیک طور پر ثابت نہ کر سکا کیونکہ اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کو اُن کے مرنے کا یقین ہی نہ تھا۔ آئرستان سے پرکن، ستمبر ۱۴۹۱ء میں فرانس آیا اور وہاں چارلس ہشتم نے، جس کا ہینری سے اختلاف ہو گیا تھا۔ اُس کی خوب آؤ بھگت کی پھر فرانس وانگلستان میں صلح ہوئی اور پرکن کو فلینڈرس جانا پڑا تو وہاں بھی مارگریٹ (یارکی) نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور فریب سے بیان کیا کہ یہی میرا اصلی بھانجا ہے۔ تین سال تک وہ مارگریٹ کے پاس رہا لیکن ہینری نے انگریزی اُون کی برآمد بند کر دی جس پر وہاں کے شہریوں کی ساری تجارت مبنی تھی اور ہینری خوب جانتا تھا کہ یہی شہری فلینڈرس کی حکومت کے رہنما ہیں چنانچہ وہاں کے نوجوان والی فلپ (حسین) نے انگلستان سے ایک تجارتی معاہدہ کیا اور پرکن کو نکالنے کے عوض میں بہت سی مراعات حاصل کر لیں جس سے فلینڈرس والوں کی تجارت کو بڑا دیرپا فائدہ حاصل ہوا۔ یہ معاہدہ جس سے فلینڈرس کے شہری بہت خوش ہوئے (ارتباط کبیر) کہلاتا ہے پرکن نے فلینڈرس سے نکل کے کینٹ میں اُتر جانے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہوا اور آئرستان واپس آکر اسکاٹ لینڈ چلا گیا جہاں کے بادشاہ نے ہینری پر اپنا رعب جمانے کے لئے اس کی خاصی خاطرداری کی۔ حتی کہ دو سال تک مہمان رکھا اور اپنی ایک رشتہ دار سے شادی کی بھی اجازت

دے دی، اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ واقع میں اُس کی شہزادگی کا یقین رکھتا تھا یا نہیں۔ ایک مرتبہ شاہ اسکاٹ لینڈ (جیمس چہارم) اسے اپنے ساتھ لیکر انگلستان کی سرحدیں بھی داخل ہوگیا تھا مگر نارتھمبرلینڈ کے کسانوں کا ستانا پرکن کو خوش نہ آیا اور یہ مہم بہت جلد واپس ہوگئی۔ آخر جیمس اکتا گیا اور پرکن اپنی بیوی سمیت آئرستان واپس آیا۔ اس سفر میں مشہور جہازی اینڈرو اور رابرٹ بارٹن بطور بدرقہ اس کے ساتھ تھے۔ مگر آئرستان میں جہاں ہینری کی دانشمندانہ حکومت سے امن ورفاہ پیدا ہو رہے تھے، پرکن کو زیادہ مدد نہ ملی اور ادھر کورنوال کے واقعات سے کرا سے امید ہوئی کہ شاید وہاں وہ کچھ کر سکے گا۔

لیکن پرکن کے فلینڈرس چھوڑنے سے قبل ہی ہینری نے لوگوں کو یہ دکھادینے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ غداری اور بے وفائی کا وہ ذرا بھی روادار نہ ہوگا۔ اس امر کی شہادتیں جمع ہو رہی تھیں کہ حاجب شاہی سر ولیم اسٹینلی پھر وہی دورنگی کی حرکتیں کر رہا ہے جیسی رچرڈ ثالث سے کیں اور اسے فریب دیا تھا۔ ہینری نے

اسٹینلی کا قتل

فوراً اسے گرفتار کرا لیا اور عدالتی تحقیقات کے بعد جان سے مروا ڈالا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اوس ورتھ میں ہینری کو تاج پہنایا تھا۔ اور اس کا یہ حشر دیکھکر سب کو کان ہو گئے کہ بادشاہ کا تقرب بھی کسی کو بیوفائی کی سخت ترین سزا سے نہیں بچا سکتا اور پرکن کو اپنی حمایت میں کوئی جتھا تیار کرنے کی امید تھی بھی تو وہ خاک میں مل گئی۔

۱۴۹۷ء میں اسکوٹوں کی ایک اور یورش روکنے کے لئے، پارلیمنٹ نے ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کی امداد منظور کی اور چالیس ہزار پونڈ کا قرضہ بھی فراہم کیا گیا۔ انہی وصولیوں پر کارنول کے لوگ بگڑے کہ اسکوٹوں کی معمولی اور چند روزہ

کارنول کی شورش

اچھل کود پر ہم سے اتنا روپیہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس ناراضی نے ایک قانون پیشہ آدمی، ٹامس فلیمک، اور ایک لہار مائیکل جوزف کی سرگروہی میں باقاعدہ شورش کی صورت اختیار کی اور اہل شورش جمع ہوکر لندن کی طرف روانہ ہوئے۔ ویلز میں لارڈ آوڈلے ان میں آملا اور اس کے ماتحت یہ لوگ کینٹ پہنچے۔ وہ ابھی بلیک ہیتھ تک آئے تھے کہ خود ہینری نے

باب اول

سوار و پیادہ اور توپ خانے سے اُن پر حملہ کیا۔ سرداروں کو سزائے قتل دی گئی مگر ان کے ساتھیوں سے اتنی نرمی کا برتاو ہوا کہ لوگ سمجھے ہینری سختی کرنے سے ڈرتا ہے۔ اور پرکن کو بھی یہی پیام پہنچے کہ اگر وہ کارنول آجائے تو بہت سے ساتھی مل جائیں گے۔ چنانچہ پرکن، وھٹسنڈ بے پر لنگر انداز ہوا اور تین ہزار آدمیوں نے اس کی رفاقت کی۔ انھیں لے کر اس نے اگزیٹر پر ناکام حملہ کیا اور پھر ٹانٹن کی طرف بڑھ گیا۔ اس عرصے میں ہینری کے خیر خواہ بھی مسلح ہو چکے تھے۔ پرکن کو نظر آگیا کہ کسی بڑی بغاوت بپا ہونے کی توقع نہیں رہی لہذا فوج کو چھوڑ کر وہ بولیو کی خانقاہ میں پناہ گزین ہوگیا اور جان بخشی کے وعدے پر از خود پادشاہی حراست میں آگیا۔ ہینری کو بڑی خوشی ہوئی کہ اُس نے اپنی جعلسازی کا تفصیلی اقبال کیا اور لنڈن کے بازاروں میں تشہیر کرا کے اُسے نگرانی میں رہنے دیا۔ اس کی بیوی کیتھرائن ملکہ کی ملازمت میں لے لی گئی۔ ساتھ والوں نے پرکن کی فراری کے بعد ہی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ صرف چند کو سولی دی گئی لیکن ہینری نے بہت سے لوگوں پر حسب حیثیت جرمانے ضرور کیے کہ مغربی اضلاع والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ سزا دینے سے خوف نہیں کرتا۔ پرکن پہلے دربار میں تھا مگر بھاگنے کی بے سود کوشش کی سزا میں قلعۂ لنڈن میں محبوس کر دیا گیا۔ وہاں اُس نے اپنے ساتھی قیدی بدنصیب امیر وارک سے پیام سلام کی راہ نکالی اور ۱۴۹۹ء میں ملکر بھاگ جانے کا منصوبہ گانٹھا لیکن اس کا پتہ چل گیا اور بادشاہ کو وارک کا قصہ چکانے کا یہ موقع ہاتھ آیا کہ غداری کے جرم پر اس بدقسمت امیر کا سر قلم کرا دیا جس کی عمر کے ۲۸ میں سے ۱۴ سال قید میں گزرے تھے۔ پرکن کو ٹائی برن میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

وارک کی موت سے یارک کی خاندان کے نرینہ وارثوں کا خاتمہ ہو گیا۔ باوجود اس کے ہینری کو امیر لنکن کے چھوٹے بھائیوں سے خطرہ رہا۔ ان میں ایک رچرڈ اور دوسرا ایڈمنڈ ڈی لاپول (امیر سفک) تھا اور یہ دونوں ۱۵۰۱ء میں فرار ہو کر یورپ چلے آئے۔ اسی غداری کے سلسلے میں گینیز کا قلعدار، سر جیمس ٹیرل غداری کی علت میں ماخوذ ہوا اور سزائے موت کا مستوجب قرار پایا تو مرنے سے پہلے اُس نے اقبال کیا کہ رچرڈ ثالث کے

برادرانِ ڈی لاپول

عہد میں وہ دونوں چھوٹے شہزادے، جو قلعۂ لندن میں محبوس تھے، ہیری کی شرکت سے قتل کرائے گئے۔ اور اسی بیان پر واقعۂ مذکور کی تمام بعد کی روایتیں مبنی ہیں۔ سفک سنہ ۱۵۰۵ء تک باہر رہا اور سنہ ۱۵۰۶ء میں جان بخشی کے وعدے پر فلیپ والی برگنڈی نے اسے ہینری کے حوالے کر دیا۔ ہینری نے وعدے کی خلاف ورزی نہ کی مگر ہینری ہشتم کے زمانے (سنہ ۱۵۱۳ء) میں وہ قتل کرا دیا گیا اور اس کا بھائی ممالک یورپ ہی میں رہا یہاں تک کہ معرکۂ پیویا (سنہ ۱۵۲۵ء) میں کام آیا۔ وارک کی ایک ہی بہن (مارگریٹ) تھی جس کی شادی سر رچرڈ پول سے ہوی اور بہت سے بچے ہوے جنھوں نے آیندہ تاریخ میں نمایاں حصہ لیا۔

سمنیل اور پرکن کو آئرستان میں طرفدار ملے تھے۔ اس واقعے نے ہینری کو خواہی نہ خواہی اس ملک کی جانب متوجّہ کیا جہاں لوگوں میں بغاوت کا اتنا میلان تھا کہ ہینری نے وہاں کے بعض باشندوں سے کہا کہ آقایانِ آئرستان، آپ لوگ تو بادشاہوں کی بجائے بندروں کے سر پر تاج رکھنے میں تامّل نہ کریں گے۔

آئرستان

آئرستان کی حالت انگریزوں کی نام نہاد فتح کے وقت سے ہینری کے عہد تک تقریباً یکساں رہی تھی۔ ملک بڑے بڑے رقبوں میں بٹا ہوا تھا اور ان میں سے اونیل، اوبرائن وغیرہ بعض بڑے بڑے خاندانوں کے سرگروہ تھے۔ اور بعض جیسے کلدیر کے جیرالڈین، کاناٹ کے بورک اور آرمنڈ کے بٹلر بڑے نارمن خاندانوں کے وارث تھے انگریزی حکومت کے عام آئین یہاں بھی جاری کر دئے گئے تھے اور آئرستان میں پارلیمنٹ، مجلس شوریٰ، شاہی عدالتیں، میر عدل وغیرہ سب محکمے موجود تھے لیکن ڈبلن شہر یا کلدیر، ڈبلن، میتھ اور لاؤتھ کے پرگنوں کے باہر ان عہدہ داروں کو کوئی نہ پوچھتا تھا اور مذکورۂ بالا چار پرگنے مجموعی طور پر علاقہ (یعنی انگریزی علاقہ) یا حدود (The Pale) کہلاتے تھے۔ سبب یہ کہ نارمن رئیس اپنے اپنے علاقوں میں موروثی اور خود مختار ہوتے اور آئرستانی خاندانوں میں خود اُن کا مقامی قانون چلتا تھا۔ اس طرح ایک قسم کا جاگیرداری تمدن پیدا ہو گیا تھا جو انگلستان میں کبھی وجود میں نہ آیا اور فرانس و جرمانیہ کے جاگیرداری تمدن سے نسبتہً بہت مماثل تھا۔ حکومت کی بڑی کوشش یہ رہی کہ نارمن آبادکاروں کو آئرستانی باشندوں میں مل کر ان جیسا جنگلی اور وحشی نہ بننے دے ورنہ

کہا جاتا تھا کہ وہ آئرستانیوں سے بڑھ کر آئرستانی ہو جائیں گے۔ ملک کے حالات کا اندازہ دو نمونے کے آئین سے ہوتا ہے۔ ایک تو ۱۳۶۶ء میں آئین کل کینی کے نام سے نافذ ہوا اور اس کی رو سے کسی انگریز متوطن کا آئرستان کی رسم و رواج اختیار کرنا، وہاں کی زبان بولنا یا وہاں کی عورت سے شادی کرنا غداری قرار پایا۔ اور دوسرا سو برس بعد ۱۴۶۵ء کا قانون ہے جس میں پارلیمنٹ نے (انگریز) احرار کے لئے کسی چور یا جس پر چور ہونے کا شبہ ہو اسے قتل کرنا اور اس کا سر حکومت کے حوالے کرنا، جائز قرار دیا۔ ایک ایسے ملک میں سیاسی اور تمدنی زندگی کی ابجد بھی لوگ نہ جانتے تھے لہذا ہینری نے قصد کیا کہ اس کا خاطر خواہ بندوبست کیا جائے۔

قوانین پوئی ننگز

مگر چند سال تک وہ ناظم آئرستان ایرل کلڈیر ہی سے نجات نہ پا سکا۔ یہ شخص طرح طرح کی دغابازیوں کے باوجود اتنا طاقتور تھا کہ اسے عہدے سے ہٹانا غیر ممکن تھا اور لوگ کہا کرتے تھے کہ تمام آئرستان بھی اسے قابو میں نہیں لا سکتا۔ نتیجہ یہ کہ بقول ہینری کے "وہ تمام آئرستان کو قابو میں رکھتا تھا"۔ بالآخر ۱۴۹۴ء میں بادشاہ میں اتنی قوت آگئی کہ اپنے معتمد علیہ سر ایڈورڈ پوئی ننگز کو ناظم آئرستان مقرر کرے جو زمانۂ جلاوطنی میں اس کا رفیق تھا۔ پوئی ننگز نے کلڈیر کو گرفتار کیا اور ڈروک ہڈا میں پارلیمنٹ منعقد کی جس میں بہت سے یادگار قوانین مرتب ہوئے جو پوئی ننگز کے نام سے منسوب ہیں۔ ان کا مختلف مسائل سے تعلق تھا مگر تین سب سے اہم قانون یہ تھے:۔ (۱) آئرستان میں کوئی پارلیمنٹ شاہ انگلستان اور اس کی مجلس شوریٰ کی رضامندی کے بغیر منعقد نہ کی جائے۔ (۲) جب تک انگریزی مجلس مسودۂ قانون کو منظور نہ کرے، وہ آئرستان کی پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو۔ اور (۳) انگلستان کی پارلیمنٹ نے جو قوانین زمانۂ قریب میں منظور کئے ہیں وہ سب آئرستان میں بھی واجب العمل ہوں گے۔

اس قانون سازی کا مطلب یہ تھا کہ آئرستان میں گویا از سر نو حکومت شروع کی جائے مگر ان کا منشا بڑے بڑے انگریز آبادکاروں کو قابو میں لانا تھا۔ آئرستان کے اصلی باشندوں پر ان کا بمشکل کوئی اثر پڑا۔ اِن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نیابتی حکومت جیسی ہونی چاہیئے، اس سے کس قدر دور تھی اگرچہ خود انگلستان کی پارلیمنٹ بھی

آئرستانی پارلیمنٹ سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہ تھی اور ہینری ہفتم کے زمانے میں یہاں بھی کسی نئے قانون کی تحریک کرنا بادشاہ اور اس کی مجلس ہی کے اختیار میں تھا۔

مذہبی مدعیوں سے ہینری کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی۔ لیکن اس خلفشار میں بھی وہ اپنے نصب العین یعنی شاہی اقتدار کو مضبوط کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ اس کام میں اس کا دست راست جان مورٹن تھا۔ یہ شخص پہلے ایلی کا اسقف اور وقائع دار رہا پھر بورشئے کے مرنے پر صدر اسقف کینٹربری کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔ وہ بہت قابل، تجربہ کار اور اپنے زمانے کے پادری عہدہ داروں کا نمایندہ تھا اور دل وجان سے بادشاہ کی خدمت انجام دینے میں شغف رکھتا تھا۔ اپنی وفات واقعہ ۱۵۰۰ء تک اس کو ہم بادشاہ کا سب سے ممتاز وزیر اور آئینی معاملات میں سب سے معتمد علیہ مشیر کہہ سکتے ہیں۔ وہ ہینری خوب سمجھتا تھا کہ امرا کے خدم کو موقوف کرنا امن کی اصلی ضمانت ہے اور پارلیمنٹ سے وردی یا معاش دینے کو مجرمانہ قرار دلوانے کے بعد اس نے عمل کرانے کی تدبیریں سوچیں تاکہ یہ قانون سابقہ قوانین کی مثل طاق نسیاں پر دھرا نہ رہ جائے بلکہ فی الواقع ملک میں نافذ ہو۔ اس غرض سے اس نے ایک نئی عدالت قائم کی جو عوام کے اثر سے آزاد تھی اور جس میں نہ تو جوری کی ہمدردی ملزم کو بیجا فائدہ پہنچا سکتی تھی اور نہ دولتمند یا مقتدر امیروں کی تہدید ورشوت کا اس پر اثر پڑتا تھا۔ یہ نئی عدالت پارلیمنٹ کے قانون سے مرتب ہوئی اس میں چینسلر، وزیر خزانہ، شاہی مہر بردار، ایک اسقف، مجلس شاہی کا ایک رکن اور دو میر عدل شامل ہوتے تھے اور ان کا کام اس قسم کے جرائم کی سماعت کرنا تھا جیسے جنگی خدم، معاشداری، جوری میں اپنے آدمی بھر دینا، بلوے کا اشتعال دلانا وغیرہ جن کی تحقیقات معمولی عدالتوں میں دشوار ہوتی تھی۔ ان میں سب سے اہم جنگی خدم اور معاشداری کے مقدمات تھے کہ عہد وسطیٰ میں ہر امیر انہی کو اپنے اقتدار و نمود کا ذریعہ سمجھتا تھا اور خدمتگاروں کی

جان مورٹن

نئی عدالت

زیادہ سے زیادہ تعداد فراہم کرتا کہ جنگ میں اس کی طرف سے لڑیں اور امن کے زمانے میں اسی کے طرفدار ہوں اور یہ طرفداری بھی اکثر جبر و جدال کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ معاشداری کی خصوصیت یہ تھی کہ بڑے بڑے لوگ اپنے کمزور رفیقوں کی پشت پناہی کرتے، جیسے شہزادہ جان (گونٹ) نے وکلف کی کی اور عدالت میں اپنے جنگی خدم لے کر پہنچ جاتے کہ جوری اور حاکم عدالت کو خوفزدہ کر کے اُن سے اپنے حسبِ مراد فیصلہ حاصل کر لیتے۔ اس طریقے کی خرابیاں ظاہر ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا کہ معاشدار اور اُن کے ولی نعمت اس طرح بہت سا ناجائز روپیہ حاصل کر کے اسے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اور چونکہ یہی جنگی خدم اور معاشداری کے طریقے پندرھویں صدی کے جاگیرداروں کے اقتدار کی اصلی بنیاد تھے، لہٰذا ہینری نے تہیہ کر لیا کہ ان کا پورا استیصال کر دیا جاسے۔ نئی عدالت مقرر کرنے میں بڑی چال یہ تھی کہ یہ عدالت خاطی پر اتنا سخت جرمانہ کرتی کہ وہ پھر ایسا جرم کرنے کے قابل ہی نہ رہتا تھا۔ اس بارے میں ہینری کے بڑے سے بڑے دوستوں کے ساتھ بھی رعایت نہیں کی گئی۔ جس طرح اُس نے سر ولیم اسٹینلی کا سر قلم کرا کے ثابت کر دیا تھا کہ گذشتہ خدمات آیندہ غداری کا جواز نہیں ہوسکتیں اسی طرح اپنے پرانے سپہ سالار امیر اکسفرڈ کے معاملے میں اُس نے ایک نظیر قائم کر دی کہ جنگی خدم کی آیندہ کسی کو اجازت نہیں مل سکتی۔ ایک دن ہینری اُس امیر کے مکان پر آیا اور واپس جاتے وقت شرفا اور سپاہیوں کی دو قطاروں سے گزرا جو امیر اکسفرڈ کی وردی پہنے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا یہ تمھارے نوکر ہیں؟ اکسفرڈ نے جواب دیا نہیں، میرے پاس اتنی دولت کہاں۔ البتہ یہ میرے جلو کے لوگ ہیں جو آپ کے اعزاز میں جمع ہوئے ہیں۔" بادشاہ نے کہا" اس مہمان نوازی کا شکریہ۔ لیکن میں اپنے سامنے اپنے قوانین کی خلاف ورزی گوارا نہیں کر سکتا"۔ چنانچہ اکسفرڈ نئی عدالت کے روبرو طلب کیا گیا اور اس پر پندرہ ہزار اشرفی جرمانہ ہوا جسے ہمارے زمانے کے ڈیڑھ لاکھ پونڈ کے برابر سمجھنا چاہیئے۔ یہ نظیر بے اثر نہ رہ سکتی تھی اور تھوڑے ہی دن میں شکایتیں سُنی جانے لگیں کہ خدم کے لوگ جو اپنی خدمت سے الگ ہوئے

امیر اکسفرڈ

چوری اور ڈکیتی کرنے لگے ہیں۔

مجلس خاص ہر چند یہ عدالت جو اسی قسم کے جرائم کے واسطے مرتب ہوئی تھی مگر حقیقت میں یہ مجلس خاص کے تعزیری اختیارات کی ایک تجدید تھی۔ ہینری ثالث کے زمانے سے مجلس کے عدالتی فرائض خاص عدالتیں انجام دینے لگی تھیں اور خود وہ محض مشیروں کی جماعت رہ گئی تھی۔ اگرچہ کمزور بادشاہوں کے وقت میں پارلیمنٹ اسی جماعت کو شاہی اختیارات کی روک تھام کا کام سپرد کر دیتی تھی لیکن طاقتور بادشاہوں کے عہد میں اس کا نام بھی بہ مشکل سننے میں آتا تھا۔ مگر ہینری چہارم اور لینکاسٹری خاندان کے بادشاہوں کے وقت میں مجلس خاص مستقل رتبہ اختیار کرنے لگی اور اس سے مشورے کے علاوہ عاملانہ خدمات بھی لی جانے لگیں۔ ہینری ششم کی خرد سالی میں اس کی قدر و منزلت سُرعت سے بڑھی اور "بادشاہ اور مجلس خاص" کے جملے نے رفتہ رفتہ دلنشیں کرا دیا کہ یہ جماعت بادشاہی اختیارات میں ایک حد تک شریک وسہیم ہے۔ ایڈورڈ چہارم نے دارالعوام کے ارکان شامل کر کے اس کی نیابتی حیثیت کو اور ترقی دی اور خواہ اسے محض پارلیمنٹ کی کمزوری سمجھا جائے۔ یا عمداً کوشش کا نتیجہ ملوک ٹیوڈر نے اسے حکمرانی کا خاص آلہ بنا لیا۔

پارلیمنٹ کی کمزوری پارلیمنٹ کی جس کمزوری کا اوپر اشارہ کیا گیا۔ یہ ایڈورڈ چہارم ہینری ہفتم اور اوائل عہد ہینری ہشتم کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کے اسباب مختلف تھے۔ جن میں سب سے بڑا سبب اُمرا کے انحطاط کو سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ بادشاہ کے کسی مقرب یا نامقبول حکم کی مخالفت اسی وقت کارگر ہو سکتی تھی جب کہ دارالعوام کو امیروں کی فوجی اعانت میسر آئے۔ دوسرے آبادی کے جن طبقات پر پارلیمنٹ مشتمل ہوتی، ان کی رائے کے مطابق ملوکِ ٹیوڈر ازخود چلتے رہے اور اس نے بھی پارلیمنٹ کی قوت کو کمزور کیا۔ بہرحال، ایڈورڈ چہارم اور ہینری ہفتم کے عہد میں پارلیمنٹ زیادہ تر یہی کرتی رہی کہ بادشاہ اور مجلس خاص جن تجاویز کو مرتب کرتے اُن کو چپ چاپ منظور کر لیتی اور روپے کی منظوریاں دے دیتی تھی۔

ہینری ہفتم کی ہدایت سے جو اہم قوانین منظور ہوئے، انھی میں ایک کا منشا یہ تھا کہ ایسے عہدہ دار جو کسی مشتبہ حق کے بادشاہ کے وقت میں بر سر خدمت رہے ہوں، اُن کے حقوق خدمت محفوظ ہو جائیں۔ یہ قانون ۱۴۹۵ء میں منظور ہوا اور اس کا مفاد یہ تھا کہ "ملک کے کسی بادشاہ اور فرماں روائے وقت کے تحت میں جو شخص وفاداری اور سچائی سے خدمت انجام دے گا، وہ کسی قانون یا پارلیمنٹ کے حکم سے غداری کا مرتکب قرار نہ پائے گا اور نہ اس کے مال کی ضبطی یا اور کوئی سزا دی جائے گی۔ اور اس کے خلاف جو کوئی قانون یا ضابطہ مرتب ہو، وہ باطل و بے اثر ہو گا"۔ اس طرح فرماں روائے اصلی اور فرماں روائے وقتی میں ایک امتیاز قائم ہوا، مگر اسی کے ساتھ جو لوگ یارک کی خاندان کے واسطے محض اس بنا پر سازشیں کرنے پر آمادہ ہوتے تھے کہ کہیں آیندہ مستوجب سزا نہ قرار دے دیئے جائیں، ان کے دلوں سے یہ خوف زائل ہو گیا۔

ایک اور اہم قانون جرمانوں کا آئین تھا جو رچرڈ ثالث کے ایک حکم کی تقلید میں نافذ ہوا۔ اس کا مقدم مقصد یہ تھا کہ جاگیروں کی ملکیت کی سہل راہ نکل آئے۔ گذشتہ جنگ کی گڑبڑ میں متعدد قضیئے پیدا ہو گئے اور بہت سی ضبطیاں عمل میں آئیں۔ اسی کو پیش نظر رکھکر یہ قانون وضع کیا گیا کہ کسی زمین کے مقدمے میں سرکاری عدالت میں جرمانے کا اعلان کر دیا جائے تو پھر خاص خاص صورتوں کے سوا پانچ سال بعد زمین پر کسی قسم کا دعویٰ نہ کیا جا سکے گا۔ اس قانون کے بالواسطہ نتائج ظاہری مقاصد سے کہیں زیادہ وسیع تھے کیونکہ وکیلوں کو اس میں موقوفہ جائیدادوں کی تنسیخ کے عجیب عجیب پہلو نظر آئے اور بہت سے قدیم زمیندار جو اسراف یا جنگ کی وجہ سے مفلس رہ گئے تھے، انھیں زمینوں کے بیچنے کا موقع مل گیا چنانچہ بہت سی موقوفہ جائدادیں منڈی میں آئیں اور شہروں کے دولت مند سوداگروں نے انھیں خریدنا شروع کیا جو پہلے ممکن نہ تھا۔

ہینری ہفتم کے زمانے میں پارلیمنٹ نے براہ راست زیادہ محصول عائد نہیں کئے اور یہ بادشاہ خوب جانتا تھا کہ ایسے محاصل کس قدر نامقبول ہوتے ہیں۔ کارنول کی شورش کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ یارک شیر میں بمقام ٹوپ کلف محاصل کی

وصولی ہی کے سلسلے میں سخت بلوہ ہوگیا۔ اور اسی طرح مواضعِ پرسی میں ہنگامہ ہوا اور اسی میں امیر نارتھمبرلینڈ کو خود اس کے کاشتکاروں نے قتل کر دیا جو برٹینانی کی مہم کے لئے مالیت کا مزید ایک عشر اور اثاث البیت کا ایک سُدس دینا نہ چاہتے تھے۔ نظر برایں حالات ہینری نے خزانہ بھرنے کے لئے بالواسطہ محاصل پر حصر کیا۔ انھی میں نذرانوں کی وصولیابی تھی۔ پہلی دفعہ ایسے نذرانے ۱۴۹۱ء میں وصول کئے گئے اور عمائد کی ایک بڑی مجلس نے اسے منظور کیا۔ اس قسم کی مجلسیں ہینری کو بہت پسند تھیں اور وہ پارلیمنٹ کی بجائے کام دیتی تھیں پادری مورٹن نے محصلوں کے نام جو ہدایات تحریر کیں ان میں لکھا کہ "اگر وہ پس انداز کرنے والوں سے ملیں تو کہیں کہ تمھیں نذرانہ دینا چاہئے کیونکہ تمھارے پاس جمع ہے اور اگر مسرفوں سے ملاقی ہوں تو کہیں تمھاری وضع قطع سے ظاہر ہے کہ خوب خرچ کرتے ہو، پھر نذرانہ دینے میں کیا عذر ہے" کہا جاتا ہے کہ اسی چالاکی کی بدولت یہ طریقِ تحصیل "مورٹن کی جھاڑو" (Morton's Fork) مشہور ہوگیا تھا۔ بعد میں پارلیمنٹ نے بھی اس کی منظوری دی اور لوگوں کو حکماً باقیات ادا کرنی پڑیں۔

ان وصولیابیوں نے بھی ہینری کو اتنا غیر ہر دلعزیز نہیں بنایا جتنا اس زرکشی نے جس کے بانی سر رچرڈ ایمپسن اور سر ایڈمنڈ ڈڈلی سمجھے جاتے تھے۔ یہ مالگزاری کے عہدہ دار قدیم جاگیرداری رسوم و قواعد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکالتے جو نئے تمدن میں متروک ہوگئے یا ہوتے جاتے تھے۔ اور پھر جس شخص کی نسبت معلوم ہوتا کہ عمداً یا سہواً کسی شاہی قاعدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے اسے عدالت میں بلا کے سخت ترین جرمانہ کر دیتے تھے۔ قانون کے اس بیجا اور جابرانہ استعمال کی بدولت لوگ ایسے ناراض ہوئے اور ان دونوں امیروں کی وہ بدنامی ہوئی کہ آج تک بادشاہ کے فائدے کے لئے جو قانون میں کھینچ تان کرتے ہیں وہ بطور ضرب المثل انھی ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی شکوہ شکایت کے باوجود ہینری روپیہ جمع کرتا رہا۔ اپنی ذات پر اُس نے زیادہ خرچ نہیں کیا اور مرا تو بہت کچھ مال متاع چھوڑ گیا جن میں سب سے زیادہ قیمتی زیورات تھے اور ان کی قیمت کا زمانۂ حال کے حساب سے ایک کرور اسّی لاکھ پونڈ تخمینہ کیا گیا ہے۔

باب اول

معاملات خارجہ

اب ہم کو معاملات خارجہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ ہینری کو خوشی سے نہیں بلکہ ضرورۃً ممالک یورپ کی سیاسیات میں اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ حصّہ لینا مناسب نظر آیا اور اس اعتبار سے اس کا عہد انگریزی تاریخ میں ایک نئی فصل کا آغاز کرتا ہے۔ ابتدائی عہد میں ہینری کو بریتانی کی جنگ میں الجھنا پڑا۔ یہ فرانس کی وہ ریاست تھی جو سب سے آخر میں بادشاہِ فرانس کا مقبوضہ بنی۔ ۱۴۸۹ء میں جب یہاں کا والی مرا تو اس کی وارث ایک یازدہ سالہ لڑکی این ہوئی۔ انگریزوں کو بریتانی کا فرانس میں ضم ہونا، اور اس کی بندرگاہوں اور ملّاحوں کا شاہ فرانس کے تحت میں آنا کسی طرح پسند نہ آسکتا تھا۔ خود ہینری متوفی والی بریتانی کا بہت کچھ زیر بار احسان تھا اور اُس نے خردسال والیہ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تو اپنی رعایا کی تائید بھی اُسے حاصل تھی۔ اس حمایت میں اسے فرڈی نینڈ (شاہِ ارگون)، اور میکسی می لین (شاہِ آسٹریا) سے بھی مدد ملنے کی امید تھی کیونکہ میکسی می لیں سے شہزادی این کی شادی کرنے کا خیال تھا۔ لیکن فرڈی نینڈ کو اپنے جھگڑوں سے فرصت نہ ملی اور میکسی می لین کے پاس کافی دولت نہ تھی کہ وطن سے اتنی دُور کوئی مدد بھیج سکتا۔ پس ہینری نے جو تھوڑی بہت فوج روانہ کی وہ مستقل طور پر بریتانی کو فرانس کے ہاتھ سے نہ بچا سکتی تھی تاوقتیکہ اتنی زیادہ قربانیاں نہ کی جائیں جن کے لئے ہینری یا اس کی رعایا تیار نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسیوں نے بریتانی پر حملہ کیا اور این نوجوان شاہِ فرانس چارلس ہشتم سے شادی پر رضامند ہوگئی جس کے بعد سے بریتانی کا علاقہ سلطنتِ فرانس کا جزو بن گیا۔

اس معاملے میں ہینری جس طرح بیوقوف بنا، اُس نے فرانس کے ساتھ جنگ کی نوبت پہنچادی۔ اور فرڈی نینڈ و میکسی می لین سے اتحاد کا عہد نامہ کرکے وہ ۱۴۹۱ء کے موسم خزاں میں انگریزی فوج لے کر آیا اور بولون کا محاصرہ کرلیا۔ اس مہم کا انجام بھی وہی ہوا جیسا ۱۴۷۵ء کی مہم کا ہوا تھا۔ چارلس کو اپنے باپ کی طرح بڑی فکر یہ تھی کہ انگریزوں سے لڑے بھڑے بغیر مخلصی حاصل کی جائے چنانچہ فوراً نامہ وپیام کرکے بذریعہ معاہدۂ اِتاپل وہ بریتانی میں انگریزی امدادی فوج پر جو خرچ ہوا تھا اُسے ادا کرنے پر آمادہ ہوگیا اور پکینی کے معاہدے کی رو سے جو سالانہ رقم انگریزوں کو

باب اول

ملنی چاہیے تھی، اس کی دو سال باقیات بھی بھر دیں یہ کل رقم کم سے کم تیس اور زیادہ سے زیادہ پینتالیس لاکھ پونڈ (رائج الوقت) ہوتی تھی۔ اور قرار پایا کہ ڈیڑھ لاکھ پونڈ سالانہ کی اقساط میں ادا کی جائے۔ یہ صلح بے شبہ دونوں ملکوں کے حق میں بہتر تھی لیکن بہت سے انگریز اُمرا اور شرفا نے اس کی تیاری میں اپنے آپ کو تقریباً تباہ کر لیا تھا لہذا انگلستان میں لوگوں نے اسے سخت ناپسند کیا۔

ہینری کا دوسرا اتحاد ممالک یورپ کی ایک وسیع پیچیدگی کا نتیجہ تھا۔ واضح رہے کہ اقطاع فرانس کی وحدت کا سنگ بنیاد لوی یازدہم نے رکھا اور بریتانی کے الحاق نے اس عمارت کی تکمیل کر دی۔ اسی کے ساتھ فرانس کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے شاہانِ فرانس عموماً اپنے مُلک ہی کے معاملات میں منہمک رہتے تھے۔ اب انھیں حدودِ فرانس کے باہر ہمت آزمائی کا موقع میسر آیا اور اہلِ فرانس کی وہ قوتیں جو اب تک خانہ جنگی یا انگریزوں سے لڑنے جھگڑنے میں خرچ ہوتی تھیں، دوسرے ملکوں میں اپنے کرشمے دکھانے کے لئے بیتاب نظر آنے لگیں۔ چارلس ہشتم کو اس اشتیاق سے کام لینے کا موقع یہ ملا کہ آخری امیرِ آنژو کی وراثت کی بنا پر اس نے نیپلز وصقلیہ کی حکومت کا دعویٰ تازہ کیا۔ اس کی تکمیل کے لئے ایک طرف تو میلان کے صغیرسن والی کا چچا اور ولی سفورزا شاہِ فرانس کا حلیف بن گیا اور اور دوسری طرف اہلِ جنوا و فلورنس، نیز پاپا نے چارلس ہشتم کی تائید کی۔ چنانچہ ۱۴۹۴ء میں وہ فوج لے کر اطالیہ میں داخل ہوا اور معمولی یا بالکل بغیر کسی مزاحمت کے، ریاست نیپلز پر قابض ہو گیا۔ لیکن اس کے وہاں آجمنے سے بہت جلد اطالیہ والوں میں قومی جذبات مشتعل ہوئے اور اہلِ وینس کی سرگروہی ایک جتھا تیار کیا گیا کہ چارلس کو جاتے وقت راستے میں روکا جائے۔ لیکن چارلس کے سپاہی اطالیہ والوں سے کہیں بہتر لڑنے والے تھے انھوں نے جتھے کی فوج کو فورنوو کے مقام پر مار بھگایا اور سلامت فرانس پہنچ گئے۔ اطالوی حلیفوں کی تدبیر ناکام رہی، مگر فرانس کی اس فوج کشی نے یورپ کی دوسری طاقتوں میں بڑی پریشانی پھیلا دی۔ خصوصاً میکسی می لین کے دربار میں جو بحیثیت شہنشاہ خود کو اطالیہ کا فرماں روا سمجھتا تھا۔ نیز ازابلا اور فرڈی نینڈ کے

دربار میں جنھوں نے ۱۴۹۲ء میں عربوں سے غرناطہ خالی کرایا اور اب یورپ کے معاملات میں پہلے سے زیادہ حصہ لینے پر آمادہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کو قابو میں رکھنے کی غرض سے ممالک یورپ کی ایک بڑی جمعیت بندی کا منصوبہ بنایا گیا جس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ "وہ باہم ہر ریاست یا ملک کی حفاظت کریں گی تاکہ کوئی قوی تر طاقت، کمزور کو نہ ستائے اور ہر ملک اپنے جائز مقبوضات پر قابض رہے"۔ فرانسیسیوں

اتحاد دریاتہائے یورپ

کے اطالیہ میں وسعت درازی کو روکنے کی ایک نہایت کارگر صورت یہ تھی کہ انگریز پھر فرانس پر حملہ شروع کریں، لہذا شاہ انگلستان کی اعانت و شرکت کو خاص وقعت حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن ہنری مفت میں مدد دینے پر آمادہ نہ تھا اور چونکہ میکسی می لین کچھ مدت سے پرکن کی پشت پناہی کر رہا تھا اس واسطے جب تک اس کا سدِ باب نہ ہو جائے وہ اتحاد میں شرکت پر مطلق تیار نہ ہوا۔ فرڈی نینڈ اور ازابلا شاہ انگلستان کی مدد کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور انھوں نے میکسی می لین پر دباؤ ڈال کر پرکن کو نکلوا دیا۔ ہنری کے بیٹے آرتھر کی ازابلا و فرڈی نینڈ کی تیسری بیٹی کیتھرائن سے شادی کے متعلق بھی نامہ و پیام شروع ہوئے۔ تب ہنری جتھے میں داخل ہوا اور تحکم آمیز لہجے میں چارلس کو خط لکھا کہ ممالک یورپ کے امن میں خلل نہ ڈالے۔ اب فرانس اکیلا رہ گیا تھا اور چارلس نے بھی ۱۴۹۸ء میں وفات پائی لیکن چونکہ اس کا جانشین لوئی دوازدہم، میلیز کی وراثت کے علاوہ خود اپنا دعوی میلان کی ریاست پر رکھتا تھا، لہذا فرانس کے خلاف ایک بڑے جتھے کی ضرورت علی حالہ باقی رہی۔

جتھے کو زیادہ مضبوط و پائیدار بنانے کی غرض سے باہم کئی رشتے اور پیوند کئے گئے۔ آسٹریہ کے میکسی می لین کی شادی پہلے ہی چارلس (دلیر) کی وارثہ میری دریئسہ برگنڈی) سے ہو چکی تھی اور ندرلینڈز کے علاقے شاہان آسٹریا کی عملداری میں آگئے تھے۔ ازابلا اور فرڈی نینڈ نے پرتگال، و نوار کے سوا، تمام اقطاع ہسپانیہ کو ایک ملک و سلطنت میں ضم کر دیا تھا ۱۴۹۶ء میں ان کی دوسری بیٹی جوآنا دجو آگے چل کے اپنے والدین کے ملک کی

وارث ہوئی) میکسی می لین کے اکلوتے بیٹے فلپ (حسین) کو بیاہی اور اسی سے (سنہ ۱۵۰۰ء میں) یورپ کا مشہور تاجدار چارلس پنجم[1] پیدا ہوا جو ماں کی طرف سے ہسپانیہ کا وارث تھا۔ سنہ ۱۵۰۱ء میں جو آنا کی بہن سے ہینری کے پانزدہ سالہ فرزند آرتھر کی شادی ہوئی لیکن وہ اگلے ہی سال اپریل میں فوت ہوگیا اور ہینری نے فوراً اس کے چھوٹے بھائی ہینری سے جو ۱۴۹۱ء کی پیدائش تھا، شادی کے نامہ و پیام شروع کئے اور اسپین کی خوردسال بیوہ شہزادی، شاہ انگلستان ہی کی زیر تربیت رہی۔ یورپ کا ایک ملک یعنی اسکاٹ لینڈ ابھی تک فرانس کا حلیف تھا لیکن فرڈی نینڈ اور ہینری دونوں نے پوری کوشش کی کہ اسے اپنے پشتینی اتحاد سے جدا کردیں۔ اور ہینری کی بڑی لڑکی مارگریٹ کا شاہ اسکاٹ لینڈ جیمس چہارم سے عقد ہوا تو عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ مذکورۂ بالا مقصد میں کامیابی ہوگئی ؛

ہینری کی وفات ہینری کی ملکہ کا سنہ ۱۵۰۳ء میں انتقال ہوا اور مختلف تجویزیں کی گئیں کہ یورپ کے اتحادِ کبیر کو تقویت پہنچانے کی غرض سے اس کی دوسری شادی کسی شاہی خاندان میں کی جائے لیکن کوئی خیال حیزِ عمل میں نہ آیا اور سنہ ۱۵۰۹ء میں خود ہینری نے ملک بقا کی راہ لی اور اپنے ملک کو امن و خوش حالی کے علاوہ ممالکِ یورپ میں ایک ایسے رتبے پر چھوڑ گیا کہ ہینری پنجم کے بعد کبھی اسے حاصل نہ ہوا تھا۔

اطالیہ کی نشاۃ الثانیہ ہینری ہفتم کا عہد حکومت مختلف اعتبار سے تاریخ انگلستان میں

---

[1] چارلس کا مختصر شجرہ یہ ہے :-

میکسی می لین — میری
فلپ (حسین)
(زوج جو آنا ہسپانوی)
چارلس پنجم
(وارث آسٹریہ، نذرلینڈز، اراگون و کاسٹیل)

فرڈی نینڈ + ازابلا
(شاہ اراگون) (ریئسہ کاسٹیل)
کیتھرائن
(زوجۂ آرتھر و ہینری ہشتم)
جو آنا
(زوجۂ فلپ)

ایک عہدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اُسے پرانے دَور کا خاتمہ چاہیں تو نئے دَور کا سرآغاز کہہ سکتے ہیں۔ اس کا ایک سبب تو وہ مُلکی اصلاحات ہیں جن کی بدولت ہینری نے انگلستان کو امرا کے خَدَم سے نجات دلائی اور امن و قانون کا بلند تر معیار قائم کر کے تمدّن کی بڑی بھاری خدمت انجام دی اور دوسرا سبب وہ عام اور خارجی اثرات ہیں جن سے کم و بیش تمام متمدن (مغربی) دنیا، متاثر ہوئی۔ یہ تحریکِ عظیم جو کبھی نشاۃ الثانیہ یعنی "نئے جنم" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور کبھی بہ تخصیص احیائے علم کے نام سے، اتنی پیچیدہ اور کثیر الفروع تھی کہ یہاں صرف اس کے اہم واقعات پر ایک اجمالی نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ اس کا مولد ملک اطالیہ ہے جہاں مختلف اسباب سے یورپ کے دوسرے ممالک کی نسبت تہذیب و تمدن کا معیار بلند تر ہوسکا تھا۔ نقاشی اور بُت تراشی پر پہلے ہی بہت کچھ توجہ کی گئی تھی ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے قسطنطنیہ کو تسخیر کیا تو یونانی زبان کے بہت سے علما یورپ میں منتشر ہوگئے اور عہد قدیم کے ہزاروں بیش بہا مخطوطات جو اب تک یا کی زنطی خانقاہوں میں پڑے سڑ رہے تھے اور پڑھنے والا نہ ملتا تھا، وہ طلبہ کے ہاتھوں تک پہنچ گئے اور ادبیات عالیہ کے درس و تدریس کا عام رواج ہوگیا خصوصاً اطالیہ کے اہل علم اِن نَو یافت علوم کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ افلاطون و ارسطو کے خیالات کی نئے معتقدوں میں قریب قریب پرستش ہونے لگی۔

اطالیہ سے یہ تحریک دوسرے ملکوں میں پھیلی ٹپ ٹوفٹ (امیر ورسٹر) لاطینی کا بڑا جوشِ عالِم تھا۔ ۱۴۹۲ء میں گروکین اور کچھ دن بعد لی نیکر آکسفرڈ میں یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔ ۱۴۹۶ء میں جان کولیٹ (جو آگے چل کے سینٹ پال میں صدرِ صومعہ مقرر ہوا) یونانی توراۃ کا آکسفرڈ میں درس دیتا تھا اور آیندہ بھی جدید خیالات کی تعلیم و ترویج میں اپنا اثر صرف کرتا رہا۔ ارازمس کا بھی انگلستان میں کچھ کم اثر نہیں پڑا۔ یہ فلیمنگی عالم ۱۴۹۸ء میں انگلستان آیا وہاں کے تمام اہل علم سے دوستی پیدا کی اور اپنی ظرافت اور چبھتے ہوئے مطائبات سے اہل انگلستان کے خیالات پر بہت کچھ اثر ڈالا۔ نقاشی بھی آہستہ آہستہ شمال تک آگئی اور نئے طور طریق کو انگریزوں میں ہولبین نے روشناس کیا جو ۱۵۲۶ء کے

کچھ سال بعد انگلستان میں آ بسا تھا۔
مگر علوم وفنون لطیفہ اس تحریک کا صرف ایک پہلو تھے۔ جغرافی اکتشافات میں حیرت انگیز ترقیاں ہوئیں۔ پندرھویں صدی کے آغاز ہی میں انگلستان کے ہینری چہارم کے بھانجے ہینری (الجہازی) نے پرتگیزوں کو افریقہ کے مغربی سواحل کی دیکھ بھال اور تجارت کے نئے ذرائع تلاش کرنے کے فوائد سمجھائے تھے۔ قسطنطنیہ پر ترکوں کا قبضہ ہوا تو ممالک ترکی اور ایشیا کے درمیان تجارت کے راستے بھی (یورپ والوں کے لئے) بند ہوگئے اور یورپی سوداگروں کو ہندوستان کا کوئی اور راستہ نکالنے کی فکر ہوئی۔ اسی تگ و دو اور قسمت آزمائی کی بدولت ۱۴۹۲ء میں نئی دنیا کا سراغ ملا اور پرتگیزوں کو مزید سعی و کوشش کا حوصلہ ہوا چنانچہ ۱۴۹۷ء میں واسکوڈی گاما، راس امید کا چکر کھا کے کالی کٹ کی بندرگاہ تک پہنچ گیا۔ اس کوشش میں انگلستان کچھ پیچھے نہ تھا۔ ہینری ہفتم نے تخت نشینی کے پہلے ہی سال برسٹل کے سوداگروں کو اپنی اعانت اور ہمدردی کا یقین دلایا تھا۔ ۱۴۹۷ء میں وہاں کے حوصلہ مند سوداگروں نے خود اپنا جہاز اور انگریز ملاح مہیا کر کے اُسے نئی زمینیں اور راستے دریافت کرنے کی غرض سے روانہ کیا اس کا ناخدا جان کیبوٹ (باشندۂ وینس) اور اس کا بیٹا سباسٹین تھے۔ یہ پہلا یورپی جہاز تھا جو شمالی امریکہ کے اصل برّاعظم تک پہنچا۔
ان اکتشافات نے جہاں لوگوں کے جغرافی علم میں تغیر پیدا کیا، وہیں مختلف قوموں کی سیاسی اہمیت میں بھی بہت کچھ اضافی فرق ہوگیا۔ پہلے تمدن اور تجارت کی سرگرمیوں میں وہ قومیں پیش پیش تھیں جن کی رسائی بحر رُوم تک تھی لیکن اب کھلے سمندروں کی طرف لوگ متوجہ ہوگئے اور قادس، لزبن، بورڈو، برسٹل، لندن اور اینٹ ورپ کی بندرگاہیں دُنیا کی تجارتی گہما گہمی کا قدرتی مرکز بن گئیں۔

نئی ایجادیں

ان دریافتوں کے پہلو بہ پہلو، چھاپے اور بارود کی دو عظیم الشان ایجادیں قابل ذکر ہیں۔ طباعت یا ڈھلے ہوئے حروف سے چھاپنے کا فن گوٹن برگ کی ۱۴۵۰ء کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔

علم کی روز افزوں تشنگی نے کتابوں کی مانگ بڑھا دی تھی اور اسی بنا پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہاتھ کی نسبت جلد تر کتابوں کے نقل کرنے کی کوئی صورت نکالی جائے اسی کا نتیجہ جدید فنِ طباعت تھا جس کے وجود میں آنے سے خود علم کی اشاعت کو حیرت انگیز تحریک پہنچی۔ انگلستان طباعت کو ولیم کیکسٹن نے ۱۴۷۶ء میں روشناس کیا اور سب سے پہلی کتاب جو ۱۴۷۴ء میں چھپکر نکلی وہ "شطرنج بازی" پر تھی۔ توپ خانے میں باروت کا استعمال جنگ کریسی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا لیکن اس کے رواج میں دیر لگی کیونکہ بر اعظم کی دستی اور انگلستان کی بڑی کمان اتنی کارگر، اور آلات قلعہ شکن اس قدر رتیاہ کُن ہتے کہ نئی توپوں اور دستی بندوقوں کو ان پر بازی لے جانے میں کافی مدت درکار ہوئی۔ البتہ جب یہ آتشیں اسلحہ بھی اسی قدر کارگر بننے لگے تو پرانے ہتھیار بہت جلد متروک ہو گئے کہ ان کی مشق و ممارست میں بڑی دیر لگتی تھی۔ دوسرے توپوں کو لانا لے جانا اتنا دشوار نہ تھا جتنا بڑی منجنیقوں، دبابوں وغیرہ کو۔ مگر یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ نئے آلات کا فن جنگ پر اتنا اثر نہ پڑا ہو گا جتنا عام تمدن پر۔ اس لئے کہ ان آتشیں اسلحہ نے پرانے زرہ بکتر کو بیکار کر دیا اور ساتھ ہی زرہ پوش تلوریوں کی وہ جماعت قصۂ ماضی ہو گئی جو ہر جگہ ممتاز نظر آتی تھی اور زرہ بکتر کا رواج اٹھ گیا جس نے جنگ وجدال کو دولتمندوں کے حق میں خاصی بے ضرر تفریح کا سامان بنا رکھا تھا۔ اب دولتمند اور عام سپاہی دونوں کے لئے لڑائی یکساں خطرناک تھی۔ علاوہ ازیں باروت کے رواج نے نئی دنیا کی فتح میں بڑا کام دیا اور اگر اس کی وجہ سے یورپ والے جیت میں نہ ہوتے تو کورٹیز اور پزارو کے کارنامے ممکن نہ تھے اور نہ مٹھی بھر فرنگی جو سمندر پار جا سکے تھے، وسیع ملک کے ملک اس قدر جلد فتح کر سکتے تھے جن میں نیم متمدن لیکن بہادر باشندے آباد تھے۔

مختصر یہ کہ امریکہ کی اور ہندوستان کے بحری راستے کی دریافت، ترکوں کی تسخیر قسطنطنیہ، علوم کا احیا اور طباعت و باروت کی ایجاد وہ عظیم الشان واقعات ہیں جن سے ازمنہ وسطیٰ کا دور ختم ہوا اور یورپ کے دور جدید کی ابتدا ہوئی اور جن کے اثرات ہنیری ہفتم کے زمانے میں ظاہر ہونے لگے تھے۔

مشہور واقعات

معرکہ اسٹوک	سنہ ۱۴۸۷ء
پرکن کا پہلا خروج	سنہ ۱۴۹۲ء
غرب الہند کی دریافت	سنہ ۱۴۹۳ء
چارلس ہشتم کی اطالیہ پر فوج کشی	سنہ ۱۴۹۴ء
کیبوٹ کا براعظم امریکہ کو معلوم کرنا	سنہ ۱۴۹۷ء
واسکوڈی گاما کا کالی کٹ پہنچنا	سنہ ۱۴۹۷ء
پرکن کی گرفتاری	سنہ ۱۴۹۸ء
شہزادہ آرتھر کی وفات	سنہ ۱۵۰۲ء



باب سوم

وراثت سے محروم کر دیا تھا جب ہینری مرا تو ایڈورڈ صرف نو برس کا تھا اور سن رُشد کو پہنچنے کے لئے سولہ سال کی عمر درکار تھی۔ اس وقت تک ملک کا انتظام کرنے کے لئے وصیت میں اوصیا کی ایک جماعت کے نام بھی تحریر تھے جنھیں ہینری نے بہت غور و احتیاط سے منتخب کیا تھا اور اس کے نزدیک جو لوگ سخت اور بے قابو مزاج کے تھے انھیں شامل کیا تھا نیز نئے اور پرانے دونوں عقائد کے اشخاص جمع کئے تھے تاکہ بیٹے کے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے تک خود ہینری کی معتدل حکمت عملی قائم رہے۔ مجلس اوصیا کے قابل ذکر

مجلس اوصیا

افراد یہ تھے۔ ہارٹ فرڈ، لزلی، کرینمر اور پیجٹ، جو نئے خیالات کے وکیل تھے۔ صدر اعظم، ریوتھس لی، سر انیتھنی براؤن اور ٹنس ٹل (اسقف ڈرہم) جو مراسم قدیم کے دلدادہ تھے۔ مجلس کے شرکا میں سے کسی کو بھی دوسروں پر تقدیم و فضیلت حاصل نہ تھی تاکہ مجلس کے افعال کی ذمہ داری سب پر عائد ہو۔ تاہم ہینری کو زیادہ اعتماد ہارٹ فرڈ اور پیجٹ پر تھا اور زندگی کے آخری دو دن میں سارا وقت اس نے انھی کو جوش و شوق کے ساتھ نظم و نسق کے متعلق اپنے خیالات سمجھانے میں صرف کیا۔

لیکن ہینری کی آنکھ بند ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ ہارٹ فرڈ اور

ہارٹ فرڈ، نگران مقرر ہوتا ہے

پیجٹ ہی نے شاہ متوفی کا انتظام الٹ پلٹ کر دینے کی کوشش شروع کی۔ صدر اعظم مخالفت کرتا ہی رہا۔ انھوں نے دوسرے اوصیا کو رضامند کر لیا کہ ملک کی بہتری اسی میں ہے کہ انتظام شخص واحد کے ہاتھ میں رہے اور ہارٹ فرڈ، نگران یا امیر سلطنت اور بادشاہ کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ پھر اوصیا نے اعلان کیا کہ شاہ متوفی ان میں سے اکثر اشخاص کو رتبۂ امارت اور کلیسائی اراضی کی معافیاں عطا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہارٹ فرڈ، سمرسٹ کا امیر کبیر اس کا بھائی ٹامس، نواب سیمور۔ نواب لزلی امیر وارک۔ اور ریوتھس لی۔ امیر ساوتھیمٹن بنایا گیا۔ دو مہینے بعد ریوتھس لی ایک غلطی کی پاداش میں عہدے سے معزول ہوتو ہارٹ فرڈ

نے نوعمر دسالہ بادشاہ سے کہ کر خود اُس کی جانب سے بھی محافظِ سلطنت کا مرتبہ حاصل کرلیا۔

ہارٹ فرڈ اپنے زمانے کی سب سے ممتاز ہستیوں میں داخل ہے سپہ گری کی تھوڑی بہت قابلیت کے ساتھ وہ نہایت جری اور فیاض مزاج آدمی تھا۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور بڑے بڑے کام کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ لیکن جو مرتبۂ بلند اُس نے حاصل کیا، اُس کے مطابق تدبر و عاقبت اندیشی نہ تھی اور وہ ارباب سیاست کے اُس گروہ میں داخل تھا جن کی نسبت فریڈرک اعظم نے لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ پہلے قدم کی بجائے اول دوسرا قدم اٹھایا کرتے ہیں۔

مذہبی حکمت عملی

ہارٹ فرڈ کی یہ کمزوری مذہبی معاملات ہی کے حل کرنے میں ظاہر ہوگئی۔ ہنری ہشتم نے ہمیشہ یہ مسلک اختیار کرنے کی کوشش کی کہ دونوں مخالف فریقوں کے وسط میں رہے اور اُسے امید تھی کہ ایڈورڈ کے سن بلوغ کو پہنچنے تک اس کے اوصیا بھی اسی اصول پر کاربند رہیں گے بہ خلاف اس کے، نئے نگراں سلطنت نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ ملک تغیر کے لئے تیار ہے اور اس کا کوئی اندازہ نہ کیا کہ جو بات لندن اور بندرگاہوں میں مقبول عوام ہے بہت ممکن ہے کہ اضلاع و دیہات کے بطی الذہن لوگوں کو بالکل پسند نہ آے۔ اور اسی غلط فہمی کی بنا پر انتظام ہاتھ میں لئے دیر نہ ہوی تھی کہ عمّال کی ایک جماعتِ خاص روانہ کی کہ تمام گرجوں کی مورتیں توڑ ڈالے اور دیواروں کی تصویروں پر سفیدی پھروادی جائے۔ دعاخوانی کا طریقہ بھی مسدود کردیا گیا اور حکم ہوا کہ نمازیں انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں۔ لندن میں تو ان عمّال کی خاصی آؤبھگت ہوی لیکن دیہات میں دوسرا رنگ تھا۔ اور ان عمّال کے نوکروں نے جیسی سخت بے ادبی سے احکام کی تعمیل کی، اس نے معاملہ اور بھی خراب کردیا۔ وہ مذہبی لباس پہنے دیہات میں گشت لگاتے نظر آتے تھے اور ان مورتوں اور تصویروں کو جو نسل ہا نسل سے اُس طبقے میں کمال عقیدت کے ساتھ

پوجی جاتی رہی تھیں، گھسیٹ گھسیٹ کے لاتے اور بیہودہ سوانگ بنا بنا کے آگ میں جلا ڈالتے تھے۔ یہ حد درجے نادانی کی حرکتیں تھیں۔ دیہات میں ابھی تک اصلاح کلیسا کی تحریک خفیف ردّوبدل کے مرادف تھی لیکن تبرکات اور بتوں کا برباد ہونا، اور لاطینی مناجات سرائی (جس کے لئے انگلستان مشہور تھا) کی بجائے انگریزی میں نماز خوانی سے دیہاتیوں کو معلوم ہوا کہ کتنا بڑا فرق پیدا کیا جا رہا ہے اور وہ بہت مشتعل ہو گئے۔

صنعتی انجمنوں کی ضبطی

ادھر حکومت نے حماقت سے اسی زمانے میں شہروں کے اہل حرفہ کو آزار پہنچایا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ شہروں میں صنعتی انجمنیں نہایت باوقعت جماعتیں تھیں ان کی ابتدا نارمن فتوحات سے بھی پہلے ہوی اور اب یہ انگلستان کے تمدن کا جزو لاینفک نظر آتی تھیں۔ ان کی قسمیں مختلف تھیں۔ بعض ممتاز تاجروں کی باقاعدہ انجمنیں تھیں۔ بعض کی نوعیت محض ہم پیشہ لوگوں کے گروہ کی تھی جیسے جلاہوں یا رنگریزوں کی انجمن، اگرچہ ان میں مزدور اور کارخانہ دار دونوں شامل ہوتے تھے۔ بعض مشترک اغراض کی بنا پر مرتب ہوی تھیں، جیسے راگ سکھانے کی انجمن۔ تجارتی تنظیم کے علاوہ یہ انجمنیں اور بھی مفید کام انجام دیتی تھیں۔ اس زمانے کی بیمہ یا امداد کرنے والی جماعتوں کی مثل وہ اپنے بیمار شرکا کی مدد کرتیں، بچوں کو تعلیم دلواتیں، مزدوروں کی جو اتفاقی حادثات سے مصیبت میں آ جائیں دستگیری کرتیں، بیوگان کو وظیفے دیتیں، موتیٰ کے کفن دفن کا انتظام، اور مُردوں کے لئے دعائے مغفرت وغیرہ کے مصارف ادا کرتیں اور یوں بھی لوگوں کے میل جول شادی بیاہ میں بہت کچھ حصہ لیتی تھیں۔ ہر انجمن کے تیر تہوار پر اہل انجمن تفریح و تفنن کے لئے جمع ہوتے اور پارک وغیرہ اکثر مقامات میں ان موقعوں پہ سانگ تماشے جلوس وغیرہ نکالے جاتے تھے نارفک ہی میں نو سو نو اور یوٹومن کی چھوٹی سی بستی میں اڑتالیس انجمنیں تھیں۔ ان انجمنوں نے رفتہ رفتہ کافی سرمایہ بہم پہنچا لیا تھا اور دعا کے مصارف اسی سے ادا ہوتے تھے۔ نئے نگران ملک نے پارلیمنٹ کے مبعوثین کو جو یقیناً خود کسی انجمن سے وابستہ نہ ہوں گے،

ترغیب دی کہ انجمنوں کی مال متاع ضبط کرنے کا قانون نافذ کریں۔ لندن کی تجارتی شہرکتیں اتنی با اقتدار تھیں، کہ ان میں دست اندازی کی جرات دشوار تھی، لہذا ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔

اسکاٹ لینڈ

اسکاٹ لینڈ کے متعلق بھی ہارٹ فرڈ نے ایسی ہی نا عاقبت اندیشی سے کام لیا۔ ہینری خوب جانتا تھا کہ ایڈورڈ اور میری کا مجوزہ پیوند جس قدر اہمیت رکھتا ہے اسی قدر احتیاط سے کام کرنے کا متقاضی ہے اور دوسرے یہ کہ اسکاٹ لینڈ کے انگریزی گروہ کو ہر ممکن طریق سے تقویت پہنچانا ضروری ہے۔ ہارٹ فرڈ نے ان دونوں اصولوں سے اعراض کیا۔ اوّل تو اس نے کلیسائی جماعت کو فرانسیسی مدد سے قلعہ سینٹ اینڈروز فتح کر لینے دیا، جہاں کارڈینال بیٹن کے قاتل مقابلہ کئے جاتے تھے، اور اس کے بعد ملک پر فوج کشی کر کے تمام لوگوں کو سخت ناراض کر دیا۔ وہ اگست میں اسکاٹ لینڈ کی سرحد میں داخل ہوا اور اعلان کیا کہ ۱۵۴۳ء کے معاہدے پر جبراً عمل کرانا مقصود ہے۔ بحری بیڑے کی مدد لئے ہوئے ساحل ساحل ایڈن برو پر بڑھا۔ اس کی فوج چودہ ہزار پیادہ، ۴ ہزار سوار اور پندرہ توپوں پر مشتمل تھی، اسک ندی کے پار (ایڈن برو کی طرف) مسل برو کے قریب اسکوٹی فوج مورچہ بند ملی جس میں ۲۵ ہزار سپاہی تھے۔ اس مقام پر ندی زاویۂ قائمہ بنا کر کھاڑی میں جا گری ہے اور گو وہ پایاب تھی، تاہم کنارے اتنے پھسلوان

معرکۂ پنکی

اور ناہموار تھے کہ سوار و توپ خانہ پل پر سے آنے کے سوا، ندی کو عبور نہ کر سکتے تھے اور یہ پل دہانے سے صرف چوتھائی میل کے فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ انگریز سپہ سالار نے پل سے تقریباً دو میل دُور پڑاؤ ڈالا اور اسکوٹوں کے مقابلے میں ندی عبور کرنے کی دشواریوں پر غور کر رہا تھا کہ حریف نے اس کا ٹھیر جانا خوف زدہ ہو جانے پر محمول کیا اور دوسرے دن خود بڑھ کر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی اسکوٹی سپاہ پل اتر کے سیدھی طرف مڑی کہ انگریزی توپوں کی زد میں نہ آئے اور دلدلی او بعض دلدلی اراضی سے گزر کر فاسائڈ برے کا رُخ کیا جو سمندر سے دو میل کے فاصلے پر ایک بلند ٹیکری تھی۔

مگر انگریز ان کا مطلب تاڑ گئے اور پہلے سے ٹیکری پہ پہنچ کر توپیں جما دیں۔ اسی کے ساتھ لارڈ گرے نے سوار فوج سے اسکوٹی میمنے پر یورش کی۔ اسکوٹی نیزوں کی ناقابل گزر دیوار نے انگریز سواروں کو پریشانی میں ڈال دیا اور خود گرے مجروح ہوا لیکن اس فتح کی خوشی میں اسکوٹی صفیں بے ترتیب ہوگئیں اور اسی حالت میں انگریز پیادوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اسکوٹوں کو کامل شکست نصیب ہوی اور کہا جاتا ہے کہ اُن کے مقتولوں کی تعداد تیرہ ہزار سے کم نہ تھی۔ پنکی کی اس لڑائی نے کچھ مدت کے لئے اسکاٹ لینڈ کی جنگی قوت توڑ دی لیکن سیاسی اعتبار سے وہ اُلٹی مضر ثابت ہوی۔ خود وہ لوگ جو پہلے انگریز بادشاہ سے میری کی شادی کے خلاف نہ تھے، اس ظالمانہ فوج کشی کی بنا پر بیزار ہوگئے۔ ایبرہنٹ لی نے کہا کہ شادی مجھے ناپسند نہ تھی مگر ڈورے ڈالنے کے اس طریقے سے نفرت ہوگئی، اور یہ قول اہل ملک کے عام جذبات کا آئینہ تھا۔ اہل اسکاٹ لینڈ کو انگریزی لشکرکشی نے فرانس کی آغوش میں دھکیل دیا۔ شیرخوار ملکہ فوراً سمندر پار پہنچادی گئی اور وہاں ولی عہد فرانس کی منگیتر بن کر تعلیم و تربیت پانے لگی۔ سال آیندہ ہارٹ فرڈ نے فوج بھیج کر ہیڈنگ ٹن پر قبضہ کر لیا اور یہ کئی سال تک انگریزوں کے ہاتھ میں رہا۔

۱۵۴۹ء کے میقات پارلیمنٹ کا قابل ذکر واقعہ وہ بحث ہے جو نئی کتاب ادعیہ کے متعلق ہوی۔ اسے "ایڈورڈ چہارم کی پہلی کتاب ادعیہ" کہتے تھے اور علما کی ایک جماعت نے جس میں کرینمر و نکولاس ریڈلی دا سقف روچسٹر شامل تھے، اسے ونڈزر میں مل کر مرتب کیا تھا۔ مجلس کلیسا نے پسند کر لیا تو یہ پارلیمنٹ میں پیش کی گئی اور دونوں ایوانوں میں منظوری کے بعد "قانون یکسانی" نافذ ہوا کہ پرانے دستور العمل وغیرہ متروک اور ان کی جگہ یہ کتاب معمولی بنالی جائے یہ کتاب قدیم اوراد و ادعیہ ہی پر مبنی تھی اور زیادہ تر صدر اسقف کرینمر نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ مسئلہ کہ اصول لحم وخون کی مذہب مسیحی میں کیا اہمیت ہے بہت دن تک زیر بحث رہا اور بالآخر ایک بین بین راہ نکل آئی جس میں اختلاف رائے کی کافی گنجائش

ایڈورڈ چہارم کی پہلی کتاب ادعیہ

رکھی گئی تھی اور نہ بالکل قدیم کیتھولکی عقیدے کی پیروی کی تھی نہ جنیوا کے کالوین کے خیالات کی اس نماز کی کتاب کی ۱۶۶۲ء تک چار دفعہ نظر ثانی کی گئی۔ ابتدا میں قدیم رسم و عادت کے خلاف یہ نئی چیز کچھ زیادہ مقبول نہ ہو سکی تھی لیکن اس کی زبان کی لطافت اور سچی عقیدت کی شان نے ایک مدت ہوی کہ اسے کلیسائے انگلستان کے پیروؤں میں نہایت محبوب بنا دیا ہے۔

سیمور کی غداری

پارلیمنٹ کے اسی اجلاس میں سیمور (امیر سیوڈلی) کی غداری کا مقدمہ طے ہوا۔ اس شخص کی بد اعمالیاں مشہور تھیں اور یوں بھی اپنے بھائی سے وہ ہر طرح کمتر درجے کا آدمی تھا۔ لیکن جاہ طلبی اور سازش میں کسی سے کم نہ ہوگا۔ اوّل تو اس نے شہزادی الزبیتھ سے شادی کی ہوس پکائی اور پھر ہنری کی بیوہ کیتھرائن پار سے چھپ کر شادی کر لی۔ وہ ۱۵۴۸ء میں فوت ہوی تو اس نے دوبارہ وہی منصوبہ باندھا اور الزبیتھ کی نوکروں کو رشوت دی کہ شہزادی کو اس کی جانب مائل کریں۔ علاوہ ازیں امارت بحر کے عہدے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ رودبار انگلستان کے بحری قزاقوں سے دوستی قائم کی۔ برسٹل میں اپنے لئے سکّہ ڈھلوایا۔ دو توپ سازی کے کارخانے بنوائے۔ ۲۸ توپیں اور تیرہ ٹن گولہ تیار کیا اور ہولٹ کیسل کے دمدمے بنوا کر سامان رسد جمع کیا۔ یہ سب باتیں ظاہر ہوئیں تو ان کی غدارانہ نوعیت میں کوئی شک نہ رہا اور خرابیٔ خون کے فتوے پر سیمور کو موت کی سزا دی گئی۔ لے ٹمر کا قول ہے کہ وہ شریر آدمی تھا اور بہت اچھا ہوا کہ ملک نے اس سے نجات پائی۔

مغرب کے فساد

اس کے بعد مغرب میں فساد برپا ہوا۔ ۱۵۴۹ء کے وہٹ سنڈے کے روز پہلی مرتبہ نئی کتاب ادعیہ کی قرأت ہوی جس سے مخالفت کا طوفان بپا ہو گیا۔ کم سے کم ایک گاؤں میں تو نمازیوں نے جبراً امام سے وہی پرانی دعا پڑھوائی۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ شورہ پشت مسلح گروہ کی صورت میں سامنے آئے اور سر پیٹر کیریو کی فتنہ فرو کرنے کی ناکام کوشش نے آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ انھوں نے دس ہزار کی تعداد میں

باب سوم

اکزیٹر پر چڑھائی۔ ہمفری اور ارنڈیل اُن کے سرخیل تھے اور مطالبہ یہ تھا کہ ہنیری ہشتم کے شرعی قوانین و رسوم خصوصاً قانون ارکانِ ستّہ پھر نافذ کئے جائیں انجیل کا انگریزی ترجمہ ممنوع ہو اور کارڈینال پول واپس بلا لیا جائے۔ یہ لوگ سیدھے لندن پر چڑھ دوڑتے تو معاملہ واقعی بہت نازک ہو جاتا کیونکہ آکسفرڈشر اور برکشر وغیرہ پرگنوں میں بھی ہنگامے بپا ہو گئے تھے۔ لیکن انھوں نے اکزیٹر کے بے سُود محاصرے میں بہت سا وقت کھو دیا اور اگست میں امیر رسل و گرے ڈی ولٹن نے جرمن سپاہیوں کی مدد سے اکزیٹر سے چار میل دُور سینٹ میری کلسٹ کے گاؤں میں ان پر حملہ کیا۔ باغی انتہائی پامردی سے لڑے اور گرے نے جو ہنگی کے معرکے میں سوار فوج کا سردار تھا، اعتراف کیا کہ ایسی استقامت کبھی نہ دیکھی تھی لیکن آخر میں جرمن گولیاں انگریز کسانوں کی دلاوری پر غالب آگئیں سیمپ فرڈ کورٹنے میں ایک اور معرکے کے بعد ڈیون شر کی بغاوت فرو ہوئی۔ باغیوں کا کل نقصان چار ہزار ہوا۔ مذکورۂ بالا جرمن سپاہیوں کو فوج مستقل کی حیثیت سے حکومت نے ملازم رکھ لیا تھا۔ ارنڈیل اور تین دوسرے باغی سرداروں کو ٹائی برن میں سولی دی گئی۔ رسل کو مغربی اضلاع کی ان خدمات کے صلے میں امیر بیڈ فرڈ بنا دیا گیا۔

مغرب میں یہ کشت و خون ہو ہی رہا تھا کہ مشرقی اضلاع میں ایک تازہ بغاوت پھوٹی۔ نارفک اُن دنوں انگلستان میں ڈیون شر کی گویا ضد سمجھا جاتا تھا۔ وہ غالباً سب سے دولت مند پرگنہ تھا۔ وہاں صنعتی کارخانوں کی سب سے بڑی تعداد تھی اور وہاں کے باشندے اصلاحِ کلیسا کے اتنے حامی تھے کہ انگلستان میں کسی دیہی علاقے کے نہ ہوں گے۔ بخلاف اس کے ڈیون شر زمانے کی نئی زندگی اور چل چل سے بہت دُور ہٹا ہوا تھا اور اپنے پرانے رسم و رواج کا گرویدہ تھا۔ لیکن نارفک میں عوام کو دوسری شکایتیں تھیں۔ بھیڑ پالنے کی ترقی، اور اس کی بدولت کاشتکاروں کی بے دخلی، شاملات کی احاطہ بندی اور زرعی مزدوروں کی مانگ میں کمی سے، کوئی پرگنہ اتنے نقصان میں نہ رہا ہو گا جس قدر نارفک۔ ادھر سکے کی کم عیاری نے

باب سوم

تخفیف شدہ مزدوری کو اور بھی کم قیمت بنا دیا اور انجمنوں کے مال کی ضبطی نے اسباب ناراضی میں اضافہ کر دیا۔ الغرض ۶ر جولائی کو نارج کے قریب لوگوں نے جو اتفاقی طور پر جمع ہو گئے تھے، احاطوں پر ل کر حملہ کیا۔ روبرٹ اور ولیم کیٹ ان کے سرگروہ تھے کیٹ خاندان کے لوگ خاصے خوشحال دباغ تھے اور ان کی سرداری میں کسانوں نے ماوس ہولڈ پہاڑی پر باقاعدہ پڑاؤ تیار کیا۔ جنوب میں قصبہ نارج اس پہاڑی کے نیچے واقع ہے۔ یہاں انھوں نے کڑیاں ڈال کے جھونپڑے بنائے اور آس پاس کے زمینداروں سے سامان رسد حاصل کیا بلکہ خود ان زمینداروں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ ان کی کارروائی بہت باقاعدہ تھی۔ کشت وخون کی نوبت نہیں آئی صبح شام روزانہ نمازیں پڑھی جاتیں اور "بلوط اصلاح" سے وعظ کہے جاتے تھے۔ پہاڑی پر صرف یہی ایک درخت تھا اور واعظوں میں میتھو پارکر کا بھی نام آتا ہے۔ سلطنت کے نگراں ہارٹ فرڈ (یا امیر کبیر سمرسٹ) کو ایک وقت یہ پیش آئی کہ وہ خود احاطہ بندی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا اور ایک تحقیقاتی جماعت بھی مقرر کی تھی کہ اس مسئلے کی چھان بین کرے۔ لہٰذا جبر وتشدد کرنے میں اسے تامل ہوا اور اس نے باغیوں کو سمجھا بجھا کر اپنے گھروں کو روانہ کر دینا چاہا۔ اس کی نیت اچھی تھی مگر کوشش کامیاب نہ ہوئی اور لڑائی چھڑ گئی۔ مجلس اوصیا نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور امیر وارک کو جو اسکاٹ لینڈ کے راستے میں تھا، حکم بھیجا کہ پہلے اس بغاوت کا سدباب کرے۔ اس نے ہدایت پر عمل کیا اور کسان حماقت سے اونچی جگہ چھوڑ کر

ماوس ہولڈ پہاڑی کی لڑائی۔

ڈفن ڈیل کی وادی میں اتر آئے اور بے موقع گھر کر تین ہزار کے نقصان سے بری طرح فرار ہوئے۔ یہ ۲۷ر اگست کا واقعہ ہے۔ کہتے ہیں ایک لغو پیشین گوئی کی بنا پر وہ اس تباہی میں مبتلا ہوئے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ڈفن ڈیل میں کشتوں کے پشتے لگا دیں گے۔ سرغنوں نے سولی پائی مگر دوسروں کے ساتھ سختی نہیں کی گئی۔ دوسرے مشرقی پرگنوں میں بھی چھوٹے موٹے فساد برپا ہوئے اور یہ عام نعرہ کہ

باب سوم

"مارمیاں کی گردن" ظاہر کرتا ہے کہ زمینداروں کے خلاف کس قدر خطرناک فریقانہ عداوت پیدا ہو گئی تھی۔

اس تمام ہل چل اور فساد کا الزام زمینداروں اور امیروں نے ہارٹ فرڈ کے سر تھوپا اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کا نظم و نسق بالکل ناکام رہا۔ فرانس میں وہاں کے بادشاہ آہستہ آہستہ بوتون کے مضافات پر قابض ہو گئے اور کوئی روک تھام نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بندرگاہ پر قبضہ رکھنا بہت دشوار و خرچ طلب بن گیا۔ شہنشاہ سے رشتۂ اتحاد مخدوش ہو چکا تھا حالانکہ اب، جب کہ فرانس سے جنگ تُلی نظر آتی تھی یہ بہت مفید مطلب ہوتا۔ ادھر خود ملک کی مالی حالت بالکل ابتر تھی۔ اوپر سے نیچے تک سارے سرکاری عمال غبن میں مبتلا تھے ہینری کے تمام طویل عہد حکومت میں اتنے فساد اور ہنگامے نہ ہوئے تھے جتنے ان چھ مہینے میں ہو گئے۔ غرض نگران سلطنت کے زمانے میں جس چیز کو دیکھئے اسی میں خرابی نظر آتی تھی اسی پر دوسرے اوصیا نے ارادہ کر لیا کہ ہینری کی وصیت پر بلفظہٖ عمل کیا جائے اور لیڈ کیپر سمرسٹ کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔

سمرسٹ کی معزولی

اس ارادے پر عمل ہونا کچھ سہل نہ تھا۔ اہل مجلس وارک کی سرگروہی میں۔ لندن میں جمع ہوئے اور شکایت نامہ مرتب کیا لیکن سمرسٹ بادشاہ کو لیکر ہیمپٹن کورٹ جا چکا تھا اور جب اسے حریفوں کے ارادے معلوم ہوئے تو اس نے ایک اعلان شائع کیا اور عامۃ الناس کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور دوسری طرف رسل کو بلوا بھیجا کہ نارفک سے آئے اور بادشاہ کی حفاظت کرے بایں ہمہ اہل مجلس ارادے پر جمے رہے اور ملک بھر میں خط بھیج بھیج کر انھوں نے اصل حالات کی اطلاع دی۔ غالباً یہی استقلال دیکھکر سمرسٹ کی ہمت پست ہوئی اور ۱۵۴۹ء میں آدھی رات کو وہ بادشاہ کو گھوڑا دوڑاتا ہوا ونڈزر لے آیا اور وہاں پہنچکر کامل اطاعت قبول کر لی ہم اسے قلعۂ لندن میں لائے اور اس کی حکمت عملی سے جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں، ان کو لکھ کر اسی کے قصور کا دستخطی اقبال کرایا۔ پھر اس کے ساتھ رعایت کی گئی اور دوسرے سال اپریل میں مجلس اوصیا میں لے لیا گیا لیکن اس کی معزولی کے بعد کوئی محافظ نہیں مقرر کیا گیا اگرچہ مجلس میں سب سے زیادہ اقتدار جان ڈڈلی،

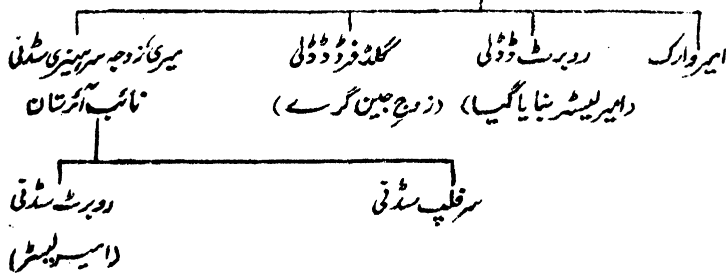
باب سوم

امیر وارک کے ہاتھ میں آگیا جو ہنیری ہفتم کے پُرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ ہنیری ہشتم کے عہد میں اس سے اکثر خدمات لی گئیں اور سفارت و سپہ سالاری دونوں کاموں میں اُس نے امتیاز حاصل کیا۔ ۱۵۴۲ء میں اسے امارت کا مرتبہ عنایت ہوا اور ۱۵۴۴ء و ۱۵۴۷ء میں اسکاٹ لینڈ میں وہی سمرسٹ کا نائب سپہ سالار رہا اور اپنی مستعدی و کارگزاری میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ نارفک کے باغیوں پر اسکی تازہ فتح اور حکومت میں اس تیزدستی سے تبدیلی کرا دینے کی بدولت وہ ملک بھر میں سب سے ممتاز ہوگیا۔ وہ نپولین کی وضع کے ایسے لوگوں میں تھا جو ہمیشہ عہد انقلاب میں سب سے اوپر آجاتے ہیں۔ وہ لائق، جاہ طلب، بے اصول، لا مذہب، نہایت ٹھنڈا اور دوراندیش آدمی تھا اور پوری توجہ سے اپنی اور اپنے خاندان کی بہتری میں سرگرم کار ہوگیا [1]

مجلس اوصیا کو سب سے پہلے سمرسٹ کی بدنظمیاں دور کرنے کی فکر تھی مگر یہ لوگ خود ہی شخصی اغراض میں مبتلا اور ملک سے غافل تھے۔ پچھلے قرضے چکانے کے لئے انھوں نے اور زیادہ روپیہ قرض لیا اور کثیر تعداد میں کم عیار سکے ضرب کرائے۔ فصل کم ہوئی اور قیمتوں میں گرانی پیدا ہوائی تو انھوں نے سرکاری طور پر نرخ معین کرکے

---

[1] ڈولی اور سڈنی خاندان کا شجرہ :۔



گرانی کا سدّباب کرنا چاہا مگر اس تدبیر سے کاشتکاروں میں ایسی ناراضی پھیلی کہ بغاوت کے خوف سے بہت جلد یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ فرانس سے صلح کر لینے میں انھوں نے زیادہ عقل کا ثبوت دیا لیکن یہ صلح بولون دیکر حاصل ہوی۔

مذہب

مذہبی معاملات میں نگراں کی معزولی سے اصلاح کلیسا کی تحریک میں ایک نیا دَور شروع ہوا۔ غالباً وارک جانتا تھا کہ ہنیری ہشتم کی حکمت عملی کی طرف رجوع کرنا زیادہ مقبول عوام ہوگا لیکن اس کام میں بغیر امیر نارفک اور کارڈنر کی رہائی کے ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ اور اس خاندانی امیر کے آزاد کرنے سے قدیم امرا کو جو قوت پہنچتی وہ خود اُس کے حق میں سخت مخدوش نظر آتی تھی، لہٰذا اس نے اصلاح کلیسا کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور بونر وغیرہ قدیم عقائد کے اسقفوں کی جگہ ایڈلی (اسقف لندن)۔ ہوپر (اسقف گلوسٹر) اور کورڈیل (اسقف اکزیٹر) کو مقرر کیا۔ یہ تینوں پکے (غیر مقلدیا) پراٹسٹنٹ تھے۔ حتیٰ کہ ہوپر تو اس پر بھی مشکل سے آمادہ ہوا کہ کلیسائی جُبّہ زیب تن کرے۔ اسی کے ساتھ ملاحدہ کی دار و گیر میں کمی نہیں آئی۔ یہ لوگ عقائد کی آزادی میں حکام سے کئی قدم آگے تھے۔ سنہ ۱۵۵۰ء میں جون بوشنے، حلول کے خلاف عقائد رکھنے کی بنا پر زندہ جلایا گیا اور اگلے سال ایک ہولندیزی انابیپٹسٹ (یعنی لااصطباغی) مسمّی جارج فان پیرس کا یہی حشر ہوا۔ ان شدید سزاؤں کی ذمہ داری کرینمر پر ہے جس نے ایڈورڈ کو مشکل سے قتل کی منظوری دینے پر آمادہ کیا۔ ادھر مجلس حیران تھی کہ شہزادی میری کے معاملے میں کیا تدبیر کرے جو ابھی تک قدیم نماز و مناجات کی پابندی تھی۔ اسے روکا گیا مگر وہ اڑی رہی اور چونکہ شہنشاہ چارلس بھی اس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ لہٰذا مجلس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بادشاہ انگلستان کے خلاف فرانس سے کوئی اتحاد نہ کرے اور انھوں نے شہزادی کے محل کو امتناعی احکام سے مستثنیٰ کر دیا۔

اس عرصے میں امیر کبیر سمرسٹ دوبارہ رسوخ حاصل کرتا جاتا تھا۔ اوصاف ذاتی میں وہ اپنے حریف سے کہیں بہتر آدمی تھا اور اصلاحی عقائد سے

باب سوم

اُس کی دلی گرویدگی نے نئے فرقے کے سچّے پیرووں کو اُس کا شیفتہ و موّید بنا دیا تھا۔ ۱۵۵۱ء کے سرما میں اس بات کا قرینہ پیدا ہوگیا کہ سمرسٹ کے حامی وارک کو مسندِ اقتدار سے نیچے گھسیٹ لیں گے اور کوئی شبہ نہیں کہ دونو امیر ایک دوسرے کے خلاف سازباز میں مصروف تھے۔ لیکن وارک زیادہ عیّار تھا۔ حریف کے منصوبوں کی اطلاعیں اس کے ہاتھ آئیں تو یکایک سمرسٹ کو غدّاری کے جرم میں گرفتار کرالیا۔ آخر میں غدّاری کا الزام تو چھوڑ دیا گیا لیکن اس پر حریف کی جان لینے کی سازش صحیح ثابت ہوئی اور اسی کی پاداش میں جنوری ۱۵۵۲ء میں سر قلم کرا دیا گیا۔ قتل کے موقع پر جو منظر دیکھنے میں آیا اسی سے سمرسٹ کی غیر معمولی ہردلعزیزی ثابت تھی۔ جو لوگ جلّادی چبوترے کے قریب تھے انھوں نے دستیاں خون میں تر کرلیں کہ تبرّک کے طور پر محفوظ رکھی جائیں۔ لیکن ایڈورڈ نے اپنے روزنامچے میں سرد مہری سے صرف یہ یادداشت لکھی ہے کہ امیر کبیر سمرسٹ کا صبح آٹھ اور نو کے درمیان ٹاور ہِل پر سر قلم کر دیا گیا۔ اسی دن سے وارک جو چند روز قبل امیر کبیر نارتھمبرلینڈ بنایا گیا تھا، عناد و نفرت کا مرجع ہوگیا۔

۱۵۵۲ء میں پارلیمنٹ کا ایک اہم اجلاس ہوا اور اس میں کتاب ادعیہ کی نظرِ ثانی کی منظوری دی گئی۔ نئے نسخے میں جو "ایڈورڈ ششم کی دوسری کتاب ادعیہ" کہلاتی ہے بہت سی اصولی تبدیلیاں کردی گئی تھیں اور چونکہ یہ پراٹسٹنٹی عقائد کے مطابق تھیں، لہٰذا جو لوگ تناسخِ جسمی کے قایل تھے، انھیں نئی انجیل کے پڑھنے پڑھانے میں بہت دقت پیش آئی۔ جدید کتاب ادعیہ کے ساتھ ۴۲ (۱) ضروری مسائل، بچوں (۲) کے یاد کرنے کے سوال و جواب اور روزمرّہ (۳) کے احکام شایع ہوئے اور بعض قدیم رسوم ترک کرنے کی ہدایت کی گئی۔ غدّاری کے مقدمات کے متعلق ایک قانون منظور کیا گیا کہ آیندہ کم سے کم دو گواہوں کی شہادت کے بغیر کسی کو سزا نہ دی جائے۔ چند قوانین اُس زمانے کی معاشی مشکلات کے متعلق نافذ ہوئے۔ کمین کسانوں کا جب سے رواج مسدود ہوا اور مزدوروں کی اراضی سے عماً علیحدگی عمل میں آئی، اس وقت سے مزدوروں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا جس کی معاش کا انحصار تمام تر محنت کی اجرت پر تھا۔ اگر محنت کا

بیے روزگاری

اجرت نہ مل سکے تو پھر اُن کا اور کوئی سہارا نہ تھا اور ہر چند فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص کے واسطے جو محنت کرنا چاہے کام مل جاتا ہے لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ مفروضہ صحیح نہ تھا۔ چنانچہ سولھویں صدی کے ارباب بست وکشاد ہی پہلی مرتبہ "بے روزگاری" کے مسئلے سے دوچار ہوئے۔ انھوں نے اس کا حل یہ تجویز کیا کہ ایک "قانونِ مساکین" کے ذریعے ہر حلقے میں باقاعدہ چندہ کرایا اور ایک تحقیقاتی جماعت مقرر کی کہ زراعت کے احیا کی تدابیر بتائے۔ مگر اسی زمانے میں ایک عملی تجویز پیش کی گئی جس سے رنگسازی انگلستان کی ایک بڑی صنعت بن سکتی تھی تو اس پر انھوں نے اعتنا نہ کی اور ساتھ ہی سود در سود کے قدیم امتناعی قوانین کی تجدید کی اور ایسی سود خواری کو مذموم اور قابل نفرت قرار دیا۔

تحریک اصلاح سے رجعت

اصلاح کلیسا کی تحریک سے رجعت ومخالفت پیدا کرنے کے لئے امیر کبیر نارتھمبرلینڈ اور اس کے ہوا خواہوں کا طرز عمل بہت کافی تھا کیونکہ نئے نظم ونسق میں ہر شے بد سے بدتر ہوئی جاتی تھی۔ زمانۂ سابق میں اہل کلیسا کی بداخلاقیاں وجہ شکایت تھیں لیکن اصلاح کلیسا کی تحریک نے محض عقائد پر اتنا زور دیا کہ حسب دستور لوگ عمل کی طرف سے غافل ہو گئے اور اخلاق وآداب میں عام سستی کی شکایت پیدا ہوئی۔ اہل حرفہ اور تاجروں کی انجمنوں کا سرمایہ ضبط کرنے سے قبل بعض تدابیر کی گئی تھیں کہ مال کی نوعیت میں خرابی نہ آنے پائے لیکن اب ہر طرف آمیزش اور ناقص کاریگری کا شکوہ تھا اور ملک کی اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ انگلستان کا مال، اینٹ ورپ اور وینس میں دکھایا گیا کہ کھوٹا بنا کے دھوکے سے بیچا گیا ہے۔ خانقاہوں کے اوقاف ضبط ہونے سے پہلے مالکانِ زمین کی زیادہ ستانیوں اور بے رحمیوں کا بھی اس قدر چرچا سننے میں نہ آتا تھا لیکن اب تو نئے زمیندار آدمی کی جان کو بھی بھیڑ کے برابر قیمتی نہ سمجھتے تھے۔ زمانۂ سابق میں حکومت اپنی آمدنی کے مطابق خرچ رکھتی تھی مگر اب تو گرجوں کا کثیر اثاثہ ضبط کرنے اور گھنٹے، چھتوں کا سیسہ حتیٰ کہ پادریوں کے جُبّے قبّے بیچ ڈالنے کے باوجود اُس کی پُوری نہ پڑتی تھی اور مُلک قرضوں سے زیر بار ہوتا چلا جاتا تھا۔

باب سوم

ان سب باتوں کی ہر پھر کے تحریک اصلاح کلیسا پر زد پڑتی تھی اور لوگ رنج و حسرت سے ہینری ہشتم کا زمانہ یاد کرتے تھے کہ گو اپنے مخالفوں کے ساتھ وہ سخت و درشت تھا لیکن عام رعایا سے ہمیشہ کمال ہمدردی کرتا رہا۔

نوعمر ایڈورڈ کی بادشاہی سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں۔ نازک اندام ہونے کے باوجود وہ عمر سے کہیں بڑھ کر ہوشیار لڑکا تھا اور اس کی بعض تحریریں دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ اسے اصلی حالات سے کیسی حیرت انگیز اور تہ تک کی واقفیت تھی۔ اب اس کی عمر پندرہ سال کی تھی ایک سال میں بلوغ کو پہنچنے والا تھا اور توقع تھی کہ نظم و نسق کی باگ اس کے ہاتھ میں آئی تو بہت کچھ اصلاح و بہتری ہو جائے گی۔ اس حالت میں بھی اس نے شاہی محلسرا کے مصارف کم کرنے کی کافی کوشش کی اور بتدریج قرضوں کے اتار دینے کی تجویز بھی بنائی تھی لیکن افسوس ہے کہ اسی موسم بہار (۱۵۵۲ء) میں اس کی صحت بگڑنے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ۱۵۵۱ء کے جاڑوں میں جب کے ونڈزر سے رات کو سوار ہو کے وہ لندن لایا گیا، اسی وقت سے اسے کھانسی کی تکلیف رہنے لگی تھی جو کسی طرح دور نہ ہوی اور اس کی حالت اور خراب ہوتی گئی۔ یہ علالت دیکھکر نارتھمبرلینڈ بہت گھبرایا کہ اگر ایڈورڈ نہ رہا تو ہینری کی وصیت کی رو سے جس کی پارلیمنٹ تصدیق کر چکی تھی، شہزادی میری وارث سلطنت ہو گی اور اس صورت میں نارتھمبرلینڈ کی قطعی خیر نہ تھی۔ پس اس نے وراثت کا یہ انتظام درہم برہم کرنے کی ایک عجیب تدبیر سوچی۔ واضح رہے کہ میری اور الزبیتھ کے بعد بیگم سفک اور اس کی بیٹیاں جین و کتھیرائن گرے، بادشاہی کی وارث قرار دی گئی تھیں۔ انھی میں سے جین گرے کے ساتھ تو نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے گلڈفرڈ ڈولی کی اور کتھیرائن گرے سے اپنے دوست ایرل پیمبرک کے بڑے بیٹے ایرل ہربرٹ کی شادی ٹھہرا دی ایڈورڈ خود پکا پراٹسٹنٹ رہا اور اس کے دو امام یعنی جان ناکس (جو بعد میں کینٹربری کا مشہور صدر اسقف ہوا) اور کرنمر ڈل بھی اسی فرقے کے ممتاز حامی تھے۔ انھی کو نارتھمبرلینڈ نے سمجھا بجھا کے رضامند کیا کہ ناجائز ولادت کے عذر پر میری کی وراثت کو کالعدم

کر دیں کہ کہیں اصلاحی مذہب معرض خطر میں نہ پڑ جائے۔ اسی اعتراض کی زد میں الزبیتھ بھی آ گئی اور پھر اس نے بغیر پارلیمنٹ کی رضامندی کے ایڈورڈ کو ایک ناجائز وصیت نامہ لکھنے کی ترغیب دی جس کی رو سے تخت شاہی جین اس کے ورثا، اور پھر اس کی بہن اور آخر میں مارگریٹ ٹیوڈر کی بیٹی مارگریٹ (زوجہ امیر لنکن) کے نام منتقل ہوتا تھا۔ حکام عدالت نے نوعمر بادشاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا یہ وصیّت لکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایڈورڈ نے ضد کی اور بہت سے اعیان و عمائد کو مجبوراً وصیّت ماننی پڑی اس کے بعد ایڈورڈ کی حالت جلد جلد بگڑتی گئی اور عمر کے سولھویں سال، ۶ جولائی ۱۵۵۳ء کے دن اس نے عالم بقاء کی راہ لی۔



ان سب باتوں کی ہر پھر کے تحریک اصلاح کلیسا پر زد پڑتی تھی اور لوگ رنج وحسرت سے ہینری ہشتم کا زمانہ یاد کرتے تھے کہ گو اپنے مخالفوں کے ساتھ وہ سخت و درشت تھا لیکن عام رعایا سے ہمیشہ کمال ہمدردی کرتا رہا۔

نوعمر ایڈورڈ کی بادشاہی سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں۔ نازک اندام ہونے کے باوجود وہ عمر سے کہیں بڑھ کر ہوشیار لڑکا تھا اور اس کی بعض تحریریں دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ اسے اصلی حالات سے کیسی حیرت انگیز اور تہ تک کی واقفیت تھی۔ اب اس کی عمر پندرہ سال کی تھی ایک سال میں بلوغ کو پہنچنے والا تھا اور توقع تھی کہ نظم ونسق کی باگ اس کے ہاتھ میں آئی تو بہت کچھ اصلاح و بہتری ہو جائے گی۔ اس حالت میں بھی اس نے شاہی محلسرا کے مصارف کم کرنے کی کافی کوشش کی اور بتدریج قرضوں کے اتار دینے کی تجویز بھی بنائی تھی لیکن افسوس ہے کہ اسی موسم بہار (۱۵۵۲ء) میں اس کی صحت بگڑنے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ۱۵۵۱ء کے جاڑوں میں جب کے ونڈزر سے رات کو سوار ہو کے وہ لندن لایا گیا، اسی وقت سے اسے کھانسی کی تکلیف رہنے لگی تھی جو کسی طرح دور نہ ہوئی اور اس کی حالت اور خراب ہوتی گئی۔ یہ علالت دیکھکر نارتھمبرلینڈ بہت گھبرایا کہ اگر ایڈورڈ نہ رہا تو ہینری کی وصیت کی رو سے جس کی پارلیمنٹ تصدیق کر چکی تھی، شہزادی میری وارث سلطنت ہوگی اور اس صورت میں نارتھمبرلینڈ کی قطعی خیر نہ تھی۔ پس اس نے وراثت کا یہ انتظام درہم برہم کرنے کی ایک عجیب تدبیر سوچی۔ واضح رہے کہ میری اور الزبیتھ کے بعد بیگم سفک اور اس کی بیٹیاں جین و کیتھراین گرے، بادشاہی کی وارث قرار دی گئی تھیں۔ انھی میں سے جین گرے کے ساتھ تو نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے گلڈفرڈ ڈولی کی اور کیتھراین گرے سے اپنے دوست امیر پیمبرک کے بڑے بیٹے امیر ہربرٹ کی شادی کر دی۔ شہزادی ایڈورڈ خود پکا پراٹسٹنٹ رہا اور اس کے دو امام یعنی جان ناکس (جو بعد میں کینٹربری کا مشہور صدر اسقف ہوا) اور گرن ڈل بھی اسی فرقے کے ممتاز حامی تھے۔ انھی کو نارتھمبرلینڈ نے سمجھا بجھا کے رضامند کیا کہ ناجائز ولادت کے عذر پر میری کی وراثت کو کالعدم

کردیں کہ کہیں اصلاحی مذہب معرض خطر میں نہ پڑجائے۔ اسی اعتراض کی زد میں الزبیتھ بھی آگئی اور پھر اُس نے بغیر پارلیمنٹ کی رضامندی کے ایڈورڈ کو ایک ناجائز وصیت نامہ لکھنے کی ترغیب دی جس کی رو سے تخت شاہی جین اُس کے ورثا، اور پھر اس کی بہن اور آخر میں مارگریٹ ٹیوڈر کی بیٹی مارگریٹ (زوجہ امیر لنکن) کے نام منتقل ہوتا تھا۔ حکام عدالت نے نوعمر بادشاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا یہ وصیّت لکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایڈورڈ نے ضد کی اور بہت سے اعیان وعمائد کو مجبوراً وصیّت ماننی پڑی اس کے بعد ایڈورڈ کی حالت جلد جلد بگڑتی گئی اور عمر کے سولھویں سال، ۶ جولائی ۱۵۵۳ء کے دن اس نے عالم بقاء کی راہ لی۔



باب چہارم

میری: ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء

ولادت۔ ۱۵۱۶ء۔ شادی ۱۵۵۴ء (با فلپ شاہ اسپین)

معاصرین = اسکاٹ لینڈ.................میری
فرانس.................ہینری ثانی
اسپین.................چارلس اول و فلپ ثانی
شہنشاہ.................چارلس پنجم

نارتھمبرلینڈ نے پوری کوشش کی کہ ایڈورڈ کی موت کی خبر اس وقت تک کہ میری گرفتار کر لی جائے، ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن ایک ہواخواہ نے ہنزڈن (ہارٹفرڈشر، میں جہاں وہ مقیم تھی)، فوراً خبر پہنچا دی۔ ایڈورڈ، ۶ جولائی کے دن ۸ اور ۹ بجے کے درمیان فوت ہوا اور دوسری صبح سے پہلے میری (نارفک میں) خاندان ہاورڈ کے قلعہ کیننگ ہال کی طرف روانہ ہو گئی۔ بزرگ خاندان امیر کبیر نارفک، تو اس وقت قلعہ لندن میں نظربند تھا لیکن خاندان کے

دوسرے افراد بھی میری کے سرگرم طرفدار تھے دوسرے یہ علاقہ مقابلہ کرنے
اور اگر ضرورت پیش آئے تو یورپ کو فرار ہو جانے کے لئے نہایت مناسب تھا۔
راستے میں ہر جگہ میری نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور تمام وفادار اہل انگلستان
سے مدد کی درخواست کی۔ اُدھر نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے روبرٹ ڈڈلی
کو (جو آگے چل کے لیسٹر کا مشہور امیر ہوا) ہنٹرڈن بھیجا کہ میری کو حراست میں
لیا جائے لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے چڑیا اڑ گئی تھی اور اس وقت اندازہ ہوا کہ اُسے
پہلے سے گرفتار نہ کر لینا کتنی بڑی غلطی تھی۔

جین گرے کی بادشاہی کا اعلان

جب خبر نہ چھپ سکی تو نارتھمبرلینڈ نے مجلس کا انعقاد کیا ایڈورڈ کی وفات
کی اطلاع دی اور جین گرے کی تاجپوشی کی تیاریاں کیں۔ ۹ر
تاریخ اُسے طرفدار امیروں نے ملکہ تسلیم کیا اور ۱۰ر جولائی
سے وہ محلسرائے شاہی میں اُٹھ آئی اسی روز شہر میں بادشاہی
کا اعلان ہوا جسے لوگوں نے ادب سے سنا مگر کوئی خوشی ظاہر نہ کی بلکہ ایک لڑکے
(گلبرٹ پاٹر) نے چلا کے کہا کہ "میری کا زیادہ حقدار ہے"۔ خود جین اس
منصب جلیل کے پانے سے زیادہ خوش نہ تھی۔ اس کے حالات جو ہم تک پہنچے
نیز خود اس کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر سے بڑھ کر علمی استعداد،
فراست اور خداترسی کا سچا جذبہ اور مجموعی طور پر بہترین سیرت رکھتی تھی۔ اسی کے
ساتھ جب اُس نے تاجپوشی میں اپنے شوہر گلڈ فورڈ ڈڈلی کو شریک کرنے سے
انکار کیا تو نارتھمبرلینڈ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ محض گڑیا بنکر رہنے والی نہیں ہے۔ اُس نے
کہا کہ "یہ صورت صرف پارلیمنٹ کی تحریک سے ہو سکتی ہے"۔

اضلاع سے نارتھمبرلینڈ کو بُری بُری خبریں مل رہی تھیں۔ اُس کے بیٹوں
نے میری کی فوج رکاب کو جا لیا تھا لیکن انھی کے ساتھ والوں نے لڑنے سے انکار
کر دیا۔ امرا اور اشراف ہر طرف سے جُوق جُوق نارفک میں جمع ہونے لگے
اور کہا جاتا تھا کہ امیر ڈاربی نے بیس ہزار چیشیر کے باشندوں کو فراہم کر لیا کہ
ملکۂ جائز کے واسطے جنگ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ چند اشخاص کی سازشی جماعت
کے سوا سبھی کی نظر میں میری کا حق وراثت مُسلّم تھا۔ اسے باپ کی وصیت اور

پارلیمنٹ کے باضابطہ قانون نے وارث صحیح بنایا تھا اور یہ قانون کسی نے منسوخ نہیں کیا۔ اس کی ذاتی سیرت میں کوئی عیب نہ تھا۔ اپنے مذہب کے لئے وہ جس طرح ثابت قدم رہی، اس نے سب سے خراج احترام وصول کیا اور اتنی مدت تک جو بدسلوکیاں ساتھ ہوتی رہیں، ان سے لوگ اس کے طبعاً ہمدرد ہو گئے تھے۔ اس کی تخت نشینی سے توقع تھی کہ ہنیری ہشتم کا زمانہ عود کر آئے گا اور اس قسم کا مذہبی انتظام ہو سکے گا جو ہنیری کی حکمت عملی کے مطابق ہو۔ یعنی روما سے تعلق قطع کر لیا جائے لیکن کیتھولک عقائد میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اور کوئی شک نہیں کہ انگلستان کی اکثریت اسی کی خواہش مند تھی۔ بخلاف اس کے جین کی کامیابی کے معنی یہ تھے کہ نارتھمبرلینڈ اور اس کے آورد وں کا عمل دخل قائم رہے جنھیں عوام الناس گذشتہ عہد کی ساری غلطیوں اور خرابیوں کا باعث گردانتے تھے۔ غرض یہ کہ ملک میں جین کے کامیاب ہونے کا کوئی قرینہ نہ تھا۔

نارتھمبرلینڈ کے منصوبوں کا ٹوٹ جانا

نارتھمبرلینڈ کی کامیابی کی اب اگر کوئی صورت تھی تو یہ کہ میری کو گرفتار اور اس کے گرد جمع ہونے والی فوجوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ چنانچہ تنخواہ کے بڑے بڑے وعدوں پر اس نے اجیر سپاہی فراہم کئے اور نارفک کی طرف کوچ کیا اور دوسری طرف سے بیڑے کو حکم دیا کہ چکر کھا کے یارمتھ پہنچ جائے۔ لیکن فوج میں تو جان بوجھ کر ایسے لوگ آبھرے جو نارتھمبرلینڈ کے سخت ترین اعدا کے فرستادہ یا ملازم اور موقع پاتے ہی خود اس پر پلٹ پڑنے کے لئے تیار تھے اور ادھر بیڑے کے سپاہیوں نے یارمتھ پہنچتے ہی ملکہ میری کی طرف ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ طرفہ تر یہ کہ لندن سے نارتھمبرلینڈ کو روانہ ہوئے دیر نہ ہوی تھی کہ اسی کے گروہ کے امرا کی ایک جماعت نے جن کا سرگروہ کیتھرائن گرے کا خسر امیر ہیمبرک تھا، میری کی بادشاہی قبول کر لی نارتھمبرلینڈ کیمبرج سے چند میل آگے بڑھا تھا کہ یہ خبر ملی اور وہ سمجھ گیا کہ بازی ہر گئی۔ چنانچہ کیمبرج واپس آکر خود بھی میری کی بادشاہی کی منادی کی (۲۰ جولائی) لیکن میری کے حکم سے

دوسرے ہی دن گرفتار ہوا اور اپنے بیٹے وارک اور چند ہمراہیوں کے ساتھ قلعۂ لندن میں بھیجدیا گیا۔ ۳ اگست کو میری لندن میں داخل ہوئی شہزادی الزبیتھ دوش بدوش گھوڑے پر سوار تھی۔ نئی ملکہ نے پہلا کام یہ کیا کہ نارفک، گارڈنر اور ایڈورڈ کورٹنی کو قلعۂ لندن کی قید سے نجات دلائی۔ نارتھمبرلینڈ کو کسی رحم کی امید نہ ہوسکتی تھی۔ وہ بلا تاخیر مروا دیا گیا اور اصلاح کلیسا کو مرتے مرتے یہ اعلان کرکے نقصان پہنچا گیا کہ میرا پراٹسٹنٹ عقیدہ اختیار کئے رہنا محض بناوٹ تھا۔ جین گرے، اور اس کا شوہر بھی محبوس کر دیے گئے اور غداری کے جرم کے مرتکب قرار پائے لیکن میری ان کے خلاف فیصلوں کو ابھی عمل میں لانے کی نیت نہ رکھتی تھی۔

میری کی بادشاہی

تخت نشینی کے وقت میری عمر ۳۶ سال کی تھی چہرے پر درشتی کے ساتھ، حالت جوش میں خوبصورتی کے آثار بھی ضرور تھے۔ تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی پردادی مارگریٹ بوفرٹ سے نہایت شباہت رکھتی تھی اور عجب نہیں کہ اسی سے مذہبی راسخ الاعتقادی ورثے میں پائی ہو۔ بہرحال اب جو لوگوں کو دلی جذبات ظاہر کرنے کی آزادی ملی تو صاف ظاہر ہوگیا کہ سوائے قلیل التعداد حامی اصلاح جماعت کے عوام دل سے اس کی بادشاہی کے موید تھے لیکن تخت جہانبانی تک پہنچنا ہی اس کے حق میں خطرناک ہوا۔ لوگوں کو میری کی خوخصلت کا کوئی علم نہ تھا اور تھا بھی تو صرف اچھے پہلو کا۔ اُن کی تائید کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے حسب منشا ایک خاص قسم کے نظم ونسق قائم ہونے کی بہترین صورت یہی ہوگی کہ میری حکمران ہوجائے۔ یا ہر اپنی شادی کرتا یا روما سے ازسرنو مذہبی تعلق پیدا کرنا صریحی لوگوں کی ناخوشی کا موجب ہوتا اور اس لئے ادھر کسی کا خیال بھی نہ گیا تھا حالانکہ یہی وہ امور تھے جن کے بارے میں ملکہ قطعی فیصلہ کرچکی تھی اور جس چیز کو وہ ویسی اغراض کے لئے ضروری سمجھتی تھی پھر اسے عمل میں لانے سے کوئی مصلحت اسے باز نہ رکھ سکتی تھی۔

ملکہ کی مجلس میں سب سے اچھا مشیر ولزے کا پرانا شاگرد گارڈنر، اسقف ونچسٹر

تھا جو پیشکار مقرر ہوا۔ وہ سراپا انگلستان کا ہوا خواہ تھا اور گو ہینری ہشتم کی حکمت عملی کو تازہ کرنا چاہتا تھا، تاہم پاپا کا اقتدار بحال کرنے کی مطلق خواہش نہ تھی۔ مگر میری نے اس کا مشورہ ماننے کی بجائے اپنے آپ کو بالکل رینارڈ کی رائے پر چھوڑ دیا جو شہنشاہ کا سفیر اور صرف اپنے آقا کی بہتری چاہتا تھا۔ میری نے پاپا اور اپنے بنی عم پول (مشیر پاپا) سے خفیہ خط کتابت بھی شروع کر دی تھی پول انگلستان میں پاپا کا وکیل مختار مقرر ہوا اور وطن آنے کے لئے بیقرار تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگلستان کے لوگوں کو نہ میری نے سمجھا نہ رینارڈ نے، نہ پول نے اور نتیجہ یہ ہوا کہ شروع ہی سے ہر دلعزیزی میں فرق آنے لگا۔

شادی کا مسئلہ

پہلا مسئلہ تو ملکہ کی شادی کا پیدا ہوا۔ گارڈنر اور قریب قریب تمام اہل ملک چاہتے تھے کہ وہ ایڈورڈ کورٹنی سے شادی کرے جو یارک کی خاندان کی آخری یادگار تھا اور اسی زمانے میں امیر ڈیون بنایا گیا۔ اس کے ساتھ عقد ہو جانے سے کسی بیرونی ملک سے کوئی واسطہ اور پیچیدگی نہ پیدا ہوتی اور خود خاندان شاہی کے حق کو قوت پہنچتی۔ مگر میری نے شہنشاہ کے فرزند اکبر فلپ سے شادی کرنے کی ٹھان لی تھی اور اسی کی ترغیب و تحریص رینارڈ دلاتا رہا۔ اس نے میری کو الزبیتھ کا دشمن بنا دینے کی بھی پوری کوشش کی اور جین گرے اور اس کے شوہر کو قتل کرا دینے پر اکسایا۔ میری اس خبط میں اتنی مبتلا ہوئی کہ خیال ہی خیال میں فلپ کے عشق کا دم بھرنے لگی جسے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔ خود ملک میں اس سے بڑھ کر نامقبول رشتہ ہو نہ سکتا تھا۔ اس کی حمایت میں صرف یہ کہا جا سکتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی میری، ولی عہد فرانس سے منسوب ہوئی تو انگلستان کو اسپین سے رشتہ جوڑ کر قوت بہم پہنچانی چاہیئے۔ لیکن یہ دلیل اس خطرے کے مقابلے میں کہ کہیں انگلستان بھی نیپلز اور نیدرلینڈز کی طرح سلطنت ہسپانیہ کا ماتحت نہ بن جائے، کوئی وقعت نہ رکھتی تھی اور اکثر انگریز اندیشہ مند تھے کہ ایسا ہی ہو جائے گا۔ مگر کیتھولک اور پراٹسٹنٹ اس بارے میں متفق ہو کر

مخالفت نہ کر سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ میری نے ایک بہ یک یہ سوال پیش کرکے مجلس سے اپنے موافق رائے حاصل کرلی۔ بایں ہمہ خود شہنشاہ نے شادی کی شرطیں مرتب کرتے وقت انگریزیوں کے احساسات کا پورا لحاظ رکھا اور انگلستان کے نظم و نسق اور مالگزاری کا کامل اختیار میری کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ ملک اسپین تو فلپ کی پہلی بیوی کے فرزند ڈون کارلوس کے ورثے میں جانے والا تھا، لیکن شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ برگنڈی اور ندرلینڈز کی وارث میری کی اولاد ہوگی۔ مجلس نے یہ بھی طے کرالیا کہ انگلستان کی فوج یا بیڑے کی سپہ سالاری کسی پردیسی کو نہ دی جائے گی اور شہنشاہ کی فرانس سے لڑائی ہو تو انگلستان اس میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شریک نہ کیا جائے گا۔ سال ختم ہونے سے پہلے یہ شرطیں طے ہوگئیں اور قرار پایا کہ آیندہ موسم بہار سے قبل شادی ہو جائے۔ لیکن انگلستان میں ایک تازہ فساد برپا ہو جانے سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔

فساد کے سرغنہ امیر کبیر سفک، کورٹنی، ٹامس وائٹ وغیرہم نارتھمبرلینڈ کے دوست تھے۔ کہنے کو تو انھوں نے ملکہ کے ہسپانوی رشتے کے خلاف ہتیار اٹھائے تھے لیکن اگر انھیں کامیابی ہو جاتی تو اغلب یہ ہے کہ میری کو معزول کرکے الزبتھ فرماں روا بنادی جاتی۔ مگر بغاوت ناکام رہی کورٹنی سے مجلس کے روبرو جرح

وائٹ کی بغاوت

ہوئی اور قید کر دیا گیا۔ ایک سرغنہ کیریو، ڈیون شر میں گرفتار کرلیا گیا۔ سفک کا نارتھمبرلینڈ کے رشتہ دار ہونے کی بنا پر، وسطی اضلاع والوں نے بغاوت میں ساتھ نہ دیا۔ صرف ٹامس وائٹ کو کینٹ میں کافی ساتھی مل گئے اور نارفک جن لندنی سپاہیوں کو مقابلے میں لایا تھا، وہ بھی وائٹ سے جا ملے اور وہ ان سب کو لئے ہوئے سفک کی طرف روانہ ہوا۔ اگر وہ لندن کے پل کو عبور کرسکتا تو بے شبہ معاملہ نازک ہو جاتا کیونکہ پائے تخت میں میری کی حکومت سب جگہ سے بڑھ کر نامقبول تھی لیکن ملکہ نے مردانہ ہمّت دکھائی اور گھوڑے پر چڑھ کر گلڈہال آئی اور وعدہ کیا کہ جب تک پارلیمنٹ منظوری نہ دے گی میں شادی نہ کروں گی اس وعدے نے اہل شہر کا سوئے ظن دور کر دیا اور لندن کے پل کی ایسی حفاظت کی گئی کہ وائٹ کو اسے چھوڑ کر کنگسٹن کے پل سے ندی کو عبور کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اسی کے راستے میں بہت سے ہمراہی غائب ہوگئے۔ خود وائٹ کو شہری سپاہیوں نے

قتل کرنے میں تامّل کیا اور وہ شہر کے اندر داخل ہو گیا مگر اندر گرفتار کر لیا گیا۔

یہ احمقانہ اور بے ڈھنگی بغاوت ایک طرف تو شادی کی مخالفت کے حق میں نہایت مُضر تھی اور دوسرے جو لوگ اس میں شریک تھے ان کے احباب و اعزہ کے لئے ہلاک ثابت ہوی۔ رینارڈ نے موقع پا کے بے گناہ جین کے قتل کی منظوری سے لی اور وہ شوہر سمیت ۱۲ فروری کو مروا دی گئی۔ گارڈنر نے اس سے بھی بڑھکر اوپر ہاتھ مارا اور الزبیتھ کو مشتبہ ٹھیرا کے قلعۂ لندن میں بھجوادیا۔ اس کے خلاف شہادت بہم پہنچانے میں ان لوگوں سے جو بغاوت کے مجرم قرار پا چکے تھے۔ ترغیب اور تہدید سے کام لیا گیا مگر حسن اتفاق سے کوئی کامیابی نہ ہوی اور وائیٹ نے تختۂ صلیب پر چڑھ کر بھی اعلان کیا کہ اسے بغاوت سے متعلق میرو کار نہ تھا سفک کا سر قلم کرا دیا گیا۔ کورٹنی کچھ عرصے قید میں رہ کر بالآخر چھوڑ دیا گیا۔ اور ۱۵۵۶ء میں وینس میں وفات پائی اور تمام عمر شادی نہ کی دوسرے باغیوں کو بیسیوں کی تعداد میں سولی دی گئی۔ ۱۹ مئی تک قلعۂ لندن میں رہ کر پھر الزبیتھ کو وڈاسٹاک بھیجدیا گیا۔ اب شادی کی تیاریوں میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اپریل میں پارلیمنٹ منعقد ہوی اور اس نے شادی کے معاہدے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ جولائی میں فلپ آیا اور ۲۵ ویں تاریخ شادی ہو گئی۔ شادی کے وقت

فلپ سے شادی

فلپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ وہ پستہ قامت لیکن متناسب الاعضا آدمی تھا۔ پیشانی چوڑی، آنکھیں بھوری، گھنی اور نکیلی ڈاڑھی تھی جس نے چہرے کی قدرتی طوالت کو اور لمبا کر دیا تھا۔ وہ بے مہر سا، بہت معمولی لیاقت کا آدمی تھا۔ عقائد میں متعصب کیتھولک تھا لیکن عقائد کو سیاسی منصوبوں یا ذاتی عادات میں دخل دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ شادی خالص سیاسی ضرورت سمجھ کر اور گویا ولی عہد فرانس اور اسکاٹ لینڈ کی میری کی شادی کے توڑ پر کی تھی۔ اگر حکومت و اقتدار ملے تو انگلستان میں ٹھیرنے پر آمادہ ورنہ جلد سے جلد وہ وطن واپس جانا چاہتا تھا۔

مذہبی معاملات اصلاحی قوانین کی منسوخی جور و تشدد

مناسب ہو گا کہ اب مذہبی معاملات کی طرف توجہ کی جائے۔ میری کی تخت نشینی پر مذہبی رجعت کا ہونا تو اتنا یقینی تھا کہ

پر دیسی اور بہت سے ملکی علما جنھوں نے گذشتہ عہد میں تحریکِ اصلاح میں نمایاں حصہ لیا تھا، فوراً ملک چھوڑ کر چل دیئے۔ انھی میں پیٹر مارٹائر اور جان ناکس بھی تھے کرنیمر، لے ٹمر، ریڈلی وغیرہم بعض اپنے اپنے عہدوں پر رہے بلکہ کرنیمر نے دلیری سے ایک خط بھی شایع کیا اور نئے عقائد پر اپنی استقامت ظاہر کی۔ لیکن یہ بات بہت جلد معلوم ہوگئی کہ ایڈورڈ ششم کے قوانین دراصل رائے عامّہ سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے اور میری کی تخت نشینی کے بعد کسی حکم احکام کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلکہ ہر جگہ لوگوں نے از خود وہی پرانی دعائیں نمازوں میں پڑھنی شروع کر دیں۔ اکتوبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو سرکاری طور پر عہد ایڈورڈ کے مذہبی قوانین منسوخ کر دیئے گئے اور "وہی نمازیں اور انجیل خوانی، جیسی ہینری ہشتم کے عہد کے آخری سال، انگلستان میں سب سے زیادہ مروّج تھی" دوبارہ رائج کر دی گئی۔ ادھر اصلاح پسند اسقفوں کو ہٹا کر ان کے عہدے دوبارہ پرانے اسقفوں (جیسے گارڈنر، اسقف ونچسٹر، بونر، اسقف لندن) کے تفویض ہوئے یا نئے لوگ جن پر حکومت کو اعتماد تھا، مقرر کیئے گئے۔ اس طرح دارالامرا میں قوّت پاکر، گارڈنر نے تجاویز پیش کیں کہ عقائد سنّتہ کے قانون اور کلیسائی اختیارات نیز لالرڈ فرقے کے خلاف قوانین کی تجدید کی جائے۔ لیکن ہینری ہشتم کے دیرینہ سال و معتمد علیہ وزیر لارڈ پیجٹ نے مخالفت کی اور یہ تجویزیں رہ گئیں۔ آیندہ اکتوبر میں پارلیمنٹ کے نئے انتخابات ہوئے اور سرکاری کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعوام میں میری کے مؤید اتنی کثرت سے منتخب ہوئے کہ کسی پارلیمنٹ میں نہ ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں ملکہ نے پول کو وکیل پاپائی حیثیت سے بلانے کی جرات کی اور وہ نومبر میں انگلستان پہنچ گیا۔ مگر کمال ارادت مندی کے باوجود پارلیمنٹ نے پاپائی وکیل مختار سے خاصی سخت شرطیں لکھوائیں اور اصرار کیا کہ انھیں قانون کی صورت میں قلم بند کیا جائے۔ انھوں نے روما سے قطع تعلق کرنے کے گناہ کا اقبال اور ہینری ہشتم کے بہت سے کلیسائی قوانین کو منسوخ کیا۔ پاپا سے التجا کی کہ دوبارہ انگلستان پر عنایت کی نظر فرمائے لیکن اسی کے ساتھ اصرار کیا کہ پاپا کلیسا و خانقاہ کی اراضی کو انھیں کے قبضے میں رہنے کی

ضمانت دے جواب قابض تھے۔ اسی طرح ہینری ششم کے لارڈ قوانین اور کلیسائی عدالتوں کو بحال کرنے کی منظوری تو دی لیکن اس کے عوض میں پادریوں سے اعلان کرایا کہ اُن کی جو اراضی ضبط کی گئیں ہم اُن پر کوئی مالکانہ حق نہیں رکھتے۔ مزید برآں قانون امتناع اور ۱۵۲۹ء سے پہلے کے خلاف پاپا قوانین بھی بجنسہ نافذ رہنے دیئے۔ ہینری ہشتم کے قوانین کی تنسیخ کرتے وقت یہ بھی احتیاط سے تصریح کر دی کہ ان کا وہ حصّہ منسوخ کیا جاتا ہے جن کا پاپائی اقتدار سے تعلق ہے۔ مطلب یہ تھا کہ وراثت کے اُن قوانین پر زد نہ آئے جن پر الزبیتھ کی آیندہ وراثت مبنی تھی۔ غرض اس طرح باضابطہ مصالحت عمل میں آگئی اور پول نے پاپا کی طرف سے انگلستان کے خارج ازملت ہونے کا فتویٰ منسوخ کر دیا۔

سال کے ختم پر اعلان ہوا کہ ملکہ کے ولادت ہونے والی ہے۔ اسی سلسلے میں انتظام کیا گیا کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو فلپ آیندہ وارث کی صغرسنی کے زمانے میں اتالیق سلطنت کی خدمت انجام دے لیکن شادی کے وقت جو شرطیں ہوی تھیں، وہ اُس کی اتالیقی میں بھی بجنسہ واجب العمل رہیں۔ انگلستان اور اسپین کے شاہی درباروں میں میری کے بچّہ ہونے کی بڑی خوشیاں کی جارہی تھیں اور چونکہ واثق امید تھی کہ بیٹا ہوگا لہذا اس مبارک تقریب پر بہت کچھ دھوم دھام کے جشن منانے کا انتظام ہو رہا تھا۔

پارلیمنٹ کی میعاد ۱۶ر جنوری کو ختم کر دی گئی اور اس کے دو ہفتے بعد سے پراٹسٹنٹ فرقے والے زندہ جلائے جانے لگے۔ اس تشدّد کی ابتدا گارڈنر نے کی اور غالباً وہ سمجھتا تھا کہ آگ سے ڈر کے لوگ اسی طرح اپنے عقائد سے پھر جائیں گے، جیسے امیر کبیر نارتھمبرلینڈ پھر گیا تھا اور اس سے مذہب نو کی بڑی ذلت ہوگی۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ تشدّد کی اصلی محرّک خود ملکہ میری اور پھر وکیل پاپا پول تھے۔ سب سے پہلے جن لوگوں پر وار ہوا، انھیں بہت احتیاط سے انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ ہوپر و روجر تھے جنھیں اوائل فروری میں جلوا دیا گیا۔ پہلا گلوسٹر کا اُسقف اور اپنے ریاضت و تقویٰ میں ممتاز تھا۔ دوسرا، سینٹ پال کا پادری اور انجیل کا مترجم تھا۔ مارچ میں سینٹ ڈیوڈ کا

نیک نیت اسقف فیرار اور تیرہ اور کمتر درجے کے لوگ آگ کی نذر ہوئے۔ ستر مجرموں میں سے صرف ایک شخص نے توبہ کی۔ باقی سب کی استقامت دیکھ کر حاضرین بھی اش اش کرنے لگے اور بہت جلد بے لاگ مبصروں کو (جیسے رینارڈ تھا) نظر آگیا کہ حکومت ان حرکتوں سے خود اپنے مقاصد کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

میری کی یاس انگیز بیماری

میری کے مئی میں وضع حمل ہونے والا تھا لیکن زمانہ گزر گیا اور کچھ نہ ہوا۔ سخت رنج کی حالت میں ملکہ نے اساقفہ کو خط بھیجا کہ جور و تشدد میں مزید سرگرمی دکھائی جائے کہ شاید اسی سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اولاد حاصل ہو چنانچہ آیندہ مہینہ میں پچاس اور بے گناہوں کی جان لی گئی لیکن گرمیوں کے ختم سے پہلے ہی سب کو معلوم ہو گیا کہ بدبخت ملکہ کو دراصل ایک ناقابل علاج مرض کے باعث حمل کا دھوکا ہو گیا اور یہ کہ اولاد ہونا تو درکنار اب وہ زیادہ عرصے تک زندگی بھی نہ رہ سکے گی۔
اگست میں ایک اور مصیبت اس پہ یہ آئی کہ چارلس پنجم نے جو مدت سے تخت سے دست بردار ہونے کی فکر میں تھا، فلپ کو اپنے پاس بلایا اور وہ اس حیلے سے خوشی خوشی انگلستان چھوڑ کر چلا گیا چلتے وقت اس نے میری کو بہ تاکید مشورہ دیا کہ الزبیتھ کے ساتھ اچھا سلوک کرے جس کی تخت نشینی اب یقینی ہو گئی تھی۔
نومبر میں میری کا سب سے بہتر انگریز مشیر گارڈنر فوت ہوا اور وہ وُلزے کے تربیت یافتہ وزیروں میں سب سے آخری شخص تھا۔ اس کے بعد بظاہر ملکہ صرف پول کے مشورے پر عمل کرتی رہی۔
اب تک صرف دو اسقف، ہوپر و فیرار موت کے گھاٹ اتارے گئے شاہ ڈین مارک کی سفارش پر کوورڈیل کی جاں بخشی ہو گئی۔ اکثر معزول اساقفہ اگرچہ قدیم عقائد کے خلاف شادی کر چکے تھے، لیکن الحاد میں کچھ زیادہ سرگرم نہ سمجھے جاتے تھے۔ البتہ کرینمر، ریڈلی اور لےٹمر باقی تھے اور ستمبر ۱۵۵۵ء میں انھیں آکسفورڈ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر جس نزاعی مسئلے پر زور دیا گیا وہ لحم و دم کا عقیدہ تھا اور اسی پہ یہ تینوں ملحد قرار پائے کرینمر، صدر اسقف

تھا لہذا اس کا فیصلہ۔ پاپا پر چھوڑا گیا اور ریڈلی و لےٹمر اکسفرڈ میں (بتاریخ ۱۶ اکتوبر) زندہ جلا دیے گئے۔ دونوں کو ایک ہی تختے پر موت آئی اور لےٹمر کے آخری الفاظ اپنے ساتھی سے یہ تھے "بھائی ریڈلی، مرد بنے رہو۔ خدا کے فضل سے آج کے دن ہم انگلستان میں وہ شمع روشن کریں گے جو یقین ہے کہ کبھی نہ بجھے گی۔ فروری میں کرنمر کے لئے بھی رومہ سے اجازت آگئی اور اسی ماہ کی ۱۴ ویں تاریخ اس کا کلیسائی ملبوس اُتار لیا گیا۔ کرنمر نے مجلس کلیسا سے مرافعہ کیا اور جو لوگ اس کو زندہ چھوڑنے کے خواہاں تھے انھیں امید ہوی کہ وہ اس موقع پر سنئے مذہب سے توبہ کرلے گا۔ چنانچہ جان کا واسطہ دے دے کر جس کی اسے طبعاً محبت تھی اسے بہت سی باتیں قبول کرنے پر آمادہ کر لیا گیا اور آخر میں وہ بے کرائس نے تحریری اقبال کر لیا کہ ان تمام خرابیوں کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔ میری اور پول سُلے ہوے تھے کہ وہ زندہ نہ رہنے پائے لیکن یہ سمجھکر کہ اگر وہ علانیہ رجوع کرے گا تو نارتھمبرلینڈ کے رجوع سے بھی بڑھ کر پراٹسٹنٹ مذہب کی فضیحت ہوگی، انھوں نے انتظام کیا کہ اکسفرڈ کے کلیسائے سینٹ میری میں کرنمر اپنے عقائد کا اظہار کرے۔ مگر جس وقت تقریر کا موقع آیا تو صدر اسقف کا دل مضبوط ہو گیا اور اس نے اپنے رجوعی کلمات کی تردید کی اور صاف کہدیا کہ میں پراٹسٹنٹ مرونگا۔ اس نے کہا "رہا پاپا تو میں اس کی جھوٹی دلائل اور خود اسے مذہب کا دشمن اور دجال مسیح سمجھکر (مقتدا) ماننے سے قطعی انکار کرتا ہوں اور اناجیل کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو مَیں نے اسقف ونچسٹر کے رو میں اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔" یہ سنکر دشمن غصے سے آگ ہو گئے اور اسے فوراً کھینچکر چتا پر پہنچایا۔ مگر اب کرنمر کو آخر تک راہ استقامت سے لغزش نہ ہوی اور اُس سے بھڑکتے شعلوں میں پہلے اپنا سیدھا ہاتھ ڈال دیا کہ یہی وہ ناشدنی ہاتھ ہے جس نے رجوع کی تحریر پر دستخط کئے تھے۔ اس کے بعد پول بلا تاخیر صدر اسقف بنا دیا گیا اور معمولی درجے کے لوگوں کے جلانے اور مارنے کا سلسلہ بھی جاری رہا مگر یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ غیر کلیسائی لوگوں میں جو بے گناہ اس مذہبی سفاکی کا شکار ہوے ان میں سے کوئی بھی عالی رتبہ

آدمی نہ تھا حتیٰ کہ ۲۷۷ مقتولین میں بارہ سے زیادہ ایسے اشخاص بھی نہ تھے جنھیں بانام ونشان کہا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل تعدی نے مقتدر لوگوں کے الحاد سے آنکھیں بند کر لی تھیں اور زیادہ تر بے یار و مددگار اشخاص پر ہی ہاتھ صاف کیا۔ ایک اور بات قابل لحاظ یہ ہے کہ لندن کے حلقے میں اسقف بونر نے سو کو، کینٹربری میں، پول نے ۵۵، نارج میں ہوپ ٹن نے ۵۶ ملاحدہ زندہ جلوا ئے بجالیکہ اور سب اسقفی علاقوں میں کل ملا کر مشکل سے پچاس آدمی مجرم قرار پائے۔ گارڈنر نے تو یہ دیکھکر کہ تشدد سے لوگ مذہب نہیں چھوڑتے، اپنا ہاتھ روک لیا اور غالباً سمجھ لیا تھا کہ ان تدابیر سے تشدد کا اصلی مقصد فوت ہو رہا ہے اور میری اور اس کے مشیر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ پراٹسٹنٹ مذہب ایسا دین ہے جس کے لئے لوگ جان دینے کی پروا نہیں کرتے اور یہ اس مذہب کی بیخکنی نہیں بلکہ بہترین خدمت ہے۔

یہ خیال کرنا نہ چاہئے کہ جمہور اہل ملک میری کی ان حرکتوں سے سخت بیزار نہیں ہوئے۔ مگر مزاحمت کرنا سخت دشوار تھا۔ اگر ممالک یورپ کی سیاسیات کا الجھاؤ نہ ہوتا تو یہ یقینی بات ہے کہ انگلستان کے باشندے میری کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور اُسے نکال کر الزبیتھ کو تخت پر بٹھا دیتے۔ لیکن یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ فلپ ہسپانوی سپاہ انگلستان میں اتار دینے کا حیلہ ڈھونڈ رہا ہے۔ ایسی صورت میں فرانس کی مدد ناگزیر ہوتی اور کوئی دانشمند انگریز یہ دیکھنا پسند نہ کر سکتا تھا کہ فرانسیسی فوج انگلستان کی سرزمین پر آئے اور میری کی طرفدار ہسپانوی سپاہ سے مقابلہ کرے۔ اسی لئے ارباب عقل نے فیصلہ کیا کہ ابھی خموشی سے مناسب موقع کا انتظار کیا جائے کیونکہ میری زیادہ عرصے زندہ رہنے والی نہ تھی اور اس کے بعد تخت سلطنت از خود الزبیتھ کو پہنچنے والا تھا پھر بھی بعض نوجوان انگریزوں نے اس عاقلانہ ارادے کی پیروی نہ کی اور ۱۵۵۶ء میں فرانسیسی فوج کو جزیرۂ وائٹ میں لا اتارنے کا منصوبہ باندھا۔ ٹامس اسٹےفرڈ، متوفی امیر کبیر بکنگھم کا پوتا، فرانس سے چلا اور اپریل ۱۵۵۷ء میں قلعۂ اسکاربرو پر قابض ہو گیا لیکن بہت جلد گرفتار کر کے قتل کرا دیا گیا۔

فرانس سے جنگ

ان ناعاقبت اندیشیوں سے زیادہ نقصان اس لئے پہنچا کہ اسی حیلے سے فلپ نے میری کو فرانس کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی ترغیب دی ۱۵۵۷ء کی گرمیوں میں وہ خود چند روز کے لئے انگلستان آیا اور میری کو لڑائی کے لئے ابھارتا رہا۔ مگر ملک جنگ کے واسطے مطلق تیار نہ تھا۔ میری بادشاہی آمدنی کو خانقاہیں اور کلیسا دوبارہ آباد کرانے میں خرچ کرتی رہی تھی اور جہاز اور قلعے بے مرمّت، ویران پڑے تھے۔ حکومت سے عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی اور ایسی حالت میں صرف جبری قرضوں یا ناجائز محاصل راہداری کے ذریعے روپیہ فراہم ہو سکتا تھا۔ مجلس شاہی کے چند مشیر جو ابھی تک شریک مشورہ ہوتے تھے، بیشتر ایسے ہی نااہل و کٹھ ملّا خیال کے تھے جیسے خود ملکہ۔ لڑائی کا نتیجہ بجز مصیبت و نقصان کے کچھ ہونے والا نہ تھا۔ لیکن شروع میں کامیابی کی ایک جھلک یہ نظر آئی کہ انگریزی فوج جو فلینڈرز بھیجی گئی تھی اگرچہ وہ اتنی دیر میں پہنچی کہ فلپ کی سینٹ کونتیں کی زبردست فتح میں شریک نہ ہو سکی تاہم خود قلعے پر یورش اور غارتگری میں حصہ دار بن گئی۔ فلپ اپنے تذبذب کے باعث فتح سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا فرانسیسیوں نے شہزادہ گیز کو اطالیہ سے واپس بلا کر کالے پر جوابی حملے کی تیاریاں کر لیں اور یہ بار انگریزوں کو اٹھانا پڑا۔

سقوط کالے

اس وقت کالے کی انگریزی حدود میں دو قصبے گین اور کالے واقع تھے جنھیں ہام کا قلعہ ایک دوسرے سے ملاتا تھا۔ دونوں قلعوں کی مدافعت کا معقول انتظام تھا۔ کالے کا عامل لارڈ وینٹ ورتھ اور گین کا قلعہ دار میدان نیکی کا شورما، لارڈ گرے تھا اور دونوں اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے۔ انھیں مدت سے معلوم تھا کہ کالے پر حملہ ہوا چاہتا ہے اور حکومت کو خبردار کر چلے تھے کہ فوج ناکافی ہے لیکن حکومت نے کوئی اعتنا نہ کی سامان رسد گھٹ گھٹا کر چند ہفتے کا ذخیرہ رہ گیا تھا اور وہ بندجن پر کالے کی بذریعہ آب مدافعت کا انحصار تھا، بے مرمّت پڑے تھے۔ دسمبر کے مہینے میں وینٹ ورتھ بار بار لکھتا رہا کہ

باب چہارم

کمک بھیجنی ضروری ہے اور ۲۹ ہر تاریخ کے مراسلے میں اطلاع دی کہ عنقریب فرانسیسی پہنچا چاہتے ہیں لیکن کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ۳۱ ہر تاریخ کو ملکہ نے لکھا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ کالے کے خلاف کسی لشکر کشی کی امید نہیں۔ کمکی سپاہ کے احکام بھی منسوخ کر دیئے گئے مگر دوسری ہی صبح کو فرانسیسی قلعے کے سامنے صفیں تیار کر رہے تھے۔ ان کے ۲۵ ہر ہزار کے مقابلے میں وینٹ ورتھ کے سپاہیوں کی تعداد صرف پانچ سو تھی تاہم وہ انھیں کسی نہ کسی طرح ۶ ہر تاریخ تک روکے رہا اور اس کے بعد ہتھیار ڈال دئے۔ ان چار دن کو بھی حکومت انگلستان نے رائگاں کھویا اور سمندر کے صاف ہونے کے باوجود کوئی کمک نہ بھیجی گئی۔ پھر ۱۰ہر جنوری کو سپاہی اور جہاز تیار ہوئے تو جنوب مشرقی آندھی نے رسد کی کشتیوں کو منتشر کر دیا۔ اور ۲۰ہر ویں تاریخ گرنے نے بھی مجبوراً اطاعت قبول کر لی۔ کالے کے سقوط کی خبر ملک میں بجلی کے گرنے سے کم صدمہ انگیز نہ تھی اور اس نے حکومت سے، جو اس نقصان عظیم کی واحد ذمہ دار تھی، لوگوں کو پوری طرح برگشتہ کر دیا۔ اب الٹا فرانسیسی حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ہر چند گرمیوں سے پہلے ملک نے ہمت باندھ کر بیڑا تیار کر لیا اور گراولین کے قریب فرانسیسی و ہسپانوی سپاہ کی ساحلی جنگ میں، قابل قدر حصہ لیا لیکن سقوط کالے سے ملک کی خودداری کو بے شبہ سخت صدمہ پہنچا۔

مگر اس نقصان کا رنج سب سے زیادہ خود ملکہ کو ہوا۔ اب اسے صاف نظر آتا تھا کہ مہلک مرض اس کا خاتمہ کر کے چند مہینے میں اس کی بہن کو تخت شاہی پر لے آئے گا۔ الزبیتھ کی محض خوبصورتی دیکھ دیکھ کر میری جلی مرتی تھی اور جانتی تھی کہ وہ میری ساری حکمت عملی کو الٹ پلٹ کر دے گی۔ شوہر بھی اسے چھوڑ کر چل دیا تھا اور واپس آنے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی۔ پاپا نے میری کے سب سے اچھے ہوا خواہ پول کو منصب وکالت سے معزول کر دیا اور وہ الحاد کے الزام سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ یہ بھی میری کو علم تھا کہ رعایا اس سے نفرت کرتی ہے اور الزبیتھ کی جانشینی کے دن گن رہی ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے پرانے طریق پر قایم رہی۔

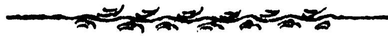
میری کا آخری زمانہ

لوگ برابر جلائے جاتے رہے۔ خانقاہیں برابر از سرِ نو بنتی رہیں۔ جب آخری وقت آیا تو میری پر کوئی اضطراب نہ طاری ہوا۔ اُس نے الزبیتھ کو اپنا جانشین تسلیم کیا اور ۱۷ نومبر ۱۵۵۸ء کے دن، جان جان آفریں کو سپرد کی اسی تاریخ پول فوت ہوا۔ میری کی سیرت کے متعلق بڑی سے بڑی رعایت یہ کی جا سکتی ہے کہ اُسے فاتر العقل سمجھا جائے اور یہ تاویل کی جائے کہ تخت نشینی سے جو بار دماغ پر پڑا اُس نے میری کے حواس مختل کر دئے۔ فلپ کے ساتھ اس کے تعلقات میں وحشت اور کبھی کبھی دیوانگی کی شان نظر آتی ہے اور پر اٹسٹنٹوں پر جس شدت سے وہ ظلم توڑتی رہی، وہ بھی خیال کو اس تشخیص کی طرف لے جاتا ہے۔



مشہور واقعات

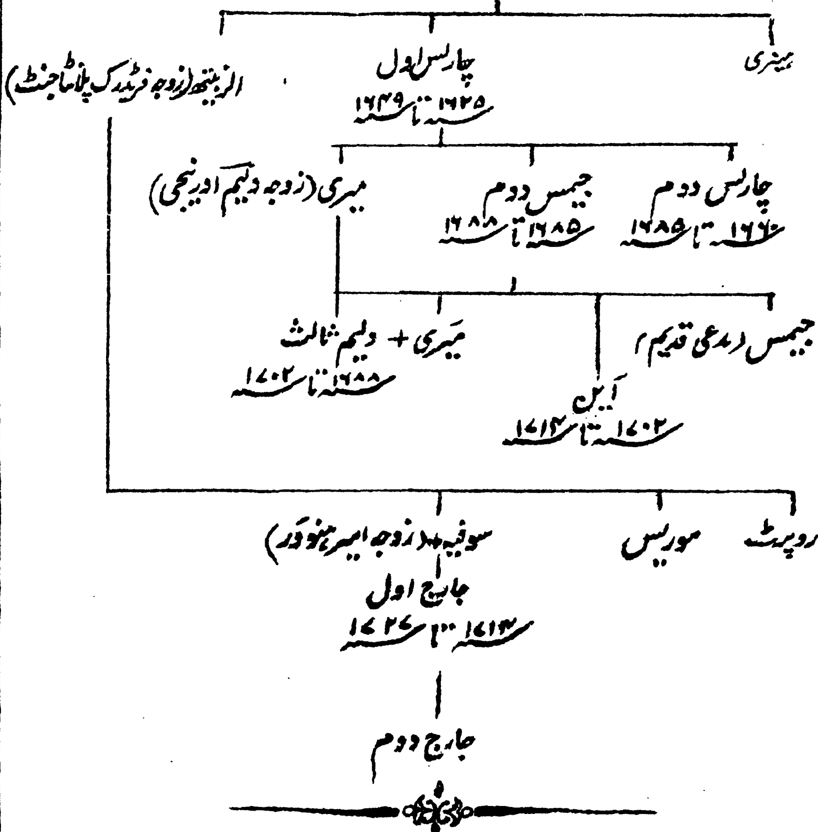
جین گرے کا قتل ۱۵۵۴ء
میری کا عقد فلپ سے ۱۵۵۴ء
نے ٹمر و ریڈلی کا زندہ جلایا جانا ۱۵۵۶ء
کرینمر " " ۱۵۵۶ء
سقوط کالے ۱۵۵۸ء



جزو ہفتم

بادشاہان اِسٹوارٹ

شجرۂ خاندان اسٹوارٹ



باب اوّل

جیمس اول ۱۶۰۳ء تا ۱۶۲۵ء

ولادت ۱۵۶۶ء ۔ ازدواج با آین (ڈین مارکی) ۱۵۸۹ء

معاصرین:۔

فرانس .... ہینری چہارم و لوئی سیزدہم۔
اسپین .... فلپ سوم و چہارم۔
ڈین مارک .... کرسچین چہارم۔
شہنشاہ .... رڈولف ۔ متھیاس ۔ و فرڈینینڈ۔

جیمس کی تخت نشینی

الزبیتھ کی وفات پر جیمس چہارم شاہ اسکاٹ لینڈ جو مارگریٹ بنت ہینری ہفتم (شاہ انگلستان) کا پوتا تھا، ملک انگلستان و آئرستان کا وارث تاج و تخت ہوگیا۔ ہینری ہشتم کی وصیت پر عمل ہوتا تو یہ ورثہ ایمرہارٹ فرڈ ولیم سیمور اور اور جین گرے کی بہن کیتھرائن گرے کو پہنچنا چاہئیے تھا لیکن ولیم و کیتھرائن کی شادی کا جائز ہونا ہی معرض بحث میں تھا اور کوئی گروہ ملک میں ان کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ اگر الزبیتھ چاہتی تو جیمس کو زندگی ہی میں ولی عہد نامزد کر دیتی اور پارلیمنٹ خوشی سے اسے قبول کرلیتی۔ لیکن الزبیتھ اس گفتگو ہی کو ناپسند کرتی تھی البتہ اپنے مرض الموت میں اس نے پہلی دفعہ یہ اشارہ کیا کہ میرا

باب اول

اسکاٹ لینڈ والا بھائی، وارث تاج و تخت ہو۔

خصائل

انگلستان کی بادشاہی حاصل ہونے کے وقت جیمس کی عمر ۳۷ سال کی تھی مگر اسکاٹ لینڈ میں وہ شیرخوارگی سے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور شاہی حقوق و مراتب کے متعلق بہت کچھ ہوا سر میں سمائی ہوئی تھی۔ ٹیوڈر خاندان کے بادشاہ لوگوں سے اپنی بڑی عزت کراتے رہے اور مطلق العنانی میں بھی کسی سے کم نہ تھے، تاہم اصولِ حکومت کے بارے میں وہ کبھی حیص بیص نہ کرتے تھے۔ انھیں خود مختار فرماں روا ہونے کا دعویٰ تھا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ پاپا یا شہنشاہ یا اور کسی خارجی طاقت کے زیر اثر نہیں ہیں۔ لیکن یہ نظریہ انھوں نے کبھی پیش نہیں کیا کہ بادشاہ قانون سے ماورا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جیمس میں ذاتی ادب کرانے کی خصلتیں مفقود تھیں اور اسی لئے اُس کے بہت سے عمدہ اوصاف کی بھی، جو بلاشبہ اس میں موجود تھے، خاطر خواہ قدر و منزلت نہ ہوئی۔ وہ زندہ دل اور نیک نہاد آدمی تھا۔ پُر اثر فیصلہ کُن تقریر کا مادہ رکھتا تھا اپنے ذی علم اُستاد جارج بیوکینن کے طفیل، تاریخ اور مذہبی مناقشوں کی تعلیم اور ممالک خارجہ کی معلومات میں اپنے اکثر امیروں وزیروں سے فضیلت رکھتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ جتنا علم تھا، اتنی عقل نہ تھی اور علمی فضیلت کے غرور نے بھی اس سے ایسی ایسی غلطیاں کرائیں کہ کمتر علم و فہم کا آدمی غالباً ان کی جسارت نہ کرتا۔ جیمس کے اسی بے سُود علم و فضل کی بنا پر شاہ فرانس نے اسے دُنیائے مسیحیت کے سب سے دانشمند احمق'' کا خطاب دیا تھا لیکن اتنا ایزاد کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ جس ماحول میں اُس نے بسر کی وہ بھی ایسا تھا کہ جیمس کے اوصاف پر پردہ پڑا رہے اور اُس کی خامیاں زیادہ نمایاں ہو جائیں۔

جیمس سے بنیادی غلطی تو یہ ہوئی کہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ کی سیاسیات کے، اصولی فرق کا اندازہ نہ کر سکا۔ وہ انگلستان کے اساقفہ کو بھی اسکاٹ لینڈ کی مثل، اتنا بارسوخ سمجھا کہ اُمرا کے مقابلے میں لا کے اُن سے کام لینے کی کوشش کی اس میں دو دو غلطیاں تھیں کہ انگلستان میں اول تو امرا ہی محض اپنی مرتبے کی وجہ سے کوئی خاص اقتدار نہیں رکھتے تھے اور دوسرے پرالٹس ٹنٹ

باب اول

فرقے کی تبلیغ نے متوسط طبقے میں اسقفوں کی آرا کو خاصا مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسکاٹ لینڈ میں انگلستان کے دارالعوام کے برابر آزاد و با اثر کوئی جماعت نہ تھی اور یہ دارالعوام ملکہ الزبیتھ ہی کے زمانے سے ہاتھ پاؤں نکالنے لگا تھا حالانکہ یہ ملکہ بہت ہر دلعزیز اور اس کی حکمت عملی نہایت عاقلانہ رہی۔ دوسری طرف نئے بادشاہ سے یہ امید کس طرح رکھی جاسکتی تھی کہ وہ بے تکلف قدیم حقوق شاہی سے دست بردار ہو جائے گا۔ اور ان اسباب سے بادشاہ اور پارلیمنٹ میں کشاکش ناگزیر ہو گئی تھی، اسکاٹ لینڈ سے انگلستان آتے وقت ہی جیمس نے ایک جیب کترے کو جو چوری کرتا ہوا پکڑا گیا تھا، مقدمے کی رسم پوری کئے بغیر ہی سولی دلوادی یہ فعل آئین کے اساسی اصول کے صریحاً خلاف تھا اور اس مثال سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی نئی مملکت کے قوانین و رسم و رواج سے منصب شاہی کو بالاتر تصور کرتا تھا۔

ممتاز امرا کے پاس ٹھیرتا ہوا، جیمس اطمینان سے مئی میں لندن پہنچا۔ سب سے اہم مسئلہ اُس وقت یہ تھا کہ اسپین سے لڑائی جاری رہے یا صلح کرلی جائے۔ حامیان صلح کا سرگروہ شاہی معتمد رو برٹ سیسل تھا اور مقابل گروہ کا سرخیل سر والٹر "رالے"، جو اب اکاون سال کی عمر میں عہد الزبیتھ کے من چلوں کا آخری نمونہ رہ گیا تھا۔ ازمنۂ مابعد میں اسے فکر و عمل دونوں اعتبار سے بڑا شخص اور انگریزوں کی استعماری سلطنت کے بانیوں میں شمار کیا گیا لیکن اسپینسر شاعر وغیرہ چند معاصرین کے سوا جو اس کی قابلیتوں کے نہایت معترف تھے، عام اہل وطن کے نزدیک وہ محض مغرور اور سازشی آدمی تھا اور ملکہ الزبیتھ نے فوج رکاب کا سردار مقرر کرنے کے علاوہ مجلس وزرا میں اسے بار نہ دیا۔ جنگ کے حامیوں میں ہونے کی وجہ سے بھی اس کی چنداں پرسش نہ ہوئی لیکن اب اُسے امید تھی کہ نئے دور میں عہدہ و اقتدار حاصل کرسکے گا۔ اُس کے برخلاف سیسل میں کوئی خاص جودت تو نہ تھی لیکن محنتی، باقاعدہ اور قابل اطمینان شخص تھا۔ وہ عہد الزبیتھ کے آخری ایام کی صلح جوئی کا حامی، اپنے باپ کی شہرت کا وارث اور اغراض ذاتی سے مبرّا تھا اور بڑی خوبی یہ تھی کہ اعتدال و مصالحت کی روش رکھتا تھا۔ جیمس نے

باب اول

اسکاٹ لینڈ ہی میں اس کے اوصاف سُن لئے تھے اور چونکہ خود جنگ سے نفرت تھی،
اس واسطے وہ رالے کی طرف مطلق مائل نہ ہوا بلکہ اسے عہدے سے برطرف کرکے اسکاٹ لینڈ
کے ایک سردار سر ٹامس ارسکن کو مقرر کر دیا اور سیسل بدستور معتمدی کی خدمت پر
سرفراز رہا۔ رالے کو بھی غالباً یہ امید واثق تو کبھی نہ ہوئی تھی کہ سیسل کی جگہ مل جائے گی
مگر برطرفی نے اسے اور اس کے دوست لارڈ کوب ہم کو سخت آزردہ کیا اور
انھوں نے حالت غضب میں سیسل کے جبراً نکال باہر کرنے کی تدبیر سوچی۔ کوب ہم خود جیمس

سازشیں

کو بھی معزول کرکے ڈارنلی کی بھتیجی، ارابیلا اسٹوارٹ کو بادشاہ
بنا دینے کی فکر میں تھا۔ کہتے ہیں اسپین سے مدد لینے کے بھی
واہی تباہی منصوبے سوچے گئے تھے، مگر یہ کچھ قرین قیاس نہیں ہے۔ بہرحال مذکورہ
سازش کو اہل تاریخ "مین پلاٹ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

انھی دنوں کیتھولک فرقے کے لوگوں میں بھی ناراضی پیدا ہوئی جنھیں شکوہ تھا
کہ جیمس نے فوراً ان کی شکایتیں دُور نہیں کیں۔ شکایتوں کے بیجا ہونے میں کوئی شک
نہیں کیونکہ لاطینی میں نماز خوانی نہ صرف قانوناً ممنوع کر دی گئی بلکہ امام اور مقتدی
سب بدترین سزاؤں کے مستوجب بنا دئے گئے تھے۔ مانا کہ عام لوگوں کے معاملے
میں اس قانون کی پوری پابندی نہ ہوتی تھی تاہم نہ آنے والوں سے مقررہ جرمانے بڑی
سختی سے وصول کئے جاتے تھے۔ جیمس نے اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی باتیں کیں
جن سے کیتھولک سمجھے کہ یہ جرمانے معاف کر دئے جائیں گے لیکن آمدنی کی یہ معقول مد
مسدود ہونے سے جو مالی دشواری پیش آتی اس سے مجلس شاہی دوچار ہونے پر بالکل
تیار نہ تھی اور سب کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جرمانوں کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔
اس پر چند من چلوں میں یہ تجویز ہوئی کہ بادشاہ کو پکڑ کر جبراً رواداری کا عہد لیا جائے
ان لوگوں کے نام یہ تھے:۔ ولیم واٹسن پادری، جو اڈن برو میں جیمس سے جا کے
ملا تھا۔ جارج برُوک، رالے کے دوست لارڈ کوب ہم کا بھائی۔ لارڈ گرے ڈی ولٹن،
جو امیر اسپکس اور کیتھولک فرقے کی سازش میں ملوث ہوا تھا۔ ان لوگوں کا منصوبہ
"بائی" کہلاتا ہے۔ مگر سیسل کو ان دونوں سازشوں کی خبر ہو گئی اور اس نے جملہ
اہل سازش کو گرفتار کرکے ایک ہی جگہ مقدمہ دائر کرا دیا گویا دونوں سازشیں

باب اول

ایک تھیں۔ اور اس حد تک ضرور صحیح ہے کہ بروک کا دونوں سازشوں سے تعلق تھا۔ قیدیوں کے خلاف، خصوصاً رالے کے خلاف، شہادت بھی بالکل ناکافی تھی مگر بغاوت وانقلاب سے ملک نہایت خوف زدہ تھا اور چونکہ غداری کی تعریف میں، بقول سکسپیئر، ہر شخص داخل تھا جو اپنے ملک کی نقصان رسانی میں کوشاں ہو، لہذا عوام الناس بالکل تیار رکھتے کہ رالے بھی مجرم قرار پائے۔ چنانچہ تمام ملزموں پر جرم ثابت ہوا۔ بروک اور واٹسن کو سولی ملی لیکن رالے، کوب ہم اور گرے کی جان بخشی کر کے قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا۔ اس تمام مقدمے میں عوام الناس بالکل سیسل کے ہمنوا رہے اور جب رالے قید خانے کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں اہل بازار اسے گالیاں دیتے تھے۔ حقیقت میں اگر بادشاہ کا سبب نہ ہوتا تو وہ اور اس کے ساتھی زندہ نہ بچ سکتے۔

کیتھولک اور پیوریٹن جیمس کی چشم عنایت کی توقع رکھتے تھے۔ کیونکہ اس کا استاد تو آخر الذکر فرقے کا آدمی تھا اور ماں بھی کیتھولک تھی لیکن دونوں کو مایوسی نصیب ہوئی اور جیمس نے کچھ تو مصالح وقت اور کچھ ذاتی میلان سے الزبتھ کا تصفیہ بجنسہ رہنے دیا۔

مذہبی مباحث

پیوریٹن فرقے کے لوگوں نے اپنے خیالات بذریعہ تحریر پیش کئے تھے جو "ہزاری محضر" (Millenary Petition) سے موسوم ہوئی کیونکہ اس پر ایک ہزار پادریوں کے دستخط لئے جانے والے تھے۔ فرقۂ مذکور کے جو مطالبات الزبتھ کے زمانے میں تھے، ان میں بے شبہ کمی کر دی گئی تھی اور مارپری لیٹ رسائل یا کارٹ رائٹ کی تصانیف میں جو کلیسائی نظام کو بالکل درہم برہم کر دینے کی وکالت کی گئی تھی، اس مسئلے کو چھوڑ کر اب صرف عقائد و رسوم میں تبدیلی کی درخواست تھی۔ بایں ہمہ محضر گزار صرف مذہبی رواداری کے حامی نہ تھے بلکہ چاہتے تھے کہ ان کی اکثر مجوزہ اصلاحات جبراً نافذ کر دی جائیں۔ ان اصلاحات میں قابل ذکر یہ تھیں کہ بپتسمے میں صلیب کی اجازت نہ ہو۔ رسم نکاح میں سے شادی کا چھلا پہنانے کی رسم لازمی نہ رہے۔ "پادری" اور "نجات" کی اصطلاحات میں "تصحیح" کی جائے۔ انھیں بہتر سے بہتر واعظین کے مقرر کرنے اور یوم السبت

باب اول

کو زیادہ پابندی سے منانے پر بھی اصرار تھا۔ کلیسا نے اس محضر کی بیانگ دہل تکذیب کی مگر بادشاہ اسے سننے پر آمادہ ہو گیا۔ ۱۶۰۴ء کے موسم بہار میں ہیمپ ٹن کورٹ میں اساقفہ اور چار چیدہ محضر گزاروں کی ملاقات اور باہمی گفتگو کا انتظام کیا گیا۔ ان میں بھی کلیسا کی طرف سے بین کروفٹ (اسقف لندن) اور محضر گزاروں میں رینلڈس کورپس کرسٹی کالج آکسفرڈ کا صدرنشین اور چے ڈرٹن امانوئل کالج کیمبرج کا ایک معلم سب سے پیش پیش تھے۔ رینلڈس کا پہلا ہی مطالبہ یہ تھا کہ ۳۹ ارکان ایمان میں لیمبتھ کے مجوزہ دفعات بھی شامل کردی جائیں جن میں کالوینی اصول کی جھلک تھی۔ جیمس نے اسے قبول نہیں کیا مگر دوسری تجویز کہ انجیل کا نیا ترجمہ کیا جائے، مان لی۔ تیسرا مسئلہ یہ پیش ہوا کہ پادریوں کو مناظرے کی اجازت دی جائے جس کے روکنے میں الزبیتھ نے بڑی شدت کی تھی دوران گفتگو میں کسی کی زبان سے "پرس بی ٹری" کا لفظ نکلا جیمس سمجھا کہ محضر گزار انگلستان میں بھی اسکاٹ لینڈ کا کلیسائی نظام (پرس بی ٹرین) رائج کرنا چاہتے ہیں لہذا یہ لفظ سنتے ہی بگڑ گیا اور محضر گزاروں کو خوب صلواتیں سنائیں۔ اسے اپنا یہ گر بہت پسند تھا کہ "جہاں اسقف نہیں، وہاں بادشاہ نہیں"۔ اسی خیال کے مطابق اس نے جلسہ برخاست کردیا اور کہنے لگا کہ اگر ان لوگوں کے سارے طومار کا مطلب یہ ہے تو میں انھیں ملک میں ٹکنے نہ دوں گا یا اور بھی بری طرح پیش آؤں گا،" بادشاہ کے اس طرز عمل سے اساقفہ اور پیورٹین کے درمیان گویا لڑائی کی بنیاد پڑ گئی۔ اسی سال بین کروفٹ صدر اسقف کینٹربری مقرر ہوا اور مجلس کلیسا نے چند نئے ضوابط اس کی نگرانی میں مرتب کئے۔ انھیں تین سو سے زیادہ پادریوں نے قبول نہ کیا اور اپنے وظیفوں سے محروم اور گویا مجبور کر دئے گئے کہ پیورٹین فرقے میں جا ملیں۔ غنیمت ہے کہ ان اختلافات سے انجیل کے مل کر ترجمہ کرنے کے کام میں رکاوٹ نہ پیدا ہوئی اور دونوں فرقوں کے ۴۷ علما جو بلا رورعایت منتخب کئے گئے تھے، نظر ثانی وغیرہ میں شریک رہے۔ ان میں اینڈروز (اسقف ونچسٹر) سر ہینری سیویل (ناظر مرٹن کالج آکسفرڈ) اور چے ڈرٹن زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۶۱۱ء میں نیا ترجمہ مکمل اور "مسلم الثبوت ترجمے" کے نام سے شائع

باب اول

کر دیا گیا۔ یہ سابقہ ترجموں کی بہترین عبارت پر مبنی تھا اور اُس عہد کے بہترین علما نے اس کی تصحیح کی تھی، لہٰذا انشا پردازی اور صحت، دونوں اعتبار سے اُس زمانے کا بہترین بلکہ ایسا علمی کارنامہ تھا کہ غالباً اس سے بہتر انگریزی زبان میں تیار کرنا ہی ممکن نہیں ہے۔

کیتھولک فرقے سے جیمس کو دلی ہمدردی تھی مگر اسے عمل میں لانا آسان نہ ہوا۔ گرجا سے غائب رہنے والوں کو جو جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا، وہ آمدنی کی معقول مد بن گیا تھا اور یوں بھی پارلیمنٹ میں کیتھولک فرقے کی مخالفت اس قانون کو بدلنے کی سازگار نہ تھی لیکن جیمس کو بہت کچھ امید یہ رہی کہ بادشاہی افضلیت کی قسم کے الفاظ ایسے قرار پا جائیں گے جن میں کیتھولکوں کو کوئی مذہبی دشواری نہ رہے اور حکومت بھی ان کی وفاداری کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ اس بارے میں بادشاہ نے کافی دماغ کاوی اور جدت طرازی سے کام لیا، پھر بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی اور ادھر بعض اشد کیتھولکوں کی بے اعتدالی نے معاملہ اور زیادہ خراب کر دیا۔

پارلیمنٹ

جیمس کی پہلی پارلیمنٹ مارچ ۱۶۰۴ء میں منعقد ہوئی انتخاب کے حکمنامے جاری کرتے وقت بادشاہ نے معمول کے خلاف انتخاب کرنے والوں کو صلاح مشورے بھی دئے اور تنبیہ کی کہ ایسے بیرون از قانون مجرم یا بے عقل اشخاص کو مبعوث نہ بنائیں جو افراط یا تفریط میں مشہور ہوں یا فتنہ انگیز مزاج کے عادی سمجھے جاتے ہوں۔" یہاں تک تو یہ خلاف آئین مشورہ اصولاً مناسب تھا مگر سب سے زیادہ خلش اعلانِ شاہی کے آخری فقرات سے پیدا ہوئی جن میں ہدایت کی گئی تھی کہ نتائج انتخابات مالگزاری کی کچہری میں پیش کئے جائیں اور کوئی انتخاب اعلان کے خلاف پایا گیا تو اسے "خلافِ قانون اور نا درست سمجھ کر منسوخ کر دیا جائے گا۔"

مبعوثین کے نام محکمہ مالگزاری میں پیش ہوئے تو بکنگھم کا مبعوث سر فرانسس گاڈون مجرم پایا گیا جسے محکمۂ مذکور نے خارج کر کے نئے انتخاب کا حکم دیا اور سر جان فورٹس کیو منتخب ہو گیا باوجود اس کے پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو گاڈون نے اپنی جگہ کا مطالبہ اور دار العوام نے اسے تسلیم کر لیا۔ بادشاہ سے نزاع کی نوبت پہنچی اور اسی ضمن میں جیمس نے یہ عجیب و غریب دعویٰ کیا کہ "تمام رعایات ہماری منظوری سے حاصل ہوسکتی ہیں"۔ آخر میں دار العوام نے خود یہ قانون منظور کیا کہ قانونی مجرموں کو آئندہ پارلیمنٹ میں نشست کی

باب اول

اجازت نہ ہوگی مگر اپنے حق پر اڑے رہے اور برزور دعوئی کیا کہ انتخابات کے متعلق جملہ اختلافات کا فیصلہ صرف پارلیمنٹ کر سکتی ہے۔ آخر جیمس دب گیا۔ دونوں امیدوار ہٹا لئے گئے اور ایک تیسرا آدمی منتخب ہوا مگر ظاہر ہے کہ اس میں دارالعوام ہی ٹھیک رہا اور سچ یہ ہے کہ بادشاہ جیت جاتا تو آئندہ وہ جسے چاہتا نامزد کر دیا کرتا اور انتخاب محض کھیل رہ جاتا۔ اس جھگڑے میں دارالعوام کی رہنمائی سرفرانسس بیکن کے مشوروں سے ہوئی۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ دارالعوام کو ایک اور فتح سرٹامس شرلے کے معاملے میں ہوئی جسے انتخاب ہونے کے بعد قرض ادا نہ ہوسکنے کے باعث قید کر دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ نے دعوئی کیا کہ غداری، خیانت مجرمانہ یا نقض امن کے علاوہ اور کسی وجہ سے کوئی ممبر اجلاس پارلیمنٹ کے زمانے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں کامیابیوں کے باوجود جیمس کی رعایات و امتیازات کے بارے میں مذکورہ بالا رائے سے ممبر بہت پریشان تھے اور انھوں نے اجلاس ختم ہوتے وقت یہ رائے بھی قلمبند کی کہ ”اس ایوان کے امتیازات اور ضمناً تمام ملک کی آزادی اور استحکام پر یہ ایسی ہمہ گیر و خطرناک ضرب صادر کی گئی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں پارلیمنٹ کے آغاز سے اب تک کبھی نہ لگائی گئی ہوگی“۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ بادشاہوں کے امتیازات برابر زیادہ ہوتے جاتے ہیں لیکن اگر رعایا کے حقوق میں کوئی کمی آئی تو سخت خلفشار کے بغیر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی“۔

قانون قبل تولد

سیاسی مسائل میں بھی پارلیمنٹ جیمس کی ہمنوا نہ رہی۔ اگرچہ اس باب میں بادشاہ ممبروں سے زیادہ دوراندیش پایا جاتا ہے چنانچہ اس نے اصرار کیا کہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کو متحد کر دیا جائے اور اس غرض سے ایک مجلس نظارت بھی قائم کرا دی جس نے ۱۶۰۶ء میں کیفیت و رائے پیش کی۔ اس زمانے کے لحاظ سے ارکان نظارت کی تجاویز نہایت معقول تھیں کہ ایک دوسرے کی مخالفت میں جو سرحدی قوانین بنائے گئے تھے انھیں منسوخ کر دیا جائے۔ اور ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک میں پناہ نہ پاسکیں۔ انگلستان سے اون اور اسکاٹ لینڈ سے ادھر مویشی کی درآمد تو بند کر دی جائے لیکن دوسری اشیا میں تجارت کی کامل آزادی ہو اور انگلستان کے باشندے اسکاٹ لینڈ میں اور وہاں کے باشندے یہاں تجارت کرنے کے مجاز ہوں۔ اسکاٹی باشندوں کے انگلستان

باب اول

میں شہری حقوق پانے کا مسئلہ ذرا دشوار تھا۔ اس بارے میں مجلس نظارت کی کی رائے یہ تھی کہ الزبتھ کے زمانے میں جو لوگ پیدا ہوئے انھیں خاص قانون کے کے ذریعے اور جیمس کے عہد کے پیدا ہونے والوں کو از خود انگلستان کا باشندہ تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن اس تجویز سے امتیازات شاہی کے مسائل پیدا ہونے کے علاوہ، سوداگروں کو تجارت میں اور ملازمین کو سرکاری خدمات میں اسکوٹی حریفوں کے بازی لے جانے کا اندیشہ ہوا اور چونکہ بادشاہ کے سوا بہت کم لوگ اتحاد کے بے شمار فوائد کا اندازہ رکھتے تھے، لہذا یہ تجویز ناکام رہ گئی۔ مخالفانہ قوانین کی منسوخی کے علاوہ اور پارلیمنٹ نے کچھ نہ کیا۔ البتہ عدالتوں نے عہد جیمس کے پیدا ہونے والوں کو انگلستان کی متوطن رعایا قرار دیا۔ اسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مبعوث نے اسکاٹ لینڈ والوں کو "غدار، باغی، بھک منگے" کے الفاظ سے یاد کیا اور پارلیمنٹ کو اسے سزا دینے پر توجہ دلائی گئی تو دارالعوام نے اُسے پارلیمنٹ سے خارج کر کے قلعۂ لندن میں بھجوا دیا لیکن اسی کے ساتھ اعلان کیا کہ دارالعوام کے مبعوث سے بجز دارالعوام کے اور کہیں (عدالت وغیرہ میں) بازپرس نہیں کی جاسکتی۔

پیوریٹن مذہب مذہبی مسائل میں بھی بادشاہ اور پارلیمنٹ میں اختلاف رہا۔ دارالعوام کی اکثریت پیوریٹین علما کی بعض تجاویز کو قانون بنانے کی خواہشمند تھی۔ بعض ارکان دین کے ماننے نہ ماننے کا اختیار دینے، وعظ کے لئے خاص خاص شرائط مقرر کرنے، اماموں کے تعدد اور عدم قیام کو روکنے اور جُبّے یا صلیب کے استعمال سے انکار کرنے والوں کو سزا سے مستثنیٰ کر دینے کے قوانین بھی مرتب کئے گئے تھے لیکن دارالامرا نے انھیں نامنظور کر دیا۔ اگرچہ ان مسودوں سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ جیمس اور بین کروفٹ کی روش سے عام اہل ملک کو کس قدر اختلاف تھا۔ اسی طرح کیتھولک فرقے سے کسی قسم کی نرمی و رعایت کرنے کی پارلیمنٹ نے پہلے ہی جلسے میں سخت مخالفت کی۔

اسی علانیہ مخالفت کو دیکھ کر کیتھولک فرقے میں سخت انتشار پھیلا اور ان میں زیادہ جوشیلے اشخاص ہر قسم کی انتہائی کارروائی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

باب اول

بارود والی سازش

اس گروہ کا سرخیل روبرٹ کیٹس بی تھا۔ کہتے ہیں اس میں سرداری کی قدرتی صلاحیت تھی وارک شر کے ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوا۔ مذہبی جوش کی وجہ سے سیاسی معاملات میں دخل دینے لگا اور پہلے بھی ایسکس کی سازش میں شریک ہوا تھا۔ قرضے میں اس کا بال بال بندھا تھا اور اس وجہ سے بھی ہر کام کر گزرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ منصوبہ سوچا کہ پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت جب کہ بادشاہ اور ممبران دارالعوام، دارالامرا میں موجود ہوں، اس پورے ایوان کو اُڑا دیا جائے۔ ایرل آف نارتھمبرلینڈ کے ایک عزیز ٹامس پرسی کو اُس نے شریک کر لیا اور اسی طرح ٹامس ونٹر اور گائی فاکس کو جن میں سے پہلا شخص اسپین سے حملہ کرانے پر مُصر تھا اور دوسرا یارک شر کا باشندہ تھا جو نیدرلینڈز میں اسپین کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ سازش کا نقشہ بہت اچھا تیار ہو گیا اور دارالامرا کے نیچے چند حُجرے کرائے سے لیکر اہل سازش نے بارود کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ مگر پارلیمنٹ کی افتتاح کی تاریخیں بار بار بدلتی رہیں۔ اہل سازش کا سرمایہ ختم ہو گیا اور انھیں بعض دولت مندوں کو شریک راز بنانا پڑا۔ انھی میں ایک شخص فرانسس ٹریشم تھا جس نے سازش کو کامیاب بنانے میں بہت کچھ حصہ لیا لیکن چونکہ امرا میں اس کے بہت سے دوست اور عزیز موجود تھے، اسی لئے یہ راز فاش ہو گیا۔ راز فاش کرنے والے نے ایک گمنام خط ٹریشم کے برادر نسبتی لارڈ مونٹ ایگل کو بھیجا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ نام بھی ظاہر نہ ہو اور خود اہل سازش کو علم ہو جائے کہ راز کھل گیا۔ لیکن وزرا نے ارادہ کر لیا کہ آخر وقت تک خاموش رہیں اور اسی سے سازشی دھوکے میں پڑ گئے۔ ۶ر نومبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح ہونیوالا تھا اور سازش کا سارا سامان تیار تھا کہ ۴ر نومبر کی شام کو فاکس کے حجروں کی تلاشی لی گئی اور بارود وغیرہ سب تیاریاں ظاہر ہو گئیں۔ اہل سازش کا ایک گروہ ڈن چرچ (وارک شر) میں بھی جمع ہو رہا تھا کہ پارلیمنٹ کے اُڑتے ہی اہل دیہات کو اشتعال دے اور جیمس کی بڑی بیٹی الزبیتھ کو بھی گرفتار کر لے۔ لیکن دوستوں نے فاکس کے پکڑے جانے کی خبر کر دی اور یہ لوگ یہاں سے فرار ہوئے اور ہول بیچ ہاؤس کے مقام پر جان سے ہاتھ دھو کر لڑے۔ اتفاق سے اُن کی

باب اول

بارود میں آگ لگ گئی اور مدافعت کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ کیٹس بی اور پرسی پہلے ہی گراپ میں مارے گئے۔ ونٹر وغیرہ زخمی ہو کر لندن لائے گئے جہاں فاکس کے ساتھ عدالت میں مقدمہ چلا اور سب کو اُس زمانے کی بدترین عقوبتوں کے ساتھ موت کی سزا ملی۔ کیتھولک فرقے کے حق میں ان پر جوش مگر گمراہ لوگوں کی ناکامی بھی کامیابی کی نسبت بہتر تھی۔ باوجود اس کے بھی ملک میں کیتھولکوں کے خلاف غیظ و غضب برپا ہو گیا اور عوام نے مٹھی بھر مذہبی دیوانوں اور خود اُس مذہب کی امن پسند اکثریت میں امتیاز کی مطلق پروا نہ کی بلکہ پورے کیتھولک فرقے کے خلاف سخت تدابیر اختیار کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سابقہ قیود کے علاوہ یہ پابندیاں اور بڑھا دی گئیں کہ کیتھولک فرقے کے لوگ عدالتوں میں حاضر نہ ہو سکیں گے۔ سوائے تجارتی اغراض کے لندن کے باہر سکونت نہ رکھیں گے اور اپنے گھر سے پانچ میل سے زیادہ دُور نہ جا سکیں گے۔ خلاف ورزی کی صورت میں انھیں سزائے قید کا مستوجب قرار دیا گیا تھا۔ وکالت اور مطب کی ممانعت کر دی گئی۔ ان کی سب کتابیں جلوا دی گئیں اور حکم دیا گیا کہ ان کے مکانات کا ہر وقت معائنہ کیا جا سکے گا۔ ان قوانین کی شدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں کیتھولک فرقے کی طرف سے کیسی دہشت پھیل گئی تھی باوجود اس کے یہ انگریزی قوم کی خاص ضبط کی شان تھی کہ پارلیمنٹ کا اجلاس ٹھیک وقت پر اور ہر کام پوری باقاعدگی کے ساتھ اسی طرح ہوا جیسے کوئی بات خلاف معمول پیش ہی نہیں آئی۔ مذکورۂ بالا قیود پر کتنی سختی سے عملدرآمد ہوتا رہا اور وہ جرمانوں کے علاوہ کس حد تک کیتھولک مذہب والوں کے حق میں سوہانِ روح بن گئیں، اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ نئے قوانین اُس وقت تک کہ کوئی شخص چارہ جوئی کرے عمل میں نہ آسکتے تھے اور ظاہر ہے کہ سیدھے سادے بھلے آدمیوں کو اس کے ہمسائے خواہ مخواہ تنگ نہیں کیا کرتے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ بارود والی سازش کے چند سال بعد تک کیتھولکوں سے سخت بدظنی رہی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہر قسم کے جُرم کا خواہ وہ کتنا ہی سخت یا احمقانہ کیوں نہ ہو، ارتکاب کر سکتے ہیں۔ اور اسی لئے اگر کوئی یہ ارادہ کرتا کہ ان قانونی سختیوں میں کچھ نرمی کرا دی جائے تو

باب اول

اس کا ملک میں غیر مقبول ہو جانا یقینی تھا۔

مالیات جیمس کے ابتدائی عہد حکومت سے شاہی مداخل و مخارج کا نمایاں تفاوت فکر و تشویش کا موجب رہا۔ صرف خاص کی مالگزاری جاگیری رسوم، عدالتی جرمانے اور نماز میں نہ آنے والوں کے جرمانے شاہی آمدنی کی وہ مدات تھیں جو پارلیمنٹ کی منظوری سے مستثنیٰ تھیں۔ ان کے علاوہ پارلیمنٹ کی طرف سے جھڑتی وغیرہ کے محاصل کی باجبات منظور ہی سے الزبتھ کو کل ۳ لاکھ پونڈ کے قریب سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ مگر کفایت شعاری اور کوئی پونے چار لاکھ کی اراضی فروخت کرلینے کے باوجود اس کے مرتے وقت چار لاکھ کا قرض ہو گیا تھا اور نئے بادشاہ کو اسکاٹ لینڈ سے آنے، ملکہ متوفیہ کی تجہیز تکفین اور تاج پوشی وغیرہ ہی میں ایک لاکھ پونڈ اور خرچ کرنا پڑا۔ اب اگر جیمس حقیقت میں نہایت محتاط حسابی آدمی ہوتا تو بھی آمد خرچ برابر کرنے میں اسے بڑی دردسری اٹھانی پڑتی۔ بخلاف اس کے وہ ابتدا ہی سے اس مغالطے میں رہا کہ ایک مفلس ملک چھوڑ کر خوش حال ملک کی بادشاہی مل رہی ہے لہذا وہ ایک دولتمند بادشاہ ہو گیا ہے۔ اس لئے دریا دلی سے انعام و اکرام دینے شروع کئے خانگی مصارف یا سرکاری محکموں کے روز افزوں اخراجات کو روکنے پر توجہ ہی نہ کی اور دوسرے سال، لاکھ ۳۵ ہزار پونڈ کا قرضہ ادا ہو گیا۔ جس میں سے چالیس ہزار صرف تحفے تحائف میں اٹھے تھے۔ جیسا کہ خود لکھتا ہے "اس فضول و غیر معقول" اسراف نے خزانے میں بہت جلد ابتری پیدا کردی اور ۱۶۰۸ء میں خود سیسل کو حسابات اپنے ہاتھ میں لینے پڑے۔

مالگزاری بڑھانے کے دو طریقے نئے وزیر خزانہ کے ذہن میں آئے۔ اول تو یہ کہ "ٹنیج" اور "پونڈیج" کے نام سے جو محصول لئے جاتے تھے، ان میں اضافہ کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ جاگیرداری رسوم و سربراہی کو وقتی اور بے قاعدہ کی بجائے مستقل محصول بنا دیا جائے۔ اول الذکر محصول کو بڑھانے کا حق عدالت کے ایک فیصلے سے بھی حاصل ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۶۰۶ء میں ایک سوداگر بیٹ نامی سے کشمش پر چار ہزار پونڈ کا محصول طلب کیا گیا جو پہلے لی وانٹ کمپنی ادا کیا کرتی تھی۔ بیٹ نے محصول دینے سے انکار کیا اور دارالعوام سے بھی اسی کی

باب اول

تائید ہوئی۔ جیمس نے تمباکو کشی کو روکنے کی غرض سے تمباکو پر جو محصول (۳ ۔ شلنگ) عائد کر دیا تھا اس پر بھی دار العوام کو اعتراض تھا۔ بایں ہمہ مالگزاری کی کچہری میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو ارکان عدالت نے میری اور الزبیتھ دونوں کے عہد کی نظائر پر فیصلہ کیا کہ بادشاہ کو اموال درآمد و برآمد پر محصول لگانے کا حق حاصل ہے اس فیصلے سے قوت پاکر سیسل نے محاصل کی ایک جدید فہرست شائع کی جس میں بعض محصول گھٹا دئے اور بعض بڑھا دئے گئے اور مجموعی طور پر ستر ہزار پونڈ کی توفیر نکالی تھی دار العوام کی طرف سے شور بھی اٹھا اور ایڈورڈ ثالث کے تصدیقی منشور مجریہ سنہ ۱۳۴۰ کے حوالے دئے گئے لیکن بیٹ کے فیصلے کی نظیر سنہ ۱۶۴۱ تک برابر نافذ العمل رہی۔

تعہد کبیر

جاگیرداری رسوم اور سربراہی کا مسئلہ بھی پارلیمنٹ میں زیر بحث تھا۔ خصوصاً سربراہی یعنی بادشاہ کا مال اسباب کے لئے گاڑیاں پکڑ وا لانا اور بہیر کے لئے سامان رسد طلب کرنا، ایسا حق تھا کہ کم سے کم نارمن فتح کے وقت سے لوگ اس کے شاکی تھے کہنے کو تو ہر چیز کے دام عام نرخ کے مطابق ادا کر دئے جاتے تھے لیکن حقیقت میں قیمت سرے سے وصول ہی بہ مشکل ہوتی تھی اور سرکاری محصل "ہارپیز" (یعنی "ڈائنوں") کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ گاڑیاں پکڑنے والے خاص کر سخت موذی تھے اور سربراہی لینے والوں کا کسی کا باغ کاٹ کر ایندھن فراہم کرنا معمولی بات تھی۔ اس زحمت کے عوض میں مقررہ محصول کی آمد نے تائید کی مگر عوام رضامند نہ ہوئے اور اسی طرح جاگیرداری رسوم کے متعلق بھی سیسل کو کامیابی نہ ہوسکی۔ واضح رہے کہ جاگیرداری طریق کے زمانے سے نگرانی کے جو حقوق بادشاہ کو حاصل تھے، وہ اب جب کہ فوجی خدمات کی بھی شرط باقی نہ تھی، نہایت گراں گزرتے تھے اور ہر چند وہ باقاعدہ تین شاہی محاصل جن کی منشور اعظم میں بھی منظوری دی گئی تھی، ہنری ہفتم کے زمانے سے وصول کرنے کی نوبت نہیں آئی تاہم جیمس کا بڑا بیٹا ہنری سن رشد کو پہنچا تو اس وقت یہ نذرانہ وصول کیا گیا اور اس لے یہ سب بھولے ہوئے محاصل یاد دلا دئے۔ دار العوام کے مبعوثین تیار بھی ہوگئے تھے کہ دو لاکھ سالانہ مستقل محصول کے عوض میں اس بے قاعدہ نذرانے سے معافی حاصل کر لی جائے لیکن محض

جزوی امور میں اختلاف پیدا ہو جانے سے یہ تجویز، جسے "تعہد کبیر" کہتے تھے (۱۶۱۱ء تک کے لئے) ملتوی ہو گئی۔

سیاسیات خارجہ

سیاسیات خارجہ میں بھی جیمس کو اپنی رعایا کی ہمنوائی میسر نہ آئی۔ تخت نشینی پر بارن ولٹ ولندیزی، اور ہینری چہارم (شاہ فرانس) کا نامور وزیر روز نی (جو بعد میں امیر کبیر سلی بنا یا گیا) انگلستان آئے کہ جیمس کو الزبیتھ کی روش پر چلنے کی ترغیب دیں لیکن اس بادشاہ کو اسپین سے لڑائی کا مطلق ولولہ

اسپین

نہ تھا اور اس نے ٹھان رکھی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو صلح کر لی جائے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ ولزلی یا الزبیتھ کی طرح صلح کی صورت میں بھی انگلستان کے بالکل آزاد رکھنے کا جویا نہ تھا بلکہ اسپین سے اتحاد کر لینا چاہتا تھا اور یہ حکمت عملی سخت نامقبول تھی کیونکہ بہت سے انگریز تو اسپین سے جنگ کرنا ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور انگریز جہاز رانوں کو اسپین کے قصبات اور زر و جواہر کے جہاز لوٹ لینے میں کافی نفع ہوتا تھا لیکن بادشاہ نے کسی کی نہ سنی اور ۱۶۰۴ء میں صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ لندن میں لوگ یہ سن کر پکار اٹھے کہ "ہمارے ہولینڈ اور زی لینڈ کے ہمسایوں کا اب خدا حافظ!" بایں ہمہ مجموعی طور پر دیکھئے تو خود عہد نامہ انگلستان کے حق میں مفید تھا۔ ادھر ولندیز اتنے قوی تھے کہ بطور خود مقابلے پر جمے رہے حتیٰ کہ ۱۶۰۹ء میں انھوں نے بھی ہنگامی صلح کر لی۔ جب تک سیسل (جو امیر سالسبری بنا دیا گیا تھا) زندہ رہا، اس وقت تک انگلستان کی روش خاصی طرح آزادانہ رہی اور فرانس اور پراٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم رہے۔

جرمانیہ

اسپین اور ہولینڈ کی جنگ ختم ہوئی تو یورپ کی توجہ جرمانیہ پر منعطف ہو گئی۔ اس ملک میں معاہدہ آگز برگ مرتبہ ۱۵۵۵ء کی رو سے ہر ضلع کا مذہب وہ تھا، جو وہاں کے حاکم کا تھا۔ اسی لئے لوتھری، کیتھولکی اور کالونی ریاستوں کا جال سا بنا ہوا تھا جیسوئٹ فرقے کی پادری اور اسپین و آسٹریہ کی سرپرستی سے کیتھولکی مذہب کی قوت بڑھتی جاتی تھی اور اس کی پراٹسٹنٹوں سے لڑائی بھی سر پر کھڑی نظر آنے لگی تھی۔ ۱۶۰۹ء میں یولیش اور کلیوز کی

باب اول

ریاستوں کی مسند نشینی میں الجھن پیدا ہوئی اور جنگ چھڑنے میں کچھ دیر نہ رہی تھی کہ ہینری چہارم خونی کے ہاتھ سے مارا گیا اور لڑائی تھوڑی مدت کے لئے ملتوی ہوگئی جیمس مجموعی طور پر پراٹسٹنٹوں کی طرف مائل تھا اس کا بڑا بیٹا ہینری بھی اُن کا پرجوش طرفدار تھا۔ ۱۶۱۲ء میں انگلستان کی شہزادی الزبیتھ کی نسبت بھی جرمن پراٹسٹنٹوں کے سرگروہ فریڈرک امیر ریاست رائن سے قرار پاگئی۔ لیکن شادی نہ ہونے پائی تھی کہ سیسل اور شہزادہ ہینری دونوں فوت ہوگئے۔

سیسل اور شہزادہ ہینری کی وفات

سیسل کثرت کار سے تھک کر ۱۶۱۲ء میں فوت ہوا۔ وہ الزبیتھ کے وزیروں میں آخری آدمی تھا اور ہرچند اضافہ محاصل نے آخر زمانے میں اسے مطعون کیا، تاہم اُس کی موت کا سب کو صدمہ ہوا۔ اسی سال شہزادہ ہینری نے وفات پائی جس سے اہل دربار کو سخت رنج پہنچا۔ اس کی عمر ابھی انیس سال کی تھی لیکن اپنی سرگرمی اور لطف آمیز باتوں سے وہ محبوب خلائق ہوگیا تھا۔ رالے کی نسبت اُس کا یہ قول زبان زد خاص وعام ہوگیا تھا کہ میرا باپ ہی یورپ بھر میں ایسا بادشاہ ہے جو ایسے پرند کو پنجرے میں رکھنا پسند کرتا ہے۔" یہ پیورٹین فرقے سے اس کی دوستی دیکھ کر بازاریوں نے یہ گیت بنایا تھا:-

ہینری ہشتم نے ڈھایا رہبان کے حجروں حُجروں کو
ہینری نہم اب دے گا مٹا اسقف کے گھنٹوں ٹنٹوں کو

افسوس ہے کہ میعادی بخار کے دوران میں بدپرہیزی کی بدولت اس کی بیماری بڑھ گئی اور ۱۶۱۲ء کے جاڑوں میں وہ ختم ہوگیا۔ ان دونوں کے مرنے کے بعد جیمس اپنی حکمت عملی مرتب کرنے میں بالکل آزاد ہوگیا اور اسپین سے اور بھی زیادہ دوستانہ روابط قائم کرنے میں ساعی ہوا۔ سالہا سال تک وہ اس فکر میں رہا کہ کسی طرح اُس کا پس ماندہ بیٹا، چارلس، کسی ہسپانوی شہزادی سے منسوب ہوجائے وہ سمجھتا تھا کہ ایسے رشتے سے اسے یہ موقع مل جائے گا کہ جرمانیہ کے پراٹسٹنٹ روسا اور اسپین میں ثالثی کرے اور دوسرے یہ بھی امید تھی کہ اسپین کی شہزادی اتنا جہیز لائے گی کہ وہ اپنے قرضے بھگت سکے گا۔

بابِ اول

آیرستان

اس عرصے میں ملک کی سرگرمیوں کے لئے نئے نئے میدان نکل آئے تھے۔ امیر اسکیس کی ناکامی کے بعد آیرستان کا نائب لارڈ ماونٹ جوے مقرر ہوا تھا جو سپاہیوں کے خاندان کا آدمی، اور صاحب فکر و مستقل مزاج تھا۔ اُس نے اسیکس کی سی غلطی نہیں کی بلکہ اسپنسر شاعر نے اپنی کتاب "دو آئرستان کی حالت حاضرہ" میں جو تدبیر سجھائی تھی اس کے مطابق، بلفاسٹ لو سے خلیج سلی گو تک تمام جنگی مواقع پر قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کر دیا۔ یہ چھوٹی چھوٹی مگر مستحکم گڑھیاں تھیں جن میں معقول فوج اور کچھ مدت تک قلعہ بند رہ کر لڑنے کا انتظام تھا۔ ان قلعوں سے یہ مقصد کہ اہل السٹر لڑنے کے لئے جمع نہ ہو سکیں، پوری طرح حاصل ہو گیا۔ امیر ٹامی رون نے بہت جلد اطاعت قبول کی اور اوڈونل فوت ہو گیا ماونٹ جوے کا جانشین آرتھر چچسٹر بنایا گیا، جو تجربہ کار سردار اور ماونٹ جوے کا بہترین ماتحت تھا۔ آر ماڈا کے خلاف اور قادص میں بھی شریک جنگ رہا۔ خصائل پسندیدہ اور وسیع خیالات رکھتا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اہل آئرستان کو حکومت انگریزی، ایسی مضبوط اور بے لاگ طاقت نظر آئے جو ضعیفوں اور غریبوں کی حق رسی، اور امیروں یا ان کے سینہ زور ساتھیوں کی طماعی اور قانون شکنی کا سدباب کر سکتی تھی وہ اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوا۔ اہل آئرستان کو پراٹسٹنٹ بنانے کی کوئی خاص کوشش ابھی تک نہیں کی گئی تھی حالانکہ گرجا والوں نے اس کے عقائد کو برائے نام اختیار کر لیا تھا۔ مگر پراٹسٹنٹ اسقف عموماً اپنے عہدوں کے مطلق اہل نہ تھے۔ کیشل کے صدر اسقف کے قبضے میں تین تین اسقفیاں اور ستترا ماتیں تھیں۔ انجیل اور کتاب صلوٰۃ کا آئرشی زبان میں ترجمہ ہی نہ ہوا تھا۔ جو پادری نکال دئے گئے تھے، اگر وہ مذہب کے لئے وقف نہ ہوتے، تو ساری آبادی پھر شرک و بُت پرستی میں مبتلا ہو جاتی۔ چچسٹر نے انجیل وغیرہ کے ترجمہ کرانے کی کوشش کی۔ کلیسا کی اصلاح کا بھی کچھ نہ کچھ کام انجام دیا اور کیتھولک فرقے کے ساتھ عملاً رواداری جائز کر دی؛ بدقسمتی سے آئرستان کے امیروں کو یہ حکمت عملی ذرا نہ بھائی کیونکہ وہ انگلستان کے باقاعدہ لگان کے طریقے کی بجائے بے قاعدہ نذرانے وصول کرنے کے پرانے رواج کو ترجیح دیتے تھے۔

باب اول

لیکن جب ٹامی رون کی طرف سے سابقہ طریقے کے مطابق خراج کا مطالبہ ہوا تو اہل قبیلہ نے فوراً حکومت سے فریاد کی ٹامی رون نے اپنے علاقے میں سرکاری عامل کا تقرر بھی منظور نہ کیا اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر چچسٹر اس سے اتنا زیادہ طاقتور تھا کہ ۱۶۰۹ء میں وہ ملک چھوڑ کر چل دیا۔

اس واقعے سے ملک کے دوامی بندوبست کر دینے کی بہت اچھی شکل نکل آئی اور چچسٹر نے تجویز کی کہ امرا کے خدم اور ملازمین کو کافی و وافی اچھی اراضی دینے کے بعد، ضبط کردہ جاگیروں کی باقی زمین چیدہ انگریزوں اور اسکاٹوں میں احتیاط سے تقسیم کر دی جائے جو حکومت کی قابل قدر خدمات انجام دے چکے تھے۔ دونوں ملکوں کی بدقسمتی سے عمل اس تجویز کے بالکل خلاف ہوا۔ یعنی بہترین اراضی تو آبادکاروں کو دی گئیں اور جو ناکارہ بچ رہی تھی وہ قدیم اہل آئرستان کے حصے میں آئی۔ آئرستان کی ہر برادری کا آدمی اپنے آپ کو جاگیروں میں حصہ دار سمجھتا تھا لہذا یہ تقسیم ان لوگوں کو انتہا درجے کی ناانصافی نظر آئی۔ نئے آبادکار بڑے مستعد ثابت ہوئے اور ان کے ہاتھوں میں السٹر جو پہلے سب سے جنگلی علاقہ تھا، آئرستان کا سب سے خوش حال ضلع بن گیا۔ بایں ہمہ اہل ملک کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی تھی، وہ کبھی فراموش نہ ہوئی۔

ورجنیا سر والٹر رالے کی قید کے بعد ورجنیا کو آباد کرنے کا نام سوداگروں کی ایک جماعت اور دوسروں نے شرکت ورجنیا کے نام سے اپنے ذمے لیا اور ۱۶۰۶ء میں آبادکاروں کا ایک گروہ امریکہ بھیجا گیا۔ انھی میں ایک شخص جان اسمتھ تھا کہ اس اولوالعزمی کے دور میں بھی اپنے عجیب عجیب تجارب کے باعث ممتاز ہوا۔ وہ لنکن شر کے ایک کسان کا بیٹا تھا لیکن کم عمری ہی میں سمندر تک پہنچ گیا تھا۔ اسپین کے خلاف نیدرلینڈز میں اور ترکوں کے مقابل ہنگری میں لڑائیاں لڑا۔ ساتھ کے فرانسیسی ملاحوں نے ایک بار اسے جہاز سے اٹھا کے بحر روم میں پھینک دیا۔ کچھ مدت ترکوں کی قید میں گزری اور دریائے ڈون کے کوسک (قزاق) قبائل کی غلامی بھی کرنی پڑی۔ آبادکاروں کا جو قافلہ ورجنیا گیا۔ اس کا سردار تو اسمتھ نہ تھا لیکن روح رواں ضرور تھا اور اسے جو کچھ کامیابی ہوئی

باب اول

وہ قریب قریب کلیۃً اسمتھ کے باعث ہوئی۔ یہ لوگ جیساپیک کے دہانے پر لنگر انداز ہوئے اور شاہی خاندان کے اعزاز میں دہانے کے آگے جو ٹیکرے نکلے ہوئے تھے، انھیں راس ہینری اور راس چارلس اور اپنی آبادی کے مقام کو جیمس ٹاون موسوم کیا۔ ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور سرگروہوں کی نااہلی نے اور بھی دقت پیدا کر دی۔ مگر اسمتھ کی قدرتی ہمت زائل نہ ہوئی تھی۔ وہ امریکہ کے اصلی باشندوں کے ہاتھ پڑ گیا تو پہلے تو اصطرلاب کے عجائبات دکھا کے تھوڑے سے دن بچا رہا اور پھر وحشی رئیس کی بیٹی پوکا ہونٹس کی منت سماجت کی بدولت فوری قتل سے محفوظ رہا۔ آخر اسمتھ نوآبادی کا حاکم بنا دیا گیا اور معاملات خاصی طرح درست ہوتے جاتے تھے کہ نظماے شرکت نے جنھیں اصلاح حال کی خبر نہ تھی، لارڈ ڈلاوار کو صدر بنا کے روانہ کیا۔ اس کے آنے سے قبل اسمتھ اتفاقی چوٹ کھا کے وطن روانہ ہو گیا تھا لیکن اسمتھ کی رہنمائی سے محروم ہو کر نوآبادی کا شیرازہ بکھر گیا کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ آبادکاروں کی وحشیانہ حرکات نے دیسیوں کو آمادہ بہ جنگ کر دیا اور ۶ مہینے میں صرف ساٹھ آبادکار زندہ رہ گئے۔ یہ سب بھی واپس چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ڈلاوار ضروری سامان لے کے آپہنچا اور آبادی از سرنو قائم ہوئی۔ اس تاریخ سے نوآبادی کی خوش حالی میں فرق نہ آیا۔

دوسری نوآبادیاں جن دنوں اسمتھ اور اس کے ساتھی براعظم کے اندرونی علاقے میں کشمکش کر رہے تھے، اسی زمانے میں انگریزوں کی ایک اور جماعت نے باربیڈوس میں قدم جمائے اور اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ انگلستان کی استعماری سلطنت کا اصلی آغاز ۱۶۰۷ء میں ہوا کچھ عرصے تک نوآبادیوں کا نظم ونسق لندن سے کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جلد ہی حکومت مقامی کی ضرورت کا احساس ہو گیا اور ۱۶۱۹ء میں ورجینیا کی پہلی پارلیمنٹ یا مجلس ملکی منعقد ہوئی۔ (ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ ۷۸۹) اندرونی علاقے میں نئے آبادکار بھی ان لوگوں سے بہت مختلف تھے، جو مدت تک اپنے آپ کو "ورجینیا" کہتے رہے۔

کینٹربری کے کئی صدر اسقفوں کی یکے بعد دیگرے کوشش رہی کہ عقائد و اعمال میں یکسانی پیدا کی جائے افتراق پسند گروہ میں ان کوششوں سے بڑی ناراضی پھیلی

باب اول

اور بہت پہلے، یعنی ۱۶۰۶ء ہی میں آزادی پسند فرقے کی ایک جماعت گینس برو سے اٹھ کر ہولینڈ چلی گئی۔ ناٹنگھم شر کے مقام اسکروبی والوں نے بھی ۱۶۰۸ء میں ان کی تقلید کی مگر یہ لوگ اول ہی اول لیڈن میں آکے اترے تو وہاں کی شہری زندگی پسند نہ آئی اور انھوں نے شرکت ورجینیا سے ضروری شرطیں طے کر کے مے فلاور نامی جہاز میں امریکہ کا رخ کیا (۱۶۲۰ء) اور بھٹک کر راس کاڈ کے قریب اتر پڑے جہاں اپنی بستی کو انھوں نے "نیو پلیمتھ" موسوم کیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑے ہی دن پہلے دیسی باشندوں نے یہاں کے فرنگی آباد کاروں پر سخت ظلم توڑے اور اسی کے بعد ان میں چیچک پھیلی تھی، لہذا یہ دیسی باشندے نو وارد انگریزوں کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئے اور دیسیوں ہی کی مدد سے انگریز یہاں کے پہلے جاڑے کی سخت تکالیف کو جھیل لے گئے۔

یہ بستی جسے نیو انگلینڈ کہتے تھے، شروع سے ورجینیا سے مختلف تھی جنوب کے آباد کار، شریف لوگ تھے اور امریکہ میں وہی مرنجاں مرنج دیہاتی زندگی پیدا کرنا چاہتے تھے جس کی وطن میں انھیں عادت تھی۔ انھوں نے ملک کو بڑے بڑے قطعات میں تقسیم کیا اور مزدوری کے لئے افریقہ سے حبشی غلام بہم پہنچائے وہ سب سے بڑھ کر تمباکو کی تجارت کرتے تھے اور اس کی ترقی نے بہت جلد نو آبادی کو مستقل طور پر خوش حال بنا دیا۔ بخلاف ان کے، شمالی آباد کار معمولی طبقے کے، کسان، دکاندار، اہل حرفہ وغیرہ تھے جنھیں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے کھیت بانٹ لئے تھے۔ ان کے مکان بھی گرجا کے گرد پیچ پیچ بنے ہوئے تھے اور وہ سیدھی سادی سپاہیانہ معاشرت پر قانع تھے بلکہ مذہبی عقائد کے باعث تہذیب و شائستگی کو کسی قدر نفرت سے دیکھتے تھے۔ غلام فراہم کرنے میں اس وقت تک کوئی اخلاقی تردد تو نہ تھا مگر انھیں غلاموں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ابتدا سے شمال و جنوب کے ان آباد کاروں میں گہری عداوت کا تخم پڑ گیا تھا یا یوں ہمہ ان دونوں کے درمیان بہت سا غیر مقبوضہ علاقہ پڑا تھا اور دریائے ہڈسن پر نیو ایمسٹرڈیم کے نام سے ولندیزوں کی ایک نو آبادی بھی حائل تھی۔

تجارت　ملکہ الزبیتھ کے عہد میں ہندوستان، افریقہ اور بحر متوسط

کی بندرگاہوں سے جو تجارت شروع ہوئی، وہ اس کے جانشین کے زمانے میں سرعت سے ترقی کرتی رہی۔ اُن دنوں انفرادی طور پر بہت کم لوگ اتنی استطاعت رکھتے تھے کہ پورا جہاز مہیّا کریں اور بحری قزاقوں یا دشمن کے جنگی جہازوں سے جن کے مل جانے کا احتمال رہتا تھا، اس کی حفاظت کے لئے ضروری اسلحہ وغیرہ بھی خود بہم پہنچا سکیں۔ اسی لئے مشترکہ سرمایے سے تجارتی شرکتیں قائم ہوئیں جو تجارت کے الگ الگ شعبوں میں کام کرتی تھیں۔ ان میں سب سے مشہور یہ ہیں:۔ شرکۂ شرق الہند (ایسٹ انڈیا کمپنی) شرکۂ سمرنا شرکۂ ترکی۔ شرکۂ لیوانٹ (=سواحل ترکی) شرکۂ مسکووی (روس کے لئے) شرکۂ ہولینڈ فلینڈرس جرمانیہ۔ ان شرکتوں کے حقوق کو لوگ اجارہ سمجھکر رشک کرتے تھے اور اس بات سے بھی خوش نہ تھے کہ ملک کی ساری تجارت شہر لندن میں سمٹ آئی ہے۔ مثال کے طور پر سنہ ۱۶۰۰ء میں لندن کی بندرگاہ کی کروڑگری ایک لاکھ دس ہزار پونڈ اور باقی سارے ملک کی کلہم سترہ ہزار پونڈ تھی۔ تجارت کی اس ترقی سے لندن کا وسیع ہونا دیکھ کر اہل دربار بھی متردد تھے لیکن پارلیمنٹ کو اس ترقی سے تقویت پہنچتی تھی کیونکہ تاجر عموماً حکومت کے نقاد ہوتے تھے۔ دوسرے ارکان دار العوام تو اپنے حلقوں کے فائدے کی خاطر لندن کے تاجروں کی اجارہ داری فسوخ کرنے پر آمادہ بھی تھے مگر دار الامرا کی مخالفت نے انھیں اس پر عملدرآمد نہ کرنے دیا۔

شاہی مقرب تمام عمر جیمس کو ارباب تدبر کی بجائے نیم خواندہ ہنسنے ہنسانے والے مصاحبوں کی صحبت زیادہ پسند رہی۔ سیسل کے مرنے سے یہ لوگ بادشاہ کے مزاج میں کامل درخور پاگئے اور کوئی ان کی روک تھام یا بات کے دوسرے پہلو پیش کرنے والا ہی باقی نہ رہا۔ سنہ ۱۶۱۱ء میں ایک سکیل اسکاٹ، رابرٹ کار نامی، سب سے منہ چڑھا مصاحب تھا۔ درباری نیزہ بازی کے مقابلے میں ایک دفعہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس نے بادشاہ کو اس کی جانب ملتفت کیا اور پھر سیاسیات سے بے بہرہ ہونے کے باوجود وہ بادشاہ کا محرم راز اور امیر روچسٹر بنا یا گیا۔ جب لوگوں کو علم ہوا کہ جیمس، کار کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تو پھر اس خوش نصیب مصاحب پر تحائف کی بارش ہونے لگی۔ کچھ مدت بعد کار، رالز تھیتھ

باب اول

کے مصاحب امیر اسیکس کی کمسن بیوی پر عاشق ہوگیا۔ اسیکس بہت اچھے چال چلن کا ذرا سخت مزاج آدمی تھا۔ اس کی بیوی نے کار سے شادی رچانے کے شوق میں شوہر پر ایک نہایت شرمناک الزام لگاکر خلع کی درخواست کی جیمس نے بے وقوفی سے اپنے مصاحب کی اعانت کی اور انھی اثرات سے بیگم اسیکس کی درخواست منظور کر لی گئی۔ خلع کے بعد اس نے کار سے شادی کی جو اسی زمانے میں امیر سمرسٹ بھی بنا دیا گیا۔ ملکی معاملات میں دخل دینے کا تو کار بہت کم مادہ رکھتا تھا لیکن کفایت شعاری کے حق میں اس کا رسوخ سخت مضر ثابت ہوا اور سیسل (یا امیر سالسبری) کی وفات سے ایک سال کے اندر اندر جیمس کی مالی حالت پہلے سے بڑھ کر پیچیدہ ہوگئی۔

پارلیمنٹ

آخرکار دوسری پارلیمنٹ کے انعقاد کا چرچا ہونے لگا۔ پارلیمنٹ کے فرائض و وظائف کے بارے میں بھی اس زمانے میں اختلاف تھا۔ بعض لوگ تو اسے محض روپے کی منظوری دینے والی ایسی جماعت سمجھتے تھے جسے شدید ضرورت کے سوا اور کسی وقت طلب کرنا مناسب نہ تھا۔ بخلاف اس کے، بیکن وغیرہ بعض اشخاص کی رائے تھی کہ پارلیمنٹ حکومت کا ضروری جزو ہے اور اسی کے ذریعے بادشاہ اپنی رعایا کی ضروریات سے مستند طریق پر آگاہی حاصل کر سکتا۔ اور پھر سب سے اعلیٰ انتظامی عہدہ دار کے فرائض کامیابی سے انجام دے سکتا ہے۔ باقی یہ خیال ہوگیا بھی تو معدودے چند ہی کا ہوگا کہ پارلیمنٹ خود حکمت عملی کی طرح ڈال سکتی ہے۔ وزرا کے انتخاب میں کسی خاص دخل پانے کا تو ذکر ہی کیا ہے جو صرف لینکیسٹری بادشاہوں کے عہد میں مبہم طور پر قوم کے ذہن میں آنے لگا تھا۔ بہر حال، چونکہ بادشاہ کی ضرورتیں تاخیر کی گنجائش نہ رکھتی تھیں اور بعض خیر خواہوں نے ذمہ لیا کہ وہ حسب دلخواہ مبعوثین کا انتخاب کرا دیں گے، لہذا جیمس نے نئے انتخاب کے حکم نامے جاری کر دئے۔ مگر ۱۶۱۴ء میں پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ذمہ لینے والوں سے الٹا نقصان پہنچا۔ عوام کے تین سو نئے مبعوثین منتخب ہوئے لیکن پارلیمنٹ کے حقوق و امتیازات کی حمایت میں وہ بھی ایسے ہی سرگرم و مضبوط تھے جیسے ان کے پیش رو۔ اصلی بحث محاصل کے متعلق پیش آئی اور عوام اس پر جم گئے کہ رقوم کی منظوری، شکایات کو رفع کرنے کی ملزوم ہونی چاہئے۔ ان کے اصرار

باب اول

سے جیمس جھلّا گیا۔ اُن کی صاف گوئی سے درباری گھبرا گئے۔ حامیانِ اسپین کو خوف ہوا کہ بادشاہ اور دارالعوام کی مصالحت ہوگئی تو لامحالہ پراٹسٹنٹ گروہ کو قوت پہنچ جائے گی۔ آخر جیمس کا پیمانۂ صبر چھلک پڑا اور قبل اس کے کہ کوئی قانون منظور ہو سکے اُس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔ استہزا کرنے والوں نے اس پارلیمنٹ کا نام "گندی پارلیمنٹ" رکھا۔

وِلی ارز۔ اسی سال جیمس کی چشمِ عنایت ایک انگریز جارج وِلی ارز کی طرف پھر گئی جو ایک خوش مزاج بست و دو سالہ نوجوان تھا۔ اُس کی ماں نے شاہی مجلس میں امتیاز حاصل کرنے کی غرض سے اُسے آدابِ ظاہری میں طاق کر دیا تھا لیکن دل و دماغ کی تربیت کو ضروری نہ جان کر بے پروائی برتی تھی۔ وِلی ارز کی پشتی ان لوگوں نے بھی لی جو سمرسٹ اور اسکاٹ درباریوں سے بیزار تھے اور بہت جلد اسے سمرسٹ کا حریف بنا دیا۔ بیکن بھی وِلی ارز کو اچھا سمجھتا تھا اور اسے امید تھی کہ وِلی ارز حکومتِ عاملہ کو ایسا مستعد بنا سکے گا جیسی کہ بیکن کو آرزو تھی۔ غرض تھوڑی ہی مدت میں نئے مصاحب کے بہت سے ہوا خواہ پیدا ہو گئے لیکن سمرسٹ کے ساتھ اس کا مقابلہ شدید ہونے نہ پایا تھا کہ بالکل غیر متوقع سمت سے اس کے کاری ضرب لگی۔ بیگم اسیکس نے خُلع کے وقت سر ٹامس اُوورؔبری سے سمرسٹ کی دوستی تھی۔ یہ وہی شخص ہے جس نے مختلف قسم کے افراد کا ظریفانہ انداز میں خاکہ کھینچا ہے اور اس کی کتاب اب تک مشہور ہے۔ اس نے سمرسٹ (= روبرٹ کار) کو بیگم اسیکس کے نام (عاشقانہ) خط لکھنے میں مدد دی تھی اور غالباً اتنے راز جانتا تھا کہ بیگم اُس کے قابو میں تھی۔ وہ خلع کے بھی خلاف تھا۔ بہر حال، بیگم اس کی سخت دشمن ہوگئی اور ادھر جیمس یہ سنکر بہت بگڑا کہ لوگوں میں یہ قول مشہور ہے کہ روچسٹر بادشاہ پر حکومت کرتا ہے اور روچسٹر پر اُوورؔبری مسلط ہے" اُس نے اُوورؔبری کو انگلستان کے باہر خدمت پر بھیجنا چاہا اور جب اُوورؔبری نے انکار کیا تو شاہی زندان میں قید کر دیا۔ وہیں بیگم کے فرستادوں نے زہر دے کے اس کا خاتمہ کیا۔ دو سال تک اس واقعے کی کسی کو خبر نہ ہوئی لیکن آخر راز کھل گیا۔ سمرسٹ، بیگم اور اس کے کارندے عدالت میں پیش اور مجرم ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں جو شرمناک

واقعات منظر عام پر آئے اُن سے اہل دربار کی نیک نامی پر سخت حرف آیا اور پیورٹین گروہ بہت کچھ اسی وجہ سے بادشاہ سے بیگانہ ہوگیا۔

"گندی پارلیمنٹ" کو برخاست کرکے جیمس نے حکومت کو اپنے خیالات کے مطابق مرتب کیا۔ شروع ہی میں ایڈورڈ کوک عدالت عالیہ کی صدارت سے الگ کیا گیا۔ قانون عامہ کی جزئیات میں اس شخص کا مثل نہ تھا گر نہ وہ کوئی مدبر تھا نہ اور کسی مضمون پر وسیع نظر رکھتا تھا۔ البتہ قانون کا وہ دل سے پرستار تھا اور اسی لئے لوگ بہت غنیمت سمجھتے تھے کہ جیمس کے حقوق شاہی کے مفرط دعاوی کی تھوڑی بہت وہی روک تھام کر سکے گا۔ محاصل کے متعلق اس کی آرا بادشاہ کی منشاء کے خلاف ثابت ہو چکی تھیں۔ ۱۶۱۶ء میں یہ ثابت کرنے کے واسطے کہ رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقت میں ارکان عدالت محض بادشاہ کی مرضی سے مقرر ہوتے ہیں اسے برطرف کر دیا گیا۔ مشہور مصنف فرانسس بیکن تمام عمر کوک کا حریف رہا اور مزاج کے اعتبار سے بھی بالکل اس کی ضد تھا۔ اگر کوک فنی مصطلحات کا سخت پابند تھا تو بیکن کو ایسی اصطلاحی یا رسمی چیزوں کی مطلق پروا نہ تھی۔ کوک، لفظ پر ایمان رکھتا تھا تو بیکن معنی اور منشا کا جویا تھا۔ عام معاملات میں بھی کوک محض بے خبر آدمی اور بیکن اپنے زمانے کا بہترین مدبر تھا۔ شاہی اقتدار کی نسبت کچہری کے اکثر وکیلوں کی مثل جنھیں رومی قانون کے گُر از بر کرائے جاتے تھے، بیکن بھی بہت کچھ خوش اعتقاد تھا اور اس کے خیال میں بادشاہ کے عمال، دارالعوام کے ناواقف ارکان کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے کہ کیا کرنا چاہئے۔ بایں ہمہ جیمس کو اپنی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے بیکن کے صلاح مشورے کی چنداں پروا نہ کی اور خود بیکن درباری تہذیب کا اس قدر پابند تھا کہ بادشاہ کی بے توجہی کے باوجود اپنی رائے پر اصرار کرنا مناسب نہ جانتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مشوروں پر تو جیمس نے کان نہ دھرا اور ولی ارز جیسے جاہل نوجوانوں یا ابن الوقت خوشامدیوں کی صلاح پر عمل کرتا رہا حالانکہ یہ لوگ بیکن کی عشر عشیر قابلیت بھی نہ رکھتے تھے۔ کوک اور بیکن کے اختلافات کے پرانے قضیئے سے اور بھی بڑھ گئے تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ عدالت شاہی اور مالگزاری کی عدالت دونوں کے حکام یہ چاہتے کہ زیادہ مقدمے ان کے پاس رجوع ہوں اور دوسری عدالت

باب اول

ہمارے معاملات میں کوئی دخل نہ دے مثال کے طور پر عام عدالتیں اوصیا کو مجبور نہ کرتی تھیں کہ وصیت کے مطابق عمل کریں۔ اور عدالت ناگزاری اسے لازم سمجھتی تھی غرض ان عدالتوں میں سخت منافشہ رہتا تھا۔ کوک کی معزولی کو بیکن ہی کی فتح سمجھا گیا اور ۱۶۱۸ء میں بیکن امیر عدلیہ لارڈ چانسلر مقرر ہوا تو یہ کامیابی مکمل ہو گئی لیکن اس عہدے سے بیکن کے سیاسی رسوخ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ بادشاہ اس سے شاذ و نادر مشورہ کرتا تھا البتہ یہ ضرور توقع رکھتا تھا کہ عدالت کے اس اعلیٰ عہدے سے بیکن شاہی اقتدار و امتیاز کو تقویت پہنچانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

رالے عہد الزبیتھ کے ناموروں میں سے آخری شخص سر والٹر رالے قلعۂ لندن میں محبوس تھا۔ وہ دنیا کی تاریخ لکھ کر یا کیمیائی تجربوں میں وقت گزارتا رہا۔ بارے ۱۶۱۶ء میں اسے رہائی ملی کہ گی آنا کو مہم لے کر جائے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، رالے ۱۵۹۵ء میں گی آنا گیا اور وہاں کے دیسیوں کو اپنی عنایتوں سے ایسا خوش کیا کہ انھوں نے اوری نوکو کے کنارے ایک پہاڑ کا پتہ دیا جس میں کہا جاتا تھا کہ سونے کی قیمتی کانیں موجود ہیں۔ بعد میں قادص وغیرہ کی مہمات کی مصروفیت کے باعث وہ گی آنا نہ جا سکا مگر اب بادشاہ کی سخت زرباری دیکھ کر اسے خیال آیا کہ سونا لانے کی امید دلا کر قید سے نجات حاصل کرے۔ یہ تدبیر چل گئی لیکن جیمس سونے کے لالچ کے باوجود اسپین سے جنگ مول لینے سے بہت ڈرتا تھا اور اس لئے رالے سے تاکید کر دی کہ اسپین والوں سے ہرگز جھگڑا نہ کیا جائے۔ رالے کو بھی توقع تھی کہ اس کی نوبت نہ آئے گی کیونکہ پہلے سفر کے زمانے تک اسپین کی کوئی آبادی ساحل اور سونے کے پہاڑ کے درمیان نہ تھی۔ غرض مہم روانہ ہوئی لیکن امریکہ پہنچ کر پہلے ہی خرابی تو یہ پیدا ہوئی کہ ملاحوں نے دریا میں آگے جانے سے انکار کیا بجز اس کے کہ خود رالے ان کی واپسی تک ساحل ہی پر ٹھیرا رہے۔ آخر سر والٹر رالے کے پرانے رفیق کپتان کیمیس کی سرکردگی میں سراغ لگانے والے روانہ کئے گئے۔ رالے کا بیٹا نوجوان والٹر رالے ان کے ساتھ گیا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ اسپین والوں نے اپنی بستی ادھر بڑھائی ہے اور دریا کا راستہ سان تھومی کے قصبے سے رکا ہوا ہے۔ چکر دے کے نکل جانے کی بجائے کیمیس نے اس قصبے پر حملہ کر دیا اور اسی یورش میں

باب اول

نوجوان والٹر مارا گیا۔ پھر کیمیس کو معلوم ہوا کہ دشمن کی موجودگی میں آگے کے جنگلوں میں داخل ہونا غیر ممکن ہوگا لہذا واپس چلا آیا اور سر والٹر رالے نے برا بھلا کہا تو اس نے خودکشی کر لی۔ اب رالے کو تشویش ہوئی کہ خالی ہاتھ واپس جانا پڑے گا اور سوچا کہ اسپین کے خزانے کے جہاز پر چھاپا مارا جائے۔ اس بات کو رالے کے ناخداؤں نے قبول نہ کیا اور وہ مجبور ہوکر سیدھا انگلستان چلا آیا۔ جہاز سے اترتے ہی وہ بادشاہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا کیونکہ اس کی کارروائی نے جیمس کو مشکل میں پھنسا دیا تھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اس نے اسپین والوں سے لڑائی کی نوبت نہ آنے دینے کی کیا شکل سوچی تھی مگر قرینہ کہتا ہے کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ مال ہاتھ آئے تو خود رکھے اور اسپین کو شکایت پیدا ہو تو اس کا الزام رالے کے سر دھرے۔ بہرحال اب روپیہ تو کچھ ملا نہیں اور اسپین کے اعلان جنگ کو روکنے کی صورت سوائے اس کے نہ رہی کہ رالے کو سزا دی جائے۔ جیمس اسپین سے امن و آشتی کا اس قدر خواہاں تھا کہ اس نے رالے کو سزا دینا زیادہ پسند کیا اور پہلے تو اُسے اسپین والوں کے حوالے کر دینا چاہا مگر آخر میں انگلستان ہی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ چونکہ اسے پہلے سزائے موت مل چکی تھی لہذا کسی دوسرے الزام لگانے کی ضرورت نہ ہوئی اور اسی پندرہ برس پہلے کے فیصلے پر اب عمل کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ رالے کا اسپین والوں پر حملہ کرنا بین الاقوامی قانون کے خلاف تھا لیکن الزبتھ کے ناخداؤں کا اصول یہ تھا کہ "سرحد کے پار کوئی صلح نہیں"۔ رالے کا فعل بالکل اسی قسم کا تھا جس پر ڈریک اور ہاکنس کو انعام دئے گئے تھے لیکن زمانہ بدل گیا تھا اور ایک ایسے کام کی غلطیوں کا جس میں اسے کبھی پڑنا نہ چاہئے تھا اسے جان دے کے خمیازہ بھگتنا پڑا۔ حالانکہ اس فعل کی اصلی ذمہ داری بادشاہ کے سر تھی۔ عقل و عمل دونوں اعتبار سے رالے ایک غیر معمولی شخص تھا مگر اس کی سیرت بے داغ نہ تھی۔ راست گفتاری کی اسے مطلق پروا نہ ہوتی تھی، بایں ہمہ اُس کی غم انگیز موت نے ان سب عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

جنگ سی سالہ رالے کی شرمناک قربانی، دربار شاہی کا اسراف، اور بری کا پر فضیحت واقعہ اور یورپین فرقے پر تشدد نے جیمس کی حکومت

باب اول

کو ذلیل اور قابل نفرت بنا دیا تھا کہ ۱۶۲۱ء میں جرمانیہ کے پروٹسٹنٹ فرقے کی حمایت کر کے اپنی رعایا میں پھر قبول عام پالنے کا موقع میسر آیا۔ انگلستان کی شہزادی الزبتھ کے بیاہ کے بعد سے جرمانیہ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کا باہمی اختلاف زیادہ نمایاں ہوتا جاتا تھا اور ان کی دشمنی کے آتش جنگ بن کر بھڑک اٹھنے میں ایک چنگاری ڈالنے کی دیر تھی۔ یہ چنگاری بوہیمیہ کی طرف سے آئی۔ اس ریاست میں ہس کے زمانے سے فرقِ اصلاح کو مستحکم مامن مل گیا تھا اور یہاں مذہب پروٹسٹنٹ کا غلبہ تھا۔ ایک مدت سے اہل بوہیمیہ شہنشاہ آسٹریا کو اپنا بادشاہ منتخب کرتے تھے اگرچہ اس کا مذہب کیتھولک تھا۔ لیکن اب شہنشاہ میتھیاس نے ملکی مجلس کو مجبور کیا کہ بوہیمیہ کی بادشاہی آسٹریہ کے خاندان شاہی کی مستقلاً میراث تسلیم کر لی جائے اور میتھیاس کے وارث فرڈی نینڈ (شہزادہ آسٹریا) کے آئندہ وارثِ تخت ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ حالانکہ فرڈی نینڈ پروٹسٹنٹ فرقے کو ستانے میں مشہور تھا۔ بایں ہمہ، میتھیاس نے وفات پائی تو اہل بوہیمیہ اپنے قول سے پھر گئے انھوں نے جیمس کے داماد فریڈرک الیکٹر پیلے ٹائن) سے بادشاہی قبول کرنے کی استدعا کی اور اس نے یہ درخواست منظور کر لی۔ فرڈی نینڈ، آسٹریہ کا شہنشاہ منتخب ہو چکا تھا۔ بوہیمیہ میں اپنے حقوق شاہی کے لئے اُس نے تلوار سنبھالی اور کیتھولک ریاستوں کو مدد پر بلایا اور ادھر فریڈرک نے پروٹسٹنٹ طاقتوں سے اعانت کی التجا کی لیکن تخت بوہیمیہ پر اُس کا قبضہ خلاف قانون تھا اور اسی لئے بہت لوگ مدد دینے سے باز رہے اور کیتھولک فوجوں نے فریڈرک کو نہ صرف بوہیمیہ بلکہ خود اس کی موروثی ریاست (پیلے ٹی نیٹ) سے نکال باہر کیا۔ اس موقع پر آسٹریہ کی مدد اسپین سے ہوئی اور چونکہ فریڈرک، جیمس کا داماد تھا لہذا یقین تھا کہ انگلستان فریڈرک کی ضرور دستگیری کرے گا اور ڈین مارک وغیرہ ممالک بھی اس کے طرفدار ہوں گے۔ انگلستان میں ان واقعات نے اسپین کی پرانی دشمنی کو تازہ کر دیا تھا اور لوگ مشتاق تھے کہ اسپین سے اعلان جنگ کر دیا جائے جو فریڈرک کو مدد دینے کی بہترین سبیل ہوتی۔ انفرادی طور پر صدہا انگریز جرمانیہ پہنچے تھے کہ اپنی عزیز شہزادی ”ملکۂ قلوب“ کی طرف

باب اول

سے جنگ کریں۔ ان سب باتوں کے باوجود خود جیمس ابھی تک خط وکتابت سے کام لینے کا خواہشمند تھا اور اسپین کے شاہی خاندان میں رشتہ کر کے چاہتا تھا کہ دونوں فریقوں سے تعلقات قائم رکھے۔ تاہم یہ دکھانے کی غرض سے کہ وہ جنگ سے عاری نہیں ہے اس لئے ۱۶۲۱ء میں پارلیمنٹ کا انعقاد کیا۔

پارلیمنٹ

پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو اسے خوش کرنے کی غرض سے جیمس نے ۱۶۱۴ء کے انتخاب کرانے والوں کو برا بھلا کہا اور صاف اعلان کیا کہ اگر رسل و رسائل سے کام نہ نکلا تو وہ اپنے داماد کی ریاست اور پروٹسٹنٹ مذہب کی حمایت کے لئے خون بہانے سے دریغ نہ کرے گا۔ چنانچہ جنگ کے لئے معقول رقم کی منظوری بھی دی گئی لیکن فوری جنگ چھڑنے کی توقع نہ تھی لہذا ارکان مجلس اندرونی شکایات کی طرف متوجہ ہو گئے جن میں کوک نے ان کی سرگروہی کی۔ یہ معزول میر عدل اب وکالت کرنے لگا تھا اور خاص اہل دربار کی نکتہ چینی کی غرض سے پارلیمنٹ کا رکن منتخب کیا گیا تھا۔ دار العوام کی بڑی شکایت اجارہ داری کی بدعنوانیوں سے متعلق تھی۔ الزبیتھ کے زمانے میں اس کو روکا گیا تھا مگر اب چالیس کے قریب مختلف قسم کے اجارے قائم تھے۔ ان میں بعض مثل زمانہ حال کے "ڈو پیٹنٹ" کے نئی ایجادوں کے تحفظ کے لئے تھے (جیسے آج کل "پیٹنٹ" کی صورت میں مروج ہیں) بعض نئی صنعتوں کی ترقی کے واسطے اور بعض ملک کے فائدے کی غرض سے تھے۔

اجارہ داری

اس زمانے کے خیالات کی رو سے اجارہ داری کے طریق میں بہت سی خوبیاں گنائی جا سکتی تھیں لیکن جیمس اول جیسے بادشاہ کے عہد میں ہر محکمہ خرابیوں سے مکدر اور ہر طرف جور و رشوت کا دور دورہ تھا۔ دار العوام نے خاص طور پر جن اجاروں کو اعتراض کے لئے چنا، وہ سرائے قائم کرنے اور سونے چاندی کے تار بنانے کے اجارے تھے۔ جو حقیقت میں خود بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں تھے۔ بدعنوانیوں کی کافی شہادتیں موجود تھیں اور چونکہ دیہات کے عدالتی حکام سراؤں کے اجازت ناموں سے بیزار تھے اور دولتمند سناروں کو تار بنانے کی ممانعت کا شکوہ تھا، لہذا دیہات کے مبعوث اور لندن کے تاجر دربار کے خلاف ایک ہو گئے خصوصیت سے سر جائلز موم پس اور سر فرانسیس مچل

باب اول

کے خلاف شہادتیں فراہم ہوئیں اور ان کے مقدمات کو دارالعوام نے دارالامرا میں بطریق مواخذہ بھیج دیا (گویا فرد قرار داد جرم لگا کے دارالامرا میں بھیجدیا)۔

بیکن

ان سے بھی بڑھ کر سنگین معاملہ وزیر عدالت بیکن کا تھا۔ اجارہ داری کے سلسلے میں اس کا نام بھی زیر بحث آیا۔ ساتھ ہی عدالت مالگزاری کے اہل مقدمہ نے اس پر رشوت ستانی کے الزام لگائے۔ یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے حق و عدل کے خلاف کوئی کارروائی کی مگر مقدمے والوں سے فیصلہ کرنے سے قبل اور نیز بعد میں ہزار سو، تین سو اور نیز سات سو پونڈ لینا ثابت ہوا۔ اس زمانے میں جب کہ تنخواہیں کم اور عدالت کے محصول زیادہ تھے، رائے عامہ اس بارے میں کچھ کم واضح اور قطعی نہ تھی کہ ایک حاکم عدالت کو کتنی رقم لینی جائز ہے اور بیکن جو روپے کے معاملے میں ہمیشہ سے بے پروا اور جزئیات پر کوئی توجہ نہ کرتا تھا اس معاملے میں سخت غفلت برتتا رہا۔ لیکن فیصلوں کی صحت میں کسی کو گفتگو نہ تھی۔ دارالعوام کے الزامات کی امرا نے احتیاط سے تنقیح کی۔ بیکن نے واقعات کی خود تصدیق کر دی۔ امرا نے فیصلہ کیا کہ وہ بادشاہ کی مرضی تک قلعہ لندن میں محبوس رہے، آئندہ کوئی عہدہ نہ پائے نہ عدالت میں آئے اور چالیس ہزار پونڈ جرمانہ ادا کرے۔ اصل سزا کو تو بادشاہ نے جلد معاف کر دیا مگر فیصلے کے ان دو فائدوں پر معافی سے کوئی اثر نہ پڑا۔ کہ اول تو رشوت ستانی کے طریقے پر جو بہت پھیل گیا تھا، کاری ضرب لگی اور دوسرے شاہی وزیروں کی پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہی کا مسئلہ پوری طرح طے ہو گیا۔ یارک اور ٹیوڈر خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں یہ اصول عملاً منظر عام سے غائب رہا اور ۱۴۵۰ء میں سفک کی سزا دہی کے بعد سے اس کا نفاذ نہ ہوا۔ مگر اب جو اس طریقے کی تجدید ہوئی تو امید تھی کہ آئندہ یہ ساقط نہ ہونے پائے گا۔ اور ایک صدی تک حقیقت میں کوئی پارلیمنٹ ایسی نہ تھی جس میں مواخذہ عاید نہ کیا گیا ہو۔ بیکن و مچل کے مقدموں کے بعد پارلیمنٹ کچھ روز کے لئے برخاست

معاملات خارجہ

ہو گئی اور دوبارہ جمع ہوئی تو اس کی ساری توجہ حالات خارجہ کی طرف مبذول ہوئی۔ مبعوثین زیادہ تر اس بات کے درپے تھے کہ جیمس سے اپنے اعلان کی کہ اگر نامہ و پیام سے کام نہ چلا تو پروٹسٹنٹ فرقے کی خاطر روپیہ

باب اول
اور خون بہا دے گا پابندی کرائیں اور اکثر ارکان صاف صاف اشتہار جنگ دینے کے موید تھے۔ مگر جیمس کی یہ رائے نہ تھی نہ شہزادہ چارلس اور اسپین کی بڑی شہزادی (''انفنٹا'') کی شادی کا آرزو مند تھا۔ اس پر اسپین کے سفیر گوندو مار کا بہت اثر تھا اور وہ جانتا تھا کہ جب تک کیتھولک فرقے کے ساتھ تحمل و رواداری کا یقین نہ دلایا جائے، مذکورہ بالا رشتہ غیر ممکن ہوگا۔ اس کے مقابلے میں دارالعوام کے خیالات کا اندازہ ان تحریکات سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اول تو یہ فیصلہ کیا کہ گرجا میں نہ آنے والے (کیتھولک) دگنا محصول جنگ ادا کریں۔ دوسرے ان منحرفین کے خلاف قوانین پر پوری پابندی سے عملدرآمد کیا جائے اور تیسرے بادشاہ کی خدمت میں عرضی دی کہ شہزادے کی شادی پروٹسٹنٹ خاندان میں کی جائے۔ دارالعوام کو اندیشہ تھا کہ منحرفین کے ساتھ رورعایت کی گئی تو رفتہ رفتہ پھر وہی کیتھولک مذہب قائم ہوجائے گا۔ ایک نوجوان رکن جان پِم نے اسی خیال کو ان لفظوں میں ادا کیا کہ اگر پاپائیوں کے ساتھ ایک دفعہ اغماض برتا گیا تو پھر وہ مستقل رواداری پر زور دیں گے اس کے بعد مساوات، پھر اپنی فضیلت اور آخر میں اپنے تمام مخالف مذاہب کا استیصال کردینا چاہیں گے۔ گوندو مار اور بکنگھم کے اثر سے بادشاہ نے یہ باتیں سن کر دارالعوام کو ہدایت کی کہ ''رموز سلطنت'' میں دخل نہ دیں اور یہ کہہ کر ان کی آزادی تقریر پر بھی حملہ کیا کہ بادشاہ چاہے تو ارکان کے طریق عمل کی تحقیقات پارلیمنٹ کے اندر یا باہر بازپرس کرسکتا ہے۔ اس تہدید نے معاملے کی صورت نازک کردی اور دارالعوام نے کوک اور ٹامس وینٹ ورتھ[1] کی رہنمائی سے روداد نامے میں یہ رائے درج کی کہ ''پارلیمنٹ کی آزادی، حقوق، مراعات اور حدود و اختیارات، انگلستان کی رعایا کا قدیم اور پیدائشی ورثہ ہیں''۔۔ اور یہ کہ ''ان امور پر غور و رائے زنی کرنے میں اس ایوان کا ہر رکن تقریر کرنے میں آزاد ہے اور آزاد ہونا چاہیئے''۔ دارالعوام نے پہلی بار عرضی بھیجی تو بادشاہ نے خفظ مراتب دکھانے کے لئے حکم دیا تھا کہ ''سفرا'' (یعنی دارالعوام کے وفد) کے واسطے کرسیاں لگائی جائیں، گویا دارالعوام

---

[1] یہ شخص یارک شر کا مبعوث تھا اور آگے چل کر مشہور امیر اسٹرفرڈ بنا۔

باب اول

ایک مستقل حکومت کا مرتبہ رکھتا تھا۔ لیکن دس دن کے سوچ بچار کے بعد اُس نے دارالعوام کی روداد طلب کی اور اپنے ہاتھ سے وہ ورق چاک کر دئے جن میں مذکورہ بالا ناگوار احتجاج تحریر تھا۔ پھر پارلیمنٹ بغیر کسی رقمی منظوری کے برخاست کر دی گئی۔ کوک فیلپس اور مے لوڈی قلعۂ لندن میں بھیج دئے گئے۔ پم کو حکم ملا کہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔ گوندومار نے اس فعل کی نسبت کہا کہ یہ "سب کو چھوڑ کر اسپین سے رشتہ جوڑنے کی نیت" کے مرادف ہے۔ اور واقع میں انگلستان کے جرمن پروٹسٹنٹوں کو مدد دینے کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

ہسپانوی شادی

مگر خود جیمس نامہ و پیام کے ذریعہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں میں ایک عام مصالحت کرا دینے سے مایوس نہیں ہوا تھا اور یہ تجویز، جس کا سب سے اہم اور لازمی جزو یہ تھا کہ ولی عہد انگلستان کی شادی اسپین کی بڑی شہزادی میری سے ہو جائے۔ بادشاہ کی نیک نفسی سے خالی نہ تھی۔ لیے شبہ پارلیمنٹ کا کیتھولکوں کی دشمنی پر بضد ہونا، شہنشاہ (آسٹریہ) کا فریڈرک کو سزا دینے پر اصرار اور اسپین کا یہ حتمی اصول کہ خاندان آسٹریہ کے خلاف تلوار نہ کھینچی جائے، صلح کے راستے میں افسوسناک سدراہ تھے، بایں ہمہ شہزادہ چارلس کامیابی کی امید سے سرشار تھا اور بکنگھم اپنی قابلیتوں پر اتنا مفرط اعتماد رکھتا تھا کہ یہ دونوں افسانوں کے شاہ و وزیر کی طرح میڈرڈ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ صلح نامہ اور دلھن لیکر دھوم دھام سے واپس آئیں گے لیکن یہ ان کی ناتجربہ کاری کی حرکت تھی۔ میڈرڈ پہنچ کر چارلس کو اس خوف سے کہ کہیں ناکام گھر جانا پڑے طرح طرح کی شرطیں مانتے ہی بن پڑی۔ حتی کہ آخر میں وہ اپنی اور باپ کی طرف سے یہ حلف اٹھانے پر مجبور ہوا کہ انگلستان کے کیتھولکوں کو پوری آزادی دی جائے گی اور تین سال کے اندر پارلیمنٹ سے اس کی تصدیق کرا دی جائے گی۔ پھر بھی جب معلوم ہوا کہ شہزادی شادی ہو جانے پر بھی رخصت ہو کر اس کے ہمراہ نہ جائے گی تو دوسرے شخص کو رسماً وکیل بنا کے وہ بہ عجلت انگلستان چلا آیا۔ عام لوگ تو یہ سنکر کہ دلھن نہیں آئی بہت خوش ہوئے لیکن محتاط اہل الرائے جانتے تھے کہ بات کی اتنی ڈور تک بڑھ جانے کے بعد بغیر علانیہ جنگ کے اس رشتے کو توڑنا

باب اول

ممکن نہیں ہے۔ یوں بھی چارلس قول دے چکا تھا اور میڈرڈ میں شادی کی بڑی بھاری تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ لیکن عقد سے تین روز قبل برسٹل انگریزی سفیر کو حکم پہنچا کہ بعض جدید مطالبات پیش کر دے اور اس پر شادی غیر معین زمانے تک ملتوی کر دی گئی۔ واقعات کے آئندہ انکشاف سے چارلس کا طریق عمل بہت ناقص ثابت ہوا مگر اس وقت تو عوام بہت خوش ہو گئے اور جیمس نے اپنی کوشش کو ناکام دیکھ کر امور سلطنت سے تقریباً دست کشی کر لی اور چارلس اور بکنگھم کو اجازت دیدی کہ فریڈرک کی ریاست کو لڑ کر واپس لینے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی زمانے میں جب کہ اسپین کی مخالفت کا جوش عام تھا، نئے انتخابات ہوئے اور ۱۶۲۴ء کی اس پارلیمنٹ میں ایک آواز بھی صلح کی حمایت میں بلند نہ ہوی۔ بحث طلب امر صرف یہ تھا کہ ریاست لے لے لی ٹینیٹ پر براہ راست فوج کشی کی جائے یا اسپین پر دباؤ ڈالا جائے۔ آخر پیلے لی ٹینیٹ پر حملے کا فیصلہ ہوا اور بارہ ہزار انگریز جوان کاونٹ میبنس فیلڈ کے سپرد کئے گئے جو فریڈرک کا نائب اور ایک چالاک مگر بے اصول سپاہی تھا جسے قسمت نے اس رتبے تک پہنچایا۔ لیکن مہم میں سخت بدانتظامی ہوئی۔ انگریز سپاہی اسپین کے خلاف تو خوشی سے لڑتے مگر جرمانیہ میں ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ جب وہ ہولینڈ پہنچے تو نہ کھانا پیٹ بھر کر ملتا تھا نہ بدن پر ٹھیک کپڑا میسر تھا۔ اسی حالت میں کشتیوں پر سوار کر کے رائن کے راستے روانہ کئے گئے اور صدہا ضائع ہوئے۔ ساری مہم کا نتیجہ اگر کچھ نکلا تو یہ کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ چارلس اور بکنگھم انتظامی قابلیت سے عاری ہیں۔

ادھر امیر خزانہ ڈلسکس "یا مڈل سکس" سے پارلیمنٹ میں مواخذہ ہوا اور سزا دی گئی۔ یہ شخص لائونل کرین فیلڈ کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور ان دنوں ہوشیار و کفایت شعار وزیر خزانہ تھا۔ ظاہراً تو اس پر تغلب کا الزام لگایا گیا لیکن حقیقت میں پارلیمنٹ کی دشمنی کا سبب یہ تھا کہ وہ جنگ کے خلاف تھا۔ اس دار و گیر میں چارلس نے عجیب و غریب حماقت سے خود بھی نمایاں حصہ لیا۔ پارلیمنٹ نے نئی ایجادوں کے علاوہ اور سب اجارے منسوخ کئے اور کینھولک منحرفین کے خلاف

باب اول

قوانین کی شدید پابندی پر بادشاہ کو توجہ دلائی۔ حالانکہ اسی زمانے میں جیمس اور چارلس نے لوئی سیزدہم شاہ فرانس کے ساتھ خفیہ قرارداد کرلی تھی کہ اس کی بہن ہنریتا ماریہ چارلس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی اور مذکورۂ بالا قوانین معطل کردئے جائیں گے۔

سیاسی امور سے عملاً دستکش ہونے کے بعد جیمس زیادہ مدت زندہ نہ رہا۔ نقرس اور بخار کے پیہم حملوں نے جسم و دماغ دونوں کو کمزور کردیا تھا اگرچہ پرانی ذہانت کبھی کبھی عود کر آتی تھی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ مڈل سکس سے مواخذے کا قضیہ سن کر مرنے سے کچھ ہی روز قبل اس نے چارلس سے کہا کہ وہ بھی ایسے پیٹ بھر کے مواخذوں تک زندہ رہے گا۔ مارچ ۱۶۲۵ء میں جیمس نے وفات پائی۔

مشہور واقعات

ہیمپٹن کورٹ کی مشاورۃ	سنہ ۱۶۰۴ء
باروت والی سازش	سنہ ۱۶۰۵ء
روبرٹ سیسل کی وفات	سنہ ۱۶۱۲ء
"گندی پارلیمنٹ"	سنہ ۱۶۱۴ء
جنگ سی سالہ کا آغاز	سنہ ۱۶۱۸ء
بیکن سے قانونی مواخذہ	سنہ ۱۶۲۱ء
چارلس اور بکنگھم اسپین جاتے ہیں	سنہ ۱۶۲۳ء
اجاروں کی منسوخی	سنہ ۱۶۲۴ء

باب دوم

حصہ اول

چارلس اول ؛ سنہ ۱۶۲۵ تا سنہ ۱۶۴۹ء

ولادت۔ سنہ ۱۶۰۰ء۔ ازدواج با ماریہ (فرانسیسیہ) سنہ ۱۶۲۵ء۔
قتل سنہ ۱۶۴۹ء۔

معاصرین :— فرانس.......... لوئی سیزدہم و چہاردہم
اسپین.......... فلپ سوم و چہارم
شہنشاہ.......... فرڈی نینڈ دوم و سوم

چارلس کی خصائل

تخت نشینی کے وقت چارلس کی عمر پچیس سال کی تھی اور اس کی عادتیں اور مزاج پختہ ہو چکے تھے۔ بادشاہی کے ظاہری لوازم سے جہاں تک تعلق ہے، وہ نہایت قابل تعریف بادشاہ تھا۔ باپ میں تو یہ بات نہ تھی مگر اُس کے چہرے مُہرے سے شاہی وجاہت برستی تھی۔ البتہ جیمس کی نیک نہادی اُس میں نہ پائی جاتی تھی۔ وہ زیادہ تر شرمیلے پن کی وجہ سے الگ الگ رہتا تھا اور اپنی رعایا سے ایسے روابط نہ رکھتا تھا کہ ان کی صحیح رائے معلوم کر سکتا جس طرح کہ الزبتھ و ہنری ہشتم ہمیشہ معلوم کر لیا کرتے تھے افسوس ہے بچپن میں صحت کی خلقی خرابی نے تعلیم کو زیادہ باقاعدہ نہ رہنے دیا اور اسی لئے تاریخ و سیاسیات

باب دوم

یا مذہب کی معلومات میں اُسے باپ کی مثل نمایاں تبحر نصیب نہ ہو سکا۔ پھر یہ کہ جیمس تو عالم بے عمل تھا لیکن چارلس اپنی کم علمی اور محدود نظر ہونے کے باعث جس بات پر اَڑ جاتا اس کا دوسرا پہلو نہ دیکھ سکتا تھا۔ بچپن کے لاڈ پیار نے بھی اسے ہٹ پوری کرنے کی عادت ڈال دی تھی اور فیر فیکس کا قول تھا کہ "وہ بادشاہ طبعاً سخت ہے"۔ یہ عیوب تو قابل تاسف تھے لیکن زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ چارلس میں کوئی ذہانت و جدت طرازی نہ تھی کیونکہ وہ عمدہ قوت متخیلہ ہی نہ رکھتا تھا اور اسی لئے یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے وعدوں کا مطلب کیا ہے یا جن لوگوں سے وعدے کئے جا رہے ہیں، وہ کیا مطلب لیں گے۔ باپ سے کوئی شے ورثے میں ملی تو شاید صرف یہ کہ چارلس بھی شاہی حقوق و اقتدار پر حد سے بڑھ کر یقین و وثوق رکھتا تھا۔ زمانہ بدل جانے کے باوجود، وہ سمجھتا تھا کہ اُسے ٹیوڈر بادشاہوں کے جملہ اختیارات برتنے کا حق حاصل ہے اور اپنے عہد کے لوگوں کی خو خصلت میں جو فرق تھا، اس کی چارلس کو نہ پروا تھی نہ پرکھ۔ بکنگھم دربار میں داخل ہوا تو چارلس کی عمر پندرہ سال کی تھی جیمس کی حماقت نے ان دونوں نوجوانوں کو بچا رہنے سہنے کا موقع دیا اور چارلس کے ذہن میں یہ نقش کہ بکنگھم جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ اور بہترین نمونہ ہے، ایسا بیٹھا کہ پھر مدت العمر محو نہ ہوا۔ بادشاہ کا یہ ممدوح، جاہل

بکنگھم

مگر اپنی ذانت پر بڑا بھروسہ رکھتا تھا۔ یہی نہیں کہ وہ محض دربار میں محبوب تھا، بلکہ درحقیقت اس میں وہ شان و تمکنت پائی جاتی تھی جو معمولی منظوروں کی بجائے اسے بہت کچھ الزبتھ کے امیسٹر کے ہم پلہ بناتی ہے۔ وہ بڑے کام کرنے کا مشتاق اور عہد الزبتھ کی شان و شکوہ تازہ کرنے کا آرزومند تھا اگرچہ ان آرزوؤں کو عمل میں لانے کے کارگر وسائل کی اسے کچھ خبر نہ تھی۔

کیتھولک

چارلس نے بادشاہ ہو کر بسم اللہ ہی غلط کی۔ جب معلوم ہوا کہ فرانسیسی ماریہ کی شادی کی شرطوں میں کیتھولک فرقے کے لئے وہی رعایت چاہتے ہیں جو اسپین کے مطالبے پر قبول کرلی گئی تھیں، تو چارلس اُن قانونی قیود کے تعطل پر رضامند ہو گیا۔ ۱۶۲۴ء کی پارلیمنٹ میں اس نے صراحۃً

باب دوم

اقرار کیا تھا کہ فرانسیسی رشتے کی شرطوں میں کیتھولک فرقے سے رعایت کرنا ہرگز داخل نہ ہوگا، لہذا اب اُس کی رضامندی سے لازم آگیا کہ یا پارلیمنٹ سے جھوٹا بنے یا شاہِ فرانس سے۔ مگر اس قسم کا دغل و فریب چارلس کے طریق عمل کی خصوصیت تھا اور اُس پر جو آیندہ مصیبتیں پڑیں ان کی بہت کچھ وجہ اسی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ بہر حال، غلطی کی اُس نے کچھ پروانہ کی اور اتحاد فرانس کے فوائد کی امیدیں، دل میں رکھ کر کے اسپین سے اعلان جنگ کر دیا۔ ساتھ ہی روپے کی منظوری کے لئے انعقادِ پارلیمنٹ کے حکم نامے جاری ہو۔ پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو دارالعوام میں وہی فیلپس، کوک وغیرہا پیش پیش تھے جنھوں نے جیمس کے زمانے کی پارلیمنٹوں میں پہلے بھی بہت کچھ حصہ لیا تھا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ میں اختلاف کے بہت سے آثار نظر آنے لگے۔ چارلس تو فرانس سے کیتھولک فرقے کے خلاف قوانین کا نفاذ ملتوی کرنے کا وعدہ کر چکا تھا اور پارلیمنٹ نے معروضہ پیش کیا کہ ان قوانین پر سختی سے عملدرآمد ہونا چاہیئے۔ چارلس نے بڑے شوق سے جنگ کے لئے رقم کثیر کا مطالبہ کیا تھا اور پارلیمنٹ نے جب تک مصارف کی تفصیل اور مہم کی قیادت کا حال نہ معلوم ہو، ہاتھ روک لیا۔ چارلس مون ٹیگیو پادری کو جس نے کالوِنی عقائد کے خلاف لکھا، ترقی دے رہا تھا اور دارالعوام میں اس پر قانونی مواخذہ کرنے کی تیاریاں تھیں۔ ہنری ششم کے عہد سے قاعدہ ہو گیا تھا کہ محاصل کروگیری کی منظوری بادشاہ کی عمر بھر کے لئے دے دی جاتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ قباحت یہ ہوئی کہ عوام محاصل کے پورے مسئلے کا تصفیہ کرنے کی فکر میں تھے، انھوں نے صرف سال بھر کی منظوری دی اور چونکہ تھوڑے ہی دن میں طاعون کے باعث پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی لہذا یہ منظوری بھی دارالامرا کی تصدیق اور تکمیل سے محروم رہ گئی۔

پہلی پارلیمنٹ

اجلاس آکسفرڈ

چند مہینے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس دوبارہ آکسفرڈ میں ہوا لیکن اس وقفے میں تازہ مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ اسپین سے جنگ میں حصہ لینے کی غرض سے انگلستان نے فرانس کو ایک جنگی اور سات تجارتی جہاز مستعار دئیے تھے لیکن لوگوں نے بھانپ لیا کہ عجب نہیں اسپین کی بجائے ان

باب دوم

جہازوں سے لارڈ رشیل کے ہیوگینو کے خلاف کام لیا جائے کیونکہ فرانس کا وزیر رشیلیو ہیوگینو فرقے کے قلعہ بند شہروں کی نیم خود مختاری سے سخت ستو ہم ہو گیا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ گھر کی طرف سے اطمینان حاصل کئے بغیر بیرونی جنگ میں کود نا پسند نہ کرے گا رشیلیو ، ہیوگینو فرقے کی آزادی عبادت میں دخل دینے کی ہرگز نیت نہ رکھتا تھا مگر انگلستان والے عام طور پر اسے پروٹسٹنٹ فرقے کا متعصب اور ظالم دشمن سمجھتے تھے ۔ غرض انگریز ملاحوں نے اُن جہازوں میں کام کرنے سے انکار کر دیا اور ایک کے سوائے باقی سب گھر چلے آئے ۔ ادھر اسی زمانے میں شادی کی شرائط اور معاہدے کی افواہیں آہستہ آہستہ پھیلنی شروع ہوئیں ۔ پھر جب معلوم ہوا کہ ہنریٹا ماریہ عبادت کی پوری آزادی سے بہرہ مند ہے اور سزا یافتہ کیتھولک پادریوں کو معافی دے کے چھوڑا جا رہا ہے ، تو ملک بھر میں شدید ناراضی پیدا ہو گئی ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پارلیمنٹ میں حکومت پر ایک اور حملہ ہوا ۔ بکنگھم آمادہ تھا کہ پارلیمنٹ کے معاہدے کا سرکاری طور پر انکار کر دیا جائے خواہ فرانس سے جھگڑا ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اُدھر پارلیمنٹ خود اس مختار کل وزیر سے قانونی مواخذے کی فکر میں تھی کہ بادشاہ نے پارلیمنٹ کو برخاست کر کے ساری کارروائی ختم کرا دی ۔

قادص کی مہم

مگر مزید روپے کی منظوری ملے بغیر پارلیمنٹ کے درہم برہم ہو جانے سے چارلس بڑی مشکل میں پھنس گیا کیونکہ اس نے مینس فیلڈ اور اپنے ماموں کرسچین شاہ ڈنمارک سے جو اب شمالی جرمانیہ کے پروٹسٹنٹوں کی سرگروہی کر رہے تھے ، زر نقد بلکہ اپنا بیڑا مرتب کر کے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بغیر روپے کے کسی طرح پورا نہ ہو سکتا تھا ۔ تب بکنگھم نے جو ہمیشہ نئی امید اور اطمینان کی صورت سوچ لیتا تھا ، بادشاہ کے ذہن میں یہ بات جما دی کہ اگر دوسری پارلیمنٹ طلب کرنے سے پہلے قادص کو ایک بحری مہم بھیجدی جائے جو اس بندرگاہ کے لوٹنے اور اسپین کے خزانے کے جہاز پکڑلینے میں ۱۵۹۶ء کی مہم کی یاد تازہ کر دے تو اہل ملک بادشاہ کو برسرحق اور سابق پارلیمنٹ کو غلطی پر سمجھنے لگیں گے ۔ چنانچہ دربار کے جملہ وسائل ایک بیڑے کی تیاری میں خرچ کئے گئے

باب دوم

لارڈ برلے کے پوتے سر ایڈورڈ سیسل کو اس کی قیادت تفویض ہوئی سیسل ولندیزی فوج میں عرصے تک خدمت کر چکا تھا۔ اسے آئندہ کامیابیوں کی مفت توقع پر وائی کاونٹ وِم بلڈن بنا دیا گیا لیکن حقیقت میں آزادانہ سپاہ سالاری کا اسے کوئی تجربہ نہ تھا اور ہوتا بھی تو جہازوں کی بدحالی اور سامان رسد کی کمی کچھ کرنے دھرنے نہ دیتی۔ اس کا نائب امیر اسیکس مقرر ہوا تھا لیکن خود بے دل سپاہی لڑائی سے جان چرائے تھے۔ اس فوج و سامان سے کوئی بہت ہی غیر معمولی سپہ سالار کامیابی حاصل کر سکتا تھا، وِم بلڈن تو قطعاً ناکام رہا۔ حملے میں دیر ہو جانے سے اسپین والے اپنے جہازوں کو اندرونی گودیوں میں ہٹا لائے۔ انگریز سپاہی ساحل پر اترے تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ شراب میں پی پی کے بدمست ہوگئے۔ زر و جواہر کی کشتیاں ہاتھ سے بچ کے نکل گئیں مہم اس حال میں واپس ہوئی کہ سپاہی مریض و ماندہ تھے اور مجموعی طور پر سینس فیلڈ کو خشکی پر جیسی ناکامی ہوئی تھی، وِم بلڈن کو بحری مہم میں اسی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس مصیبت نے چارلس اور بکنگھم کی ساری موہوم امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور نئی پارلیمنٹ کے سامنے اپنی بے ضابطگیوں کی کوئی تاویل باقی نہ رہی۔ دوسرے کیتھولک فرقے کے متعلق شاہ فرانس سے جو جھوٹے وعدے کر لئے گئے تھے، ان کا پول کھل گیا تو دونوں درباروں میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ہنریٹا ماریہ ذاتی طور پر بھی اپنے شوہر سے خوش نہ رہی۔ ریشلیو ہیوگینو فرقے کی سرکوبی میں کوشاں تھا اور چونکہ مصالحت کی صورت نہ نکل سکی تھی لہٰذا الارو شیل کے باقاعدہ محاصرے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ چارلس نے لوئی اور اس کی پروٹسٹنٹ رعایا میں ثالثی کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا لہٰذا وزیر فرانس کی یہ کارروائیاں اسے اپنی اہانت کے مرادف محسوس ہوئیں اور اسپین کے مقابلے میں اتحاد کی بجائے اب یہ آثار پیدا ہو گئے کہ خود ان اتحادیوں میں باہم جنگ کی نوبت آجائے گی۔

چارلس ان پیچیدگیوں سے واقف تھا مگر یہ سمجھ کر کہ پہلی پارلیمنٹ سے نزاع کا اصلی سبب چند سرکردہ مبعوث تھے، اس لئے یہ چال چلی کہ نئے انتخاب کے حکمنامے جاری کرنے سے پہلے فیلپس، کوک، وینٹ ورتھ اور چند خاص خاص اشخاص کو ان کے پرگنوں میں سرکاری عامل (شیرف) مقرر کر دیا تاکہ وہ

باب دوم

پارلیمنٹ میں رکن ہی نہ منتخب ہو سکیں۔ لیکن ان کی بجائے جو لوگ منتخب ہوئے وہ قابلیت میں کم ہونے کے باوجود بکنگھم کے انتظام سے اتنے ہی ناراض تھے۔ دوسرے عاملوں کے انتخاب میں ایک شخص کا نام چھوٹ گیا اور وہی چارلس کے حق میں بغلی گھونسا ثابت ہوا۔ یہ سرجان الیئٹ، "دوکارنول" کا زمیندار تھا اور

الیئٹ

اسے مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ زمانۂ سابق میں بکنگھم سے اس کی دوستی تھی اور ڈیون شر میں نائب البحر رہا تھا۔ لیکن تجربے نے اسے بخوبی یقین دلا دیا تھا کہ بکنگھم ملک کو تباہ کر رہا تھا اور اب الیئٹ سے بڑھ کر حکومت کا دشمن شاید دوسرا اور کوئی نہ ہوگا۔ مزید برآں وہ رہنما بننے کی قدرتی صلاحیت رکھتا تھا اور جو تقریریں محفوظ ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے بہترین فصحا میں شمار ہونے کا مستحق ہے۔ غرض پارلیمنٹ

بکنگھم سے مواخذہ۔

منعقد ہوئی تو الیئٹ رہنما اور پیم، سر ڈڈلی ڈگز اور چند اور افراد اس کے مددگار تھے۔ انھوں نے "درشکایتوں کی شکایت" بکنگھم کو قرار دے کر اسی پر حملے شروع کئے اور آخر میں اس کے خلاف مواخذہ مرتب کیا۔ اس مواخذے میں بہت سے الزام جھوٹے اور مبالغہ آمیز تھے جیسا کہ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بکنگھم سے جو کچھ غلطیاں ہوئی ہوں، اُس نے سلطنت کو اپنے قائم رہنے کے لئے لوٹا نہیں اور نہ انگلستان کی اغراض کو ذاتی اغراض پر قربان کیا۔ چارلس نے الیئٹ اور ڈگز کو فوراً قلعۂ لندن میں بھجوا دیا مگر دارالعوام تلا ہوا تھا کہ یا تو وہ آزاد کئے جائیں یا اجلاس میں کوئی کارروائی ہی نہ ہوگی۔ بادشاہ کو رقمی منظوریوں کی فکر تھی لہٰذا دبنا پڑا اور یہی معاملہ دارالامرا میں پیش آیا کہ اُمرا نے امیر آرنڈل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور چارلس کے ساتھ جیسا دارالعوام میں برتاؤ ہوا تھا وہی سرد مہری اُمرا نے دکھائی۔ قوم کے جذبات سے چارلس کی بے خبری دیکھئے کہ انھی دنوں اس نے اصرار کیا کہ کیمبرج میں بکنگھم کو امیر جامعہ منتخب کیا جائے۔ اس کے جواب میں عوام نے ایک عام احتجاج تیار کیا جس میں حکومت کی ساری حکمت عملی پر اعتراض اور بکنگھم پر مقدمہ چلانے کا اصرار تھا۔ یہ فعل انگلستان کی تاریخ میں

باب دوم

یادگار واقعہ ہے کیونکہ اگر دارالعوام کا مطالبہ کہ بکنگھم کو معزول کیا جائے قبول کر لیا جاتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وزرا بادشاہ کے بجائے پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ الزبیتھ کے عہد میں ایسا نہ تھا اور چارلس مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ خود اس کے عہد میں ایسا نہ ہونے پائے گا۔ اُس کی نظر میں پارلیمنٹ کا کام "مشورہ دینا تھا نہ کہ نگرانی کرنا" اور اگر اس کے خلاف عمل ہو تو گویا بادشاہ کی بادشاہی رہ جاتی اور حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جاتی اور چارلس کسی طرح یہ اصول قبول کرنے والا نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے کارروائی روکنے کے لئے پھر پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔

چونکہ پارلیمنٹ سے روپے کی کوئی منظوری نہ ملی تھی لہذا چارلس نے اب ہر پرگنے سے نذرانہ وصول کرنے کی کوشش کی اور یہ خدمت ہر ضلعے کے عامل عدالت کے سپرد ہوئی۔ الیئٹ وغیرہ جن سے مخالفت کا اندیشہ تھا، عہدوں سے برطرف کر دئے گئے اور شروع میں یہ تدبیر خاصی کامیاب بھی رہی لیکن رفتہ رفتہ مخالفت کا جذبہ پیدا ہوا اور پرگنے پرگنہ نذرانہ دینے سے انکار کرنے لگا۔ یہ خبریں سن کر چارلس نے غصے میں جبراً قرض لینے کی کوشش کی مگر اسے حکام عدالت نے بلا تامل ناجائز قرار دیا اور میر عدل کرو کو آزادی رائے کے باعث خدمت سے الگ کر دیا گیا جس طرح پہلے کوک علحدہ کیا گیا تھا۔ لیکن حکام عدالت کا فیصلہ گویا عام مخالفت کا اشارہ تھا اور چارلس نے اپنی ناکامی پر برافروختہ ہو کر سرگروہوں کو مجلس شاہی کے روبرو طلب کیا اور زندان شاہی میں ڈلوا دیا۔ اس حرکت نے ایک اور خلفشار پیدا کیا اور لوگ سوال کرنے لگے کہ آیا ہم رتبہ اشخاص کے سامنے مقدمہ کئے بغیر کسی کو قید میں ڈالنے کا بادشاہ کو حق بھی ہے یا نہیں اور "منشور اعظم" کے حوالے دئے جانے لگے۔ آزمائش کی غرض سے پانچ سردار جنھوں نے قرض دینے سے انکار کیا تھا، مل کر عدالت شاہی میں دعوی دار ہوئے کہ "پروانہ آزادی" عطا کیا جائے کیونکہ ہم نے کوئی قانونی جرم نہیں کیا۔ داروغۂ قیدخانہ کا جواب یہ تھا کہ وہ بادشاہ کے خاص حکم سے قید کئے گئے اور واقع میں مجلس شاہی کے بلا مقدمہ چلائے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی نظیریں بھی موجود تھیں لیکن مستغیثوں کے

باب دوم

وکلا نے قریب زمانے کی نظیروں کے مقابلے میں قدیم آئین کے اصول پیش کیے۔ عدالت اعلیٰ مسئلے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکی مگر اس نے قیدیوں کو ہدایت کی کہ بادشاہ کی فرد قرار داد جرم کے مرتب ہونے تک وہ انتظار کریں۔ ادنیٰ طبقے کے لوگوں سے چارلس نے اور بھی ظالمانہ برتاؤ کیا۔ بعض کو دھمکیاں دیں کہ جبراً فوج میں بھرتی کیے جائیں گے اور بعض کے گھروں میں اُن سپاہیوں کو جبراً ٹھہروا دیا جنھیں کوئی تنخواہ نہ ملی تھی اور ان بھوکے سپاہیوں نے غریب میزبانوں کو مفلس و قلاش کر دیا کہ وہ گھر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ غرض ہر طبقے کے افراد نے بادشاہ کی مخالفت میں حصہ لیا تھا اور ہر طبقے پر بادشاہ کا قہر و غضب نازل ہوا۔

فرانس سے جنگ

اس عرصے میں فرانس و انگلستان کے تعلقات کی کشیدگی نے، جیسا کہ مدت سے آثار نظر آتے تھے، باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ کچھ تو ان اسباب سے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں اور کچھ اس لیے کہ انگلستان والوں نے چند فرانسیسی کشتیاں اس عذر پر پکڑ لیں کہ وہ اسپینی نیدرلینڈز میں اجناس ممنوعہ لے جا رہی ہیں۔ فرانسیسیوں نے جواب میں انگریزوں کا ایک بیڑا جو محصول ادا کر کے بورڈو کی بندرگاہ سے شراب لے کر چلا تھا، گرفتار کر لیا۔ جنگ چھڑی تو فرانس کو نقصان پہنچانے کی سب سے صریحی صورت یہ نظر آئی کہ اہل لاروشیل کو مدد دی جائے جن کی ریشلیو نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ لاروشیل کی بندرگاہ جزیرۂ رہے کی زد میں تھی اسی جزیرے پر انگریزوں نے فوج کشی کی۔ سپہ سالاری خود بکنگھم نے اپنے ہاتھ میں لی اور بہترین اوصاف قیادت کا ثبوت دیا بایں ہمہ مہم کی تنظیم اتنی بری ہوئی تھی اور زبردستی بھرتی کیے ہوئے سپاہی اتنے بددل تھے کہ مہم ناکام رہی اور سپاہی ذلیل و رسوا ہو کر انگلستان واپس ہوئے۔ لوگ کہتے تھے کہ "جب سے انگلستان، انگلستان کہلایا، ایسا ذلت آمیز صدمہ نہ پہنچا تھا"۔ ظاہر ہے کہ یہ محض مبالغہ تھا۔ ہر نسل کے لوگ اپنی فتوحات اور شکستیں بڑھا چڑھا کے اسی طرح بیان کیا کرتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ لوگوں میں دلی ناراضی

پھیل گئی۔

بایں ہمہ یا تو چارلس ممالکِ یورپ میں اقتدار سے کلیتہً دست بردار ہوجاتا ورنہ مزید فوج اور روپیہ فراہم کرنا ناگزیر تھا۔ اور مجلس شاہی کی سب تجویزیں ناکام ہوچکیں تو پارلیمنٹ کو طلب کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اظہارِ آشتی کی غرض سے سیاسی قیدیوں کو رہائی دے دی گئی اور اس مرتبہ انتخابات میں بھی کوئی مداخلت نہ کی گئی۔ چنانچہ تمام پرانے نکتہ چیں منتخب ہوئے اور بادشاہ کے مقابلے میں پہلے سے بھی زیادہ قابل اشخاص جمع ہوگئے۔ اجلاس شروع ہونے سے قبل سرگروہوں نے طے کیا کہ بکنگھم سے مواخذے کی تجدید نہ کی جائے بلکہ گزشتہ پارلیمنٹ کے برخاست کے وقت سے اب تک جو بے ضابطگیاں ہوئی تھیں ان پر پوری توجہ مبذول ہو۔ چنانچہ کوک نے خودرایانہ طریق پر لوگوں کے قید میں ڈالنے پر اعتراض کیا۔ الیئٹ نے جبری قرضے پر وینٹ ورتھ نے شاہی کارندوں کی عام بے راہ روی پر۔ سب اعتراضات کا خلاصہ کوک ہی کے اعتراضات میں تھا جس نے یہ تنقیح مرتب کی کہ "آیا بادشاہ اظہارِ سبب کے بغیر کسی آزاد شخص کو قید کرسکتا ہے؟" وینٹ ورتھ کی رہنمائی سے اور الیئٹ، کوک، پم اور فلیپس کی ذیلی جماعت نے قانون کو ازسرِنو مرتب کرنا چاہا۔ وینٹ ورتھ گزشتہ پر صلواۃ بھیجنے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ آئندہ کا انتظام ٹھیک ہوجائے۔ لیکن چارلس کو یہ خبر ہوئی تو کہلا بھیجا کہ کیا تم لوگوں کو بادشاہ کے قول و قرار پر اعتماد نہیں ہے؟ اس پر دارالعوام نے جدید قانون مرتب کرنے کی بجائے ایک "معروضۂ حق" تحریر کیا۔ مسودۂ قانون کی صورت میں تو شاہی منظوری میقات کے ختم پر ہوتی اور معروضہ کا جواب فوراً مل سکتا تھا اور اسی پر دارالعوام فیصلہ کرتا کہ پانچ رقمی منظوریوں کے متعلق جو زیرِ غور تھیں، کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ دوسرے معروضے میں قانون کو جیسا تھا، اسی صورت میں دہرا دیا گیا تھا اور کسی خاص اندیشہ ناک زمانے کے لیے کوئی استثنائی شکل تسلیم نہیں کی تھی۔ دارالامرا نے معروضے کی تائید کی اور سرکاری طور پر اسے بادشاہ کی خدمت میں بڑھا دیا۔ اس

تیسری پارلیمنٹ

معروضۂ حق
Petition of Rights

باب دوم

عرضی میں فرمان شاہی ڈی ٹیلاگیولون کونسیڈنڈو... (دیکھو صفحہ ۲۲۳) اور منشور اعظم کا حوالہ دے کر درخواست کی تھی کہ آئندہ پارلیمنٹ کی متفقہ منظوری کے بغیر کوئی شخص نذرانہ، قرضہ، تحفہ، محصول یا اور کوئی رقم ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے... کسی آزاد مرد کو حراست یا قید میں نہ ڈالا جائے اور اعلیٰحضرت براہ کرم ان لوگوں کو جو اس طرح فوج میں داخل کر لئے گئے ہیں، آزاد کر دیں۔ یہ فوجی احکام منسوخ کئے جائیں اور آئندہ اس قسم کی فوجی خدمات تفویض نہ کی جائیں کہ مبادا ملک کے قانون اور حقوق کے خلاف، اعلیٰحضرت کی رعایا کا کوئی فرد، ایسے (جبری) فوجی نشان کی بدولت ضائع ہو یا قتل کر دیا جائے ''۔

معروضے کے منظور کرنے میں چارلس کو بہت تامل رہا لیکن بالآخر وہ دب گیا اور منظوری کے معاوضے میں پارلیمنٹ نے بھی اسے پانچوں رقمی منظور یاں دے دیں۔ ارکان دارالعوام کو خوشی تھی کہ انھیں کامل فتح نصیب ہوئی۔

مذہب

تاہم انھوں نے حکومت کے طرز عمل پر رائے زنی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور اسی غرض سے ایک احتجاج نامہ مرتب کیا جس میں حکومت کی خرابیاں بکنگھم سے اور کلیسا کی بدعنوانیاں لاڈ سے منسوب کیں بکنگھم خوشی سے تیار تھا کہ الزام لگانے والوں سے رُو در رُو گفتگو کرے کیونکہ اسے اپنے بے قصور ہونے کا یقین تھا لیکن چارلس نے صاف انکار کر دیا اور یہ راستہ بند ہوا تو دارالعوام نے پھر اپنی توجہ محاصل درآمد برآمد پر منعطف کی۔ وہ اِس محکمے کی پوری تنقیح کرنا چاہتے تھے اور چونکہ اِس میں دیر ہوتی لہذا انھوں نے آئندہ سیشن تک وصولِ محاصل کی اجازت دے دی۔

چارلس اس بات پر بھی رضامند نہ تھا اور جب دارالعوام نے تازہ حجت یہ نکالی کہ مذکورۂ بالا محاصل کا بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے وصول کیا جاتا ''معروضۂ حق'' کے خلاف ہے تو اس کے جواب میں بادشاہ نے فوراً پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔

ولیم لاڈ

اس وقفے میں چند اہم واقعات پیش آئے۔ اول یہ کہ لاڈ کو باتھ اور ویلز کی دُور دست اسقفی سے بدل کر لندن کی اہم اسقفی پر مقرر

باب دوم

کیا گیا۔ وہ ریڈنگ کے ایک لباس فروش کا بیٹا تھا۔ ۱۵۷۳ء میں پیدا ہوا اور آکسفرڈ کے سینٹ جان کالج میں تعلیم پائی۔ آکسفرڈ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس دارالعلوم کے مذہبی خیالات بہت کچھ کالونی ہیں۔ خود اس کے عقائد آرمینی تھے یعنی وہ اس گروہ میں تھا جو رومہ کی غلطیوں کی تکذیب میں تو پروٹسٹنٹ تھا مگر کالونی عقیدے کو بھی اس کا تنہا بدل نہیں مانتا تھا۔ بلکہ اس کے جبری عقیدے کے خلاف قدریت یا اختیار پر زور دیتا تھا۔ رسوم دین میں لاڈ کلیسائے انگلستان کے پرانے طریق پر چلنا چاہتا تھا اور ان کی سند کلیسا کے اگلے قدیم علما کی عادات و آرا سے لیتا تھا، جو حواریوں کے بعد کی نسل تھے۔ قدرتی طور پر کیتھولک اور پیوریٹن دونوں فرقوں میں یہ گروہ مطعون بن گیا کیونکہ کیتھولک تو پاپائی اقتدار سے انکار کے باعث اسے گمراہ سمجھتے تھے اور پیوری ٹن اس لئے کہ رسوم دینی میں وہ بہت کچھ اسی پرانے مذہب کا مقلد تھا۔ بایں ہمہ لاڈ نے آکسفرڈ کو اپنا ہمخیال بنالیا اور مجلس کلیسا میں اس کے خیالات اس حد تک قابل قبول سمجھے گئے کہ وہ بہت جلد جلد گلوسٹر کا مہتمم کلیسا، پھر سینٹ ڈیوڈ اور آخر میں باتھ اور ویلز کا اُسقف مقرر کیا گیا۔ جیمس کے عہد میں جو اس کی قابلیتوں کا معترف لیکن اس کی سرگرمیوں سے اندیشہ مند تھا وہ بادشاہ سے دور ہی کی خدمات پر مامور رہا۔ آخر چارلس نے کم احتیاطی سے لندن کا اسقف اور امور مذہبی میں اپنا مشیر مقرر کیا۔ لاڈ مخلص دستی آدمی تھا اور یقین رکھتا تھا کہ پیوری ٹن فرقہ بر سر غلط اور خود وہ صحیح راستے پر ہے۔ اسے پیوریٹن فرقے کے مخلص افراد سے ملنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کی صداقت اور جوش خدا پرستی کا اندازہ کرسکتا۔ اسی طرح خود وہ لوگ لاڈ کے اوصاف ذاتی کا صحیح اندازہ نہ رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرقۂ مذکور اور درباری علما میں اختلافات پہلے سے زیادہ وسیع ہوگئے۔

شہر لندن، پیوری ٹن گروہ کا خاص مرکز تھا لہذا وہاں کے بہت سے پادری بھی نئے اُسقف کے ہمنوا نہ نکلے اور لاڈ کی نسبت عام اہل انگلستان یہ سمجھنے لگے کہ وہ نہایت متعصب جابر ہے۔ بخلاف اس کے چارلس کو اپنے

باب دوم

مشیر پر کامل اعتقاد تھا اور اُس نے یہاں تک حماقت کی کہ لاڈ کی بعض نہایت ہی نامقبول کارروائیوں کے ساتھ اپنا نام شامل کئے جانے کی اجازت دے دی۔ سب سے شدید مناقشہ جن مسئلوں میں پیش آیا وہ عشائے ربانی کی میز یا قربان گاہ اور گشتی واعظوں کے حقوق تھے۔ پہلے مسئلے میں تو نام ہی پر جھگڑا اٹھا۔ دوسرے لاڈ تو میز کو گرجا کے مشرقی سرے پر خاص حرمت کے ساتھ لگانا ضروری سمجھتا تھا اور پیوری ٹن وسط میں منبر کے سامنے بلا کسی خاص احترام کے رکھنا چاہتے تھے۔ کئی سال عام طور پر یہی طریقہ، بعض بڑے کلیساؤں تک میں رائج ہوگیا تھا اسی لئے لاڈ کی اس کوشش سے کہ پادری آئندہ اس کی رائے پر عمل کریں جگہ جگہ سخت جھگڑے پیدا ہوئے۔ گشتی واعظوں کی ضرورت اور فوائد پر پیوری ٹن بہت زور دیتے تھے اور خود اُن کے بعض بہترین علما اسی طرح وعظ و تلقین کرتے پھرتے تھے۔ بخلاف اس کے لاڈ ہر پادری کو اپنے گرجا یا صرف اس مقام پر وعظ کی اجازت دینی چاہتا تھا، جہاں کے واسطے حلقے کے اسقف نے اسے اجازت نامہ دیا ہو۔ بادشاہ لاڈ کی تائید پر تھا بلکہ شاہی سرپرستی اُسی کے ہم خیال اشخاص کو حاصل ہوئی۔ کوزن کو ڈرہم کا نیل کو ونچسٹر کا جکسن کو لندن کا اور مونٹیگو کو چچسٹر کا اسقف مقرر کیا گیا۔ مین ویرنگ کو معقول وظیفہ عطا ہوا۔ اور جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے تھے انھیں کوئی ترقی نہیں ملی۔ شاہی الطاف واکرام کے عوض میں لاڈ اور اس کے دوست پوری تن دہی سے بادشاہ کے اقتدار و امتیاز پر تقریر و تحریر کرتے تھے اور ادھر رسیدہ کالونی فرقہ اب معترضین کے ساتھ مل گیا تھا۔ اس طرح سیاسی اور کلیسائی ناراضی نے ایک متحد فریق مخالف تیار کر دیا۔

وینٹ ورتھ جن دنوں لاڈ لندن کا اسقف مقرر ہوا، اُسی زمانے میں وینٹ ورتھ نے دارالعوام کے سرگروہوں سے قطع تعلق کر لیا۔ وہ یارک شر کے ایک پرانے خاندان کا آدمی تھا۔ ۱۵۹۳ء میں پیدا ہوا۔ کیمبرج میں تعلیم پائی اور بیرونی ممالک میں سیر و سیاحت کرنے کے بعد ادھر ہیم کے قریب اپنے دیہی مکان "وینٹ ورتھ وڈ ہاوس" میں رہنے سہنے لگا۔ یہاں وہ زینے دیہاتی کاروبار میں مصروف رہتا یا شکار اور سپاہیانہ کھیلوں میں وقت گزارتا اور

باب دوم

ان سب کھیلوں میں طاق تھا وہ جیمس کے عہد کی کئی پارلیمنٹوں میں مبعوث منتخب ہوا لیکن زیادہ سرگرمی نہ دکھائی۔ حتیٰ کہ بکنگھم کی بدنظمی نے اُسے بھی جوش دلایا۔ وہ شروع سے ایک منتظم اور کارروان حکومت کے قیام کا خواہاں تھا، اسے پیوریٹن عقائد کی کچھ پروانہ تھی اور بیکن کی طرح یہ بھی سمجھتا تھا کہ نیم خواندہ دارالعوام کی مداخلت سے ملک کو اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا باخبر وزرا کی عاقلانہ حکومت سے۔ معلوم ہوتا ہے اسے امید تھی کہ "معروضۂ حق" سے بے ضابطگیوں کا آئندہ سدباب ہوجائے گا اور وہ چارلس کو ایک اور موقع دینے پر آمادہ تھا۔ اسی لئے اس عرضی کے منظور ہونے پر وہ شمال میں چلا آیا اور "بیرن وینٹ ورتھ" کا نوابی خطاب قبول کرلیا۔ تھوڑے ہی دن میں اسے شمالی اضلاع کی مجلس کی صدارت دی گئی اور یہاں اس کی اعلیٰ انتظامی قابلیتوں کے جوہر کھلنے کا میدان ملا۔ وینٹ ورتھ، بکنگھم کے ساتھ مل کر کبھی کام نہ کرسکتا تھا کیونکہ اس کی قابلیتوں سے وینٹ ورتھ کو سخت سوئے ظن اور اس کی بیرونی حکمت عملی سے قطعی نفرت تھی لیکن ۱۶۲۹ء میں بکنگھم کو جان فیلٹن نے پورٹس متھ میں مار ڈالا۔

محاصل درآمد برآمد | ادھر بادشاہ محاصل درآمد برآمد کو حسب سابق برابر وصول کرارہا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ "معروضۂ حق" کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ان محاصل کو روک دیا جائے جو اس کی آمدنی کا ایک ربع تھے۔ لیکن مزاحمت بھی شروع ہوگئی تھی اور آلڈرمین چیمبرس مالگزاری کی کچہری میں لایا گیا تو اس نے جتایا کہ دنیا کے کسی حصے میں سوداگروں کو اس طرح نچوڑا اور چچوڑا نہیں جاتا، جس طرح انگلستان میں اور ترکی میں ان کے ساتھ انگلستان کی نسبت کہیں بہتر برتاؤ ہوتا ہے۔" یہ کلمات زبان پر لانے کے باعث وہ اسٹار چیمبر کی عدالت میں لایا گیا اور وہاں دو ہزار پاؤنڈ جرمانہ اور اعتراف قصور کرنے تک قید کی سزا ملی۔ مگر آفریں ہے چیمبرس پر کہ اس نے اس قسم کا کوئی اعتراف کرنا قبول نہ کیا۔

۱۶۲۹ء میں پارلیمنٹ کی میقات شروع ہوئی تو ارکان دارالعوام فوراً محاصل درآمد برآمد کے مسئلے پر متوجہ ہوگئے۔ مقررہ منظوری دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہی اضافے کا پریشان کن قضیہ تھا جو بیس برس سے طے ہونے میں

باب دوم

نہ آتا تھا۔ اگر محاصل درآمد برآمد اپنی جگہ پر رہتے تو مصالحت کی صریحی صورت یہ تھی کہ ان کو علیٰ حالہٖ منظور کر لیا جاتا۔ مگر زیادہ اچھی شرطوں کے لالچ میں ارکان پارلیمنٹ منظوری دینے پر آمادہ نہ ہوئے اور پھر جلد ہی اسے چھوڑ کر مذہب کے قضیئے پر متوجہ ہو گئے جو محاصل سے بھی زیادہ ضروری نظر آتا تھا اس معاملے میں دارالعوام نے الیئٹ کی سرگردہی میں انتہائی پہلو اختیار کیا گویا اصلاح کلیسا کی پوری تحریک پر کوئی حملہ کیا جا رہا تھا انھوں نے سب سے زیادہ لے دے چارلس کے اس فرمان کی کی جس میں بادشاہ نے نزاعی مسائل پر خاموش رہنے کی ہدایت کی اور حکم دیا تھا کہ ارکان دین کے جو معنی اسقفوں نے بتائیے ہیں وہ بے چون و چرا قبول کر لئے جائیں۔ مگر ظاہری معقولیت کے باوجود حقیقت میں یہ ارمینی فرقے کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتا تھا۔ اسی کے خلاف الیئٹ نے سخت احتجاج کیا اور لاڈ و مونٹیگیو جیسے فرقہ پرستوں کی رائے کو آخری فیصلہ مان لینے کی تجویز پر خوب گرجا برسا۔ لیکن افسوس ہے کہ خود دارالعوام بھی عقائد کے معاملے میں قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اور جس طرح اسقفوں کو اپنے مخالفین سے رواداری کرنے کا خیال نہ آتا تھا اسی طرح پیوری ٹن بھی اس جذبے سے عاری تھے۔ جس طرح لاڈ نے کالونی واعظوں کو عدالتِ تحقیقات میں طلب کر کے خوشیاں منائی تھیں، اسی قسم کا جذبہ دارالعوام کے ارکان میں ساری تھا جنھوں نے "ارمینی اور پاپائی بدعتوں کے بانیوں اور مویدوں" کو سزا دینے اور اُن کے مخالفوں کو کلیسائی عہدے دینے کا مطالبہ کیا؛ بہرحال چارلس اور عام رعایا کے درمیان جو خلیج تھی، روز بروز اس کی وسعت اور گہرائی ظاہر ہوتی گئی۔

محاصل درآمد و برآمد پر ارکان دارالعوام نے دوبارہ توجہ کی تو براہ راست حملہ کرنے کی بجائے انھوں نے محصول خانے کے عہدہ داروں سے بازپرس کرنی چاہی۔ لیکن یہ تدبیر بالکل نہ چلی کیونکہ چارلس نے اپنے ملازمین کے افعال کی پوری ذمہ داری خود لی اور دارالعوام کو ایک ہفتے کے لئے ملتوی کر دیا اور جب دوبارہ اجلاس شروع ہوا تو بادشاہ نے دوبارہ التوا کا حکم دیا۔ اس بار الیئٹ نے یہ حکم نہ مانا اور دوسرے ارکان بھی اُس کے ہمنوا ہو گئے۔ ہولز اور وے لن ٹائن نے

باب دوم

میر مجلس کو جبراً کرسی پر بٹھائے رکھا اور اصرار کیا کہ الیٹ کو بولنے کا حق ہے۔ پھر اس حالت میں کہ بادشاہی قاصد باہر دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور اندر عجب طرح کا جوش پھیلا ہوا تھا، تین قرار دادیں منظور ہوئیں جن میں دارالعوام کی، اُس وقت کے دونوں اہم مسئلوں پر رائے مندرج تھی۔ ان کے الفاظ یہ تھے:۔

۱۔ ”جو کوئی مذہب میں نئی بات نکالے گا، یا تائید خاص کے ذریعے پاپائیت یا ارمینیت کی ترویج یا توسیع کرنی چاہے گا، یا اس قسم کی آرا کی جو مذہب حقہ و مسلمہ کے خلاف ہیں، تو وہ اس ملک اور دولت عامہ کا پکا دشمن کہلائے گا۔“

۲۔ ”جو کوئی ایسے محاصل درآمد برآمد کے لگانے یا وصول کرنے کا جن کی پارلیمنٹ نے منظوری نہیں دی، مشورہ یا صلاح دے گا یا اس قسم کی وصولیابی میں شریک یا کارندہ بنے گا، وہ بھی نظم و نسق میں خرابی کا مرتکب اور ملک و دولت عامہ کا ایک دشمن کہلائے گا۔“

۳۔ ”اگر کوئی تاجر یا کوئی دوسرا شخص اپنی خوشی سے دبے گا یا مذکورہ محاصل کو جن کی پارلیمنٹ نے منظوری نہیں دی ادا کرے گا، تو وہ بھی انگلستان کی آزادی بیچنے والا اور ملک کا دشمن کہلائے گا۔“

پھر دارالعوام برخاست ہوگیا۔ یہ قرار دادیں اس کے بدترین اور بہترین پہلو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر پہلی قرار داد پر عملدرآمد ہوتا تو مذہبی آزادی پارلیمنٹ کی حکومت میں بھی ایسی ہی غیر ممکن ہوجاتی جیسے لاڈ کے ماتحت ہوگئی تھی۔ مگر دوسری اور تیسری قرار داد نے خود رایانہ محاصل کی وہ گنجائش باقی نہ چھوڑی جو ”معروضہ حق“ میں چھوٹی رہ گئی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ چارلس تینوں میں سے ایک بات بھی ماننے والا نہ تھا۔ وہ لاڈ کو قربان کرنے پر آمادہ نہ تھا نہ اُس آمدنی کو جد و جہد کے بغیر چھوڑ سکتا تھا جو شاہانِ ماسبق سے لبطور تو مسلم اسے پہنچی تھی۔ اس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور اپنی رائے کے مطابق ملک کو راہ راست پر چلانے کی خدمت ہاتھ میں لی۔ پہلا کام تو اس نے یہ کیا کہ الیئٹ، ہولز، وے لن ٹائن، اسٹروڈ، سلڈن اور دارالعوام کے پانچ دوسرے ارکان کو گرفتار کرا لیا۔ مجلس شاہی میں ان سے بازپرس ہوئی تو بعض نے

باب دوم

ایلیٹ وغیرہ کی گرفتاری

اور بعض دب گئے۔ لیکن ایلیٹ، نے وے لن ٹائن اور اسٹروڈ کی تائید سے یہ دلیری کی کہ جواب میں کہا کہ "میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک پارلیمنٹ میں جو کچھ ہوا ہے اس کے متعلق کچھ کہنا، پارلیمنٹ کی عزت کے خلاف ہے"۔ چارلس بہت بگڑا اور کہا کہ یہ شخص بالکل قانون سے باہر، جان مال سے ہاتھ دھوئے ہوے ہے"۔ ملزمین کی طرف سے باضابطہ ضمانت پر رہا کئے جانے کی درخواست ہوئی لیکن اس کا فیصلہ لمبی تعطیل تک ملتوی کر دیا گیا اور اس تمام مدت میں یہ لوگ قلعۂ لندن میں محبوس رہے آخر میں عدالت شاہی سے ایلیٹ پر دو ہزار پاؤنڈ، ہولز پر ایک ہزار مارک اور وے لن ٹائن پر پانسو پاؤنڈ جرمانہ ہوا۔ بعض ملزمین دب گئے لیکن ایلیٹ وے لن ٹائن اور اسٹروڈ اڑے رہے۔ چارلس نے بھی رحم نہ کیا۔ وہ ایلیٹ کو سرغنہ سمجھ کر سب سے زیادہ اسی سے ناراض تھا شاہی قیدیوں سے جو رعایتیں کی جاتی تھیں، وہ رفتہ رفتہ موقوف کر دی گئیں۔ اس کی صحت خراب ہونے لگی مگر دیہات میں جاکے رہنے کی درخواست نامنظور ہوئی اور جب وہ مرا تو اس وقت بھی خاص چارلس کے حکم سے اُسے اپنی خاندانی ہڑواڑ کی بجائے، قید خانے کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اسٹروڈ اور وے لن ٹائن اپنی بات پر اڑے رہے اور دو قصیر پارلیمنٹ،، کے انعقاد کے قریب، کہیں ۱۶۴۰ء میں جاکے رہا کئے گئے۔ ان لوگوں کے استقلال کی اہمیت کا بہت کم معاصرین صحیح اندازہ کرتے تھے لیکن نسل ہا نسل گزرنے کے بعد قوم نے اعتراف کیا کہ ایلیٹ حقیقت میں قومی شہید کا مرتبہ رکھتا ہے اور اسٹروڈ، وے لن ٹائن پارلیمنٹ کی آزادیٔ عمل اور آزادیٔ تقریر کے سچے وکیل تھے۔ چارلس نے اُس وقت پارلیمنٹ کے ساتھ کام کرنے کا خیال ہی چھوڑ دیا تھا اور اب دیکھنا یہ تھا کہ آیا نظم و نسق کی خوبی سے وہ اپنی رعایا کو ایک مطلق العنان حکومت سے رضامند کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے یا یہ کہ خود حالات اسے رفتہ رفتہ جبر و جور کی ایسی حکومت قائم کرنے پر مجبور کر دیں گے جس کا ابتدا میں کوئی تخیل تک اُس کے ذہن میں نہ تھا۔

صلح کی حکمت عملی

الغرض ۱۶۲۹ء کی پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد گیارہ سال تک

باب دوم

مطلق العنان حکومت کا دور دورہ رہا۔ اس عہد کے ابتدائی حصے میں چارلس کا بڑا مشیر رچرڈ (لارڈ ویسٹن) تھا جس نے آگے چل کے ارل پورٹ لینڈ کا خطاب پایا اور اپنی وفات ۱۶۳۵ء تک وزیر خزانہ رہا۔ اسے بکنگھم نے ترقی دی تھی لیکن وہ اپنے سرپرست کی اولوالعزمانہ تجویزوں کا مؤید نہ تھا۔ مڈلسکس کی طرح وہ صلح کو ترجیح دیتا اور سخت کفایت شعاری سے مالیات کی حالت درست کرنی چاہتا تھا۔ اس کے اخلاق میں درشتی اور خود رائی تھی اور اس کے دوست معدودے چند تھے۔ عقائد کے معاملے میں بادشاہ کا رہنما لاڈ تھا لیکن جب تک ایبٹ زندہ رہا اسے لندن کے اسقفی حلقے کے سوا، اور کوئی سرکاری اقتدار حاصل نہ تھا۔ وینٹ ورتھ زیادہ تر شمالی اضلاع کے کاموں میں مصروف رہتا تھا، مگر لارڈ ویسٹن (وزیر خزانہ) اور وینٹ ورتھ کی صلاح سے اپریل ۱۶۲۹ء میں فرانس سے اور اسی نومبر میں اسپین سے صلح کر لی گئی۔ اس کے بعد بھی چارلس اس دھن میں رہا کہ پیلےٹی نیٹ کی ریاست فریڈرک کو واپس مل جائے اور کبھی اسپین سے مل کر اور کبھی فرانس کے ساتھ ہو کر ایسا ہو جانے کی امیدیں پکاتا رہا لیکن چونکہ برّاعظم کی لڑائیوں میں اس نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا لہذا مذکورۂ بالا دونوں ملکوں میں اس کی سلسلہ جنبانی نگاہِ تحقیر سے دیکھی گئی۔

مالی دشواریاں وزیر خزانہ (لارڈ ویسٹن) کی کفایت کے باوجود خزانہ معمور نہ ہو سکا۔ بے شبہ محاصل درآمد و برآمد بھی ادا کئے جانے لگے کیونکہ سوداگروں کو تجارت کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہوا اور پارلیمنٹ کی طرف سے کسی اعانت کی امید باقی نہ رہی۔ صلح ہو جانے سے بھی خرچ میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔ بایں ہمہ چارلس کے اسراف میں کمی نہ آئی اور ہنریٹا ماریہ بھی بقول اپنے شوہر کے، "بد انتظام گھر ہستن" تھی۔ لہذا ہر کام میں نظر اسی پر رہتی تھی کہ روپیہ خزانے میں کھینچا جائے۔ وصولی کی ان کوششوں کو، بہتر ہوگا کہ تین عنوانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ (اول) وہ کوششیں جو محض روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ہوئیں۔ (دوسرے) وہ جن کا ظاہری مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا اور (تیسرے) وہ جن سے تجارت کو فروغ دینا مقصود تھا۔ پہلے عنوان میں محاصل درآمد و برآمد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کی وصولی کے متعلق شروع میں تو چارلس یہ عذر کر سکتا تھا کہ میں وہی کر رہا ہوں جو الزبیتھ کی

وفات اور پارلیمنٹ کی باقاعدہ منظوری کے درمیان کے وقفے میں جیمس اول کا عمل تھا لیکن پارلیمنٹ نے آخری انفساخ سے قبل جو قرارداد منظور کی، اُس کے بعد مذکورۂ بالا عُذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ دوسری چیز خطاب مبارزی حاصل نہ کرنے کا تاوان تھا بے شبہ قانونِ رائج الوقت کے الفاظ کی رُو سے بادشاہ کو پورا حق تھا کہ ہر مبارز کو جس کی آمدنی چالیس پاؤنڈ سالانہ ہو، مبارزی خطاب (نائٹ ہڈ) قبول کرنے یا جُرمانہ ادا کرنے پر مجبور کرے لیکن سو برس سے اس حق سے کام لینے کی نوبت نہیں آئی تھی اور چارلس نے اس پر اصرار کیا تو زمینداروں میں خواہ مخواہ ناراضی پیدا ہوئی؛ وصول زر کی غرض سے تیسری کارروائی یہ عمل میں آئی کہ جنگلوں کی از سرِ نو پیمائش کی گئی۔ منشوروں کی تصدیق کے بعد ہی ایڈورڈ اول نے ان کی حدود معین کردی تھیں مگر چارلس کے قانونی مشیر اڑے ہوئے تھے کہ بہت سے قطعات جو ہنری ثانی کے زمانے میں جنگل تھے، اُس پیمائش میں چھوڑ دئے گئے اور اب جو لوگ ان اراضی پر قابض ہیں، انھیں استقرار ملکیت کے لئے تاوان بھرنا چاہئے اس کا اثر جنگل کی تمام اراضی کے زمینداروں پر پڑا اور، مثال کے طور پر، روکنگھم کا جنگل ہی ۶ میل سے بڑھا کے ساٹھ میل قرار دیا گیا۔ یہ سچ ہے کہ تاوان قلیل تھا اور ضبطی وغیرہ کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن لوگوں کو بہت ناگواری ضرور پیدا ہوئی اور تاوانِ مبارزی کی طرح اس کارروائی سے نقصان بھی ایسے طبقے کو ہوا جو محاصل درآمد برآمد سے متاثر نہ ہوتی تھی اور جس پر شہر کے پیوریٹن عقائد کا بھی چنداں اثر نہ تھا۔

دوسرے عنوان کے تحت میں جو رقوم وصول کی گئیں ان کی یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ اُس زمانے کے خیالات کے مطابق ان کا مقصد اچھا تھا، اور وصول زر محض ایک ثانوی غرض تھی۔ دیہات کی ویرانی اور شہروں میں کثرت آبادی کی روک تھام اُس زمانے میں بھی ایسے ہی توجہ طلب مسائل تھے، جیسے آج کل ہیں۔ چارلس کے عہد میں سر انٹونی اور بیر وغیرہ اشخاص پر جرمانے کئے گئے کہ انھوں نے دیہی مکان ڈھائے اور نیز قابل زراعت اراضی کو بنجر ہو جانے دیا تھا اور دوسری طرف اسٹار چیمبر کی عدالت

باب دوم

نے لندن کے عمارت سازوں اور کرایہ داروں سے بھی خوب ڈنڈ لیا کہ وہ شہر میں مکان بنائے چلے جاتے تھے یا حد سے زیادہ آدمیوں کو مکانوں میں ٹھیراتے تھے۔

تجارت کی تنظیم اُن دنوں حکومت کے فرائض میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اہل دربار کو اجاروں کا ملنا اس قدر نامقبول تھا کہ ۱۶۲۴ء میں اس کی ممانعت کر دی گئی لیکن کسی مشترکہ جماعت کو خاص تجارت یا صنعت تفویض کرنا ایسا معیوب نہ تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ شخصی مقابلے کی بجائے تجارت کسی مستند جماعت کے ہاتھ میں دے دی جائے تو مال اچھا ملے گا۔ لیکن چونکہ اس قسم کی جماعتیں اجارہ پانے کے عوض روپیہ دینے پر آمادہ رہتی تھیں، لہٰذا یہ وصولی کی بھی ایک نئی بنائی صورت تھی چنانچہ لندن میں کوئلہ بہم پہنچانے کا حق جہاز سازی کے جس کارخانے کو دیا گیا تھا اس سے اقرار تھا کہ گرمیوں میں سترہ شلنگ اور سردیوں میں انیس شلنگ فی "چالڈرن" (= تقریباً ۲۷ من) نرخ سے کوئلہ فروخت کرے گا اور فی چالڈرن ایک شلنگ شاہی خزانے میں ادا کرے گا۔ صابون سازی کا اجارہ ایک دوسری جماعت کو دیا گیا تھا جو فی ٹن ۸ پونڈ نذرانہ ادا کرتی تھی۔ اسی طرح، نشاستہ، شراب، اینٹ وغیرہ مختلف اشیا کا انتظام کیا گیا تھا۔ مجموعی طور پر ان انتظامات سے فائدے کی نسبت نقصان زیادہ پہنچتا تھا اور تجارت پیشہ طبقوں میں اجاروں سے بہت ناراضی پیدا ہوتی تھی۔

آئرستان ۳۲-۱۶۳۱ء کے جاڑوں میں **وینٹ ورتھ** آئرستان کا نائب شاہ یا والی مقرر ہوا۔ ۱۶۱۵ء میں چیچسٹر اس عہدے سے ہٹا تو سر اولی ورسن جَن، اور ہینری کیری (= لارڈ فاک لینڈ) مقرر ہوئے اور انھوں نے چیچسٹر کے نظم ونسق کی تقلید کی اور السٹر کی طرح ویکس فرڈ، لانگ فرڈ، ویسٹ میتھ اور لیٹ رِم کے پرگنوں میں انگریز آباد کار بسائے۔ ان والیوں کو بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ فوج کے لئے کافی روپیہ وصول نہ ہوتا تھا اور فاک لینڈ کو تین سال کے لئے ۲۰ ہزار پونڈ اضافے کی منظوری بھی بادشاہ سے اسی شرط پر حاصل کرنی پڑی کہ اہل آئرستان کے ساتھ بعض رعایتیں کی جائیں۔ انھیں "مراحم خسروانہ" (= گریسیز) موسوم کرتے تھے اور ان میں قابل ذکر یہ تین رعایتیں تھیں کہ (۱) افضلیت کے

باب دوم

حلف کی بجائے صرف حلف اطاعت لیا جائے (۲) گرجا میں حاضر نہ ہونے کا (ایک شلنگ) جرمانہ موقوف ہو اور (۳) ساٹھ سال کا قبضۂ اراضی بادشاہ کے دعاوی پر بھی فائق اور ملکیت کا کافی ثبوت تسلیم کیا جائے۔ یقین تھا کہ ان رعایتوں کی تصدیق پارلیمنٹ سے کرا دی جائے گی لیکن دینٹ ورتھ کے تقرر تک کوئی پارلیمنٹ منعقد نہیں ہوئی۔

وینٹ ورتھ کا یہ عہدہ قبول کرنے سے منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ لائق آدمی کے ہاتھ میں کامل اقتدار ہو تو وہ کیا کچھ کام کر سکتا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ملک کے فائدے کے لئے شخصی اغراض کو پس پشت ڈال دینا چاہیئے۔ ہر شخص کا مطمح نظر یہ ہونا چاہیئے کہ بہتر سے بہتر کام کرے اور دولت و جاہ کوئی شے قصور واروں کو سزا سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس قسم کے نظم و نسق کو وہ "کامل" کہتا تھا گو یہ اصول کسی ملک میں سرکاری عہدہ داروں کی عادت سے شاید اتنا بنائن نہ رکھتے ہونگے جتنا آئرستان میں رکھتے تھے۔ جہاں فاک لینڈ کے جانے کے بعد سے ملک کا انتظام عہدہ داروں کی ایک ذیلی مجلس کے ہاتھ میں تھا اور وہ لوگ بقول د. بنٹ ورتھ کے، صرف اپنے فائدے سے کام رکھتے تھے۔ ان کا ایک نمونہ رابرٹ بوائل تھا جو ۱۵۸۸ء میں آئرستان کے ساحل پر اترا تو صرف ۲۷ پاؤنڈ جیب میں تھیں لیکن اب سرکاری ملازمت میں آئرستان کا سب سے بڑا زمیندار اور اسیرکورک کے لقب سے ملقب ہو گیا تھا۔ ایسے لوگوں کی حکومت میں انتہائی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ مالیات بالکل ابتری کی حالت میں تھے۔ فوج کا نام ہی نام تھا عمل کچھ نہ تھا اور سرکاری ملازمت ہی "بالائی آمدنی" اور خیانت و رشوت کے مرادف بن گئی تھی۔

وینٹ ورتھ نے سب سے پہلے ان اوزاروں کو درست کیا جن سے وہ آئندہ اپنی حکمت عملی کے مطابق کام لینا چاہتا تھا۔ یہ حکمت عملی اُس زمانے کے سبھی انگریزوں کے نزدیک اس عقیدے پر مبنی تھی کہ آئرستان کی نجات صرف اس طرح ممکن ہے کہ وہاں کی کیتھولک اور قلطی آبادی کو پروٹسٹنٹ انگریزوں کے عقائد و عادات اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ فرق یہ ہے کہ دوسرے انگریز اس کام کو خود غرضی اور ذاتی نفع کے لالچ میں کیا کرتے تھے اور دینٹ ورتھ نے اس کو ملک کے حق میں بہتر

باب دوم

سمجھ کر اپنی جان لگا دی۔ اس کے عام مقاصد یہ تھے کہ آئرستان کے عوام کو مادی خوش حالی کے راستے دکھا کر خوش حال بنایا جائے۔ اور تعلیم اور پروٹسٹنٹ عقائد کی ترویج سے ان کی اخلاقی اور قومی حالت سنواری جائے۔ وہ امید کرتا تھا کہ اس کی حکومت سے ملک کی حالت چند سال میں ایسی بدل جائے گی کہ پھر کوئی شخص زمانۂ سابق کے حالات کو واپس لانے کی تمنا نہ کرے گا۔

وینٹ ورتھ کی اصلاحات

وینٹ ورتھ نے سب سے اول تو فوج کی از سر نو تنظیم کی۔ ایک ایک سپاہی سے خود ملا۔ باقاعدہ تنخواہ ملنے کا انتظام کیا اور سردار و سپاہی سب کو ضابطے کا پابند بنایا۔ سمندروں میں بحری قزاقوں کی کثرت تھی۔ یہ دیکھ کر وینٹ ورتھ نے اپنی جنگی کشتیاں خود تیار کرائیں اور بہت جلد جہازرانی کو محفوظ کر دیا۔ ہالینڈ سے پٹ سن منگا کے آئرستان میں رائج کیا اور اسی ملک کے جلاہے بلوا کے پٹ سن کے کاتنے اور بننے کی تعلیم دلوائی۔ خود اپنا روپیہ پیشگی دے کے توپ سازی کا کارخانہ بنوایا۔ اسے آرزو تھی کہ آئرستان اور انگلستان اپنی ضروریات میں ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہو جائیں کہ انھیں باہمی تعلق سرسبزی اور خوشحالی کی ضمانت نظر آئے۔ آئرستان، انگلستان کا کپڑا خریدے۔ انگلستان آئرستانی ململ مول لے۔ انگلستان کے تاجر اپنے جہازوں کی رسد رسانی آئرستانی ڈھوروں کے گوشت سے کریں جسے چیشر کے نمک سے محفوظ کیا گیا ہو۔ اور آئرستان کے کارخانے والے نمک پر جو محصول ادا کریں وہ شاہی مداخل کی توفیر کا موجب ہو۔

اخلاقی درستی کی غرض سے وینٹ ورتھ اصلاح کلیسا کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آیا تو آئرستان کے پروٹسٹنٹ مذہب کی حالت انتہا درجے خراب تھی۔ گرجے شکستہ حالت میں پڑے تھے۔ اُن کی اراضی جو مصارف کی کفیل ہوتیں، امیر کورک جیسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تھیں اور، مثال کے طور پر، یہی امیر کلیسائے لِس مور ہی کی اراضی سے جس پر اس نے صرف بیس پاؤنڈ دے کے قبضہ حاصل کر لیا تھا) ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ وصول کرتا تھا۔ ایک پادری کی حقیر سی تنخواہ کے واسطے کئی کئی معاشوں کو ملانا پڑتا تھا اور محصول عشر کی کلیسائی آمدنی کی بادشاہ اور غیر کلیسائیوں نے طرح طرح سے لکا بوٹی کر رکھی تھی۔ پادریوں میں بہت کم لوگ آئرستانی زبان بول سکتے تھے اور ایسے،

باب دوم

جنھیں اپنے برائے نام حلقے والوں سے کوئی محبت یا ہمدردی ہو، تعداد میں اور بھی کم تھے۔ ڈبلن کے ایک گرجا میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ ایک کسی کا خانگی مکان بن گیا تھا اور چندہی روز پہلے کلیسائے ڈبلن کی بلند قربان گاہ پر امیر کورک نے اپنی بیوی کی ایک لمبی چوڑی یادگار بنوادی تھی۔ اسقفوں میں صرف بیڈل ملکی زبان بول سکتا تھا۔ اس کے کلیسا میں نماز اسی زبان میں ادا کی جاتی اور اس کے حلقے میں پروٹسٹنٹ عقائد کو بھی فروغ ہو رہا تھا۔ مگر صرف اس حلقے کی اتنی اچھی حالت سے باقی جزیرے کی زبوں حالی اور بھی نمایاں ہوجاتی تھی۔ مدت درازکی ان خرابیوں کو دور کر دینا ایک شخص کی زندگی میں ممکن نہ تھا۔ تاہم وینٹ ورتھ سے جو ہو سکا، وہ اس نے کیا۔ ڈبلن کے گرجوں کو صاف کرا کے پھر عبادت گاہیں بنایا۔ کلیسا کے حجروں میں تماکو فروشوں نے دکانیں کھول رکھی تھیں، وہ ہٹوائیں۔ امیر کورک کو مجبور کیا کہ اپنی بیوی کی یادگار عمارت کے کسی اور حصے میں منتقل کرائے۔ عشر کی آمدنی جو سرکار کے حصے میں آتی تھی، کلیسا کے حوالے کی۔ بیڈل کی ہمت افزائی کی کہ انجیل کا ترجمہ جس کا آغاز چیسٹر نے کیا تھا، تکمیل کو پہنچائے۔ علمائے کلیسا پر بھی زور دیا کہ مذہب کے عقائد واراکان زیادہ صاف طور پر پروٹسٹنٹ عقائد کے مطابق بنائیں۔

مجلس ملکی

آئرستان کی ملکی مجلس (یا پارلیمنٹ) سے وینٹ ورتھ کا معاملہ اتنا اچھا نہیں رہا۔ ان دنوں یہ مجلس قوم کی نیابت کا ادعا بھی نہ رکھتی تھی۔ اس کے ارکان صرف طبقۂ اعلیٰ کے وکیل تھے اور اس میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقے بھی سخت اختلاف رکھتے تھے اور یہ فرق گویا پرانے اور نئے آبادکاروں کے اختلاف عقائد کا آئینہ تھا۔ مجلس منعقد ہوئی تو پروٹسٹنٹ فریق کی اکثریت سے وینٹ ورتھ نے سرکار کے واسطے ایک بڑی رقم منظور کرالی اور پھر اسے اطلاع دی کہ ”مراحم خسروی“ کی تصدیق آئندہ میقات سے پہلے نہ ہوگی۔ دوسری میقات میں بھی اس نے اعلان کیا کہ انھیں کافی ردوبدل کے بغیر منظور نہیں کیا جاسکتا اور سب سے اہم تبدیلی اُس مجوزہ رعایت میں کی جس میں حق ملکیت کا مطالبہ تھا۔ لوگ بگڑتے ہی رہے، وینٹ ورتھ نے کسی کی نہیں سنی اور پروٹسٹنٹوں کی اکثریت سے خود اپنے مرتب کئے ہوئے متعدد قوانین منظور کرالئے جن سے ملک کے حالات میں

باب دوم

اصلاح و بہتری کی توقع تھی۔

وینٹ ورتھ کے حق میں بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اس کی کارروائیوں سے کورک جیسے پرانے عہدہ دار بہت جلے اور ادھر آیندہ اس نے جو حرکت کی، اس کی وجہ سے وینٹ ورتھ کو نیک نامی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ لارڈ مونٹ نورس کے ساتھ یہ برتاؤ کہ عہدے سے علٰحدہ کرنے کی غرض سے، فوجی عدالت نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کی، اہل آئرستان میں وینٹ ورتھ کی اصلاحی تدابیر کے خلاف طاقتور دشمن پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

کوناٹ کی آبادکاری

اب لوگوں کو نظر آگیا کہ حق ملکیت کو تسلیم نہ کرنے سے انگریز والی کا اصلی مطلب یہ تھا کہ کوناٹ میں جہاں بادشاہ کو بہت قدیم حق حاصل تھا، انگریز آبادکار بسائے جائیں۔ بے شبہ، وینٹ ورتھ کو یقین تھا کہ اگر اس علاقے میں انگلستان کے لوگ آباد کردئے جائیں گے اور باقی اراضی لوگوں کی انفرادی ملکیت میں دے دی جائے گی تو مروجہ مشترکہ ملکیت کے طریقے کی بجائے، یہ زیادہ مفید طریقہ ہوگا۔ لیکن اُس نے یہ حقیقت ملحوظ نہ رکھی کہ قلطی باشندوں کو مشترک ملکیت نہایت عزیز ہے اور یہ لوگ انگریز زمیندار کے معینہ وقت پر مالیہ وصول کرتے رہنے کی نسبت اس بات کو زیادہ گوارا کرتے ہیں کہ اُن کے چودھری بار بار مگر بلا تعین وقت کہیں زیادہ رقمیں وصول کرلیا کریں۔ مزید برآں کوناٹ میں حقوق ملکیت میں مداخلت کرنے سے خود چارلس کے وعدے کی خلاف ورزی تھی اور اس کے معنی یہ تھے کہ پھر کسی مالک زمین کو اپنے حق پر اطمینان نہ ہو سکتا تھا۔ بایں ہمہ وینٹ ورتھ اپنی تجویز پر عمل کئے گیا حتیٰ کہ ۱۶۳۵ء میں اس کی توجہ دوسرے واقعات نے اپنی طرف منعطف کرالی۔

واضح ہو کہ جن دنوں وینٹ ورتھ آئرستان میں یہ ''کامل'' کے انتظامات کر رہا تھا چارلس اور لاڈ انگلستان میں اپنی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے اور مطلق شبہ نہ رکھتے تھے کہ انھیں بالآخر کامیابی نصیب ہوگی۔ ملکی اور مذہبی دونوں قسم کے معاملات میں رائے عامہ کے اظہار کو سختی سے دبایا جاتا تھا اور اس میں بادشاہ کے آلۂ کار اسٹار چیمبر

عدالت ''اسٹار چیمبر''

اور صدر نظارت کی عدالتیں تھیں۔ پہلی عدالت کا جس وقت تک سرکش رعایا کے مقدمات یا خانگی تنازعوں سے سابقہ رہا،

باب دوم

وہ بہت جلد اور اچھا کام کرتی رہی کیونکہ وہ مجلس شاہی کے دو ارکان اور عدالت شاہی کے اور عدالت عامہ میران عدل پر مشتمل ہوتی تھی اور ان دونوں کی قانونی واقفیت مجلسی ارکان کی عام تجربہ کاری سے مل کر انصاف رسی کی خاطر خواہ کفیل ہوتی تھی چنانچہ بہت لوگ معمولی عدالتوں کی بجائے اس عدالت میں اپنے مقدمات پیش کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن جس وقت سے اس عدالت میں وہ ملزم پیش ہونے لگے جن پر شاہی وزرا کے خلاف ہنگامہ مچانے کا الزام تھا، تو پھر یہ عدالت بے لاگ دادرسی کی بجائے، صریحی طرفداری کرنے لگی۔ اسی طرح صدر نظارت کی کچہری میں پادریوں کی اخلاقی غلط کاریوں یا ازدواجی بدعنوانیوں کی روک تھام کا کام تو بخوبی انجام پاتا رہا لیکن جب کبھی موری ٹن فرقے یا کسی ایسے مصنف کا مقدمہ پیش ہوا جو عدالت کے ارکان اسقفوں کے عقائد کا مخالف تھا، تو پھر عدالت کی نوعیت کچھ کی کچھ اور ہوگئی۔ دوسرے ان عدالتوں کے خاص اختیارات، ملزمین سے جرح کرنے کا حق اور بغیر جیوری کے فیصلہ کرنے کا طریقہ، رفتہ رفتہ جوروا ستبداد کا ہتھیار بن گیا۔ مگر انصاف شرط ہے، یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس قسم کے مقدمات کی تعداد نسبتہً بہت کم ہوتی تھی اگرچہ یادوہی زیادہ رہتے تھے، جو اس نوعیت کے ہوتے تھے۔

اس قسم کے مقدموں میں آلڈرمین چیمبرس کا معاملہ پہلے ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ ایک اور مثال ڈاکٹر لے ٹن کی ہے جو اصل میں اسکاٹ لینڈ کا باشندہ اور پرس بی ٹیرین مذہب کا آدمی تھا۔ وہ لندن میں طبابت کرتا اور آباد ہوگیا تھا اور ۱۶۲۸ء میں اس نے پارلیمنٹ میں ایک عرضی پیش کی تھی کہ کلیسائی حکومت کا بالکل انسداد کردیا جائے۔ اسی مضمون کو اس نے تفصیل سے ایک کتاب (Zion's plea against prelacy) میں تحریر کیا اور اس میں اسقفوں پر بہت بے اعتدالی سے حملے کئے۔ بکنگھم کو "جالوت" "ہتھیار بیتا مار یہ" کو "طی کنعانی مشرکہ" وغیرہ ناموں سے موسوم کیا۔ اس کی حمایت میں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ آزادی رائے کا بڑا استعمال بھی آگے چل کر آزادی کو روک دینے کی نسبت بہتر ہے۔ مگر یہ اصول چارلس کے زمانے سے کہیں بعد کا ہے، اس وقت تو لے ٹن کو باندھ کے کوڑے مارے گئے اور تشہیر کرا کے کان کٹوا دیے گئے۔ ۱۶۳۴ء میں ولیم پرین کا معاملہ اسٹار چیمبر کی عدالت

میں پیش ہوا۔ یہ نہایت ذی علم وکیل مگر ذوق سلیم سے بالکل عاری تھا۔ اس نے "وبائے ناٹک" کے نام سے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں بے شبہ اپنے بہت سے ہم خیالوں کی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ایسے سانگ تماشے بالکل مخرب اخلاق ہیں۔ ناٹک کے اخلاقی اثرات پر کئی سال سے بحث مباحثے چل رہے تھے اور اس میں شک نہیں کہ شیکسپیر کے زمانے کے بعد اس فن کی حالت بہت گر گئی تھی۔ لیکن چونکہ بادشاہ اور ملکہ ہمیشہ ناٹک دیکھنے جایا کرتے تھے، اور ہنریٹا نے خود بھی ایک سانگ میں حصہ لیا تھا لہٰذا پرین کا خصوصیت سے تماشا کرنے والی عورتوں کی مذمت کرنا، بڑی ناگواری کا موجب ہوا۔ پرین کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ لیکن ان اور وکالت کے طبقے سے خارج یونیورسٹی کی سند سے محروم اور سربازار مشتہر کیا گیا اور دونوں کان منڈوا دیئے گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس فیصلے سے کچھ زیادہ جوش و خروش پیدا نہیں ہوا کیونکہ پرین کی تحریر حقیقت میں شرمناک تھی۔ اور ملٹن جیسے کٹّے مذہبی نے اپنی "کومس" میں ایک عورت کو حصہ دار بنا کے گویا ثابت کر دیا کہ ڈرامہ سے اچھے برے دونوں قسم کے اخلاق کا سبق دیا جا سکتا ہے۔

سنہ ۱۶۳۳ء میں لاڈ کینٹربری کا صدر اسقف مقرر ہوا۔ اس ترقی نے اُسے وسیع تر حلقے میں کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا اور چونکہ ابھی دونوں اسقفی پر اسقفی خالی ہوتی رہی لہٰذا اس نے اپنے دوستوں کو ان عہدوں پر ترقیاں دیں۔ نیل، یارک کا صدر اسقف، اپن ہارج اور کچھ روز بعد اکلی کا اسقف مقرر ہوا۔ اور لاڈ کی جگہ لندن کی اسقفی جکسن کو دی۔ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ جیمس اول کے پرانے رفیق ولیمز (لنکنی) کے سوا اور کوئی اسقف جو پیوریٹن عقائد کی طرف مائل تھا، نہ رہا۔ ان عقائد کے علما اور کلیسائی عمال کو لاڈ نے صدر نظارت کی مدد سے سختی کے ساتھ اپنے طریقے کا پابند بنایا اور اُن لوگوں کی حمایت لی جو اتوار کی سہ پہر کو سیر تفریح میں گزار لینے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ جیمس کی کتاب دوبارہ شائع کی جس میں اتوار کی سہ پہر کو تیر اندازی رقص اور دوسری جسمانی ورزشیں کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور پادریوں کو مجبور کیا کہ وہ ہم خیال ہوں یا نہ ہوں، اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ لاڈ کے اس فعل نے پیوریٹن فرقے کو بالکل دہشت زدہ کر دیا۔ لیکن اس کے ذاتی اخلاق یا حسن نیت

باب دوم

کے متعلق حرف رکھنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے اگرچہ اُس کے جوش میں ہمدردی یا مصلحت شناسی کا عنصر مطلق موجود نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اُسے رتبہ وجاہ کا پاس کرنے کی ضرورت نہ تھی اور بداخلاقی کا ہو کوئی امیر ارتکاب کرے، وہ بھی اتنا ہی قابل مذمت تھا، جتنا کوئی دیہقانی۔ گرجوں میں تہذیب و باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش بھی قابل اعتراض نہ ہوسکتی تھی لیکن لاڈ یہ نکتہ بھول گیا کہ اس قسم کی سختیاں اُسی وقت چل سکتی ہیں جب کہ رائے عامہ اُن کے ساتھ ہو۔ دوسرے پیوری ٹن فرقے کے علما کو اُس نے بگاڑ لیا جو رسوم ظاہری میں اختلاف کے باوجود اخلاقی اصلاح کا اتنا ہی جوش رکھتے تھے جتنا لاڈ کو تھا۔ مگر اب یہ لوگ بھی دوسری نامطمئن جماعتوں سے جاملے اور صدر اسقفت کے زوال کا راستہ تیار ہونے لگا۔ وہ عقائد کے مسئلے چھوڑ کر صرف اعمال کی دُرستی کا بیڑا اٹھاتا، یا اعمال کی طرف سے آنکھیں بند کرکے درستی عقائد کو نصب العین بناتا، تو کامیابی ممکن تھی۔ لیکن دونوں قسم کی خرابیوں سے بیک وقت جنگ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاڈ کے انتظامات ہر طرف نامقبول ہوگئے اور ان پر اعتراض کرنے والوں کے مویدین کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

لاڈ نے جبر کے جو طریقے اختیار کئے اُن میں سے ایک نشر و اشاعت کتب کا احتساب تھا کہ کوئی کتاب جو اس کے خیالات سے مطابقت نہ رکھتی ہو، طبع کی اجازت نہ پاسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خفیہ مطابع قائم ہونے لگے اور لوگوں نے ہولینڈ بھیج بھیج کر کتابیں چھپوائیں۔ اس کاغذی جدوجہد کے سرغنہ تین شخص تھے۔ ایک تو پرین، دوسرے لنڈن کا ایک پادری ہینری برٹن جو دربار کا پیش امام رہ چکا تھا اور تیسرے کول چسٹر کا ایک طبیب بیسٹ وک۔ اور یہ تینوں کلیات کے تعلیم یافتہ تھے ۱۶۳۷ء میں تینوں اسٹار چیمبر عدالت میں پیش ہوئے۔ پرین سے دو کتابوں کے متعلق مواخذہ ہوا۔ ایک تو (A Divine Tragedy lately Acted) تھی جس میں اُن اشخاص کی اتفاقی یا ناگہانی موت کی مثالیں فراہم کی تھیں، جنھوں نے یوم السبت کی حرمت نہیں کی اور بادشاہ کے "کھیل کود کے فرمان" سے ان حادثات کا تعلق دکھایا تھا۔ دوسری کتاب "اخبار الیس وچ"، میں اسقفوں پر الزام لگایا تھا کہ دیدہ و دانستہ پاپائیت کے ترویج کر ر

پرین۔ برٹن اور بیسٹ وک

باب دوم

کاراستہ تیار کر رہے ہیں۔ برٹن نے دو وعظ شائع کئے تھے جن میں لاڈ کے خاطرخواہ رسموں پر سخت حملہ تھا۔ اور جان بسٹ وک نے اپنے اوراد مرتب کئے تھے جن میں یہ مناجات بھی تھی کہ "خدایا ہمیں اسقفوں، پادریوں اور متولیوں سے نجات دے" ان لوگوں سے عدالت برافروختہ ہوئی اور وحشیانہ سزائیں دیں، تو یہ کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ چنانچہ تینوں کے کان کٹوائے گئے (پرین کے پہلی دفعہ کاٹے جانے کے باوجود تھوڑے بہت باقی تھے) کاٹھ میں دے کے کھڑا رکھا گیا، اور جرمانے کے علاوہ کارناروں وغیرہ مقامات پر قید کیا گیا کہ دوست احباب سے دور رہیں۔ پہلی مرتبہ پرین سزایاب ہوا تو کوئی خاص ہمدردی نہیں کی گئی تھی مگر اب تینوں کو قومی فدائی سمجھا گیا اور ہای گیٹ تک ایک لاکھ آدمیوں نے برٹن کی مشایعت کی۔ بعد قیدخانوں میں بھی انھیں دوست مل گئے اور آخر چارلس نے ان قیدیوں کو جزائر رودبار میں بھیج دیا کہ اپنے ہم خیالوں سے اور بھی دور ہو جائیں۔ عامۃ الناس ان لوگوں کے صرف خیالات کے ہمنوا نہ تھے بلکہ حقیقت میں اس حیثیت کے ذی علم اشخاص کا کاٹھ میں دیا جانا اور تشہیر ان گروہوں میں بھی اشتعال کا موجب ہوی جنھیں پیوریٹن عقائد کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

زرِ جہازی

ادھر حکومت کی وصولِ زر کی تدابیر ایسے طبقے کو غصہ دلا رہی تھی جو ان سے کہیں زیادہ تھے، جنھیں لاڈ کے مذہبی استبداد نے مخالف بنا لیا تھا۔ یہ رواج قدیم سے چلا آتا تھا کہ جنگ کے زمانے میں شاہی بیڑے کی امداد کے لئے بندرگاہوں سے جہاز یا کشتیاں لی جاتی تھیں۔ بری مقامات اصولاً مستثنیٰ ہوتے تھے لیکن الزبتھ نے لیڈز، ہیلی فیکس اور ویک فیلڈ والوں سے بھی چاہا تھا کہ بندرگاہ ہل کے جہاز فراہم کرنے میں اعانت کریں۔ بہر حال واقعی جنگ کے سوا اور کبھی اس قسم کا مطالبہ نہیں ہوتا تھا لیکن اب سنہ ۱۶۳۴ء میں چارلس اور اس کے مشیروں نے فیصلہ کیا کہ امن کے باوجود جنگی جہازوں کی تعداد بڑھانی چاہیئے۔ اس حد تک تو فیصلہ غالباً واجبی تھا کیونکہ ولندیزی بیڑے کی قوت انگریزی تجارت کے حق میں خطرناک ہوئی جاتی تھی اور بحری قزاقی بھی عام تھی۔ لیکن اس صورت میں بھی آئینی اصول یہ تھا کہ صورت حال کو پارلیمنٹ کے سامنے بیان کیا جائے۔ اس کارروائی

باب دوم

کا مشورہ وکیل شاہی نوے نے دیا تھا جس کی نسبت کلے رنڈن لکھتا ہے کہ وہ "اس قانون کے بنانے پر نازاں تھا حالانکہ اور سب اسے قانون ہی نہ سمجھتے تھے"۔ ان دنوں چارلس کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ ولندیزوں کے مقابلے کے لئے اسپین سے اتحاد کر لیا جائے مگر چونکہ اس ارادے کو وہ اپنی شاہی مجلس میں ظاہر کرنے کی جرات نہ رکھتا تھا۔ لہذا اس نے حیلہ یہ بنایا کہ بحری قزاقوں سے حفاظت کے واسطے روپیہ درکار ہے اور واقع میں وہ ساحلوں پر کثرت سے تھے اور انھی دنوں انھوں نے وینٹ ورتھ کا اسباب جو چسٹر سے ڈبلن جا رہا تھا، لوٹ لیا تھا۔ شاہی طلب نامے ساحلی مقامات کے نام جاری ہوئے تھے۔ لندن کے تاجروں نے تھوڑی سی قیل و قال تو کی لیکن روپیہ ادا کر دیا اور انھی کی پیروی دوسرے شہروں نے کی۔ اسی زمانے میں پہلے نوے اور پھر ۱۶۳۵ء کے اوائل میں لارڈ ویسٹن (ارل پورٹ لینڈ) نے وفات پائی۔ خزانے کا انتظام ایک جماعت کے سپرد ہوا جس میں لاڈ سب سے ممتاز تھا اور تھوڑے دن بعد وزیر خزانہ کی خدمت جکسن کو مل گئی۔ زر جہازی کے پہلے دفعہ ملنے میں کوئی حجت نہ ہوئی تو دوبارہ اسے وصول کرنے کا خیال آیا اور ۱۶۳۵ء میں پھر طلب نامے نہ صرف ساحلی بلکہ بری شہروں کے نام بھی جاری کئے گئے اور عام تیاریوں کے سوائے جن میں ہاتھ بٹانا ہر شخص کا فرض بتایا گیا تھا، وصولی کی اور کوئی خاص وجہ تحریر نہ تھی۔ مطلوبہ رقم زیادہ نہ تھی لیکن اب لوگوں کو نظر آنے لگا کہ یہ نظیر قائم ہوئی تو بادشاہ کو پارلیمنٹ طلب کرنے کی ضرورت نہ رہے گی اور وہ اخراجات پر نگرانی سے اتنا ہی آزاد اور لوگوں کے مال متاع کا اسی طرح مالک ہو جائے گا جس طرح فرانس کا بادشاہ تھا۔

روپیہ تو ادا کر دیا گیا مگر قیل و قال کی آوازیں زیادہ بلند ہونے لگیں اور لوگ چرچا کرنے لگے کہ بادشاہ کا یہ فعل انگلستان کے بنیادی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس

تیسری وصولی

عرصے میں ایک نئی فہرست شرح شائع ہوئی جس کی رو سے کل محصول میں بقدر دس ہزار پونڈ کے، اضافہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ بسرعت رعایا کی جیبوں کا پورا مختار ہوتا جاتا ہے۔ اگلے سال تیسری بار تازہ طلب نامے جاری ہوئے تو عام ناراضی کا طوفان بھی اور بڑھا۔ امراء متوسطین اور عوام سب اسی محصول کے خلاف متحد ہو گئے۔ رابرٹ رچ (امیر وارک) نے

باب دوم

لکھا کہ اسکس کے باشندے "آزادیٔ عوام کے اتنے نمایاں معارض" پر بآسانی رضامند نہ ہوں گے۔ لارڈ سائے، رسل اور بکنگھم کے ایک نوجوان زمیندار مسمی جان ہیمڈن نے ارادہ کر لیا کہ محصول کے جواز کی قانونی عدالت میں آزمائش کی جائے۔ بایں ہمہ بادشاہ کی آنکھیں سب خطرات کی طرف سے بند تھیں، اور ارکان عدالت کی اس رائے کے بھروسے پر کہ "سلطنت خطرے میں ہو تو بادشاہ زرجہازی وصول کر سکتا ہے" وہ روپیہ وصول کرتا رہا اور پہلے لے ڈینٹ کو دوبارہ لینے کی تیاریاں کیں۔ اس کی صورت یہ سوچی کہ خود اسپین پر سمندر میں حملہ کرے اور فرانس خشکی کی طرف سے حملہ آور ہو، اس وقت تک وینٹ ورتھ سے بادشاہ نے کوئی مشورہ نہیں لیا اگرچہ والی آئرستان کی لاڈ سے برابر خط کتابت تھی۔ اس کی رائے نہیں طلب کی گئی تاہم جواب میں اس نے زرجہازی وصول کرنے سے اتفاق کیا بلکہ یہاں تک خواہش ظاہر کی کہ چارلس اس طریقے کو وسیع کرے تاکہ فوج بھی فراہم ہو جائے۔ اس جواب کے صاف معنی یہ تھے کہ وہ بھی بادشاہ اور لاڈ کا پوری طرح ہم خیال ہے اور گو اس کا مراسلہ راز میں تھا، تاہم لوگوں نے وجدانی طور پر مذہب و ملک دونوں کی نئی حکمت عملی میں لاڈ اور وینٹ ورتھ دونوں کو شریک سمجھا تو یہ کم غلط نہ تھا۔

دسمبر ۱۶۳۷ء میں ہیمڈن کا مقدمہ مالگزاری کی عدالت میں پیش ہوا۔ اسن جن اور ہوبرن اس کے وکیل تھے۔ انھوں نے حجت پیش کی کہ گو فوری ضرورت میں بادشاہ کا خود یہ فیصلہ کرنا کہ خطرے کی سنگینی زرجہازی کی متقاضی ہے، بجا ہو گا لیکن اس کی مناسب صورت یہی ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ محصول عائد کیا جائے اور موجودہ حالت میں کوئی فوری ضرورت نہیں پائی جاتی کہ کوئی دوسرا طریقہ کار اختیار کرنا جائز سمجھا جائے۔ بارہ ارکان میں سے سات نے بادشاہ کے موافق رائے دی۔ کروک، ہٹن اور ڈین ہم اصل معاملے کی بنا پر ہیمڈن کے موید تھے اور باقی دو فنی دلائل سے اس کے ساتھ ہو گئے۔ بہرحال محض قلیل اکثریت کی وجہ سے چارلس مقدمہ جیت گیا۔ گو لوگوں کو یہی محسوس ہوا کہ ہیمڈن کے وکیلوں کی دلائل غالب رہیں۔ فنچ کا فیصلہ یہ تھا کہ ایسے "تمام قوانین پارلیمنٹ بھی باطل ہیں جن کے ذریعے سے بادشاہ پر رعایا، اور ان کی جان، مال اور میں کہتا ہوں کہ ان کے روپے پر اقتدار رکھنے میں، قیود عائد کی گئی ہوں لارڈ کلے رنڈن

باب دوم

کہتا ہے کہ فنچ کی اس رائے سے زرجہازی سے لوگوں کی نفرت و وحشت اتنی بڑھی کہ شاہی مجلس کے تمام حکمناموں اور رعمال کی ترقیوں سے بھی پیدا نہ ہوئی ہوگی اسی طرح برکلے کا قول کہ قانون کسی ایسی حکمت عملی کو نہیں تسلیم کرتا جو بادشاہ کے اس طرح لگام چڑھا دے" بچے بچے کی زبان پر تھا۔ بایں ہمہ چارلس پھولا نہ سمایا۔ کیونکہ اب انعقاد پارلیمنٹ کا کھٹکا نہ تھا لاڈ کی حکمت عملی پر کوئی آفت نہ آسکتی تھی آمدنی میں کمی کا اندیشہ بھی باقی نہ رہا اور بادشاہ نے تاکید کی تمام باقیات فوراً وصول کی جائیں کچھ روز تو حقیقت میں یہ معلوم ہوتا تھا نیابتی حکومت ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

نوآبادیاں

پارلیمنٹ کے انفساخ ۱۶۲۹ء کے وقت سے انگلستان میں تو پریشانیاں پھیل رہی تھیں اور ادھر امریکہ کی نوآبادیاں تیز تیز ترقی کر رہی تھیں نیو پلی متھ کے آباد کار ادنیٰ درجے کے لوگ تھے لیکن ۱۶۲۹ء میں اچھے رتبے کے آزاد خیالوں کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ اپنی بستی الگ بسائیں جہاں مذہب اور اور سیاسیات دونوں میں انگلستان کی نسبت زیادہ آزادی حاصل ہو۔ ان کے سرگروہ سفک کا ایک زمیندار جان ون تھروپ اور ایٹن تھے جو ڈین مارک میں شاہ انگلستان کا سفیر رہا تھا۔ اس جماعت نے خلیج مساچیسٹ کے سواحل پر ڈیرے ڈالے اور نیوسلم کو اپنا صدر مقام بنایا۔ ون تھروپ بہترین اخلاق کا آدمی تھا اور اسی کے نام کی شہرت مشرقی پرگنوں کے بہت سے باشندوں کو امریکہ کھینچ لائی۔ واضح رہے کہ گو یہ نوآباد وطن کے استبداد مذہبی سے بھاگ کر آئے تھے لیکن خود وہ اپنے جدید ملک میں کامل آزادی دینے کے روادار نہ تھے۔ چنانچہ دو بھائیوں کو جو کتاب صلوٰۃ عامہ کے مؤید پائے گئے فوراً واپس انگلستان بھیج دیا گیا۔ اور طے پایا کہ جو شخص خود اُن کے آزاد خیال فرقے کا پیرو نہ ہوگا، اُسے ملکی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ ایک شخص نے حکام پر نکتہ چینی کی جرأت کی تو سزا کے تازیانہ پائی، کان کترے اور چالیس پاؤنڈ جرمانہ ہوا، بالکل اسی طرح کہ گویا اسٹار چیمبر کے کٹھ ملاؤں کی ایک شاخ نیو انگلینڈ کی نوآبادی میں بھی قائم ہو گئی ہے۔ لاڈ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً بادشاہ سے دریافت حال کی

باب دوم

اجازت لی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس شاہی سے حکم جاری کر دیا گیا کہ کوئی امیر یا شریف باشندہ شاہی اجازت نامے کے بغیر اور کوئی عامی شخص صداقت نامے کے بدوں ملک سے باہر نہ جانے پائے۔ لیکن ساری احتیاطوں کے باوجود صرف ۱۶۳۵ء میں تین ہزار آبادکار امریکہ چلے گئے اور اس اندیشے سے کہ لاڈ بزور کوئی حکم چلانا چاہے گا باقاعدہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آبادکاروں کی تقلید جامد کے باوصف نوآبادی میں بھی عبادت اور خیالات کی آزادی کی وکالت میں آوازیں بلند ہوئیں۔ ۱۶۳۱ء میں روجر ولیمز آبادکاروں سے آملا اور آگے چل کے سلیم کے گرجا کا پادری مقرر ہوا۔ اس کی رائے تھی کہ مذہبی معاملات کو حکومت کے دائرے سے بالکل الگ رکھنا چاہئیے۔ اس عقیدے کی تلقین سے حکام کے ساتھ جھگڑے کی نوبت پہنچی۔ اس کے اخراج کا حکم ہوا اور ولیمز معمولی چھوٹی کشتی میں پانچ ساتھیوں سمیت جزیرہ رہوڈ میں چلا آیا اور اپنی بستی الگ بسائی۔ ۱۶۳۵ء میں آزادی کا ایک اور حامی، یعنی ہیری وین امریکہ آیا۔ یہ مجلس شاہی کے ایک رکن، سر ہیری وین، کا بیٹا تھا۔ امریکہ آیا تو ۲۳ سال کی عمر تھی لیکن قابلیت اور اصول کی محکم پابندی کا فی مشہور کر چکی تھی اور اسی بنا پر ۱۶۳۶ء میں آبادکاروں نے اسے حاکم منتخب کیا۔ لیکن مذہبی آزادی کے معاملے میں دونوں تھروپ سے نہ بن سکی۔ اپنی مصلحتوں پہ غور و فکر کر کے، وین نے یہ مشہور نظریہ قائم کیا کہ جہاں کہیں مذہبی ناروا داری ہو گی وہاں مذہب کی قوت اور سیاسی زندگی، دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مگر یہ دیکھ کر کہ اس کے خیالات کو لوگ قبول کرنے والے نہیں، اور آیندہ وہ حاکم بھی منتخب نہ ہو گا، وہ واپس انگلستان چلا آیا۔

میری لینڈ

لیکن اس عرصے میں مریستان (Maryland) کی چھوٹی سی نوآبادی نے رواداری کا عملی مسئلہ حل کر لیا۔ اسے کال ورٹ خاندان کے لوگوں نے بسایا تھا جن کا صدر خاندان لارڈ بالٹی مور تھا۔ یہ لوگ کم و بیش علانیہ کلیسائے انگلستان سے منحرف تھے اور چارلس کی عنایت سے انھیں نوآبادی بسانے کا جو منشور ملا، اس میں مذہبی آزادی کی گنجائش چھوڑ دی گئی تھی۔ انھوں نے اپنی بستی کا نام ملکہ کے نام پر مریستان تجویز کیا اور اس نوآبادی میں شروع

باب دوم

سے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک، دونوں فرقوں کے لوگ شامل رہے۔ ایک دوسرے کی احتیاج کے باعث اختلافی مسائل کو احتیاط سے علیحدہ رکھا گیا اور پہلی ہی آزاد مجلس میں قانون کے ذریعے کامل سیاسی اور مذہبی عبادت کی مساوات کا انتظام کر دیا گیا۔ اس طرح مریستان کو ان ممالک جدید میں سب سے اول ہونے کا شرف حاصل ہے جنھوں نے مذہب کے پیچیدہ گتھی کو اس صحیح اصول سے سلجھایا جو قوم کے مذہبی اختلافات میں ہر حکومت کا ما بہ العمل ہونا چاہئے۔ اور چونکہ الیٹ کی عقل میں آیا تھا نہ لاڈ کی، نیو انگلینڈ کے نوآبادی کو لڑنے پر آمادہ دیکھ کر لاڈ مداخلت کے ارادے سے باز رہا۔

اسکاٹ لینڈ کا کلیسائی نظم

لیکن اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی کوئی رکاوٹ مقصد میں حائل نہ تھی جیمس کی تخت نشینی کے وقت سے اب تک وہاں کے کلیسائی نظم ونسق میں جو ناکس نے قائم کیا تھا، بہت کچھ رد و بدل ہو چکے تھے۔ اس پرس بی ٹیرین نظام کی ابتدائی صورت بالکل جمہوری تھی اور تمام انتظام حلقے، ضلعے اور صوبے کی مجالس مذہبی کے ہاتھ میں تھا جس کی نگرانی چیدہ پادریوں اور غیر پادریوں کی مجلس عامہ کرتی تھی۔ جیمس نے ان سب کے اوپر اپنی طرف سے اُسقف مقرر کئے مگر انھیں کوئی انتظامی اختیار نہ تھا بلکہ گرجا والے ان کے تقرر کی باضابطہ رسم بھی ادا نہ کرتے تھے جیمس نے مجلس عامہ سے ارکان پرتھ بھی برائے نام قبول کرائے تھے جس میں نماز کے وقت رکوع یا گھٹنوں کے بل جھکنا اور اور عید میلاد وغیرہ مسیحی تہوار منانا فرض قرار دیا گیا تھا۔ مگر عام لوگ ان جدید ضابطوں کو ناپسند کرتے تھے اور اسکوٹی پادری ابھی تک دعا میں وہ کلمات کہتے تھے جو فی الوقت ذہن میں آجائیں اور کیتھولک اور اپنی عقائد کی بھی دل کھول کے مذمت کرتے رہتے تھے۔ چارلس اور لاڈ کو جو ۱۶۳۳ء میں بادشاہ کے ساتھ اسکاٹ لینڈ آیا تھا، یہ رنگ پسند نہ آیا اور اسکوٹی اُسقفوں کو حکم دیا گیا کہ انگلستان کے نمونے پر وہاں بھی کتاب الصلوٰۃ مرتب کی جائے۔ لاڈ اور رین نے اس کی نظر ثانی کی اور پھر اسکاٹ لینڈ کے ہر گرجا کو ہدایت کی گئی کہ اس کتاب کے دو دو نسخے اپنے پاس رکھے۔ اس کارروائی کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ میں سخت برہمی

باب دوم

پھیل گئی۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ ساری تجویز پاپائیت کو دوبارہ رواج دینے کی تمہید ہے۔ دوسرے کتاب الصلوٰۃ سے اول تو اس بنا پر کہ اسقفوں نے اسے تیار کیا، دوسرے اس لئے کہ وہ انگلستان سے بھیجی گئی، انھیں سخت تعصب ہو گیا۔ حقیقت میں چارلس کی یہ حرکت، گویا اسکاٹ لینڈ کی رعایا کے سب سے نازک قومی اور مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچانا تھا۔ مگر وہ خود اس قسم کا کوئی احساس نہ رکھتا تھا۔ اُس کے لئے یہ توجیہہ کافی وشافی تھی کہ نیا انتظام پرانے سے زیادہ باقاعدہ ہے چنانچہ ۱۶۳۷ء کی گرمیوں میں جب کہ ہیمڈن اور سارے انگلستان میں زر جہازی کے خلاف مقدمہ تیار کر رہے تھے نئی کتاب الصلوٰۃ پہلی مرتبہ اڈنبرو کے کلیسائے سینٹ جائلز میں پڑھی گئی جس سے نمازیوں میں وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ پیش خواں کی جان ہی بچ گئی تو اس نے غنیمت جانا۔ مخالفت میں ہر طبقہ برابر کا شریک تھا۔ امرا میں امیر مونٹ روز بڑے حکام میں الکزنڈر ہینڈرسن، قانون دانوں میں وارسٹن کا جانسٹن جیسے ممتاز اشخاص عوام کے دوش بدوش اس بدعت کے خلاف ساعی تھے۔ تمام سال عرضیاں اور ان کے جواب لندن واسکاٹ لینڈ میں دوڑتے رہے مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ مخالفت کرنے والوں نے اپنی طرف سے دس ناظر وکالت ونگرانی کے لئے مقرر کئے جنھیں "ٹیبلز" کہتے تھے اور جو آگے چل کے ایک خود مختار قومی حکومت کی اساسی جماعت ثابت ہوئے۔ مگر مخالفت میں شدت آنے کے باوجود صاف ظاہر ہو گیا کہ چارلس کی راج ہٹ کے سامنے کوئی متفقہ کوشش نہ چلے گی تب جانسٹن کے مشورے پر خود اُس نے اور ہینڈرسن نے ایک اقرار نامہ مرتب کیا جس پر دستخط کرنے والے اس بات کے پابند تھے کہ "مذکورہ بالا سچے (اصلاحی) مذہب کی حمایت کریں گے اور تمام آئینی طریقوں سے جدوجہد کریں گے کہ مذکورۂ بالا بدعتوں سے پہلے جو انجیل مروج اور معمول بہا تھی وہی بلا آمیزش و لتصرف دوبارہ بحال ہو جائے۔ کیونکہ ان بدعتوں کی خدا کے کلام سے کوئی اجازت نہیں اور یہ صاف طور پر پاپائی مذہب اور استبداد کو پھر قائم کرنے کی ممد ہیں"۔ ملک کے ہر طبقے نے اس دستاویز پر کمال جوش خروش کے ساتھ دستخط کئے اور چونکہ انکار کرنے والے دستخط کرنے والوں کے نزدیک خاصے پاپائی بن جاتے تھے لہذا کسی کو انکار کی جرأت بھی بمشکل ہو سکتی تھی۔

چارلس کی کمزوری

اب چارلس کو نظر آگیا کہ اُسے یا دبنا یا لڑنا پڑے گا۔ لڑنا مشکل تھا کیونکہ اسکاٹ لینڈ کے امیر انگلستان کے امیروں کی طرح نہ تھے بلکہ ابھی تک اپنے اپنے کاشتکاروں کے سردار ہوتے تھے اور ان کاشتکاروں کا فرض تھا کہ امیروں کی طرف سے جنگ کریں۔ دوسرے اسکاٹ لینڈ میں الکزنڈر لزلی وغیرہ صدہا لائق فوجی سردار موجود تھے جنھوں نے جرمانیہ اور فلینڈرس میں پروٹسٹنٹ فرقے کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا اور مہارت حاصل کی تھی۔ ان لوگوں کے مقابلے کے لئے چارلس کے پاس مطلق فوج نہ تھی اور اُس کے ناظم اسکاٹ لینڈ، مارکوئیس ہیملٹن نے بھی جتا دیا کہ کم سے کم اِس وقت رعایت کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ نومبر ۱۶۳۸ء میں اسکوٹی کلیسا کی ایک مجلس کے انعقاد کی اجازت دی گئی اور ہرچند چارلس کا یہ منشا نہ تھا، مگر اس میں بہت سے ارکان غیر کلیسائی شامل کر دیے گئے اور اس نے الکزنڈر ہینڈرسن کو معلم یا صدر نشین اور جانسٹن کو دبیر یا معتمد منتخب کیا جس سے مجلس کے رجحان کا بھی صاف اندازہ ہو گیا۔ اسی مجلس میں اڈن برد کے کلیسائی اہلکاروں نے اسقفوں کے معاملات پیش کئے۔ اسقفوں نے ہرچند کہا سنا کہ یہ مجلس ان کے معاملے میں حکم نہیں بن سکتی، کچھ شنوائی نہ ہوئی اور یہ مجلس اس قدر علانیہ اُن کے خلاف تھی کہ بالآخر ہیملٹن کو شاہی ناظم کی حیثیت سے اپنے اختیار سے کام لے کر اسے برطرف کرنا پڑا۔ مگر اُس کے اعلان کے باوجود، امیر آرجائل کی شہ پاکر، مجلس برابر اجلاس کرتی رہی اور بغیر مزید حجت کے اُس نے کلیسائی حکومت اور کتاب الصلوٰۃ وغیرہ کا خاتمہ کر دیا۔ ظاہر تھا کہ بادشاہ ان تجاویز کو خوشی سے کسی طرح قبول نہیں کرے گا، لہذا دونوں طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں مگر اسکاٹ لینڈ میں، نواح ایبرڈین کے سوا، اور سب جگہ بادشاہ کے رفیقوں کی تعداد بہت کم تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ والوں کو اطاعت پر مجبور کرنے کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ انگلستان میں فوج بھرتی کی جائے مگر ۱۶۳۹ء کی گرمیوں تک چارلس نے اسکاٹ لینڈ کی سرحد پر بیس ہزار کے قریب سپاہی بھی جمع کر دیے جن میں سے کچھ تو شمالی اضلاع سے پکڑ بلائے تھے اور کچھ جاگیرداری آئین کے مطابق اُمرا کی جمعیت تھی۔ مگر یہ محض فوج کا ڈھانچہ تھا۔ سپاہیوں کو نہ جنگی قواعد

باب دوم

میں مہارت تھی نہ با قاعدہ تنخواہ ملتی تھی نہ سردار کارواں تھے اور نہ سپاہی دل سے اس کام میں شریک تھے۔ بخلاف اس کے رود ٹویڈ کے اُدھر، یعنی اسکاٹ لینڈ کی جانب لزلی کے تحت میں سولہ ہزار بہت اچھے اور پوری طرح مسلح لڑنے والے، ایسے سرداروں کے زیر قیادت فراہم تھے، جنھوں نے جرمانہ اور فلینڈرس میں اس فن میں دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ یہ فوجیں چند ہفتے آمنے سامنے بھی پڑی رہیں مگر چارلس سمجھ گیا کہ آگے چل کے اسے جو کچھ کامیابی بھی ہو، بالفعل تو دبے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ نظر برایں وہ آمادہ ہوگیا کہ مذکورہ بالا مجلس کی قراردادیں تو قبول نہ کی جائیں لیکن دوبارہ مجلس کا انعقاد ہو اور اس کے فیصلے اسکاٹ لینڈ کی مجلس مبعوثین میں پیش کردئے جائیں۔ چنانچہ کلیسائی مجلس کا دوبارہ جلسہ ہوا اور اس نے محض پہلی قراردادوں کو دوبارہ منظور کرکے اوپر بڑھا دیا۔ اور چونکہ مجلس مبعوثین سے سرکاری اسافقہ خارج کئے جاچکے تھے، لہذا یہاں بھی مجلس کلیسا کے فیصلے بلا وقت منظور ہو جانے والے تھے کہ چارلس نے پھر اس کو جبراً آئندہ سال تک کے لئے ملتوی کر دیا کہ مبادا اس کی منظوری کے بعد پھر بادشاہ کو بھی تصدیق و توثیق کئے بغیر چارۂ کار باقی نہ رہے۔ اسکاٹ لینڈ والے اس فعل کو جنگ کی تجدید سمجھے اور درمیان کے وقفے میں اپنی تیاریاں مکمل کرتے رہے۔ ٹویڈ کے کنارے جو مقابلہ ہوا اور اس میں کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی، وہ تاریخ میں "پہلی جنگ اسافقہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

وینٹ ورتھ انگلستان میں

اس عرصے میں، چارلس نے لاڈ کے مشورے سے اپنے بہترین مشیر کو انگلستان بلوا لیا تھا۔ یعنی ستمبر ۱۶۳۹ء میں وینٹ ورتھ آئرستان سے آیا اور بلا تاخیر بادشاہ کا سب سے ممتاز وزیر بنا لیا گیا۔ اب تک اس نے انگلستان کے معاملات میں بہت ہی کم حصّہ لیا تھا۔ وہ بھی چارلس کی طرح قطعی رائے رکھتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کو جبراً مطیع کیا جائے لیکن اس کام کے لئے غیر معمولی اہتمام کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ پارلیمنٹ طلب کی جائے اور اگر وہ بادشاہ کی تائید کرے، فبہا ورنہ پھر بادشاہ اپنے آپ جیسا کچھ مناسب سمجھے عمل کرے اور اس صورت میں الزام اُس پر نہ رہے گا بلکہ سرکشی رعایا کی گردن پر رہے گا۔ یہ ثابت کرنے کی غرض سے

باب دوم

کہ مجلس شاہی کے ارکان دل سے چارلس کے ساتھ ہیں، وینٹ ورتھ نے خود بیس ہزار پونڈ نذر کئے اور اسی طرح دوسرے ارکان کی طرف سے رقوم دی گئیں اور اسی طرح کل ڈیڑھ لاکھ پونڈ جمع ہو گئے۔ مگر یہ تجویز کہ اہل لندن بھی اسی کی تقلید کریں، کامیاب نہ ہوئی وینٹ ورتھ پر شاہی اعتماد کے اظہار اور آئرستان میں اس کی کارگزاری کے صلہ میں، اسے ارل اسٹرے فرڈ بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ ۱۶۲۹ء کے صدر نشین پارلیمنٹ فنچ کو، جو زر جہازی کا سخت پرجوش مؤید تھا شاہی مہرداری کی خدمت تفویض ہوئی۔ دوسری طرف تالیف قلوب کی غرض سے اسٹروڈ اور ویلن ٹائن قلعہ لندن سے رہا کر دئے گئے۔

قصیر پارلیمنٹ

اپریل سنہ ۱۶۴۰ء میں چارلس کی چوتھی پارلیمنٹ جمع ہوئی جو "قصیر پارلیمنٹ" کہلاتی ہے۔ بادشاہ کو امید تھی کہ انگلستان کے باشندوں کو اسکاٹ لینڈ والوں کے خلاف اکسا کر فائدہ اٹھائے گا۔ پارلیمنٹ میں اسکوٹی حملے کے خطرات بہت کچھ بڑھا چڑھا کر پیش کئے گئے۔ وہاں کی مجلس کلیسا نے شاہ فرانس کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ منعطف کرائی گئی۔ اسی کے ساتھ یقین دلایا گیا کہ پارلیمنٹ محاصل درآمد برآمد اور روپے کی منظوری دے دے گی تو مبعوثین اطمینان سے دوسری شکایات پر غور و بحث کر سکتے ہیں۔ اہل انگلستان کی ناراضی اگر واقع میں ایسی معمولی ہوتی جیسی چارلس اور اسٹرے فرڈ کا خیال تھا، تو یہ تدبیریں چل جاتیں لیکن پارلیمنٹ کے طرز عمل سے بہت جلد ان لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں جو آسانی سے سب کام ہو جانے کی امید میں لگائے بیٹھے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہوئی تھی، اس وقت تک ایک پرگنے والے کو دوسرے پرگنے کے حال کی بہت کم خبر تھی۔ ایک حلقے کے پادری، برابر کے حلقے والوں سے کچھ کام نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے ملکی معاملے پر رائے عامہ بھی نہ پائی جاتی تھی مگر جونہی ہر علاقے کے مبعوثین جمع ہوئے، رائے عامہ بھی وجود میں آگئی۔ قوم کو ترجمان و وکلا مل گئے اور گویا ملک کو دوبارہ قوت نطق حاصل ہو گئی۔

قوم کے شکووں کو الفاظ میں ادا کرنے کا کام جان پم کے حصے میں آیا اور الیئٹ، کوک، فلیپس کے مرنے اور وینٹ ورتھ کے دوسری طرف جا ملنے سے

باب دوم

جان پم جو جگہ خالی ہوئی تھی، وہ اُس نے معمور کی۔ پم کی عمر اب چھپن سال کی تھی۔ سنہ ۱۶۲۱ء سے جتنی پارلیمنٹیں ہوئیں، ان سب میں وہ شریک رہا تھا۔ وہ سمرسٹ کا زمیندار تھا۔ مگر قانون کی تحصیل کی اور مالگزاری میں عہدہ دار بھی رہ چکا تھا۔ اسی بنا پر ہیوری ٹن فرقے میں بہت کم لوگ ملکی انتظامات میں ایسی واقفیت رکھتے تھے، جتنی اُسے حاصل ہوگئی تھی۔ پارلیمنٹ میں اسے امیر بڈفرڈ کے اثر سے نشست ملی تھی اور اس طرح دارالعوام کے علاوہ ہیوری ٹن فرقے کے امرا تک بھی اسے رسائی حاصل تھی۔ ان امرا میں بڈفرڈ، اسّیکس، سیاے، سیل اور برُوک سب سے ممتاز تھے۔ پم کی تقریر لب و لہجے میں معتدل تھی مگر سیاسی صورت حال کو اس نے بالکل صاف اور واضح کر دیا۔ اس نے کہا کہ پارلیمنٹ، ملک میں وہی مرتبہ رکھتی ہے جو انسان کے جسم میں قوائے عقلیہ کو حاصل ہوتا ہے۔ "پارلیمنٹ کے نظر انداز کرنے کو کلیسائی اور ملکی سب خرابیوں کی اصلی علت ثابت کیا۔ اور تحریک کی کہ دونوں ایوان مل کر بادشاہ کی خدمت میں اصلاح شکایات کا معروضہ پیش کریں۔" اس پر دوبارہ وہی پرُانا قضیہ چھڑ گیا کہ روپے کی منظوری پہلے دی جائے یا پہلے شکایتوں کا سدّباب ہو۔ اور اس بارے میں بادشاہ اور پارلیمنٹ بالکل مختلف الرائے تھے استٹرےفرڈ کی صلاح سے بادشاہ نے امرا سے استعانت کی اور دارالامرا نے رائے دی کہ رقمی منظوریاں پہلے ملنی چاہئیں لیکن دارالعوام اپنی بات پر قائم رہا۔ پھر اسٹرےفرڈ نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ زر جہازی کو چھوڑ کر کمتر رقم پر اکتفا کی جائے گی۔ مگر چارلس کو اصرار تھا کہ بارہ منظوریاں طلب کی جائیں اور دارالعوام یہ منظوریاں دینے پر اس وقت تک آمادہ نہ ہوا جب تک کہ بادشاہ یہ اقرار نہ کرے کہ ہر پرگنے کے بھرتی کئے ہوئے سپاہیوں کی "وردی اور خرچ" کا محصول بھی اسی پرگنے سے نہیں لیا جائے گا۔ واضح رہے کہ زر جہازی کا بار تو زیادہ تر جنوبی اضلاع پر پڑا تھا مگر یہ جدید محصول زیادہ تر شمال والوں کے سر پڑا۔ چنانچہ یارک شائر سے زر جہازی کی مد میں تو بارہ ہزار پاؤنڈ وصول ہوئے تھے لیکن جدید فوج کے سپاہیوں کے ساز و سامان اور خوراک کے لئے سے ۴۰ ہزار پاؤنڈ دینا پڑا۔ غرض بادشاہ نے مکرر بارہ منظوریاں طلب کیں اور

باب دوم

جواب میں دار العوام نے تجویز کی کہ بادشاہ سے اسکاٹ لینڈ والوں کے ساتھ مصالحت کر لینے کی درخواست کی جائے۔ بادشاہ کی نگاہ میں یہ تجویز اس بات کے مرادف تھی کہ سلطنت کی حکمت عملی قائم کرنا ہی بادشاہ کی بجائے پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آجائے اور قبل اس کے کہ مجوزہ درخواست مرتب ہو اُس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔ مجلس کلیسا کا البتہ اجلاس کچھ روز اور جاری رہا اور اس کے ارکان نے اپنی طرف سے معقول روپیہ دینے کے علاوہ کلیسا کے انتظامات کے متعلق بھی ایک جدید دستور العمل تیار کیا۔

اسٹرے فرڈ کی رائے

اب اسٹرے فرڈ کی قابلیت کی آزمائش تھی کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا وہ چارلس سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ مجلس شاہی میں اُس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ پارلیمنٹ کام نہ دے سکی لہذا بادشاہ کو خود مختاری کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ ادھوری تدبیروں سے کام نہیں چلا کرتا۔ بادشاہ کی کامیابی کا مدار اسکوٹوں کے معاملے پر ہے۔ پس یا تو انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور یا پوری قوت سے کام کیا جائے اس نے کہا "جنگ اسی شد و مد سے ہونی چاہئے جیسا کہ پہلے آپ کا ارادہ تھا کہ اس میں حکومت کے کسی قاعدے قانون کا پاس نہ کیا جائے... آئرستان کی فوج آپ کے قبضے میں ہے اور اس سے آپ یہاں کام لے سکتے اور پورے ملک (اسکاٹ لینڈ) کو تسخیر کر سکتے ہیں"۔ اس رائے میں لاڈ پورا موید تھا مگر اسٹرے فرڈ کو جلد معلوم ہو گیا کہ کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چارلس اور اس کے وزرا کی جبلت ہی ایسی نہ تھی کہ کسی کام کو "کامل" طور پر انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ لندن والوں نے قرض دینے سے انکار کیا اسٹرے فرڈ نے صاف کہہ دیا کہ جب تک چند آدمیوں کو سولی پر نہ لٹکا دیا جائے گا، ان شہریوں سے کام نہ نکلے گا۔ مگر مجلس شاہی کے باقی ارکان ایسی کارروائی پر آمادہ نہ ہوئے۔ خود چارلس کو باہر والوں سے مدد لینے کی سوجھی۔ ڈین مارک، ہولینڈ، اسپین حتیٰ کہ پاپا تک سے مدد کی استدعا کی گئی لیکن خود جم کر کام کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اسٹرے فرڈ بیمار ہو گیا اور اس کی

باب دوم

علالت میں معاملات اور بھی ابتر ہو گئے۔

دوسری جنگ اسا قفہ

اگست میں اسکوٹوں نے لزلی کے ماتحت خود ٹویڈ عبور کر کے تذبذب و تعطل کا خاتمہ کر دیا۔ ان قواعد داں سپاہیوں کے مقابلے میں چارلس کے بددل اناڑی بے ترتیبی کے ساتھ نیوبرن (لب ٹائن) کی طرف پسپا ہوئے۔ اسکوٹوں کا عبور روکنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن فوجی تدابیر ایسی بے ڈھنگی تھیں کہ وہ نہ رکے اور یارک شر میں اُمنڈ آئے معلوم ہوتا ہے مدافعت کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا اور اسٹرے فرڈ نے صیغہ راز میں اپنے دوست ریڈ کلف سے اقرار کیا کہ "اس درجہ ابتر معاملہ کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا.... ہر شخص پر خوف طاری ہے۔ بادشاہ کی ملازمت سے عام بددلی پائی جاتی ہے۔ بے عزتی کا کسی کو احساس تک نہیں۔ مختصر یہ کہ ان سب خرابیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تنہا میں بے یار و مددگار رہ گیا ہوں"۔ چارلس کو بڑی امید یہ تھی کہ اسکوٹوں کی پیش قدمی قومی جذبات کو برانگیختہ کر دے گی لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ اہل انگلستان بیرونی حملہ آوروں کی اپنے ملک میں فتح پانے کو خود اپنی کامیابی سمجھے اور چارلس کی مصیبت سے فائدہ اٹھا کر تازہ پارلیمنٹ منعقد کرنے پر مصر ہوئے۔ جواب میں چارلس نے ایڈورڈ اول کی نظیر سے کام لیا اور پارلیمنٹ کی بجائے "مجلس اکابر" منعقد کی۔ ان کا جلسہ یارک میں ہوا اور گو روپیہ فراہم کرنے میں ان لوگوں نے اپنی ضمانت پیش کی، تاہم پارلیمنٹ کے مطالبے پر بھی زور دیا اور بادشاہ کو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اسکوٹوں کو، ہنگامی صلح کے عوض میں پچیس ہزار ماہانہ ادا کرنے کا اقرار اور ۳ نومبر ۱۶۴۰ء کو نئی پارلیمنٹ طلب کرے۔

انتخاب کے حکمنامے جاری کر لئے اور پارلیمنٹ کے انعقاد میں جو وقفہ تھا اس میں انگریز اور اسکوٹی ناظر رپن میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کامل معاہدہ ہونے

عہدہ نامہ رپن

تک اسکوٹ نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم پر قابض رہیں اور اخراجات کے لئے ۲۵ ہزار پاؤنڈ ماہانہ انھیں ادا کیا جائے۔ ایک مہینے کی قسط کا انتظام کر دیا گیا اور دوسری پارلیمنٹ کے انعقاد کے بعد دی جانی قرار پائی۔

باب دوم

جس کے معنی یہ تھے کہ اگر چارلس پارلیمنٹ کو روپیہ بہم پہنچانے پر آمادہ نہ کر سکے تو اسکوٹ بلاتاخیر پیش قدمی شروع کردیں گے گویا اسکوٹی لشکر کا وجود اس بات کی ضمانت بن گیا کہ بادشاہ پارلیمنٹ کو برخاست نہ کر سکے گا۔

مشہور سنین

معروضہ حق	سنہ ۱۶۲۸ء
بکنگھم کا قتل	سنہ ۱۶۲۹ء
لاڈ صدر اسقف کینٹربری مقرر ہوتا ہے	سنہ ۱۶۳۳ء
وینٹ ورتھ، آئرستان میں	سنہ ۱۶۳۳ء
اسکاٹ لینڈ کا قضیہ	سنہ ۱۶۳۷ء
ہیمڈن کا مقدمہ	سنہ ۱۶۳۷ء
پہلی جنگ اسا قفہ	سنہ ۱۶۳۹ء
قصیر پارلیمنٹ	سنہ ۱۶۴۰ء
دوسری جنگ اسا قفہ	سنہ ۱۶۴۰ء

باب سوم

چارلس اول (جزو دوم)

طویل پارلیمنٹ

۳ نومبر کو، ویسٹ منسٹر میں چارلس کی پانچویں پارلیمنٹ جو "طویل پارلیمنٹ" مشہور ہے، منعقد ہوئی۔ دارالامرا کے ممتاز ارکان یہ تھے:۔ صدر اسقف لاڈ اس کے دوست جکسن، مین ویرنگ، این، مون ٹیگیو۔ اور پرانا حریف ولیمس، اسقف لیکن افتتاح کے وقت اسٹریفرڈ موجود نہ تھا اور غیر کلیسائی امیروں میں حسب ذیل اشخاص نمایاں تھے:۔ (۱) امیر رسل۔ جسے فکر تھا کہ ایک مستعد شخصی بادشاہی کے قیام و بقا کی کوئی صورت نکلے۔ (۲) سابق صدرنشین پارلیمنٹ اور زر جہازی کا حامی، لارڈ فنچ۔ (۳) امیر بڈفرڈ جو پیوری ٹن فرقے کا اعزازی سرگروہ اور پم کا سرپرست تھا۔ اسیکس و وارک اس کے دوست تھے۔ (۴) والی کونٹ سائے اور سیل کہ ریشہ دوانی میں طاق ہونے کی بدولت "پرانی عیاری" کے عُرف سے معروف تھا۔ (۶ و ۷) ایڈورڈ مون ٹیگیو المخاطب بہ لارڈ کمبول ٹن (جو آگے چل کے امیر منچسٹر بنایا گیا) اور روبرٹ گرویل المخاطب بہ لارڈ بروک۔ دارالعوام کے سرگروہ یہ لوگ تھے:۔ جان پم۔ جان ہیمڈن اور جان سلڈن جو پہلے سے مشہور تھے۔ ڈینزل ہولیس۔ اور ولیم اسٹروڈ

باب سوم

جنھوں نے ۱۶۲۹ء میں فینچ کو کرسی پر جبر اُٹھائے رکھا تھا۔ زرجہازی کے مقدمے میں ہیمڈن کا وکیل، سن جن۔ سر آرتھر ہیزل رگ۔ اولیور کرومویل اور سر ہنیری وین جو سب کے سب پکے پیوری ٹن تھے۔ برسٹل کا بڑا بیٹا، لارڈ ڈگبی جو بہت تیز مگر خود نما آدمی تھا۔ باوضع، محنتی اور کلیسا کا محب، ایڈورڈ ہائیڈ۔ سب سے گہرے خیال کا آدمی جو نہ لاڈ کے ساتھ تھا نہ "پیوری ٹن" گروہ کے لوسیئس کیری (المخاطب بہ وائی کونٹ فاک لینڈ) ایڈمنڈ والر، شاعر۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو آگے چل کے بادشاہ پسند بن گئے۔ ولیم والر، ریلف ہوپٹن، فرڈی نینڈ (لارڈ فیرفیکس) بھی قابل ذکر ہیں کہ اسیکس وغیرہ کے ساتھ آئندہ جنگ کے قائدین میں شامل تھے۔ نیز سر سائمن ڈیوز جس نے اس مجلس عظمیٰ کے روزانہ حالات کو بڑی محنت و عرق ریزی سے تحریر کیا اور انھی روزنامچوں سے ہمیں اس کے بہت کچھ واقعات کا علم ہوا۔ مبعوثین میں بیشتر تعداد دیہاتی شرفا اور قانون دانوں کی تھی۔ تجارت پیشہ لوگ معدودے چند تھے۔ اکثر مبعوث جامعات کے تعلیم یافتہ تھے اور انقلاب انگیز اصلاحات کا مطلق میلان نہ رکھتے تھے نہ انھیں ایسے اشخاص کے ساتھ کوئی انس تھا، جو رتبے اور عادات میں خود ان سے اختلاف رکھتے ہوں۔

اُن دنوں باقاعدہ گروہ یا فریق نہ تھے اور مبعوث جہاں چاہتے، ایوان کے مختلف حصوں میں جا بیٹھتے تھے۔ اسی لیے ہر شخص کا رتبہ متعین ہونے میں دیر لگتی تھی۔ تاہم، شروع سے ممتاز ترین آدمی جان پم تھا جس کا بڑا وصف، بحث کرنے کی اعلیٰ قابلیت اور کامل موقع شناسی سمجھا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ وجدانی آگہی بھی اُسے حاصل تھی کہ اس کے گروہ میں اکثر افراد حقیقت میں کیا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کی کمزوریوں اور تعصبات سے بری نہ تھا اور اسی وجہ سے ہمیشہ اُن سے متصل رہتا اور کبھی کبھی بالکل علیحدہ نہ ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر، اس کی بھی رائے یہی تھی کہ لاڈ اور اسٹرے فرڈ، ایک باقاعدہ سازش میں مصروف ہیں۔ اور لاڈ تو پروٹسٹنٹ مذہب کی بیخ کنی کرنی چاہتا ہے اور اسٹرے فرڈ نیابتی حکومت کے نظام کی تباہی کے درپے ہے۔ اور اس طرز عمل کی علت سمجھ سکے

باب سوم

کچھ نہیں کہ اسٹرے فرڈ ذاتی اغراض اور جاہ طلبی میں مبتلا ہے۔ اب اس رائے کو واقعیت کے خلاف مانا جاتا ہے لیکن اس زمانے میں اُس کے طرز عمل کا سبب ہی یہ بتایا جاتا تھا اور پم اس بارے میں محض دوسروں کا ہم خیال تھا۔ بہرحال پم کی یہ ہمت بھی اثر بڑھانے میں ممد تھی اور وہ تھوڑے ہی دن میں دارالعوام میں اتنا قوی ہوگیا کہ دشمن اسے "پم بادشاہ" کے نام سے یاد کرنے لگے۔

اسٹرے فرڈ اور لاڈ

وزرائے شاہی کی خودغرضی اور جاہ طلبی کا یقین اتنا عام تھا کہ ان کی حکمت عملی کی کوئی تائید پر آمادہ نہ ہوا بلکہ دارالعوام نے اسٹرے فرڈ، لاڈ اور ان کے خاص خاص حلیف اسافقہ اور ارکان عدالت پر مقدمہ چلانے کی قرارداد منظور کرلی۔ ایک ذیلی مجلس مرتب کی گئی کہ ان کے نظم ونسق کے نتائج کی تحقیقات کرے اسٹرے فرڈ نے مجلس شاہی میں جو تقریر کی تھی (صفحہ 536) وین (کلاں) نے اس کی یادداشت لکھ لی تھی۔ وہ بھی اسی زمانے میں پم کے ہاتھ لگ گئی اس طرح کہ وین (خرد) نے اپنے باپ کے کاغذات میں سے اس کی ایک نقل تو پم کو دے دی اور ایک اپنے پاس رکھی۔ اور اب پم نے تیاری کی کہ اسٹرے فرڈ پر غداری کا الزام عائد کیا جائے۔ اسٹرے فرڈ کا سب سے اچھا اور محفوظ عہدہ انگریزی یا آئرستانی لشکر کی سپہ سالاری ہوتا مگر چارلس نے اسے بہ اصرار لندن طلب کیا اور بادشاہی قول دیا کہ "اس کی عزت یا جان ومال پر کوئی آنچ نہ آئے گی" چنانچہ وہ دارالسلطنت پہنچ گیا اور بلاتاخیر رائے دی کہ ارکان دارالعوام پر جوابی حملہ کیا جائے اور خود اُن کے پیوری ٹن سرگروہوں پر اسکاٹ لینڈ والوں سے غدارانہ خط کتابت کرنے پر مقدمہ چلایا جائے۔ پم کو یہ خبر ہوگئی اور پہلا وار اسی نے کیا۔ ۱۱ نومبر کو دارالعوام کی طرف سے اسٹرے فرڈ پر ملک سے غداری کا الزام لگایا گیا اور یہ اسیر قلعۂ لندن میں بھیجدیا گیا۔

دسمبر میں یہی کارروائی لاڈ کے ساتھ ہوئی اور اس پر قریب قریب یہ الزام لگایا گیا کہ "وہ قوانین اور ان قوانین سے جو مذہب قائم ہوا ہے، وہ اُس کی بیخ کنی کی کوشش کرتا ہے"۔ اپنے معاصرین کی نگاہ میں لاڈ اگر بالکل نہیں تو تقریبًا وہی اہمیت رکھتا تھا، جو اسٹرے فرڈ کو حاصل تھی جب سے بکنگھم

باب سوم

مرا، اس وقت سے وہی بادشاہ کا خاص مشیر و محرم راز ہوگیا تھا اور چارلس کی ہر کارروائی میں دل و جان سے شریک و مدد رہا۔ صدر نظارت اور اسٹار چیمبر کی عدالتوں کا مستعد رکن تھا اور کلیسا کے انتظامات میں بڑا اقتدار رکھتا تھا کیونکہ ذاتی اثر کے علاوہ، اساقفہ کے گروہ میں اُس نے سب اپنے دوست بھر دئے تھے۔ اسی لئے پیوری ٹن ارکان پارلیمنٹ کے نزدیک لاڈ کے انتظام کو درہم برہم کرنا بہت ہی ضروری ہوگیا تھا۔

دوسری طرف، بہت سے مبعوثین ایسے تھے جو اُسقفی حکومت کے اصول اور ہم عصر اسقفوں کی حالت میں فرق کرتے تھے یعنی اصلاح کی خواہش کے باوجود کلیسائی نظام کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ انھیں کلیسا کی باضابطگی اور حسن انتظام پسند تھا اور کچھ یہ کہ وہ پرسبیٹری یا کلیسائی اہلکاروں کی حکومت سے ڈرتے تھے کہ وہ بھی اُسقفی حکومت سے کچھ کم مستبد نہ ہوگی اُسقفی حکومت کے ان طرفداروں میں ہائڈ، فاک لینڈ، ڈگبی اور سلڈن قابل ذکر ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ سیاسی معاملات میں اتحاد کے باوجود کلیسائی مسائل میں دارالعوام کے (موافق و مخالف اسقفیت) دو گروہ ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

لاڈ اور اسٹرے فرڈ کے ساتھ دارالعوام نے میر مجلس فنچ، برکلی اور شاہی معتمد وِنڈ بنیک پر بھی مقدمہ چلایا۔ فنچ تو زر جہازی کے مقدمے میں یہ کہا تھا کہ "پارلیمنٹ کے قوانین بنانے سے کوئی فرق نہیں واقع ہوتا" اور برکلی نے کہا تھا کہ "قانون کسی ایسی حکمت عملی کو نہیں تسلیم کرتا جو بادشاہ کے اس طرح لگام چڑھادے" ان ملزموں میں سے فنچ اور وِنڈ بنیک تو جان بچا کے یورپ کے ملکوں میں چل دئے اور دوسروں کے خلاف کارروائی کچھ نہ چلی۔ البتہ پارلیمنٹ نے جہاں چارلس کے وزیروں کو سزا دینے کا تہیہ کیا وہیں اُس کے کشتگان جور پر بھی توجہ کی۔ یعنی پرین، بیسٹ وک، برٹن، چیمبرز اور لِل برن جنھیں اسٹار چیمبر کی مطعون عدالت نے قید کیا تھا، رہا کردئے گئے وہ لندن آئے تو ہزاروں آدمیوں نے استقبال کیا اور ان کی تکالیف کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوگئی۔

قانون سہ سالہ | یہ یقینی بات تھی کہ چارلس اور اس کے ہوا خواہوں کو اتنی دلیری

باب سوم

زیادہ تر اسی لئے ہوتی تھی کہ پارلیمنٹ کی آیندہ بیٹھکوں کا جہاں ان کے افعال کی بازپرس کی جاسکتی، کوئی یقین ہی نہ ہوتا تھا اسی شبہ کو آیندہ دُور کر دینے کی غرض سے قانون سہ سالہ وضع کیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ کو دوبارہ طلب کرنے میں کبھی تین سال سے زیادہ وقفہ نہ ہونے پائے اور اگر بادشاہ حکم نامے نہ جاری کرے تو بھی اس قانون میں یہ انتظام کر دیا گیا تھا کہ سبقوتین کے انتخابات عمل میں آجائیں۔ ایک اور شرط یہ رکھی تھی کہ انفساخ سے پہلے کم سے کم پچاس روز تک پارلیمنٹ لازماً اجلاس کرتی رہے۔ اس قانون کی دوسری خواندگی کی تحریک اولیورکرومویل نے کی تھی۔

اسٹرے فرڈ کا مقدمہ

سنہ۱۶۴۰ء اور سنہ۱۶۴۱ء کے جاڑوں تک پارلیمنٹ مذکورۂ بالا کارروائیاں کرتی رہی اور ان کے بعد مارچ سنہ۱۶۴۱ء میں ایوان ویسٹ منسٹر میں اسٹرے فرڈ کا مقدمہ شروع ہوا اور دارالعوام کی طرف سے اہتمام مقدمہ کی خدمت خود پم نے انجام دی۔ مقدمہ چلانے والوں کو بڑی دشواری یہ ثبوت بہم پہنچانے میں پیش آئی کہ فی الواقع اسٹرے فرڈ نے غداری کا ارتکاب کیا۔ اس کی بہت سی زبردستیاں یا بعض قانون شکنی کی مثالیں بیان کرنا تو سہل تھا مگر اپنی صفائی میں اسٹرے فرڈ کا یہ کہنا کہ ایسی خطائیں تعداد میں کسی قدر کیوں نہ ہوں۔ غداری کا ثبوت نہیں ہوسکتیں، مسکت جواب تھا۔ اصل یہ ہے کہ اسٹرے فرڈ پر مقدمہ ملک سے غداری کرنے کا تھا۔ نہ کہ بادشاہ سے۔ اور ایڈورڈ ثالث کے عہد میں غداری کی جو تعریف متعین کی گئی اُس کے اندر ان دو پہلوؤں میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں رکھا تھا۔ پم شروع سے یہ خیال کرتا رہا کہ اسٹرے فرڈ نے مجلس شاہی میں جو تقریر کی، اس سے کام لینا سب سے کارگر ہوگا۔ تقریر میں ایک جملہ یہ تھا کہ آپ کی ایک فوج آئرستان میں موجود ہے اور آپ چاہیں تو اس سے یہاں کام لے سکتے اور ملک کو مسخر کرسکتے ہیں"۔ اب اگر "ملک" سے مراد انگلستان لیا جائے تو پھر توڑ مروڑ کے یہ معنی نکالے جاسکتے تھے کہ ان الفاظ سے "بادشاہ کے خلاف جنگ" مقصود تھی۔ مگر اول تو وین نے یہ ماننے سے انکار کیا کہ "ملک" سے "انگلستان" مراد ہے دوسرے ارکان مجلس نے بیان دیا کہ انھیں اصلی الفاظ

باب سوم

مطلق یا وہ نہیں رہے۔ تقریر میں دوسری دھمکی یہ تھی کہ لندن کے اعیان کو سُولی پر لٹکا دیا جائے مگر تحقیقات ہوئی تو اِس میں غداری کا کوئی پہلو ثابت نہ ہوسکا۔ اسٹرے فرڈ کو سپہ سالاری کا حکمنامہ ملا تو اس میں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بغاوت کو فرد کرسکتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض اٹھایا گیا تھا مگر جواب میں کہا گیا کہ اس قسم کے الفاظ سپہ سالاروں کے حکمناموں میں عموماً رسمی طور پر تحریر ہوتے ہیں غرض عوام کا استغاثہ کمزور ہوا جاتا تھا اور انھوں نے مزید شہادتیں فراہم کرنے کی مہلت مانگی۔ اسٹرے فرڈ نے بھی اسی قسم کی اجازت طلب کی لہذا مقدمہ ملتوی کر دیا گیا۔

"خرابیٔ خون" کا فتویٰ

اب پم نے سمجھا کہ وین (کلاں) کی شہادت سے کام لینے کا وقت آگیا ہے اور اسی روز دارالعوام میں یہ تحریر اور وین خرد کی یادداشتیں پڑھی گئیں۔ اصل تحریر کے متعلق سوال ہوا تو وین (کلاں) نے جواب دیا کہ وہ تحریر بادشاہ کے حکم سے جلا دی گئی۔ اس پر ہیوری ٹن گروہ کی زیادہ شدت پسند جماعت نے اسٹرے فرڈ کے خلاف "خرابیٔ خون" کی تجویز پیش کی اور وہ بلاتاخیر مسودہ قانون کی صورت میں پہلی مرتبہ پڑھی گئی۔ دوسرے دن دارالامرا میں اسٹرے فرڈ طلب ہوا کہ جو کچھ صفائی پیش کرسکتا ہے۔ بلاتاخیر پیش کردے۔ اسٹرے فرڈ نے وہی دلیل پیش کی جو پہلے پیش کی تھی کہ جو چیز جزاً غداری نہیں وہ کلاً بھی غداری نہیں ہوسکتی اور جس جرم کا قانون میں ذکر ہی نہیں اس پر سزا دینا سراسر انصاف کے خلاف ہے۔ پم نے کہا کہ مطلق العنان حکومت سے ہمیشہ رعایا ذلیل ہوجاتی ہے اور اگر سرکاری سکّے کو خراب کرنا غداری میں داخل ہے تو کیا سرکار کی رعایا کی خودداری بگاڑنا، غداری نہ ہوگا؟" اُدھر انتہا پسند خرابیٔ خون کے قانون پر زور دے رہے تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ اسٹرے فرڈ نے انگلستان کے اساسی قوانین کو مٹانے کی کوشش کی۔ پم اور ہیمڈن مقدمہ چلانا ہی مناسب سمجھتے تھے لیکن آخرکار دونوں ایوانوں میں یہی طے ہوا کہ خرابیٔ خون کے قانون ہی سے اُس کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے۔ دارالعوام نے اس قانون کو ۵۹ کے مقابلے میں ۲۰۴ رایوں سے منظور کیا۔ ڈگبی اور سیلڈن استغاثے کے پیرو کار تھے لیکن اس موقع پر انھوں نے اکثریت کے خلاف رائے دی۔ یہ خبر سن کر چارلس نے اسٹرے فرڈ

کو دوبارہ خط سے اطمینان دلایا کہ بادشاہ کا قول اس کے ساتھ ہے کہ اُس کی جان مال یا عزت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے گی"۔ دارالامراء میں فریقین کی تعداد مساوی تھی اور زیادہ تر بحث اس بات پر رہی کہ اگر اسٹرے فرڈ کو سزائے موت نہ دی جائے تو کیا چارلس کو کسی طرح اس امر سے باز رکھا جا سکے گا کہ اسٹرے فرڈ سے کوئی کام نہ لے؟ اسیکس وغیرہ تو کہتے تھے کہ مرے پیچھے کوئی رفاقت نہیں چل سکتی۔ بڈفرڈ اور برسٹل وغیرہما کی رائے تھی کہ حبس دوام کی سزا کافی ہو گی۔ مگر پِم کو ایک اور شافی دلیل بھی مل گئی تھی۔ کچھ دن سے اسے علم تھا کہ چارلس اور ہنریتا ماریہ دونوں شمالی انگلستان کی فوج سے رسل و رسائل کر رہے ہیں کہ لندن پر چڑھائی کر کے اسٹرے فرڈ کو جبراً قلعے سے چھڑایا جا سکے۔ اور اسی اطلاع سے پِم نے مذبذب اُمرا کو ڈرا کر اپنے موافق بنانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ۲ مئی کو دارالعوام میں ایک تقریر کی جس میں نہ صرف یہ بتایا کہ ایک فوجی سازش ہو رہی ہے بلکہ اشارۃً یہ بھی کہا کہ ایک فرانسیسی فوج پورٹس متھ پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہو چکی ہے اور ملکہ وہاں اُس سے جا ملے گی۔ اس بیان سے ہیجان برپا ہو گیا۔ مبعوثین کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے حلقوں میں معلوم کریں کہ کتنے ہتھیار موجود ہیں۔ شہر کے سدھے ہوئے جوق جوق جمع ہو گئے۔ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ درباریوں کو روکے رکھے اور ملکہ کو پورٹس متھ نہ جانے دے۔ لندن میں بیس ہزار آدمیوں کے دستخط سے اسٹرے فرڈ کے قتل کی درخواست تیار ہوئی اور جنھوں نے دارالعوام میں اُس کی طرفداری میں رائے دی تھی، اُن کی فہرست "حامیان اسٹرے فرڈ" کے نام سے چھاپ کر شائع کی گئی۔ اسی ہلچل میں خرابیٔ خون کا مسودہ قانون دارالامراء میں پیش ہوا، تو امیر برسٹل تک مخالفت سے باز آ گیا۔ امیر بڈفرڈ آنا بھی چاہتا تو چیچک کے باعث (جو مرض الموت ثابت ہوئی) نہ آ سکا۔ اب اسٹرے فرڈ

اسٹرے فرڈ کا قتل

کی تقدیر کا انحصار گویا چارلس پر آ ٹھیرا اور وہ دو روز تک تذبذب میں رہا کہ کیا کرے۔ ایک طرف اپنے قول کا خیال تھا اور دوسری طرف یہ اندیشہ کہ انکار کیا تو ملکہ اور اولاد پر آفت آئے گی۔ مگر اسٹرے فرڈ اب بھی اپنی اصول پر کہ جو کچھ ہو "کامل" ہو، قائم رہا

باب سوم

اور لکھ بھیجا کہ اگر میری موت سے آئندہ بہتری کی صورت نکلے تو میں خوشی سے چارلس کو وعدے سے آزاد و معاف کر دوں گا اور خود ہی رضامندی مجھے خدا کی نظر میں ایسا بے گناہ بنا دے گی کہ دنیا بھر بھی نہیں بنا سکتی۔" آخر بادشاہ اپنے تردد سے اُکتا گیا۔ اُسقف ویلیمز نے بھی ذاتی اور ملکی ضمیر میں فرق بنا کے اُس کی تسلی تشفی کی اور چارلس نے مسودہ قانون پر دستخط کر دے۔ ۱۲ مئی کے دن دو لاکھ اشخاص کے سامنے اسٹرےفرڈ کا قلعہ لندن کی پہاڑی پر سر قلم کر دیا گیا اور یہ نامور مشخص کردہ خطاؤں کی سزا میں نہیں، بلکہ آیندہ افعال کے اندیشے کی بنا پر مار دیا گیا اور خود اس کا مقولہ کہ سب سے مقدم قانون، ملک کی حفاظت ہے" اُس کے خلاف کام میں لایا گیا۔ عوام کے سرگروہ اُس کے مرنے سے سمجھے کہ ان کے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن کا خاتمہ ہوا۔

پارلیمنٹ کا انفساخ صرف اسی کی رائے سے

جس روز چارلس نے اسٹرےفرڈ کے قتل پر دستخط کئے اسی روز ایک اور قانون کو بھی منظوری دی جس کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ خود اپنے ارکان کی رضامندی کے بغیر آئندہ فسخ نہ کی جائے گی۔ اس قانون کی اہمیت کا اُس وقت بمشکل لوگوں نے صحیح اندازہ کیا اور اسے محض پارلیمنٹ کی ساکھ بڑھانے کا ذریعہ سمجھے کہ اب سرمایہ دار آسانی سے پارلیمنٹ کو قرض دینے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن حقیقت میں یہ قانون بہت بڑی آئینی منزلت رکھتا ہے اور اسی کی بدولت آئندہ خانہ جنگی میں پارلیمنٹ کا قانونی مرتبہ قائم رہا۔ اس کے ذریعے بادشاہ کا محض خود رائی سے پارلیمنٹ کو فسخ کر دینا، (جیسا کہ ۱۶۲۹ء میں ہوا تھا) موقوف ہوا اور مزید برآں (اب بادشاہ کو یہ اختیار بھی نہ رہا کہ عام انتخابات کے ذریعہ ملک کی عام رائے معلوم کر سکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس وقت جو پارلیمنٹ قائم تھی وہ حکومت خواص کی مجلس بن گئی کہ بادشاہ کے تلون اور نیز رائے دہندوں کے جذبات دونوں سے آزاد و مستغنی تھی۔ اور چونکہ قانوناً نہ پارلیمنٹ، بادشاہ سے پیچھا چھڑا سکتی تھی نہ اب بادشاہ پارلیمنٹ سے، لہٰذا قانون مذکور کا ایک اور نتیجہ یہ مترتب ہوا کہ ان کی باہمی منازعت کی صورت میں صرف تلوار ان میں فیصلہ کرنے والی چیز رہ گئی۔ جب یہ قانون منظور

باب سوم

ہوگیا تو محاصل درآمد و برآمد اور ایک دوسرے خراج کی جو سو پاؤنڈ سے لے کے فی کس نصف شلنگ تک تھا، منظوری دی گئی۔ اگست میں اسکاٹ لینڈ کی فوج سے مصالحت کی شرطیں طے کی گئیں اور اس کے اور شمال کی انگریزی فوج کے ہتیار کھلوا دئے گئے۔

۱۶۴۱ء کی بہار اور گرمیوں میں پارلیمنٹ کے سب فرقے ملک کو مطلق العنانی کی خرابیوں اور ہتیاروں سے بچانے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرم رہے۔ صدر نظارت اور اسٹار چیمبر کی عدالتیں، اور انھی کے ساتھ شمالی انگلستان اور ویلز کی مجلسیں توڑ دی گئیں۔ فاک لینڈ کی رہبری میں دارالعوام کی طرف سے زر جہازی کو مذموم و غیر آئینی بتایا گیا اور سیلڈن نے ایک قانون پیش کرکے اسے بالکل ممنوع قرار دیا۔ اسی مبعوث نے زر خطابات کے خلاف قانون پیش کیا تھا اور نیز جنگلات کی وہی حدود بحال کرائی تھیں جو ہالینڈ کی تحقیقات سے قبل تھیں۔ پھر وہ لوگ جنھوں نے پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر محاصل درآمد و برآمد وصول کئے تھے، خاطی قرار دئے گئے۔ یہ سب تحریکات عملاً اتفاق آرا سے منظور ہوئیں کیونکہ ابھی تک چارلس کا کوئی موید گروہ دارالعوام میں نہ تھا۔ لیکن جب مذہبی مباحث کی نوبت آئی تو ابتدا ہی میں دو مذہبی فرقوں کی باہمی مخالفت نمایاں ہو گئی۔

"جڑ پیڑ والا" معروضہ

یہ اختلاف سب سے پہلے فروری میں ظاہر ہوا جب کہ پندرہ ہزار اہل لندن کے دستخطوں سے ایک عرضی پیش ہوئی کہ اسقفی حکومت کا "جڑ پیڑ سے" خاتمہ کردیا جائے۔ اس کے مقابلے میں سات سو پادریوں نے کلیسائی انتظام میں محض اصلاح کا معروضہ گزرانا۔ مباحثے میں فاک لینڈ، ہائڈ، کلپی اور سیلڈن اپنے ساتھ والوں سے الگ ہو گئے۔

بخلاف اس کے، یہ تحریک کہ اساقفہ کو دارالامرا کی رکنیت اور ملکی عہدوں سے خارج کر دیا جائے، بلا دقت منظور ہو گئی کیونکہ دارالعوام میں باقی ماندہ اسقفوں کے دوست بہت کم تھے دوسرے یہی مذہبی پیشوا اسکاٹ لینڈ کی لڑائی کے بانی مبانی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب یہ قرار دادیں قانون بنائے جانے کی غرض سے دارالامرا میں آئیں تو

باب سوم

امرا نے ان کو نامنظور کیا، اس لئے کہ وہ دارالامرا کی ترکیب میں عوام کی مداخلت کو ناپسند کرتے تھے۔ اسٹرے فرڈ کے مرنے کے بعد اولیور کروم ویل۔ وین (خرد) اور ہیزل رگ نے اہل لندن کے معروضہ کے مطابق ایک مسودہ قانون مرتب کر دیا جس کا نام ہی "جڑ بیڑ کا مسودہ قانون" تھا اور جس کا منشا یہ تھا کہ اسقفی نظم و نسق کا خاتمہ کیا جائے اور ہر اسقفی حلقے میں علما اور غیر علما کی مخلوط جماعت کلیسا کا انتظام کرے۔ لیکن اسقفی پسندوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔ ادھر دارالامرا کی طرف سے ایک قوی ذیلی مجلس کا تقرر کیا گیا کہ مذہب کے متعلق کلیسا میں جو بدعات ہونے لگی ہیں، ان سب پر غور کرے۔ مجلس کا صدر ولیمز کو بنایا گیا اور عارضی طور پر مصالحت کی غرض سے اسقفوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مسیح کی میز کو گرجا کے مناسب مقام پر اپنی نگرانی میں، قائم کرائیں جہاں وہ گزشتہ ساٹھ سال کے اکثر زمانے میں لگائی جاتی رہی ہے۔ عام اندازہ یہ تھا کہ ولیمز کی ذیلی مجلس لاڈ کی نئی کارروائیوں کے خلاف اور اسقفی اختیارات کو محدود کرنے کی تحریک کرے گی۔

مذکورہ بالا مناظرہ پارلیمنٹ تک محدود نہ تھا بلکہ دونوں فریق عام رائے سے مدد کے طالب تھے۔ ایکزیٹر کے اسقف ہال نے "عدالت العالیہ پارلیمنٹ کی خدمت میں، کلیسا کے ایک اطاعت گزار فرزند کا احتجاج" شائع کیا۔ دوسری طرف سے پانچ پیوری ٹن علما نے مل کر "جواب احتجاج" چھاپا اور پانچوں کے پہلے حروف ملا کر مصنف جواب کا نام سمک ٹی ومنوس تحریر کیا۔ ان پانچ کے نام یہ تھے:۔ اسٹیفن مارشل، ایڈورڈ کیلامی، ٹامس ینگ، میتھو نیوکومن، اور ولیم سپرس ٹاو۔ آرمگ کے صدر اسقف نے ایک نئی تجویز پیش کی کہ اسقف کو کلیسائی اہل کاروں کی مجلس کا صدر بنا دیا جائے اور یہ اہلکار اسی کے مشورے سے انتظام کریں۔ آخری، مگر کافی مشہور جان ملٹن کا رسالہ "اصلاح کلیسا، انگلستان کا کلیسائی انضباط اور اس کے موانع" تھا جس میں مصنف بے تحاشا اسقفوں کی مذمت کرتا اور ان کے نظم و نسق کو اصلاح کلیسا کی تحریک میں پوری کامیابی نہ ہونے کا اصلی سبب قرار دیتا ہے یعنی وہ کامیابی

جس کی پرجوش پروٹسٹنٹوں کو تمنا تھی۔ اسی رنگ کے اور بھی رسالے ملٹن نے تحریر کیے۔ نتیجہ اس تمام مناقشے کا یہ ہوا کہ عوام کی نظر میں آئینی اصلاحات سے بھی زیادہ اہمیت کلیسائی معاملات کو حاصل ہو گئی اور لوگ کسی فریق میں شامل ہونے کے لئے، سیاسی آرا کی بجائے اس فریق کے مذہب کو زیادہ جانچنے لگے۔

چارلس اسکاٹ لینڈ میں

اگست میں چارلس نے کسی قدر عجلت میں یہ فیصلہ کیا کہ اسے اسکاٹ لینڈ جانا چاہئے۔ وہ دس تاریخ اڈن برو روانہ ہوا اور ادھر اس کے عقب میں پارلیمنٹ نے ایک جماعت روانہ کی جس کا ظاہری منشا تو یہ تھا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے لیکن دراصل اس کی کارروائیوں کی نگرانی منظور تھی کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو ان کی اطلاع ملتی رہے۔ اس جماعت کے صدر ہیمڈن اور فینز تھے۔ خود چارلس کی غرض یہ تھی کہ اہل اسکاٹ لینڈ کو پوری طرح رضامند کر کے پھر انگلستان سے آزادی کے ساتھ بھگت لے اور ممکن ہو تو پارلیمنٹ کے مقابلے میں اسکاٹ لینڈ ہی کو مرکز بنا کر لڑائی لڑے۔ چنانچہ اسکاٹ لینڈ والوں کے جملہ مطالبات کو اس نے قبول کر لیا۔ ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی پوری کوشش کی آرجائل، ہنڈرسن اور دوسرے مقبول عام سرگروہوں کے ساتھ خصوصیت سے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ مگر انگلستان کی طرح، یہاں بھی اس کا دربار سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا اور بعض تیز مزاج امیروں نے جن کا سردار کرافرڈ تھا، عامی اور متوسط درجے والوں کے نئے رسوخ و اقتدار سے جل کر یہ بے تکی تجویز سوچی کہ آرجائل اور اسی کے ساتھ ہیملٹن و لینارک کو گرفتار، بلکہ ہو سکے تو قتل کر دیا جائے کہ یہ سب مل کر کام کر رہے تھے۔ اس تجویز کو تاریخ میں "واقعہ" کہتے ہیں اور کو صاف طور پر معلوم نہیں کہ چارلس کا اس میں حصہ کس حد تک تھا، لیکن یہ راز کھلا تو بادشاہ کی ہر دلعزیزی ختم ہو گئی اور آرجائل کو وہ اقتدار حاصل ہو گیا کہ گویا وہی اسکاٹ لینڈ کا بے تاج کا بادشاہ بن گیا۔ بایں ہمہ چارلس برابر اسی امید میں۔ ہاکہ اسکاٹ لینڈ سے اسے مدد ملے گی اور واپس انگلستان جانے سے پہلے اس نے آرجائل کو مارکوئس، لزلی کو میرلون

باب سوم

اور جانسٹن (وارسٹنی) کو سرداری کا خطاب عنایت کیا۔
لاڈن برو کے قیام کے زمانے میں وہ یہ بھی کوشش کرتا رہا کہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں اور اسکوٹی حملہ آوروں کے باہمی سازباز کی شہادتیں فراہم کرے۔ اس ذریعے سے وہ پم اور اس کے دوستوں کے مہلک ضرب لگانا چاہتا تھا۔ دوسرے بڑی امید یہ بندھ گئی تھی کہ اُسقفی پسند گروہ اس کے ساتھ ہوجائے گا اور وہ طے کئے ہوئے تھا کہ ان کا سرگروہ بن جائے گا۔ اُمرا کو اُس نے ایک مراسلہ بھی تحریر کیا کہ "میں کلیسائے انگلستان کے انضباط کے اصول پر جیسے الزبتھ اور میرے باپ نے قائم کیا تھا، مستقیم رہوں گا اور خدا کے فضل سے آخر دم تک اس اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔"
چارلس کے جانے کے بعد "جزیہ" والا قانون تو چھوڑ دیا گیا اور پارلیمنٹ ملک کے عملی انتظامات کی طرف متوجہ ہوئی جسے چارلس نے کچھ مدت سے بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ دونوں ایوانوں کے اتفاق رائے سے ایک حکمنامہ مرتب ہوا کہ شمالی فوج کے اسلحہ ہل میں جمع کرا دئے جائیں اور قلعۂ لندن کی احتیاط سے پہرہ چوکی کرائی جائے۔ قومی عبادت کے معاملے میں باقاعدگی پیدا کرنے کا مسئلہ ایسی آسانی سے طے نہ ہوسکتا تھا جب تک کہ کوئی قطعی تصفیہ نہ ہو۔ بعض لوگ کتاب الصلوٰۃ میں ترمیم کے خواہاں تھے بعض اس کے خلاف تھے۔ بالآخر نمازیوں سے استدعا شائع کی گئی کہ جب تک مجوزہ اصلاح عمل میں آئے، وہ خاموشی سے جماعت میں شریک ہوں اور خدا کی نماز اور ملک کے امن امان میں کسی ہنگامہ و فساد سے رخنہ نہ ڈالیں۔
۹ ستمبر کو دونوں ایوانوں کے اجلاس ۲۰ اکتوبر تک ملتوی ہوئے مگر پم کی صدارت میں ایک ذیلی مجلس لندن میں مقیم رہی کہ حالات کی نگرانی کرتی رہے۔ غالباً اسی وقفے میں ایک گروہ مرتب ہوا جس کے نزدیک بادشاہ کافی مراعات دے چکا تھا اور اس لئے اب مناسب تھا کہ اسے پھر آزادی سے کام کرنے اور یہ ثابت کرنے کا موقع دیا جائے کہ وہ اسٹرے فرڈ کے وقت کی روش چھوڑ چکا ہے۔ اس گروہ کی تعداد بڑھنے میں سب سے بڑی وقت یہ تھی کہ لوگ

باب سوم

چارلس پر اعتماد نہ کرتے تھے کیونکہ جو لوگ اُس کے مزاج سے سب سے زیادہ واقف تھے انھیں پورا یقین تھا کہ اسے استطاعت ملی تو وہ اسی پرانی روش پر چلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔ تاہم ایک امکان ضرور پیدا ہو گیا کہ اگر چارلس اِن بادشاہ پسندوں اور اسقفی پسندوں میں کسی طرح اتحاد کرا سکے تو پھر اکثریت کی تائید اُسے حاصل ہو سکتی تھی۔ ایسا ہو جانے کی مزید امید اس واسطے بھی پیدا ہوی کہ بہت سے لوگ جو ذاتی طور پر مذہب سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے محض یہ دیکھ کر کہ جاہل و ناخواندہ اشخاص اپنے سے زیادہ ذی علم اور عالی رتبہ لوگوں کو حکماً اپنے عقائد پر چلانا چاہتے ہیں، اُن سے سخت بیزار ہو گئے تھے۔

اس عرصے میں مذہبی قضئے کا وہ حل، جو آخر میں مقبول ہوا، معرض تحریک میں آ گیا۔ اسٹار چیمبر کے ایک سابقہ زخمی، ہینری برٹن، نے اپنی تصنیف Protestation Protested شائع کی جس میں کلیسا کو حکومت کی طرف سے نظم و نسق کی آزادی اور کلیسا کو معترضین سے کامل روا داری برتنے کی مفصل تجویز پیش کی گئی تھی۔ اور لارڈ برُوک نے انگلستان کی اسقفی حکومت کی عملی صورت پر ایک مباحثہ تحریر کیا اور عقائد و تقریر کی پوری آزادی دئے جانے کی حمایت کی۔ مگر افسوس ہے کہ ان دونوں کے خیالات کے بہت ہی کم معاصرین ہم آہنگ ہوئے۔

آئرستان کی بغاوت

پارلیمنٹ نے مشکل سے دوبارہ کام شروع کیا تھا کہ آئرستان سے خوفناک خبریں آنے لگیں۔ اہل آئرستان اور بغاوت میں سالہا سال سے کوئی رکاوٹ بجز اس علم کے باقی نہ تھی کہ انگلستان ہم سے قوی تر ہے۔ لہذا اسٹر ے فرڈ کے ہٹنے اور بادشاہ اور پارلیمنٹ کی ان بن کا حال معلوم ہونے سے گویا ان لوگوں کی بن آئی۔ اتفاقات نے تھوڑی دیر کے لئے وہاں کے دو دگر دہوں کو جو مدت سے حریف تھے، متحد کر دیا۔ یہ قدیم انگلستانی نارمن اور وہ قلطی زمیندار تھے جن کی اراضی چھن گئیں اور وہ انھیں واپس لینا چاہتے تھے۔ اور اول الذکر کے آباد کار بیشتر کیتھولک مذہب رکھتے تھے انھیں اپنے

باب سوم

مذہب کے ساتھ روا داری کیے جانے کی خواہش تھی۔ غرض یہ دونوں گروہ آپس میں مل گئے اور ہمہ گیر بغاوت کی تیاریاں ہونے لگیں جس کا علم ۲۳ ۔ اکتوبر کو بلند ہونے والا تھا۔ بغاوت کے سرغنہ یہ لوگ تھے :۔ **روجر مور**، جو عمدہ اخلاق اور بلند مقاصد رکھتا تھا۔ **سر فیلم اونیل**، السٹر کے اونیل خاندان کے نمایندہ ہونے کا مدعی اور **لارڈ میگوائر**۔ ان کی سازش سے ڈبلن کے حکام ۲۲ ۔ اکتوبر کی شام تک بے خبر تھے۔ اور گویا خاص بغاوت کی رات کو ایک مخبر نے انھیں باغیوں کے منصوبوں کی اطلاع دی اور بہ مشکل اتنا وقت ملا کہ میگوائر کو گرفتار کرکے بالاحصار میں کچھ فوج متعین کر سکیں۔ دوسرے دن تمام شمالی علاقے میں آگ بھڑک اٹھی قتل عام کرنے کی تجویز تو باغیوں نے مسترد کر دی تھی مگر اس میں شک نہیں کہ بے گناہوں کے خون سے جا بہ جا ہاتھ رنگے اور انگریز آباد کاروں کو بالکل غفلت اور سخت سردی میں گھروں سے نکالا اور طرح طرح کی بے رحمیاں کی گئیں۔ کچھ دیر کے لئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انگریزوں کے اقتدار کا حتمی طور پر خاتمہ ہو گیا اور یہ تو یقینی بات تھی کہ فوری تدارک کے سوا، دوبارہ اقتدار قائم کرنے کی اور کوئی صورت باقی نہ تھی۔

ویسٹ منسٹر میں یہ اطلاع پہنچی تو پم اور اس کے رفیق یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے کہ آیا انگلستان میں اپنے حقوق کا پورا اطمینان ہو جانے تک آئرستان کا ہاتھ سے نکل جانا گوارا کریں، یا یہ کہ پہلے آئرستان پر اقتدار جمانے کی فکر کریں اور بادشاہ کے واسطے فوج بہم پہنچائیں جس میں یہ جوکھوں موجود تھا کہ شاید وہی فوج آیندہ خود اُن کے خلاف لڑائی جائے۔ آخر طے پایا کہ جو فوج بادشاہ کے سپرد کرنی پڑے، اس میں توازن کی غرض سے ایک معقول حصہ اسکاٹ لینڈ والوں کا شامل ہو چنانچہ دس ہزار انگریز اور دس ہزار اسکوٹی سپاہیوں کا لشکر آئرستان کے واسطے منظور ہوا

استففی لپسند جماعت کی تنظیم، ایک نئے گروہ کا وجود میں آنا جو بادشاہی حقوق پر مزید دست درازی کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا پھر یہ آئرستان کی بغاوت کا قضیہ اور بادشاہ کی طرف سے تازہ ریشہ دوانیوں کا خطرہ، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ پم اور **ہیمڈن** نے قوم کو بادشاہ کے خلاف پارلیمنٹ کی تائید پر

باب سوم

احتجاج کبیر

آمادہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ استدعا ایک ''احتجاج کبیر'' کی شکل میں قلمبند ہوئی اور اس مشہور و معروف دستاویز میں ۲۰۶ فقرات تھے۔ شروع میں پاپا پرستوں، بادشاہ کے بدباطن مشیروں اور اسقفوں پر حملہ تھا کہ یہ لوگ ملک کے اساسی قوانین کو توڑ کر پھر پاپائی اقتدار قایم کرنے کی فکر میں رہے۔ اور ان الزامات کے ثبوت میں آغاز حکومت سے چارلس کی سیاسیات و مذہب کے معاملے میں خود رائی اور غلط روی کے جملہ افعال بیان کئے تھے۔ ان کے مقابلے میں پارلیمنٹ کے مفید کاموں کی فہرست تھی اور مذہب و سیاسیات میں آیندہ حکمت عملی کا اظہار تھا۔ جس کی سب سے اہم عملی تجاویز یہ تھیں کہ آیندہ بادشاہ کے مشیر پارلیمنٹ کی مرضی سے مقرر کئے جائیں گے۔ کلیسائی انتظام کے لیئے انگلستان اور بیرون انگلستان کے علما کی ایک مجلس بنے گی کہ کلیسا کے امن و انتظام کے متعلق جملہ امور ضروریہ پر غور کرے اور اس کی مرتبہ تجاویز پارلیمنٹ کی منظوری سے قانون عام کی شکل اختیار کر سکیں۔ اس تحریر کی سیاسی تجاویز سے ہائڈ و فاک لینڈ تک اختلاف نہ رکھتے تھے لیکن کلیسا کے متعلق فقرات پر سخت مخالفت ہوئی کیونکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ پارلیمنٹ کی اکثریت کے ہم عقیدہ نہ ہوں، اُن پر اسی قسم کی مذہبی بیداد کی جائے جیسی کہ لاڈ انگلستان میں یا ونتھ روپ امریکہ میں کر چکے تھے۔ اُسقفی پسند اور شاہی دونوں گروہ مخالفت میں متحد ہو گئے اور یہ فقرے ۱۴۸ کے مقابلے میں صرف ۱۵۹ آرا سے منظور ہو سکے۔ اکثریت نے اپنی فتح کو نمایاں کرنے کی غرض سے فوراً اس تحریر کو چھپوانے کی ہدایت کی اور بادشاہ کے خلاف ملک سے امداد کی درخواست شائع کر دی، اگرچہ اسی کے ساتھ انھوں نے ایسی حکمت عملی کا اعلان کر دیا جو کلیسائی حکومت اور اسقفیت کے حامیوں کے نزدیک صریحاً جور و استبداد کی دھمکی کے مرادف تھی۔

۲۲ نومبر کی صبح چار بجے ''احتجاج کبیر'' دارالعوام میں منظور ہوا تھا۔ ۲۵ نومبر کو چارلس واپس لندن پہنچا اور خود بھی خوش تھا اور استقبال بھی اچھا ہوا جب سے پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا، اُس کا معاملہ اتنا امید افزا کبھی نہ تھا جتنا اب ہو گیا اور جب اس نے شہریوں کو یقین دلایا کہ قوانین کے مطابق

باب سوم

حکومت کروں گا اور یہ پیام دُہرایا کہ پروٹسٹنٹ مذہب کو جیسا کہ اس کے باپ اور الزبتھ کے زمانے میں مروج تھا، قائم رکھوں گا خواہ اس میں جان اور عزیز ترین چیزوں کو نثار کرنا پڑے، تو خاصی طرح یقینی نظر آنے لگا کہ بادشاہ بے یار و مددگار نہ رہے گا۔ شہر لندن تک میں، جہاں تک دولت مند طبقے کا تعلق ہے، لوگوں کے خیالات دوبارہ بادشاہ کی طرف رجوع ہونے لگے جس کا ایک سبب تو وہ بھاری بھاری محصول تھے جو پارلیمنٹ نے اسکوٹوں کو روپیہ دینے کی غرض سے عائد کئے اور دوسرے یہ کہ فرقہ پسند دل کے ہنگاموں سے لوگوں کو بہت نفرت پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف، پارلیمنٹ چارلس کی جانب سے اور بھی کھٹک گئی اور جب بادشاہ نے سابقہ پہرے کی بجائے امیر ڈورسٹ کی سرداری میں نیا پہرہ پارلیمنٹ کے ایوانوں کے گرد مقرر کیا تو سعوتین کے اندیشے اور بھی قوی ہونے لگے کیونکہ ڈورسٹ پیوریٹن فرقے کا پرجوش مخالف تھا۔ اس کے پہرے والوں کی چند ہی روز میں پیوریٹن فرقے کے حامیوں سے جو پیلیس یارڈ میں بھرے رہتے تھے، کھٹ پٹ ہوگئی اور محض اتفاق تھا کہ کشت و خون کی نوبت نہ آئی۔ بارے ڈورسٹ کا پہرہ ہٹا لیا گیا اور ویسٹ منسٹر کے عمال نے دوسرا پہرہ مقرر کر دیا۔ دارالعوام کی تشویش بے سبب نہ تھی کیونکہ فی الواقع اہل دربار عجیب عجیب منصوبے سوچتے اور پیوریٹن سرگروہوں کو گرفتار کر لینے کی فکر میں تھے۔ حسب معمول ملکہ کی محل سرا ریشہ دوانیوں کا مرکز تھی ۱۲ دسمبر کو قلعۂ لندن کے قلعہ دار بیلفر کو برطرف کیا گیا۔ وہ بہت معتبر آدمی تھا اور راسٹر سے فرڈ کو نکل بھاگنے کا موقع دینے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس کی بجائے ایک اوباش و خطرناک شخص لنس فرڈ مقرر ہوا لیکن اس تقرر پر مخالفت کا ہنگامہ ہوا تو چارلس مقابلہ کرنے سے پھر دم چرا گیا اور ڈورسٹ کی طرح لنس فرڈ بھی جلد برطرف کر دیا گیا۔ ان دونوں کے ہٹا دئے جانے کے باوجود پارلیمنٹ کو پورا اطمینان نہ ہوا وہائٹ ہال کے گرد فوجی سردار پھرے رہتے اور اہل حرفہ بھی کثرت سے تماشا دیکھنے آتے ان میں اور سرکاری آدمیوں میں آئے دن مار پیٹ ہوتی اور انھی لڑائی جھگڑوں میں کیولیر (= سوار) اور راؤنڈ ہیڈ (= گول سرے) کی مشہور اصطلاحیں

باب سوم

سب سے پہلے سنی گئیں۔

چارلس کے آئینی طور پر اقتدار حاصل کرنے کی ایک اور صورت اب یہ بھی نکل آئی تھی کہ دارالعوام اور دارالامرا کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھائے کیونکہ امرا کی اکثریت اسقفی پسند تھی اور سیاسی معاملات میں بھی بہت سے ارکان بادشاہی اختیارات کی مزید قطع و برید میں پِم کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر یہ ساری امیدیں اسقفوں کی بے موقع حرکت سے برباد ہوگئیں۔ اصل یہ ہے کہ پیوریٹن خیال کے نوآموز کاریگر اسقفوں پر حملہ کرنے میں خاص طور پر بیباک تھے۔ ۲۷ دسمبر کو ولیمز نے جو اسی زمانے میں یارک کا صدر اسقف مقرر ہوا تھا، شور مچانے والوں میں سے ایسے ہی ایک چھوکرے کو اپنے ہاتھ سے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ تب یہ شریر باتوں کو چھوڑ کر لاتوں پر اُتر آئے اور اس زیادتی سے ڈر کر سوائے دو کے اور کوئی اسقف جلسے میں آنے کی ہمت نہ کرسکا۔ دوسرے دن ولیمز کی سرگروہی میں بارہ اسقفوں نے یہ اعتراض لکھ کر بھیجا کہ ان کی عدم موجودگی میں دارالامرا کی کارروائی ہی کالعدم ہے۔ اس پر اُمرا بُرا مان گئے اور اسقفوں کے خلاف دارالعوام کے ہمنوا ہوگئے۔ پِم نے اصرار کیا کہ (پارلیمنٹ) کی توہین کے جرم میں) اسقفوں پر مقدمہ چلایا جائے اور شام ہوتے ہوتے معترض اسقفوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوان پھر متحد ہوگئے۔

پِم وغیرہ پر مقدمہ

اس عرصے میں چارلس تذبذب کی دیرینہ بیماری میں مبتلا رہا۔ یکم جنوری کو اس نے عوام کے سرگروہوں سے مصالحت کا ارادہ کیا اور پِم کو بلایا کہ وزارت مالیہ کا عہدہ اُس کے سپرد کردے۔ مگر دو ہی گھنٹے کے بعد کُل پیپر کو دی اور اس نے قبول کرلی فاک لینڈ معتمدی خاص کی خدمت پر سرفراز کردیا گیا اور ہائیڈ کو بھی عہدہ مل جاتا مگر وہ سمجھتا تھا کہ آزاد رہ کر بادشاہ کی زیادہ خدمت کرسکے گا۔ چارلس کی کارروائی مشکل سے تکمیل کو پہنچی ہوگی کہ اسے اطلاع ملی کہ دارالعوام میں ملکہ پر غداری کا مقدمہ چلانے کی ضرورت زیر غور ہے۔ واقع میں اگر پاپا اور آئرستانی باغیوں کے ساتھ ملکہ کی

باب سوم

سازباز، یا فوجی سازشوں ہی میں اس کی شرکت کا صحیح حال معلوم ہو جاتا تو پھر جرم کے ثبوت میں کوئی شبہہ ہی باقی نہ رہتا، لہذا ملکہ اور ڈگبی کے کہنے سے چارلس نے تا امکان اسے بچانے کی غرض سے اسٹرے فرڈ کی اس تجویز پر عمل کیا کہ مخالفوں پر الزام لگا کے خود دشمن کے میدان میں لڑائی چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ طے ہوا کہ غداری کا الزام پم ہیمڈن، ہولیز، ہیزل رگ، اور اسٹروڈ پر عاید کیا جائے اور آخر میں امیر مینچسٹر کے بڑے بیٹے کمبولٹن کا نام بھی داخل فہرست کر لیا گیا۔ اس فیصلے کے مطابق ۳ر جنوری ۱۶۴۲ء کے دن مشیر قانونی سر ایڈورڈ ہربرٹ دار الامرا میں آیا اور بادشاہ کی طرف سے ان چھیئوں سرگروہوں کو ذیل کے جرائم کا مجرم قرار دیا:- (۱) اساسی قوانین اور حکومت کے استیصال کی کوشش۔ (۲) بیرونی طاقت کو انگلستان پر حملہ کرنے کی دعوت (۳) بادشاہ اور پارلیمنٹ کے خلاف فساد بپا کرانا اور ان کو جائز رکھنا۔ اور (۴) بادشاہ کے خلاف جنگ کرنا۔ بے شبہ ان میں سے ہر الزام غداری کی تعریف میں آتا تھا اور صحیح قانونی لحاظ سے پہلا الزام درست بھی تھا کہ اگر اسٹرے فرڈ نے پارلیمنٹ کی قوت کم کر کے الزبتھی آئین کو بدلنے کی سازش کی تو اسی قسم کی سازش کا (بادشاہ کے اختیارات کو کم کرنے کا) پم بھی مرتکب ہوا۔ الزامات سنا کے ہربرٹ نے ملزمین کی گرفتاری کی استدعا کی مگر بادشاہ کی اس کارروائی کا اور اُلٹا اثر ہوا۔ اُمرا نے چارلس کا وار یوں خالی دیا کہ ہربرٹ کے طریق عمل پر غور کرنے کے لئے ایک ذیلی مجلس مقرر کی اور اس کی غلطی ڈگبی کو اتنی نمایاں نظر آئی کہ وہ فوراً ایوان سے اُٹھ کر چل دیا۔ اس اثنا میں دار العوام میں خبر آئی کہ ملزمین کے کمروں پر بادشاہ کے حکم سے قفل ڈال دئے گئے اور اس پر بحث ہو ہی رہی تھی کہ شاہی گرزبردار (سارجنٹ ایٹ آرمز) بادشاہ کے نام سے ملزموں کا مطالبہ کرنے آ پہنچا۔ ملزموں کی گرفتاری اُمرا کے حدود اختیار ہی میں داخل تھی عوام نے پارلیمنٹ کے امتیازات کا مطالبہ کیا اور چارلس کا منصوبہ بالکل درہم برہم ہو گیا۔ اگر چارلس میں ایک انقلابی کی جرأت ہوتی تو وہ ان مبعوثوں کو سوتے میں گرفتار کرا لیتا مگر اس نے قانون کی عبارت سے تجاوز کرنا نہ چاہا اور دوسرے دن، صبح کو بہت کچھ تردد و تذبذب کے بعد فیصلہ کیا کہ خود ایوان پارلیمنٹ میں جا کر

باب سوم

ملزموں کو گرفتار کرے۔ کہتے ہیں ملکہ کے طعنوں سے جو برابر کہہ رہی تھی کہ ان بدمعاشوں کے کان پکڑ کے کھینچ لاؤ" وہ ایسا کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ بہر حال، تین بجے کے قریب وہ وہائٹ ہال سے، کم سے کم تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوا۔ مگر اس کے ارادوں کی سب کو خبر تھی اور وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا لہذا عوام کو بادشاہ کے چلتے ہی اطلاع پہنچ گئی اور وہ جس وقت پیلیس یارڈ میں داخل ہوا، اس وقت ملزمین ویسٹ منسٹر کی سیڑھیوں سے کشتیوں میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل دیئے۔ بادشاہ نے ساتھیوں کی زیادہ تعداد کو ایوان میں صف بستہ کی اور چند سرداروں کے ساتھ خود مبعوثین کے پیش والان میں آیا۔ جہاں یہ سردار ٹھیر گئے اور اکیلا چارلس ایوان میں گیا۔ ملزمین کو موجود نہ دیکھا تو اس نے صدر نشین، لین تھال سے پوچھا کہ وہ کہاں گئے۔ لین تھال نے گھٹنوں کے بل گر کر عرض کیا کہ "میں نہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں نہ اپنی زبان سے بولتا ہوں، بجز اس کے جس کی اہل مجلس ہدایت فرمائیں" چارلس کو دوبارہ ناکامی ہوئی اور وہ خائب و خاسر واپس چلا آیا اور یہ نعرے کہ "پارلیمنٹ کا امتیاز، پارلیمنٹ کا امتیاز!" کانوں میں گونجتے رہے۔ پیش دالان میں فوجی سردار اپنے لبادے اتار کر طنبوں کے گھوڑے چڑھا رہے تھے اور بظاہر تشدد کرنے پر تلے ہوئے تھے، جس کے وبال سے صرف پم وغیرہ کی فراری نے چارلس کو بچا لیا۔ سپاہیوں کو یہ خبر ہوی تو چلائے کہ وہ تو چل دئے اور ہمارا آنا بے کار ہی رہا" دوسرے روز چارلس شہر میں گیا اور بلدیۂ لندن سے مطالبہ کیا کہ ان غداروں کو حوالے کر دیا جائے۔ مگر ارکان بلدیہ بھی دارالعوام کی طرح مضبوط رہے اور گلڈ ہال کے اندر باہر ہی وہی "پارلیمنٹ کا امتیاز، پارلیمنٹ کا امتیاز" کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔

ادھر پارلیمنٹ رسمی طور پر انہ تاریخ تک ملتوی کر دی گئی لیکن غیر رسمی جلسے شہر میں روزانہ ہوتے رہے، جن میں صاف کہہ دیا گیا کہ بادشاہ غداری کی بنا پر گرفتار نہیں کر سکتا۔ اور یہ اصول بھی طے ہوا کہ جب تک پارلیمنٹ کو الزام کی صداقت کا اطمینان نہ ہو جائے، کوئی مبعوث گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف، چارلس بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ اس نے وہائٹ ہال کے سامنے دارالعوام کے پانچوں ملزموں کے غدار ہونے کی منادی کرا دی۔ اس کے جواب میں لندن کے سدھے ہوئے

باب سوم

دستے طلب کئے گئے اور ان کی قیادت فلپ اسکیپن کے تفویض ہوئی جو پکا پیوری ٹن اور عملاً سپاہی آدمی تھا۔ ٹیمز کے ملاحوں نے پارلیمنٹ کے ایوانوں کی دریا کی طرف سے حفاظت کرنے کی خدمت از خود انجام دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ غرض چارلس کی کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف پارلیمنٹ کے دونوں شعبے متحد ہو گئے بلکہ پانچوں ملزمین قومی سورما بن گئے اور صاف نظر آنے لگا کہ وہ ۱۱ ردیں تاریخ کو فاتحانہ انداز سے پارلیمنٹ میں آئیں گے اور غالباً خود ملکہ کے گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ پس اپنی بیوی کو بچانے اور خود ذلت سے بچنے کے لئے چارلس، ۱۰ رجنوری ہی کو وہائٹ ہال سے روانہ ہو گیا اور ایسا رخصت ہوا کہ پھر قتل ہونے ہی کے لئے واپس آیا۔

ملکہ باہر چلی جاتی ہے

لندن سے چل کر بادشاہ و ملکہ ہیمپ ٹن کورٹ اور پھر ونڈزر، کینٹربری اور ڈوور گئے۔ ۲۳ رفروری کو ملکہ اپنی بڑی بیٹی میری کو لے کر ہالینڈ چلی گئی۔ اس شہزادی کا بھی طور پر عقد گزشتہ مئی میں ولیم (آف اورینج) کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ملکہ اپنے ہمراہ بیش بہا شاہی زیورات بھی لے گئی تھی کہ انھیں گروی رکھ کر بیرونی فوج مہیا کی جائے اور وہ انگلستان پر حملہ آور ہو۔ ڈگبی بھی انگلستان سے روانہ ہوا اور ملکہ کو بہت کچھ امید پیدا ہو گئی کہ زبردست لشکر کے ساتھ واپس آئے گی خود چارلس، گرینیچ روانہ ہوا اور شہزادہ ولی عہد کو اپنی حفاظت میں لے کر مارچ میں نیو مارکیٹ پہنچ گیا۔ اس عرصے میں پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان برابر نامہ و پیام ہوتے رہے۔ اب دونوں ایوان متحد تھے جس کا ایک ثبوت یہ ملا کہ اسقفوں کو دارالامرا سے خارج کرنے کا مسودۂ قانون بلا دقت منظور ہو گیا اور چارلس نے بھی ان علمائے دین کو قربان کرنا گوارا کر کے دستخط ثبت کر دئے۔ پھر پارلیمنٹ آئرستانی جنگ کی طرف متوجہ ہوئی اور ۴۰۰۰ سپاہی وہاں بھیجے گئے۔ پارلیمنٹ کو آئرستان کے قدیم باشندوں سے اسی قدر کم ہمدردی تھی، جتنی اسٹرے فرڈ کو، اور اس نے روپیہ وصول کرنے کی یہ نئی تدبیر نکالی کہ باغیوں کی پچیس لاکھ ایکڑ زمین چھین کر آفاقیوں کی ایک جماعت میں بانٹ دی جائے اور وہ آپس میں چندہ کر کے دس لاکھ پاونڈ قیمت ادا کریں اسے بھی

باب سوم

چارلس نے منظور کرلیا اگرچہ غالباً وہ جانتا تھا کہ اس کارروائی سے باغی اور بھی جان توڑ کر لڑیں گے اور انھیں قابو میں لانا اور زیادہ دشوار ہوجائے گا۔

فوج بے قاعدہ

معمول کے مطابق تو آئرستان کی فوج کا سپہ سالار بادشاہ کو ہونا چاہئے تھا لیکن پارلیمنٹ کو چارلس پر اس قدر کم بھروسہ تھا کہ اس نے آئرستانی جنگ کو اپنے زیر انتظام رکھنے کے علاوہ ایک تازہ تجویز ایسی سوچی کہ بادشاہ کا انگلستان کی فوجوں پر جو اقتدار ہے، وہ بھی باقی نہ رہے۔ ایڈورڈ ششم کے عہد سے دیہات کی فوج بے قاعدہ (= ملیشیا) نائب سپہ سالاروں کے ماتحت ہوتی تھی اور اُن کا، نیز جنگی قلعوں کے قلعہ داروں کا تقرر خود بادشاہ کیا کرتا تھا، اب پارلیمنٹ نے ان دونوں قسم کے تقررات کو اپنے قبضے میں لینے کی غرض سے ایک مسودۂ قانون مرتب کیا اور نظیر کے طور پر، سارے کو آکسفرڈ شر میں "نائب سپہ سالار اور ہل کو قلعہ ہل میں ایک قلعہ دار اپنی طرف سے مقرر بھی کردیا۔ ۹، مارچ کو بادشاہ سے مجوزہ قانون کی منظوری مانگی گئی۔ چارلس نے منظوری دینے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ تم اس تجویز میں وہ چیز مجھ سے طلب کرتے ہو جو کبھی کسی بادشاہ سے طلب نہیں کی گئی اور جس کو میں اپنے بیوی بچوں کے حوالے کرنا بھی پسند نہ کروں گا۔ تب پارلیمنٹ نے قانون کی بجائے اسے "حکمنامۂ پارلیمنٹ" کے پیرایے میں شاہی منظوری کے بغیر نافذ کردیا اور اپنے مقرر کردہ سرداروں کو ہدایت کی کہ عہدے کا جائزہ لے لیں۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی یہ کارروائی بلاشبہ قانون و آئین کے خلاف تھی اور بادشاہ کو موقع مل گیا کہ قانون کا حامی بن کر مقاومت کرے لیکن چونکہ پارلیمنٹ میں کوئی گروہ سیاسی اعتبار سے اس کا ہواخواہ نہ تھا، لہذا وہ شروع میں کچھ زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور ۱۹، مارچ کو یارک پہنچا تو لوگوں نے کچھ بہت آؤ بھگت نہ کی۔ البتہ یہی زمانہ ہے جب

شاہ پسندوں کی قوت پذیری

سے ایک سیاسی تغیر کے آثار نمایاں ہوئے۔ پانچ معززین کے گرفتار کرنے کی کوشش کے وقت سے مذہبی مسائل پس پشت رہ گئے تھے، وہ اب دوبارہ اُبھرے اور انھی کے ساتھ بادشاہ کو مدد ملنے کی امیدیں بھی تازہ ہوگئیں۔ اس کا قوی سبب یہ ہوا کہ کینٹ کے شرفا کی طرف سے پارلیمنٹ میں ایک محضر پیش ہوا جو دراصل اسقفی پسند گروہ کے خیالات کا

باب سوم

حائل تھا۔ محضر گزاروں کا مطالبہ تھا کہ (۱) کلیسا کی نماز خوانی بیجا مداخلت، تعریض، تذلیل و تہدید اور ایسے لوگوں کے تشدد سے محفوظ کی جائے جو آئے دن اسے لگاڑتے رہتے ہیں اور (۲) اسقفی نظم و نسق برقرار رکھا جائے۔ ان مقاصد سے چارلس پورا ہم آہنگ تھا اور اگر اس گروہ کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ آئندہ وہ قدیم روش چھوڑ کر آئینی اصولوں کی کامل پابندی کرے گا، تو اُسے اپنے مؤیدین کا بنا نیا گروہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ یہ کام اُس کی طرف ہائیڈ نے انجام دیا۔ وہ ذاتی طور پر چارلس کا پورا پورا ہم خیال تھا۔ اُس نے اسٹرے فرڈ کے قتل کی رائے دی لیکن اسقفی نظام کو توڑ نے کے خلاف تھا۔ دیرینہ خرابیوں کے دُور کرنے میں سرگرمی سے حصہ لینا رہا مگر فوج بے قاعدہ کے جدید و مخدوش مسودۂ قانون کی مخالفت کی غرض اب یہی شخص قانون پروری کی حمایت میں کھڑا ہوا اور چارلس نے اسے آئینی معاملات میں اپنا مشیر بنا لیا۔ ادھر پارلیمنٹ نے گویا بادشاہ کو اور تقویت اس طرح پہنچائی کہ کینٹ کے محضر گزاروں پر سفدمہ چلا کر سابقہ مذہبی تصفیے سے علانیہ مخالفت کا اظہار کیا۔ اسی وقت سے اہل ملک مجبور ہو گئے کہ یا قطعی طور پر بادشاہ کا ساتھ دیں یا پارلیمنٹ کا، اگرچہ بعض معاملات میں انھیں دونوں سے اختلاف ہو۔ اسقفی انتظام اور کتاب الصلوٰۃ کے حامیوں کو ان دونوں کی سلامتی اسی میں نظر آنے لگی کہ بادشاہ پارلیمنٹ پر غالب آئے۔ بخلاف اس کے جو لوگ عبادت کے دوسرے طریقوں کو گرجا کے اہلکاروں کے انتظام کو پسند کرتے تھے، وہ اپنی جگہ پر مجبور ہو گئے کہ پارلیمنٹ کی تائید کریں۔ کیونکہ جملہ مذاہب سے روا داری کے خیال کی تائید کرنے والے ابھی تک وجود میں نہ آئے تھے۔

بایں ہمہ اس گروہ بندی سے ملک میں خانہ جنگی سامنے تُلی ہوئی دکھائی دی تو دونوں فریق سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر کے لئے مصالحت کا امکان نکل آیا تھا کہ چارلس کی ایک بے عقلی سے پارلیمنٹ کے شکوک تازہ ہو گئے۔ یہ اس کی ہل میں داخل

چارلس کا ہل میں رو کا جانا

ہونے کی کوشش تھی۔ واضح رہے کہ جب سے بادشاہ لندن سے روانہ ہوا، پارلیمنٹ کی توجہ ہل اور پورٹس متھ کی طرف مبذول ہو گئی جہاں قلعۂ لندن کی مثل اسلحہ کے بڑے بڑے ذخیرے تھے۔ ہل کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ جب سے شمالی فوج کی تخفیف ہوئی

باب سوم

سولہ ہزار سپاہیوں کا ساز و سامان، اسی قلعے میں محفوظ تھا۔ دوسرے ولندیزی یا ڈین مارک کی سپاہ انگلستان آتی، تو اسے سب سے زیادہ سہولت اسی بندرگاہ پر اترنے میں ہوتی۔ غرض، چارلس نے امیر نیوکاسل کو حکم دیا کہ ہل پر قبضہ کرلے تو پارلیمنٹ نے پیش قدمی کی اور سرجان ہوتھم کو وہاں بھیجدیا۔ پھر فوج بے قاعدہ کا حکم نامہ، منظور ہوا تو اس تقرر کی توثیق کر دی اور حکم ملا کہ وہ اس مقام کو کسی کے حوالے نہ کرے "بجز ایسے بادشاہی حکم کے، جو عوام و امرا کی حاضرہ پارلیمنٹ کی طرف سے نافذ کیا گیا ہو" یہ حکم صریحاً خلاف قانون تھا اور ملکہ کے اصرار سے چارلس خود ہل جاکر داخلے کا مطالبہ کرنے پر تیار ہوگیا۔ ۲۳ر اپریل کو وہ شہر کے پھاٹک کے سامنے نمودار ہوا مگر ہوتھم نے امانت کا حق ادا کیا اور بادشاہ اس کے غدار ہونے کی منادی کراکے، ناکام یارک چلا آیا۔ یہ علانیہ اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش تھی اور اس سے صلح کے سارے امکانات پر پانی پھر گیا۔ پارلیمنٹ نے اسلحہ کا ذخیرہ ہل سے لندن میں منتقل کرالیا۔ اور اب لڑائی ایسی ناگزیر ہوگئی کہ دونوں فریق پوری توجہ سے ایک دوسرے کی چیرہ دستی ثابت کرنے میں مصروف ہوگئے۔

۲ر جون کو پارلیمنٹ نے ۱۹ تجویزیں بادشاہ کے پاس بھیجیں جن میں اجازت طلب کی گئی تھی کہ شاہی مجلس کے ارکان، شاہی عہدہ دار، قلعہ دار اور حکام عدالت پارلیمنٹ نامزد کرے۔ فوج بے قاعدہ کے متعلق پارلیمنٹ کے حکم نامے کو منظور کرلیا جائے اور پارلیمنٹ کی رائے کے مطابق کلیسا کی اصلاح کی اجازت دی جائے۔ ظاہر ہے کہ چارلس نے انکار کیا اور ۱۵ر جون کو یارک سے ایک جوابی اعلان بھی شائع کیا گیا جس کی عبارت آرائی میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا اور بادشاہ کے حامیوں کی طرف سے درج تھا کہ چارلس، پارلیمنٹ سے لڑائی کا خواہاں نہیں ہے اور اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ سچا پروٹسٹنٹ مذہب پارلیمنٹ کے واقعی حقوق، رعایا کی آزادی، امن، قانون اور ملک کی سود و بہبود کے مسائل واضح اور محکم طور پر طے ہو جائیں۔ اب تک چارلس کو خیر خواہ ملنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ بار بار اپنے ملک کے خلاف بیرونی مدد بہم پہنچانے کی کوشش کرتا رہا تھا لہذا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں اور اس نے تو داخل انگلستان

باب سوم

کی وفاداری سے مدد لینے کا تہیہ کر لیا اور اسی ارادے کا پہلا ثمر مذکورۂ بالا اعلان تھا۔ اس کامیابی سے ہمت مضبوط ہوئی تو چارلس نے دوسرے دن "پروانہ ہائے صف بندی" جاری کیے جن میں اپنے خیرخواہوں کو اجازت دی گئی تھی کہ فوج کے لیے قواعد داں دستے مہیا کریں۔ اور اگرچہ جنوب مشرقی اضلاع کے باشندے پارلیمنٹی سپہ سالاروں کے ساتھ رہے لیکن شمال اور مغرب میں پروانہ داروں کی ہدایات پر عمل ہوا۔ بادشاہ کو ایک اور دقت روپے کی پیش آ رہی تھی مگر اس نازک وقت میں کیتھولک فرقے کا امیر ورسسٹر اور اس کا بیٹا لارڈ ہربرٹ کام آئے اور اپنی ضمانت پر ۹۵ ہزار پاونڈ کی رقم خطیر جمع کر دی۔ ملکہ بھی شاہی زیورات رہن رکھ کر مزید رقم بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔

جنگ کی طرف ڈھلکنا

اب فریقین برابر جنگ کی طرف ڈھلک رہے تھے۔ ۴ جولائی کو ایک مجلس تحفظ مقرر ہوئی جس کے سربرآوردہ ارکان یہ تھے: اسیکس، سائے، سیل (اُمرا سے) اور پم، ہیمڈن، فینیز، ہولیس، اور سر ولیم والر۔ اور چند روز بعد طے ہوا کہ جنگی خدمت کی غرض سے دس ہزار جوان بھرتی کیے جائیں۔ ۱۱ جولائی کو دارالعوام نے اعلان کیا کہ چارلس جنگ کا آغاز کر چکا ہے۔ ۱۲ کو اسیکس سپہ سالار مقرر ہوا۔ ۱۵ کے دن سب سے پہلا کشت وخون مینچسٹر کے قریب لارڈ اسٹرینج (جو آگے چل کے امیر ڈاربی ہوا) اور بعض شہر والوں کے مقابلے سے واقع ہوا جب کہ یہ شہری پارلیمنٹ کے حکم نامۂ فوج بے قاعدہ پر عمل کرانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ۱۷ جولائی کو چارلس کی موجودگی میں ہل کی فصیلوں کے سامنے لڑائی ہوئی۔ اگست میں پارلیمنٹ نے آئرستانی جنگ کی منظور شدہ رقم میں سے ایک لاکھ پاونڈ قرض لیا۔ اسی ماہ کی ۱۸ تاریخ بادشاہ کے رفیقوں کو پارلیمنٹ میں غدار قرار دیا اور ۲۲ کو چارلس نے نوٹنگھم میں شاہی پرچم کھولا۔

یہ کارروائیاں تھیں جن سے اہل انگلستان کو معلوم ہونے لگا کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ہر گروہ جنگ کے لیے آمادہ تھا اگرچہ اپنی ناخوشی کا اظہار اور فریق مقابل کو کشت وخون کا اصلی ذمہ دار بناتا تھا۔ چارلس نے لڑائی کا جھنڈا بلند کرنے کے بعد بھی صلح کی دو کوششیں اور کیں اور آخر میں ۵ ستمبر کو فاک لینڈ کو اجازت

باب سوم

دی کہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں سے جاکے زبانی کہہ دے کہ بادشاہ اب بھی ہر معقول تجویز کو سننے کے لئے تیار ہے اور خصوصیت کے ساتھ وہ مذہب کی کامل اصلاح پر رضامند ہوگا۔ افسوس ہے کہ یہ پیام صیغۂ راز میں بھیجا گیا اور اعلان صرف اس آمادگی کا ہوا کہ اگر غداری کے الزامات کو جو دونوں طرف سے فریق مقابل کے افراد پر لگائے گئے تھے، کالعدم کر دیا جائے، تو بادشاہ جنگ سے رک جائے گا۔ جواب میں پارلیمنٹ نے مطالبہ کیا کہ تیاریوں میں جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ اُن لوگوں کی اراضی سے وصول کیا جائے جنھیں پارلیمنٹ "درخاطی" قرار دے۔ یہ وہی روش تھی جو آئرستان میں انگریز حکام نے باغیوں کے خلاف اختیار کی تھی اور یہاں بھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار لڑنے والے بادشاہ کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ بلکہ پہلے تو محض وفاداری کے خیالی جذبے یا اسقفیت کی بقا کے لئے لڑنے مرنے میں تذبذب تھا، اور اب جو بہتوں کو اپنی جاگیریں خطرے میں نظر آئیں، تو کوئی تامل باقی نہ رہا اور چارلس کے گرد چند ہی روز میں پرجوش سپاہیوں کا لشکر جمع ہوگیا۔

فریقین کا ساتھ دینے والے کسی جغرافی حدود میں محدود نہ تھے۔ ہر پرگنے میں بعض لوگ بادشاہ کے اور بعض پارلیمنٹ کے طرفدار تھے۔ علمائے کلیسا نے بلا استثنا بادشاہ کا ساتھ دیا۔ اور علیٰ ہذا کیتھولک فرقے نے، جو خوب جانتا تھا کہ پیوری ٹن گروہ کی فتح ہوی تو پھر کیتھولکوں کی خیر نہ ہوگی۔ اہل انحراف اور اسقفیت کے مخالف، ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کی طرف تھے اور پکے پیوری ٹن جو اپنے مذہب کو اصلاح کلیسا کا بہترین ثمرہ سمجھتے تھے ان کے نزدیک بادشاہ سے لڑنا گویا مذہبی جہاد کرنا تھا۔ جن لوگوں کے مذہبی عقائد پختہ نہ تھے وہ دونوں طرف بٹے ہوئے رہے۔ شاہی امتیازات کو کم کرنے کی ضرورت پر زور دینے والے ہم کے مؤید تھے اور قدیم وفاداری کے شیفتہ، چارلس کے زیر علم آگئے۔ اکثر عیش دوست اشخاص کا دل گواہی دیتا تھا کہ پیوری ٹن مذہب کی حکومت ہوئی تو اپنی طرز معاشرت کا نباہ غیر ممکن ہو جائے گا، لہذا اس کی مزاحمت کرنا فرض عین ہے یہ بھی بادشاہ کے پیرو ہوگئے۔ لنس فرڈ جیسے شراب خوار تلوریئے بھی اسی طرف آملے جس سے فاک لینڈ وغیرہ عالی خیال حضرات کو پریشانی بھی پیدا ہوی۔ آبادی کے مختلف طبقات پر نظر ڈالی جائے تو

باب سوم

معلوم ہوگا کہ پارلیمنٹ کی فوج میں بیشتر شہری، خصوصاً لندن والے بھرتی ہوئے اگرچہ ان کے سردار اُمرا یا زمینداروں کی جماعت سے لیے گئے تھے تاہم متوسط طبقے کے شرفا یا زمینداروں نے عموماً بادشاہ کا پہلو لیا اور خود ادھر آئے تو اپنے کسانوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ امیر گھرانوں کے لیے غرض افراد دونوں طرف موجود تھے اور ہر چند مہذب صاحبانِ ذوق کو پیوریٹن مذہب کے خشک و سخت اصول دُور دُور ہٹتے نظر آتے تھے پھر بھی پارلیمنٹ کے طرفداروں میں شائستہ اور نفیس مزاج لوگوں کی کمی نہ تھی مثال کے طور پر اسی لشکر میں ایک کرنل ہچنسن ہی تھا جس کی بیوی کا بیان ہے کہ وہ بہت عمدہ رقص کرسکتا تھا اگرچہ جوانی یا کہولت میں اس کی کوئی مشق اُس نے نہیں کی۔ تلوار کھیلنے میں اسے مہارت حاصل تھی جیسی کہ شرفا کو ہونی چاہیئے وہ موسیقی کا دلدادہ تھا اور اکثر رباب سے دل بہلاتا جسے بجانے میں اسے کمال حاصل تھا نقاشی، کندہ کاری اور بت تراشی اور جملہ فنون ذوقی میں اس کی نظر بہت اچھی تھی اور طرح طرح کے بیش قیمت نوادر بھی اس نے جمع کئے تھے"۔

مگر تفہیم کی غرض سے اگر ہل سے گلوسٹر ہوتا ہوا الم تک خط کھینچا جائے تو یہ فریقین میں حد فاصل ہوگا کہ اس کے جنوب اور مشرق کے باشندے یا کم سے کم ان کا کارکن گروہ تو عموماً پارلیمنٹ کا مدد و معاون تھا اور شمال و مغرب میں اکثریت بادشاہ کے ساتھ تھی۔ (دیکھو نقشہ آغاز باب ہذا) اِس تقسیم میں بعض مستثنیات بھی تھیں۔ مثلاً آکسفرڈ کے دار العلوم نے بادشاہ کا پہلو لیا۔ یہی روش کیمبرج کی تھی مگر کروم ویل نے اُسے بہت جلد مدد دینے کے قابل ہی نہ رہنے دیا۔ یارک شر کے علاقہ ویسٹ رائڈنگ اور نیز سمرسٹ کے پارچہ ساز قصبات پارلیمنٹ کے ہمنوا تھے۔ اندرونی دیہات کی نسبت ساحلی بستیاں عموماً پارلیمنٹی تھیں۔ اس تقسیم میں جنگ لنسسٹرین و ونسٹرین کے زمانے کی بھی مماثلت پائی جاتی ہے کہ شہر اور دولتمند اضلاع اس موقع پر پارلیمنٹ کی طرف رہے جیسے انھوں نے پہلے خاندان یارک کا ساتھ دیا تھا اور مفلس و پس ماندہ علاقوں نے بادشاہ کی وفاداری کا حق ادا کیا۔ پارلیمنٹ کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ امیر وارک کے ماتحت سارا بیڑا اُسی کی طرف تھا اور اسی واسطے بادشاہ کو تو باہر سے سامان رسد منگانے میں

کمال دقت پیش آتی رہی اور پارلیمنٹ والے نہ صرف اپنی فوجوں کو سمندر کے راستے ادھر ادھر بھیج سکے بلکہ بیڑے کی مدد سے ساحلی شہروں کو چارلس کی بری فوج کا خوب مقابلہ کرنے میں نہایت مفید مدد دے سکے۔ پارلیمنٹ نے جنگ کرنے میں اپنی جان لگا دی تھی۔ ساتھ آکسفرڈ آیا کہ جامعہ کو مرعوب کرے۔ ولیم والر نے پورٹس متھ پر چڑھائی کی اور ۵ ستمبر کو گورنگ نے مجبور ہو کر شہر حوالہ کر دیا۔

آغاز جنگ

ٹمبولٹن (جو اب امیر منچسٹر ہو گیا تھا) ہیمپڈن، ٹیینیز، ہولیز وغیرہم نے اپنے ذاتی خرچ سے فوجیں مرتب کیں۔ لندن والوں نے آٹھ ہزار سپاہی فراہم کیے اور تھوڑی ہی مدت میں بیس ہزار جوان پارلیمنٹی نشان یعنی نارنجی پٹکا باندھے نظر آنے لگے۔ اس اجتماع کے ساتھ ساتھ شاہ پسندوں اور کیتھولکوں کے مکان کے مکانات لوٹ لئے گئے اور پیوریٹن فرقے کے مخالف گرجوں کی آرائش اور ممبروں کے کٹہرے توڑ ڈالے گئے۔ ۹ ستمبر کو ایسکس با ضابطہ پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں سے رخصت ہوا۔ اور عزم مصمم کے ثبوت میں تابوت و کفن ساتھ لے کر نارتھمپٹن کی طرف کوچ کیا جہاں سے وہ بلا تاخیر ناٹنگھم پر فوج کشی کا قصد رکھتا تھا۔ لیکن نارتھمپٹن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ چارلس ناٹنگھم کو پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔ اصل میں وہاں اسلحہ کی فراہمی دشوار تھی اور اسی لیے جنگی تیاریوں میں رکاوٹ ہوئی تو وہ دانائی سے شروزبری میں منتقل ہو گیا جہاں ویلز اور شمال کی فوجیں آسانی سے جمع ہو سکتی تھیں۔ راستے میں اس نے سپاہیوں کو یہ اعلان کر کے دوبارہ مطمئن کیا کہ اس پارلیمنٹ کے جن قوانین کو میں منظوری دے چکا ہوں، وہ برقرار رہیں گے اسی کے ساتھ اپنے آدمیوں کے مذہبی جذبات کو یہ کہہ کہہ کر ابھارا کہ مقابلے میں جو لوگ آئیں گے وہ دجالی، دہریے، زندیق ہوں گے۔ چارلس کی فوج میں سب سے پر جوش جنگ جو یقیناً اس کا بھانجا روپرٹ (شہزادہ پیلے ٹی نیٹ) تھا جس کی عمر صرف تیئس سال کی تھی مگر سپاہ گری کی بہترین صلاحیت رکھتا تھا اور تلا ہوا تھا کہ جس طرح ممکن ہو غلبہ حاصل کیا جائے۔ چنانچہ رسد فراہم کرنے میں زبردستیوں کی بدولت پارلیمنٹی فریق نے بطریق سجع اس کا نام "پرنس روبر" (= شہزادہ ڈاکو) رکھ دیا تھا اس شہزادے کو چارلس نے سواروں کا سپہ سالار مقرر کیا اور بھی کئی سپہ سالار نامزد ہوئے لیکن درحقیقت اصلی انتظامات خود بادشاہ کے ہاتھ میں تھے۔

باب سوم

ورسٹر

خانہ جنگی کا پہلا قابل ذکر معرکہ ورسٹر میں پڑا۔ سر جان بائرن آکسفرڈ کے کلیات سے مال متاع لے کر بادشاہ کے پاس آ رہا تھا کہ فینیز کے ایک سوار دستے نے آگھیرا۔ روپرٹ کی لنے بائرن کو عقبی حملے سے بچانے کے سلسلے میں اس دستے کو بھگا دیا اور سامان رسد جس کی بڑی ضرورت تھی دشمن کے ہاتھ سے بچا لایا۔ اس معرکے کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ شاہ پسندوں کی نگاہ میں پارلیمنٹ کے رسالے کی کوئی وقعت نہ رہی۔ خود ایک پارلیمنٹی سردار کرومویل بھی اس رائے میں ان کا شریک تھا چنانچہ اپنے عم زاد بھائی ہیمڈن سے اس نے اپنی طرف کے سواروں کی مذمت کی اور کہا کہ "تمہارے ساتھی زیادہ تر بڈھے ملازمین یا قالین باف وغیرہ ہیں اور اُن کی فوج اشراف زادوں اور ذی وجاہت لوگوں پر مشتمل ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایسے رذیل اور ادنیٰ افراد شرفا کا مقابلہ کر سکیں گے۔ جن میں ہمت، استقامت اور شرافت کے جوہر ہیں"۔ ہیمڈن بھی اس بات کو مانتا تھا۔ مگر تردد یہ تھا کہ اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے تاہم کرومویل اپنی عملی طرز کے مطابق فوراً اپنا الگ رسالہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا جسے وہ بالکل جداگانہ قسم کی فوج بنانا چاہتا تھا۔

چارلس کے شروزبری جانے کے جواب میں اسیکس نے وارک وغیرہ مناسب مقامات میں فوجیں متعین کر دیں اور خود ورسٹر پہنچ گیا۔

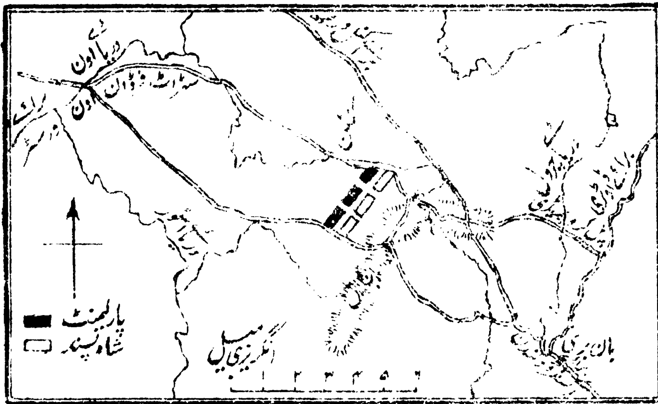
چارلس کی پیش قدمی لندن پر

۱۲ اکتوبر کو چارلس نے شروزبری سے کوچ کیا اور ہوشیاری سے ان قصبوں کو بچا کے جہاں فوجیں موجود تھیں، سیدھا لندن کا رُخ کیا۔ اسیکس تعاقب میں چلا۔ ۲۲ اکتوبر کو چارلس ایج کوٹ میں اور حریف چند میل کے فاصلے سے کینیٹن میں مقیم تھے اور دونوں کے راستے آگے چل کے بین بری پر مل جاتے تھے۔ چارلس کا لشکر کچھ آگے بڑھا ہوا تھا لیکن اسیکس کے قریب آنے کی خبر سن کر وہ اپنا راستہ چھوڑ کر ایج ہل پر ہٹ آیا اور بہت محفوظ مقام پر خیمے ڈال دئے۔ یہ بلند زمین کا وہ سلسلہ تھا جس کے نیچے ایون کی مسطح وادی واقع ہے۔ اسیکس کا راستہ انھی بلندیوں سے گزرتا تھا۔ شاہی فوج کی تعداد چودہ ہزار تھی اور اسیکس کے تحت میں دس ہزار سے زیادہ سپاہی نہ ہوں گے تاہم ہیمڈن ایک مختصر لشکر کے ساتھ دو منزل پر موجود تھا۔

معرکۂ ایج ہل

مدافعت کے لئے چارلس کا مقام بہت مضبوط تھا لیکن وہ انتظار میں نہ رہ سکتا تھا کیونکہ سامان رسد ختم ہو رہا تھا اور علاقہ ایسے دشمنوں کا تھا کہ وہاں کے لوہاروں نے گھوڑوں کے نعل بنانے تک سے انکار کر دیا اور عقب میں بین بری کا قصبہ انگلستان بھر میں سب سے بڑھ کر

پارلیمنٹ کا طرفدار موجود تھا۔ مزید برآں شاہی لشکر میں بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں آسانی سے فتح



جنگ ایج ہل ۲۳ اکتوبر ۱۶۴۲ء

پانے میں کوئی شک ہو۔ لہذا دوسرے دن (اتوار) ۲۳ر اکتوبر کی سہ پہر کو بادشاہی فوج ٹیکرے سے اتری اور اسیکس پر حملہ کر دیا۔

اس زمانے کے معمول کے مطابق دونوں لشکروں کے سوار بازوؤں پر اور پیادے وسط میں تھے فریقین کے اسلحہ یکساں تھے یعنی ہر ایک دستہ فوج قلب میں نیزہ برداروں اور پیادوں پر بندوقچیوں سے مرتب تھا۔ صفوں میں آگے پیچھے دس سپاہیوں کی قطار ہوتی تھی کہ سامنے کا بندوقچی بندوق چلا کر پیچھے ہٹ آئے اور نوبت بہ نوبت نو ساتھی بندوق چلا چکیں تو وہ اس وقفے میں دوبارہ بندوق بھر کر تیار ہو جائے اس طرح برابر گولی چلتی رہتی تھی۔ سوار حملہ کرتے تو بندوقچی نیزہ برداروں کی پناہ میں آ جاتے اور وہ برچھے جھکا کے حملہ آوروں کے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے۔ حملے کا عام طریقہ یہ تھا کہ پیادہ و سوار اکٹھے بڑھتے اور قریب پہنچ کر سوار یورش کرتے اور پیادے ایک دوسرے پر گولیاں چلاتے تھے تا کہ ایک فریق پیچھا دکھائے ورنہ بھڑ کر دست بدست لڑائی کی کوشش بھی کی جاتی تھی۔ الغرض ۳ بجے کے قریب معرکہ شروع ہوا کہ شام ہونے میں دو گھنٹے سے کچھ ہی زیادہ وقت باقی ہوگا۔ چونکہ رسالے کے سوار صرف طمنچے چلاتے رہتے اور شاذ و نادر دشمن کی صفوں تک پہنچتے تھے لیکن روپرٹ اپنے سواروں سے جلد دشمن کی صفوں پر جا پڑا اور اس نئی تدبیر سے حریف کو پامال کرتا چلا گیا چنانچہ میمنے کی طرف تو اس کے سواروں نے دشمن کو کینیٹن تک بھگا دیا اور پھر مال اسباب پر ٹوٹ پڑے اور

باب سوم

بالکل قابو سے باہر ہو گئے اور بائیں طرف بھی ول مٹ کو ایسی ہی کامیابی ہوئی کہ صرف بیلفر کے دو رسالے جم کر مقابلہ کر سکے۔ یہ بیلفر قلعۂ لندن اور اسٹیپل ٹن کا سابقہ قلعہ دار تھا اور اب پارلیمنٹ کی طرف سے لڑنے آیا تھا۔ اولی ور کروم ول بھی کسی طرح اپنے رسالے کو سنبھالے رہا لیکن پیادوں کی جنگ میں صورت حال بالکل دوسری رہی۔ یہاں پارلیمنٹی رسالے کے بوڑھے ملازمین اور قابلین بافوں کی بجائے، بادشاہی فوج کے نامی بہادر ٹن پیادوں سے سابقہ پڑا جنھوں نے جم کر جنگ کی اور بتا دیا کہ وہ دشمن سے دب کر رہنے والے نہیں ہیں۔ پہلے گھمسان کے بعد آہستہ آہستہ لڑائی کا رنگ بدل چلا اور جب شام ہوتے روپرٹ بالآخر واپس آیا تو اس کے ماموں کی فوج ٹیکرے کی طرف ہٹ رہی تھی اور ہیمڈن کے تازہ دم سپاہی تیزی سے چلے آتے تھے کہ پارلیمنٹ کی تھکی ہوئی فوج کو مدد دیں۔ رات ہوئی تو دونوں فوجیں اپنے صبح کے مقام پر آگئیں اور دوسرے دن بھی کوئی فریق پھر لڑنے کا خواہش مند نہ تھا اسیکس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ چارلس کے پہنچنے سے قبل خود لندن پہنچ جائے لہذا وہ نارتھمپٹن کی طرف چکر دے کے روانہ ہو گیا اور چارلس نے سیدھی آکسفرڈ کی راہ لی۔

ٹرن ہم گرین

آکسفرڈ سے لندن پر پیش قدمی جاری رہی لیکن بادشاہ کی آہستہ روی کی بدولت اسیکس کو موقع مل گیا کہ چکر کھا کے چارلس سے پہلے آجائے اور شاہی فوج کنگسٹن پہنچی تو اسیکس کی حریف پھر ان کا راستہ روکے پڑے تھے۔ اسیکس کو کتنا بھی کافی پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ لندن کو خطرے میں سن کر اور خصوصاً روپرٹ کے سواروں کی غارتگری کی خبروں نے شہر والوں کو خوفزدہ کرنے کی بجائے اور زیادہ مقابلے پر تیار کر دیا۔ مرد، عورت اور لڑکے تک دھس بنانے میں دن رات ایک کئے دیتے تھے اور یہ نگی فصیل جلدی میں شہر کے سامنے تیار کی گئی تھی اسی طرح سد ہوتے ہوئے جوق در جوق اسکی بن کی سرگرہی میں آناً فاناً جمع ہو گئے کہ اپنے ناموس اور دین کی حفاظت کریں۔ کنگسٹن سے چارلس کا لشکر برنیٹ فرڈ پر بڑھا اور شدید جنگ کے بعد اس مقام پر قابض ہو گیا مگر ٹرن ہم گرین پر شہر کا سپاہ کے دل بادل جمے ہوئے دیکھ کر شاہی سوار ٹھٹک گئے اور بے کار گولہ باری کرنے کے بعد چارلس واپس آکسفرڈ چلا آیا۔

تلوار سے فیصلے میں تاخیر ہوئی تو خواہی نخواہی نامہ و پیام جاری ہوئے لیکن

باب سوم

مصالحت کی یہ اور بعد کی کوششیں کچھ تو اس لئے ناکام رہیں کہ بادشاہ ایسے حریف سے صلح کرنی نہ چاہتا تھا جو اُس کی دانست میں جلد بزور شمشیر مغلوب ہونے والا تھا اور کچھ اس لئے کہ مذہب کے معاملے میں مصالحت ہونی ممکن نہ تھی کیونکہ ہر فریق اپنی آزادی کے واسطے نہیں بلکہ دوسرے کو مغلوب کرنے کی غرض سے لڑ رہا تھا۔ اور ایک سبب یہ ہوا کہ چارلس کی ممالکِ خارجہ کے بادشاہوں یا آئرستان سے امداد طلبی اور یا پارلیمنٹ کے طرفداروں میں نفاق ڈالنے کی کوششیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں جس سے مصمم ارادہ رکھنے والے محبانِ وطن کو روز بروز یقین کامل ہوتا گیا کہ مستقل امن وصلح کی شکل ہی یہ ہے کہ بادشاہ کو کلیتہً مغلوب کر لیا جائے۔

سنہ ۱۶۴۳ء کی لڑائیاں

سال نو یعنی سنہ ۱۶۴۳ء میں خانہ جنگی کے شعلے انگلستان کے ہر حصے میں پھیل گئے۔ آکسفرڈ سے لندن آنے والی سڑک پر تو اسیکس اور چارلس کا لشکر ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن تھا۔ مغرب میں سر ریلف ہوپٹن کارنول کے جوانوں کو لیکر سمرسٹ شر کی پارچہ باف بستیوں کے پارلیمنٹی گروہ پر بڑھا جو امیر اسٹیمفرڈ کے ماتحت تھا۔ سیورن کی وادی میں سر ولیم والر نے ویلز سے بادشاہ کی کمک آنے کا راستہ روکا۔ مل ڈرم اور کروم ویل مشرقی پرگنوں کو قابو میں لاچکے تھے اور اب نیوارک پر حملہ کر رہے تھے کہ شمالی سڑک ان کی زد میں آجائے۔ شمال میں لارڈ فیرفیکس، اس کا فرزند اور فرڈی نینڈ وغیرہم نے پارلیمنٹ کی طرف سے اپنے کاشتکاروں اور جُلاہوں کے ساتھ نیوکاسل پر پیش قدمی کی جہاں شمالی اضلاع سے اکثر کیتھولک بھرتی ہوئے اور یارک شر کو بادشاہ کا مطیع بنانے کی کوشش میں تھے۔ موسم بہار میں پارلیمنٹ والوں کا پلہ بھاری رہا۔ خصوصاً ولیم والر نے وہ کارنمایاں دکھائے کہ ولیم فاتح کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اسی طرح ٹامس فیرفیکس نے لیڈز پر کامیاب یورش کی اور کروم ویل نے گرین تھم کے قریب پہلی مرتبہ شاہی رسالے کو مار بھگایا۔ لیکن گرمیوں میں تقدیر بادشاہ کی مساعد ہو گئی۔ ۱۸ ارجون کو آکسفرڈ کی ایک جمعیت شہزادہ روپرٹ کے ماتحت چھاپہ مارنے چلی۔ شریف النفس ہیمڈن نے اسے میدان چیل گرو پر کاٹ دینے کی کوشش کی تھی مگر خود مہلک زخم کھایا۔ امیر اسٹیمفرڈ کو کارنول میں شاہی سرداروں کے مقابلے میں

باب سوم

سخت شکست نصیب ہوئی اور ولیم والر انھیں بڑھنے سے روکنے کے لئے سامنے آیا تو پہلے باتھ کے قریب لینس ڈاون میں زک ہوئی اور پھر ۱۰ جولائی کو ڈیوائزیس کے قریب راونڈوے ڈاون میں سخت شکست کھا کر بھاگا۔ البتہ پہلے معرکے میں شاہی سردار گرین ول مارا گیا۔ مذکورۂ بالا شکست کے دو ہفتے بعد ہی شہزادہ روپرٹ نے فینیز سے برسٹل میں ہتیار رکھوا لئے اور یہ شہر پارلیمنٹ کے ہاتھ سے چھن گیا۔ لیکن اس لڑائی میں روپرٹ کے پانچ سو بے نظیر پیادے مارے گئے اور یہاں پارلیمنٹ کے طرفداروں کو جس بے دردی سے لوٹا گیا اُس نے دوسری جگہ کے باشندوں کو اور زیادہ مایوسانہ مزاحمت پر آمادہ کر دیا۔ شمال میں، پارلیمنٹی بیڑے کی کوشش کے باوجود، ملکہ ماریہ مقام برڈلنگ ٹن پر لنگر انداز ہوئی جس سے امیر نیوکاسل کو اور زیادہ جانفشانی دکھانے کی تحریک ہوئی اور اڈورٹن مور[1] کے میدان میں فیرفیکسوں کو تاریخ ۳۰ جولائی شکست کھا کر ہل میں پناہ لینی پڑی۔ یہ شہر بھی ہوتھموں کی غداری سے شاہ پسندوں کے ہاتھ پڑنے والا تھا مگر شہر والوں کی ہوشیاری نے اسے بچا لیا۔ غرض مشرقی اضلاع کے سوا اور کہیں پارلیمنٹ والوں کو کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ مشرقی علاقے میں وہ ہر جگہ غالب رہے اور گینزبرو کی ۲۸ جولائی کی فتح سے کرومویل کی فوج کی کارکردگی کا مزید ثبوت بہم پہنچا۔

اگر یہ عام قسم کی جنگ ہوتی تو شاہ پسندوں کی شمال اور مغرب میں فتوحات کے ساتھ ہی لندن پر فوجیں بڑھنے لگتیں لیکن دونوں علاقوں میں مقامی جذبات اتنے قوی تھے کہ لوگ ان پرگنوں سے باہر جانے پر آمادہ نہ ہوتے تھے اور نہ انھیں یہ خیال تھا کہ اپنے علاقے کی مدافعت پر پورے فریق کی کامیابی کو مقدم سمجھنا چاہئے۔ چارلس کے حق میں ایک اور دشواری یہ تھی کہ بہت سے قلعہ بند شہر ہنوز پارلیمنٹوں کے قبضے میں تھے اور ان سے آس پاس کے شاہ پسندوں کے دیہات کو ہر وقت کا خطرہ رہتا تھا۔ یہی وجوہ تھیں کہ جب چارلس نے عام پیش قدمی کا ارادہ کیا تو یارک شر والوں نے جب تک ہل فتح نہ ہو جائے، آگے چلنے سے انکار کیا اسی طرح

[1] اس لفظ کے ہجے یوں کئے جاتے ہیں۔ Adwalton Moor

باب سوم

کارن وال اور ڈیون کے باشندوں نے پہلے ایکزیٹر و پلی متھ کو فتح کرنے کی خواہش کی اور گلوسٹر کے نامفتوح رہنے تک اہل ویلز نے سیورن کو عبور کرنا پسند نہ کیا۔ ناچار چارلس کو کئی کئی محاصرے کرنے پڑے۔ خود گلوسٹر کا محاصرہ کیا۔ نیوکاسل کو ہل بھیجا اور روپرٹ کے بھائی شہزادہ مورِیس، ایکزیٹر اور پلی متھ کی طرف روانہ ہوا کہ اسی شہزادے کو چارلس نے مغربی اضلاع کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔ پارلیمنٹ والوں کو بھی اسی قسم کی مشکلات پیش آئیں مگر انھوں نے مشترکہ پرگنوں کی تدبیر سے ان کا حل کر لیا وارک شر اور اسٹے فرڈ شر سب سے پہلے متحد ہوئے۔ افسوس ہے کہ ان کا سرگروہ لارڈ برُوک لیچ فیلڈ کے محاصرے میں فوت ہوا جس سے پارلیمنٹ کے فریق کو ایک لائق سردار اور انگلستان کو نہایت بُرد بار و بلند خیال شہری کا نقصان اٹھانا پڑا۔ مذکورہ علاقوں کی دیکھا دیکھی دلدلی علاقے کے پرگنے بھی مل گئے اور ایک اعلیٰ درجے کی پیادہ فوج مرتب کر لی جس کا سپہ سالار تو امیر مینچسٹر لیکن روح رواں اولیور کرومویل تھا۔

پارلیمنٹ کے لئے بہت غنیمت یہ ہوا کہ لندن کے قواعد دان دستے ہر جگہ جانے اور لڑنے کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ پم نے گلوسٹر کو محاصرے سے چھڑانے کی غرض سے لندن ہی کی فوج سے کام لیا۔ ادھر ایک واضح مقصد نظر کے سامنے آگیا تو لوگوں کی سہل انگاری بھی غائب ہو گئی جس کی اسیکس کو شکایت تھی۔ اور اب وہ ایسے پندرہ ہزار شہری سپاہیوں کو لے کر گلوسٹر چلا، جو کیل کانٹے سے پورے لیس تھے اور پختہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انھیں خدائے تعالےٰ نے کام لینے کے لئے طلب کیا ہے۔ روپرٹ کا رسالہ اسیکس کو راستے میں نہ روک سکا اور وہ عین وقت پر جب کہ شہر میں صرف تین پیپے باروت کے رہ گئے تھے، قریب آپہنچا اور چارلس نے ایسی لڑائی لڑنی پسند نہ کی جس میں غیر مسخر شہر عقب سے حملہ کر سکے، لہذا محاصرہ چھوڑ دیا اور اسیکس کو بلا مزاحمت گلوسٹر میں داخل ہو جانے دیا۔ اس کی آمد امداد غیب سمجھی گئی۔ دیندار شہریوں نے ایک پھاٹک پر یہ الفاظ کندہ کرائے "یہ ایک شہر جس پر آدمی نے حملہ کیا اور خدا نے اسے بچایا۔"

معرکۂ نیوبری

اب چارلس کا مقصد یہ ہو گیا کہ اسیکس کے واپس لندن جاتے وقت راستہ روکے اور اب کے نیوبری میں بھی اس نے وہی جنگی تدبیر اختیار کی

باب سوم

جو ایج ہل میں کی تھی۔ لیکن یہاں اُس نے اسیکس کو حملہ کرنے پر مجبور کیا۔ بہت سخت جنگ واقع ہوئی اور پارلیمنٹی سپاہی جو حلقے باندھ کر لڑے تھے، قطعاً جمے رہے اور شاہی سواروں خصوصاً سرداروں کا اتنا نقصان ہوا کہ چارلس کو دوبارہ لڑائی جاری رکھنے کی جرات نہ ہوئی اور ہٹ کر آکسفرڈ چلا آیا اور اسیکس کی لندن کی واپسی کا راستہ چھوڑ دیا۔

فاک لینڈ

نیوبری کے معرکے میں لارڈ فاک لینڈ کام آیا۔ غالباً اپنے معاصرین میں اس سے بڑھ کر منصف مزاج اور رواداری پسند آدمی دوسرا نہ ہوگا۔ مذہب سے محبت و خلوص کی بدولت اس نے اپنی خدمات بادشاہ کے روبرو پیش کیں مگر شاہی لشکر کے چند ہی روز کے تجربے سے اسے یقین ہوگیا کہ وہاں کے اوباش مزاج سپاہیوں اور خود غرض عیش پرستوں کے ساتھ نباہ نہ ہوسکے گا۔ سخت مزاج اور تنگ نظر پیوری ٹن فرقہ بھی، جو فریق مقابل میں اکثریت رکھتا تھا، اسے بھی فاک لینڈ کی طبیعت سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انھی خیالات کی بنا پر موت کو وجہ اطمینان و تشفی سمجھ کر وہ ایسی کھلی جگہ میں گھوڑا بڑھا لایا جہاں سب سے زیادہ گولیاں برس رہی تھیں اور اس طرح جان دی۔ اگر وہ الزبیتھ کے عہد میں ہوتا تو بڑی خوشی اور آزادی کی زندگی گزارتا۔ عہد انقلاب کے ارباب سیاست میں اس کی سیرت نہایت سبق آموز شے ہوتی لیکن تقدیر نے جس زمانے میں اسے پیدا کیا، وہاں اس کا کوئی اثر، کوئی قدر و منزلت نہ ہوئی۔ اور وہ ایسے خلاف مزاج ماحول میں رہا کہ جلد سے جلد چھٹکارا پانے کے سوا اسے راحت کی اور کوئی شکل نظر نہ آئی۔

نیوبری کی لڑائی ۲۰ ستمبر کو ہوئی اور اسی نے جنگ کا رُخ پھیر دیا۔ ایکزیٹر چند روز قبل شاہ پسندوں کے ہاتھ مفتوح ہوگیا تھا لیکن پلی متھ بیڑے کی مدد سے ناقابل تسخیر ثابت ہوا۔ اور جبر و غداری دونوں اسے مسخر کرنے میں ناکام رہے۔ ۱۱ر اکتوبر کو کرومویل نے ونس بی پر دوبارہ شاہی رسالے کو شکست دی اور جس وقت شاہ پسند لنکن شر کی جھاڑیوں میں بھگائے لئے جا رہے تھے، اسی وقت شہر ہل سے توپوں کی دنادن سنائی دی جو اصل میں محصور شہر والوں کے نکل کر حملہ کرنے کی تمہید میں چلی تھیں۔

باب سوم

اسی حملے کا نتیجہ تھا کہ دوسرے دن نیوکاسل محاصرہ چھوڑ کر ہٹ گیا۔ غرض سال ختم ہوا تو نشیب و فراز پیش آنے کے باوجود مجموعی طور پر پارلیمنٹی فریق کا پلہ خاصی طرح جھکا ہوا تھا۔ ۱۶۴۳ء کے معرکوں سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ قطعی غلبہ کسی فریق کو بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ختم سال سے قبل ہی چارلس تو اہل آئرستان سے اور پارلیمنٹ اسکاٹ لینڈ والوں سے مدد کے لیے نامہ و پیام کرنے لگے۔

آئرستان کی بغاوت

آئرستان کی جس بغاوت کا ۱۶۴۱ء میں آغاز ہوا وہ انگلستان کی خانہ جنگی کے زمانے میں عام ملکی تحریک بن گئی کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ قدیم قلطی باشندوں کے ساتھ انگلستانی نارمن آبادکاروں کی اولاد بھی انگریزوں کے خلاف شریک بغاوت ہوئی ”اور حلیفوں“ کے نام سے ان کے متحدہ گروہ نے انگریز سپہ سالار اورمنڈ کا مقابلہ کیا جس کے ساتھ منرو کی سرداری میں ایک اسکوٹی امدادی دستہ بھی موجود تھا۔ مجموعی طور پر لڑائی میں غلبہ باغیوں کو حاصل ہوا اور آئندہ دو سال میں وہ بتدریج سارے آئرستان پر قابض ہو گئے بجز ڈبلن کے قریب یا بیلفاسٹ کی تنگ ساحلی پٹیوں کی جو آخر تک انگریزوں کے قبضے میں رہیں۔ بغاوت کے آغاز سے چارلس آئرستانی حلیفوں سے مخفی نامہ و پیام کرتا رہا تھا اور اب اس نے اورمنڈ کو حکم بھیجا کہ ایک قرارداد کے ذریعے جسے ”متارکہ“ کہتے ہیں لڑائی روک دے۔ مطلب یہ تھا کہ اورمنڈ کے سپاہی انگلستان میں کام دے سکیں اور حلیفوں کی دس ہزار امدادی فوج کے بھی مل جانے کی امید تھی۔ چنانچہ اورمنڈ کے جوان ڈیون شر و ویلز میں لنگر انداز ہوئے اور ہوپ ٹن کے لشکر میں یا ایک نئی فوج میں شامل ہو گئے جو (سر جان) لارڈ بائرن کے ماتحت ویلز کی سرحد پر مرتب کی گئی تھی۔

پارلیمنٹ اور اسکوٹی امداد

اسکاٹ لینڈ والوں سے نامہ و پیام کے لئے پارلیمنٹ نے ایک ذیلی مجلس بنائی جس کا سب سے سرگرم رکن سر ہیری وین تھا۔ اسکاٹ لینڈ والے پارلیمنٹ کو مدد دینے پر تیار تھے مگر شرائط اتحاد میں یہ شرط بھی لکھوانی چاہتے تھے کہ کلیسائے انگلستان بھی اسکاٹ لینڈ کا پریسبیٹیری طریقہ اختیار کرلے گا۔ مگر وین اس فرقے کی تنگ دلی سے گھبراتا تھا، وہ ایسی شرط

باب سوم

کرنے پر رضامند نہ ہوا اور آخر میں صرف یہ قرار پایا کہ کلیسائے انگلستان کی بہترین اصلاح یافتہ کلیساؤں کے طرز پر درستی کی جائے گی اور "کلام الٰہی کے مطابق" جس کی تعبیر کر لینے میں بہت کچھ گنجائش تھی۔ اسکوٹوں نے بیس ہزار سپاہی فراہم کر دینے کا اقرار کیا، جن کے مصارف پارلیمنٹ کے ذمے رکھے گئے۔ اس معاہدے کو "عہد واثق" اور اقرار نامہ کہتے ہیں مگر اسے خود اسکاٹ لینڈ والوں کے اقرار نامے سے جس کا گذشتہ باب میں ذکر آیا، مخلوط نہ کرنا چاہیے اس پر ۔ ۲ ستمبر ۱۶۴۳ء کو دستخط ہوئے اور پارلیمنٹ کے ہر رکن نے قسم کھا کر اس کی تصدیق کی۔

پم کی وفات

یہ معاہدہ پم کی حکمت عملی کا آخری کارنامہ تھا ۸ دسمبر ۱۶۴۳ء کے دن وہ فوت ہوگیا۔ اس کا بڑا کام یہ تھا کہ اہل وطن کو مذہب کی اہمیت پر متوجہ کر دیا خود مذہب کی خاطر نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ سیاسیات کا جزو تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا کہ "ہماری سب سے بڑی آزادی، ہمارا مذہب ہے"۔ ملکی آئین کے متعلق اس کا تخیل یہ تھا کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ مل کر کام کریں اور یہ جملہ کہ "احکام شاہی، جن کی تعبیر پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کریں"، پم کے منشا کی صحیح تفسیر ہے۔ اس کے مرنے کے بعد جانشینوں میں سے کسی کو دارالعوام میں اتنا اقتدار میسر نہ ہوا جتنا پم کو حاصل تھا۔ ملکی معاملات میں غالباً سب سے ممتاز مبعوث ہولیز اور سر ہیری وین تھے اور عسکریوں میں والر و کرومویل کو اولیت حاصل تھی۔ ان میں بھی ہولیز تو اس گروہ کا رہنما تھا جو نامہ و پیام سے جنگ ختم کرنا چاہتے تھے اور وین، اُن لوگوں کا جن کے نزدیک میدان میں کامل فتح پائے بغیر دیرپا صلح نہ ہوسکتی تھی۔ اسی اختلاف آرا کے باعث اب جنگ کے انتظامات ایک مشترکہ جماعت کے ہاتھ میں دے دیئے گئے جن میں انگریزوں کے ممتاز ارکان، مذکورۂ بالا چار کے علاوہ اسیکس اور منچسٹر تھے اور اسکاٹ لینڈ والوں میں میٹ لینڈ اور جانسٹن قابل ذکر ہیں۔ یہ میٹ لینڈ وہی شخص ہے جو آگے چل کے امیر لاڈرڈیل کے نام سے کافی بدنام ہوا۔

اگلے جاڑوں میں چارلس نے ہائڈ کے مشورے سے اپنے طرفدار امرا اور عوام کا آکسفرڈ میں جلسہ منعقد کیا (جنوری ۱۶۴۴ء)۔ اسے آکسفرڈ پارلیمنٹ کہتے ہیں

باب سوم

اور اس میں امرائے سلطنت کی بڑی اکثریت کے علاوہ دارالعوام کے بھی ایک تہائی کے قریب ارکان شریک تھے۔ لیکن ان کا کوئی صدر نشین (اسپیکر) یا رسمی سازوسامان مہیا نہ تھا اور بادشاہ پسند بھی اسے بہ مشکل یا غالباً پارلیمنٹ سمجھتے ہونگے۔ اسے کوئی اہمیت حاصل ہوی تو وہ اس قرارداد کرنے کی بنا پر کہ اسکوٹوں کو ملک میں بُلانا سراسر نامناسب تھا۔ نیز اہل جلسہ کو جو اعتراضات تھے کہ بادشاہ نے کیتھولک فرقے کے لوگوں کو نوکر رکھا ہے، ان کا بھی اس پارلیمنٹ میں اظہار ہوا۔

پارلیمنٹ کے حق میں ۱۶۴۴ء کا آغاز خاصی طرح سازگار ہوا کہ جنوری میں ٹامس فیرفیکس نے لنکن شر سے بہ سرعت بڑھ کر بائرن کو نینٹ وچ میں شکست دی اور اس کے اکثر سپاہیوں کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کیا طرفہ تر یہ کہ ان میں سے بہت سے آئرستانی سپاہی خود فاتح کی نوکری قبول کرلینے پر تیار ہوگئے۔ اپریل میں ہوپٹن کو بھی چری ٹن کے مقام پر والر کے ہاتھوں ایسی ہی سخت شکست نصیب ہوی۔ پارلیمنٹ کے فوجی سرداروں میں اب والر سب سے اچھا "مقام شناس" سمجھا جانے لگا تھا اور اس کی اور فیرفیکس کی ان کامیابیوں نے چارلس کی ساری امیدیں جو اورمنڈ کے لشکر سے وابستہ تھیں، برباد کردیں اور وہ پھر کل ینی کے آئرستانی "حلیفوں" ہی سے مدد کے لئے خط کتابت کرنے پر مجبور ہوا۔

اسکوٹوں کی آمد

بیرونی امداد کے معاملے میں بھی پارلیمنٹ زیادہ کامیاب رہی۔ ۱۹ جنوری کو لیون، لیلی اور ڈیوڈ لزلی کے ماتحت اسکاٹ لینڈ کی فوج ٹوئیڈ کے پار اُتر آئی اور نیوکاسل یارک میں سنلیی کو پہرے پر چھوڑ کر خود مقابلے کے لئے بڑھا۔ لیکن اپریل میں فیرفیکس نے سلبی پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے نیوکاسل کو واپس یارک آنا پڑا اور اب اسکوٹی فوج اُس کے عقب میں بڑھنے لگی۔ مانچسٹر د کروم ویل بھی اپنے دستے لے کر یارک شر پہنچ گئے اور اپریل کے اخیر تک تین پارلیمنٹی فوجوں نے شہر یارک کو باقاعدہ گھیر لیا۔ چارلس جانتا تھا کہ اسے بچانا ضروری ہے لہذا روپرٹ کو حکم دیا کہ اس کا محاصرہ اٹھانے کی غرض سے فوج فراہم کرے۔ ادھر خود چارلس کو بھی آکسفرڈ میں گھر جانے کا اندیشہ ہوگیا تھا کیونکہ ایسکس اپنا لشکر اور والر لندن اور وطنی پرگنوں کی تازہ جمعیت لے کر آکسفرڈ پر بڑھ رہے تھے۔ لیکن چارلس چالاکی

باب سوم

سے ان دونوں کے بیچ میں سے نکل کے ورسٹر شہر پہنچ گیا اور پارلیمنٹی سرداروں کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ والر تو آکسفرڈ کا محاصرہ کرے اور اسیکس مغربی پرگنوں میں جاکے قلعۂ لیم کو نجات دلائے، پلی متھ پر قبضہ کرے اور ممکن ہو تو شہزادہ موریس کو شکست دے۔ مگر پارلیمنٹی افواج کی اس تقسیم سے چارلس کو علٰحدہ علٰحدہ ان کے ہر گروہ پر صریحی غلبہ حاصل ہو گیا اور وہ والر پہ پلٹ پڑا۔ کروپر ے ڈی برج پر جو لڑائی ہوئی اس میں پارلیمنٹ کے شہری سپاہی شکست کھا کر ایسے بے حواس ہوئے کہ سیدھے اپنے

کروپرے ڈی برج اور لوسٹ وتھیل کے معرکے۔

گھروں کو بھاگ آئے اور یوں بھی شاہی افواج کی باقاعدہ اور تیز نقل و حرکت دیکھ کر والر کو یقین ہو گیا کہ جب تک قواعددان تنخواہ دار فوج مہیا نہ کی جائے گی، پارلیمنٹ کی فتح ہونی محال ہے۔ ادھر والر کا قضیہ چکا کے چارلس بہ سرعت اسیکس کے تعاقب میں روانہ ہوا کیونکہ وہ مغربی اضلاع میں برابر فتح پاتا ہوا بڑھ رہا تھا اور اس نے ملکۂ ہنریتا ماریہ کو پھر فرانس بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر کارنول کی مدد کے دھوکے میں اسیکس اپنی دور تک بڑھ گیا کہ واپسی محال ہو گئی اور چارلس نے ستمبر میں بمقام لوسٹ وتھیل اتنی بڑی فوج سے اُسے آگھیرا کہ پیادوں نے تو ہتیار ڈال دئے سوار بمشکل لڑتے بھڑتے بھاگ کر پلی متھ پہنچے اور خود اسیکس سمندر کی راہ سے جان بچا کر لندن آگیا۔ اس طرح کچھ روز تو ایسا معلوم ہوا کہ مغرب میں پارلیمنٹ کے طرفداروں کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ لیکن پلی متھ اور (روبرٹ بلیک کے تحت میں) ٹانٹن اڑے رہے اور امید تھی کہ جب تک یہ مسخر نہ ہوں، شاہ پسندوں کو مغرب میں رُکا رہنا پڑے گا۔

مگر جنوب کی اس شاہی کامیابی کا بدل شمال کی مصیبت سے ہو گیا۔ آکسفرڈ سے روانہ ہونے کے بعد چارلس روپرٹ کو قطعی احکام دے آیا تھا کہ یارک کو محاصرے سے نجات دلائی جائے۔ پھر ایک خط بھی بھیجا جس کی عبارت مبہم تھی مگر روپرٹ نے اس کے یہی معنی سمجھے کہ اسکوٹوں سے جنگ کی جائے۔ چنانچہ نیوارک میں امدادی کمک چھوڑ کر روپرٹ لینکا شر میں داخل ہو گیا اور لیتھم ہاوس کو جہاں ڈاربی کی بیگم بادشاہ کی طرف برابر ڈٹی رہی تھی، محاصرے سے چھڑا لیا۔ پھر پہاڑیاں اتر کے اسکپٹن اور

باب سوم

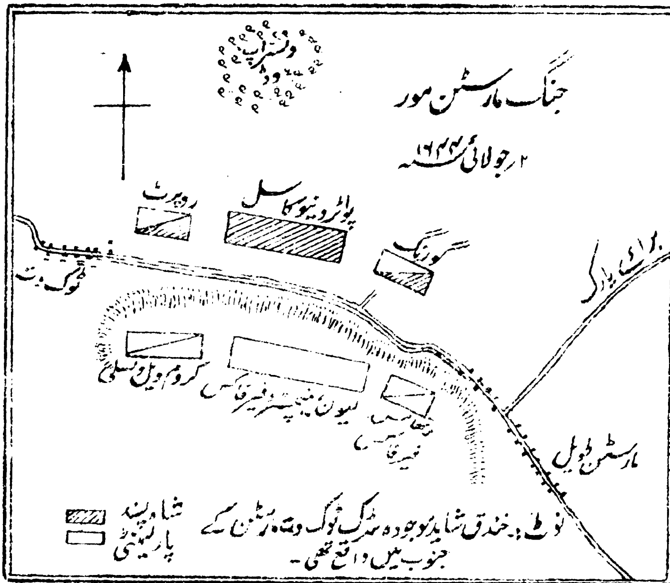
وہارف کی ندیوں سے گزرتا ہوا وہ ۳۰ جون کو نیرس برو پہنچ گیا جو نِڈ ندی پر واقع تھا اتحادیوں کو روپرٹ کے آنے کی خبر ملی تو یارک کا محاصرہ چھوڑ کر وہ مارسٹن مور پر مقابلہ کرنے آگئے اور یہ مقام نِڈ کے اس پل (اسکپ برج) کے مقابل تھا جس پر سے نیرس برو کا عام راستہ یارک آتا ہے لیکن روپرٹ بھلا وادے کے شمال میں بڑھا اور یُور ندی کی برو برج اور سُوِیل کو

مارسٹن مور ۲ / جولائی ۱۶۴۴ء

تھارن ٹن برج پر عبور آؤز ندی کے بائیں کنارے پر آنکلا اور اس طرح یارک کو محاصرے سے چھڑا لیا۔ اب اتحادی جنوب میں ہٹے کہ روپرٹ کی واپسی کا راستہ وہارف کے خط پر روک دیں۔ امیر نیوکاسل چاہتا تھا کہ تازہ کمک آنے تک لڑائی نہ لڑی جائے مگر روپرٹ، چارلس کے خط کی بنا پر مُصر ہوا چنانچہ نیوکاسل کے آدمی یارک سے باہر بھیجے گئے اور روپرٹ کی فوج آؤز کو کششینول کے پُل سے اُتر کے مارسٹن مُور میں اُن سے آملی۔ یہ کیفیت سن کر اتحادی اور بھی پیچھے ہٹے اور لُونگ مارسٹن اور ٹوک وتھ نام کے، دو گاؤں کے درمیان، ایک اونچی جگہ اپنی صفیں باندھیں جو اس دلدلی علاقے کا جنوبی کنارہ تھی۔ لزلی اور کروم ویل، اسکوٹی اور اتحادی رسالے کے ساتھ میسرے پر تھے۔ لیون، منچسٹر، لارڈ فیرفیکس پیادوں کے ساتھ قلب میں اور باقی سواروں کو ٹامس فیرفیکس میمنے پر لئے کھڑا تھا

مارسٹن مور کی لڑائی ادھر شہزادہ روپرٹ کو امید تھی کہ اتحادیوں کی صف بندی سے پہلے ان پر جا پڑے گا اور اسی لئے وہ ایک نالی تک جس کے آگے دلدل کا بلند کنارہ شروع ہوتا تھا اپنے لشکر کو اتحادیوں کے بالکل قریب تک لے آیا۔ مگر اتحادی تو بہت جلد تیار ہو گئے اور اس کی فوج کو جھنپنے

میں شام کے سات بج گئے۔ اس میں خود روپرٹ میمنے پر، گورنگ قلب میں اور نیو کاسل میسرے کا سردار تھا۔ شام ہونے کی وجہ سے شاہ پسندوں نے حملہ دوسرے دن پر ملتوی کیا اور بیٹھ کر کچھ کھانے پینے لگے۔ اتحادیوں کو یہ خداداد موقع ملا اور ڈھلان کی مدد سے وہ اور بھی تیز دوڑ کر پوری جمعیت سے شاہی لشکر کے بے خبر سپاہیوں پر آپڑے۔ اپنے بائیں پر سخت کشمکش کے بعد انھوں نے روپرٹ اور اس کے رسالے کو میدان سے ہٹا دیا۔ دائیں طرف ٹامس فیرفیکس کو دشوار گزار زمین طے کرنی پڑی اور گورنگ نے اسے شکست دی۔ اسی طرح قلب میں بھی شاہ پسندوں کی بن آئی اور بہت



جلد اسکوٹی فوج بھاگ نکلی۔ حسن اتفاق سے ٹامس فیرفیکس کا دستہ بے خبری میں دوسری طرف آنکلا اور کروم ویل کے جوانوں کو ہاتھ میں دیکھ کر اُن سمیت شاہ پسندوں کے عقب پر حملہ آور ہوا اور گورنگ کو پلٹنے میں شکست دی۔ پھر اتحادی رسالے نے پیادہ فوج کے ساتھ مل کر دشمن کے قلب پر باقاعدہ حملہ کیا۔ نیو کاسل کے سپاہی بے سہارا رہ گئے تھے۔ پھر بھی کمال جواں مردی سے لڑے اور بعض دستوں کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔ لیکن کوئی سعی کارگر نہ ہو سکتی تھی اور جب تاریکی ہوئی تو اتحادی پوری طرح فتح مند ہو گئے۔ ساتھ ہی شہر یارک مسخر ہو گیا۔ نیو کاسل بھاگ کر

باب سوم

ممالک یورپ میں چلا گیا۔ روپرٹ رسالہ لے کر چکر کھاتا ہوا وادیٔ سیورن میں ہٹ آیا۔ حالانکہ اگر اس لڑائی کا نتیجہ وہ ہوتا جو روپرٹ نے بجا طور پر سوچا تھا، تو پارلیمنٹی فریق کو شمال اور جنوب میں ایسا صدمہ پہنچ جاتا جس کی بظاہر کوئی تلافی نہ ہو سکتی تھی۔ بخلاف ان امیدوں کے اب بادشاہ کے اقتدار پر شمال میں کاری ضرب لگی اور وادیٔ سیورن، ویلز، جنوب مغربی پرگنوں یا آکسفرڈ کے مغرب کے وسطی پرگنوں کے سوا عملاً سارا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا

اس فتح کامل کے بعد فیرفیکس اور اسکوٹی فوج کو تو پونٹی فریکٹ اور نیو کاسل (لب ٹائن) کی تسخیر کے لیے چھوڑا گیا اور کروم ویل اور منچسٹر جنوب کی طرف روانہ ہوئے ایسکس علیل ہو گیا تھا لہذا والر ان کی مدد کے لئے چلا کہ مل کر بادشاہ کی کارنول سے واپسی کا راستہ روکا جائے فریقین کا مقابلہ کینیٹ کے شمالی جانب نیوبری کے مقام پر ہوا۔ لڑائی میں سخت بدنظمی رہی جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ کئی کئی سپہ سالار تھے اور کچھ یہ کہ منچسٹر نے حملے میں سستی کی اور والر و کروم ویل کا بروقت ہاتھ نہ بٹا سکا بخلاف اسکے شاہ پسندوں کی نقل و حرکت بہت خوبی سے ہوئی اور چارلس تھوڑی فوج ہونے کے باوجود آکسفرڈ کا راستہ پا گیا۔

نیوبری کی دوسری لڑائی

اس ناکامی سے پارلیمنٹی فریق کے زیادہ گرم جوش افراد کی بددلی نمایاں کر دی ان کا سرگروہ اولیور کروم ویل تھا۔ یہ نامور شخص اب سرعت سے پیش پیش ہوتا جاتا تھا۔ اس نے ابتدا سے جان لیا تھا کہ شاہ پسندوں کی وفاداری اور شرافت کے جذبات کا جواب صرف مذہبی جوش سے ہو سکتا ہے۔ دوسرے گو پارلیمنٹ نے پیادہ فوج تو حریف کے مثل فراہم کر لی تھی، لیکن اسکا رسالہ شاہ پسندوں سے بہت ادنیٰ درجے کا تھا اور ان دونوں سواری فوج کا نسبتہً سب سے کارگر جزو ہوتے تھے۔ کروم ویل نے اس نقص کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور مشرقی پرگنوں میں اسے کسان اور چھوٹے زمیندار بھی ایسے مل گئے جو اپنے مذہب کا انتہائی جوش رکھتے تھے اور شرفا کی طرح سواری بھی بخوبی کر سکتے تھے۔ انھی سے کروم ویل نے ایک مخلوط رسالہ مرتب کیا اور اسے ایسا قواعد داں بنایا کہ اس وقت تک دنیا نے جو بہترین رسالے دیکھے تھے اس کا ان میں شمار کیا جا سکتا تھا[1] خود کروم ویل رسالے کا بہت عمدہ سردار تھا اور مارسٹن کے میدان میں اس کی قوت دیکھ کر شہزادہ روپرٹ نے اس پر فولادی پہلو کی پھبتی کہی تھی جو بعد میں اس کے سارے دستے کا لقب ہو گیا کروم ویل کے رسالے کا جب کبھی شاہ پسندوں سے مقابلہ ہوا کامیابی اسی نے پائی اور اسکے ذرا سمجھنے لگے کہ کروم ویل کی قیادت میں وہ جنگ کا بہت جلد فاتحانہ اختتام کر سکتے ہیں۔ ذی ہوش مبصروں کی رائے یہ تھی کہ پارلیمنٹ کی پیادہ فوج اگرچہ اب بھی کافی

---

[1] فاضل مصنف کی دنیا بہت محدود معلوم ہوتی ہے۔ "مترجم"

باب سوم

تاہم جب تک پارلیمنٹ کے پاس باقاعدہ سپاہی نہ ہونگے جنھیں مستقل طور پر کام پر لگایا جاسکے اور جو اپنے پرگنوں سے باہر جانے میں نہ گھبرائیں اور نہ ایک لڑائی لڑتے ہی اپنی دکانوں پر جانے کی جلدی کریں اس وقت تک بادشاہ کو صحیح معنی میں شکست دینا ممکن نہ ہوگا۔ سب سے پہلے والر نے یہ بات سمجھائی تھی اور کرومویل جیسے آرزو تھی کہ شخصی اغراض اور مقامی مصالح فائدۂ عام کے تحت میں رکھے جائیں، اس رائے میں دل سے مؤید تھا، بخلاف اس کے اسیکس لڑائی کو زور شور سے جاری رکھنے کی ضرورت میں تو کوئی شک شبہ نہ رکھتا تھا لیکن اسے کامیاب بنا لینے کی کوئی خاص قابلیت اس میں نہ تھی۔ اور منچسٹر طبعاً سست و سہولت پسند تھا۔ وہ نہ صرف چارلس کے ساتھ صلح کی گفتگو کا خواہاں تھا بلکہ یہ رنگ دیکھ کر بھی جل رہا تھا کہ جنگ قدیم امرا کو پس پشت ڈالے دیتی ہے اور متوسط درجے کے لوگ پیش پیش ہوئے جاتے ہیں۔ ہولیز اور صلح پسند فرقہ منچسٹر کے بہت کچھ ہم آہنگ تھے اور ان لوگوں کی تائید جنگ جاری رکھنے کے لئے اسی وقت حاصل ہوسکتی تھی جب کہ صلح کے نامہ وپیام کا بیکار رہنا قطعی ثابت ہوجائے۔ یہی اسباب تھے کہ نیوبری کی لڑائی کے بعد ایک طرف تو فوج کی تنظیم جدید کا بیڑا اٹھایا گیا اور دوسری طرف بادشاہ سے پھر صلح کے نامہ پیام شروع ہوئے۔

فوجی تنظیم کا سب سے قوی محرک یہ تھا کہ وین اور کرومویل قطعی یقین رکھتے تھے کہ اگر جنگ میں جلدی کامیابی نہ ہوئی تو رائے عامہ کے دباؤ سے پارلیمنٹ کو ذلت آمیز صلح کرنی پڑے گی۔ انھیں یہ بھی علم تھا کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پارلیمنٹی سردار و سپہ سالار محض اپنے عہدوں پر زیادہ دن رہنے کی غرض سے جنگ کو طول دے رہے ہیں۔ کرومویل کی نظر میں ایسا خیال تک سخت قابل نفرت تھا اور اس نے فائدہ عام کی خاطر ایثار کرنے کی صاف صاف وکالت کی اور اسی لحاظ سے ایک ”حکم نامہ ایثار“ پارلیمنٹ میں پیش ہوا جس میں دونوں ایوانوں کے ارکان کو زمانۂ جنگ میں فوجی یا دیوانی عہدے اختیار کرنے سے باز رکھا گیا تھا۔ اس پر امرا بہت جھلائے۔ تحریک نامنظور ہوئی مگر آخر میں ایک دوسرا حکم نامہ منظور ہوا کہ موجودہ عہدہ دار چالیس دن کے اندر مستعفی ہوجائیں گے اگرچہ انھیں دوبارہ مقرر کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔

حکم نامہ ایثار

چنانچہ منچسٹر، وارک، اسیکس اور والر اسی وقت عہدے سے دستکش ہوگئے اور ان کی خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا۔ ایک اور حکم نامے کے ذریعے پارلیمنٹ نے چودہ ہزار پیادے، ایک ہزار گھڑ چڑھے (۱۶۴۵ء) اور ۶ ہزار سوار کی فوج مرتب کی۔ ان میں سے ساڑھے بارہ ہزار تو اسیکس، منچسٹر اور والر کے لشکروں سے لئے گئے اور باقی زور دے کے بھرتی کئے گئے ابتدا میں نئے جوان قدرے سست تھے مگر

باب سوم

نمونۂ جدید زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ دیرینہ سال سپاہیوں کی مستعدی ان میں بھی سرایت کر گئی اور "افواج نمونۂ جدید"، جیسا کہ انھیں عام طور پر کہا جانے لگا تھا، کارگزاری اور مستعدی میں ہر طرح قابل ستائش سمجھی جانے لگیں۔ سر ٹامس فیرفیکس حملہ کرنے میں جیسا باہمت اور تیز دست ثابت ہوا تھا، ویسا ہی مدافعت میں ضابطہ دستقل مزاج تھا، اسے نئی فوج کا سپہ سالار اور اسکی پن کو نائب سالار (میجر جنرل) بنایا گیا۔ معین سالار کا عہدہ، جس سے رسالے کی قیادت متعلق تھی، خالی رہنے دیا چالیس دن گزرنے پر کروم ویل جزیرۂ ایلی چلا آیا جس کی مدافعت اس کے تفویض ہوئی تھی۔ بیڑے کا امیر بے ٹن مقرر ہوا جو ۱۶۴۲ء سے وارک کے ماتحت نائب امیر البحر تھا۔ مذہب کے اعتبار سے نمونۂ جدید میں ہر عقیدے کے آدمی شامل تھے اور سپاہیوں سے پارلیمنٹ کی مذہبی قرارداد یا میثاق پر بھی کوئی دستخط نہیں لئے گئے تھے۔ فوج کے سردار عموماً آزاد خیال اور وسیع مشرب پیوری ٹن تھے جنھیں جنگ کے عملی تجربے نے کم سے کم یہ سبق ضرور دے دیا تھا کہ سپاہی کی مذہبی پختگی اور خاندانی نسب سے بڑھ کر کارکردگی قابل قدر ہے۔ چنانچہ کروم ویل کا قول تھا کہ میں تو ایسے سردار کو جو جنگ کا مقصد سمجھتا ہے اور جتنا کچھ جانتا ہے اسی کا دلدادہ ہے، خواہ گاڑھے گزی کے لباس میں ہو، ایسے شریف زادے پر ترجیح دونگا، جس کے پاس نسب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ البتہ جو صحیح معنی میں شریف ہے۔ اس کی میں دل سے عزت کروں گا۔

نئی فوج کے تیار ہونے تک، یہ بھی اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ صلح کے نامہ و پیام سے کچھ کام نہ چلے گا۔ غالباً کروم ویل اور وین تو نامہ و پیام پر آمادہ ہی اس لئے ہوئے تھے کہ اسکوٹی حلیفوں کو اس کا بے سود ہونا معلوم ہو جائے۔ صلح کی گفتگو میں بھی جو شاہی سفرا سے اکس برج میں ۳۰ جنوری کو ہوئی، زیادہ حصہ ہنڈرسن اور لاڈر ڈیل، نامی اسکوٹی نمایندوں ہی نے لیا۔ تین خاص مسئلوں، یعنی مذہب، فوج بے قاعدہ اور آئرستان، پر گفتگو کے لئے تین ہفتے مقرر ہوئے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے ہائڈ نے وکالت کی اور چونکہ وہ اسقفیت کا کھلا ہوا حامی تھا اور اسکوٹی نمایندے پرس بی ٹیری اصول کے، لہذا شروع ہی سے کسی تصفیے کی امید نہ تھی۔ بادشاہ کی حمایت میں سب سے قوی پہلو یہ تھا کہ وہ اسقفیت کے قیام کے ساتھ دوسرے فرقوں کی آزادی کی تجویز بھی پیش کرتا تھا۔ لیکن اول تو یہ بات پرس بی ٹیری عقائد کے خلاف تھی، دوسرے بادشاہ کی صداقت پر سخت شبہات تھے لہذا اس وقت کسی نے اس پر کان نہ دھرا۔ بایں ہمہ یہ عام رواداری کی پہلی باضابطہ تحریک تھی اور اسی لئے انگلستان کی مذہبی تاریخ

باب سوم

ہیں، ایک نئے باب کا آغاز سمجھی جا سکتی ہے۔

تجدید جنگ القصہ جب تین ہفتے کی گفت و شنید ختم ہوئی، تو پارلیمنٹ نے فیرفیکس کو حکم دیا کہ فوج کے دو حصے کر دے۔ ایک سے آکسفرڈ کا محاصرہ کرے، اور دوسرے کو ٹانٹن کے چھڑانے کی غرض سے بھیجے۔ جواب میں چارلس نے گورنگ کو مغرب کی طرف بھیجا اور خود شمال میں اسکوٹوں سے لڑنے کے خیال سے چلا تھا۔ مگر پھر ارادہ بدل کے مشرقی پرگنوں پر حملہ کرنے ملک طے کرتا ہوا چلا اور لیسٹر کو یورش کر کے چھین لیا۔ تب فیرفیکس کو شمال کی طرف جانے اور لڑائی پر مجبور کرنے کا حکم ملا۔ لڑائی بالکل سر پر آ پہنچی تو سپاہی اور سردار سب کو احساس ہوا کہ ایسے موقع پر کرومویل کا سواروں کی قیادت پر مقرر نہ کیا جانا، سراسر بے عقلی ہے لہذا سرداروں کی طرف سے ایک عرضی پارلیمنٹ میں پیش ہوئی دارالعوام نے اسے منظور کر لیا اور اُمرا کی تصدیق آنے سے قبل ہی وہ بہ عجلت فیرفیکس سے ڈیون ٹری میں جا ملا۔ بعد میں اس کی خدمت کی وقتاً فوقتاً تصدیق ہوتی رہی اور چونکہ دوسرے سردار بھی یا پارلیمنٹ کے مبعوث تھے یا اس میں شریک تھے، لہذا فوج اور پارلیمنٹ کے درمیان تعلق کبھی پوری طرح منقطع ہونے کی نوبت نہ آئی۔

معرکۂ نیزبی کرومویل ۱۳ جون کو فیرفیکس کے پاس پہنچا اور دوسرے دن نیزبی (علاقہ نارتھمپٹن شر) کی فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ فیرفیکس کی فوج کا شمار چودہ ہزار تھا اور چارلس و روپرٹ کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد صرف ساڑھے سات ہزار تھی۔ اس کمی تعداد کے باوجود حملے کا آغاز خود روپرٹ نے کیا اور پارلیمنٹ کے میسرے کو جس کا سردار آئرٹن تھا، شکست بھی دی مگر دائیں طرف کرومویل اپنے مدمقابل سرمارماڈیوک لینگ ڈیل کے مقابلے میں فاتحانہ بڑھتا چلا گیا اور پھر فیرفیکس کے ساتھ مل کر چارلس کی کم تعداد پیادہ سپاہ کے قلب کو مغلوب کرنے میں بھی کچھ دقت پیش نہ آئی۔ فوجی ہزیمت سے بڑھ کر بادشاہ کی شہرت کو سخت نقصان اس لیے پہنچا کہ لڑائی میں اس کا ایک صندوق پکڑا گیا جس میں ملکہ کے نام کے خطوط اور مسودے تھے۔ ان سے صاف معلوم ہو گیا کہ چارلس اپنی من مانی

باب سوم

شرطوں پر صلح کرنے کے سوا اور کسی امن و آشتی کی نیت نہیں رکھتا۔ اور بناوٹ سے نامہ و پیام کرنے کے زمانے میں بھی برابر ممالک غیر یا آئرستانی کیتھولک فریق سے مدد کے لیے ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ نیز یہ کہ اُسے اپنی انگلستانی رعایا کو قابو میں لانے کے لیے ہر قسم کی امداد خواہ وہ رائے عامہ کے کسی قدر خلاف کیوں نہ ہو، منظور ہے۔ چند ماہ کے بعد ڈگبی کی خط کتابت پکڑی گئی اور چارلس کے آئرستانی حلیفوں کے ساتھ معاہدے کی نقل بھی پارلیمنٹ کے ہاتھ آ گئی تو ان سب باتوں کی تصدیق مزید ہو گئی۔ اس دو طرفہ ضرب سے وہ علاقے بھی جہاں بادشاہ کا سب سے بڑھ کر اثر تھا، جیسے جنوبی ویلز وغیرہ، اس کے خلاف یا اپنی وفاداری میں سُست ہو گئے اور دوسرے روپرٹ جیسے زبردست سپاہیوں کو بھی کامل یقین ہو گیا کہ صلح کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

معرکۂ نیزبی کے بعد شاہ پسندوں کی منتشر افواج اور قلعوں کو مفتوح کرنے میں صرف وقت کا سوال رہ گیا تھا۔ لیکن اسکاٹ لینڈ میں انھی دنوں ایک سپہ سالار ایسا نمودار ہوا کہ شمال میں بادشاہ کی سیادت کے دوبارہ جم جانے کی امید تازہ ہو گئی۔

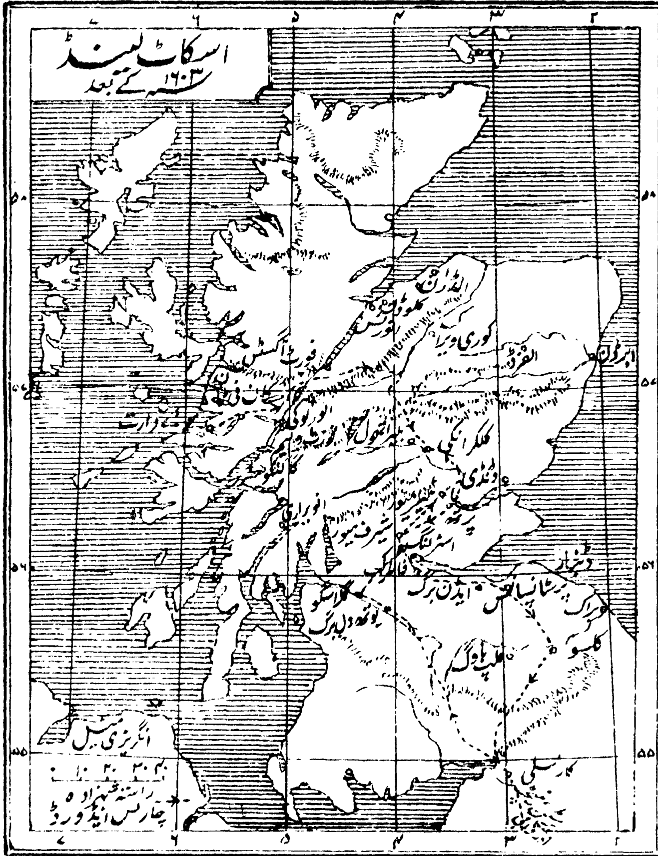
مونٹ روز

یہ مارکوئس مونٹ روز تھا جس نے بہت منت ساجت کے بعد اسکاٹ لینڈ کی نظامت قبول کی اور اسے پورا اختیار دیا گیا کہ اسکاٹ لینڈ کے میثاقیوں (Convenanters) کے خلاف جو چاہے تدبیر عمل میں لائے اور جو فوجیں انگلستان بھیجی گئی تھیں انھیں واپس آنے پر مجبور کرے۔ اس امیر کی بے غرض وفاداری، اسے اپنے عہد کی شرافت کے بہترین نمونوں میں ممتاز کرتی ہے۔ بتیس برس کی عمر تھی اور نہایت باہمت اور مستعد تھا۔ اور جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، اس کے بجا لانے میں دل و جان سے منہمک ہو گیا۔ سیاسیات میں محض خیالی ہونے کے باوجود، جنگی معاملات میں کافی صائب الرائے تھا اور اپنے وسائل کے مطابق

۱۶۴۴ء تدابیر میں رد و بدل کی ایسی قابلیت رکھتا تھا جو ماہرین سپہ گری کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اسے اپنی کامیابی کی بہت کچھ امید ابرڈین اور پہاڑی علاقوں کے قبائل کے باہمی نفاق میں نظر آتی تھی کہ حوالیٔ ابرڈین میں تو قبیلۂ گورڈن کی شہر کے پیتا قیوں سے ان بن تھی اور پہاڑی قبائل میں خاندان کیمپبیل کی سب سے خصوصاً میکڈانلڈ برادری سے لڑائی ٹھنی رہتی تھی۔ مارسٹن مور کی لڑائی کے بعد مونٹ روز یارک سے سائیس کے بھیس میں روانہ ہوا۔ نشیبی اقطاع طے کرکے بلیر اتھول میں وہ میک ڈانلڈ برادری کی ایک آئرستانی جماعت کا سرگروہ بنکر آگے بڑھا۔ یہ جماعت السٹر میک ڈانلڈ کی سرداری میں آئرستان سے آئی تھی کہ اپنی اسکوٹی برادری کی مدد کرے اور کیمپبیلوں سے لڑنے کی بڑی آرزو مند تھی۔ اب مونٹ روز کا مقابلہ کرنے کی غرض سے ایلچو، آرجائل اور بریڈلی کے بیلفر کے ماتحت تین جمعیتیں تیار ہوئیں مگر اس کی نقل و حرکت کی سرعت حریفوں کو بدحواس کئے دیتی تھی اور اس کی عمدہ تدابیر کے آگے میدان جنگ میں کسی کی پیش نہ جاتی تھی یکم ستمبر کو اس نے ایلچو کو ٹپر میور میں اور بیلفر کو ابرڈین کے میدان میں شکست دی۔ ان کامیابیوں سے مشرقی پہاڑیوں کا علاقہ صاف ہوگیا اور گورڈن قبیلے کی مدد حاصل ہوگئی۔ پھر کلاں تر سپاہ کے ساتھ وہ آرجائل کے خلاف بڑھا۔ اوائل فروری میں ان ورلوتی پر کیمپبیلوں کو سخت شکست دی اور آرجائل جس کی ذاتی شجاعت بہت کچھ مشتبہ تھی۔ ایک کشتی میں محفوظ بیٹھا اپنے قبیلہ والوں کا کشت و خوں دیکھتا رہا۔ اس ہزیمت نے اسکوٹوں کو مجبور کیا کہ اپنی انگلستانی فوج سے بیلی اور ہری دو بہترین سرداروں کو بلائیں لیکن دیر تک کاوے دینے کے بعد مونٹ روز نے ہری کو آلڈرن کے مقام پر (بتاریخ ۹ مئی) اور بیلی کو ایلفرڈ پر (بتاریخ ۲ جولائی) شکست دی اور اس کی تکمیل کل سیتھ کے خوفناک میدان میں ہوئی جہاں بیلی کی سپاہ کے رہے سہے جوان کام آئے۔ ان فتوحات نے نشیبی اقطاع کا راستہ صاف کردیا تھا جہاں مونٹ روز کی تمنا تھی کہ چارلس اس سے آملے۔ مگر جیسا کہ پہاڑیوں کی جنگ کا دستور تھا، اس کے رفیق مُصر ہوے کہ انھیں اموال غنیمت کے ساتھ گھر جانے کی اجازت دی جائے اور ستمبر میں مونٹ روز کے پاس صرف مٹھی بھر سپاہی باقی رہ گئے۔ اسی حالت میں اس پر ڈیوڈ لزلی نے فلپ ہا کے مقام پر حملہ کیا

باب سوم

جو انگلستان سے ایک زبردست لشکر لے کر ا مار آگیا تھا اور فلپ ہاگ کے اسی معرکے نے شاہ بندوں کے سب سے منچلے شہسوار کی قوت خاک میں ملا دی۔ چند ماہ کے بعد مونٹ روز بھیس بدل کے براعظم کی طرف نکل گیا۔



دوسرے ٹھکانوں سے چارلس نے مدد لینے کی جو کوششیں کیں، ان کا بھی نتیجہ ایسا ہی خلاف مراد برآمد ہوا۔ اورمنڈ کو دو میدانوں میں شکست ہوئی۔ اس پر بھی چارلس آئرستانی حلیفوں سے کبھی اپنے باضابطہ نائب اورمنڈ کے ذریعے اور کبھی ایک کیتھولک ایڈورڈ امیر سمرسٹ نامی کی وساطت سے (جو آگے چل کے ورسٹر کا مارکوئیس بنایا گیا) اور ایک بار اسی امیر کو اورمنڈ کی اطلاع کے بغیر اس نے دس ہزار آئرستانی فلطیوں کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا تھا جن کے انگلستان میں آنے کی توقع تھی۔ مگر

باب سوم

نامہ و پیام میں بہت دیر لگی۔ اور منڈ بہت کاہل، اور پکا پروٹسٹنٹ ہونے کی وجہ سے ایسے کام میں دل سے شرکت کرنے میں متامل تھا، جس سے آئرستان میں پھر کیتھولک مذہب قائم ہو جائے۔ اس لئے آئرستان کو عملاً خود مختار بنا دیا۔ ادھر سمرسٹ پرجوش ہونے کے ساتھ ناعاقبت اندیش بھی تھا اور ایک مرتبہ لینکاشر کے ساحل پر اس کا جہاز ٹوٹا تو وہ بہت دن تک ان تجویزوں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہا۔ اسی طرح براعظم میں چارلس کو ناکامی ہوئی۔ اس کی بیوی امیر لورین کو دس ہزار ساتھیوں سمیت اُجرت پر انگلستان بھیجنے کی ساز باز کر رہی تھی اور یہ سپاہی جرمن لڑائیوں کی حملہ سفاکیوں میں مشاق تھے۔ لورین بے حساب مال غنیمت اور لوٹ مار کی طمع میں انگلستان آنے پر آمادہ بھی ہو گیا تھا مگر انگلستان کی خوش نصیبی کہ اس کے سپاہیوں کو سمندر پار لانے میں دقت پیش آئی۔ ملکہ ہنریتا کا خیال تھا کہ شہزادہ اورینج کی بیٹی کی نسبت ولی عہد انگلستان سے کر دی گئی تو اس کے عوض میں یہ شہزادہ جہازوں کا انتظام کر دے گا اور اگر یہ نہ ہوا تو مازارین بندرگاہ ڈیپ سے جانے کی اجازت دے دیگا۔ مگر ولندیزوں نے اپنے جہاز دینے سے انکار کر دیا اور مازارین انگریزی پارلیمنٹ کو ناخوش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ غرض یہ سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہو گیا۔

پہلی خانہ جنگی کا خاتمہ باہر کی امداد سے مایوسی ہوئی تو چارلس کو سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ اپنے انگریز رفیقوں ہی کے بل جہاں تک ممکن ہو لڑائی جاری رکھے مگر یہ کوشش زیادہ نہ چلی اور معرکہ نیزبی کے ایک ماہ بعد ہی گورنگ اور اسکی مغربی سپاہ کو فیرفیکس نے لینگ پورٹ پر شکست دی۔ ۱۰ ستمبر کو برسٹل پر جبراً قبضہ کر لیا گیا۔ ۱۳ ہوئیں تاریخ چارلس نے چیسٹر کی فصیل سے وہ نقل و حرکت خود معائنہ کی جس کا انجام یہ ہوا کہ رہی سہی بادشاہی فوج راوٹن ہیتھ پر پراگندہ کر دی گئی۔ موسم بہار میں ہوپٹن کو ٹورنگٹن پر شکست ہوئی۔ ایسٹلی نے اسٹو (لب وولڈ) پر ہتھیار ڈال دئیے ۲۴ جون کے دن آکسفرڈ نے اطاعت قبول کر لی۔ چند قلعے کچھ روز اور مدافعت کرتے رہے مگر آخری بادشاہی قلعہ ہارلگ مارچ ۱۶۴۷ء تک مفتوح ہو گیا۔

میدان میں ہر طرف شکست و ناکامی نصیب ہوئی تو چارلس کو اپنے دشمنوں کی باہمی نااتفاقی سے فائدہ اٹھانے کی سوجھی اگرچہ ابھی تک فرانس یا آئرستان سے بھی مدد مل جانے کی امید باقی تھی۔ دشمنوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کا موقع یہ پیدا ہوا کہ پارلیمنٹی فریق اسقفیت کو توڑنے میں متفق مگر اس بارے میں مختلف الرائے تھا کہ اس کی بجائے کیا انتظام کیا جائے۔ اسکوٹی گروہ چاہتا تھا کہ ان کے ملک کا سا پرسبٹیری نظام قائم کیا جائے جس میں اصلی قوت مقامی پادریوں کے ہاتھ میں رہے۔ مگر اسی عقیدے کے انگریز میثاقی ہونے کے باوجود اس حد تک ردو بدل کے حامی تھے کہ پادریوں کی بجائے انتظامی معاملات میں غلبہ غیر کلیسائیوں

کو حاصل رہے۔ "آزاد" جماعت کی رائے تھی کہ کسی یکساں انتظام کی ضرورت نہیں بلکہ ہر جگہ کے مصلی اپنے اپنے گرجا کا بطور خود انتظام کر لیا کریں۔ اس بات میں سب متفق تھے کہ اسقفیت پسندوں یا کیتھولکوں کو کلیسا میں ہرگز (انگلستان یا آئرستان میں) گھسنے نہ دیا جائے۔ اور پریس بی ٹری فرقے والے تو آزاد خیالوں پر جبر اور دباؤ ڈالنا چاہتے تھے۔ "آزاد" گروہ کی (بقول ملٹن) رائے یہ تھی کہ یہ پریس بی ٹری بھی وہی پرانے پیر پادری ہیں اسی بنا پر وہ ان کا اقتدار دیکھنے کی بجائے ترجیح دینے لگے تھے کہ اسقفیت کو مناسب ترمیم کے ساتھ قائم رہنے دیا جائے۔

لاڈ کا قتل

بہر حال چارلس کے صدر اسقف لاڈ کے نظام کو توڑنے کی ضرورت پر سب فریق ہمرائے تھے اور لاڈ کی زندگی سے تو کوئی واقعی خطرہ نہ تھا، بلکہ اس کے نظام کلیسا سے شدید نفرت ہی کی بنا پر ۱۶۴۵ء کی سردیوں میں پرین کی ترغیب اور دونوں مذہبی فرقوں کی تائید سے صدر اسقف لاڈ پر "خرابیٔ خون" کا قانون نافذ کیا گیا۔ غداری وغیرہ کا کوئی الزام اس پر عائد نہ ہو سکتا تھا اور اسے مارنا حقیقت میں قتل ناحق سے کم نہ تھا۔ بایں ہمہ اس سن رسیدہ پیشوائے مذہب کا جنوری ۱۶۴۵ء میں سر قلم کر دیا گیا۔ اس کارروائی کا مطلب یہ تھا کہ ایسی اسقفیت کے ساتھ، جیسی چارلس کے نزدیک ضروری تھی کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ جولائی ۱۶۴۳ء سے ایک ذیلی مجلس کلیسا کے لئے نئے آئین پر غور کر رہی تھی اور اسے ویسٹ منسٹر میں قومی مذہب کا مسئلہ طے کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں ایک سو بیس کلیسائی اور تیس پارلیمنٹ کے مبعوث شامل تھے اور پریس بی ٹری فرقے والوں کی اتنی اکثریت تھی کہ "آزاد" گروہ کے صرف پانچ حامی تھے جن میں فلپ نائی اور جان گوڈون سربرآوردہ تھے۔ انھیں "اختلافی بھائیوں" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا انھوں نے اصلاحات کا ایک نقشہ بھی پیش کیا جس میں لاڈ کے نظام کی بجائے اسقفوں کی ایک جدید مجلس بنانے کی تجویز تھی اور دلی اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ رواداری کی سفارش کی گئی تھی۔ مگر اسے کوئی وقعت نہ دی گئی۔ انگلستانی وضع کا پریس بی ٹری نظام اصولاً قبول کر لیا گیا اور عملاً بھی کسی حد تک اس کے مطابق کام ہونے لگا۔ الزبتھ کے عہد میں گرجا کی عبادات وغیرہ کے متعلق کارٹ رائٹ اور ٹراورس نے ایک دستور العمل (ڈائرکٹری) لکھی تھی، اب اسی کو اختیار کیا گیا اور نئی کتاب الصلوٰۃ کے استعمال کی ممانعت کر دی۔ پارلیمنٹ میں بھی جہاں پریس بی ٹری عنصر برابر بڑھتا چلا جاتا تھا، ان تجاویز کی توثیق ہو گئی لیکن ملک میں اس پر کافی تیل دتال ہوئی۔ عساکر نمونۂ جدیدہ میں اب تک رواداری کا رواج تھا۔ ان جدید اصلاحات سے سپاہیوں میں سخت اور دلی ناراضی کے جذبات پیدا ہوئے۔

باب سوم

چارلس، اسکوٹی لشکر میں

چارلس نے ارادہ کیا کہ پارلیمنٹ کے ان اختلافات سے پورا فائدہ اٹھائے۔ اسے امید تھی کہ اہل اختلاف باہمی نفاق کی وجہ سے شاہ پسندوں کی تائید پر تیار ہو جائیں گے اور اسی خیال سے اس نے پرس بی ٹری، "آزاد" اسکوٹی اور فوجی ہر فریق کے سرگروہوں سے خفیہ خط کتابت شروع کی۔ مگر سب پر اچھی طرح روشن تھا جب تک بادشاہ صاف صاف شرطیں نہ کرے، اس کے عہد سے پھر جانے میں کوئی شئے مانع نہیں آسکتی۔ اور ادھر چارلس تلا ہوا تھا کہ جو کچھ ہو، وہ اسقفیت کے دوبارہ قائم کرنے کی امید کو ہاتھ سے نہ دے گا۔ لہذا اس نامہ و پیام کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آخر یہ سمجھ کر کہ بہترین صورت اسکوٹی اور انگلستانی باشندوں کے باہمی رشک سے فائدہ اٹھانا ہوگی، وہ مئی ۱۶۴۶ء میں اسکوٹی لشکر میں چلا آیا اور پوری امید رکھتا تھا کہ چندی روز میں اسکوٹی اور شاہ پسندوں کی سپاہ اس کے حکم سے پارلیمنٹ کے خلاف جنگ کرتی نظر آئے گی، مگر چندہی روز گزرے تھے کہ اسے معلوم ہو گیا کہ جب تک وہ پرس بی ٹری نظام کو انگلستان میں قائم کرنے کا قطعی وعدہ نہ کرے اسے اسکوٹوں سے کوئی مدد نہ مل سکے گی اور یہ کہ اب وہ مہمان بھی نہیں بلکہ عملاً ان کے ہاتھ میں قیدی بن گیا ہے۔ بایں ہمہ اسے انگلستان بھیجدینے سے پہلے اسکوٹی فوج نے ایک اور موقع دیا کہ چارلس انگلستان کی پارلیمنٹ سے صلح کرلے اور اسی غرض سے نیوکاسل لے کر آئے جہاں پارلیمنٹ کے بعض نمایندوں سے گفتگو شروع ہوئی۔ چارلس سے جو مطالبات کئے گئے ان میں قابل ذکر یہ ہیں:۔ (۱) اسقفیت کا خاتمہ اور پرس بی ٹری اصول کے مطابق کلیسا کی اصلاح (۲) کیتھولک فرقے کے خلاف مزید تعزیری قوانین۔ اور (۳) آئندہ بیس سال تک فوج بے قاعدہ اور بیڑے پر پارلیمنٹ کی نگرانی۔ دوسری طرف اسکوٹوں نے اقرار کیا کہ اگر چارلس اکسبرج کی پیش کردہ شرطیں ماننے کا وعدہ کرلے تو اس کے بحال کرانے کے لئے جنگ کریں گے۔ لیکن ملکہ اور اپنے تمام خیرخواہوں کی صلاح کے باوجود بادشاہ نہ پارلیمنٹ سے صلح پر آمادہ ہوا نہ اسکوٹوں کو رفیق بنانے کی غرض سے بعض عقائد سے دست بردار ہوا۔ اصل میں وہ اسے لازمۂ عزت سمجھتا تھا کہ منصب شاہی کے امتیازات میں فرق گوارا کئے بغیر انھیں اپنے وارثوں تک بجنسہٖ پہنچادے اور اسی طرح اسقفیت کو قائم رکھنا ایمان کا جزو جانتا تھا، اس بارے میں چارلس کی رائے بالکل صاف اور قطعی تھی مگر دوسروں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ وہ حیلے حوالے کر رہا ہے اور اسکاٹ لینڈ والے اس کی بیجا ضد پر جھنجھلا گئے اور ارادہ کر لیا کہ ان جھگڑوں میں کوئی دخل نہ دیں اور چارلس کو انگریز قائم مقاموں کے حوالے کرکے اپنے گھر کا راستہ لیں۔ اس تجویز کو پارلیمنٹ نے خوشی سے قبول کیا اور اسکوٹوں کی مراجعت میں سہولت پیدا کرنے کی ہر ممکن

کوشش کی۔ ان کے مصارف کا تخمینہ چار لاکھ پاونڈ ہوا تھا۔ پارلیمنٹ نے دو لاکھ کی پہلی قسط اسی وقت منظور کر دی۔ چارلس کے ساتھ بھی نئے پہرہ داروں کا سلوک بہت اعزاز کا رہا اور وہ ابتدا میں پارلیمنٹ کے حکم سے ہولمبی ہاوس نارتھمپٹن شائر میں رکھا گیا۔

فوج کا مسئلہ اسکوٹوں کی رخصت کے ساتھ لامحالہ انگریزی فوج کے متعلق سوال پیدا ہوا کہ وہ آئندہ کیا کرے گی اور کس حال میں رکھی جائے گی۔ پارلیمنٹ اسے فسخ کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اول تو پرسبی ٹیری اکثریت کو اہل فوج کی آزادخیالی پسند نہ تھی دوسرے محاصل کا ادا کرنا لوگوں کو اتنا ناگوار تھا کہ کئی ضلعے محض اسی وجہ سے شاہ پسندوں کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ اُدھر خود فوج کے لوگ ڈرتے تھے کہ اگر فوج فسخ ہوگئی تو پرسبی ٹیری اکثریت بالکل مطلق العنان ہو جائیگی اور مذہبی مسائل کا تصفیہ ایسے انداز میں ہوگا کہ اہل اختلاف یا آزاد فرقے کی کلیسا میں گنجائش ہی نہ رہے حالانکہ اکثر سپاہی انھی فرقوں کے پیرو تھے۔ جب تک پارلیمنٹ کی توجہ جنگ کے انتظام پر مرکوز رہی، اس وقت تک آزاد فرقے والے پیش پیش رہے اور انھیں غلبۂ آرا کا بھی یقین رہا۔ لیکن لڑائی کے ختم ہوتے ہی پرسبی ٹیری کو پھر غلبہ حاصل ہوگیا اور اس نے فوج کی برطرفی پر غور و بحث شروع کی۔ تجویز پیش ہوئی کہ انگلستان میں پیادہ فوج مطلق نہ رکھی جائے بلکہ ۶۶۰۰ سوار ۱ور آئرستان میں ۴۲۰۰ سوار اور ۸۴۰۰ پیادے رہنے دیئے جائیں فیرفیکس کے جوانوں کے واسطے جو نوکری کرنی چاہیں یا انھیں جگہ مل سکتی ہو، انھی افواج میں داخل کرنے کی قرار داد ہوئی اور اس طرح صرف ۶ ہزار پیادوں کی برطرفی کی ضرورت رہ گئی۔ برطرفی کے علاوہ تنخواہ کا مسئلہ بھی چکانا تھا کہ پیادوں کی آٹھ ہفتے کی اور سواروں کی ۴۳ ہفتے کی بقایا چڑھی ہوئی تھی۔ یہ کل حساب تقریباً تین لاکھ پاونڈ کا ہوتا تھا اور اتنی بڑی رقم کا مہیا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ سوئے اتفاق سے پرسبی ٹیری اکثریت نے بڑی نادانی یہ کی کہ سپاہیوں کو ان کے مواجب میں سے صرف ایک سُدس ادا کرنے کی منظوری دی اور اس حرکت سے مذہبی آزادی اور تنخواہ دونوں کے طلبگار متفق ہوگئے۔ سپاہیوں نے مل کر جمے رہنے کا ارادہ کیا اور ہر جمعیت سے وکیل یا نمایندے منتخب کئے کہ سرداران فوج کی مجلس کے ساتھ مل کر فوج کے مفاد کے کام میں شریک رہیں۔ سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ پارلیمنٹ

بقایا تنخواہ ادا کرے اور جنگ کے زمانے میں جو بدعنوانیاں ہوئی ہوں، ان کی معافی کا حکمنامہ جاری کر دے۔ فیرفیکس اور کروم ویل دونوں اپنے سپاہیوں کے جائز مطالبات کے دل سے موید تھے اور چونکہ کروم ویل خوب سمجھتا تھا کہ اگر فوج ایک دفعہ پارلیمنٹ پر غلبہ پا گئی تو پھر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی، لہذا فوجی سردار اور پارلیمنٹ کے رکن ہونے کی حیثیت سے وہ پوری کوشش کرتا رہا کہ صلح و آشتی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ مگر یہ کوشش ناکام ہوئی اور اب وہ پوری قوت سے اپنے سپاہیوں کا طرفدار ہو گیا۔ اس نازک موقع پر سپاہیوں کو طبعًا اندیشہ ہوا کہ کہیں چارلس کسی نئی پرسبٹیری سپاہ کا سرخیل نہ بن جائے یا اُسے بھاگ جانے کا موقع نہ دے دیا جائے۔ لہذا کروم ویل نے کورنیٹ جوئس کو حکم دیا کہ ہولمبی جاکے چارلس کو اپنی حراست میں لے لے۔ جوئس نے اس پر عمل کیا اور مخالفوں کے چھڑالے جانے کے خوف سے اسے نیو مارکیٹ میں منتقل کر دیا جہاں سے فوج کا پڑاؤ قریب تھا۔

فوج کا اعلان اور دوسری خانہ جنگی

بادشاہ قبضے میں آ گیا تو فوج والے ٹرپ لو ہیتھ میں جمع ہوئے اور ایک اعلان کی صورت میں اپنے مطالبات مرتب کئے جن میں یہ جدید اضافہ کر لیا گیا کہ موجودہ پارلیمنٹ کے تکلیف دہ ارکان خارج کر دئے جائیں اور آئندہ پارلیمنٹ صرف دو سال کے واسطے منتخب ہوا کرے۔ ان مطالبات کو منوانے کی غرض سے پوری فوج آہستہ آہستہ منزل بہ منزل لندن روانہ ہوی۔ بادشاہ کو اپنے ساتھ رکھا اور آخر میں ہیمپٹن کورٹ میں ٹھیرا دیا۔ اس جنگی مظاہرے کو دیکھ کر پارلیمنٹ دب گئی اور گیارہ پرسبٹیری ارکان جن میں ہولیز اور ولیم والر سب سے ممتاز تھے، ملک چھوڑ کر براعظم چلے گئے۔ اسی وقت سے کہنا چاہئے کہ معاملات کی اصلی باگ فوج کے قبضے میں آ گئی۔ ساتھ ہی فوج نے جو در اصل پارلیمنٹ سے بڑھ کر ملک کی سچی نائب و ترجمان ہونے کی مدعی تھی، بادشاہ سے نامہ و پیام شروع کئے۔ اس کی تجاویز پارلیمنٹ کی بہ نسبت زیادہ فیاضانہ تھیں کیونکہ کروم ویل اور اس کا داماد آئرٹن اسقفیت کی بحالی پر بھی رضامند تھے بشرطیکہ دوسرے فرقوں کیلئے کامل رواداری برتی جائے اور یہ دونوں سردار فوج کے سیاسی خیالات کی فیرفیکس سے بھی بہتر نیابت کرتے تھے۔ اپنی صداقت کے ثبوت میں انھوں نے چارلس

باب سوم

کو خود اپنے اماموں سے کلیسائے انگلستان کے مطابق نماز پڑھانے کی بھی اجازت دیدی حالانکہ اسکاٹ لینڈ یا پارلیمنٹ والوں نے اسے مطلق جائز نہ رکھا تھا۔ فوجی تجاویز آئرٹن نے تلبند کی تھیں اور ان میں اصلاح پارلیمنٹ، دو سالہ انتخابات، جنگ و صلح کا فیصلہ اور فوج بے قاعدہ کا انتظام کرنے کی غرض سے ایک شاہی مجلس کے قیام کا مطالبہ تھا۔ پانچ سربرآوردہ شاہ پسندوں کو سزا دینے کی بھی شرط تھی۔ مجموعی طور پر یہ "مدات تجاویز" اسی مذہبی تصفیے کا خاکہ تھیں جو آئندہ سنہ ۱۶۸۹ء میں اختیار کیا گیا اور نیز اسی قسم کی پارلیمنٹی حکومت کا جو بہت کچھ زمانۂ حال میں زیر عمل ہے لیکن چارلس سے انھیں منظور کرانا غیر ممکن تھا کیونکہ اسے اب پورا یقین ہو گیا تھا کہ برس بی ٹری اور آزاد فرقے بیں تلوار چلے بغیر نہ رہے گی اور ایک نہ ایک فریق لامحالہ شاہ پسندوں سے امداد خریدنی چاہے گا۔ نظر برایں اُس نے ارادہ کر لیا کہ بھاگ کر جزیرۂ وائٹ میں چلا جائے۔ بدنصیبی سے وہاں کا پارلیمنٹی حاکم، ہیمنڈ، اُس کے وہاں آنے پر تو رضامند ہو گیا لیکن اپنے مقرر کرنے والوں کی وفاداری میں اس بات کی پوری نگرانی رکھی کہ بادشاہ وہاں قصر کیرس بُروک سے نکلنے نہ پائے۔ چارلس فوج سے گفت و شنید منقطع ہو جانے کو فال نیک سمجھتا تھا حالانکہ اسی سے فوج والوں کی یہ رائے ہو گئی کہ بادشاہ سے نامہ و پیام کرنا بیکار ہے اور بہ حیثیت بادشاہ بھی وہ اعتماد کے لائق آدمی نہیں ہے۔ البتہ چارلس کا یہ خیال صحیح نکلا کہ سنہ ۱۶۴۸ء میں دوبارہ خانہ جنگی برپا ہو گئی۔ لندن اور جنوب مشرقی پرگنوں میں سپاہیوں کی تنخواہ کا بار اٹھاتے اٹھاتے سخت بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ اہل اختلاف کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی تو برس بی ٹری عقائد کے لوگ بگڑے اور زیادہ تر انھی دو اسباب نے اہل ملک کو پارلیمنٹ سے بدعقیدہ اور بادشاہی کی طرف دوبارہ مائل کر دیا۔ جنوب میں شاہ پسندوں کے خروج کے ساتھ چارلس کو مارکوئس ہیملٹن کے حملہ کر دینے کی بھی توقع تھی۔ جو کچھ مدت کے لئے آرجائل کے رسوخ و اثر پر غالب آ گیا اور بادشاہ سے "قول قرار" کرنے میں لاڈر ڈیل کا شریک ہو گیا تھا۔ اس قول و قرار کا منشا یہ تھا کہ چارلس تین سال تک برس بی ٹری انتظام قائم کر دے گا اور غیر اصطباغی (انابیپ ٹسٹ) انقطاعی (سے پے رے ٹسٹ) آزاد اور ملاحدہ وغیرہ تمام دوسرے فرقوں کا بالکل قلع قمع کر دے گا۔ اس کے عوض میں اسکاٹ لینڈ والے آمادہ تھے کہ انگلستان پر فوج

باب سوم

سے حملہ کریں اور موجودہ پارلیمنٹ کا خاتمہ کر کے ایک بڑی اور آزاد پارلیمنٹ کی مدد سے دبر پا صلح کرا دیں۔ مگر ہملٹن اور اس کے دوستوں کو ان انتظامات میں دیر لگی اور اس عرصے میں کینٹ اور جنوبی ویلز کے شاہ پسندوں نے جنگ کا علم بلند کر دیا۔ اس سرکشی کے مقابلے میں پارلیمنٹ اور فوج دونوں متفق ہو گئے اور پارلیمنٹ تو بددل لندن والوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنے لگی اور فیرفیکس و کروم ویل نے میدان جنگ میں شاہ پسندوں کا قصیہ چکایا۔ یعنی چالاکی سے کینٹ والوں اور ان کے لندنی ہمدردوں کے بیچ میں آ کر فیرفیکس نے سرکشوں کی بڑی جمعیت کو تو ۱۳ جولائی کے دن میڈاسٹون

معرکۂ میڈاسٹون

میں شکست دی اور جو باقی بچے انھیں ٹیمز کے پار بھاگنے پر مجبور کیا یہ کول چسٹر پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے تھے کہ اسکاٹ لینڈ کی فوج یا براعظم کی کوئی مدد انھیں محاصرے سے نجات دلانے پہنچ جائے گی لیکن فیرفیکس نے انتہائی قوت سے کام لیا اور لارڈ ہالینڈ کی جس کی مدد نوجوان امیر کبیر بکنگھم بھی کر رہا تھا، یہ کوشش نہ چل سکی کہ ایک اور بغاوت پارلیمنٹ کے خلاف برپا ہو جائے۔ ان کی جمعیت منتشر کر دی گئی۔ ہالینڈ گرفتار ہوا اور اگست کے ختم ہونے سے قبل کول چسٹر کو جانبازانہ مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ قوانین جنگ سے بڑی درشتی کے ساتھ کام لیا گیا کہ دو شاہ پسند سردار، سرچارلس لیوکس اور سرجارج لزلی، جنگی مجلس میں مجرم قرار پائے اور گولی سے اڑا دئے گئے۔ دو اور سردار، یعنی لارڈ کیپل اور امیر نارویچ جو شاہی سپہ سالار گورنگ کا باپ تھا، آئندہ فیصلے کے لئے قید میں رکھے گئے۔

پرسٹن کی لڑائیاں

اس عرصے میں ہارٹن نے ویلزیوں کو سینٹ فیگن میں شکست دی۔ کروم ویل نے پیمبروک اور ٹین بی کے قلعے فتح کر لئے اور جولائی تک اسکوٹوں کے مقابلے کے لئے فارغ ہو گیا۔ اور اچھا ہی ہوا کہ عین وقت پر اسے فرصت مل گئی کیونکہ ہملٹن اپنے اعتدال پسند پریس بی ٹیریوں کو لے کر سرحد عبور کر چکا تھا اور پارلیمنٹی سردار لیمبرٹ اسے روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اسکوٹی سردار کینڈل وہارن بی کے راستے پرسٹن تک بڑھ آیا۔ اس کے لشکر میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ انگریز شاہ پسند تھے جن کا قائد سرمارماڈیوک لینگ ڈیل تھا اور کم سے کم دو ہزار اسکوٹی سپاہی تھے لیکن یہ اچھے قواعد داں نہ تھے اور نہ ساز و سامان اچھا تھا

باب سوم

دوسرے خود ہیملٹن شجاعت ذاتی کے باوصف جنگی قابلیت سے معرا تھا، معلوم ہوتا ہے کروم ویل نے یہ سمجھ کر اپنا منصوبہ بنایا تھا کہ ہیملٹن، پونٹے فریکٹ جائے گا جو اسی زمانے میں شاہ پسندوں کے ہاتھ آگیا تھا۔ اسی خیال سے وہ ۸ ہزار سپاہی لے کر وادی ربل میں لڑنے کے ارادے سے داخل ہوا اور حسن اتفاق سے ۱۷ اگست کو اس کی پرسٹن کے حملہ آوروں سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ اسکوٹی لشکر نے اسی وقت ندی کو عبور کیا تھا اور لینگ ڈیل کی انگریز فوج ابھی شمالی کنارے پر تھی کہ کروم ویل نے اُسے آدبایا۔ شاہ پسند بڑی دلیری سے لڑے لیکن آخر کار مغلوب کر لئے گئے اور پھر کروم ویل اسکوٹوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اس نے رات ہوتے ہوتے ربل اور ڈارون کے پلوں پر جبراً قبضہ کر لیا جس سے اسکوٹوں کو واپسی کی بھی امید باقی نہ رہی اور دوسرے دن اس نے اطمینان سے دشمن کا تعاقب کیا۔ موسم خراب اور اسکوٹوں کے پاس گولہ بارود کی کمی تھی نیز سردار اچھے نہ ملے لہٰذا ان کی ترتیب بالکل بگڑ گئی اور وگن اور وِنِک میں کامل شکست ہوئی۔ صرف بیلی نے کچھ ہنر اور استقامت دکھائی لیکن نمونۂ جدید کے سپاہیوں کی بہادری اور قواعد دانی کے سامنے کچھ پیش نہ جا سکی پیادوں نے وارنگٹن میں اور سواروں نے اٹک زیٹر میں ہتھیار ڈال دئے۔ پھر ہیملٹن کی خبر لینے کے لئے لیمبرٹ کو چھوڑ کر خود کروم ویل اسکاٹ لینڈ میں داخل ہوا اور اکتوبر تک وہیں رہا۔ کچھ مدت میں ہیملٹن اور لینگ ڈیل بھی پکڑ لئے گئے اور لیمبرٹ دوبارہ کروم ویل سے آملا۔

نازک موقع کول چسٹر اور پرسٹن کی کامیابیوں سے ایک ایسے نازک موقع کا خاتمہ ہوا کہ چارلس کے ٹرن ہم گرین سے پسپا ہونے کے بعد سے پارلیمنٹ کو پیش نہ آیا تھا۔ حقیقت میں اگر فیرفیکس، ہیڈ اسٹون میں یا کروم ویل پرسٹن میں غالب نہ آتا تو بلا تاخیر ملک میں بادشاہ کی طرفداری کا ہنگامہ پیدا ہو جاتا۔ پھر کینٹ اور اسیکس کی ان بغاوتوں سے بھی بڑھ کر خطرناک بات یہ تھی کہ بیڑا جو اب تک بیرونی امداد کے آنے میں مانع رہا اور سمندر کا پہرا دے کر پارلیمنٹ کی قابل ستائش خدمت انجام دیتا رہا، اب اس کے تیور بدل گئے بلکہ نو جہاز تو ولی عہد انگلستان کے پاس ہالینڈ چلے گئے اور اگر ہوا مخالف نہ ہو جاتی تو پیشتھم کے سامنے پارلیمنٹی جہازوں سے ۲۹ اگست کو

باب سوم

ان کی لڑائی ہو جاتی۔ اور چونکہ ملاح، سپاہیوں سے بھی بڑھ کر پریس بی ٹری خیال کے تھے، اس لئے امید نہ تھی کہ وہ دل سے پارلیمنٹ کی طرف سے لڑائی کریں گے۔ آخر میں ولی عہد کے جہاز ہالینڈ واپس ہوئے اور شہزادہ روپرٹ کے ماتحت کر دئے گئے بہرحال فوج والوں کو یقین تھا کہ یہ سب خطرناک صورتیں محض چارلس کی ضد کا نتیجہ ہیں اور اسی واسطے جب وہ شاہ پسندوں سے لڑنے چلے تو اعلان کیا کہ اگر خدا نے دوبارہ امن سے بہرہ مند کیا تو ہمارا فرض ہوگا کہ اس خونی آدمی سے، جسے چارلس اسٹوارٹ کہتے ہیں، خونریزی اور ان غریب قوموں نیز خدائی مقصد کے خلاف فتنہ انگیزی کرنے کا مواخذہ کیا جائے۔ اسی قسم کے جذبات تھے جن کی وجہ سے فیرفیکس کا دل سخت ہوا اور کول چیسٹر کے قتل عمل میں آئے۔

پارلیمنٹ کی کارگزاریاں فوج تو مصروف جنگ تھی اور ادھر پریس بی ٹری پارلیمنٹ میں من مانی کارروائیاں کر رہے تھے۔ اپنے غلبۂ آرا کے زور پر انھوں نے ایک حکم نامہ جاری کرایا کہ جو لوگ مسیح کی الوہیت، اور قبر سے زندہ اٹھنے کے اور اسی طرح خاص خاص مسیحی عقائد کے منکر تھے، وہ سزائے موت کے مستوجب اور اسی طرح جو لوگ بچوں کے اصطباغ، دوزخ کے وجود وغیرہ عقیدوں کو مانتے تھے یا سبت کی فرضیت میں پیوری ٹن فرقے سے قیل و قال کرتے تھے، وہ سزائے قید کے قابل ہونگے۔ ایسا حکم نامہ سپاہیوں کی کثیر جماعتوں میں سراسر نامطبوع تھا اور پارلیمنٹ نے بادشاہ سے جو گفتگو شروع کی اسے بھی فوجی ناپسند کرتے تھے۔

معاہدۂ نیوپورٹ بایں ہمہ نیوپورٹ میں بادشاہ نے اصالتًا اور پارلیمنٹ کی طرف سے چند وکلا نے جن میں سا ے، ہولیز اور وین سربر آوردہ تھے، ایک قرارداد طے کرنی چاہی جسے اُس وقت "معاہدے" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن چارلس نے دل سے گفتگو نہیں کی کیونکہ ابھی تک بیرونی امداد کی بہت کچھ امیدیں تھیں کہ یا تو براعظم سے کمک آئے گی جہاں سی سالہ جنگ اسی زمانے میں ختم ہو رہی تھی، اور یا آئرستان سے جہاں اورمنڈ پھر ایک شاہ پسند جمعیت مرتب کر رہا تھا۔ اگر ان میں سے کچھ نہ ہو تو بھی بادشاہ بھاگ کر نکل جانے کا یقین رکھتا تھا۔ غرض اور تو سب شرطیں وہ قریب قریب پوری طرح ماننے کے واسطے آمادہ ہوا لیکن

باب سوم

اسقفیت کو کسی نہ کسی شکل میں قائم رکھنے پر جما رہا اور اس بات کو عوام نے قبول نہ کیا۔ لہذا یہ سب گفتگو رائیگاں ثابت ہوئی۔

اس عرصے میں اسکاٹ لینڈ کا سیاسی اقتدار بھی آرجائل کے ہاتھ میں آگیا اور مغربی میدانوں کے پتے پرس بی ٹری اور کیمبل برادری کے لوگ اس کے مددگار تھے۔ پھر بھی پارلیمنٹ کے حکم سے کروم ویل اڈن برو گیا اگرچہ آرجائل سے صلاح مشورہ کر لینے کے سوا اور کسی کام کی ضرورت نہ پیش آئی۔ پھر لیمبرٹ اور کفوڑے سے سپاہیوں کو اس غرض سے وہاں چھوڑ دیا کہ چارلس کے حمایتیوں (Engagers "یا اقرار نامہ کر لینے والوں") کے مقابلے میں نئی حکومت کی پشت پناہی کریں۔ واپسی میں کچھ وقت اسکاربرو اور پونٹے فریکٹ کے محاصرے کی دیکھ بھال میں صرف ہوا اور وہ ۶ دسمبر سے قبل لندن واپس نہ پہنچ سکا۔

اہل فوج کا احتجاج کروم ویل کی غیر حاضری میں اس کے داماد ہینری آئرٹن کا جو اس کے ساتھ یک جان و دو قالب بن گیا تھا، رسوخ واثر بہت رہا۔ کیونکہ گو فوجی مجلس میں صدارت کی کرسی پر ہمیشہ فیرفیکس اجلاس کرتا تھا لیکن سیاسی معاملات میں وہ کوئی سوجھ بوجھ نہ رکھتا تھا۔ سپاہیوں کے جذبات کا آئرٹن نے ایک تحریر میں اظہار کیا جو "احتجاج اہل فوج" کہلائی۔ اس میں چارلس کو دوسری جنگ کرانے کا ذمہ دار اور اس کے ساتھ مزید ربط ضبط رکھنا مذموم قرار دیا تھا کیونکہ وہ اپنے وعدوں کا ایفا کرنا ہی لازم نہیں سمجھتا تھا اور آخر میں استدعا کی تھی کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ بایں ہمہ فیرفیکس وغیرہ بہت سے سردار اتنی دور تک جانے پر آمادہ نہ ہوئے اور چاہا کہ ایک بار صلح کی کوشش اور کر لی جائے۔ چنانچہ فوجی مجلس کی طرف سے دریافت کیا گیا کہ آیا بادشاہ اس بات پر تیار ہے کہ (۱) موجودہ پارلیمنٹ کو جلد برطرف کر دے اور اس کے بعد دو سالہ انتخابات منظور کرے۔ (۲) فوج بے قاعدہ کا انتظام ایک مجلس کے سپرد کر دے جسے پہلے دس سال تک پارلیمنٹ بلا واسطہ اور پھر بالواسطہ مقرر کیا کرے گی (۳) ملک کے بڑے بڑے عہدہ داروں کا تقرر بھی اسی طرح ہوا کرے۔ اس مطالبے کا منشا یہ تھا کہ آئندہ چارلس پارلیمنٹ کی رائے کے مطابق چلے جیسا کہ عملاً زمانۂ حاضرہ میں دستور ہے اور وہ پرانا عقیدہ کہ آخری حکم ہمیشہ بادشاہ کا ہونا چاہیے، جس پر اب تک وہ جما ہوا تھا، اسے ترک کر دے۔

باب سوم

یہ تجویز ۱۷ نومبر کو چارلس کے روبرو پیش ہوئی اور جیسی کہ امید تھی، اس نے اسے نامنظور کر دیا۔ دوسرے دن سرداروں نے بالاتفاق آئرٹن کے "احتجاج" کو منظور کیا اور اسے ۲۰ نومبر کو پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ پارلیمنٹ کو فوج کی یہ دخل در معقولات پسند نہ آئی لہذا ایک ہفتے کے لئے اس پر غور کرنا ملتوی کر دیا اور بطور خود بادشاہ سے نامہ و پیام جاری رکھا۔ اس پر فوجی سردار بہت جلے اور ان کی مجلس نے فوراً بادشاہ کو اپنی حراست میں لینے کی تدبیر کی اور اس امر پر بھی بحث ہونے لگی کہ آیا پارلیمنٹ کو جبراً توڑ دینا بہتر ہوگا یا صرف ان ارکان کو نکال دیا جائے جو فوج سے اتفاق نہیں کرتے۔

پرائیڈ کی صفائی

یکم دسمبر کو فیرفیکس کے حکم سے چارلس کو ساحل ہیمپ شر کے قلعے ہرسٹ کاسل میں منتقل کر دیا گیا جو ایک سنسان مقام میں تھا اور جس کی آسانی سے محافظت ہو سکتی تھی۔ اور دوسری تاریخ فوج لندن میں داخل ہوئی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ اب بھی بادشاہ سے گفت و شنید کئے جاتی ہے اور ادھر وین وغیرہ بعض ارکان کی بھی تائید حاصل ہوئی تو آئرٹن اور چند سرداروں نے ویسٹ منسٹر کے فوجی پہرے کے سردار کرنل پرائڈ کو حکم دیا کہ سربرآوردہ پرس بی ٹری ارکان کو خارج کر دے۔ اسی طرح ایک سو تینتالیس مبعوث، جن میں ہولیز اور فینیز بھی شامل تھے نکالے گئے۔ اس اخراج کے بعد، جسے "پرائیڈ کی صفائی" کہتے ہیں، جو جماعت باقی رہ گئی وہ ازرو حقارت پارلیمنٹ کی دُم کہلائی اور فوج کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن گئی اور اسے ملک کی نیابت کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں رہا۔ اصلی اختیارات فوج کے قبضے میں آ گئے۔ اسی روز اولیور کرومویل کی سواری لندن پہنچ گئی۔

کرومویل کے خیالات

اس تاریخ تک قرینہ کہتا ہے کہ کرومویل نے بادشاہ سے معاملہ کرنے کی امیدیں ہاتھ سے نہ دی تھیں اور عجب نہیں وہ یہ سمجھتا ہو کہ چارلس کو عدالت میں لانے کی اطلاع ہوگی تو وہ مصالحت پر زیادہ آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ کرومویل کی سخت غلطی تھی کیونکہ چارلس ایک ایسے مقصد کے لئے جان دینے پر بالکل آمادہ تھا، جسے وہ نہ صرف بدامنی کے مقابلے میں عمدہ حکومت کی بنیاد بلکہ خدا کے سچے مذہب کا منشا سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس تجویز پر کہ وہ پارلیمنٹ کے قوانین کو نامنظور کرنے کا بادشاہی حق چھوڑ دے، چارلس مطلق متوجہ نہ ہوا

باب سوم

اور یہ گفتگو ناکام رہی تو کروم ویل نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اب اس معاملے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھر، جیسا کہ اس کا طرز تھا، وہ دل و جان سے ان لوگوں کا ہمنوا ہو گیا جو نہ صرف بادشاہ کی معزولی بلکہ اسے سزائے قتل دینے کے طلبگار تھے۔

بادشاہ کا مقدمہ اور موت

کروم ویل کی تائید پاکر پارلیمنٹ کے آزاد جماعت کے ارکان دلیرانہ آگے بڑھے اور امرا کی مخالفت کے باوجود صرف عوام کی رائے سے ۴ جنوری ۱۶۴۹ء کو ایک عدالت عالیہ قائم کی گئی جس میں ۱۳۵ ناظر یا ارکان شامل تھے۔ ان میں سب سے ممتاز اشخاص یہ تھے:۔ فیرفیکس۔ کروم ویل۔ ہنری ماٹن آئرٹن۔ ہیریسن لارڈ گرے اور کرنل ہچنسن، ایک وکیل قانونی جان بریڈشا صدر عدالت منتخب ہوا۔ اس عدالت نے ۸ جنوری سے اجلاس شروع کیا مگر ارکان میں سے اکثر لوگ شریک نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ فیرفیکس پہلے اجلاس کے بعد نہ آیا۔ وہیں دیہات میں چلا گیا۔ ۲۰ تاریخ کو بادشاہ ایوان ویسٹ منسٹر میں لایا گیا اور ۶۸ ارکان کے روبرو مقدمہ شروع ہوا۔ جب اس سے صفائی پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے جواب میں سوال کیا کہ مجھے کس کے حکم سے عدالت میں لایا گیا ہے؟ بریڈشا نے کہا "انگریز قوم کے حکم سے" مگر چارلس اپنی بات پر قائم رہا اور بار بار عدالت میں لائے جانے کے باوجود اور کچھ کہنے سننے سے انکار کرتا رہا کیونکہ وہ اپنا فرض بھی سمجھتا تھا کہ ایک خلاف آئین عدالت کا حکم تسلیم نہ کرے۔ اس نے کہا "یہ صرف میرا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ انگلستان کے باشندوں کی آزادی اور حقوق شہری کا سوال ہے۔ اس لیے کہ اگر خلاف قانون قوت کے زور سے قانون بننے لگے اور ملک کے اساسی قوانین میں تغیر جائز رکھا گیا تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ انگلستان میں کون شخص اپنی جان مال یا کسی چیز کا بھی اطمینان رکھ سکے گا کہ اس کی ہے" زیادہ سے زیادہ اتنی بات ماننے پر وہ آمادہ تھا کہ امرا اور عوام کے مشترکہ اجلاس میں جو رنگ محل = (Painted chamber) میں منعقد ہو، اپنا مقدمہ پیش کر دے۔ اس پر عدالت کے بعض ارکان چاہتے تھے کہ تحقیر عدالت کی بنا پر اسے فوراً سزا دے دی جائے مگر آخر میں قرار پایا کہ شہادت کی سماعت کی جائے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ چارلس نے پارلیمنٹ کے خلاف فوجیں فراہم کیں، اور خانہ جنگی میں بذات خود حصہ لیا تو عدالت نے فیصلہ کیا کہ وہ "جابر، غدار، قاتل اور اس قوم کے اچھے

باب سوم

آدمیوں کا مسلمہ دشمن ہے" اور بدن سے سر قطع کرکے اسے موت کی سزا دی جائے۔ قتل کے حکم نامے پر ۵۹ ارکان کے دستخط تھے اور اس طرح ان کی تعداد عدالت کے کل ارکان کی آدھی بھی نہ تھی اور خود عدالت، محض پارلیمنٹ کی اقلیت کی مقرر کردہ تھی۔ مقدمہ چلنے کے زمانے میں بھی علانیہ قرائن پائے گئے کہ اس کارروائی کو لندن کے عوام الناس تک پسند نہیں کرتے، ملک کے جمہور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مگر صاحبان لشکر کے سامنے دلیلیں چھانٹنا بیکار ہوتا ہے۔ فوج نہایت منظم، قواعد داں اور قوی تھی۔ شاہ پسند کمزور، منتشر، اور غیر منظم تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس گروہ کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ فیرفیکس اور وین بادشاہ کے قتل کو ناپسند کرتے تھے لیکن فوج کے مقابلے میں سامنے آنے کا کوئی ارادہ ان سے ظاہر نہیں ہوا۔

قتل کا فیصلہ ۲۷ جنوری، ہفتے کے دن سنایا گیا اور ۳۰ ویں تاریخ وائٹ ہال کے سامنے عین بازار میں چوبی چبوترہ بنا کے اس پر چارلس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس نے مرتے وقت پر سکون وقار اور رضا برضائے الٰہی کی ایسی شان دکھائی اور ایوان عدالت میں نیز موت کے چبوترے پر اس کی وضع اور صورت ایسی رہی کہ اپنی سابقہ سازشوں سے لوگوں میں جو بدظنی پیدا کی تھی، وہ بہت کچھ دور ہو گئی۔ چند ہی روز بعد ایک کتاب "ایکن بے سی لائک" (یعنی شاہی شبیہ) شائع ہوئی جس میں ادعا کیا تھا کہ وہ خود چارلس کی تصنیف ہے اور اس کے خیالات، نیز زمانہ قید میں اس کی دینداری، صبر و شکر وغیرہ کو بہترین پیرائے میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کتاب سے بھی بادشاہ کی طرفداری کے میلان میں ترقی ہوئی اور اس کی شہرت دیکھ کر "آزاد گروہ" نے بطور خاص ملٹن کو جواب لکھنے پر مقرر کیا چنانچہ اس نے "ایکن او کلاسٹ" (یعنی بت شکن) تحریر کی اس میں اپنی فصاحت اور سلیقۂ تحریر سے پورا کام لیا اور مقتول بادشاہ کے معائب دکھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ باوجود اس کے یہ کہنا مشکل ہے کہ ملٹن کی کتاب اصل کتاب سے جو اثر پیدا ہوا تھا، اسے زائل کر لینے میں پوری طرح کامیاب ہوئی۔

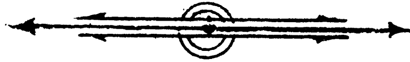
تین امیر یعنے ملٹن، ہالیبنڈ، اور کیپل، دوسری خانہ جنگی کے ذمہ دار ہونے کے جرم میں اپنے آقا کے ساتھ تلوار کے گھاٹ

باب سوم

اتارے گئے۔

مشہور واقعات

اسٹرے فرڈ کا قتل .... سنہ ۱۶۴۱ء
ارکان پارلیمنٹ کو پکڑانے کی کوشش .... سنہ ۱۶۴۲ء
پہلی خانہ جنگی .... سنہ ۱۶۴۳ تا سنہ ۴۶ء
دوسری " .... سنہ ۱۶۴۸ء
چارلس کا قتل .... ۳۰ ہر جنوری سنہ ۱۶۴۹ء



باب چہارم

دولت عامہ اور عہد محافظت

ممتاز معاصرین :۔ ...... فرانس .... لوئی چہار دہم

اسپین .... فلپ چہارم

"عدالت عالیہ" کو چارلس کے مجرم قرار دینے اور قتل کرانے کا اخلاقی حق حاصل ہو یا نہ ہو، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سیاسی اعتبار سے یہ فعل "آزاد" فرقے کی بہت بڑی غلطی تھی۔ بادشاہی اور زمانۂ قید میں چارلس نے اپنے آپ کو پوری طرح رسوا کر لیا تھا لیکن

چارلس کے قتل کے اثرات

اس کے سفاکانہ قتل اور مقدمے کے زمانے میں اس کے طرز عمل سے عام ہمدردی کا اثر یہ ہوا کہ موروثی بادشاہی کے اصول کی حمایت کرنے میں جملہ معتدل خیال کے اشخاص متحد ہو گئے اور کلیسائی تھے یا پرسبی ٹری، سب کا اس معاملے میں مل جانا ممکن ہو گیا اور اتحاد کے راستے میں جو بڑی رکاوٹ تھی، وہ مذکورۂ بالا واقعات کی بدولت دور ہو گئی۔ ایڈورڈ اول کے وقت سے ہر موروثی بادشاہ اپنے عہد حکومت کا آغاز پیش رو کی وفات کی تاریخ سے کرتا تھا۔ بے شبہہ پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا کہ کسی نئے بادشاہ کی بادشاہی کا اعلان نہ کیا جائے گا لیکن

چونکہ آئینی اعتبار سے خود یہ قانون ساقط الاعتبار تھا۔ لہٰذا چارلس کے مرتے ہی شہزادہ ولی عہد قانوناً بادشاہ ہوگیا۔ پارلیمنٹ سے پرس پی ٹرہی ارکان کے اخراج (۱۶۴۸ء) نے اس پورے فرقے کو پارلیمنٹ کا مخالف بنا دیا تھا لہٰذا "آزاد" اور اہل اختلاف گروہ جن کے ہاتھ میں اقتدار آیا، وہ قوم کی اکثریت کی نیابت کا کوئی دعویٰ نہ کر سکتے تھے البتہ جب تک فوج متحد تھی اس وقت تک حکومت وقت کی کوئی علانیہ مخالفت ممکن نہ تھی۔

بادشاہ کے قتل کے بعد ہی دارالعوام نے دارالامرا کو "بے کار، مضر اور قابل شکست" قرار دیا اور یہ اس دعوے کا منطقی نتیجہ تھا کہ "قوت جائزہ کا اصلی سرچشمہ خدا کے عام بندے ہیں۔" ہنری مارٹن کی تحریک تھی کہ "مضر" کا لفظ نکال دیا جائے لیکن متفقہ رائے یہی ہوئی کہ اہانت بغیر کسی طعن کے کافی ہونی چاہیے۔ قرارداد اصلی عبارت میں منظور کر لی گئی پھر قرارداد ہوئی کہ بادشاہ یا شخص واحد کی حکومت "غیر ضروری، تکلیف دہ، خطرناک اور واجب الترک ہے" اور ایک قانون نافذ ہوا جس میں انگلستان کے دولت عامہ یا آزاد مملکت ہونے کا اعلان تھا۔

نئی حکومت

پرانی بساط کو اس طرح الٹ چکنے کے بعد ایک سنج شدہ دارالعوام کے سوا اور کوئی یادگار عہد قدیم کی باقی نہیں رہی، پارلیمنٹ نے انتظام کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسکوٹوں سے ان بن ہونے کے بعد دونوں ملکوں کی متحدہ ملی مجلس کی بجائے ڈربی ہاوس کمیٹی کے نام سے ایک انتظامی جماعت پہلے سے قائم تھی، جو اب قریب قریب مجلس شوریٰ کا کام دینے لگی۔ اس کا صدر بریڈشا اور چالیس ارکان میں تمام آزاد خیال امرا فیرفیکس، کروم ول، وین، وہائٹ لوک، سن جان، مارٹن، ہیزل رگ، اسکی پن اور اسکوٹ شامل تھے مگر آئرٹن کو نہیں لیا گیا تھا۔ مجلس کے تمام معاملات کی معتمدی تھرلو کو دی گئی تھی لیکن غیر السنہ کے واسطے جان ملٹن معتمد بنایا گیا۔ مہر خاص وہائٹ لوک اور دو اور اشخاص کے سپرد ہوئی وزارت بحری کا صدر وین اور بیڑے کے امرائے بحر بلیک، ڈین اور پاپ ہم مقرر کیے گئے۔ فیرفیکس سپہ سالار اعلیٰ اور کروم ول بدستور سابق نائب سپہ سالار رہے۔ مذکورۂ بالا اشخاص میں وہائٹ لوک، وین، فیرفیکس اور بلیک، سب کے سب بادشاہ کے قتل کے خلاف تھے لیکن بادشاہی کی بجائے جو نئی حکومت قائم کی گئی اس میں شرکت پر خوشی آمادہ ہو گئے۔ عدالت عالیہ کے چھ ارکان نے نئی حکومت کی خدمت پر رضامندی ظاہر کی اور باقی عہدے

از سر نو پُر کر لئے گئے۔ مگر نئے عہدہ دار مشکل سے اپنی خدمات پر آئے ہوں گے کہ ہر طرف سے مشکلات پیدا ہونے لگیں۔

الولرز کی بغاوت

سب سے پہلے تو فوج کی ایک جماعت بگڑی اور حکومت کو بلا تاخیر اُدھر متوجہ ہونا پڑا۔ اس شورش کی بنیاد پرانی تھی اور جب سے فوج کا پڑاؤ ٹرپ لو میں ہوا، جان لل برن نے وہ خیالات سپاہیوں میں پھیلانے شروع کئے جن کا منشا سارے نظام معاشرت اور فوجی نظم کو درہم برہم کر دینا تھا۔ مثلاً اس نے لکھا کہ فوجی سردار درجے میں سپاہیوں سے نیچے ہیں" اور محرور المزاج، پر جوش جوانوں میں یہ خیالات بہت ذوق شوق سے قبول کر لئے گئے۔ انھیں مخالفوں نے "لولرز" (یکساں کُن) کا خطاب دیا تھا اور وہ بہت جلد سست جنگ اور اولیا کی حکومت قائم ہونے کے خواب دیکھنے لگے۔ ان کے سیاسی عقائد ایک تحریر میں جیسے "عوام کا اقرار نامہ" کہتے ہیں قلم بند کئے گئے اور جنوری (۱۶۴۹ء) میں یہ تحریر دار العوام میں پیش ہوئی۔ اس میں نشستوں کی از سر نو تقسیم اور اس کے بعد ہی انتخاب عام اور ایک ایسی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ تھا جو براہ راست دار العوام کے سامنے جواب دہ ہو۔ خود لل برن کچھ مدت سے قلعۂ لندن میں محبوس تھا لیکن آئرستان بھیجے جاتے وقت بعض سپاہیوں میں بد دلی دیکھ کر اُس کے احباب کو عام فساد کرا دینے کا موقع ہاتھ آیا اور لندن، بین بری، اور سالسبری میں ہنگامے برپا ہوئے جن میں آخر الذکر زیادہ مخدوش تھا۔ مگر فیرفیکس اور کرومویل ایک دن میں پچاس میل چل کر یک بہ یک مفسدوں کے سر پہ آدھی رات کے وقت برفرڈ (آکسفرڈ شائر) جا پہنچے اور ان کا پورا قلع قمع کر دیا۔ ان کے سرگروہوں میں سے ایک نائک اور دو دفعداروں کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔ باقی کو معافی ملی اور سمجھا بجھا کے اپنے کام پر واپس بھیج دیا گیا۔ مگر لل برن قید سے نکل کے برابر حکومت کے خلاف شورش پھیلاتا رہا۔ اس کا قول تھا کہ فوجی اقتدار دیوانی حکومت کے مرکز اور عہدے پر قابض ہو گیا ہے اور معروضۂ حق، منشور اعظم وغیرہ جملہ اساسی آئین ہی باطل کر دئے گئے ہیں۔ اکتوبر میں اس پر فوج میں بغاوت پھیلانے کا مقدمہ بھی چلا لیکن رہائی پائی اور حق یہ ہے کہ وہ ناراضی کے انہی جذبات کی ترجمانی کرتا تھا جو وسیع پیمانے پر لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

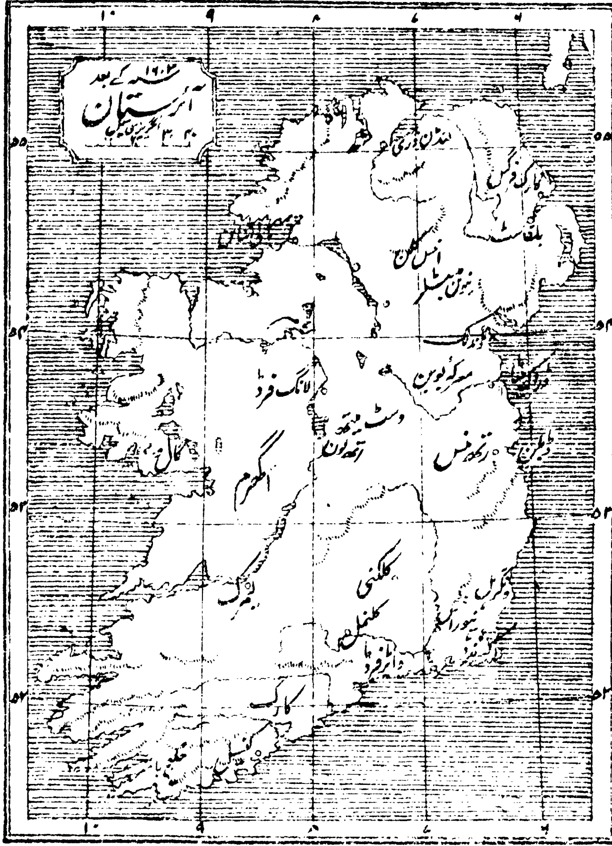
آئرستان

اس عرصے میں آئرستان کے معاملات بہت مخدوش نظر آنے لگے تھے۔

اورمنڈ نے لارڈ اِنچی کن سے ان شرطوں پر مصالحت کر لی تھی کہ آئرستان کے کیتھولکوں کی تمام مذہبی اور سیاسی معذوریوں کو قطعی طور پر رفع کر دیا جائے گا، کوناٹ کے کاشتکاروں کو بے دخل نہیں کیا جا سکے گا اور وہ قانون جس نے "گھوڑوں کی دُم پکڑ کے ہل چلوانے" کی ممانعت کی تھی، منسوخ کر دیا جائے گا۔ اُدھر السٹر کے پرس بی ٹرمی بادشاہ کے قتل کئے جانے سے برگشتہ ہو رہے تھے اور سر آرتھر ایسٹن وغیرہ بہت سے شاہ پسند سردار آئرستان آ گئے تھے کہ اورمنڈ کی فوجوں کو پارلیمنٹ کے خلاف لڑائیں۔ شہزادۂ روپرٹ باغی بیڑے کو لئے ہوئے ساحلوں پر منڈلا رہا تھا اور شہزادۂ چارلس جزائر رودبار کے ارادے سے چل کھڑا ہوا تھا کہ اتحادی افواج کی قیادت کرے۔ پارلیمنٹی طرفدار صرف ڈبلن میں مائیکل جونز اور ڈنڈالک میں جارج منک کی قیادت میں مقابلہ کئے جاتے تھے سوڈبلن کا خود اورمنڈ انیس ہزار فوج سے محاصرہ کر رہا تھا۔ غرض یہ حالات تھے جب کہ نئی حکومت کی طرف سے کروم ویل کو آئرستان بھیجا گیا اور ہر چند ڈنڈالک مسخر ہو گیا لیکن جونز نے ۲ اگست کو ۵ ہزار جوانوں کے ساتھ قلعے سے نکل کر حملہ کیا اور ریتھ مینز کے معسکر کے پیں اورمنڈ کی سپاہ کو کامل شکست دی۔ اس پامردی سے ڈبلن بچ گیا اور کروم ویل کے آئرستان آنے سے قبل ہی نازک وقت ٹل گیا۔

میدان میں شکست ہوئی تو آئرستانی حیفوں نے قلعہ بند ہو کے لڑنے اور لڑائی کو طول دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے جواب میں کروم ویل نے بھی دو ٹوک کارروائی کی۔ ۱۰ ستمبر کو ڈروگھیڈا پہنچا جہاں اورمنڈ کی منتخب انگریزی فوج جمع تھی اور چند آئرستانی کیتھولک دستے بہادر سر آرتھر ایسٹن کی قیادت میں تھے۔ دوسری صبح فصیل میں حسب ضرورت رخنہ پڑ گیا۔ ابتدائی یورشیں پسپا ہوئیں لیکن کروم ویل نے خود ایک جماعت کے ساتھ حملہ کیا اور شکستہ فصیل کے اندر جبراً داخل ہو گیا۔ پھر جنگ کی گرمی میں اور اس زمانے کے ظالمانہ قوانین کے مطابق اُس نے حکم دیا کہ تمام مسلح آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دئیے جائیں۔ مشکل سے ایک متنفس بھی زندہ بچا ہوگا اور قلعے کے سپاہیوں کے ساتھ دو کے سوا سارے مسیحی درویشوں کے بھی سر پھوڑ دئیے گئے۔ معلوم ہوتا ہے اس عجلت بازی کی حرکت کا خود کروم ویل کو قلق ہوا اور پارلیمنٹ کے مراسلے میں امید ظاہر کرتا ہے کہ "بہر حال اس سے آئندہ خونریزی کا سلسلہ غالباً رک جائے گا۔" لہٰذا ہر یہ قیاس غلط نہ تھا اور دوسرے

قلعوں میں اگر پہلے نہیں، تو فصیل میں رخنہ پڑتے ہی فوج والوں نے اطاعت قبول کر لی اور صرف **ویکس فرڈ** **کلکینی** اور **کلان مل** میں سخت معرکے پیش آئے۔ افسوس ہے کہ **ویکس فرڈ** میں حملہ آوروں کے فصیل توڑ کر داخل ہو جانے کے بعد بھی بعض سپاہیوں نے منڈی میں مقابلہ کیا جس سے دوبارہ قتل عام کی نوبت آئی۔ غرض



متعدد بستیوں سے پھکتا پڑا اور اطاعت میں اتنی طوالت ہوئی کہ مارچ ۱۶۵۰ء میں پارلیمنٹ نے **کرومویل** کو تعجیل واپس طلب کیا تو فتح کی محض تکمیل باقی رہ گئی تھی اور وہ اس کام کو آئرٹن کے تفویض کر کے انگلستان چلا آیا۔ جن بستیوں نے از خود اطاعت قبول کر لی، وہاں سپاہیوں کو بھی امان دے دی گئی۔ انگریز سردار جو پہلے کسی وقت بھی پارلیمنٹ کی طرف سے لڑے تھے، انھیں سولی پر چڑھایا یا گولی سے مار دیا گیا۔ آئرستانی

سرداروں کو جہاں چاہیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ان میں سے اکثر ممالک خارجہ میں جاکر نوکر ہوگئے اور اپنے ساتھ ۴۵ ہزار آئرستانی سپاہیوں کو بھی لے گئے۔ انگریز سپاہیوں میں سے اکثر نے پارلیمنٹ کی نوکری قبول کرلی۔ سمندر میں بلیک بڑی خوبی سے کرومویل کو مدد دیتا رہا۔ اور شہزادہ روپرٹ بھی یہ دیکھ کر کہ اورمنڈ کی کامیابی غیر ممکن ہوگئی ہے پرتگال کو فرار ہوگیا اور تھوڑے فاصلے سے بلیک اس کے تعاقب میں رہا اور منڈ اور رانچی کن بہ اعظم کو نکل گئے اور اوئن رو اونیل قضائے الٰہی سے مرگیا۔ انگریزی سپاہ کو بھی کھلے میدانوں میں رہنے اور ایک وبائی بخار سے سخت نقصان اٹھانے پڑے۔ چنانچہ ریتھ مینز کا فاتح جونز اور سینٹ فیگنز کا فاتح ہارٹن اسی بخار کی بھینٹ چڑھے آئرٹن ۱۶۵۱ء تک سپہ سالاری کرتا رہا اور پھر وہ بھی بخار کی نذر ہوا۔ سپاہ سالاری کی خدمت عارضی طور پر لڈلو کے تفویض ہوئی جس نے اپنے سوانح (”میموائرز“) لکھے ہیں اور جو دراصل جونز کی بجائے نائب سپہ سالار مقرر ہوا تھا۔ آخر فلیٹ وڈ جس نے آئرٹن کی بیوہ سے نکاح کیا تھا مستقل سپہ سالار ہو کر آیا اور اس نے لڈلو سے فوج کا جائزہ لے لیا۔

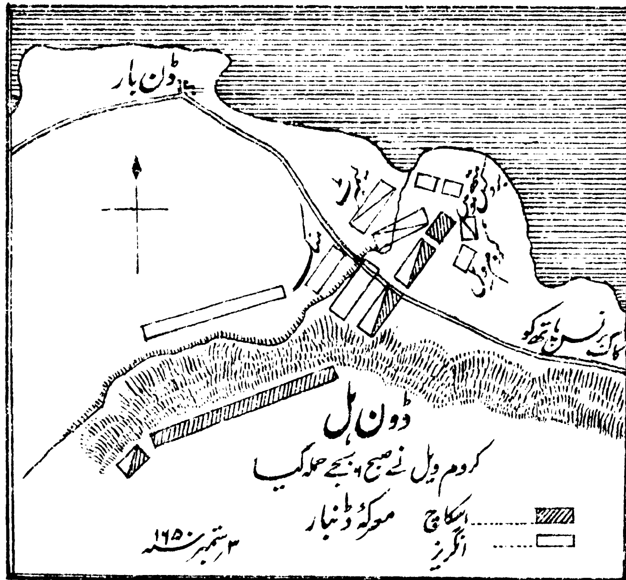
اسکاٹ لینڈ کرومویل کو بہ عجلت طلب کرنے کا سبب اسکاٹ لینڈ کی تہدید آمیز روش تھی۔ پیتانیوس کی ہزیمت کے بعد آرجائل کی جماعت کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا گر چارلس کے قتل سے وہاں کے باشندے خوش نہ ہوئے اور حکومت نے ایک قطعی کارروائی یہ کی کہ شہزادۂ ولی عہد کی خدمت میں چارلس دوم کے نام سے تاج پیش کیا۔ مگر بادشاہی کے ساتھ کلیسائی قرارداد کے تسلیم کرنے کی شرط عائد کردی گئی تھی اور شہزادے کو اس بارے میں تامل تھا۔ چنانچہ اس نے مونٹ روز کو روانہ کیا کہ اسکاٹ لینڈ جاکر معاینہ کرے کہ آیا قدیم شاہ پسند فرقے کے دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی امید ہے یا نہیں؟ اسے خیال تھا کہ اگر مونٹ روز ناکام رہا تو پھر آرجائل سے اتحاد کروں گا مونٹ روز کی مہم کو سخت ناکامی نصیب ہوئی اور جب وہ کیتھنیس میں لنگر انداز ہوا، تو ہوا خواہوں کو جمع کرسکنے سے قبل اس پر کلیسائی ”قرارداد“ آپڑے اور سدرلینڈ وراس کی سرحد پر بمقام کاربس ڈیل کامل شکست دی مونٹ روز کسان کے بھیس میں بھاگا تھا گر پکڑا گیا اور اسی لباس میں ایڈنبرہ بھیجا گیا جہاں ہر طرح کی ذلت و خواری کے بعد اسے گراس مارکیٹ میں سولی دے دی گئی۔ آخر تک اس کی امیرانہ اور بے خوف صورت نے دشمنوں تک سے خراج تحسین وصول کیا لیکن اس کے آئرستانی اور پہاڑی سپاہیوں کے مظالم سیدانیوں کو فراموش نہ ہوئے تھے کہ اس کے حق میں رحم و کرم کا برتاؤ جائز رکھا جاتا۔

اب چارلس دوم کو حکومت ہی سے نامہ و پیام کرنے پڑے مونٹ روز کو خود بھیجنے سے وہ صاف

ٹل گیا اور آرجائل کی شرطوں پر رضامندی ظاہر کرکے جہاز میں **اسکاٹ لینڈ** روانہ ہوا۔ ان حالات میں انگلستان کی مجلس شوریٰ کو محسوس ہوا کہ جنگ کئے بغیر چارہ نہ ہوگا کیونکہ چارلس محض تخت اسکاٹ لینڈ لے کر قانع نہ ہو سکتا تھا۔ پس یہاں سے فوراً **کروم ویل** کو بلایا گیا تاکہ وہ اور **فیرفیکس** اسکاٹ لینڈ پر حملہ کرکے خود دشمن کے ملک میں لڑائی چھیڑ دیں۔ مگر **فیرفیکس** اس حکمت عملی کے خلاف تھا اور کہتا تھا کہ محض احتمال کی بنا پر کسی ہمسایہ قوم پر حملہ کرنا جائز نہیں، خصوصاً اسکوٹی بھائیوں پر جن سے اتحاد و دوستی کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں۔ وہائٹ لاک، ہیریسن اور ہیمبرٹ کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ اس رائے پر قائم رہا لہٰذا اس کا استعفیٰ قبول کر لیا گیا اور سپہ سالار اعلیٰ کی خدمت **کروم ویل** کے تفویض ہوئی۔ **فلیٹ وُڈ**، **لیمبرٹ** اور **منک** اس کے سربرآوردہ سردار مقرر ہوئے اور جولائی میں انگریزی سپاہ سرحد کے پار اسکاٹ لینڈ میں داخل ہوگئی۔ اسکوٹوں نے میدانی علاقے کو اسی طرح خالی کر دیا تھا جس طرح ۱۸۱۰ء میں ولنگٹن نے پرتگال میں عمل کیا۔ لہٰذا انگریزی فوج رسد رسانی کے واسطے بیڑے کی محتاج تھی جو اس موقع پر بری سپاہ کے ساتھ کر دیا گیا تھا اسکوٹوں سے حملہ آوروں کا سامنا لیتھ کے قریب ہوا جہاں انھوں نے شہر کے سرے (ہولی اُڈ ہاؤس) سے جانب جنوب مٹی کی دیوار یا دُھس بنالئے اور اس کے عقب میں صف آرا ہو گئے تھے ڈیوڈ لزلی ان کا سردار اور لیون رضاکار کے طور پر موجود تھا۔ اگست کے سارے مہینے **کروم ویل** کوشش کرتا رہا کہ وہ دُھس کے باہر نکل کے لڑیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اپنے برسر حق ہونے پر بھی وہ اُن سے بحث مباحثہ کرتا رہا لیکن لزلی کے سامنے کوئی تدبیر نہ چلی اور اس کی ہنرمندی ہر موقع پر غالب آئی۔ ادھر کھلے میدان کی پیہم صعوبت نے فوج کو تھکا دیا اور بالآخر کروم ویل وہاں سے واپس مقام **ڈنبار** ہٹ آیا لزلی نے پیچھا کیا اور کو ولیم میور کے سلسلے میں ڈوَن کے ایک پہاڑی ٹیکرے پر پڑاؤ ڈال دیا جہاں سے بستی زیر قدم نظر آتی تھی۔ پھر یہ پہاڑ جہاں ساحل سے جا ملا ہے وہاں کے درے کاک برنس پاتھ پر قبضہ کرلینے کی غرض سے ایک دستہ روانہ کیا کہ یہاں بیرک کی سڑک اتنی تنگ ہوگئی ہے۔ کہ مٹھی بھر آدمی پورے لشکر کو روک سکتے ہیں۔ غرض کروم ویل کے سامنے جہازوں میں بیٹھ کر چل دینے، ہتیار ڈال دینے اور یا اسکوٹی لشکر پر حملہ کرنے کے سوا کوئی صورت باقی نہ تھی کہ اتنے میں خود اسکوٹوں کی بے جا جرأت نے اس پریشانی سے اسے نجات دلادی۔

معرکۂ ڈنبار ڈوَن کی پہاڑی اور کروم ویل کی صفوں کے درمیان بروکس برن کی چھوٹی سی ندی بہتی تھی مگر اس نے میدان میں چالیس فیٹ گہرا راستہ کاٹ دیا تھا اور پہاڑی اور ساحل کے درمیان صرف ایک مقام سے اسے آسانی سے پار اُتر سکتے تھے۔ یہیں سے ڈنبار و بیرک کی سڑکیں ندی کو عبور کرتی تھیں اور

یہ بروکس منتھ ہاوس کے متصل تھا۔ لزلی کو خوف ہوا کہ انگریز فرار نہ ہو جائیں اور غالباً مجلس طبقات نے بھی اصرار کیا جس کی بنا پر وہ فوج کے بڑے حصے کو لے کر سمندر کی طرف بڑھ آیا کہ دوسرے دن انگریزوں پر حملہ کرے۔ یہ ۲ ستمبر کی تیسرے پہر کا ذکر ہے مگر کروم ویل دشمن کی اس حماقت کو فوراً تاڑ گیا اور دوسرے روز سورج نکلنے سے قبل لیمبرٹ اور منک آدھی انگریزی فوج لے کے جھپٹ پڑے کہ چلے ہوئے نیستاں کو طے کر کے دشمن کو بروکس منتھ ہاوس کے قریب جالیں۔ ادھر پیادہ و سوار کی ایک چیدہ جمعیت سمندر کے قریب سے جنگل طے کر کے اسکوٹوں کے عقب میں پہنچ گئی اور بروک کا راستہ روک لیا۔ اس جماعت کو خود کروم ویل بڑھا کر لایا تھا اور اس کی پیش قدمی نے لزلی کی فوج کو ندی، پہاڑی کے سلامی دار پہلو اور نیستاں کے درمیان بھینچ لیا۔ ایک تیز و تند معرکے میں لزلی کے میمنے کو شکست ہوئی اور وہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹ رہی تھی کہ سامنے سے ایک عام حملے نے رہی سہی ترتیب الٹ دی۔ یا تو ایک دن پہلے لزلی کروم ویل کو قریب قریب قیدی سمجھ رہا تھا اور یا روز روشن ہوتے ہی خود اس کی فوج ایڈنبرو کی طرف بھاگ گئی اور ہر طرف منتشر نظر آئی۔



کرومویل بھی ڈنبار سے ایڈنبرہ چلا آیا شہر والوں نے دروازے کھول دئے اگرچہ بالاحصار کی فوج دسمبر تک مقابلہ کرتی رہی۔ اسکوٹی لشکر پسپا ہوکے اسٹرلنگ کے نزدیک مستحکم مقام پر خیمہ زن ہوگیا۔ ڈنبار میں پرسبٹیری فوج کو شکست ہوئی تھی لہذا چارلس نے اب پھر بچے کھچے بیٹاقیوں اور شاہ پسندوں پر اعتماد کیا اور ان فرقوں نے تازہ فوج مرتب کی یکم جنوری کو بمقام اسکون اُس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اُس پر سامنے کی طرف سے حملہ نہ ہوسکتا تھا اور رسد رسانی کے لئے شمال کے اضلاع جہاں کسی غارتگری کی نوبت نہیں آئی، محفوظ تھے۔ پس وہ ہر طرح مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ یہی دیکھ کر کرومویل نے ارادہ کر لیا کہ اُسے اپنے جنگی مرکز پرتھ سے جدا کر دیا جائے چنانچہ کھاڑی کے پار فوج اتار دی اگرچہ وہ خوب جانتا تھا کہ ایسا کرنے میں انگلستان کا راستہ غیر محفوظ رہ جائے گا۔

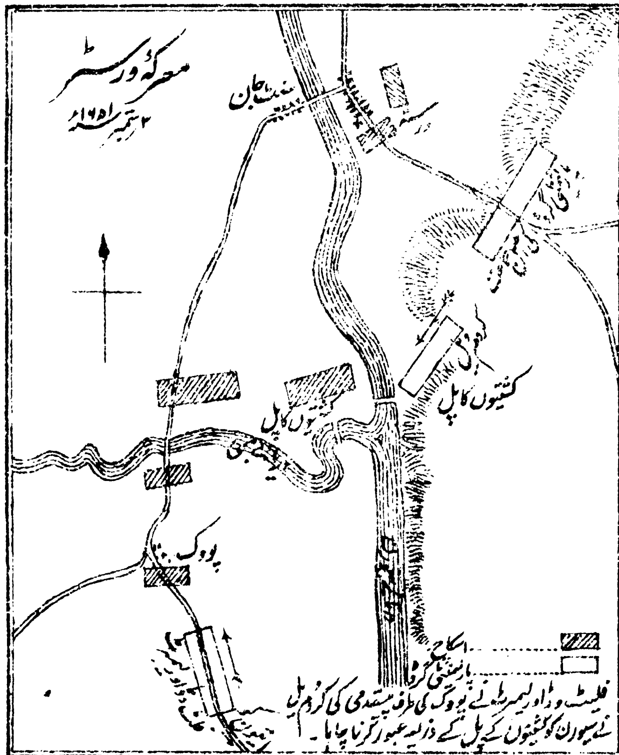
چارلس کا کوچ انگلستان میں

چارلس نے اس نقل و حرکت سے فائدہ اٹھایا اور اگست ۱۶۵۱ء میں لمبی لمبی منزلیں کرتا ہوا چلا کہ انگلستان میں داخل ہوجائے۔ کرومویل کو اس سے کچھ پریشانی نہ ہوئی۔ اس نے لیمبرٹ کو بلا تاخیر آگے بھیجا کہ چارلس کو راستے میں تا امکان اُلجھاتا رہے۔ اور منک کو اسکاٹلینڈ میں سپہ سالار بنا کے خود اصلی لشکر کے ساتھ چارلس کی طرف بڑھا۔ لیمبرٹ نے اپنا فرض بخوبی انجام دیا اور چارلس کے چیشیر پہنچنے سے قبل وہ شاہ پسندوں کے لشکر سے آگے نکل آیا تھا۔ جب چارلس کو معلوم ہوا کہ لندن کا سیدھا راستہ رکا ہوا ہے۔ اور اس کی حمایت میں بغاوت ہونے کی بجائے فلیٹ وڈ اور فیرفیکس کی قیادت میں ہر پرگنے کی جمعیت مرتب کی جارہی ہے کہ جمہوریہ انگلستان کی مدافعت کرے تو چارلس وادی سیورن میں مڑ گیا اور وُرسٹر میں پڑاؤ ڈالا جہاں اس بات کا اچھا موقع تھا کہ اگر شاہ پسندوں کے قدیم اضلاع سے سپاہی آنا چاہیں تو بلا دقت اس تک پہنچ سکیں۔ ادھر فلیٹ وڈ کے زیر انتظام سارے ملک کی اسلحہ بندی کی جارہی تھی کہ چارلس کو دبوچ لیا جائے۔ فیرفیکس کو لڑائی میں پہلے جو اعتراض تھے، اب وہ قطعاً باقی نہ رہے تھے اور وہ یارک شر میں محنت سے کام کر رہا تھا۔ ایرل ڈاربی کی سرکشی کا لینکاشر میں قلع قمع کر دیا گیا اور چارلس کے انگلستان میں داخلے کے ایک ماہ کے اندر کرومویل تیس ہزار سپاہ لے کر، وُرسٹر کے آس پاس آپہنچا۔ اس میں زیادہ تر فوج بے قاعدہ کے سپاہی شامل تھے لیکن چارلس کی کل فوج گیارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی، تاہم شاہ پسندوں کا مقام بُرا نہ تھا۔ ان کی جمعیت اصلیہ سویرن و ٹیم کے درمیان کے زاویے میں صف آرا تھی اور دونوں ندیوں کے پل اسی کے قبضہ میں تھے اور اُن کے پار وُرسٹر و پادنک کی بستیوں میں پہرے قائم تھے اپٹن

معرکۂ وُرسٹر

کا پل، ٹسنگم سے چند میل جنوب میں واقع تھا، اسے شاہ پسندوں نے منہدم

کر دیا۔ یہی اسباب تھے کہ کروم ویل کو وسیع ترنقشے پر فوج لڑانی پڑی لیمبرٹ کے آدمیوں نے اپٹن کے پل کی مرمت کی اور وہ فلیٹ وڈ کے ساتھ سیورن کے پار ہوا کہ پاؤک پر حملہ کرے۔ کروم ویل نے سیورن پر کشتیوں کا پل تیار کیا اور ورسٹر کی فصیل پر حملہ کی تیاریاں کیں کہ لیمبرٹ کو مدد ملے۔ ان تیاریوں میں چار دن صرف ہوئے اس عرصے میں ندی کے دونوں طرف برابر آویزشیں ہوتی رہیں حتی کہ ۳ ستمبر کو کروم ویل اور فلیٹ وڈ کا ایک ساتھ اسکوٹی فوج پر حملہ ہوا۔ اس میں پوری کامیابی ہوی اور گو خود چارلس نے ورسٹر سے نکل کر پرجوش حملہ کیا جس سے شرقی کنارے کی انگریزی سپاہ معرض خطر میں پڑ گئی لیکن کروم ویل رسالے کو گھوڑے دوڑاتا ہوا پل کے پار اتار لایا اور شاہ پسندوں کو ایک ایک جھاڑی سے لڑا کر ورسٹر میں واپس مار بھگایا۔ اسی کارنمایاں نے لڑائی کا فیصلہ کر دیا۔ اسکوٹی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور انگریز شاہ پسند جان بچا کے بھاگے۔ ہیملٹن لاوڈرڈیل ڈاربی اور لزلی پکڑے گئے لیکن چارلس کسی طرح نکل بھاگا۔ اس کی فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے پر تو بہت کم لوگ تیار ہوئے تھے لیکن اسے جلاد کے تیغے سے بچانے میں بڑے بڑے جوکھوں اٹھائے اور کئی دفعہ وہ بال بال بچ سکا۔ اسی جان بچانے میں ۶ مہینے گزار کر بالآخر وہ برائٹن سے جہاز میں بیٹھا اور



۱۷ اکتوبر کو فیکان (Fecamp) پہنچ گیا۔ ورسسٹر پر اس کی فوج کشی جتنی ظاہری اہمیت رکھتی تھی حقیقت میں اتنی اہم نہ تھی۔ شاہ پسندوں میں شرفا عام سپاہیوں سے لڑنے میں تامل کرتے تھے اور اسی لئے چارلس کا سارا معاملہ خراب کر دیا جس طرح سو برس بعد مدعی عہد کے معاملے میں ہوا۔ دوسرے آزاد خیال گروہ کے لوگ بادشاہ کے قتل کو پسند یا ناپسند کرتے، اسکوٹوں کے حملے سے نہایت برہم ہوئے اور کروم ویل کو پوری قوت سے ضرب لگانے کا موقع مل گیا۔ جو سردار لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے ان میں سے ہیملٹن تو زخموں سے خود مر گیا اور ڈاربی کا سر قلم کرا دیا گیا۔ لاڈر ڈیل اور لزلی عہد بحالی تک قید میں رہے۔ لیکن دوسروں کے ساتھ پارلیمنٹ رحم و کرم سے پیش آئی۔ جنگ کے ختم ہوتے ہی کروم ویل لندن واپس آ گیا اور خموشی سے مختلف ذیلی مجلسوں میں جن کا رکن تھا، کام کرنے لگا جس کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ جنگ ہو یا امن، وہ ملک کا کارگزار خادم ہے۔

بحری جنگ اور بلیک

جس وقت کروم ویل شاہ پسندوں سے خشکی پر مصروف جنگ تھا، سمندر میں بھی حکومت قومی اور شاہ پسندوں کے بیڑے میں زور شور سے جنگ ہوتی رہی۔ شاہی جہاز شہزادہ روپرٹ کی قیادت میں آئرستان آئے تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا قومی بیڑے کا سورما اس جنگ میں بلیک ثابت ہوا جو برج واٹر کا باشندہ اور ۱۵۹۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ دس سال آکسفرڈ کے دارالعلوم میں گزارے اور غالباً کچھ مدت تک تجارت کے سلسلے میں بحر نوردی کا بھی تجربہ حاصل کیا تھا۔ خانہ جنگی کے کئی معرکوں میں پیادہ سپاہی کی حیثیت سے شریک رہا اور جب عہدے سے دستکش ہوا تو بیڑے کی قیادت عملاً اسی کے ہاتھ میں آ گئی۔ ملک کے تفصیلی معاملات کے متعلق اس کی رائے جو کچھ ہو، اس کی حفاظت کے پختہ ارادے اور ادائے فرض کا احساس بلیک کی خصوصیات میں داخل تھے۔ ایک موقع پر اس نے کہا کہ "جہازی کا کام ملک کے معاملات میں دخل دینا نہیں ہے بلکہ پردیسیوں کو اس بات سے روکنا ہے کہ وہ ہمیں بیوقوف نہ بنا سکیں"۔ اس نے ٹیگس کے دہانے تک روپرٹ کا پیچھا کیا اور اس ندی کی کچھ مدت تک ناکہ بندی بھی کئے رہا۔ پھر غرب الہند تک پیچھا کیا اور ایسی جان ضیق میں کر دی کہ روپرٹ نے اس شکنجے سے پیچھا چھڑانے کے لئے

باب چہارم

اپنے جہاز فرانسیسی حکومت کے ہاتھ بیچ دئے جرزی اور گرن زی کو بھی مطیع کر لیا گیا اور الیس کیو کے جنگی جہاز آے تو امریکہ کی انگریزی نو آبادیوں نے بھی نئی حکومت قومی کو قبول کر لیا۔ غرض ۱۶۵۲ء کے اخیر تک تمام علاقوں میں جہاں انگریزی علم نصب تھا، پارلیمنٹ کے اعلیٰ اقتدار کو تسلیم کر لیا گیا۔

لیکن اس عرصے میں خود انگلستان رفتہ رفتہ ایک اور جنگ کے میدان میں داخل ہو گیا جس نے جمہوریت کے مداخل پر انتہائی بار ڈال دیا۔ جمہوریت کے ابتدائی جوش خروش میں تو پارلیمنٹ نے اس حد تک واہی تباہی تجویز کر دی تھی کہ انگریزی اور ولندیزی جمہوریتیں عملاً ایک کر دی جائیں لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہیں برآمد ہوا اور بتدریج یہ قومیں ایک دوسری سے برسر جنگ ہو گئیں۔ لڑائی کے اسباب بہت قدیم اور تجارتی رقابت پر مبنی تھے۔ شرق الہند میں انگریزوں

ولندیزوں سے لڑائی

اور ولندیزوں کے تجارتی کارخانوں میں سخت دشمنی تھی۔ ولندیزی انگریزوں کو خواہ مخواہ کا دخیل سمجھتے تھے اور ۱۶۲۳ء میں امبوینا میں کئی انگریز تاجروں اور جہازیوں کو انھوں نے جان سے مروا دیا۔ ایک جھگڑا کئی سال سے یہ چل رہا تھا کہ آیا ولندیزی جہاز دربار انگلستان میں انگریزی جہازوں کو سلامی دیں اور ان تنگ سمندروں میں بھی انگلستان کی سیادت تسلیم کریں یا نہیں، انگلستان کے شاہ پسند فرقے کے لوگ اکثر بھاگ بھاگ کر ہیگ میں پناہ لیتے اور وہاں ایک انگریز سفیر (ڈاکٹر ڈورس لاس) کو مونٹ روز کے بعض ساتھیوں نے مار بھی ڈالا تھا، سب سے بڑھ کر مخالفت کا سبب یہ ہوا کہ قانون جہاز رانی کی رو سے انگلستان میں چند مستثنیات کے سوائے ہر قسم کے ایسے مال کی درآمد ممنوع قرار دی گئی جو انگریزی جہازوں میں یا خود اس ملک کے جہازوں میں جہاں کا وہ مال ہے نہ لایا گیا ہو۔ یہ قانون وینؔ اور مارٹن نے مرتب کیا تھا اور اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ انگریزی جہازوں میں اضافہ ہو کیونکہ وہ دوراندیشی سے سمجھ گئے تھے کہ ایک جزیرے کی قوم کے لئے جہازوں کا ہونا کس قدر ضروری ہے، اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ تجارتی مال کے لانے لے جانے کا کام جس پر ولندیزوں کی دولت مندی کا بہت کچھ انحصار تھا، وہ ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ اور یہ بات قدرتی طور پر ولندیزوں کو سخت ناگوار گزری۔ چنانچہ ابھی

باقاعدہ اعلان جنگ بھی نہ ہوا تھا کہ ان کے ملاحوں میں جابجا کشت وخون کی نوبت آئی۔ ۱۹ مئی سنہ ۱۶۵۲ کو ڈوور کے سامنے بلیک اور ولندیزی امیر البحر فان ٹرومپ کے پورے دگنے (یعنی چالیس جہازوں میں بحری معرکہ ہوا اور دو ولندیزی جہاز ضائع ہو گئے۔ جولائی میں پارلیمنٹ نے اعلان جنگ کر دیا اور بلیک نے بہت جلد بحری غنائم سے دو دو بار انگلستان کی بندرگاہیں بھر دیں۔ ستمبر میں اس کی دو ولندیزی امیران بحر سے جنگ ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ نومبر میں اُس کی دوبارہ فان ٹرومپ سے ڈونگنیس کے سامنے لڑائی ہوئی۔ دشمن کے پورے جہازوں کے مقابلے میں بلیک کے کل جہاز صرف بیالیس تھے لیکن آٹھ گھنٹے کی لڑائی کے بعد فان ٹرومپ کو پانچ جہازوں کا نقصان اٹھا کے، رات کی تاریکی میں وہاں سے ٹل جانا ہی غنیمت ہوا۔ اب ولندیزوں نے خود دریائے ٹیمز کی ناکہ بندی کی ٹھہری لگائی۔ ٹرومپ مستول پر جھاڑو باندھ کے نکلا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انگریزی جہازوں سے سمندر کو بالکل جھاڑ دے گا۔ لیکن انگلستان کی مجلس شوریٰ ان مصائب کو جھیلنے کی ہمت رکھتی تھی اور اس نے بلیک، ڈین اور منک کی سرداری میں ایک نیا بیڑا مہیا کر لیا ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ فروری کو انگریزی جہاز پورٹ لینڈ بل سے کیلے کی ریتیوں تک بھاگ بھاگ کے لڑائی لڑتے رہے اور ٹرومپ کے گیارہ جنگی اور تیس تجارتی جہاز پکڑ لائے۔ اس معرکے نے انگریزوں کو دوبارہ سمندروں کا مالک بنا دیا۔ اب ولندیزوں کے حوصلے پست ہوئے مگر مئی میں ٹرومپ دوبارہ ۱۰۸ بادبانی جہاز لے کر سمندر میں آیا اور ۲ جون کو منک اور ڈین نے اس پر حملہ کیا۔ ڈین توپ کے گولے سے مارا گیا مگر منک نے اپنے چغے سے یہ المناک حادثہ چھپائے رکھا اور برابر لڑتا رہا یہاں تک کہ دوسرے دن بلیک پہنچ گیا تو انگریزوں نے دشمن کے سترہ جہاز پکڑے اور کامل فتح حاصل کی۔ ۳۱ جولائی کو آخری معرکہ ہوا بلیک علالت کے باعث ساحل پر تھا منک نے پورے ولندیزی بیڑے سے لوٹس ٹافٹ کے سامنے جنگ کی۔ ٹرومپ مارا گیا۔ ولندیزوں کو سخت ہزیمت نصیب ہوئی اور پورے تیس جہازوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اب انھوں نے مقابلہ چھوڑ کر مصالحت کی درخواست کی اور اپریل سنہ ۱۶۵۴ء میں، بہت کچھ انگلستان کے حسب مراد، صلح نامہ کر لیا گیا۔

واضح رہے کہ طویل پارلیمنٹ اس واقعے سے ایک سال پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔

پارلیمنٹ کی نامقبولیت

دراصل شاہ پسندوں کا پورا قلع قمع ہوگیا تو ارکان مجلس اور اہل فوج میں پھر ویسے ہی جھگڑے ہونے لگے جیسے پہلی خانہ جنگی کے ختم پر ہوئے تھے۔ اختلاف کی بڑی وجہ یہ تھیں کہ معاشری اور مذہبی اصلاحات کے نفاذ میں بہت دیر لگ رہی تھی اور پارلیمنٹ کے ارکان مجلس کو توڑ لینے میں تساہل کئے جاتے تھے۔ پارلیمنٹ جس حالت میں موجود تھی، اس سے یہ توقع رکھنا بیجا تھا کہ زیادہ گہری یا تیز اصلاحات کرسکے گی اور دوسری طرف اہل عسکر کو دیوانی حکومت کی دشواریوں کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ مزید برآں ارکان کو اپنی رکنیت سے دستکش ہونے میں خواہ مخواہ تامل تھا اور ان میں جو لوگ زیادہ فہم وتدبر رکھتے تھے، وہ بھی بلاشبہ یہی چاہتے تھے کہ ایسے جانشینوں کے انتخاب کا اطمینان ہوجائے جو اصولاً اپنے پیش روؤں کی حکمت عملی کے مطابق کام کریں۔ بایں ہمہ پارلیمنٹ فوج والوں کے منشا سے بےخبر نہ تھی۔ نومبر سنہ ۱۶۵۱ء میں اس کی طرف سے پارلیمنٹ کے ختم ہونے کی تاریخ ۳ نومبر سنہ ۱۶۵۴ء مقرر کی گئی اور ہر ہفتے ایک روز محض اس امر پر غور وبحث کے واسطے مخصوص کر دیا گیا کہ نئی پارلیمنٹ کے انتخاب کا بہترین طریقہ کیا ہوگا۔ فروری سنہ ۱۶۵۲ء میں قدیم شاہ پسند اور سپاہی دونوں کو ایک قانون درگزر کے ذریعے مواخذے سے معاف کر دیا گیا بشرطیکہ ان کی خطائیں معرکۂ ورسٹر سے قبل کی ہوں۔ فوج کی تنخواہ ادا کرنے کا بھی پورا انتظام کر دیا گیا مگر فوج والے یہ دیکھ کر کہ بظاہر پارلیمنٹ ان کی تعداد میں تخفیف کی خواہاں ہے، بہت پریشان ہوئے۔ ان میں سے، مددگار سالار ہیریسن جیسے بعض فوجی تو ہر قسم کی حکومت ہی کے خلاف تھے جیسے وہ "پانچویں بادشاہی" یعنی حضرت مسیح اور ان کے اولیا کی بادشاہی قائم ہونے کے راستے میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ غرض پارلیمنٹ کی کارروائیوں پر فوجی سردار پوری توجہ سے نگرانی کرنے لگے۔

آخر اگست سنہ ۱۶۵۲ء میں تجویز پیش ہوئی کہ آئندہ دارالعوام چارسو ارکان پر مشتمل ہو۔ موجودہ ارکان اپنی رکنیت پر بطور حق کے فائز رہیں اور نئے ارکان کے انتخاب کو اپنی رائے سے منسوخ بھی کرسکیں۔ یہ شرطیں سن کر فوج کے لوگ بہت جھلائے اور اس تجویز کو "مسودۂ قانون دوامی" یا "مسودۂ قانون رکنیت دوامی" کا خطاب دیا۔ آپس کی کسی مفاہمت کی غرض سے صدر مجلس کے مکان پر ممتاز ارکان اور سربرآوردہ فوجی عہدہ داروں کے جلسے

ہونے لگے اور ۱۹ اپریل ۱۶۵۳ء کے دن یہ قرارداد ہوئی کہ مذکورۂ بالا تجویز کو آیندہ باہمی مشاورت تک ملتوی رکھا جائے۔ باوجود اس کے، دوسرے دن پارلیمنٹ میں مسودۂ قانون کی منظوری لینے کی کارروائی کی جانے لگی اور یہ خبر کروم ویل کو پہنچی تو وہ سادہ لباس میں سپاہیوں کا ایک جوق لے کر پارلیمنٹ میں آیا اور سپاہیوں کو پیش دالان میں چھوڑ کر بہ حیثیت رکن کے خود ایوان میں داخل ہوا اور کچھ دیر تک بحث سننے کے بعد اس نے ہیریسن کو (جو خود بھی رکن پارلیمنٹ تھا) پاس بلا کر کہا کہ "اسے یہ کام کرنا پڑے گا" پھر تھوڑی دیر ٹھیر کر مسودۂ قانون کی تیسری خواندگی کے متعلق پارلیمنٹ کو مخاطب کیا۔ تھوڑی دیر تو آہستہ آہستہ تقریر کرتا رہا لیکن پھر انفرادی اور مجموعی طور پر مجلس دارالعوام پر برس پڑا اور مارٹن وھائٹ لاک اور وین کی خصوصیت سے سخت خبر لی۔ سر پیٹر وینٹ ورتھ نے شکایت کی کہ یہ لب و لہجہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔ تب کروم ویل نے للکار کر کہا "چلو، چلو، میں تمھاری یاوہ گوئی کا خاتمہ کئے دیتا ہوں" پھر سپاہیوں کو اندر آنے کی دستک دی اور تمام ارکان کو ایوان سے نکلوا دیا۔ ایک سپاہی کو حکم دیا کہ "وہ کھلونا بھی وہاں سے ہٹا دے" جس سے عصائے صدارت مراد تھی۔ اور جب ایوان خالی ہوگیا تو دروازے میں قفل لگا کے کنجی اپنی جیب میں ڈال لی۔

ارکان کا اخراج

دوسری صبح کسی شاہ پسند ظریف نے ایک اطلاع بھی لاکے چپکا دی کہ "یہ مکان اب بغیر فرش فروش، کرائے پر دیا جاتا ہے۔" کروم ویل کا یہ فعل سوچ بچار کا نتیجہ تھا یا محض وقتی جوش کا، یہ ٹھیک طور پر کہنا غیر ممکن ہے لیکن اس کے سرزد ہوتے ہی صورت حال کی مشکلات صریحاً عیاں ہوگئیں۔ بے شبہ پارلیمنٹ کچھ ہردلعزیز نہ تھی۔ بلکہ فوج میں تو غالباً اکثر سپاہی اسے ناپسند کرتے تھے اور شاہ پسندوں میں بھی، خواہ عسکری تھے یا کلیسائی، اسے کوئی اچھا نہ جانتا تھا۔ بایں ہمہ وہ ایک آئینی بنیاد ضرور رکھتی تھی اور کم سے کم فوجی تسلط قائم ہوجانے میں اگر کوئی رکاوٹ تھی تو وہ بھی پارلیمنٹ رہ گئی تھی۔ پس اس کے خاتمہ کر دینے سے بہت سے قانون داں اشخاص سخت مشوش ہوئے۔ اسی تیسرے پہر کو بریڈشا نے کروم ویل سے کہا کہ خود پارلیمنٹ کی رائے کے سوا اور کوئی طاقت اسے فسخ نہیں کر سکتی۔ وین وغیرہ ارباب سیاست کو تو بہت ہی صدمہ ہوا اور خود فوج بھی اس بارے میں متفق نہ تھی۔ منک خاموش ہو رہا مگر اسے یہ حرکت پسند نہ آئی۔ لڈلو نے

آئرستان میں سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ بہت سے اشخاص یہ سمجھنے لگے کہ کروم ویل کا یہ فعل بادشاہی قسم کی حکومت کو از سر نو قائم کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ اور کروم ویل نے اس قسم کی حکومت کی طرف اپنے میلان کا اشارہ بھی کر دیا تھا۔

غرض یہ کہ اس وقت تو کروم ویل کو فوج میں صرف اپنے ذاتی دوستوں پر انحصار کرنا پڑا، جیسے ڈس برو، اس کا بہنوئی اور فلیٹ وڈ اس کا داماد (جس نے آئرٹن کی بیوہ کو بیاہا تھا) اور ہیریسن وغیرہ "پانچویں بادشاہی" والوں پر۔ اور انہی لوگوں کے مشورے سے سردارانِ فوج کی مجلس کی طرف سے تینوں ملکوں کے "آزاد جماعت" کے علما کے پاس خط بھیجے گئے اور انھیں حکم دیا گیا کہ اپنے مصلّیوں کے مشورے سے وہ ایسے اشخاص کے نام صدر میں بھیجیں جو "سچے متقی اور حرص و ہوس سے بیزار ہوں" اور جنھیں وہ لوگ پارلیمنٹ میں بیٹھنے کے قابل تصور کرتے ہوں۔ پھر ان میں سے ۱۳۹ کو کروم ویل نے وہائٹ ہال میں اپنے پاس بلایا۔

بیربون کی پارلیمنٹ یہ "چھوٹی پارلیمنٹ" جسے لندن کے ایک رکن کے نام پر "بیربون کی پارلیمنٹ" بھی کہتے ہیں، ۴ جولائی کو منعقد ہوئی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس جدید مجلس میں بعض ارکان بڑی قابلیت کے تھے اور اپنا فرض ادا کرنے کے تو تقریباً سبھی خواہشمند تھے۔ ان میں فلیٹ وڈ، سنک، مونٹیگیو (جو آگے چل کے امیر سینڈوچ ہوا) بلیک اور ایشلی کوپر قابل ذکر ہیں۔ کروم ویل، ہیری سن لیمبرٹ اور ڈس برو کو مشوروں میں بطور خاص شریک کر لیا گیا تھا۔ لیکن ارکان مجلس فریضہ گزاری کی کوشش کے باوجود عملی سیاسیات سے ناواقف تھے۔ اہل فوج کو اصلاح قانون سے ایک مدت سے دلچسپی تھی اور سابقہ پارلیمنٹ نے وکلا کی ایک جماعت بھی غور و بحث کے لئے مرتب کر دی تھی لیکن اس کے اعضا قانونی موشگافیوں کے ایسے دلدادہ تھے کہ تین مہینے تک بحث مباحثے ہوتے رہے اور یہی طے نہ ہو سکا کہ لفظ "انکمبرنس" (Incumbrance) (=بار) کی تعریف کیا قرار دی جائے۔ بخلاف اس کے نئی پارلیمنٹ نے یہ تفریط دکھائی کہ اصلاح قانون کے لئے جو ذیلی مجلس بنائی اس میں کوئی قانون دان آدمی ہی نہ تھا۔ عدالتی کارروائیوں کی اصلاح میں بھی ایسی ہی شتاب کاری سے کام لیا گیا چنانچہ عدالت مالگزاری میں کام کے بقایا کی کثرت دیکھ کر انھوں نے یہ عدالت ہی موقوف کر دی۔

عُشر کی تشخیص اکثر تکلیف دہ ہوتی تھی، اسے بھی اُڑا دیا۔ انعام داروں میں بعض لوگ بلا استحقاق انعام پا گئے تھے لہٰذا سرے سے یہ حق ہی منسوخ کر دیا گیا کہ ذاتی طور پر کوئی شخص انعام دوسرے کو دے سکے۔ یہ حماقت دیکھ دیکھ کر بعض لوگ تو استہزا کرتے تھے اور بعض پریشان بھی ہوئے کہ نہ معلوم آئندہ کیا ہو۔ مگر یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ ان کمزوریوں کے باوجود یہ "اولیاء اللہ کی پارلیمنٹ" کئی اعتبار سے زمانۂ جدید کے خیالات سے اتنی ہم آہنگ تھی کہ تقریباً دو صدی بعد تک کوئی اور پارلیمنٹ اتنی ہم آہنگ نہ ہوگی۔ اس لئے چھوٹی رقموں کی وصول یابی کے لئے پرگنوں میں عدالتیں قائم کرنی چاہیں۔ قرض کی بنا پر قید کی سزا موقوف کرنے کا ارادہ کیا۔ عدالتی خرچوں سے اُجرت دلوانے کی بجائے ارکان عدالت کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ اموات و ولادات اور شادیوں کے قلمبند کرنے کا انتظام کیا نیز غیر منقولہ جائیدادوں کے حقداروں کا۔ اور بہت سی ایسی اصلاحات تجویز کیں جو آج کل یا تو عمل میں آ گئی ہیں یا کم سے کم مناسب تسلیم کر لی گئی ہیں۔

یہ اصلاحات لا اصطباغی ارکان کا کام تھا۔ ان کی قیادت ہیرسن کے ہاتھ میں تھی اور ان کی تعداد پارلیمنٹ کے اعتدال پسند آزاد فرقے پر غالب آ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر قانون وال، کلیسائی اور زمیندار طبقے کے شرفا بہت گھبرائے اور سمجھے کہ ایسے پرجوش مصلحین کے حملوں سے ہمارے حقوق و مراتب کچھ محفوظ نہ رہیں گے۔ لہٰذا وہ سب اس "چھوٹی پارلیمنٹ" کے قوانین کو بُرا بھلا کہنے یا ہنسی میں اُڑا دینے پر متفق ہو گئے اسی لئے پارلیمنٹ کے قلیل التعداد گروہ نے کارروائی رد کرنے اور ایوان مجلس میں سویرے سے آ کر اپنے اختیارات کروم ویل کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور باقی ماندہ ارکان کو بھی ساتھ دینا پڑا اجلاس ۱۲ دسمبر کو ختم ہو گیا اور اس واقعے کی وکلائے عدالت نے بڑی دھوم دھام سے خوشیاں منائیں۔

آلۂ حکومت

تین دن بعد ایک جدید آئین "آلۂ حکومت" کے نام سے لیمبرٹ نے تحریر کیا کہ سرداروں کی مجلس میں منظور کر لیا گیا اس کی رو سے انتظامی اور تشریعی اختیارات، محافظ سلطنت، مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ میں تقسیم کر دیے گئے۔ کروم ویل "محافظ" اور خشکی اور تری کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ لیکن صلح و جنگ کے مسائل طے کرنے میں وہ مجلس شوریٰ کی رائے کا پابند تھا اور جنگ کی صورت میں پارلیمنٹ کو فوراً طلب کرنا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے

باب چہارم

ارکان اسی تحریر میں نامزد کر دئے تھے جن میں ممتاز تو لیمبرٹ، ڈس برو، مون ٹیگیو اسکی پن، کوپر اور ۶ اشخاص اور شریک تھے۔ کسی کے وفات پانے کی صورت میں محافظ سلطنت کو اختیار دیا گیا تھا کہ ۶ ناموں میں سے جو پارلیمنٹ تجویز کرے، وہ کسی ایک کو خالی شدہ رکنیت پر مقرر کر دیا کرے۔ قانون سازی کے سارے اختیارات پارلیمنٹ کو دئے گئے تھے البتہ محافظ سلطنت کسی قانون کے نفاذ کو بیس دن تک ملتوی رکھ سکتا تھا۔ ارکان پارلیمنٹ کے انتخاب کے حلقے وہی تھے جو "طویل پارلیمنٹ" نے تجویز کئے مگر انتخابات "اقرارنامۂ عامہ" کے مطابق سہ سالہ مقرر کئے گئے اور یہ شرط بھی عائد ہوی کہ پانچ ماہ سے کم زمانے میں کوئی پارلیمنٹ فسخ نہ کی جا سکے گی۔ ان تدابیر سے توقع یہ تھی کہ نئی حکومت میں جمہوری اداروں کی آزادی کے ساتھ شخصی بادشاہ کی عملی قوت و کارگزاری بھی شامل ہو جائے گی مگر حقیقت یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے زمانۂ اجلاس کے سوا، باقی اوقات میں محافظ سلطنت کو نامحدود اختیارات دے دئے گئے تھے۔ اس رتبے کو کروم ویل نے بلا تامل قبول کر لیا اور پورے اعزاز کے ساتھ ایوان ویسٹ منسٹر میں اس کی حکومت کا افتتاح کیا گیا اور اس رسم میں نمایاں حصہ لیمبرٹ نے لیا۔

رائے عامہ اس تغیر سے کروم ویل سریر تخت شاہی سے ایک قدم قریب تر ہو گیا اور یہ بات اُن ارباب سیاست کو بھی ناپسند ہوی جو طویل پارلیمنٹ کو برخاست کرنے کے خلاف تھے اور ہیری سن وغیرہ پرجوش حامیانِ اصلاح بھی یہ سمجھے کہ کروم ویل نے ان کو اُلو بنا کے کام نکال لیا۔ سیاسی اشخاص کی ناراضی کا تو ایسا کچھ ڈر نہ تھا مگر ہیری سن اور بعض دوسرے فوجی سرداروں عہدوں سے برطرف کر کے حراست میں لے لئے گئے۔ ان دو گروہوں کے مقابلے میں وھائٹ لاک وغیرہ قانون داں اشخاص جو چھوٹی پارلیمنٹ کے حامیانِ اصلاح کے ارادوں سے لرزہ براندام تھے۔ نیز وہ پادری جنھیں اپنی معاش کی فکر تھی، مذکورہ تغیر سے خوش ہوئے اور جمہور اہل ملک نے بھی غنیمت سمجھا کہ اگر شاہانِ اسٹوارٹ بحال نہ ہو سکیں تو کم سے کم ایسی حکومت تو قائم ہو گئی جس سے امن قائم کرنے کی امید تھی۔ بایں ہمہ اس تاریخ سے کروم ویل کی جان لینے کی پیہم سازشیں ہوتی رہیں اور محض اس کے جاسوسوں کی ہوشیاری اور خود اس کی احتیاط نے اسے خونیوں کا شکار ہونے سے بچائے رکھا۔ عہد محافظت کی پہلی پارلیمنٹ کی تاریخ ۳ ستمبر ۱۶۵۴ء قرار دی گئی تھی

باب چہارم

جس میں ابھی آٹھ مہینے باقی تھے اور اس تمام مدت میں کروم ویل اور اس کی مجلس شوریٰ کا دور دورہ رہا۔ اس وقفے میں اُس نے بہت سے ایسے کام کئے جو فائدے اور شرعت کے

عہد اقتدار کروم ویل

کے اعتبار سے تو طویل پارلیمنٹ سے، اور اعتدال میں چھوٹی پارلیمنٹ کے کاموں سے صاف طور پر بہتر و خوب تر تھے اور گویا اہلِ ملک پر نئی حکومت کی فوقیت ثابت کرتے تھے۔

کروم ویل کی توجہ کو سب سے اول جن مسائل نے کھینچا، ان میں ایک مسئلہ کلیسا کا تھا جہاں اُن دنوں سخت بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ سنہ ۱۶۴۵ء میں پارلیمنٹ کی پریس بی ٹری اکثریت نے اسکوٹوں کے دباؤ میں آکے پریس بی ٹری نظام کو سرکاری طور پر کلیسا کا آئین قرار دیا تھا اور کتاب الصلوٰۃ کی بجائے عبادات و وعظ کے طور طریق پر ایک دستور العمل رائج کیا تھا لیکن اس میں ادائے نماز کی کوئی خاص صورت مذکور نہ تھی۔ اور دستور العمل کے قواعد کو لوگوں نے بہت کم مقامات پر تسلیم کیا صرف لندن، ہل، کوونٹری اور بعض بڑے

مذہب

شہروں میں یا لنکاشر اور مشرقی پرگنوں میں کلیسائی حلقوں کی جدید نظام کے مطابق تنظیم ہوئی اور وہاں کے پادریوں نے "اتحاد و اتفاق" اور "میثاق" کی پابندی پر صرف اس لئے زور دیا کہ بادشاہ کے طرفداروں سے بہ آسانی پیچھا چھوٹ جائے۔ لیکن سنہ ۱۶۴۸ء میں پریس بی ٹری فرقے پر زوال آیا تو ان کے نظام کو جس سے آزاد گروہ کو سخت مخالفت تھی، قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ لہٰذا آزاد جماعت کے دور میں عملاً ہر مصلی جیسا چاہتا عمل کرتا۔ کلیسائے انگلستان کے بہت سے پادری اپنی معاشیں بدستور پاتے رہے اور کلاً یا جزواً کتاب الصلوٰۃ کا بھی استعمال کرتے رہے۔ اسی طرح پریس بی ٹری، آزاد اور پروٹسٹنٹ مذہب کے دوسرے فرقوں کے پادری بھی اپنے اپنے عہدوں پر فائز رہے۔ پارلیمنٹ نے "میثاق" کی پابندی کی شرط منسوخ کر دی اور اس کی بجائے یہ "قول" لینا شروع کیا کہ قائل اُس حکومت کا مخلص اور وفادار رہے گا جو بادشاہ اور دار الامرا کے بغیر قائم کی گئی ہے۔ اکثر پادری یہ قول کرنے پر آمادہ پائے گئے اور جنھوں نے تامل کیا انھیں بھی علاقہ والوں کی عنایت نے اپنی خدمات پر بحال رہنے دیا۔ "آلۂ حکومت" کے نام سے جو دستاویز قلمبند ہوئی اس کی ایک دفعہ میں یہ رعایت رکھی گئی تھی کہ جملہ اشخاص جو خدا کا بواسطۂ مسیح اعتقاد رکھتے ہیں،

باب چہارم

عام عقائد و عبادات و قواعد میں اختلاف کے باوجود اپنے معتقدات یا اعمال مذہبی بجا لانے میں روکے نہ جائیں گے بشرطیکہ اس رعایت سے دوسرے باشندوں کے حقوق میں نقصان وخرابی واقع نہ ہو اور وہ اپنی طرف سے فتنہ و فساد کی نوبت نہ آنے دیں نیز یہ کہ یہ آزادی پاپائیت یا اسقفیت تک وسیع نہ ہونے پائے اور نہ اس سے دین کے پردے میں اصولاً و عملاً نفس پرستی مقصود ہو۔ اسی طرح آزادی فکر اور کسی حد تک آزادی عمل کی بنیاد پڑ گئی مگر اسی کے ساتھ کروم ویل یہ نہ چاہتا تھا کہ گرجوں پر نالائق پادریوں کا قبضہ ہو اور اس خرابی کا حفظ ماتقدم کرنے کی غرض سے اُس نے دو گونہ تدبیر اختیار کی۔ اول تو ۲ مارچ سنہ ۱۶۵۴ء کے ایک حکم نامے کے ذریعے ۳۵ اشخاص کی (جو ٹرائیرز یا ممتحنین کہلاتے تھے) ایک جماعت مرتب کی جس کا کام یہ تھا کہ خالی شدہ معاشوں کے واسطے جن کے نام پیش کئے جائیں، ان کے چال چلن اور قابلیت کی تحقیقات کرے۔ اس جماعت میں آزاد، پرسبی ٹیری، اور لا اصطباغی فرقوں کے افراد شامل تھے لہٰذا کوئی اسقفیت پسند گرجا کے لئے نامزد ہوتا تو یہ لوگ اس کی بُری طرح خبر لیتے تھے۔ تاہم مجموعی طور پر یہ اپنے نازک فرائض کو خاصی کامیابی سے انجام دیتے رہے اور بیکسٹر، جو مداہنت کرنے والا آدمی نہ تھا، شہادت دیتا ہے کہ جماعت مذکور کی بدولت ایسے اچھے پادری منتخب ہوئے کہ ہزاروں آدمی خدا کا شکر ادا کرتے ہیں"۔ اسی سال اگست میں ایک اور حکمنامہ جاری ہوا جس کے لحاظ سے ہر پرگنے میں چند ناظر مقرر کئے کہ بدنام پادریوں کو نکال باہر کریں یہ ناظر مقامی شرفا میں سے (جو پارلیمنٹ کے مؤید ہوں) انتخاب کئے جاتے تھے۔ بدا طواری لہو و لعب، کتاب الصلوٰۃ کی عقیدت مندی اور شاہان اسٹوارٹ کی تائید بظاہر یہ سب ایک ہی قسم کے جرم تھے جن میں باہم چنداں فرق نہیں کیا جاتا تھا، بایں ہمہ ناظروں نے اپنے پیچیدہ اور نازک کام کو کافی کامیابی سے انجام دیا۔

ٹرائیرز یا ممتحنین

بعد ازاں کروم ویل عدالتوں کی اصلاح پر متوجہ ہوا۔ کرنل پرائڈ کا جی چاہتا تھا کہ اہل عدالت کے چغے بھی ایوان ویسٹ منسٹر میں اُن جھنڈیوں اور وردیوں کے ساتھ لٹکتے نظر آئیں جو معرکۂ ڈنبار میں چھین کر لائے گئے تھے، اور بعض کی رائے یہ تھی کہ سارے قانون کو اتنا مختصر کر دیا جائے کہ ایک جیبی کتاب میں سما سکے۔ رہی عدالت مالگزاری، اُس کے شرمناک حالات کی سب کو شکایت تھی۔ پس کروم ویل نے ایک مخلوط جماعت قائم کی

باب چہارم

کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے اور عدالت مالگزاری کا کام ہلکا کرنے کی غرض سے حکم دیا کہ جب تک پچھلا کام پورا نہ ہو جائے اس وقت تک رسوم وضوابط کے جھگڑے دوسری عدالتوں میں پیش ہوا کریں۔

آئرستان آئرستان میں کروم ویل کی عام حکمت عملی یہ تھی کہ انگلستان کا تعلق منقطع نہ ہونے پائے اور وہاں کے باشندوں میں انگریزوں کے خیالات زبردستی مروج کر دئے جائیں۔ جزیرے کی ولایت پر اس نے پہلے اپنے داماد **فلیٹ وڈ** اور پھر اپنے بیٹے ہینری کروم ویل کو مقرر کیا اور یہ دونوں بڑی سختی سے حکمرانی کرتے رہے۔ جن لوگوں نے ۱۶۴۱ء کے قتال میں حصہ لیا تھا، انھیں طویل پارلیمنٹ کے فیصلے کے مطابق پھانسی یا جلا وطنی کی سزا ملی اور مال اسباب ضبط کر لیا گیا۔ مخالف کیتھولکوں کی اراضی میں دو تہائی اور علانیہ لڑنے والوں کی پوری ملکیت کی ضبطی کا حکم تھا اگرچہ انھیں کوناٹ کے علاقے میں بقدر ایک تہائی ملکیت کے معاوضہ مل سکتا تھا۔ یہ تمام کارروائیاں زمینداروں سے متعلق تھیں۔ ورنہ کاشتکار، مزدور، اہل حرفہ اور دوسرے ادنیٰ درجے کے باشندوں کو سزا دینا درکنار کوئی بازپرس تک نہیں کی گئی۔" اس طرح جو اراضی ضبط کی گئیں وہ ان آفاقیوں میں تقسیم کر دی گئیں جنھوں نے جنگ یا کروم ویل فوج کے لئے روپیہ قرض دیا تھا۔ یہ نئے آنے والے، اہل السٹر کی طرح عموماً زمین کو ترقی دینے والے تھے اور ملک کو ان کی آبادکاری سے فائدہ پہنچا مگر اس میں شک نہیں کہ قدیم باشندوں سے اراضی کے ضبط کرنے میں بہت کچھ ناانصافیاں ہوئیں جیسے ۱۶۰۸ء میں ہوئی تھیں۔ قانون پر بلا رُو رعایت عمل کرانے، اور جان مال کی حفاظت کے بارے میں کروم ویل، چچسٹر یا اسٹرے فرڈ سے کم سخت نہ تھا اور اس میں کامیاب بھی رہا لیکن انگلستان کے ہر فرقے کے دل میں کیتھولک لوگوں کی طرف سے جو عناد تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب بالکل ممنوع اور اس کے علما جور و تشدد کا شکار ہوئے۔ چنانچہ ۱۶۴۹ء میں خود اس کے حاکم کو لکھتا ہے کہ "میں کسی شخص کے ذاتی عقائد میں دخل نہیں دیتا۔ لیکن اگر آزادی مذہب کا مطلب یہ ہے کہ کیتھولک نماز کی اجازت دی جائے تو صاف معاف کرنا اور آپ کو یہ ٹھیک ٹھیک معلوم کرا دینا مناسب ہوگا کہ جہاں کہیں انگلستان کی پارلیمنٹ کو اقتدار حاصل ہے، وہاں اس کی اجازت نہ ملے گی۔" آئرستان کی علٰحدہ پارلیمنٹ کے قیام کو کروم ویل اتحاد کے حق میں

باب چہارم

مستقل خطرہ سمجھتا تھا چنانچہ وہاں کی پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور قرار پایا کہ آئرستان، تینوں ممالک کی متحدہ پارلیمنٹ میں تیس ۳۰ مبعوث بھیجا کرے۔

اسکاٹ لینڈ

ولندیزوں سے لڑائی ختم ہوئی تو منک پھر اسکاٹ لینڈ کی سپہ سالاری پر واپس آگیا اور طویل پارلیمنٹ نے اس ملک کو انگلستان سے متحد کرنے کی جو تجویز مرتب کی تھی، اس کے مطابق منک ہی نے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا۔ اسے سب سے بڑی جنگی دقت پہاڑیوں کی تسخیر میں پیش آئی یہاں مڈل ٹن برابر بادشاہ کی طرف سے لڑے جاتا تھا۔ بالآخر کرنل مورگن کی مدد سے منک نے پہاڑی جنگ میں وہ کارنامہ دکھایا کہ تمام قبائل مطیع و مسخر ہو گئے۔ پرس بی ٹری کا تسلط ختم ہوا بلکہ حملہ بر ولٹس ٹنٹ فرقوں کو کامل آزادی عطا ہوئی۔ انگلستان سے اتحاد، اسکاٹ لینڈ کی تجارت کے حق میں نہایت مفید ہوا کیونکہ اسے بھی وہاں کے قانون جہازرانی اور خصوصاً انگریزی نوآبادیوں سے آزادانہ تجارت کی اجازت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ مدت تک کروم ویل کے عہد کو اس ملک کے لئے بڑے امن و فلاح کا زمانہ سمجھا جاتا رہا۔ بایں ہمہ اہل ملک اس اتحاد سے شدید نفرت رکھتے تھے اور مذہبی رواداری کو وہاں گناہ و عصیان سے شیطانی مواسات کے مرادف خیال کیا جاتا تھا۔

معاملات خارجہ میں کروم ویل کا اعتدال اس سے ظاہر ہے کہ ولندیزوں سے صلح کر لی حالانکہ بعض لوگ ان کے پورے ملک کو فتح کر لینے کی رائے دیتے تھے اور پرتگیزوں سے جو شرائط پیش کی تھیں، ان پر جما رہا۔ ان سے ناراضی کا سبب شہزادہ روپرٹ کو ان کا مدد دینا تھا۔ آخر پرتگیزوں نے ان شرطوں پر دستخط کر دئے اور یہ ٹھیک وہی تاریخ تھی جب کہ پرتگیزی سفیر کے بھائی ڈوم پانٹالیونے سا کا ایک انگریز کے مار ڈالنے کی سزا میں سر قلم کرایا گیا۔ اس طرح ملک کے اندرونی اور خارجی، دونوں امور میں کروم ویل نے اپنی قابلیت بحیثیت ایک کامیاب اور مستعد حکمران کے ثابت کر دی۔

عہد محافظت کی پہلی پارلیمنٹ

۳ ستمبر ۱۶۵۴ء کو عہد محافظت کی پہلی پارلیمنٹ منعقد ہوئی طویل پارلیمنٹ نے جو خاکہ تیار کیا اور جسے "آلۂ حکومت" کی دستاویز میں داخل کر لیا گیا تھا، اسی کے مطابق نشستوں کی نئی تقسیم عمل میں آئی۔ آبادی کے لحاظ سے انگلستان سے چار سو ارکان کا انتخاب تجویز ہوا تھا۔ یارک شر و اسیکس جہاں سے دو دو مبعوث آتے تھے، اب انھیں علی الترتیب چودہ اور تیرہ مبعوث بھیجنے کا حق دیا گیا۔

باب چہارم

اسکاٹ لینڈ اور آئرستان کے لئے تیس تیس مبعوث تجویز ہوئے تاکہ پارلیمنٹ تینوں متحدہ ممالک کی نیابت کرے۔ سرہیری وین وغیرہ پرانے جمہوریت پسندوں نے انتخابات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ لارڈ گرے، لڈلو اور وائلڈمین (جو "لولر" (یعنی مساواتی) گروہ کا تھا) کا انتخاب سرکاری طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ البتہ ہیزل رگ، بریڈشا اور اسکاٹ رکن منتخب ہوئے اور اصرار کیا کہ "شخص واحد کی حکومت" کی ضرورت پر بحث کی جائے۔ اور اس اصول پر زور دیا کہ محافظ سلطنت کے اختیارات کا ماخذ پارلیمنٹ ہونی چاہئے۔ "کارروائی حکومت" کے نام سے جو دستور العمل بنا تھا، اس میں محافظ اور پارلیمنٹ، شرکا کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی لئے کروم ویل کو ضروری ہوا کہ رنگا محل میں ارکان کو مخاطب کرنے کے بعد فرداً فرداً یہ عہد بھی لے کہ ان میں سے کوئی حکومت کی تشکیل حاضرہ کو بدلنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ دو سو تیس مبعوثوں نے یہ عہد قبول کر لیا مگر وہ بھی مذکورۂ بالا دستور العمل کے ایک ایک فقرے پر بحث کرتے رہے اور دوسرے سب کاموں کو حتّیٰ کہ برّی اور بحری فوجوں کی رقمی منظوریوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ اور اس بحث مباحثے میں اگر کسی چیز کی انھیں فرصت ملی تو وہ یہ تھی کہ بڈل اور نیلر پر، جن کے مذہبی خیالات سے ارکان کو غصہ آیا تھا، مقدمے چلائے اور سخت پریشان کیا۔ غرض ارکان پارلیمنٹ کا طرزِ عمل اس قدر بُرا تھا کہ پورے پانچ قمری مہینے گزرنے ہی کروم ویل نے ان کو برطرف کر دیا (۲۲ جنوری سنہ ۱۶۵۵ء)۔

اس پارلیمنٹ کے اجلاس نے یہ ضرور ثابت کر دیا کہ کروم ویل کے حامی اور جمہوریت پسند آپس میں متفق نہیں اور اس واقعے نے شاہ پسندوں اور "زندہ دلوں" کی مُردہ امیدیں تازہ کر دیں۔ جیسا کہ متعدد سازشوں کی اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے۔ مارچ میں بمقام سالسبری، پن رُڈک اور وِیک اسٹاف نے گشتی حکام عدالت کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ یارک شر کے ایک سردار، سرہیزی سلنگسبی کا بھی ایک سازش میں نام آتا ہے۔ وائلڈمین باغی شاہ پسندوں کی فوج کے واسطے خطبہ لکھواتے میں پکڑا گیا۔ قانون پیشہ لوگ جیسے وائٹ لاک حکومت کی غیر آئینی نوعیت سے ڈرے جاتے تھے اور طرح طرح کی مشکلات پیدا کر رہے تھے اور ادھر کونی وغیرہ اور سپٹیر ونٹ ورتھ جیسے عملی لوگ بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محاصل ادا کرنے سے انکار کر چکے تھے۔ ان حالات میں کروم ویل کو بالکل مطلق العنان فرمانروا کی طرح کام کرنا پڑا۔ اس نے بغاوت کا

باب چہارم

قلع قمع کر دیا پن رُڈک وغیرہ تینوں مذکورۂ بالا اشخاص غداری کے جرم میں قتل کئے گئے گونی وغیرہ کے اعتراضات کو عدالتوں نے (جن کا انتخاب محافظ سلطنت کی طرف سے ہوا تھا) مسترد کر دیا۔ مزید فتنہ و فساد روکنے کی غرض سے انگلستان کو گیارہ جنگی اضلاع میں تقسیم کیا گیا اور ہر ایک پر کرومویل کا کوئی دوست سپہ سالار کے نام سے متعین کر دیا گیا۔ پھر قانون ملکی کے خلاف، صرف شاہ پسندوں سے دس فی صدی محصول فوجی مصارف کے واسطے وصول کر لیا۔ ان تدبیروں سے وطن میں امن امان تو قائم ہوا۔ لیکن کرومویل کی خود رائی کی شاہ پسند اور جمہوریت پسند سبھی مذمت کرتے تھے۔ یہ بات اور بھی الم نشرح ہوتی جاتی تھی کہ اس کی قوت کا اصلی ماخذ فوج کی عقیدت مندی اور مستعدی ہے اور اس کی حکومت محض فوجی مطلق العنانی ہے۔ شاہ پسندوں کے خلاف یہ سخت تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ کرومویل نے اُن اسقفی پسند پادریوں کے متعلق بھی قواعد سخت کر دئے جو کلیسائی اوقاف سے الگ کئے گئے تھے اور جن کی نسبت اسے خواہ نخواہ یہ شبہ ہوتا تھا کہ اس کی حکومت کی مخالفت پکاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان برطرف شدہ علما کے واسطے کسی خانگی کلیسا میں امامت کرنا، وعظ و پند یا انجیل کا درس دینا بلکہ کتاب الصلوٰۃ کو استعمال کرنا اور کسی سرکاری یا خانگی مدرسے میں پڑھانا تک قابل تعزیر جرم قرار دیا۔

اسپین سے جنگ

اس عرصے میں اسپین سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ کچھ تو انگریزی تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے اور کچھ محض مذہبی عداوت کی بنا پر کرومویل نے شاہ اسپین سے مطالبہ کیا کہ غرب الہند میں انگریزوں کو تجارت کی آزادی اور احتساب سے معافی دے دی جائے اور یہ ایسا مطالبہ تھا کہ اسپین کے سفیر نے جواب میں کہا کہ "وہ میرے آقا کے صرف دو آنکھیں ہیں اور کرومویل دونوں کو یک وقت نکلوانا چاہتا ہے"۔ بہرحال، گو اسپین نے فروری ۱۶۵۶ء تک باضابطہ اعلان جنگ نہیں کیا، تاہم اسی وقت لڑائی چھیڑ دی گئی اور ۱۶۵۴ء کے موسم خزاں ہی میں دو بحری مہمیں بھیجی گئیں۔ ایک پین اور وینایبلز کی قیادت میں غرب الہند گئی اور دوسری بلیک کے ماتحت بحر متوسط کے لئے روانہ ہوئی۔ پہلی بحری فوج کو سان ڈومنگو نے تو شکست دی مگر جمیکا کا زرخیز و شکوہ جزیرہ فتح ہو گیا اور اب تک انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ بلیک نے اول الجزائر و تیونس کے بحری قزاقوں کی خبر لی اور حاکم الجزائر سے شرائط صلح طے کرنے کے بعد تیونس کی بندرگاہ کے

باب چہلم

اندر داخل ہوا اور نہ صرف جنگی قلعے وغیرہ منہدم کئے بلکہ بے کے نو کے نو جنگی جہاز جلا دئے اور اس طرح ساری دنیا کو دکھا دیا کہ ایک بحری قوت کے حکم منوانے میں بحری توپ خانہ کیسا کچھ کارگر ہوتا ہے۔

جنگ کا باضابطہ اعلان ہوتے ہی بلیک نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پلیٹ کے بیڑے کو لوٹنا شروع کیا جو ہر سال اسپین کی مملوکہ معدنوں سے قیمتی مال اوقیانوس کے پار لاتا تھا، اور اس کی آمد اسپین کی منڈی میں وہی اہمیت رکھتی تھی جیسی ولندیزوں میں مصالحے کے بیڑے کی آمد۔ پلیٹ کا بیڑا اپنا مہ سے ٹنے ریف آتا اور سانتا کروز کی بندرگاہ میں ٹھیرا رہتا تھا اور جب اطلاع ملتی کہ قادص کی راہ صاف ہے، تو آگے روانہ ہوتا تھا۔ ۱۶۲۸ء میں پیٹر ہائن نامی ولندیزی نے تقدیر کی یاوری سے اس پُر مال بیڑے کو پکڑ لیا اور اس دن سے ہر انگریز و ولندیز ملاح یہی خواب دیکھتا تھا کہ مجھے بھی یہی کامیابی نصیب ہو۔ پہلی مرتبہ بہت روز تک بیکار انتظار کرنے کے بعد بلیک ناکام وطن چلا آیا لیکن مارچ ۱۶۵۶ء میں دوبارہ سمندر میں نکلا اور اس مرتبہ ایڈورڈ مونٹیگیو (جو آئندہ ایرل سینڈوچ ہوا) اس کے ساتھ تھا۔ پہلے تو انھوں نے شاہ پرتگال سے شہزادۂ روپرٹ کو مدد دینے کا ہرجانہ طلب کیا پھر قادص کے سامنے لنگر ڈال کے لطیفۂ غیبی کا انتظار کرنے لگے۔ آخر کار ستمبر میں نو کشتیاں نمودار ہوئیں اور کپتان اسٹینر نے اپنے جہاز اور دو کشتیوں سے ان پر تیز و تند حملہ کیا اور کم سے کم چھ کو جلایا، ڈبویا یا چھین لیا اور کچھ نہیں تو چھ لاکھ پاؤنڈ مالیت کا سونا چاندی اس کے ہاتھ آیا۔ پھر مونٹیگیو تو واپس وطن آگیا لیکن بلیک ٹھیرا رہا اور اپریل ۱۶۵۷ء میں اسے خبر ملی کہ سولہ ہسپانوی کشتیاں سانتا کروز کی بندرگاہ میں ٹنے ریف کی چوٹی کے نیچے لنگر ڈالے پڑی ہیں تب وہ بھی ادھر چلا اور بندرگاہ کے قلعوں کی پروا کئے بغیر ۲۰ راپریل کو اپنا بیڑا لے کر بندرگاہ میں گھس گیا۔ اور چند گھنٹے میں سب کشتیاں پکڑ لیں۔ آدمیوں کی کمی کے باعث انھیں ساتھ لانا محال تھا لہٰذا سب کو جلا دیا اور ایک جہاز کا بھی نقصان اٹھائے بغیر بندرگاہ کے باہر آگیا۔ یہ وہ کارنامہ تھا جس سے ہر جماعت کے انگریز کے دل میں مسرت کا جوش پیدا ہوا۔ شاہ پسند مورخ کلیرنڈن اسے اعجاز بتاتا اور مثال میں پیش کرتا ہے کہ بہادر و باہمت اشخاص کے مضبوط ارادے سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ بلیک کی سب سے درخشاں کامیابی تھی وطن آتے میں وہ راہی عدم ہو گیا اور وطن پرستی، لیاقت اور بہادری کی

باب چہارم

ایسی شہرت یادگار چھوڑی جو بالکل بے داغ تھی۔

۱۶۵۸ء میں کروم ویل نے دوبارہ پارلیمنٹ طلب کی کیونکہ وہ لوگوں کی نظروں میں محض خود رائے حاکم بننا پسند نہ کرتا تھا اور اپنے انتظامات کی پارلیمنٹی تصدیق کرانی چاہتا تھا۔ اسپین سے جنگ کرنے کے لئے روپے کی بھی ضرورت تھی۔ البتہ پہلی پارلیمنٹ کی اُلجھنوں سے بچنے کے لئے، اس مرتبہ وین، لڈلو اور بریڈشا کو تنبیہ کر دی کہ وہ لوگ کوئی دخل نہ دیں اور انتخاب کے بعد بھی ہیزل رگ اور اسکوٹ کو، کوئی نوے دوسرے ارکان کے ساتھ پارلیمنٹ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ اس کے مقابلے میں رائے عامہ سے مصالحت کر لینے کی غرض سے جنگی اضلاع توڑ دئے گئے۔ ستمبر ۱۶۵۶ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ اور چند مہینے تک خاموشی سے کام ہوتا رہا۔ جنوری ۱۶۵۷ء میں کروم ویل کے طرفداروں نے اسے بادشاہ بنانے کا خیال پیش کیا اور یہ سمجھ کر کہ ایسا کرنے سے حکومت اور قانون کا پرانا ڈھانچ پھر درست ہو جائے گا، پارلیمنٹ نے یہ تجویز قبول کر لی۔ ایک اور مصلحت یہ تھی کہ ہینری ہفتم کے قانون "واقعی بادشاہی" کی رو سے اُن عہدہ داروں پر جو کسی "شاہ وقت" کی ملازمت میں ہوں، بغاوت کا مقدمہ نہیں چل سکتا تھا اور کروم ویل کے رفیق اس قانون سے اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتے تھے جب کہ اسے شاہ وقت تسلیم کر لیا جائے۔ غرض یہ قرارداد ۶۲ کے مقابلے میں ۱۲۳ آرا سے منظور ہوئی۔ نیا دستور حکومت ایک تحریر میں جو "فدویانہ معروضہ اور مشورہ" کہلاتا ہے، قلمبند ہوا اور اس نے قریب قریب وہی سب آئین و قوانین بحال کر دئے جو خانہ جنگی سے قبل طویل پارلیمنٹ نے مرتب کئے تھے۔ مزید برآں کروم ویل کو اختیار دیا گیا کہ دارالعوام کے علاوہ پارلیمنٹ کا دوسرا شعبہ یا ایوان بھی از سر نو قائم کر لے۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کروم ویل شروع سے واقف تھا کہ اس درخواست کو بجنسہ قبول کرنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا دیوانی ملازمین اور قانون پیشہ لوگ تو بادشاہی کی بحالی کی خبر سے خوش ہوئے مگر اہل فوج کو یہ خیال سخت ناگوار گزرا کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ انھوں نے جو خون بہایا اور مصیبتیں اٹھائیں وہ سب فضول تھیں جب کہ چارلس کو گرا کر کوئی اور "کاف بہ سر" تخت بادشاہی پر بٹھا دیا گیا۔ اور کروم ویل خوب جانتا تھا کہ فوج کی تائید کے بغیر وہ ایک دن بھی حکومت نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ گو اس نے مجوزہ آئین قبول کر لیا اور وہ پورے اہتمام و احترام کے ساتھ ۲۶ رجون سے نافذ کر دیا گیا، لیکن خطاب "بادشاہی" لینے سے انکار کیا مگر کو رکھا

"معروضے اور مشورے" میں کروم ویل کو اپنا جانشین نامزد کرنے کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ یہ بات لیمبرٹ کو بڑی ناگوار گزری جو "دستور الحکومت" قلمبند کرنے میں سب سے آگے تھا۔ اس لئے کروم ویل کی اطاعت کی قسم کھانے سے بھی انکار کر دیا اور اسی بنا پر سپہ سالاری سے برطرف کر دیا گیا۔ برخلاف اس کے ویَن کو حراست سے مخلصی مل گئی۔

جنوری ۱۶۵۸ء میں ملتوی شدہ پارلیمنٹ دوبارہ مجتمع ہوئی تو اس کی ہیئت بہت کچھ بدلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ۱۶۵۶ء میں جن ارکان کو بیٹھنے سے روک دیا گیا تھا، اب وہ سب موجود تھے دوسرے محافظِ سلطنت کی نامزدگی سے جدید دارالامرا بھی قائم ہوگیا تھا۔ ان امیروں میں امیر مینچسٹر، وائی کاؤنٹ لزلے، وہائٹ لاک، منک وغیرہم شامل تھے مگر دارالعوام نے اسے بالکل نہ مانا۔ بلکہ ہیزل رگ نے اس میں شرکت سے انکار کیا اور دارالعوام میں اس پر حملے کا آغاز کیا۔ کروم ویل نے دیکھا کہ امن و صلح سے یہ پارلیمنٹ بھی کام نہ کرے گی لہٰذا ۴ فروری کو اسے برخاست کر دیا۔

فرانس سے اتحاد

اب اسے بیرونی معاملات پر توجہ کرنے کی فرصت ملی۔ اس غلط تخیل کی بنا پر کہ اسپین کا قوی ہونا خطرناک ہوگا، کروم ویل، اسپین کے مقابلے میں فرانس کا شریک ہوگیا۔ فرانس کے شاہ و وزیر خود اس کی مدد کے محتاج تھے اور انھوں نے انگریز سفیر لاک ہارٹ کی بڑی خاطر مدارات کی۔ وہاں کا امیر کبیر سیوائے اپنی پروٹسٹنٹ رعایا پر ظلم و جور کر رہا تھا۔ اور ملٹن نے ان کی حمایت میں ایک ولولہ انگیز غزل لکھی تھی، اسی پر کروم ویل نے صاف کہہ دیا کہ جب تک امیر کبیر موصوف اس مذہبی تعدی سے باز نہ آئے گا میں اس کے ساتھ کوئی معاملت نہ کروں گا۔ چنانچہ وزیر فرانس مازارین نے خاص اہتمام کیا کہ کروم ویل کی یہ شرط پوری کر دی جائے۔ یہ سب مراحل طے ہو گئے تو مارچ ۱۶۵۷ء میں فرانس کے ساتھ جنگی اتحاد کر لیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اسپین والوں سے ماردیک اور ڈنکرک کے سرحدی مقامات چھین لئے جائیں۔ حملے میں شریک ہونے کے لئے چھ ہزار انگریز سپاہی "نئی سرخ وردی میں" فرانس بھیجے گئے۔ ان کا سردار مورگن تھا جو ولندیزی لڑائیوں میں منک کا دست راست رہا تھا فوج لاک ہارٹ کے زیر ہدایت تھی۔ نمونۂ جدید کے سپاہیوں نے ماردیک کو یورش کر کے لینے اور ڈیون کی لڑائی میں سپاہ گری کے جوہر دکھائے۔ یہ معرکہ ڈنکرک کے قریب جون ۱۶۵۸ء میں ہوا اور

جنگ وکامرانی کا بڑا حصہ انگریز سپاہیوں ہی کو ملا۔ فتح میں ڈنکرک کا قصبہ ہاتھ آیا اور اسے انگریزوں کے سپرد کردیا گیا جس سے انھیں براعظم یورپ میں قدم جمانے کی جگہ مل گئی۔ اگرچہ یہ صرف ایک ہی قصبہ ان کے ہاتھ آیا تھا لیکن وہ ایسے موقع سے تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ہر فرانسیسی لشکر پر جو ہالینڈ پر حملہ آور ہو، جانبی حملہ کرسکتے تھے۔

کرومویل کی وفات یہ کامیابی کرومویل کی زندگی کا آخری کارنامہ تھی۔ اسکاٹ لینڈ کی لڑائیوں میں جب سے بخار نے اس کا پیچھا لیا، وہ پنپ نہیں سکا تھا گو اس کی عمر پچاس اور ساٹھ برس کے درمیان تھی، لیکن بالکل بوڑھا آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔ ۱۶۵۸ء کی گرمیوں میں اس کی چہیتی بیٹی الزبتھ کلے پول نے وفات پائی۔ کرومویل نے تیمارداری میں اتنی دردسری اٹھائی تھی کہ وہ اور بھی کمزور ہوگیا اور ڈنبار و ورسسٹر کی فتوحات کی سالگرہ کے وقت ۳ ستمبر کو آندھی اور مینہ کے سخت طوفان میں دوبارہ بخار نے حملہ کیا تو یہ طاقتور محافظ سلطنت جان بر نہ ہو سکا اور ملک عدم کی راہ لی۔ ہرچند کرومویل اس قسم کی غیر معمولی ذہانت سے بہرہ مند نہ تھا جو سیاسی معاملات کی مجموعی اہمیت کو پا جاتی ہے۔ تاہم وقتی مصالح کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کی اس میں پوری قابلیت تھی اور وہ بخوبی اندازہ کر لیتا تھا کہ کسی خاص موقع پر کیا کرنا چاہیئے اور کیا ہو سکتا ہے، کسی بڑے جنگی منصوبے کو دوراندیشی سے مرتب کرنے کی اس میں لیاقت نہ تھی لیکن فوجوں کی تنظیم اور نقل وحرکت کا غیر معمولی سلیقہ رکھتا تھا۔ جنگ یا سیاسیات میں وہ کوئی دوراندیش مدبر نہ تھا بلکہ اس کا شمار اُن لوگوں میں ہونا چاہیئے جن کے لئے "ابن الوقت" کا لفظ زیادہ موزوں ہے ملک کی حکومت ہاتھ آئی تو اعتدال آمیز کاموں سے کرومویل نے اپنی محل شناسی اور عقلمندی کا ثبوت دیا لیکن اس حکومت کو وہ دیرپا نہ بنا سکا کیونکہ محض فوج کے زور سے ایک قلیل تعداد کا قوم کی اکثریت پر حکومت کرتے رہنا، طبعاً زیادہ دن نہ چل سکتا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خانہ جنگی کے آغاز سے کوئی پارلیمنٹ بھی جو آزادانہ منتخب کی جاتی، اس میں یا تو شاہ پسندوں کی، ورنہ بلاشبہ شاہ پسند اور پرسبی ٹیرین گروہ کی مشترکہ جماعت کی اکثریت ہوتی۔

یہ بات صحت سے معلوم نہیں کہ کرومویل نے کسی جانشین کا انتخاب نظر انداز کردیا، یا یہ کہ دوسری روایت کے بموجب بیماری کی غشی کی حالت میں اپنے بڑے بیٹے رچرڈ کو نامزد کیا تھا۔ بہرحال مجلس شاہی نے تو اسی مفروضے پر کہ وہ باضابطہ

رچرڈ کرومویل

باب چہارم

نامزد کر دیا گیا ہے اس کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ کرومویل کے خاندان کے حق میں یہ بہت نامساعد ہوا کہ دوسرا بیٹا ہینری جو حقیقت میں لائق سپاہی اور تجربہ کار مدبر تھا، منتخب نہ ہو سکا۔ کیونکہ رچرڈ نیک نفس اور خوش اخلاق ہونے کے باوجود نہ سپاہی تھا، نہ مدبر اور نہ پرجوش مذہبی، کہ ان میں سے کسی گروہ کی بھی مدد حاصل کر سکتا جو اس کے باپ کے گرویدہ تھے۔ بایں ہمہ رچرڈ کے بعض ہوا خواہ موجود تھے۔ وہائٹ لاک کے نزدیک اس کی جانشینی آئینی حکومت کے حق میں مفید تھی۔ پرسبی ٹری سرگروہ بیکسٹر سمجھتا تھا کہ رچرڈ نے گزشتہ خانہ جنگی میں کوئی حصہ نہیں لیا اور یہ اس کے لئے مفید بات ہے۔ غرض حالات ایسے تھے کہ اگر رچرڈ کرومویل ذرا مضبوط آدمی ہوتا، تو کامیابی ناممکن نہ تھی۔ چنانچہ اس کی جانشینی کے وقت کوئی فتنہ وفساد نہ ہوا، البتہ اس کے عہد کی پہلی پارلیمنٹ منعقد ہوئی (جنوری ۱۶۵۹ء) تو مشکلات شروع ہوئیں انگلستان کے مبعوث جدید حلقوں کی بجائے پرانے حلقوں کے مطابق منتخب کرائے گئے تھے تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن آئرستان اور اسکاٹ لینڈ کے مبعوث جدید حلقوں سے منتخب ہوئے۔ کسی کے انتخاب کی مخالفت وغیرہ بھی نہیں کی گئی تھی لہذا وین، ہیزل رگ وغیرہ تمام پرانے نکتہ چیں منتخب ہوئے اور آتے ہی نئے دارالامراء اور محافظ سلطنت کے اختیارات کی خبر لینی شروع کی۔ ادھر فوج میں بھی اختلاف تھا۔ فلیٹ وڈ اور ڈس برو کا گروہ (جسے اکثر "والنگ فرڈ کی جماعت" کہتے تھے) چاہتا تھا کہ محافظ سلطنت کے فوجی اور دیوانی اختیارات تقسیم کر کے، سپہ سالاری کی خدمت فلیٹ وڈ کو دیدی جائے ادھر لیمبرٹ، جسے فوج کے خوش کرنے کی غرض سے پرانی خدمت پر بحال کیا گیا، خود محافظ سلطنت بننے کی آرزو رکھتا تھا۔ وین پہلی جماعت کے ساتھ ہو گیا۔ بہرحال ان اختلافات نے رچرڈ کی حکومت کو متزلزل کر دیا۔ فلیٹ وڈ اور ڈس برو نے مطالبہ کیا کہ وہ یا تو فوج پر بھروسہ کرے اور یا پارلیمنٹ کا ہو رہے اور یہ بھی اطمینان دلایا کہ فوج کا ساتھ دیا تو وہ اس کا حسب مراد انتظام کر دیں گے، تو رچرڈ نے انھی کو ترجیح دی اور ۲۲ر اپریل کو پارلیمنٹ کو فسخ کر دیا حالانکہ اس وقت تک اس نے روپیہ کی منظوری بھی نہیں دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کو تنخواہ دینے کے لئے روپیہ نہ رہا اور چونکہ باپ کی مثل رچرڈ میں اتنی قوت نہ تھی کہ بطور خود کوئی محصول وصول کر سکتا، لہذا کسی نہ کسی پارلیمنٹ کا انعقاد ناگزیر ہو گیا۔ تب، مئی میں، لیمبرٹ کی رائے سے اسی طویل پارلیمنٹ کے ارکان بلائے گئے جسے

باب چہارم

سنہ ۱۶۵۳ء میں کروموِل نے برطرف کر دیا تھا۔ اس بحالی کی تجویز کو رچرڈ نے بھی قبول کر لیا اور دوبارہ وین، بریڈ شا وغیرہ کا اس "بقیہ پارلیمنٹ" میں طوطی بولنے لگا۔ یہ لوگ تلے ہوئے تھے کہ جمہوری حکومت قائم کی جائے اور انھوں نے رچرڈ کے قرضوں کی ادائی کا انتظام کر کے اصرار کیا کہ وہ وہائٹ ہال چھوڑ دے۔ آخر وہ دوبارہ ایک معمولی آدمی رہ گیا اور "اپنے باپ کے بیٹے ہونے سے اسے تھوڑا سا بھی فائدہ نہ رہا"۔

بوتھ کا ہنگامہ ان اختلافات نے شاہ پسندوں اور پریسبٹیریوں کو دلیر کر دیا اور اگست میں ایک عام بغاوت کی کھچڑی پکنے لگی۔ اہل سازش کو توقع تھی کہ انگلستان میں بغاوت برپا ہوئی تو مونٹیگیو بیڑے سے اور منک اسکاٹ لینڈ کی فوج سے مدد کرینگے۔ لیکن یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا البتہ چیشر میں وہاں کے ایک بڑے زمیندار اور پریسبٹیری فرقے کے خود سر جارج بوتھ کی سرکشی سے کافی پریشانی پیدا ہوئی اور وہ خاصا بڑا لشکر لے کر میدان میں اتر آیا۔ بارے ونگ ٹن برج کی لڑائی میں لیمبرٹ نے اس کا قلع قمع کر دیا اور منک یا مونٹیگیو کسی نے بھی حمایت میں جنبش نہ کی۔ لیمبرٹ واپس آیا تو فلیٹ وڈ نے پارلیمنٹ میں تحریک کی کہ اس کو مددگار سپہ سالار بنا دیا جائے۔ مگر یہ نامنظور ہوئی اور فوج نے فلیٹ وڈ کو سپہ سالار اعلیٰ، ڈس برو کو نائب اور لیمبرٹ و منک کو مددگار سپہ سالار بنانے کی استدعا کی تو پارلیمنٹ نے لیمبرٹ اور ڈس برو کو عہدوں سے برطرف کر دیا اور فلیٹ وڈ کے اختیارات بھی ۶ ارکان کو شریک بنا کے برائے نام باقی رکھے۔ دوسرے دن لیمبرٹ فوج لے کے ویسٹ منسٹر پہنچا اور اس "بقیہ پارلیمنٹ" کے ارکان کو ایوان سے نکال باہر کیا۔ ان کی بجائے ایک مجلس تحفظ قائم کی گئی کہ ایک ذیلی مجلس کے آئین تیار کرنے تک ملک کا انتظام کرتی رہے۔ ذیلی مجلس کا صدر وین تھا۔

منک کا ورود فوج کی ان تمام کارروائیوں کو لڈلو اور منک ناپسند کرتے تھے۔ لڈلو کو پارلیمنٹ نے ہنری کروموِل کی بجائے آئرستان کا سپہ سالار نامزد کر دیا تھا اور وہ اہل فوج سے بحث و حجت کرنے خود لندن آیا مگر کوئی فوجی جمعیت ساتھ نہ تھی۔ بخلاف اس کے منک نے پارلیمنٹ کی حمایت کا اعلان کیا اور حملے کی تیاری کر کے انگلستان کی طرف بڑھا۔ اسے روکنے کی غرض سے لیمبرٹ نیوکاسل بھیجا گیا تھا مگر اس نے یہ کمزوری دکھائی کہ نامہ و پیام کر کے منک کو مہلت دے دی اور ادھر اُس کے

باب چہارم

عقب میں فیرفیکس نے جسے فوج کی حکمرانی سے نفرت تھی، یارک شر کی فوج بے قاعدہ کو جمع کیا اور اپنے سپاہیوں کو ترغیب دی کہ لیمبرٹ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ غرض لیمبرٹ کو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ نیوکاسل سے پسپا ہو جائے اور منک نے لندن کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں اسے جا بجا شواہد نظر آئے کہ اہل ملک فوج اور بقیہ پارلیمنٹ کی حکومت کل کل سے بالکل اکتا گئے ہیں اور آزاد پارلیمنٹ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن منک نے اپنی رائے کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اُس کا قول تھا کہ اگر میری قمیص کو بھی یہ خبر ہو جائے کہ میرے دماغ میں کیا ہے، تو میں قمیص کو جلا دوں گا۔ پھر لندن پہنچ کر اس نے خاموشی سے اپنی فوج اسی جگہ اتار دی جہاں سے پارلیمنٹ نے سابقہ لشکریوں کو خارج کیا تھا۔

طویل پارلیمنٹ اِدھر فلیٹ ووڈ کی درخواست پر بقیہ پارلیمنٹ نے پھر اجلاس شروع کر دئے تھے۔ منک نے اُنھیں ارکان کی خدمت و اطاعت پر عاجزانہ آمادگی ظاہر کی اور اس روش کو دیکھ کر ہیزل رگ وغیرہ جمہوریت پسندوں کو جرأت ہوئی کہ اسے اہل لندن سے لڑا دیں۔ کیونکہ ان کے مخالف پریس بی ٹری فرقے کا بڑا مرکز لندن ہی تھا۔ وہاں کی شہری پنچائت نے اس عذر پر کہ بقیہ پارلیمنٹ میں لندن کا کوئی مبعوث نہیں ہے، محاصل کا ادا کرنا اس وقت تک موقوف قرار دیا تھا جب تک کہ خالی نشستیں معمور نہ کر دی جائیں۔ لہذا بقیہ پارلیمنٹ نے منک کو حکم دیا کہ ازرہِ سزا لندن کے دروازے منہدم کر دے۔ منک نے تعمیل تو کی مگر اس احمقانہ فعل کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ یہ بقیہ پارلیمنٹ زیادہ دن نہیں چل سکتی اور اب اس نے بھی لندن والوں کی ہمنوائی میں آزاد پارلیمنٹ کا مطالبہ کیا۔ اس کا اعلان فیصلہ کُن ثابت ہوا۔ یہی مطالبہ جب عوام کی طرف سے پیش ہوا تھا تو اسے دیر تک ٹھکرا دینا ممکن تھا مگر جب ایسے شخص نے اسے پیش کیا جس کی پشت پر فوج تھی، تو اُسے مسترد کرنا سہل نہ تھا۔ غرض ۱۶۴۸ء میں پرائڈ نے جن ارکان کو نکال دیا تھا۔ وہ سب واپس بلائے گئے اور کثرت رائے سے پارلیمنٹ فسخ کر دی گئی۔ منک سپہ سالار اور مونٹیگیو امیر البحر مقرر ہوا۔ لیمبرٹ کو قلعۂ لندن میں اور وین کو قلعۂ کیرس بُروک میں قید کر دیا گیا۔ اس طرح طویل پارلیمنٹ جو ۱۶۴۰ء سے چلی آتی تھی، ختم ہوئی اور کوئی بیس برس کے بعد لوگوں کو عام انتخابات میں پھر اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع میسر آیا۔ مگر نئی پارلیمنٹ بادشاہی حکم ناموں کے ذریعے طلب نہیں کی گئی تھی لہذا اسے پارلیمنٹ کی بجائے اجتماع (کونونشن)

کہتے تھے اگرچہ ارکان کا انتخاب کروم ویل کے بنائے ہوئے حلقوں کی بجائے قدیم شاہی عہد کے حلقوں ہی سے عمل میں آیا تھا۔

"اجتماع"

۲۵ر اگست کو اس اجتماع کا جلسہ ہوا۔ اس کے ممتاز ارکان یا پریسبی ٹیرین تھے یا شاہ پسندوں کی آل اولاد تھے آزاد جماعت کی تعداد ملک میں اپنی آبادی کے تناسب سے بھی کم تھی۔ ایسی قطعی اکثریت کے مقابلے میں ہیزل رگ اور لڈلو کی کچھ نہ چل سکی۔ یہ بڈھا شاعر چکا تھا۔ لیمبرٹ قید سے نکل بھاگا اور سرکشی اختیار کی مگر بالکل ناکامی نصیب ہوئی۔ اجتماع نے فیرفیکس و مینچسٹر کی بھی نہ سنی جو نوجوان چارلس سے کچھ شرطیں کرانی چاہتے تھے بلکہ بلا تامل اس سے واپس آنے کی درخواست کی۔ کچھ مدت سے منک اس کے ساتھ خط وکتابت کر رہا تھا مگر یہ بات صاف طور پر معلوم نہ ہو سکی کہ وہ بادشاہی کی بحالی کو کب سے ناگزیر سمجھنے لگا تھا۔ بحیثیت سپاہی کے اس کا اصول بلیک کی طرح یہ تھا کہ جس کی تنخواہ پائے بلا چون و چرا اس کا حکم بجا لائے لیکن رچرڈ کروم ویل کی اور پھر طویل پارلیمنٹ کی نااہلی دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ دولت عامہ یا محافظت کا قائم رکھا رہنا بالکل بے سود ہو گا۔ اور اس کا ذاتی رجحان بادشاہی کی طرف تھا پھر وہ آسانی سے اس کی بحالی پر آمادہ ہو گیا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر قومی جذبہ نے دولت عامہ کا خاتمہ کرایا، غالباً یہ سمجھا گیا کہ پیوریٹن فرقے کے پرجوش افراد سب کو اپنی رائے کے مطابق معاشرت اور اخلاق کے اصول پر چلانا چاہتے تھے۔ تھیٹروں سے ناٹک دکھانے کی موقوفی، دیہات کے ناچ کھمبوں (مے پولز) کا کٹوا دینا، اتوار کے رسوم کی پیوریٹن سختی کے ساتھ پابندی وغیرہ ایسی باتیں تھیں کہ ہزاروں آدمی جنھیں لاڈ اور چارلس سے شاید اتنی ہی نفرت ہو گی جتنی خود اولیور کروم ویل کو تھی اور جو طرز حکومت کی ذرا بھی پروا نہ رکھتے تھے، وہی اب بادشاہی کی بحالی کی دعائیں مانگتے تھے۔ ہر گروہ کے عملی افراد کو نظر آ گیا کہ امن اور قاعدے کے ساتھ حکومت چلانی ہے، تو خاندان اسٹوارٹ ہی کو دوبارہ لانا ہو گا۔ چنانچہ ملٹن نے اگرچہ رسالے پر رسالے چھاپا جن میں جمہوریت کے اصلی اور نظری فوائد کی ترغیب تھی لیکن ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی گئی۔

باب چہارم

مشہور سنین

تسخیر ڈروگھیڈا	سنہ ۱۶۴۹ء
معرکۂ ڈنبار	سنہ ۱۶۵۰ء
" ورسٹر	سنہ ۱۶۵۱ء
ھلنڈیزی جنگ	سنہ ۱۶۵۲-۵۴ء
بقیہ پارلیمنٹ کا اخراج	سنہ ۱۶۵۳ء
"آلۂ حکومت" " "	سنہ ۱۶۵۳ء
"عاجزانہ معروضہ اور رائے"	سنہ ۱۶۵۷ء
معرکہ ڈیونز	سنہ ۱۶۵۸ء
کرومویل کی وفات	سنہ ۱۶۵۸ء



باب پنجم

چارلس دوم ۱۶۶۰ء تا ۱۶۸۵ء

ولادت: ۱۶۳۰ء۔ ازدواج باکیتھرائن ۱۶۶۲ء۔

معاصرین:- فرانس .... لوئی چہاردہم
ہوئینڈ .... ولیم (آف اورینج)
اسپین .... چارلس دوم

۲۵ رمئی کو چارلس دوم ڈوور پر اُترا اور ۲۹ رکولندن میں داخل ہوا جو اس کی تیسویں سالگرہ کا دن تھا۔ جب سے وہ ورسٹر سے فرار ہوا، اس کی زندگی کبھی فرانس کبھی جرمانیہ میں باہر ہی گزری۔ اور فرانسیسی یا ولندیزی عزیزوں کی خیرات یا انگلستان کے شاہ پسندوں کی قلیل امداد پر بسر اوقات کرتا رہا۔ خلقتاً وہ بہت دانشمند آدمی تھا اور گردش لیل ونہار نے اسے اشخاص واشیا کے بہت کچھ سبق سکھا دئے تھے۔ وہ قابلیت میں باپ سے زیادہ اور تجربے میں دادا سے بڑھ کر تھا اور یہ عزم بالجزم کر کے آیا تھا کہ "اب کبھی پردیس کی صورت نہ دیکھوں گا" لیکن اس ارادے کے ساتھ کہ اپنے سرمایۂ سلطنت کی بازی نہ لگائے گا، وہ یہ بھی نیت رکھتا تھا کہ جہاں تک حالات اجازت دیں گے

باب پنجم

اختیارات حاصل کرنے میں کمی نہ کرے گا، تاہم وہ اس بات کو خوب جانتا تھا کہ اس کے باپ نے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں رکھ کر بلکہ اپنی حکمت عملی کا کارندہ خود بن کر کیسا کچھ نقصان اٹھایا۔ لہذا وہ طے کرچکا تھا کہ گو زمام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے لیکن خود پس پردہ اور ذمہ داری وزیروں پر رہے۔ اور چونکہ اس کی بے تکلفی اور سادہ مزاجی دیکھکر اکثر لوگ اصلی سیرت کا اندازہ غلط لگاتے تھے، لہذا وہ مذکورۂ بالا منصوبے میں بہت کچھ کامیاب بھی ہوگیا۔

وزرا

تخت نشینی کے وقت چارلس نے اپنا خاص معتمد علیہ کلے رنڈن کو بنایا جو طویل پارلیمنٹ میں ایڈورڈ ہائڈ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی عمر اب ۵۱ سال کی تھی اور خاندان شاہی کی مصیبتوں میں بھی برابر اس کا ساتھ دیتا رہا تھا۔ اسے اب صدر اعظم کا عہدہ ملا۔ اس میں بڑا عیب یہ تھا کہ رسمیات کی غلامانہ پابندی کرتا اور اپنے جدید ماحول کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کی اندرونی حکمت عملی کا خاص منشا بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ قدیم مذہب کو از سر نو قائم کیا جائے اور بیرونی حکمت عملی، فرانس و پرتگال کی دوستی حاصل کرنے پر مشتمل تھی۔

فوج کی سپہ سالاری منک کو دی گئی اور وہ امیر کبیر ایلبے مارل کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ خود بادشاہ کا بھائی جیمس، شہزادہ یارک (جو آیندہ جیمس ثانی کے خطاب سے بادشاہ ہوا) صدر امیر البحر بنایا گیا اور مون ٹیگیو، جسے گذشتہ خدمات کے جلدو میں امارت سینڈوچ عطا ہوئی تھی، اس کا مددگار مقرر ہوا۔ شہزادہ روپرٹ بھی انگلستان واپس آگیا اور حسب ضرورت بحری یا بری جنگ میں کام کرنے پر تیار رہتا۔ منک اور موں ٹیگیو کے علاوہ سابقہ جمہوریت کے لوگوں میں صرف ایشلی کوپر کو بیرن ایشلی بنا کے وزیر مالیہ کی خدمت دی گئی۔ قدیم پریس بی ٹیرین سرگروہ یعنی منچسٹر اور ہولز کی تعریف و توصیف تو ہوئی لیکن کوئی اقتدار نہیں دیا گیا۔ فیرفیکس عقب ہی میں رہ گیا البتہ بوتھ کی لارڈ ڈلامیر کے خطاب سے عزت افزائی ہوئی۔

اعلان بریڈا

بریڈا سے انگلستان آتے وقت چارلس نے اجمالی طور پر جو وعدے کئے تھے ان میں یہ امور قابل ذکر ہیں (۱) ایک قانون عفو سب اشخاص کو جنھیں پارلیمنٹ نے مستثنی نہیں کیا تھا، جان مال اور آزادی معاف ہوگی (۲) ہر شخص کو

مذہبی آزادی حاصل ہوگی بشرطیکہ اس سے ملک کے امن میں خلل نہ پڑے (۳) زرعی املاک کے جملہ دعاوی کا فیصلہ پارلیمنٹ کرے گی۔ اور (۴) منک کی فوج کی ساری بقایا ادا کر دی جائے گی" علاوہ ازیں ایک اعلان شائع کیا گیا کہ شاہ سابق کے حکام عدالت اپنے تئیں حوالے کر دیں ورنہ انھیں لامحالہ عفوے عام سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا" اجتماع کا نام انتخاب مکرر کے بغیر، اب پارلیمنٹ ہو گیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے انھی مواعید پر غور ہوا اور اس نے سب سے اول دولت عامہ اور خانہ جنگی کے عہد کے جملہ قصوروں کے

قوانین عفو و نسیان

متعلق ایک قانون عفو و نسیان نافذ کر دیا۔ تاہم شاہ کش اور خاص خاص مجرم اس معافی میں شامل نہیں تھے لیکن کروم ویل، آئرٹن بریڈشا اور پرائڈ مر چکے تھے۔ لڈلو بھاگ گیا تھا، ہنری مارٹن نے جدید اعلان کے بعد اپنے آپ کو حوالے کر دیا تھا۔ یہی سب سے ممتاز شاہ کش تھے اور گو مرنے والوں سے انتقام لینے کی کوئی صورت نہ تھی، بایں ہمہ ان کی قبریں کھود کر لاشیں ٹائبرن میں سولی پر لٹکا کر دل ٹھنڈا کر لیا گیا۔ مارٹن نے اعلان شاہی کی تعمیل کی تھی اور بقول خود۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ کا حکم مانا اور امید تھی کہ ایسا کرنے پر سزا نہ پائے گا، چنانچہ اس کی جاں بخشی کر دی گئی اور وہ ۱۶۸۰ء میں حالت قید میں بمقام چیپس ٹو کاسل فوت ہوا باقی مجرموں کی تحقیقات کے لئے ایک عدالت خاص مقرر ہوئی جس میں پرس بی ٹری سرگروہ، بنچسٹر اور ہولز اور منک، مونٹیگیو اور ایشلی شامل تھے۔ انھوں نے ہیری سن وغیرہ نو اشخاص کو مجرم قرار دیا جن میں کروم ویل کا امام ہیو پیٹرز اور دو فوج رکاب کے سردار، نیز عدالت کا مختار رگ، بھی تھا ان سب کو پوری وحشت و سفاکی سے ایذا دے دے کر مروا یا گیا۔ ہیزل رگ اور لین تھال کو ہمیشہ کے لئے عہدے کا نااہل قرار دیا گیا۔ دولت عامہ کا زمانہ ساز وکیل وہائٹ لاک کسی چیرسی کا شکار ہوا۔ ملٹن کی دار و گیر میں آنے سے بمشکل جان بچی" ایک سال بعد لیمبرٹ اور وین پر غداری کا مقدمہ چلا۔ یہ لوگ شاہ کش نہ تھے اور جو کچھ انھوں نے کیا اس کے جواز میں ہنری ہفتم کا قانون پیش کرتے تھے کہ جو شخص عملاً بادشاہ ہو، اس کے ماتحتوں سے آئندہ محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ عملاً بادشاہ کی تعریف میں وہ سلسلہ حکومت کو داخل کرتے تھے۔ لیکن حکام عدالت نے ان کے خلاف فیصلہ کیا۔ اور ایک حاکم نے کہا کہ گو ہم وین کی بات کا جواب نہ جانتے ہوں،

باب پنجم

یہ ضرور جانتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا عمل ہونا چاہئے غرض لیمبرٹ کو حبس دوام اور وین کو موت کی سزا ملی ان میں لیمبرٹ خاصا قابل آدمی تھا یہ سجع اسی کا طبعزاد ہے کہ۔

("The best of men are but men at their best")

مگر وہ کچھ کہرا اور خود نمائی سے خالی نہ تھا۔ بخلاف اس کے وین، شوریدہ مزاج سیاسی ہونے کے باوجود، اوصافِ ذاتی کے اعتبار سے اپنے عہد کے بہترین انگریزوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہ تمام زندگی اور مرتے دم تک مذہبی رواداری اور جمہوری صفات کے بہترین معیار پر برابر قائم رہا اور اسی لئے جب وہ مرا تو کسی نے بجا طور پر یہ کہا کہ اس شخص کی موت سے بادشاہ کو جو نقصان پہنچا، وہ مدت دراز تک پورا نہ ہو سکے گا۔ بہرحال، اس قسم کے دوسرے انقلابات سے مقابلہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ چارلس کی بدولت انگلستان میں عود ملوکیت کا دور حیرت انگیز طور پر کشت و خون کے واقعات سے بری رہا۔

ضبط شدہ اراضی اور محاصل

ضبط کی ہوئی اراضی کا معاملہ بہت پیچیدہ ہو گیا تھا۔ شاہ پسندوں کی بہت سی زمینیں فروخت کر دی گئی تھیں اور بہت سی ان لوگوں نے ضبطی کے خوف سے خود بیچ دی تھیں۔ تاہم بڑا حصہ ان کے قبضے میں بحال رہا اگرچہ انھیں بہت بھاری تاوان ادا کرنے پڑتے اور وہ "معاند" کے نام مخصوص کر دئے گئے تھے۔ کوئی ایسا قاعدہ نہ بن سکا کہ جس کا تمام مقدمات پر عمل ہو سکتا لہذا ان سے کہہ دیا گیا کہ اپنے اپنے معاملے کے لئے عدالت میں رجوع کریں اور اس کا نتیجہ اُن کے حق میں کچھ بہت مفید نہ ہوا۔ حتیٰ کہ شاہ پسندوں کی اسی کس مپرسی کی بدولت لوگوں نے دلگی سے کہنا شروع کیا تھا کہ پارلیمنٹ نے قانون عفو بادشاہ کے دشمنوں کے واسطے اور (قانون) نسیان خیر خواہوں کے لئے نافذ کیا ہے۔

طویل پارلیمنٹ، قدیم جاگیری ملکیت کو ایک حکم نامے کے ذریعے منسوخ کر چکی تھی۔ اجتماع نے اس حکم نامے کی توثیق کر دی۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں ملکیت ارضی کی پانچ قسمیں ہوتی تھیں۔ (۱) جاگیری (۲) عوض خدمات (۳) شاملات (۴) کتابی (=کوپی ہولڈ) (۵) شکمی۔ پہلی قسم کے پٹے میں کاشتکار کو جاگیرداری رسوم ادا کرنے کے علاوہ شادی اور توریث میں بھی جاگیردار یا بادشاہ کا پابند ہونا پڑتا تھا۔ اور گو ۱۶۶۰ء میں اس قسم کی جملہ اراضی کے عوض میں دو لاکھ پونڈ سالانہ لے کر ان حقوق سے ہاتھ اٹھا لیا گیا۔ لیکن اب

اجتماع نے ایک اور قانون منظور کیا کہ آیندہ یہ سب جاگیرداری پٹے ''پٹے عوض خدمات'' ہوجائیں گے اور اس سے سرکار کو جو نقصان ہوگا وہ کاشتکاروں کی بجائے پورا ملک جدید محصول آبکاری، کی صورت میں ادا کرے گا جس کا تخمینہ اس زمانے میں تین لاکھ پونڈ سالانہ کیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ سربراہی کے حق سے حکومت نے ہاتھ اٹھالیا۔ لیکن ایک جدید اور مستقل محصول کے مقابلے میں تکلیف سے جو وقتی اور مقامی ہوا کرتی تھی، نجات ملنی کچھ کافی تلافی نہ تھی۔ دوسرے جاگیرداری زمینداروں نے اس بوجھ کو بھی اپنے کتابی پٹہ داروں کے کندھے پر ڈال دیا جو ابھی تک جاگیرداروں کے پنجے میں بہت کچھ اسی طرح پھنسے ہوئے تھے جیسے پہلے جاگیرداری کسان یا رعایا۔

فوج اس کے بعد پارلیمنٹ فوجی مسائل پر متوجہ ہوئی۔ بغاوت کا حفظ ماتقدم کرنے کی غرض سے طویل پارلیمنٹ نے شہر پناہوں اور قلعوں کو تڑوانے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم بحال رکھا گیا اور صرف آکسفرڈ، یارک اور چیسٹر کے باوفا شہروں کو اپنی فصیلیں قائم رکھنے کی اجازت ملی۔ فوج بے قاعدہ اور قلعوں کے متعلق بادشاہ سے جھگڑے نے ہی خانہ جنگی کی نوبت پہنچائی تھی۔ لہٰذا ان دونوں کو بلاچون وچرا بادشاہ کے حوالے کردیا گیا۔ دو باقاعدہ لشکروں اور چند مقامی دستوں کو جن کی مجموعی تعداد پانچ ہزار جوان ہو، رہنے دیا گیا مگر ان میں بھی ایک تو جدید بادشاہی رسالۂ رکاب تھا اور دوسری فوج منک کی ''کولڈ اسٹریم گارڈز'' تھی اور شاہی توپ خانے کے ساتھ مل کر انھی سے برطانیہ کی فوج باقاعدہ کا ابتدائی خاکہ تیار ہوا۔ سرداروں کو خدمات براہ راست بادشاہ کے حکم سے دی جاتی تھیں اور جوانوں کی بھرتی بلاجبر، خود ان کی مرضی سے ہوتی تھی۔ فوج کی وردی کا رنگ مردیک اور ویلنز کے محمندوں کی وردی کے مطابق قرمزی رکھا گیا تھا کرومویل سابقہ افواج کی اسلحہ کشائی اور نئی فوج کی ترتیب کا کام منک کے سپرد ہوا اور اس نے یہ خدمت بڑے سلیقے سے انجام دی یعنی برطرف شدہ سپاہیوں کے واسطے روزگار کا پورا انتظام کردیا جو اس بات کی بہترین سبیل تھی کہ ان میں ناراضی پیدا نہ ہونے پائے۔ نیز جو فوج مرتب کی اس کو سیاسی معاملات میں دخل دینے سے اسی قدر متنفر کرنے کی سعی کی جیسا کہ خود وہ بیزار تھا۔

ملکی ترقی میں ایک درجہ ایسا آتا ہے کہ پیشہ ور سپاہیوں کی باقاعدہ فوج رکھنا ضروری ہوجاتا ہے کیونکہ اول تو کسی متمدن قوم سے یہ امید رکھنی فضول ہے کہ جنگ کے وقت اپنے سب

باب پنجم

کاروبار چھوڑ کر فوجی خدمت قبول کرلے گی۔ دوسرے فن جنگ کے ترقی کر جانے سے یہ لازم ہوگیا ہے کہ سپاہی مستقل طور پر اس کی باقاعدہ تربیت حاصل کریں اور اگر وہ کوئی دوسرا پیشہ کرتے ہوں تو اس تربیت کے لئے کافی وقت نہیں مل سکتا۔ اب اگر یہ ضرورت اس وقت پیش آئے جب کہ ملک پوری طرح آئینی آزادی حاصل نہ کرسکا ہو تو بادشاہ کے اختیار میں فوج باقاعدہ کی زمام ہونا، قومی آزادی کے حق میں ایک مدت تک سخت مضر ثابت ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ فرانس میں، انگلستان کی دولت عامہ کے زمانے میں اور اسپین میں یہی ہوا۔ لیکن برطانیہ کے الگ تھلگ واقع ہونے کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ جس زمانے سے براعظم میں مستقل فوجیں رکھنے کی ضرورت پڑی، اس کے تقریباً دو صدی بعد تک برطانیہ اس ضرورت سے بچا رہا اور آخر میں جب مستقل فوج رکھی گئی تو اہل انگلستان کی آزادی محفوظ ہو چکی تھی۔ باوجود اس کے، چارلس دوم اور جیمس دوم کے زمانے کی فوج مستقل کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی کیا کیا خطرے تھے۔ بخلاف اس کے مستقل بیڑا رکھنے پر کوئی اعتراض نہ ہوسکتا تھا اور انھی دنوں بلیک نے جو فتوحات حاصل کیں، انھیں ہر فرقے کا انگریز قابل فخر و مباہات سمجھتا تھا۔ بیڑے کا انتظام امیر کبیر یارک اور سینڈوچ کے تفویض ہوا اور پیٹ اور پیپس ان کے مددگار تھے پیٹ مشہور و معروف جہاز ساز گزرا ہے اور سیموئل پیپس نے امارت بحری کے حسابات کی درستی میں جو عرق ریزی کی وہ تو اتنی مشہور نہیں مگر اپنے ظریفانہ روزنامچے کی بدولت خوب شہرت حاصل کی۔ القصہ بیڑے میں کسی تخفیف یا برطرفی کی ضرورت نہ پڑی اور جس طرح من چلے جہاز نیسبی کا نام بدل کر رائل چارلس رکھا گیا، اسی طرح دولت عامہ کے ملاح بے تکلف جدید بادشاہی کی بحریہ میں شامل ہوگئے۔ رہا کلیسا، تو اس بارے میں عود شاہی کی اجتماعی پارلیمنٹ نے کوئی رد و بدل نہ کیا جس کا سبب غالباً یہ تھا کہ پرسبی ٹیری کا اس میں بہت زور تھا اور اصلاح چاہنے والوں کو کسی دوسرے موقع کا انتظار کرنا پڑا۔ دسمبر سنہ ۱۶۶۰ء میں وہ اجتماعی پارلیمنٹ برخاست ہوئی اور ۱۶۶۱ء میں تازہ انتخابات عمل میں آئے۔ سابقہ خیالات سے ملک میں اتنی شدید رجعت پیدا ہوئی تھی کہ نئی پارلیمنٹ میں بہت کم پرسبی ٹیری منتخب ہو سکے۔ حتیٰ کہ اس پارلیمنٹ ہی کو "بادشاہ پسند پارلیمنٹ" کہا جانے لگا تھا۔ یہ لوگ انتقام کا اس قدر جوش رکھتے تھے کہ حکومت بہ مشکل انھیں سابقہ پارلیمنٹ کے قوانین عفو و جان بخشی منظور کرنے کی ترغیب دے سکی۔

باب پنجم

کلیسا کی بحالی

بہرحال، طویل پارلیمنٹ کے جملہ قوانین جنھیں بادشاہ امرا اور عوام کی متفقہ منظوری نہ ملی تھی طاق نسیاں پر رکھ دئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسائے انگلستان کو پھر وہی حیثیت حاصل ہوگئی جو بیس برس پہلے تھی۔ وہ اسقف جن کے دارالامرا سے خارج کرنے کی خود چارلس اول منظوری دے چکا تھا، پارلیمنٹ کی رائے سے پھر اپنی رکنیت پر سرفراز ہوئے کلیسا کی ساری املاک واگذاشت کی گئی اور اسی میں ڈرہم کی خانقاہ کی وہ اراضی بھی واپس ہوئیں جنھیں ضبط کر کے کروم ویل نے شمال میں ایک نئے جامعہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ البتہ یہ مسئلہ طے ہونا باقی رہ گیا کہ آیا سابق کی نسبت اور پروٹسٹنٹ افراد بھی کلیسا میں داخل کر لئے جائیں۔ اور دوسرے یہ کہ جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ، کلیسائے انگلستان کے قواعد وضوابط کی پیروی سے انکار کرتے ہیں، ان کی حیثیت کیا ہو؟ یہ خیال ہوسکتا تھا کہ چارلس جیسے پرس بی ٹری فرقے کے شاہ پسندوں سے اتحاد واعانت کی بدولت تخت سلطنت نصیب ہوا تھا، ان کی حمایت اور بہتری کے واسطے کچھ نہ کچھ کرے گا۔ لیکن وہ دل میں پکا کیتھولک تھا اور لوگوں نے اسے یہ بھی کہتے سنا کہ "پرس بی ٹری عقیدہ کسی بھلے آدمی کا مذہب نہیں ہوسکتا" غرض اس نے اعتنا نہ کی اسقفی فرقہ پہلے ہی معاند تھا۔ پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں کو خود خواہش نہ تھی کہ کوئی فرقہ بندی کی ایسی جامع تجویز عمل میں آئے جس کے باعث اُن کے بہت سے افراد دوسری طرف چلے جائیں اور وہ کمزور ہوجائیں۔ بارہ اسقفوں اور بارہ پرس بی ٹری علما میں سیوائے پیلیس میں ایک جلسہ مشاورت ضرور ہوا لیکن کسی فریق کو بھی مل جانے کی آرزو نہ تھی، لہٰذا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ جلسے کے شرکا میں کیلمی اور بیکس ٹر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ پادریوں میں سے جو اُس وقت برسرِ خدمت تھے، کن کو بحال رہنے دیا جائے؟ ان معاش داروں کی چند قسمیں تھیں: (۱) وہ، جو ۱۶۴۲ء سے پہلے کے تھے۔ (۲) وہ جو ۱۶۴۲ء کے بعد اسقفیت پسندوں کی جگہ مقرر ہوئے اور وہ برطرف شدہ اسقفیت پسند پادری ابھی تک زندہ تھے (۳) پرس بی ٹری پادری جو اس فرقے کے غلبے کے زمانے میں مقرر ہوئے۔ اور (۴) پرس بی ٹری، آزاد، اصطباغی وغیرہم جنھیں آزاد خیالوں کے دور میں مقرر کیا گیا۔ ان میں سے اکثر اشخاص اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، لیکن اسقفوں نے ان کو پادری نہیں بنایا تھا اور نہ وہ کتاب الصلوٰۃ

باب پنجم

استعمال کرنے پر آمادہ تھے۔ لہٰذا کلیسا انھیں بحال رکھنے کا روادار نہ ہو سکتا تھا کہ غرض "ایک قانون یکسانی" نافذ کیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ معاشندار پادری لازماً اسقفوں کے تسلیم کردہ ہوں۔ وہ شریعت کی پابندی کا حلف اٹھائیں جس سے کلیسائی قوانین کی پابندی مراد تھی۔ اور یہ کہ صرف کتاب الصلوٰۃ کو استعمال کریں جو اسی سال نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع کردی گئی تھی۔ علاوہ ازیں ان پادریوں کو معاہدہ کلیسائی میثاق اور "اتحاد و اثق" سے دست برداری اور یہ اعلان کرنا بھی لازمی قرار پایا کہ آئندہ کسی عذر سے بھی بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھانا مباح نہ سمجھیں گے۔ پھر جن لوگوں نے یہ شرطیں نہ مانیں وہ اپنی خدمات سے برتھول میو کے تہوار ۱۶۶۲ء کے دن معطل برطرف کردئیے گئے اور یہ تاریخ بڑی ذہانت سے انتخاب کی گئی تھی کہ ان پادریوں کو سالانہ عشر وصول کرنے کا موقع نہ ملے جو تھوڑے ہی دن بعد وصول ہوا کرتا تھا۔ اس بارے میں کلیسائی اور غیر مقلدوں کا سخت اختلاف ہے کہ مذکورۂ بالا قانون کے باعث کتنے اور کس قابلیت کے پادریوں کی علیحدگی عمل میں آئی۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ وہ دو ہزار سے کچھ بہت کم نہ تھے اور بلا شبہ ان میں بہت سے اشخاص صاحبِ علم و تقویٰ تھے۔ تاہم کلیسا کی اس کامرانی کے یہ معنی نہ تھے کہ لاڈ کا نظام پوری طرح بحال ہو گیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کلیسائی عدالتیں، جن پر لاڈ بہت زور دیتا تھا، جدید دور میں بھی قائم نہ ہوئیں اور اسی زمانے سے اسقفوں نے عموماً ملکی معاملات میں حصہ لینا موقوف کر دیا۔ دوسرے وزرائے شاہی بتدریج پارلیمنٹ کے زیر حکم آگئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسقفوں کا تقرر ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا جو قوم کی کثرت رائے کے مطابق کام کرتے تھے۔ مزید برآں غیر کلیسائی اشخاص کی نگرانی قائم رہی جس سے معاشندار پادریوں کے دنیادار بھائیوں کے ساتھ ربط ضبط میں فرق نہ آیا۔ مختصر یہ کہ اس پُرجوش مگر کج راے صدر اسقف (= لاڈ) کے خیالات کا اثر عہد جدید میں اگر کچھ باقی رہا تو وہ صرف ظاہری حرمت اور مذہبی مراسم کی باقاعدگی میں نظر آتا تھا۔ یہی ۱۶۶۲ء کلیسا اور اہل اختلاف کے حتمی تفریق کی تاریخ سمجھا جاتا ہے۔

بلدیات

کلیسائی خدمات اور معاشوں کا اہل کلیسا کو واگذاشت کر دینا بے جا اور بلا وجہ نہ تھا لیکن پارلیمنٹ کی دوسری کارروائی کی توجیہ سوائے اس کے کہ وہ خوف زدہ ہو گئی، اور کسی طرح ممکن نہیں۔ شاہ پسندوں کو اس زمانے میں سب سے زیادہ

جس شئے کا فکر لاحق رہتا تھا، وہ یہ تھی کہ کرومویل کے سپاہی بلا استثنا غیر مقلد فرقوں کے لوگ تھے۔ اور جس وقت تک ان میں کام کرنے کی قوت اور صلاحیت تھی، اس وقت تک ایسے اشخاص کی ہر جماعت آئندہ بغاوت و سرکشی کا منبع بن سکتی تھی۔ پھر یہ کہ وہ بلدیات جن میں ان لوگوں کی تعداد غالب تھی، نہ صرف اپنے ہم خیالوں کو مبعوث منتخب کر سکتے تھے، بلکہ بغاوت کی صورت میں بہت کچھ مقامی مزاحمت اور خلفشار کا باعث ہو سکتے تھے۔ جن پادریوں کو نکالا گیا، ان میں سے اکثر اپنے متبعین کو کسی گھیر یا بڑے کمرے میں جمع کر کے برابر مذہبی وعظ و تلقین کرتے رہے جیسا کہ دولت عامہ کے دور میں شاہ پسند پادریوں کا دستور تھا۔ نظر بر ایں عہد شاہی کی پارلیمنٹ نے اس کا سد باب کرنے کی غرض سے کرومویل کی تقلید میں قانون اجتماع (مجریہ ۱۶۶۴ء) نافذ کیا جس نے گرجا کے سوا اور ہر جگہ نماز و عبادات کے لئے لوگوں کے مجتمع ہونے کو ناجائز قرار دیا۔ پھر ۱۶۶۵ء میں کرومویل کے ایک اور جابرانہ قانون کی تجدید کی (دیکھو صفحہ ۵۰۷) کہ "قانون پنج میل" نافذ کیا جس کی رو سے برطرف شدہ پادریوں کو، تاوقتیکہ وہ حسب قانون یکسانی بادشاہ کی مخالفت نہ کرنے کا حلف نہ اٹھائیں، بلدیات والی بستیوں سے پانچ پانچ میل کے فاصلے تک سکونت اختیار کرنے سے روک دیا۔ نہ اس بات کی اجازت دی کہ وہ سرکاری یا خانگی مدرسے میں تعلیم دے کر اپنی گذر اوقات کی سبیل کر سکیں۔ ان غیر مقلد فرقوں کی (جن میں پریسبی ٹیرین، آزاد، اصطباغی اور کویکر زیادہ ممتاز تھے) سیاسی قوت زیادہ تر چھوٹے قصبات میں تھی۔ اسی کو توڑنے کی غرض سے ۱۶۶۱ء میں قانون بلدیات وضع ہوا جس نے ہر بلدی عہدہ دار پر واجب کر دیا کہ میثاق سے تبری کرے اور عشائے ربانی میں کلیسائے انگلستان کی مقررہ رسوم کے مطابق شریک ہو۔ یہ چار قوانین بعض اوقات مجموعہ ضوابط کلیرنڈن کہلاتے ہیں۔ وہ جذبات جو انھیں وضع کرنے کے محرک ہوئے، بالکل انھی کے مماثل تھے جن کی وجہ سے پہلے کرومویل نے شاہ پسندوں کے ساتھ طرح طرح کی سختی روا رکھی اور انھیں دولت عامہ کے مبعوث منتخب کرنے میں رائے دہندگی سے باز رکھا تھا۔ لیکن جمہوریت پسندوں اور شاہ پسندوں کے ان قوانین کا مقابلہ کرنے سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ گو نوعیت دونوں کی یکساں تھی، تاہم مذہبی اختلاف کی بنا پر جور و تعدی کا جوش دھیما پڑتا جاتا تھا اور آزاد خیالوں اور بعد کے اسقفیت پسندوں نے جو جابرانہ احکام نافذ کئے ان کی تہ میں مذہب سے بڑھ کر سیاسی اغراض مضمر تھیں۔

باب پنجم

معاملات خارجہ

۱۶۵۹ء میں فرانس و اسپین کی بروے صلحنامہ پی رے نیز صلح ہوئی تو لوئی چہاردہم شاہ فرانس یورپ میں سب سے طاقتور فرماں روا ہوگیا اور اس کی مزید کشورستانی کے پرہوس منصوبوں نے کمزور سلطنتوں کو بڑے خطرے میں ڈال دیا۔ بایں ہمہ کلیے رنڈن بیرونی ممالک میں کروم ویل کی اسی ناعاقبت اندیشی کی روش پر چلتا رہا کہ اسپین سے دشمنی اور فرانس سے دوستی قایم رہے۔ اسی حکمت عملی کے مطابق چارلس نے ۱۶۶۲ء میں شاہ پرتگال کی بہن کیتھرائن (دبرگنزی) سے شادی کرلی کیونکہ پرتگال ۱۵۸۰ء سے متحد رہنے کے بعد ۱۶۴۰ء میں اسپین سے باغی ہوگیا تھا۔ شادی میں چارلس کو ۳½ لاکھ پونڈ کا مال اور زر نقد، جزیرہ بمبئی، اور شمالی افریقہ کے ساحل پر طنجہ جہیز میں ملا۔ طنجہ کی خاص اہمیت یہ تھی کہ بحر روم یا قادص کی بندرگاہ میں چلنے والے جہازوں کی وہاں سے بخوبی نگرانی ہوسکتی تھی۔ اور جزیرہ بمبئی کے ہاتھ آنے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک نوآبادی کا مقام مل گیا جہاں رہ کر تجارت کو خوب ترقی دی جاسکتی تھی۔ اور چارلس بھی اپنے خاندان کے دوسرے بادشاہوں کی مثل توسیع تجارت کا بہت دلدادہ تھا۔ ۱۶۶۲ء کے اخیر میں کلیے رنڈن نے ڈنکرک کو فرانسیسیوں کے ہاتھ فروخت کردیا حالانکہ یہ بات کروم ویل کی منشا سے کوئی مناسبت نہ رکھتی تھی جو فرانس کی دراز دستی روکنے میں اس بندرگاہ کی قدر و قیمت بخوبی جانتا تھا۔ دوسرے اسے چھوڑنا ہی تھا تو بہتر ہوتا کہ اسپین والوں کو واپس دے دیا جاتا۔ لوئی چہاردہم نے اس کی قیمت صرف ۲½ لاکھ پونڈ کے قریب ادا کی اور یہ فروخت انگلستان میں اتنی نامقبول تھی کہ انھی دنوں کلیے رنڈن ایک نیا مکان تعمیر کررہا تھا یاروں نے اس کا نام ہی "ڈنکرک منزل" رکھ دیا۔

بادشاہ کی خانگی زندگی

ملکہ کیتھرائن بہت خوش مزاج اور نیک دل بیوی ثابت ہوئی اور چارلس کو اس سے اچھی زوجہ نہ مل سکتی تھی مگر بادشاہ کی شرمناک بداخلاقی اسے ملکہ کے محاسن دیکھنے ہی نہ دیتی تھی۔ وہ سب سے بڑھ کر باربرا پامر کا مفتون تھا جسے آخر میں کلیولینڈ کی شہزادی کا خطاب عنایت کیا اور جس سے اس کے متعدد بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جلاوطنی کے زمانے میں وہ لوسی والٹرز کے عشق میں اسیر تھا اور مشہور ہے کہ اس عورت سے امیر جیمز مون موتھ اسی کا ناجائز فرزند تھا۔ پھر کچھ مدت بعد وہ نیل گوئین اور لوئیز دی کیروآل کے حسن کا دیوانہ رہا۔ انھی عشق بازیوں میں ملکہ کی

باب پنجم

پرستش نہ ہوئی اور چونکہ نہ اس کے اولاد تھی نہ وہ انگلستان کے معاملات میں دلچسپی لیتی تھی لہذا وہ عوام کے گوشۂ خاطر سے بالکل محو ہو گئی۔ بادشاہ کا بیوی سے یہ برتاؤ دیکھ کر تمام سنجیدہ اشخاص سخت شرماتے تھے اور انھیں سخت صدمہ اس لئے ہوتا تھا کہ کرومویل کے عہد کے زہد خشک سے جو قدرتی رجعت پیدا ہوئی۔ اس عیش و ہوس رانی کی دوڑ میں خود بادشاہ سب کے آگے آگے تھا۔ ۱۶۶۰ء میں شہزادہ یارک کی کلے رنڈن کی بیٹی این ہائڈ سے شادی اور دو بیٹیاں میری اور این پیدا ہوئیں۔ چارلس اول کا ایک اور بیٹا شہزادہ گلوسٹر تھا مگر وہ عود ملوکیت کے بعد ہی کنوارا فوت ہو گیا۔

ولندیزی محاربات ۱۶۶۴ء میں ولندیزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ اس کا بڑا سبب وہی تجارتی اور استعماری رقابت تھی جس نے سابقہ جنگ کی نوبت پہنچائی۔ مزید سبب یہ پیدا ہوا کہ ولندیزی بلدی عمائد خاندان اورینج کو حکومت نہیں کرنے دیتے تھے اور خاندان کا سرگروہ شہزادہ ولیم، چارلس کا بھتیجا تھا۔ ہولینڈ کی اندرونی سیاسیات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ خاندان اورینج کے ہواخواہ تو انگلستان کا آسرا تکتے تھے اور بلدی عمائد کا گروہ فرانس کا دوستدار تھا۔ یہ باہمی مخاصمت اتنی سخت تھی کہ دان ٹرومپ کو اس کے بعض ناخداؤں کی تائید محض اس لئے حاصل نہ ہوئی کہ وہ خاندان اورینج کا طرفدار تھا۔ اسی طرح امیر البحر ڈی وٹ اور روئٹر جو فریق عمائد میں مقبول تھے ٹرومپ کے حامی جہازیوں کی نظر میں جگہ نہ پا سکے۔ بہرحال جنگ انگلستان کے سواحل اور نو آبادیوں میں جاری رہی اول اول غلبہ انگریزوں کو رہا اور سر روبرٹ ہومز نے نیو ایمسٹرڈیم کی نو آبادی (جو ورجینیا اور نیو انگلینڈ کی ریاستوں کے درمیان تھی) چھین لی اور اس میں انگریز بس گئے۔ اس کے صدر مقام کا نام بادشاہ کے بھائی اور صدر امیر البحر کے اعزاز میں **نیو یارک** رکھ دیا گیا۔

۱۶۶۵ء میں شہزادۂ یارک، شہزادہ روپرٹ اور امیر سینڈوچ نے **سفک** کے ساحل پر **لوئس ٹوفٹ** کے سامنے بڑی فتح پائی۔ ولندیزوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے ساحل سے جہاں تک ممکن ہو قریب رہ کر لڑیں کیونکہ ان کے جہاز انگریزی جہازوں کی نسبت سریع الحرکت تھے اور سواحل انگلستان کے قریب جا بجا ریگ کے پشتے واقع ہیں، ان سے بہت مدد لے سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس بات سے فائدہ اٹھایا لیکن انگریز جہازیوں نے نقل و حرکت میں بڑی ہنرمندی دکھائی اور ایسے موقع سے پہنچ گئے کہ ہوا ان کے رخ پر آ گئی اور پھر قطار باندھ کر حملہ آور ہوئے جس سے انھیں کامل فتح نصیب ہوئی۔ ولندیزی بحری سالار اوپ ڈم اور اس کے سارے جہاز اڑا دیے گئے۔ انگریزوں کا بھی ایک بہترین بحری سردار لاسن کام آیا۔

باب پنجم

یہ یارک شائر کا باشندہ اور چھوٹی سی ساحلی کشتی کی سرداری سے بڑھتے بڑھتے امارت بحر کے درجے تک پہنچا تھا۔ دوسرے سال سینڈوچ نے برگن میں ایک اور فتح حاصل کی اور ولندیزوں کے مصالحہ لانے والے بیڑے کا ایک جزو بھی چھین لیا۔ ولندیزوں کی ہزیمت اتنی سخت تھی کہ فرانسیسی اُن کی مدد کو آئے۔ لوئی کا اخلاقی فرض تھا کہ اپنے اتحادیوں کی اعانت کرے لیکن چونکہ دو بڑی بحری طاقتوں کے آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو تباہ کر لینے سے اس کا کچھ نہ بگڑتا تھا لہٰذا اس کے بیڑے نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا یا بہت کم لیا۔ برگن کے واقعے کے بیڑے کے حکام بدل دئے گئے۔ شہزادہ یارک کو تو اس حیلے سے کہ اس کی قیمتی جان جوکھوں میں نہ پڑے، وطن میں روک لیا گیا اور سینڈوچ پر روپیہ خورد برد کرنے کا الزام تھا، وہ سفیر بنا کے اسپین بھیج دیا گیا۔ ان کی جگہ روپرٹ اور منک مقرر ہوئے۔ اور جون میں منک نے بیجا جوش دلاوری سے بالکل ناکافی جمعیت کے ساتھ ولندیزوں پر حملہ کیا۔ اس کی نسبت کہا گیا ہے کہ "بزدل سے ایسی نفرت رکھتا تھا جیسی مینڈک سے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے اسے بری طرح رگیدا اور اگر روپرٹ بروقت نہ پہنچ جاتا تو سخت مصیبت پیش آتی بایں ہمہ جولائی میں وہ پھر سمندر میں نکلے اور اس بار ان کی کوششوں کا ثمر کامل فتح کی صورت میں ملا اور کم سے کم ڈیڑھ سو تجارتی جہاز ولندیزی ساحل پر انھوں نے جلا دئے۔

اب لوئی نے اپنے اثر سے ولندیزوں کو نامہ و پیام پر آمادہ کیا۔ خرچ کا انتظام کرتے کرتے چارلس کے حواس بگڑے جاتے تھے۔ لڑائی کے ظاہراً رک جانے سے اسے بھی موقع ملا کہ اپنا بیڑا چیتھم میں ٹھیروا دے۔ حفاظت کی غرض سے اس نے ڈمس بنوانے اور میڈوے کے راستے کو شہتیروں کی باڑ سے بند کرانے کا حکم دیا۔ لیکن یہ انتظام ابھی ہونے نہ پایا تھا کہ امیر البحر روئی ٹر ایک زبردست بیڑا لے کر ٹیمز میں آگھسا اور منک کو مارا مار بھیجا گیا کہ چیتھم کی مدافعت کرے۔ وہ پہنچا تو ہر طرف ابتری نظر آئی۔ کاریگروں کو اُجرت نہ ملی تھی اور وہ کام کرنا نہ چاہتے تھے۔ گودی کے اہلکاروں کو انگلستان کی عزت بچانے کی بجائے اپنی ذاتی اغراض کی پڑی تھی۔ غرض اس کی ساری کوشش و کاوش کے باوجود باڑ توڑ دی گئی اور ولندیزی بیڑے نے میڈوے میں گھس کر اس کی آنکھوں کے سامنے سارے جہازوں کو ان کی گودیوں میں جلا دیا اور رائل چارلس کو بطور غنیمت لے گئے۔ منک کو سخت صدمہ ہوا۔ غنیمت یہ ہے کہ پانی اُترتا دیکھ کر ولندیزی پیچھے ہٹ گئے اور منک نے بروقت توپ خانے تیار کر لئے کہ وہ دوبارہ دریا کے اندر نہ آسکیں۔ بہرحال اس واقعے سے ملک بھر

باب پنجم

سخت انفعال ہوا اور ہر چند عزت کے ساتھ صلح کی شرطیں طے ہو گئیں لیکن پارلیمنٹ نے اپنا سارا غصہ کلے رنڈن پر اُتارا کہ وہی انھیں اچھا ہدف نظر آتا تھا۔

چے تھم کے شرمناک واقعے کے علاوہ، اور اعتبار سے بھی کلے رنڈن سے قسمت نے یاوری نہ کی۔ ۱۶۶۵ء میں طاعونِ عظیم کا دورہ ہوا۔ ازمنۂ وسطی کے یورپی شہروں کی گندی گلیوں اور تنگ کوچوں کو جن خوفناک وباؤں سے وقتاً فوقتاً سابقہ پڑتا رہتا تھا، ان میں سب سے آخری وبا تھی۔ ۱۶۶۴ء ۱۶۶۵ء کی سردیوں میں شروع ہوئی اور جون ۱۶۶۵ء میں انتہائی شدت کو پہنچی۔ اکتوبر تک اس کی شدت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پھر گھٹنی شروع ہوئی لیکن دوسرے سال دیہات میں تباہی

طاعون اور آگ

پھیلاتی رہی اور ایک مدت کے بعد پوری طرح دفع ہوئی۔ اس تمام زمانے میں عجب طرح کی ابتری رہی کہ سب کاروبار بند ہو گئے۔ منک شہر لندن کا قلعہ دار مقرر کیا گیا تھا اور صرف اس کی استقامت اور امیر بلد اور خوشحال شہریوں کی خیر خیرات کا طفیل تھا کہ شہر میں قتل و غارت گری کی نوبت نہ آنے پائی۔ طاعون سے فقط لندن میں کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

اس بلا سے نجات ملے ایک ہی سال گزرا تھا کہ شہر کا بڑا حصہ آگ سے جل کے خاک ہو گیا۔ یہ خوفناک "آتش کبیر" ۲ ستمبر کو رات کے دو بجے لگی۔ آندھی کے طوفان سے اس کے شعلے آناً فاناً دور دور تک پھیل گئے اور تین روز تک پوری شدت کے ساتھ بھڑکتے رہے۔ اسی مدت میں تیرہ ہزار دو سو مکان اور ۸۹ گرجا جل گئے جن میں سینٹ پال کی شاندار غوطی وضع کی عمارت بھی شامل ہے۔ اور دو لاکھ اشخاص بےگھر ہو گئے۔ یہ آگ محض اتفاق سے ایک نان بائی کے گھر سے شروع ہوئی تھی لیکن لوگوں کو کیتھولک فرقے سے اتنی سخت بدگمانی تھی کہ اس کا بانی مبانی انھی کو قرار دیا اور آگ کی جو یادگار بنائی گئی اس کے کتبے میں بھی ان پر یہ تہمت کندہ کرا دی تھی اور ایک زمانے تک وہ کتبہ لگا رہا۔ بارے اس آگ نے طاعون کا رہا سہا اثر صاف کر دیا لیکن از سرِ نو مکانات بنانے میں کسی بہتر ترتیب یا نقشے کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور وہ انھی پرانے مکانات کی جگہ تعمیر ہونے چلے گئے البتہ سینٹ پال اور گرجوں کے از سرِ نو بنانے میں سر کرسٹوفر این کو جو اس زمانے کا مشہور معمار تھا، اصلاح کا موقع ملا اور اُس کے نقشے ان دنوں جو تعمیری وضع مروج تھی، اس کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔

کلے رنڈن کا عزل

اگرچہ چے تھم کی شکست و ذلت کا کلے رنڈن براہ راست ذمہ دار نہ تھا اور نہ، ظاہر ہے کہ طاعون اور آگ کا اس پر کوئی الزام تھا، بایں ہمہ ان حادثات سے اس کی

باب پنجم

وزارت اور بھی زیادہ نامقبول ہوگئی دوسرے اسے بادشاہ کی عیاشانہ زندگی ناپسند تھی لہذا بادشاہ بھی اس سے خوش نہ تھا چنانچہ اس کے خلاف شور مچا تو وہ فوراً اپنے عہدے سے برطرف اور سپرد عدالت کردیا گیا مگر مقدمہ شروع ہونے سے قبل ہی وہ بیراعظم میں چلا آیا اور زندگی کے باقی دن وہیں "تاریخ بغاوت کبیر" کی تکمیل میں صرف کئے جس کی ابتدا پہلی جلاوطنی کے زمانے میں کی تھی۔ اور ۱۶۷۴ء میں وفات پائی۔ منک (امیر کبیر البیمے مارل) ۱۶۷۰ء میں فوت ہوا جب سے چارلس واپس آیا، اس وقت دونوں میں نازک مواقع پر جہاں سلیقہ، ہمت، فرض شناسی کی ضرورت ہوتی۔ وہاں بادشاہ کی سب سے اچھی خدمت منک ہی انجام دیتا تھا۔ اور ان دونوں وفادار ملازموں کے رخصت ہوجانے کے بعد ہی سرکاری عہدہ داروں کی ایک نئی جماعت میدان میں آئی۔

اسکاٹ لینڈ کلیرنڈن وزارت میں اسکاٹ لینڈ اور آئرستان میں بعض اہم واقعات رونما ہوئے چارلس نے جنگ ورسٹر کے بعد سے اسکاٹ لینڈ میں جو کچھ ہوا تھا، اس سب کو خلاف قانون قرار دیا۔ انگلستان سے اس ملک کا اتحاد کالعدم قرار پایا اور اسکاٹ لینڈ میں بادشاہ کی طرف سے امیر مڈل ٹن حاکم اور امیر لاڈرڈیل معتمد شاہی مقرر ہوئے ان کے زیر اثر پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے جن میں سراسر شاہ پسند بھرے تھے۔ اس جماعت نے اعلان کیا کہ "وہ جملہ اشخاص اور معاملات میں بادشاہ سب سے مافوق ہے" جس کے بعد "قانون انقراضی" کے ذریعے ۱۶۳۳ء کے بعد کے جملہ قوانین منسوخ کردئے گئے جس سے جیمس اول کے کلیسائی قوانین اور قدیم جاگیرداری حقوق و امتیازات سب بحال ہوگئے۔ شاہ پسندوں کو خوش کرنے کی غرض سے آرجائل پر بظاہر تو ۱۶۵۱ء کے بعد کی غداریوں کی بنا پر، لیکن دراصل مونٹ روز کی موت کا بدلہ لینے کے لئے مقدمہ چلا اور موت کی سزا دی گئی۔ پریس بی ٹری فرقے کو خوفزدہ کرنے کے واسطے ان کے سب سے سرگرم اور صاف گو پادری گتھری سے بھی یہی سلوک ہوا اور قومی میثاق مرتب کرنے والے جانسٹن (آف وارس ٹن) کی جان محض اس لئے بچی کہ بر وقت فرار ہوگیا۔ اس فرقے کے لوگ تو اعلان بریڈا ہی کے خلاف احتجاج کر رہے تھے جس میں قبول توبہ کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ لیکن چارلس کو پارلیمنٹ نے اجازت دے دی تھی کہ کلیسائی انتظامات کا شریعت، سلطنت اور امن کی مصالح پیش نظر رکھ کر جس طرح مناسب جانے تصفیہ کردے۔ اور اس نے اسقفیت کے موافق فیصلہ کیا۔ میثاق کو جلاد کے ہاتھ سے آگ میں جلوایا اور فرقہ مذکور سے منحرف ہوجانے والے پادری شارپ کو سینٹ انیڈ روز کا صدر اسقف نامزد کیا جس سے پریس بی ٹری لوگوں میں کھلبلی پڑگئی۔ ان کے پادریوں کو سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ یا اپنی معاشیں چھوڑ دیں اور یا ایسی کلیسائی حکومت کے سامنے سر جھکائیں جس سے انھیں قلبی نفرت تھی۔ آخر

باب پنجم

یہی ہوا کہ ان کے تین چار سو علما نے معاشیں چھوڑ دیں اور اپنی جماعتوں کو پہاڑیوں کے دامن میں جمع کر کر کے وعظ و تلقین کرنے لگے اور اس طرح آئندہ جور و تعدی کے دور میں اہل میثاق کے جذبۂ دین و استقامت کو قائم رکھا۔ مگر اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کو اپنی پسندیدہ مذہبی طرز حکومت سے محروم ہونے کے باوجود اتنا اطمینان ضرور رہا کہ ملکی آزادی بحال ہو گئی، انگریزی چھاؤنیاں اٹھ گئیں، منک کے تعمیر کردہ قلعے منہدم ہوئے اور خود ان کی اپنی ملکی مجلس یا پارلیمنٹ دوبارہ قائم ہوئی۔ البتہ اب وہ قوانین جہازرانی کے فوائد سے متمتع نہ ہو سکتے تھے اور تجارتی معاملات میں انگلستان اُن سے بھی غیر اقوام کا سا برتاؤ کرنے لگا۔

آئرستان

آئرستان میں بھی اسکاٹ لینڈ کی مثل ملکی اتحاد غیر قانونی اور کالعدم قرار پایا۔ نظر براین قدیم آئرستانی مجلس بھی دوبارہ وجود میں لائی گئی اور کلیسا کے وہی پروٹسٹنٹی اسقفی انتظامات بحال ہوئے۔ اور منٹ نائب شاہ بنا کے بھیجا گیا، اور اس نے زمینداری مسائل پر توجہ کی۔ سنہ ۱۶۴۱ء سے قبل آئرستان کی نصف کے قریب قابل کاشت اراضی پروٹسٹنٹوں کے اور باقی کیتھولک اور قدیم باشندوں کے پاس تھی۔ اس نصف کو بھی بغاوت کے بعد چھین کر آفاقیوں اور کرومویل کے سپاہیوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ آئرستانی اور شاہ پسند جنھیں وفاداری کی بدولت نقصان اٹھانا پڑا، اب وہ ان اراضی کی واگذاشت کے مدعی تھے لیکن فوجیوں کو بگاڑنا قرین مصلحت نہ تھا اور آفاقیوں کو خود چارلس اول کی ضمانت حاصل تھی۔ غرض ہر فریق کے دعاوی سن کر فیصلہ کیا کہ آفاقیوں کا قبضہ بحال رہے اور وفادار کیتھولک اور شاہ پسند گروہ والوں کو وہ ضبط شدہ اراضی دے کر مطمئن کیا جائے جو اس وقت تک تقسیم نہ ہوئی تھیں۔ مگر آخر میں ثابت ہوا کہ منک اور شہزادہ یارک سے جتنی جاگیر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، اس کے بعد اتنی اراضی نہیں بچتیں کہ ان دعوے داروں کی بھی پوری پڑے جن کی بے گناہی مسلم تھی۔ پس ایک اور "قانون صراحت" نافذ ہوا کہ آفاقی اور کرومویلی بطریق تلافی ایک تہائی اراضی واپس دیں۔ اور اسی بنیاد پر زمین کا تصفیہ بظاہر کچھ مدت کے لئے طے ہو گیا۔ اتحاد کے شکست ہوتے سے آئرستان قوانین جہازرانی کے فوائد سے محروم ہو گیا اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ نے انگریز کاشتکاروں اور خانہ داروں کی تائید کی غرض سے دیدہ و دانستہ وہ روش اختیار کی جس کا منشا آئرستان کو مفلس کر دینا تھا اور جو ۱۸۰۰ء کے قانونی اتحاد ہونے تک برابر جاری رہی۔ سنہ ۱۶۶۵ء میں اہل آئرستان کو انگلستان میں مواشی، گوشت اور مکھن تک بطور برآمد کے بھیجنے سے روک دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ ملک جسے قدرت نے چراگاہوں کے لئے بنایا تھا وہاں کے لوگوں نے مجبور ہو کر کاشت کاری کلیتہً اختیار کیا۔

باب پنجم

وزارت "کیبال"

کلے رنڈن کے عزل کے بعد پانچ اشخاص کو بادشاہ نے معتمد علیہ بنایا۔ ان کے نام، کلی فرڈ، آرلنگٹن، بکنگھم، ایشلی اور لاڈرڈیل تھے اور ان کے ناموں کے پہلے حرف سے لفظ "کیبال" بنتا ہے جسے غلطی سے اس لفظ کی وجہ تسمیہ سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ اس کی اصل ایک عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ٹکڑی یا جماعت کے ہیں انگلستان کی آئینی تاریخ میں یہ "وزارت خاص طور پر قابل مطالعہ ہے کیونکہ یہ الزبیتھ اور چارلس اول کے طرز اور جدید اصول وزارت کے درمیان کی کڑی ہے۔ عہد ماسبق میں ہر وزیر اپنے محکمے کا صرف بادشاہ کے سامنے منفرداً جواب دہ ہوتا تھا اور زمانۂ حاضرہ کا طریقہ جس کی ابتدا ولیم ثالث کے وقت سے ہوئی، یہ ہے کہ مجلس وزرا کے جملہ افراد منفردہ اور مشترکہ طور پر تمام نظم و نسق کے جواب دہ ہوتے ہیں۔ مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو وزارت کیبال میں ایسے عقائد کے وکیل بھی تھے، جو کلیسائے انگلستان کے دائرے میں شامل نہ تھے۔ کلی فرڈ جو آگے چل کے چڈلی کا بیرن بنایا گیا، علانیہ اور ہنبری بینٹ یا امیر آرلنگٹن دل میں پختہ رومن کیتھولک تھے۔ ایشلی خوشی خوشی طویل پارلیمنٹ اور کروم ول کے کلیسائی نظامات میں شریک ہوگیا تھا۔ بکنگھم البتہ اگر کچھ تھا تو کلیسائی تھا مگر لاڈرڈیل، میثاق اور اتحاد و اتفاق (سولیم لیگ) کی شرائط طے کرنے میں پیش پیش رہا تھا اور ۱۶۴۳ء میں خود میثاقی ہوگیا تھا۔ پانچوں میں سب سے بڑھ کر زور آور یہی تھا۔ بکنگھم وسیع قابلیت رکھتا تھا، ایشلی سب سے زیادہ لائق اور باقی دو سخت متعصب تھے۔ بہر حال جس طرح آئینی تاریخ میں کیبال، زمانۂ حاضرہ کی مجلس وزارت کا تخم تھی، اسی طرح مذہبی معاملات میں بھی وہ رواداری کا پیش خیمہ نظر آتی ہے۔

اتحاد ثلاثہ

کلے رنڈن کے عزل کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی خارجی حکمت عملی بدل دی گئی اور ہالینڈ، سویڈن اور انگلستان میں اتحاد ثلاثہ کے لئے نامہ و پیام شروع ہوئے۔ یہ انگلستان کے ہیگ کے سفیر، سر ولیم ٹمپل کی تحریک تھی جو اس زمانے کے سب سے تعلیم یافتہ اور دوربین افراد میں شمار ہوتا ہے۔ اسے لوئی چہاردہم کے روز افزوں اقتدار کے خطرناک پہلو بہت پہلے نظر آگئے تھے اور وہ از ابتدا تا آخر ولیم (اورنجی) کا دوست اور راز دار مشیر رہا۔ ۱۶۷۰ء میں ولیم کی عمر صرف سترہ سال کی تھی اور ہالینڈ میں اسے کوئی آئینی مرتبہ بھی حاصل نہ ہوا تھا تاہم وہ شروع سے اپنے خاندان کی قابلیت کا سچا وارث تھا، مگر اتحاد ثلاثہ قائم کرنے میں وزارت کیبال کا کچھ بہت حصہ نہیں ہے۔

باب پنجم

اس وزارت نے تو شروع میں اگر کچھ کیا تو یہ کہ ایک قانون اشتمال کا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ بعض پرس بی ٹری گروہ کلیسائے انگلستان کے اندر داخل کر لئے جائیں اور غیر مقلدوں کے ساتھ بھی رواداری کی جائے۔ ایشلی نے پہلے بھی کلیسائی اور بلدیات کے قوانین کی سخت مخالفت کی تھی لیکن اس وقت کی پارلیمنٹ کا مزاج پروٹسٹنٹ ہوں، یا غیر مقلد کیتھولک کسی کے ساتھ رعایت کرنے کے ذرا بھی موافق نہ تھا۔ لہٰذا یہ کوشش نہ چلی بلکہ ۱۶۷۰ء میں سنہ ۱۶۶۴ء کے میثاقی قانون کی تجدید اور اس میں اور بھی شدت کر دی گئی۔

کیتھولک فرقہ

غالباً چارلس کا مذکورہ مسودہ پیش کرنے کی اجازت دینے میں اصلی منشا یہ تھا کہ آئندہ کیتھولکوں کے ساتھ رواداری کا راستہ صاف ہو جائے۔ بادشاہی کی بحالی سے قبل وہ خفیہ طور پر کیتھولک کلیسا میں شامل ہو چکا تھا اور سنہ ۱۶۶۲ء میں اس نے سر رچرڈ بلنگز کو وکیل بنا کے پاپا کے پاس بھیجا بھی تھا کہ انگلستان میں پاپائی اقتدار کی بحالی کے متعلق گفتگو کرے۔ جنوری سنہ ۱۶۶۹ء میں بادشاہ، شہزادۂ یارک، لارڈ ایرنڈیل، کلی فرڈ، اور آرلنگٹن نے خفیہ مشاورت کی کہ اس بارے میں کیا کیا جائے اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ لوئی چہار دہم سے فوجی مدد کی درخواست کی جائے۔ خفیہ عہد نامہ ڈوور کی

ڈوور کے معاہدے

ابتدا یہی قرارداد تھی۔ عہدنامے کی شرطیں چارلس کی بہن ہنریٹا (بیگم اورلیوں) نے طے کیں اور اس پر آرلنگٹن، ایرنڈیل، کلی فرڈ اور بلنگز نے انگلستان کی طرف سے اور کول بیئر نے فرانس کی جانب سے دستخط ثبت کئے۔ اس کی خاص خاص دفعات یہ تھیں: (۱) چارلس اپنے کیتھولک ہونے کا اعلان کرے اور لوئی اسے ایک لاکھ پونڈ اور فرانس کے خرچ سے ۶ ہزار سپاہ کی مدد دے۔ (۲) چارلس اور لوئی مل کر ہالینڈ پر فوج کشی کریں اور غنیمت میں (حالانکہ ملک ابھی فتح ہونے کی نوبت نہ آئی تھی) جزائر وال نشرن کیڈسینڈ اور بندرگاہ سلوئیس، چارلس کو دیا جائے۔ بادشاہ کو فرانس کے پوری طرح زیر اثر رکھنے کی غرض سے یہ انتظام بھی کیا گیا تھا کہ بریٹانی کی ایک حسین عورت لوئیز دی کیروآل) آرلنگٹن کے مکان میں چارلس سے ملائی جائے۔ اور اس نے تھوڑے ہی دن میں چارلس کو اتنا مسخر کر لیا کہ پورٹس متھ کی ربئسہ بنا دی گئی۔ اور دربار فرانس سے نامہ و پیام میں سب سے بڑا واسطہ وہی بن گئی۔ یہ عہد نامہ تو خفیہ تھا لیکن بکنگھم کو ولندیزوں کے خلاف پیمان اتحاد کرنے کی دھن ہو گئی تھی لہٰذا اسے اجازت مل گئی کہ وہ ایک دوسرے علانیہ معاہدے کی گفت و شنید

باب پنجم

کرے جس میں صرف پہلا جزو جو ولندیزوں کے متعلق تھا، رہنے دیا گیا اور اس پر وزرائے کیبال اور کول بیر نے دستخط کئے۔ لیکن پہلے معاہدے کی خود بکنگھم اور لاڈرڈیل اور ایشلی اور اکثر معاصرین کو کچھ خبر نہ تھی تاہم اتحاد ثلاثہ سے اس طرح منحرف ہونا ہی کچھ کم تازیانہ تھا اور اسی لئے وزرائے کیبال اور عہد نامہ ڈوور مطعون ہوئے کہ انھوں نے وہ اتحاد چھوڑ کر انگلستان کو وہ ایک "بیرونی طوق" کے لئے تیار کیا۔ چارلس خوب جانتا تھا کہ یہ حکمت عملی پارلیمنٹ میں مقبول نہ ہوگی لہذا پارلیمنٹ سے بیڑے کے لئے آٹھ لاکھ پونڈ کی منظوری ملتے ہی اسے برخاست کر دیا حالانکہ منظوری کے وقت پارلیمنٹ اس خیال میں تھی کہ جنگ کا اعلان فرانس کے خلاف ہونے والا ہے۔

التوائے خزانہ

اس اثنا میں بادشاہ نے اپنے مداخل میں اضافہ کرنے کی غرض سے اس طریقے سے بھی کام لیا جسے "التوائے خزانہ" کہتے تھے۔ اس زمانے میں معمول تھا کہ حکومت مالگزاری وصول ہونے سے قبل، وصولی کی امید پر زرگروں سے روپیہ قرض لے لیتی تھی۔ زرگر ساہوکاروں کی خدمت انجام دیتے تھے اور حکومت جو بارہ فی صدی سود دیتی اس میں سے سات فی صدی خالص اُن کا اور باقی پانچ فی صدی روپیہ جمع کرانے والوں کا حصہ ہوتا تھا۔ زیر نظر زمانے میں یہ قرضہ ۱۳ لاکھ پونڈ تھا۔ ۱۲ جنوری ۱۶۷۲ء کو چارلس نے ایک فرمان نافذ کیا کہ سال بھر تک خزانے سے کوئی مطالبہ، رقم ضمانت یا سود کی رقم ادا نہ کی جائے۔ وزیر مالیہ ایشلی نے (جو انھی دنوں امیر شافٹسبری بنایا گیا تھا، بادشاہ کو روکا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر کلیفرڈ اور لاڈرڈیل اس احمقانہ کارروائی کے محرک تھے جس سے ملک میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ اور بادشاہ کو چار ہی دن میں اس حد تک ترمیم کرنی پڑی کہ زرگروں کو ۶ فی صدی رقم ادا کرنے کی اجازت دے دی جس میں اصل سرمایہ داروں کا حصہ صرف ایک فی صدی تھا۔ بایں ہمہ دوالیہ پن کے اس شرمناک فعل سے حکومت کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا، وہ ذرا سے وقتی فائدے سے کہیں بڑھ کر تھا۔

قانون رواداری

اپنے کیتھولک ہونے کا اعلان کرنے کی غرض سے چارلس نے ایک اور کارروائی یہ کی کہ اپنے بھائی جیمس کو اس مذہب میں داخل کرا دیا تاکہ لوگوں کے خیالات کا اندازہ کر سکے۔ پھر اسی سلسلے میں ایک قانون رواداری

باب پنجم

نافذ کیا (مارچ ۱۶۷۲ء) جس کی رو سے کیتھولک، اور پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں پر جو بعض سیاسی یا مذہبی ناقابلیتیں عائد کر دی گئی تھیں، وہ دور کر دی گئیں۔ مگر بادشاہ کی یہ کارروائی آئین کے خلاف بھی اور نہایت نامقبول ہوئی۔ جیمس اول کے زمانے میں کیتھولک فرقے سے لوگوں میں جیسی دشمنی اور بدظنی تھی، وہ سب چارلس کی اس کارروائی سے تازہ ہو گئی اور ادھر پروٹسٹنٹ کو اُلٹا اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر بادشاہ اپنے اختیار سے ایسی کارروائی کر سکتا ہے، تو وہ بغیر پارلیمنٹ کی رائے کے جب چاہے گا یہ حقوق سلب بھی کر لے گا۔ لیکن جب تک پارلیمنٹ کا اجلاس نہ ہو، قوم کی ناخوشی ظاہر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

ولندیزوں سے دوسری جنگ

مذکورۂ بالا قانون نافذ کرنے کے چند ہی روز بعد بادشاہ کو ولندیزوں سے جنگ چھیڑنے کا ایک عمدہ موقع مل گیا۔ ولندیزی تجارتی جہازوں کا ایک بیڑا ممالک ترکی سے آیا اور رود بار انگلستان سے گزر رہا تھا۔ سات جنگی جہاز اس کے ساتھ تھے اور انھوں نے جزیرۂ وائٹ کے سامنے لنگر ڈالا تھا کہ بغیر کسی اعلان جنگ کے سر روبرٹ ہومز کے تحت میں ایک انگریزی دستۂ بحری نے اس پر حملہ کر دیا۔ مگر ولندیزی حکومت اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا پہلے سے شبہ رکھتی تھی اور وہ بالکل بے خبر بھی نہ تھے بلکہ بڑی خوبی اور پامردی سے لڑے اور صرف ایک جنگی اور چار تجارتی جہازوں کا نقصان اٹھا کے حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔ اس قابل شرم کارروائی کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ فرانس اور انگلستان کی طرف سے ہالینڈ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ پہلا بحری معرکہ خلیج ساؤتھ وولڈ میں ہوا جس میں شہزادۂ یارک، امیر سینڈوچ اور فرانسیسی امیر البحر دس تریسے کے مقابلے میں روئی ٹر ولندیزی سالار تھا جنگ کا اصلی بار انگریزی جہازوں پر پڑا اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ شہزادۂ یارک کو دو جہاز ڈوبتے چھوڑ کر پرچم سمیت تیسرے میں منتقل ہونا پڑا اور بہادر سینڈوچ تو رائل جیمس کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہی نہ ہوا بلکہ اپنے اکثر جہازیوں سمیت اسی میں جل کر تمام ہو گیا۔ بایں ہمہ صبح سے لڑتے لڑتے شام کے سات بجے تو روئی ٹر اپنے جہاز لے کر ہٹ گیا اور ولندیزی ساحل کے پشتوں اور پایاب لنگستان کی پناہ لی۔ میدان کارزار اتحادیوں کے ہاتھ رہا۔ خشکی پر خود لوئی ہالینڈ میں بڑھتا چلا گیا اور سات میں سے تین ولندیزی صوبے

باب پنجم

فتح کرکے قریب قریب ایمسٹرڈیم کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ تورین اور کونڈلے اس کے مشیر تھے اور ۶ ہزار انگریزوں کے امدادی دستے کا سپہ سالار شہزادہ مون متھ اور لڑنے والوں میں جان چرچل شامل تھا۔ مگر فرانسیسیوں کے غلبے نے ولندیزوں کو اور بھی زیادہ مقابلے کی ہمت دلادی۔ فرانس کے طرفداروں کے سرگروہ ڈویٹ نام کے دو بھائی تھے وہ عہدے سے برطرف کئے گئے اور جان ڈی وٹ کو عوام الناس نے جان سے مار ڈالا۔ نوجوان اور بچی شہزادے ولیم ثالث سے ملک کو بچانے کی درخواست کی گئی۔ وہ چارلس کا بھتیجا اور بست و دو سالہ نوجوان تھا۔ اس نے اہل وطن کی درخواست قبول کی۔ اسی کی ہدایت سے ولندیزوں نے اپنے بند کھول کر غنیم کے مقبوضہ علاقوں میں سمندر کا پانی بھر دیا۔ فرانسیسی جان بچا کے بھاگے اور اس مبارک آغاز کے ساتھ ولیم لوئی کے ساتھ اس کشمکش میں داخل ہوا جو اس کے آخر دم تک جاری رہی۔

جنوری سنہ ۱۶۷۳ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا ممبوث غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ خالی رکنیتوں پر زیادہ تر پرسس بی ٹری فرقے والے منتخب ہوئے تھے۔ غرض ۱۱۶ کے مقابلے ۱۶۸ آرا سے قرار پایا کہ سیاسی امور میں تعزیری قوانین کو بغیر پارلیمنٹ کی تشریع کے معطل نہیں کیا جا سکتا" اور بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ اپنا فرمان منسوخ کر دے۔ آرلنگٹن کے سوا سب وزیروں کی رائے تھی کہ بادشاہ یہ درخواست قبول نہ کرے لیکن لوئی نے وعدہ کیا کہ ولندیزی جنگ کے بعد آدمی اور روپے سے مدد بھیجی جائے گی اور سردست پارلیمنٹ کی بات مان لی جائے۔ لہذا چارلس نے دب کر فرمان منسوخ کر دیا اور اعلان کیا کہ آئندہ بھی وہ کبھی نظیر نہ بنایا جائے گا۔

وزارت کی شکست

اب پارلیمنٹ نے یہ سمجھ کر کہ ان سب ناپسندیدہ کارروائیوں کا سبب کیتھولکوں کا ملازم رکھا جانا ہے، ایک قانون آزمائش وضع کیا کہ کوئی شخص بادشاہی ملازمت میں اس وقت تک داخل ہی نہ ہو سکے جب تک کلیسائے انگلستان کی رسوم کے مطابق انجیل نہ اٹھائے اور عشائے ربانی کے استحالے کا انکار نہ کر دے۔ اس قانون سے کیتھولکوں کا سرکاری ملازمت میں داخل ہونا غیر ممکن ہو گیا۔ لوئی نے جنگ جاری رکھنے کی غرض سے اسے بھی قبول کر لینے کی رائے دی اور اسی پر چارلس نے عمل کیا۔ قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی وزارت ٹوٹ گئی۔ انجیل اٹھانے کا دن آنے سے قبل کلی فرڈ نے وزارت مالیہ

اور جیمس نے امارت بحری سے استعفیٰ دے دیا۔ اول الذکر نے اسی جون ۱۶۷۳ء میں وفات پائی۔ نومبر میں شافٹس بری صدارت عظمیٰ سے برطرف ہوا اور فوراً نکتہ چینیوں کے گروہ میں جا ملا بکنگھم نے بھی تھوڑے دن بادشاہ کے آگے پیچھے رہ کر دوسرے سال اس کی تقلید کی۔ آرلنگٹن ملکی معاملات میں بہت کم حصہ لیتا تھا۔ صرف لاڈرڈیل اپنے عہدے پر کام کرتا رہا مگر وہ زیادہ تر اسکاٹ لینڈ کے معاملات میں منہمک رہتا تھا۔

کلی فرڈ کا جانشین سر ٹامس آزبرن مقرر ہوا۔ وہ یارک شر کے شرفا سے تھا اور درجہ بدرجہ لارڈ لے ٹمر، امیر ڈین بی، مارکوئیس کرمارتھن اور آخر میں امیر لیڈز کے خطابات سے ممتاز ہوا۔ وہ چالاک ابن الوقت آدمی اور عہدے پر قائم رہنے کی غرض سے ہر کام کرنے کے لئے تیار تھا۔ اس کی اندرونی حکمت عملی یہ تھی کہ کلیسائے انگلستان کو مدد دے کر پرانی شاہ پسند جماعت کو ملائے رکھے اور شاہی اختیارات کو تقویت پہنچائے۔ بیرونی معاملات میں وہ دل سے ولندیزوں کا حامی اور فرانس کا مخالف تھا لیکن بعد کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ محض عہدے پر رہنے کی خاطر وہ چارلس کا کارندہ بن کر لوئی سے نامہ وپیام کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ جس طرح خود بے اصول تھا، دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ آبکاری کی آمدنی میں سے بیس ہزار پونڈ اس غرض سے الگ رکھ لیا کرتا تھا کہ پارلیمنٹ کے ارکان کو رشوت دیتا رہے۔

۱۶۶۱ء کے بعد سے نئے انتخابات نہیں ہوئے لیکن ملک کی رائے کے ساتھ پارلیمنٹ کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ بادشاہ کی طرز زندگی یا آرلنگٹن، کلی فرڈ وغیرہ وزیروں کی کارروائیوں کی کوئی پارلیمنٹ بھی خواہ شاہ پسندوں پر مشتمل ہوتی خواہ گول سر دیلیوں پر، حمایت نہ کر سکتی تھی۔ چارلس اول کا مقولہ تھا کہ "پارلیمنٹیں، بلیوں کی طرح جتنا زمانہ گزرتا ہے اتنی ہی زیادہ خبیث ہو جاتی ہیں" مگر واقعہ یہ ہے کہ خیالات میں جو تغیر پیدا ہوا، اس کی توجیہ کے لئے اس مقولے کو یاد کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ قانون آزمائش اور اعلان رواداری کی کشمکش نے پارلیمنٹ میں خاصی طرح ایک باقاعدہ فریق اختلاف یا حکومت کے نکتہ چینوں کا گروہ مرتب کرا دیا تھا۔ دارالعوام میں اس گروہ کے رہ نما یہ تھے: امیر بیڈ فرڈ کا منجھلا بیٹا۔ ولیم رسل جو ۱۶۷۸ء میں بھائی کے مرنے کے بعد سے لارڈ رسل کہلایا۔ امیر ڈیون شر کا بڑا بیٹا، لارڈ کے ون ڈیش، دولت عامہ کا ایک پرانا

ملکی جماعت

باب پنجم

حامی کرنل برچ جو ایک زمانے میں ہرکارہ تھا۔ مشہور جان ہمپڈن کا پوتا، جان ہمپڈن وغیرہ وغیرہ۔ امرا میں پہلے شا فٹس بری اور پھر بکنگھم بہت ممتاز ہوئے گو انھیں لارڈ ہولیز، فلپ، لارڈ وہارٹن اور امیر سالسبری مدد دیتے تھے۔ ہولیز، طویل پارلیمنٹ میں ڈینزل ہولیز کے نام سے شریک تھا۔ گروہ اختلاف کو درباری فریق کے مقابلے میں "ملکی فریق" کہتے تھے اور اس کی حکومت عملی کیتھولک مذہب سے اندیشے پر اور اسی لئے فرانس سے بدگمانی پر مبنی تھی۔ حلیف ڈھونڈنے کی ضرورت نے انھیں پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں کی طرف مائل کیا اور اسی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ ہالینڈ کے ساتھ صلح اور اگر ہو سکے تو فرانس کے ساتھ جنگ ہو جائے۔ مگر اس بارے میں زیادہ جوش نہ دکھانے کا سبب یہ خوف تھا کہ مبادا فرانس کے خلاف جو مستقل فوج تیار کی جائے وہ بادشاہ خود انگلستان اور پروٹسٹنٹوں کے خلاف نہ استعمال کرے۔ اسی وہم نے یہ غیر ممکن کر دیا تھا کہ وہ برابر ایک ہی روش پر قائم رہیں۔ اُدھر اس فریق کے وجود میں آنے سے لوئی چہار دہم کو ہر وقت خوف رہنے لگا کہ کہیں چارلس کو اپنی مرضی کے خلاف فرانس سے لڑنے پر مجبور نہ کر دیا جائے لہذا وہ دورُخی چال چلتا رہا۔ جس وقت سمجھتا کہ فریق اختلاف کامیاب ہو جائے گا تو روپیہ دے کے چارلس سے اسے برخاست یا فسخ کرا دیتا اور جب دیکھتا کہ چارلس اُس کے قابو سے نکلا جاتا ہے تو ملکی فریق کو مدد دے کے ابھار دیتا تھا۔ یہ اسباب ہیں جس سے اُس زمانے کے سرگروہوں یا چارلس و لوئی کے افعال کی اصلیت معلوم کرنا سخت دشوار ہو گیا ہے۔

الغرض سنہ ۱۶۷۴ع کی پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو شا فٹس بری اور رسل کی قیادت میں ایک باضابطہ فریق اختلاف مرتب نظر آیا۔ اِن دو سرگروہوں کی سیرت ایک دوسرے کی کمی کو بخوبی پورا کر دیتی تھی۔ رسل، مارکوئیس ونچسٹر کا داماد تھا۔ چونتیس سال کی عمر تھی اور پارلیمنٹ کے کاروبار میں اب تک بہت کم حصہ لیتا تھا کیونکہ وہ تقریر بہت آہستہ آہستہ کرتا تھا۔ لیکن اس کی دیانت اور اصابت رائے مسلم تھی۔ لوگوں کو اس سے محبت اور پورا بھروسہ تھا اور خاندان بیڈفرڈ کے آئندہ سرگروہ ہونے کی امید پر بھی اہل ملک اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی طرح شا فٹس بری کا ملکی فریق میں داخل ہونا بڑی اہم بات تھی۔ کردار میں وہ رسل کا عکس تھا۔ ۵۲ برس کی عمر تھی اور انیس سال کے سن سے جب کہ اس نے

باب پنجم

۱۶۴۸ء کی چھوٹی پارلیمنٹ میں شرکت کی تدبیر کی، وہ برابر سیاسیات میں سرگرم حصہ لیتا رہا۔ خانہ جنگیوں میں پہلے بادشاہ کی طرف سے اور پھر پارلیمنٹی گروہ کی طرف سے لڑائیاں لڑا۔ بقیہ پارلیمنٹ اور بیربون والی پارلیمنٹ کا رکن اور کروم ویل کی تمام مجلسوں اور پارلیمنٹوں میں شریک رہا۔ کروم ویل فوت ہوا تو شافٹس بری پارلیمنٹ کی طرف داری میں فوج کا مخالف اور عود شاہی میں کوشاں ہوا۔ کلیرنڈن کے ماتحت وزیر مالیہ اور کیبال میں صدر اعظم کے مرتبے تک ترقی پائی۔ مگر ان سب انقلابات کے باوجود وہ اختیارات شاہی کا اندھا حامی یا متعصب کلیسائی کبھی نہ تھا۔ کلیرنڈن کے عہد وزارت میں اس نے قانون یکسانی اور قانون بلدیات کی مخالفت کی کیبال میں کلیسا کی توسیع اور اعلان رواداری کا موید رہا۔ التوائے خزانہ کی اسی نے مخالفت کی اور ملکی فریق میں اس کی شرکت سے نہ صرف کاروبار کا لاجواب تجربہ رکھنے والا بلکہ ایک ایسے رکن کا اضافہ ہوگیا جو حاضر جواب، ضروریات وقت کا جامع مبصر، نہایت دلیر و باہمت اور سیاسی شورش کے گر میں پوری طرح طاق تھا۔

نئے فریق کی پہلی کارروائی شاہی وزرا کی نکتہ چینی تھی اور یہ اس شدومد سے ہوئی کہ بکنگھم جس کا تلون ضرب المثل تھا درباری جماعت کو چھوڑ کر فوراً ملکی فریق میں آملا۔ آرلنگٹن عہدے سے الگ اور لارڈ ڈیل نے اسکاٹ لینڈ کی پناہ ڈھونڈی اب سارا اختیار ڈین بی کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے پرانے شاہ پسندوں کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے ۱۶۷۵ء میں ایک قانون کی تحریک کی کہ کلیسا اور دیوانی کے جملہ ملازمین اور پارلیمنٹ کے تمام ارکان کا یہ حلف کرنا واجب ہو جائے کہ بادشاہ کے خلاف کسی حیلے سے بھی ہتھیار اٹھانا جائز نہ ہوگا اور حلف اٹھانے والا کسی وقت بھی یہ کوشش نہ کرے گا کہ کلیسا یا ملک کے نظم ونسق میں تغیر پیدا کرے۔ لیکن شافٹس بری کی ذہانت کی بدولت یہ مسودۂ قانون دارالامرا سے آگے بڑھنے ہی نہ پایا۔ بخلاف اس کے فریق اختلاف کی طرف سے ایک اور مسودۂ قانون پیش ہوا کہ کسی شخص کو محض خودرائی سے گرفتار کرلینا جائز نہ رہے۔ یہی آگے چل کے لزوم تحقیقات محبوس کا قانون بنا لیکن اس وقت تو بادشاہ نے پارلیمنٹ کا اجلاس ہی برخاست کر دیا۔ یہ کارروائی کوئی چہار دہم کی مدد سے ہوئی اصل ولندیزوں سے صلح | میں عوام کی مخالفت کے باوجود ولندیزوں سے جنگ جاری رکھنا

باب پنجم

غیر ممکن تھا اور ۱۶۷۴ء میں شرائطِ صلح طے ہوگئے جن میں سینٹ ہلینا انگریزوں کے ہاتھ آیا شرق الہند سے آنے جانے والوں کے لئے یہ ٹھیرنے کی بہت با موقع جگہ تھی۔ الغرض لوئی کو خوف ہوا کہ کہیں ملکی فریق یہ اصرار نہ کرے کہ انگلستان ولندیزوں کے ساتھ ہو کر فرانس سے جنگ کرے کیونکہ اس سے اول تو لوئی کے کشورستانی کے منصوبے بگڑ جاتے دوسرے چارلس کا کیتھولک فرقے سے ساز باز رکھنا بھی محال ہوجاتا، لہذا ان کے آپس میں طے پایا کہ چارلس تو پارلیمنٹ کو ملتوی کر دے اور لوئی اسے سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار پاؤنڈ دیا کرے۔

چنانچہ پارلیمنٹ سوا برس کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ نکتہ چینوں کی زبان بندی کرنے کی غرض سے ایک نادری حکم یہ نافذ ہوا کہ سب قہوہ خانے بند کر دئے جائیں جو اس زمانے میں عہد حاضرہ کی "کلب" یا انجمن کا کام دینے لگے تھے۔ غرض اس طویل وقفے میں اہل اختلاف کچھ نہ کر سکے ۱۶۷۷ء میں دوبارہ اجلاس ہوا تو یہ حجت بھی پیش کی گئی کہ چونکہ پارلیمنٹ مسلسل بارہ ماہ تک ملتوی رہی اس لئے وہ عملاً فسخ ہوگئی اور اب جدید انتخابات ہونے لازمی ہیں۔ لیکن اس کی شنوائی نہ ہوی اور دارالامرانے شافٹس بری، بکنگھم، سالسبری اور وہارٹن کو پارلیمنٹ کی توہین کرنے کے قصور پر قلعۂ لنڈن میں قید کرا دیا۔ آخر الذکر تین ارکان کو تو جلد رہائی مل گئی مگر شافٹس بری اور ایک سال تک قید میں رہا البتہ معافی مانگنے پر اسے آزادی دے دی گئی۔

اب لوئی کی شہ سے ملکی فریق نے فوج کے فسخ کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ انگلستان برِ اعظم کے جھگڑوں میں کوئی عملی دخل ہی نہ دے سکے۔ اس کے برخلاف، ڈینبی نے شہزادۂ یارک کی بڑی بیٹی میری کی اپنے پھپیرے بھائی ولیم ثالث والیِ ہالینڈ سے شادی ٹھیرا کے اتحادِ ثلاثہ کا منصوبہ تازہ کیا۔ اس شادی سے اہل ملک بھی بہت خوش تھے۔ ولیم کی عمر ستائیس برس کی تھی۔ ابتدا ہی سے اس نے بہترین اوصاف کا ثبوت دیا اور کیتھولک بادشاہ لوئی چہار دہم کی قوت قاہرہ کے مقابلے میں ہالینڈ کی ایسی مدافعت کی کہ اسے ایک "پروٹسٹنٹ سورما" کی سی شہرت حاصل ہوگئی۔ جو لوگ چارلس اور جیمس کی مذہبی ریشہ دوانیوں سے کھٹکتے تھے، یا فرانس کی جنگی کامیابی کو آزادی کے حق میں خطرناک سمجھتے تھے، انھیں ولیم کے تاجدارِ انگلستان ہونے کا امکان خوش آئند محسوس ہوتا تھا۔ اُدھر لوئی کو ڈینبی کا یہ رشتہ کرانا بہت ہی ناگوار گزرا حقیقت میں

باب پنجم

اس کے ہوتے ہی فریق اختلاف کے ساتھ بالکل دوسری طرح کا برتاؤ ہونے لگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولندیزوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ چھوڑ گیا۔

فرانس سے خفیہ معاہدہ

سارے انگلستان کو فرانس سے جنگ چھیڑنے کا اشتیاق تھا اور بیڑے کو قوی کرنے کی غرض سے تین لاکھ پاؤنڈ کی منظوری دی گئی۔ مگر مذکورۂ بالا نامہ و پیام کے دوران ہی میں چارلس نے فرانس کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر لیا اور تین سال تک تین لاکھ پونڈ سالانہ کے معاوضے میں اس پر رضامند ہو گیا کہ پارلیمنٹ کو فسخ اور فوج کو برطرف کر دے گا اور ولندیزوں نے جنگ جاری رکھی تو وہ ان کی کوئی امداد نہ کرے گا۔ چارلس کے حکم کی تعمیل میں یہ قول و قرار بھی ڈینبی ہی نے لکھے۔ پیرس کے انگریز سفیر مونٹیگیو کے ذریعے گفتگو ہوتی تھی اور اُسے اپنے حسب مراد معتمدی کی خدمت نہیں ملی تو اس نے جل کر فریق اختلاف کے ارکان سے راز افشا کر دیا ڈینبی نے مجلس شاہی سے حکم لے کر اُس کے سارے کاغذات پر قبضہ جمانے کی تدبیر کی لیکن خود اس کے قلم کی دو تحریریں، جو چارلس کی مصدقہ تھیں،

ڈینبی کی معزولی

شافٹس بری اور رسل کے ہاتھ آگئیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انھیں تا امکان رخ میں رکھنا منظور تھا کہ اہل انگلستان کو ناگوار نہ گزرے اور یہ کہ تین لاکھ پاؤنڈ کی رقم چارلس کے مصارف کے واسطے تھی کہ جب پارلیمنٹ پر سب حال کھلے اور وہ بیوقوف بنائے جانے پر بگڑے، تو اس وقت بادشاہ کو خرچ کی طرف سے دشواری نہ پیش آئے۔ اس افشائے راز پر عوام نے ڈینبی پر غداری کا مقدمہ چلایا اور اسے بچانے کی غرض سے آخر چارلس نے پارلیمنٹ کو فسخ کر دیا مگر فریق اختلاف جسے یقین تھا کہ ملک ہماری پشتی پر ہے، خود یہی چاہتا تھا اور واقع میں نئی پارلیمنٹ میں ملکی فریق اتنی اکثریت میں منتخب ہوا کہ جیمس کو تو عافیت اسی میں نظر آئی کہ بروسِلز چلا جائے۔ ڈینبی سے پھر مواخذہ شروع ہوا۔ اُس کی صفائی اس عمومی دلیل پر مبنی تھی کہ میں نے جو کچھ کیا براہ راست بادشاہ کے حکم سے کیا اور آئندہ کارروائی کو روک دینے کی غرض سے معافی کا شاہی فرمان بھی اس نے عدالت میں پیش کیا مگر اس طرح بچ جانے کے معنی یہ ہوتے کہ وزرا، پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ نہ رہیں۔ لہٰذا اس کارروائی پر بڑی رد و قدح ہوئی اور حکم شاہی کے علی الرغم ڈینبی کو قلعۂ لندن میں بھیج دیا گیا

باب پنجم

جہاں وہ چارلس کے عہد حکومت کے آخر تک رہا وزارت خزانہ پر اس کی جگہ آرتھر کیپل، امیر اسیکس مقرر ہوا جس کا باپ کیپل ۱۶۴۹ء میں قتل کرا دیا گیا تھا۔ یہ کیپل بہت دیانت دار کفایت شعار آدمی اور آئرستان میں نائب شاہ رہ کر بڑی شہرت پا چکا تھا لیکن اسے کوئی سیاسی رسوخ واثر حاصل نہیں ہوا۔

آئینی رکاوٹ

اب پارلیمنٹ کی رائے سے تین وزارتیں (یعنی کلے رنڈن کیبال اور ڈین بی کی) شکست ہو چکی تھیں اور یہ کشاکش عمدہ نظم ونسق کے لئے مفید نہ ہو سکتی تھی مگر بادشاہ چارلس، تمام نظم ونسق ہی پارلیمنٹ کے حوالے کر دیتا جس پر وہ آمادہ نہ تھا اور یا اس قسم کی کشمکش کا ہونا ناگزیر تھا۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس وقت کا حل یہ تھا کہ مجلس شاہی کی تعداد میں اضافہ کر کے جملہ اختیارات اس کے تفویض کر دئے جائیں کہ وہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان حجاب کا کام دے اور دوسری طرف تمام نظم ونسق کسی مختصر جماعت وزراء کے قبضہ قدرت میں آجانے کی نوبت نہ آنے دے جیساکہ میلان ہو چلا تھا۔ چنانچہ سر ولیم ٹمپل نے ایک نئی تجویز مرتب کی کہ مجلس شاہی کے ارکان کی تعداد تیس کر دی جائے۔ نصف شاہی عہدہ دار ہوں اور نصف کو بادشاہ پارلیمنٹ کے آزاد ارکان سے نامزد کرے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ ارکان دولتمند ہوں اور ان کا ملک میں کافی سرمایہ لگا ہوا ہو تاکہ ان کی حزم واحتیاط پر اعتماد ہو سکے۔ دارالعوام کے ارکان کی سالانہ آمدنی تخمیناً ۴ لاکھ پونڈ ہوتی اس کے مقابلے میں مجلس جدید کے ارکان کی ۳ لاکھ تخمین کی گئی۔ اس طرح یہ مجلس گویا حکمراں طبقے کا لب لباب تھی اور اس میں رو برٹ اسپنسر (امیر سنڈرلینڈ) جیسے ممتاز وزراء، ٹمپل اسیکس وغیرہ ارکان اور بیز شیفٹس بری (جو صدر نشین مقرر ہوا) اور فریق اختلاف کے بعض دوسرے افراد شامل تھے۔ مگر عملاً یہ تدبیر کچھ کامیاب نہ ہوی۔ سنڈرلینڈ کو اسی زمانے میں بڑا رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور مجلس میں بھی سارے اختیارات اس کے اسیکس، ہیلی فیکس اور ٹمپل ہی کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے جو پوری مجلس کے کاموں کی ترتیب دیتے تھے بجائیکہ چارلس جب مناسب سمجھتا، مجلس کے فیصلوں کی کچھ بھی پروا نہ کرتا تھا

پاپائی سازش

یہی زمانہ ہے جب کہ ملک میں پاپائی سازش کی افواہ سے خلفشار پیدا ہوا۔ بارود والی سازش کے زمانے سے اہل انگلستان کیتھولکوں کے خلاف ہر کہانی کو باور کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ اگرچہ اصلی واقعات

باب پنجم

کا بہت بعد میں علم ہوا، اور اس وقت تک وہ محض قیاسی تھے، تاہم لوگوں کو پورا شبہ تھا کہ چارلس اور جیمس دونوں کیتھولک ہو گئے ہیں اور انگلستان میں جبراً کیتھولک مذہب کے بحال کر دینے کی غرض سے لوئی چہار دہم کے ساتھ قطعی مفاہمت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہلے جو خوف کروم ویل کے سپاہیوں یا غیر مقلد پروٹسٹنٹ فرقوں سے تھا کہ وہ پھر خانہ جنگی برپا کرا دیں گے اور اسی خوف کی بنا پر ان کی مذہبی جماعتیں توڑنے اور بلدیات سے انھیں نکلوانے کے کلے رنڈن نے قوانین وضع کرائے، اسی قسم کا خوف اب فرانس سے لاحق ہو گیا تھا کہ وہ کیتھولک مذہب کی حمایت میں انگلستان پر حملہ کر دے گا۔ ان حالات میں کسی پاپائی سازش کی کہانی کا زبان زد ہو جانا کچھ بھی دشوار نہ تھا اور ستمبر ۱۶۷۸ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو ایک کھلے ہوئے فریبی ٹائی ٹس اوٹس نامی نے علی الاعلان یہ بیہودہ افسانہ بیان کیا کہ جیسوئٹ فرقے چارلس اور جیمس کو مار کر جبراً کیتھولک مذہب قائم کر دینے کی سازش کر رہے ہیں۔ اوٹس ایک زمانے میں کلیسائے انگلستان کا پادری بھی رہا اور پھر فریب سے کیتھولک بن کر ہر خدمت اور عہدے سے جو مختلف گرجوں میں اُسے ملی، بدکرداری اور بد اخلاقی کی وجہ سے نکالا جا چکا تھا اور اس کی روایت بجائے خود بالکل مضحکہ انگیز تھی کیونکہ چارلس اور جیمس کیتھولک فرقے کے بہترین یاور تھے اور ان کے قتل کئے جانے سے تخت کی وراثت پروٹسٹنٹ میری اور اس کے شوہر ولیم (اورنج) کو پہنچ جاتی لیکن اس عام گھبراہٹ میں لوگوں کو سوچنے سمجھنے کی فرصت نہ رہی اور عوام ایک طرف، لارڈ رسل جیسے معقول لوگ تک اس کہانی کو صحیح سمجھے۔ لندن کے ایک حاکم عدالت، گوڈفری، کے روبرو اوٹس نے اپنا بیان قلمبند کرایا تھا۔ دو ہفتے بعد گوڈفری کی لاش پرم روز پہاڑی کے نیچے ایک سوکھی کھائی میں اس طرح پائی گئی کہ ایک چھوٹی سی تلوار جسم میں وار پار گھسی ہوئی تھی۔ یہ کہنا ناممکن تھا کہ اسے کسی نے قتل کیا یا وہ خودکشی کر کے مرا لیکن جو لوگ اوٹس کے بیان کو صحیح سمجھتے تھے، انھوں نے کہنا شروع کیا کہ گوڈفری کو ضرور پاپائی فرقے نے مارا ہے۔ جنھیں اوٹس کی روایت پر اعتبار نہ تھا، وہ خودکشی کے قیاس کی تائید میں تھے۔ اور چند ایسے بھی تھے جن کے نزدیک یہ خود اوٹس کے دوستوں کا کام تھا کہ قتل کا الزام بھی پاپائیوں کے سر تھوپا جائے۔ مجموعی طور پر غور کرنے سے خودکشی کا قیاس ہی زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے اور یہ واقعہ کہ گوڈفری کا دوست کول مین اوٹس کا سب سے پہلا نشکار رہوا۔ اس قیاس کو اور قوت پہنچاتا ہے۔ یہ کول مین

باب پنجم

تبدیل مذہب کر کے کیتھولک ہو گیا اور بیگم یارک کے دبیر کی خدمت انجام دیتا تھا۔ وہ ایک احمق شیخ چلی سا آدمی تھا اور اس کے خطوں کے سامنے سے معلوم ہوا کہ اس نے لوئی چہار دہم کے پیر پادری پیر لاشیز سے بیس ہزار پاؤنڈ دینے کی استدعا کی تھی کہ فرانس اور کیتھولک مذہب کے مفید کام کیا جائے۔ اوٹس کا بیان تھا کہ یہی پاپائی سازش ہے۔ ادھر اوٹس کی شہرت سن کر ایک بدمعاش ولیم بیڈلو نامی نے گوڈفری کے پاپائیوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کی ضمنی شہادت پیش کی۔ بیڈلو ممالک یورپ میں ہرکارہ رہا تھا اور اسی کے سلسلے میں اُسے کیتھولک لوگوں کے طور طریق سے واقفیت ہو گئی تھی۔ القصہ انھی دو پاجی لچوں کے بیان پر سارا انگلستان لرزہ براندام ہو گیا۔ پانچ کیتھولک امیر اور دو ہزار کے قریب علما اور عام اشخاص گرفتار کئے گئے اور سب سے اول مشتبہ ہونے والوں کے ساتھ بہت کم رحم یا انصاف کا برتاؤ کیا گیا۔ چارلس سے بہتر کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ سارا افسانہ بالکل جھوٹا ہے لیکن خفیہ کیتھولک ہونے کی وجہ سے خود اس کے دل میں چور تھا وہ اسی کمزوری کی بنا پر کوئی مداخلت نہ کر سکا اور لوگوں کے ہوش درست ہونے تک بہت سے بے گناہ دار پر کھینچ دئے گئے۔ ان میں ایک تو وہی کول مین تھا جس کے احمقانہ خطوط سے اوٹس کو یہ افسانہ تراشنے کی جرات ہوئی، تین جیسوئٹ علما (=آئرلینڈ، گروو، اور پکرنگ) اور تین غریب آدمی شامل تھے جنھیں گوڈفری کو مارنے کے جرم میں سزا دی گئی۔ ۱۶۷۹ء میں پانچ اور جیسوئٹ علما کو پھانسی ملی مگر ملکہ کا طبیب ویک مین، بری کر دیا گیا۔ انھی دنوں ایک اور فریبی ڈینجر فیلڈ کھڑا ہوا اور یہ کہانی بیان کی کہ کیتھولکوں نے مجھے پریس بی ٹیرین فرقے پر سازش کا جھوٹا الزام لگانے، اور نیز شافٹس بری کو قتل کرنے پر اغوا کیا۔ یہ افسانہ "میل ٹب پلاٹ" کہلاتا ہے اور اس نے عوام کے خوف کو پھر تازہ کر دیا۔ پھر مقدمے اور پھانسیاں چلنے لگیں حتیٰ کہ اوٹس کے اظہار کے دو سال بعد وائی کاونٹ اسٹیفرڈ جیسے سن رسیدہ اور محترم امیر سے دارالامرا میں مواخذہ ہوا اور بادشاہ کی موت چاہنے کے جرم میں اس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ ملزموں کے حق میں دو باتیں سب سے بڑھ کر مُضر تھیں۔ ایک تو یہ کیتھولک عقیدے کے افراد کی شہادتیں، طرفدارانہ سمجھ کر بالکل باور نہ کی جاتی تھیں اور دوسرے ملک میں عام پریشانی پھیلی ہوئی تھی جس نے کم سے کم ایک سیاسی فرقے کے مسلک کا لازمی جزو ہی یہ

باب پنجم

بنا دیا تھا کہ کیتھولکوں سے عداوت کی جائے۔

پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوتے ہی اوٹس کے بیانات پر ایک مسئلہ یہ اٹھایا گیا کہ آیا کسی کیتھولک بادشاہ کے تخت میں پروٹسٹنٹ مذہب محفوظ بھی رہ سکتا ہے؟ چارلس نے کئی دفعہ آمادگی ظاہر کی کہ کیتھولک بادشاہ کے تخت نشین ہونے کی صورت میں اس کے اختیارات پر فلاں فلاں حدود عائد کر دی جائیں، لیکن اس پر بھی مئی ۱۶۷۹ء میں یہ تحریک دارالعوام میں پیش کر دی گئی کہ شہزادہ یارک کو ملک سے عمر بھر کے لئے خارج اور آیندہ وراثت سے محروم کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ وہ نکل جائے تو پھر میری اور اس کا شوہر ولیم تخت پر بٹھا دئے جائیں۔ اسی لئے یہ تحریک عوام میں بہت مقبول ہوئی اور ولیم (اورنج) بھی اس کا دل سے موید ہو گیا کہ اس صورت میں تو ہی کی دست درازیوں کا انگلستان و ہالینڈ مل کر بخوبی سدباب کر سکتے تھے۔ چارلس مجلس نیابت قائم کرنے تک تو رضامند تھا مگر اپنے بھائی کے حقوق کو بالکل قربان کر دینے پر تیار نہ ہوا اور دیر لگانے کے لئے پارلیمنٹ فسخ کر دی لیکن ایسا کرنے سے قبل قانون ہے بیس کورپس (یعنی لزوم تحقیقات محبوس) کو شاہی منظوری مل گئی جو مدت تک اعزازاً آئینی تحفظ شخصی آزادی کا قانون کہلاتا رہا۔ اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ اہل انگلستان کا یہ حق کہ صرف اپنے ہم چشموں کی عدالتی تحقیقات کے بعد انھیں سزا یا قید کیا جا سکتا ہے، اور بھی قوی ہو جائے کیونکہ اصلاً یہ منشور اعظم کی انتالیسویں دفعہ پر مبنی تھا۔ قانون کے اہم فقرے دو تھے:

قانون ”ہے بیس کورپس“

اول تو یہ کہ بلا ثبوتِ جرم، کوئی ملزم جس پر غداری یا خیانت مجرمانہ کے سوا اور کوئی الزام ہو، عدالت سے ”ہے بیس کورپس“ کے حکم نامے کی استدعا کر سکتا ہے کہ پاسبان ملزم کو ضمانت پر چھوڑنے کی غرض سے عدالت میں پیش کرے۔ دوسرے یہ کہ غداری اور خیانت مجرمانہ کے ملزم سپرد عدالت ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس میں پیش کئے جائیں ورنہ ضمانت پر چھوڑ دیئے جائیں بجز اس کے کہ گواہ ناگزیر وجوہ سے حاضر نہ ہو سکے ہوں، اور اس صورت میں دوسرے اجلاس پر یا سماعت کی جائے گی اور یا ملزم کو رہا کر دیا جائے گا۔ ہیلم نے لکھا ہے کہ یہ وہ دفعات تھیں جنھوں نے ان خرابیوں کا استیصال کر دیا جن کی بدولت حکام کی ہوس تحکم اور شاہی وکیلوں کی غلامانہ عیاری سے ایسا اساسی حق ضعیف ہو گیا تھا۔“ قانون کی تیسری دفعہ کی رو سے اہل انگلستان کا قید کر کے اسکاٹ لینڈ وغیرہ کسی بیرونی ملک میں بھیجا جانا ناجائز قرار

باب پنجم

پایا اگرچہ اس میں کچھ عرصے بعد یہ ترمیم کر دی گئی کہ کسی تعزیری مقام پر عبور دریا سے شور کی سزا دی جا سکے گی۔ پارلیمنٹ نے دوسرے اجلاس میں عدالت عالیہ کے ممبر مجلس اسکروگز پر مقدمہ چلایا اور عدالت کو پاک کرنے کی غرض سے یہ بڑی کاری ضرب لگائی کیونکہ یہ میر مجلس عمدہ قابلیت کے باوجود سخت بدچلن اور بادشاہ کی چاپلوسی میں مشہور تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ ایک اہل جیوری کلاں، (ٹمل سیکس) پر جو شہزادہ یارک کو پاپائی طرفدار (اور کلیسائے انگلستان سے منحرف) ہونے کی بنا پر عدالت میں پیش کرنے ہی والا تھا، ممبر مجلس مذکور نے خلاف ضابطہ برطرف کر دیا۔ "ویکلی پیکٹ اوف ایڈ وائس فرام روم" نامی رسالے کی فروخت کو خلاف قانون، بند کرا دیا۔ بے ضابطہ جرمانے عائد کئے۔ ضمانت لینے سے انکار کر دیا۔ اور عام وارنٹ بلاوجہ جاری کئے۔ اسکروگز عدالتی (کی) تحقیقات روکنے کے لئے پارلیمنٹ فسخ کرنی پڑی لیکن وہ اپنے طرز عمل سے اتنا بدنام ہو چکا تھا کہ چارلس کو اس کا عہدے پر رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوا اور وہ تھوڑے ہی دن بعد برطرف کر دیا گیا۔ لیکن اس کی جگہ سونڈرس مقرر ہوا جو اسکروگز سے کچھ بہت بہتر نہ تھا۔

قانون اخراج کے مسودے پر مباحثہ ہوا، تو اس زمانے میں جیمس، بروسل چلا آیا تھا۔ پارلیمنٹ فسخ کر دی گئی تو وہ اسکاٹ لینڈ بھیج دیا گیا جہاں ان دنوں بغاوت برپا

اسکاٹ لینڈ

ہو گئی تھی۔ اصل یہ ہے کہ جب کلے رنڈن وغیرہ کے مشورے سے اور لاڈرڈیل کی عیارانہ رائے کے خلاف، چارلس نے دوبارہ اسقفوں کو بحال کیا تو صدہا پریس بی ٹری پادری کلیسا سے نکل گئے اور ان کے ساتھ متعلقوں نے بھی گرجوں کو خیرباد کہی۔ ان پادریوں کو اپنے سابقہ حلقوں سے بیس میل تک آنے کی ممانعت بھی کی گئی۔ کھلے میدانوں میں وعظ و تلقین بغاوت قرار دیئے گئے۔ گرجا چھوڑنے والوں پر جرمانے، قید، تخویف تعذیب سبھی کچھ جتن کیئے گئے، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور اسکاٹ لینڈ کے سب سے مخلص مذہبی افراد پہاڑیوں کے دامن ہی میں مجتمع ہوتے رہے کہ اپنے محبوب و محترم دینی پیشواؤں کے ارشادات سنیں۔ خوشامدی لارڈ ڈیل اور مرتد صدر اسقف شارپ کی زیر ہدایت فوجی جور و تعدی شروع ہوئی لوگوں نے بھی جواب میں مار دھاڑ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چارلس کو اسکاٹ لینڈ کی فوج بیس ہزار تک بڑھا لینے کا موقع مل گیا۔ بایں ہمہ سنہ ۱۶۷۹ء میں مذہبی دیوانوں کی ایک جماعت نے شارپ کو قتل کر ڈالا اور مغرب کے میدانی اضلاع میں

ا؎ "Weekly Pocket of Advice from Rome"

باب پنجم

باقاعدہ بغاوت پھوٹ پڑی۔ جان گریہم کی (جو بعد میں وای کونٹ ڈنڈی ہوا) جمعیت کو باغیوں نے ڈرم کلوگ پر مار بھگایا مگر نہ اُن کے اسلحہ اچھے تھے نہ سردار، اور ابیر کیبر مونمتہ (جو چارلس دوم کا ناجائز بیٹا مشہور تھا) زبردست لشکر لے کر آیا تو باغیوں کو بوتھ ویل برگ کے مقام پر سخت ہزیمت ہوی۔ اس ناکام بغاوت کی بدولت چارلس نے بڑی بھاری فوج فراہم کرلی جس کا سپہ سالار جان گریہم بنایا گیا اور جیمس اسکاٹ لینڈ پہنچا تو میثاقیوں کو دبانے اور ستانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی چنانچہ یہ کام اس نے بڑی ظالمانہ مستعدی سے انجام دیا۔

نئی پارلیمنٹ کا انتخاب پہلی کے انفساخ کے چند ہی روز بعد ہوگیا تھا مگر چارلس جانتا تھا کہ وہ بھی مخالف ہے اور روپیہ اسے لوی کی طرف سے ملتا رہتا تھا، لہذا وہ اس کا اجلاس بہت روز تک ملتوی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ کہیں اکتوبر ۱۶۸۰ء میں اس کے انعقاد کی نوبت آئی۔ مگر تاخیر سے گذشتہ عہد بادشاہی کے فریقانہ جذبات مشتعل ہوگئے تھے۔ ایک طرف تو عرضی پہ عرضی بھیجی جارہی تھی کہ پارلیمنٹ کا جلد اجلاس کیا جائے اور دوسری طرف وہ لوگ جو اس عرضی بازی سے نفرت کرتے تھے، التوا کی عرضیاں دے رہے تھے۔ اسی سے "عرضی گزار" اور "منافرین" کی اصطلاحیں بنیں جو آگے چل کے "وھگ" اور "ٹوری" کے ناموں میں بدل گئیں۔ یہ نام فریق مخالف کی طرف سے دئے گئے تھے۔ وھگ سے اسکاٹ لینڈ کے غیر مقلد مراد تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ۱۶۴۸ء میں ایک "وھگامور" یورش کی گئی تھی اور شاہ پسند ۱۶۶۶ء کے اسکوٹی باغیوں کو "وھگ" کہنے لگے تھے۔ فریق ملکی پر اس کے اطلاق میں یہ طعن مضمر تھی کہ وہ بادشاہ کے وفادار نہیں ہیں۔ ٹوری درحقیقت ایک آئرستانی ڈاکو تھا اور ۱۶۴۱ء کے آئرستانی باغیوں کو بھی اہل انگلستان "خونی ٹوری" پکارتے تھے۔ اسے درباری گروہ پر چسپاں کرنے میں یہ اشارہ تھا کہ وہ کیتھولک میلان رکھتے ہیں۔ بہرحال، بے معنی ہی سہی یہ چھوٹی چھوٹی اصطلاحیں ایک سیاسی فریق کو دوسرے سے ممیز کرنے میں بہت کارآمد تھیں اور چند ہی روز میں زبانوں پر چڑھ گئیں اور ان میں جو ذم کا پہلو تھا۔ وہ بھی جلد ذہنوں سے اُتر گیا بلکہ خود وہ فریق اسے اپنا امتیازی نام سمجھنے لگا۔

سیاسی فرقوں کے اصول

وھگ اور ٹوری دونوں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی حکومت کو ملک کا مسلم آئین مانتے تھے مگر ٹوری بادشاہ کے موروثی حق اور اُس کی

باب پنجم

بلا چون وچرا اطاعت پر زور دیتے تھے۔ بخلاف اس کے وھگ بادشاہ کو بھی ایک عہدہ دار سمجھنے پر مائل تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ قانون کا پابند ہے اور اس پر واجب ہے کہ صرف وزیروں کے ذریعے، جو پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوں، کام کرے۔ مگر خانہ جنگی کے زمانے کی طرح ان آئینی اصول سے بڑھ کر لوگوں کی روش پر اپنی مذہبی آرا کا اثر تھا۔ ٹوری، کلیسائے انگلستان کے سرگرم حامی تھے اور وھگ پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں سے مصالحت کرنے پر مائل اور ان کے ساتھ بخوشی رواداری برتنے پر آمادہ تھے۔ ان کے پادریوں تک کا میلان یہی تھا مگر کیتھولک مذہب سے کسی فریق کو ہمدردی نہ تھی کیونکہ دونوں یقین رکھتے تھے کہ انھیں پاپائیت سے مقابلہ کرنا ہے جس میں وہ اسے مٹا دیں گے یا وہ انھیں مٹا دے گی۔ اس فریق بندی میں امیر غریب کا کبھی کوئی امتیاز انگلستان میں نہیں ہوا اور دونوں فریقوں میں ہر طبقے کے افراد شامل تھے۔ البتہ جس طرح خانہ جنگی کے زمانے میں شاہ پسند اور پارلیمنٹی فریقوں کی تقسیم تھی، اسی طرح اب بھی زراعتی اضلاع خصوصاً دیہاتی پادریوں اور زمینداروں میں ٹوریوں کا بڑا غلبہ تھا اور شہروں میں وھگ غالب ہے۔

سنہ ۱۶۸۰ء میں قانون اخراج کی حمایت وھگوں نے کی اور ٹوری بادشاہ کے موروثی اور ربانی حقوق کے اصول کے مطابق وراثت کی ترتیب بدلنے کے خلاف رہے۔ دارالعوام میں وھگوں کی اکثریت تھی لہذا وہاں تو یہ مسودۂ قانون بغیر مزاحمت منظور ہو گیا مگر امرا میں شافٹس بری کی ساری کوشش کے باوجود اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ خصوصاً جارج سیویل (مارکوئیس ہے لی فیکس) نے نمایاں حصہ لیا۔ یہ شخص طبعاً دوسروں کی روش پر نکتہ چینی کرنے میں طاق تھا اور فخریہ اپنے تئیں "موڈریٹ" یعنی فریق بندی سے الگ، کہا کرتا تھا۔ اس کی طلاقت لسانی کی بدولت وھگوں کو شکست ہوئی اور ۳۰ کے مقابلے ۶۳ آرا سے مسودہ مسترد کر دیا گیا۔ درباری فریق کی کامیابی میں شافٹس بری کی اس غلطی کو بھی بہت کچھ دخل تھا کہ اس نے شہزادۂ اورینج سے بگاڑ لی جب تک چارلس کی وارثہ میری مانی جا رہی تھی، اس وقت تک یہ شہزادہ بھی مجوزہ قانون کا دل سے حامی تھا لیکن بعض انتہا پسند وھگوں نے اب مون متھ کے دعاوی پر زور دینا شروع کیا جو پکا پروٹسٹنٹ اور ان دنوں شافٹس بری کے بہت اثر میں تھا۔ شہزادۂ ولیم یہ سن کر اس قانون کے خلاف ہو گیا۔ مسودہ قانون کے مسترد ہونے کے بعد بھی شافٹس بری اتنا جوش میں بھرا تھا کہ چارلس

باب پنجم

سے اصرار کرنے لگا کہ مان متھ کو ولد الحلال قرار دے لیکن بادشاہ نے اسے قبول نہیں کیا۔ بایں ہمہ، پاپائی سازش سے جو اندیشے پیدا ہوئے تھے، اُن میں کوئی کمی نہ آئی۔ سنہ ۱۶۸۰ء کی گرمیوں میں شافٹس بری، جیمز کو کلیسائے انگلستان سے منحرف قرار دے چکا تھا۔ قانون اخراج کے استرداد کو زیادہ مدت نہ ہوئی تھی کہ دار الامرا نے ۳۲ کے مقابلے میں ۵۵ آرا سے اسٹےفرڈ کو غداری کا مجرم بتایا۔ اور جب تک یہ کارروائیاں مُلک کی عام رائے کے موافق تھیں، اُس وقت تک جیمز کی تخت نشینی معرض خطر میں ضرور نظر آتی تھی۔ البتہ یہ بات بحث طلب تھی کہ آیا یہ خطرہ اس درجہ قوی ہے کہ عوام الناس ترتیب وراثت کو بدل ڈالنے کی سنگین کارروائی کرنے پر محض اس لیے تیار ہو جائیں گے کہ ایک ایسی خرابی کا حفظ ماتقدم کیا جائے جو ابھی تک محض احتمالی تھی۔ بہر حال وھگ سرگروہوں کو ہنوز اپنی کامیابی سے مایوسی نہ ہوئی تھی۔ چارلس کا یہ پیام سن کر کہ وہ مسودۂ قانون اخراج کی کسی حال میں منظوری کا ارادہ نہیں رکھتا، دار العوام نے ایک قرارداد منظور کی کہ جب تک وہ مسودۂ قانون نافذ نہ ہوگا، ہم بادشاہ کو کسی قسم کی رقم کی منظوری نہ دیں گے۔ اس سے حکومت کے سامنے قطعی رکاوٹ حائل ہو گئی اور چارلس کو پھر نئے انتخابات کے ذریعے ملک سے استمداد کرنی پڑی۔

آکسفرڈ پارلیمنٹ

یہ انتخاب بڑے ہیجان کی حالت میں ہوا۔ باستثنائے چند، تمام سابقہ مبعوث منتخب ہوئے اور کشاکش کی تجدید سے یقینی معلوم ہوتا تھا کہ معاملہ نازک ہو جائے گا۔ ان حالات میں چارلس نے جس ہمت اور سلیقے سے کام لیا وہ اُن لوگوں کو ششدر کر دینے کے لیے کافی تھا جنھوں نے اُس کی عام عادتوں کو سرسری طور پر دیکھ کر سیرت کے متعلق رائے قائم کر لی تھی۔ شافٹس بری، سنڈرلینڈ، اسیکس اور ٹیمپل مجلس شاہی سے خارج کر دیے گئے تاکہ درباری جماعت میں اتفاق رائے پیدا ہو جائے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس ویسٹ منسٹر کی بجائے آکسفرڈ میں مقرر کیا گیا تاکہ فریق وھگ شہر لندن سے دور ہو جائے کیونکہ اسی شہر میں اُن کے سب سے پکے طرفدار پائے جاتے تھے۔

باب پنجم

پھر لندن و آکسفرڈ کے درمیان فوج باقاعدہ کے سوار متعین کر دیے گئے کہ وھگوں کو بالکل منقطع کر دیں۔ مبعوث نوکروں کی بھیڑ کی بھیڑ لے کر آکسفرڈ آئے۔ لندن والے بلے لگائے ہوئے تھے جن پر "نہ پاپائی۔ نہ غلامی!" کی توقیع تھی۔ اُدھر جلسہ ہونے سے آٹھ دن قبل خود چارلس آکسفرڈ آیا اور مقررہ دن تک ساری تیاریاں مکمل کر لیں۔ پھر سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ اپنی طرف سے ایسی معتدل شرطیں پیش کرے کہ اُس کے مخالفین صریحاً غلطی پر نظر آئیں۔ نظر بر ایں خود تجویز پیش کی کہ کیتھولک بادشاہ کے تخت نشین ہونے کی صورت میں مُلک کا نظم و نسق پروٹسٹنٹ اشخاص کے ہاتھ میں رہے گا جس سے شہزادی میری کی نیابت مُراد تھی۔ فرقۂ وھگ نے یہ تجویز قبول نہ کی۔ تب چارلس بلا تاخیر جامعہ کی عمارت میں جہاں جلسہ ہو رہا تھا، داخل ہوا اور شاہی ملبوس زیب تن کر کے ارکان کو اپنے سامنے بلایا اور انفساخ پارلیمنٹ کا اعلان کر دیا۔ یہ سب کارروائی اتنی تعجیل سے ہوئی کہ مبعوثین کو مزید غور و تفحص کی فرصت بھی نہ ملی اور وھگوں کو پوری ہزیمت نصیب ہوئی۔ ایوان ویسٹ منسٹر سے نکل کر تو شہر میں جانا اور جلسے کرتے رہنا ممکن تھا مگر آکسفرڈ میں حکم شاہی کی تعمیل کے سوا کوئی اور سبیل نہ تھی اور شافٹس بری تک کو محسوس ہوا کہ پارلیمنٹ کی طرف سے کوئی مزاحمت ممکن نہیں ہے۔

وھگوں کی دار و گیر

بادشاہ کا یہ فتح پانا زیادہ تر اس لیے ممکن ہوا کہ شہزادی میری کے نیابۃً یا اصالۃً فرماں روا ہو جانے سے انگلستان و ہالینڈ میں عملاً جو اتحاد ہو جاتا اُس کے امکان سے لوئی چہار دہم بہت گھبرایا اور اُس نے چارلس کو ڈھائی لاکھ پونڈ دینے کا اقرار کر لیا بشرطیکہ تین سال تک کوئی پارلیمنٹ ہی منعقد نہ کی جائے۔ اور یہ اتنی قیمت تھی کہ شاہ انگلستان پہلے کی طرح اب بھی اپنی آزادی بیچنے پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ پارلیمنٹ درہم برہم کر دی گئی۔ اس کامیابی کی ذیل میں حکومت کا دوسرا قدم یہ تھا کہ اپنے مخالفین کی دار و گیر کی جائے۔ اس کا پہلا شکار اسٹیفن کالج نام ایک بے عقل بکّی آدمی تھا جسے پروٹسٹنٹ ہو جانے کی وجہ سے وھگوں نے بہت بانس پر چڑھایا تھا۔ لندن میں اُسے سزا دینے کا بہت کم قرینہ تھا لہٰذا انصاف کے گلے پر چھری چلا کے اُسے آکسفرڈ لے گئے اور

باب پنجم

ٹوری افراد کی جیوری نے غداری کا مجرم ٹھیرا دیا چنانچہ اُسے سولی دی گئی۔ لیکن شافٹس بری اس طرح آسانی سے قابو میں آنے والا نہ تھا اور لندن کی کوئی جیوری کلاں اُس پر ایسا الزام تجویز نہ کر سکتی تھی کہ اپنے ہم چشموں کی عدالت میں اُسے سپرد کر دیا جائے۔ پھر بھی اس کی کوشش کی گئی اور پیشی کے دن ڈرائی ڈن کی نظم (Absalom and Acitophel) کی اشاعت سے بھی مدد لی گئی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اور حکومت نے یہ کارروائی جس سے اہل شہر کے حقوق کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی تھی کی کہ لندن میں جبراً نارتھ اور کرنل ریچ کو شیرف مقرر کر دیا۔ نارتھ، ترکی سے تجارت کرتا تھا اور اپنے ہمنام میر مجلس عدالت اور اُس کے روجر نارتھ کا بھائی تھا جو مشہور ٹوری روز نامچہ نویس گزرا ہے۔ ریچ محض رکابی مذہب آدمی تھا جس نے کچھ روز پہلے مسودۂ قانون اخراج کی تائید میں رائے دی تھی اور اب درباری فریق سے آملا۔ غرض ایسے حاکمان عدالت ہونے کی صورت میں شافٹس بری سمجھ گیا کہ مخالفین یقیناً اپنے حسب مراد جیوری مہیا کر لیں گے۔ بغاوت برپا کرا دینے کی امید نہ تھی لہٰذا وہ نومبر ۱۶۸۲ء میں چپکے سے برّ اعظم میں چلا آیا اور دو مہینے کے اندر ہالینڈ میں وفات پائی۔

ادھر، کوئی شک نہیں کہ وھگ فرقے کے سرگروہ جنگ وجدال کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ خود شافٹس بری نے وّے پنگ سے "جیوٹ جوان" لانے کا ذکر کیا تھا۔ مان متھ انگلستان میں اس سال (۱۶۸۲ء) شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ گشت لگاتا پھرا اور شیخیاں ہانکتا تھا کہ "بادشاہ کی اصل بیماری" کھونے کی قوت میں رکھتا ہوں" اور لوگوں کو جہاں تک ہو سکا، اپنے گروہ میں شریک ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ لندن میں بھی جلسے ہوتے تھے۔ بایں ہمہ کوئی باقاعدہ تدبیر یقیناً مرتب نہیں ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ اصلی سرگروہ عام طور پر یقین رکھتے تھے کہ مسلح بغاوت چلنے والی چیز نہیں ہے۔ البتہ خاص خاص تندمزاج افراد نے، جن میں ایک پرانا کروم ویلی، کرنل رمبولڈ بھی داخل ہے، کم سے کم زبانی یہ سازش کی تھی کہ چارلس اور جیمز کو رائی ہاؤس کے پاس سے گزرتے میں قتل کر دیا جائے۔ یہ مکان لندن سے نیو مارکٹ جانے والی سڑک پر

باب پنجم

ہوڈیس ڈن کے قریب ایک تنہائی کی جگہ واقع تھا۔ اصلی حالات تاریکی میں ہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ اوروں کے علاوہ لارڈ ہاورڈ اور کرنل رمزی ممتاز مخبروں میں تھے اور انھی کی مخبری پر حکومت نے رمبولڈ کے تین دوستوں کے ساتھ اسیکس، رسل، جان ہیمڈن اور کرنل سڈنی کو بھی گرفتار کر لیا۔ ان سب پر الزام تھا کہ مان متھ اور لارڈ ہاورڈ کی سرکردگی میں ایک ۶ اشخاص کی جماعت عاملہ تیار کر رہے ہیں کہ بغاوت کا انتظام کرے۔ رمبولڈ کے تین دوستوں کو تو سولی دی گئی۔ لارڈ رسل سازش میں حصہ لینے سے انکار کرتا تھا مگر مخالفین کے ایک جلسے میں شریک ضرور تھا اور ہاورڈ و رمزی کی شہادت پر اُس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ یہی حشر آلگرنن سڈنی کا ہوا ان میں رسل بہت صاحب حزم واحتیاط شخص تھا۔ اور بظاہر وہ اس قسم کے کام میں، جس کی بنا پر سزائے موت پائی، نادانی سے شریک ہونے والا نہ تھا۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں محبوب و محترم رہا۔ بخلاف اس کے، سڈنی سر پھرا جمہوریت پسند اور ۱۶۵۳ء میں جو پارلیمنٹ نکالی گئی، اُس کا سرگرم کارکن تھا۔ وہ عرصے تک غیر ملکوں میں پھرتا رہا اور ۱۶۶۵ء و ۱۶۶۶ء میں پوری کوشش کی کہ فرانس و ہالینڈ دونوں کی مدد سے انگلستان میں شورش برپا کی جائے۔ اس کا مزید سازباز میں حصہ لینا کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ لیکن بے رحم جیف ریز نے جس طرح مقدمے کی سماعت کی وہ عدل و انصاف کی تضحیک تھی۔ ملزم کے خلاف کافی شہادت موجود نہ تھی اور دوسرا گواہ نہ مل سکا تو اُس کی بجائے، ایک نامطبوعہ قلمی تحریر پیش کر دی گئی جو ملزم کی الماری سے برآمد ہوئی تھی اور استدلال کیا گیا کہ جب وہ نیرو اور کالی گلا کے خلاف رعایا کی سرکشی کو درست بتاتا ہے تو چارلس کے خلاف بھی بغاوت کا حامی ہوگا۔

بہرحال سڈنی نے کمال استقامت سے جان دی اور جو لوگ چارلس کے استبداد کا شکار ہوئے، اُن میں سب سے شریف اُسی کو سمجھا گیا۔ ہیمڈن کے خلاف اتنی شہادت بھی نہ مل سکی جس کی بنا پر دوسروں کو سزا ملی تھی۔ بر ایں ہمہ بدچلنی کی بنا پر چالیس ہزار پونڈ جرمانہ ہوا جس نے اُسے بالکل تباہ کر دیا۔ اسیکس نے خودکشی کر لی۔ مان متھ نے اجمالی طور پر اقبال جرم کیا اور اُسے معافی مل گئی کہ

باب پنجم

ہالینڈ چلا جائے۔ رمبولڈ بھی فرار ہوگیا اور اسی طرح امیر آرجائل جسے اسکاٹ لینڈ میں گرفتار کرکے مجرم قرار دیا گیا تھا، کسی تدبیر سے بھاگ کر ہالینڈ پہنچ گیا۔

ان تدبیروں سے اپنے دشمنوں کو دہشت زدہ کرنے کے ساتھ چارلس، لوئی کے عطیے سے فائدہ اُٹھا رہا تھا کہ جب تک دارالعوام میں مستقل اکثریت کا اطمینان نہ ہوجائے، اس وقت تک شاہ فرانس کے روپے سے کام لیا جائے۔ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ وھگ فرقے کی قوت شہروں میں اور ٹوریوں کا غلبہ دیہات میں تھا۔

بلدیات کی نئی ترتیب

شہری مبعوثوں کا انتخاب عموماً ہر جگہ کی بلدیہ کے ہاتھ میں ہوتا اور وہ ایک پیوستہ جماعت ہوتی جو اپنی خالی نشستوں کو خود معمور کرلیتی تھی۔ اب ایک رکن عدالت عالیہ، سونڈرس نے جو اُن دنوں اسکروگز اور جیفریز کی طرح بادشاہ کی خوشامد کی بدولت بدنام ہوا، تجویز پیش کی کہ بادشاہ چاہے تو حکمنامے کے ذریعے ان بلدیات کی سندیں مسترد کرکے، ٹوری ارکان کی نئی بلدیات مرتب کرسکتا ہے۔ چنانچہ تمام بلدیات میں اسی خیال کے مطابق عمل کیا گیا اور ایسی بستیوں کی بلدیات بھی ازسرِنو مرتب ہوئیں جو پارلیمنٹ میں کوئی مبعوث نہیں بھیجتی تھیں جیسے لیڈز وغیرہ۔ پھر جدید اسناد یا منشور دیتے وقت بادشاہ نے بلدی عمّال کے انتخاب کی منظوری دینے کا حق محفوظ رکھا کہ اگر کوئی انتخاب اُسے پسند نہ آئے تو خود عامل نامزد کردے۔

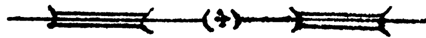
بلدیات کی جدید ترتیب، ان تدبیروں میں سے سب سے آخری تھی جن کے ذریعے چارلس دوم وہ اثرات زائل کرنے کی فکر میں تھا جو طویل پارلیمنٹ کے چارلس اوّل کا مقابلہ کرنے سے مُلک میں پیدا ہوگئے تھے۔ ان تدابیر میں اُسے حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی اور اب وہ قریب قریب بالکل مطلق العنان بادشاہ نظر آتا تھا۔ تھوڑی سی مستقل فوج اُس کے زیرِ علم تھی کہ عوام النّاس کی کسی ابتدائی شورش کا فوراً قلع قمع کرسکے اور یہ بات ٹیوڈر یا جاروبیہ خاندان کے بادشاہوں کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ فوج بے قاعدہ کے سرداروں کا تقرر اُس کے ہاتھ میں تھا اور جو قلعے منہدم نہیں ہوئے تھے، اُن کے قلعہ دار بھی وہی نامزد کرتا تھا۔ حکام عدالت میں سے جس کو چاہے برطرف کرسکتا تھا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہلِ قانون میں

باب پنجم

سونڈرس، جیفریز وغیرہ ایسے لوگ ملنے غیر ممکن نہ تھے جو بادشاہ کی مرضی کے مطابق کام کریں۔ فوجداری حاکموں کا مقرر کرنا بھی عملاً اُسی کے اختیار میں تھا۔ اُدھر لوئی کی دوستی کے طفیل وہ جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہوئی اس وقت تک آمدنی کی طرف سے بیفکر تھا۔ دوسرے بلدیات کی ترتیب جدید نے اُسے خود دارالعوام میں اپنی مرضی کے مطابق ارکان بھرتی کرنے کا ذریعہ بہم پہنچا دیا تھا۔

بادشاہ کی وفات

غرض اس چالاک اور بے اُصول بادشاہ کی حالت یہ تھی جبکہ عین عروج اقتدار کی ساعت میں اور بظاہر نہایت عمدہ صحت کے باوجود اجل کا پیام آیا اور وہ فالج سے ۶ر فروری ۱۶۸۵ء کو فوت ہوگیا۔ وہ بہترین قابلیت کا آدمی تھا اور اپنی ریشہ دوانی کے سلیقے کو ظاہری ہنسی دل لگی کے پردے میں چھپائے رکھتا تھا۔ اُس کی بیرحمی کی دور اندیشانہ تدابیر اُس زمانے کے اچھے سے اچھے سیاسوں کے ہوش بگاڑ دیتی تھی اور وہ لوگ بھی جو اُسے خوب جانتے تھے، حیران ہو ہو جاتے تھے۔ اُس نے بستر مرگ پر اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کیا اور اسی مذہب کے پادری "ہڈلسٹن" کے ہاتھ پر توبہ کی۔ یہ وہی ہڈلسٹن تھا جس نے چارلس کو ورسٹر سے بھاگ نکلنے میں مدد دی تھی۔ اپنی ملکہ کیتھرائن (برگنزی) سے اُس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی مگر مختلف ماؤں سے ناجائز بچے بہت سے تھے جن میں سے کئی امارت کے درجے پر سرفراز کیے گئے۔



مشہور واقعات

قانون بلدیات	سنہ ۱۶۶۱ء
قانون یکسانی	سنہ ۱۶۶۲ء
قانون میثاق	سنہ ۱۶۶۴ء
" پنج میل	سنہ ۱۶۶۵ء

باب پنجم

وبائے طاعون	سنہ ۱۶۶۵
آتش کبیر	سنہ ۱۶۶۶
ولندیزوں سے پہلی جنگ	سنہ ۱۶۶۵ تا ۱۶۶۷
وزارت "کیبال"	سنہ ۱۶۶۷
اتحاد ثلاثہ	سنہ ۱۶۶۸
ڈوور کے عہد نامے	سنہ ۱۶۷۰
اعلان رواداری	سنہ ۱۶۷۲
ولندیزوں سے دوسری جنگ	سنہ ۱۶۷۲ تا ۱۶۷۴
پاپائی سازش	سنہ ۱۶۷۹
مسودۂ قانون اخراج	سنہ ۱۶۸۰
آکسفرڈ پارلیمنٹ	سنہ ۱۶۸۱
رسل وسڈنی کا قتل	سنہ ۱۶۸۳



باب ششم

جیمز دوم ۱۶۸۵ء تا ۱۶۸۹ء

ولادت ۱۶۳۳ء - ازدواج : این ہائڈ ۱۶۶۰ء (وفات ۱۶۷۱ء)
میری (اوف موڈنا) ۱۶۷۳ء (وفات ۱۷۱۸ء)

خاص معاصرین :- فرانس..... لوئی چہار دہم
ہسپانیہ..... چارلس دوم
ہالینڈ...... ولیم ثالث
شہنشاہ..... لیوپولڈ اول (وفات ۱۷۰۵ء)
پاپائے روما... انوسینٹ یازدہم (وفات ۱۶۸۹ء)

تخت نشینی اور خصائل

کسی واقعے کے متعلق اکثر یہ ہوا ہے کہ قبل از وقوع تو طرح طرح کے اندیشے اور پریشانیاں تھیں مگر جب وہ واقعہ پیش آیا تو ایسی سیدھی سادی بات نکلی کہ لوگ حیرت میں رہ گئے ۔ یہی کیفیت جیمز کی تخت نشینی کی ہوئی کہ ایسی چپ چاپ اور معمول کے مطابق عمل میں آ گئی کہ کچھ روز تو ایسا

باب ششم

معلوم ہوا کہ جو لوگ اُسے محروم و راثت کرنا چاہتے تھے، اُن کے اندیشے محض وہمی تھے۔ نیا بادشاہ اوصاف حمیدہ سے عاری نہ تھا مگر خلقی عیوب کے علاوہ بعض ایسے متضاد صفات اُس میں جمع تھیں کہ اُن خوبیوں پر پانی پھر گیا۔ سر جان اوی لین نے "نہایت محنت کش، محتاط، متین، نہایت فہیم اور بدرجۂ غایت مخلص و راست کردار" بتایا ہے کہ جو کچھ وعدہ کرتا اسی کے مطابق عمل کرنا جزو ایمان سمجھتا تھا۔ سپہ سالار اعظم تورین نے جیمز کی جوانی میں جنگی قابلیت دیکھ کر بہت عمدہ رائے قائم کی تھی اور بحری معرکوں میں بھی جیمز بارہا شریک ہوا تھا۔ امارت بحری کے دفتر میں اُس نے بڑی دیدہ ریزی سے کام کیا۔ اور اُسقف برنیٹ کی یہ رائے کہ اُس کے عہد حکومت میں "عیش اور کاہلی کی بجائے عمل اور کاروبار کا دور" ہوگا، غالباً عام رائے کا اظہار کرتی ہے۔ مگر جیمز کے یہ سب اوصاف ماتحتانہ حیثیت میں نظر آئے تھے۔ ورنہ وہ بادشاہ یا اختیار ہوا تو وہ سب نقائص عیاں ہو گئے جنھوں نے اُس کے باپ کو روز بد دکھایا تھا۔ وہ حد درجہ تنگ دل تھا۔ کسی مسئلے کے دونوں پہلو دیکھنے یا کسی معقول حجت سے متاثر ہونے کی مطلق صلاحیت نہ تھی اور اسی قسم کے اسباب نے اُس کی قوت متخیلہ کو اتنا ضعیف کر دیا تھا کہ دوسروں کی رائے میں اُسے کوئی معقولیت نظر نہ آتی تھی اور اپنی رائے پر، باپ کی طرح، برابر اڑا رہتا تھا۔ وہ مذہبی رسوم کے بجا لانے میں تو اپنے پیش رو بادشاہ سے زیادہ اہتمام کرتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بدچلنی میں اُس سے کم نہ تھا۔ یہ عیب دوسری خوبیوں کو ماند کر دینے کے لیے کافی تھے اور چار ہی سال میں جیمز نے نہ صرف اُن سب طبقات کو جو اُس کے باپ سے لڑے تھے، اپنے خلاف برانگیختہ کر لیا، بلکہ اُن کو بھی جو اُس کی حمایت میں لڑے تھے۔ چارلس کی وفات کے بعد ہی مجلس شاہی کا جلسہ ہوا تو جیمز نے اپنے بھائی کے بیٹھتے وقت اعلان کیا کہ میں "ملک و کلیسا کا وہی نظم و نسق قائم رکھنے کی سعی کروں گا، جو اس وقت بروئے قانون قائم ہے۔ اور جس طرح بادشاہ کے جائز حقوق اور امتیازات ہاتھ سے نہ جانے دوں گا اسی طرح کسی آدمی کی املاک پر کبھی دست درازی نہ ہوگی" تقریر کے الفاظ کی پوری طرح تحقیق نہیں ہو سکی لیکن جس شکل میں وہ طبع ہوئی،

باب ششم

اُس نے سب کو مطمئن کر دیا اور لوگ پکار اُٹھے کہ اب تو خاص بادشاہ کے وعدے ہمارے سامنے ہیں اور ان وعدوں کی ابھی تک خلاف ورزی نہیں ہوئی ہے۔

نئے بادشاہ کے خاص معتمد علیہ یہ لوگ تھے۔ اس کا برادر نسبتی اور مشہور امیر کلے رنڈن کا بیٹا لارنس ہائڈ (بے امیر روچسٹر) تھا جو وزیر خزانہ مقرر ہوا۔

وزرا

ہے لی فیکس جس کی تقریر سے مسودۂ قانون اخراج دارالامرامیں مسترد ہوا تھا۔ لارڈ گوڈال فن اور لارڈ سنڈرلینڈ۔ مگر بہت جلد ثابت ہوگیا کہ ہے لی فیکس کو زیادہ اختیارات دینا منظور نہیں ہے اور مُہر دار کی بجائے اُسے مجلس شاہی کا صدر مقرر کر دیا گیا جو اعزاز میں زیادہ لیکن اہمیت میں کمتر درجے کا منصب تھا۔ چنانچہ اس ترقی کو اُس نے "بار بار کے کوٹھے پر چڑھانے" سے تعبیر کیا ہے۔ مُہر امیر روچسٹر کے بھائی کلے رنڈن کے حوالے کر دی گئی۔

یہ دونوں بھائی جیمز کی شہزادگی کے زمانے میں اُس کے زبردست حامی تھے لیکن ان کی اصلی شہرت کا سبب یہ تھا کہ کلیسا کی سود بہبود سے انتہائی شغف رکھتے تھے اور ان کی ملازمت گویا فلاح کلیسا کی ضمانت تھی۔ گوڈال فن مالیات کا عمدہ ماہر تھا اور اُس کی محل شناسی اور کاردانی دیکھ کر چارلس نے ایک بار کہا تھا کہ سڈنی گوڈال فن کبھی راستہ نہیں روکتا اور کبھی راستے سے دور نہیں جاتا۔ سنڈرلینڈ دبیر شاہی مقرر ہوا۔ اُس نے مسودۂ قانون اخراج کی تائید میں رائے دی تھی مگر اس کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب کا دل سے حامی تھا بلکہ غلطی سے یہ سمجھا تھا کہ یہ فریق کامیاب ہو جائے گا۔ اس غلط روی کی تلافی کے لیے وہ آمادہ تھا کہ اب نئے بادشاہ کی ہر طرح تائید کرے۔ اسے گوڈال فن اور لارنس ہائڈ کو اکثر مزاحاً بچوں (= chits) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

جیمز کا پہلا کام یہ تھا کہ محصول کروڑگیری کی وصولی کا حکم دیا۔ یہ محاصل چارلس کے لیے تاحیات منظور کیے گئے تھے لیکن اب ان کی معمولی پارلیمنٹ کی

باب ششم

منظوری کے بغیر نہ ہو سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ ان کی وصولی میں وقفہ بھی مناسب نہ ہوتا۔ اس سے تجارت میں خاصی ہل چل پڑ جاتی اور چارلس کی وفات کے ایک ہی دن بعد جو مال بندرگاہوں میں آیا تھا یا تو وہ پڑا رہ جاتا اور یا سوداگروں کو اُن کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا پڑتا جو پہلے محصول ادا کر چکے تھے۔ یہ صریحاً ناانصافی ہوتی دوسرے سرکاری مالیے کا نقصان متصور تھا اور اسی لیے یہ انتظام کہ آئندہ بادشاہ کی وفات سے ان محاصل کی وصولی میں رکاوٹ نہ پیدا ہو، اگرچہ اُس وقت آئین کے خلاف تھا، تاہم مجموعی طور پر تجارتی طبقے نے اس کو پسند کیا جس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا اور دوسری بڑی بڑی شرکتوں نے بلا تامل حکم شاہی کی تعمیل کی۔

جیمز کو حب وطن کے بڑے دعوے تھے مگر لوئی نے اپنے سفیر باری لون کے ذریعے ۶۷ ہزار پونڈ بھیجے تو وہ اتنا با حمیت نہ نکلا کہ لینے سے انکار کر دیتا۔ اور لوئی نے یہ رائے ظاہر کی کہ گو جیمز کی طرف سے بہت کچھ لاف وگزاف مشہور کیے گئے ہیں مگر وہ میرا روپیہ قبول کرنے میں اپنے بھائی سے کم آمادہ نہیں ہے۔" اتنی بات ضرور تھی کہ اس رقم میں سے کچھ چارلس کا بقایا روپیہ تھا اور مجموعی طور پر جیمز نے اپنے سارے عہد حکومت میں جو روپیہ لیا اس کی مقدار بہت ہی تھوڑی تھی۔

قیدیوں کی رہائی اوٹس کی سزا

جیمز کی تخت نشینی کے وقت بہت سے سیاسی اور مذہبی قیدیوں کو رہائی عطا ہوئی۔ ڈین بی اور چار کیتھولک امیر قلعۂ لندن سے اور کئی ہزار کیتھولک اور بارہ سو کوئیکر دوسرے قید خانوں سے رہا ہوئے۔ اسی کے ساتھ اوٹس اور ڈینجرفیلڈ جنھوں نے مفروضہ پاپائی سازشوں کی شہادت میں ممتاز حصہ لیا اور بہت سے بے گناہوں کے مارے جانے کا باعث ہوئے تھے، اُن سے تقدیر نے سخت انتقام لیا۔ اوٹس پر چارلس کی زندگی ہی میں دروغ حلفی کا الزام عائد ہوا تھا۔ جیمز کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ دو الزامات صحیح ثابت ہوئے اور ہر ایک جرم کے عوض ۶۶۶ پاؤنڈ جرمانہ ایلڈ گیٹ سے

باب ششم

نیوگیٹ اور پھر دو دن بعد وہاں سے ٹائی برن تک تازیانہ زنی، سال میں پانچ مرتبہ تشہیر اور دائم الحبس کی سزا تجویز ہوئی۔ عدالت کا منشا غالباً یہ تھا کہ مجرم ان سزاؤں سے جاں بر نہ ہو۔ لیکن اوٹس ہر بات میں دنیا سے نرالا تھا۔ وہ سب سزائیں جھیل گیا اور ولیم ثالث کے زمانے تک زندہ رہا اور اس سے وظیفہ حاصل کیا۔ تھوڑے دن بعد اس کے ساتھی ڈینجر فیلڈ کو بھی یہی سزا ملی مگر تازیانوں سے یا ایک قانون کے طالب علم، فرانسس کے بید آنکھ میں گھسا دینے سے فوت ہو گیا۔ خود فرانسس کو اسی بدعنوانی کی سزا میں سولی دیدی گئی۔ اسی زمانے کے قریب ایک قابل قدر شخص رچرڈ بیکسٹر نے بھی دربار کے سوئے ظن کی بدولت مصیبت اٹھائی۔ اس نے انجیل پر تفسیر لکھی تھی جس پر اعتراض ہوا کہ کلیسا کی ہتک عزت کا پہلو نکلتا ہے۔ جیفریز نے مقدمہ برن کی سماعت کی اور ۳۳۳ پاؤنڈ جرمانہ یا تا ادائی رقم قید کی سزا دی۔ اور مجرم رقم جرمانہ ادا نہ کر سکا۔

مئی میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ بلدیات میں بادشاہ کو جو تازہ اقتدار مل گیا تھا، اس سے پورا کام لیا گیا خصوصاً مغرب کے اضلاع میں، جہاں انتخاب کا انتظام "شاہ انتخابات" لارڈ باتھ کے تفویض کر دیا گیا تھا اور اس نے

پارلیمنٹ کا انعقاد

کارنول کی بلدیات میں بہت سے شاہی فوج کے سرداروں کو مقرر کرا دیا تھا۔ غرض نتیجہ اس قدر بادشاہ کے موافق مراد نکلا کہ جیمز نے خود اقرار کیا کہ سوائے چالیس ارکان کے، باقی سب عین میری پسند کے لوگ منتخب ہوئے ہیں۔ دارالعوام میں ایڈورڈ سیمور نے بلدیات کے نئے اجازت ناموں پر سخت حملہ کرنے کی ہمت کی تھی مگر کسی نے معقول تائید نہ کی اور بادشاہ کے لیے فیاضانہ منظوریاں دے دی گئیں۔ چارلس کے کل مداخل میں پانچ لاکھ پونڈ مستقل اور نو لاکھ پارلیمنٹ کی منظوری کے محتاج ہوتے تھے۔ اب اسے بالکل بدل دیا گیا۔ اور شکر و تمباکو کے اضافۂ محصول کے علاوہ شراب اور سرکے پر آٹھ سال اور بیرونی سوتی پارچے پر پانچ سال کے محاصل بادشاہ کو دیے گئے۔

باب ششم

ارجائل کی سرکشی

جیمز کی تخت نشینی تو اس طرح بغیر کسی ہنگامے کے ہو گئی۔ لیکن جلا وطن وہگ بغیر جدّ و جہد کے اپنی امیدوں سے ہاتھ اُٹھانے پر آمادہ نہ تھے۔ جیمز کے بادشاہ ہوتے ہی شہزادۂ آرنجی نے مان متھ سے ہالینڈ چھوڑ دینے کی فرمائش کی۔ وہ برسلز آ گیا اور وہاں امیر آرجائل وغیرہ نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ اُس کی بادشاہی کی حمایت میں انگلستان و اسکاٹ لینڈ دونوں جگہ بیک وقت بغاوت کرا دی جائے۔ مان متھ کو کامیابی کی امید قوی نہ تھی اور وہ تربیت یافتہ فوج کے مقابلے میں بے سدھے باغیوں کو لڑانے کی مشکلات سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن آرجائل جوش میں بھرا تھا اور مان متھ اپنی صحیح رائے کے خلاف، اس کی خاطر سے رضامند ہو گیا۔ اوّل آرجائل ہی نے رمبولڈ کی ہمراہی میں اپنے مُلک کا رخ کیا۔ حکومت کو اُس کی آمد کی پہلے سے خبر ہو گئی تھی اور کیمپ بل قبیلے کے ممتاز افراد حراست میں لے کر پہاڑیوں سے جانے والے راستوں پر فوجی پہرے لگا دیے گئے تھے۔ چنانچہ آرجائل خود اپنے علاقے میں جس پر اصلی انحصار تھا، بے دست و پا رہ گیا اور مغربی میثاقیوں کو بغاوت پر اُبھارنے کی جو ناقص کوشش کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے، رمبولڈ سمیت، گرفتار کر لیا گیا۔ آرجائل پہلے ہی کشتنی قرار پا چکا تھا، اُسی سابقہ فیصلے کی بنا پر قتل ہوا اور رمبولڈ پر اب عدالت میں جرم ثابت ہوا۔ اسی مقدمے میں اُس نے دلیری سے یہ الفاظ کہے تھے کہ "مجھے یقین نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی بڑی تعداد کو محض اس لیے خلق کیا ہے کہ اُن کی پیٹھ پر زین اور منھ میں لگام لگائی جائے اور صرف چند آدمی اس لیے ہیں کہ موزے اور مہمیز پہن کر اُن کی سواری لیں"۔

آرجائل کی گرفتاری کے ۶ دن بعد مان متھ، گرے، فلیچر اور فرگسن کی ہمراہی میں لائم (ڈرسیٹ شر) میں لنگر انداز ہوا اور ایک اعلان شائع کیا جسے بڑی حکمت سے مرتب کیا گیا تھا، کہ تمام پروٹسٹنٹوں سے رواداری کا برتاؤ کیا جائے۔ سالانہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہو۔ متدین حکام عدالت مقرر کیے جائیں۔ انتخاب عام کے ذریعے فوج بے قاعدہ کے عامل مقرر ہوں۔ قانون بلدیات

باب ششم

منسوخ اور سابقہ سندیں واگذاشت کی جائیں۔ کوئی دو ہزار کے قریب رفیق اُس کے پاس جمع ہو گئے اور اگر اسلحہ کا ذخیرہ کافی ہوتا تو ان سے زیادہ آدمی مل جاتے۔ کچھ وقت اُن کی قواعد آموزی میں خراب کر کے وہ ٹان ٹن کی طرف بڑھا جو سمرسٹ شر کے صنعتی ضلعے کا صدر مقام تھا اور وہاں کے پارچہ بافوں اور من ڈِپ پہاڑیوں کے کان کنوں میں کافی ہر دلعزیزی رکھتا تھا۔ چنانچہ ادنیٰ اور متوسّط طبقوں نے تپاک سے خیر مقدم کیا لیکن زمینداروں یا امرا کے طبقے سے کوئی تائید نہ ہوئی۔ ایک بدنصیبی یہ ہوئی کہ اس کے ساتھی فلیچر کا ٹان ٹن کے ڈیئر سے جھگڑا ہوا اور فلیچر نے اُس کے گولی مار دی۔ حالانکہ یہ ڈیئر، مان متھ کا بہت با اثر رفیق تھا۔ غرض فلیچر کو تو اس بنا پر جہاز میں واپس بھیجنا پڑا اور لارڈ گرے جس کے سپرد رسالے کی سرداری تھی، سخت ناکارہ ثابت ہوا۔ ان سب بدشگونیوں کے باوجود مان متھ نے خطاب بادشاہی اختیار کیا اور برسٹل کی طرف تیز بڑھے چلا گیا کہ اپنے چلیشر کے خیر خواہوں سے جا ملے۔ مگر اس کی سپاہ کو فلپس نورٹن کی معمولی لڑائی میں زک ہوئی تو یہ ساری امیدیں باطل ہو گئیں اور وہ برج واٹر چلا آیا۔

مان متھ کا حشر شاہی لشکر اُس کے عقب میں وہاں بھی آ پہنچا۔ اس لشکر کے سردار، فیورشم اور جان چرچل تھے۔ پہلا شخص تورین کا بھتیجا تھا اور دوسرا آگے چل کے شہزادۂ مارل برو بنایا گیا۔ شاہی پڑاؤ سیج مور کے نیم خشک میدانوں میں موضع ویسٹن زائے لینڈ کے قریب تھا اور مان متھ کو سلامتی کی آخری سبیل یہ نظر آئی کہ اس لشکر پر شبخون مارا۔ اگر آخر تک حملے کی خبر نہ ہوتی تو رات کی تاریکی باغیوں کی قواعد نہ دانی کی تلافی کر دیتی لیکن اتفاق یا ناواقفیت کی وجہ سے حملہ آوروں کے آنے کی اس وقت خبر ہو گئی جب کہ شاہی پڑاؤ تک پہنچنے میں ایک خندق کو عبور کرنا باقی تھا۔ اب اُلٹا شاہی فوج نے حملہ کر دیا اور گو مان متھ کے پیادے خوب لڑے مگر گرے کے ماتحت رسالے والے نامردی سے فرار ہو گئے۔ اور دن نکلا تو مان متھ بھی مایوس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ساحل تک پہنچنے کی کوشش میں وہ

باب ششم

کسی نہ کسی طرح نیو فورلیسیٹ تک آگیا لیکن بدلے ہوئے بھیس میں ذلّت و رسوائی کے ساتھ گرفتار ہوا اور اپنے ساتھی باغی سردار لارڈ گرے سمیت لندن بھیجا گیا۔ پارلیمنٹ اُس پر خرابی خون کا پہلے ہی فتویٰ دے چکی تھی پھر بھی وہ جاں بخشی کے لیے گڑگڑایا اور بغاوت کا سارا الزام اُن جھوٹے اور خطرناک ساتھیوں کے سر تھوپتا رہا جنھوں نے اُسے اغوا کیا تھا۔ اُس نے قتل کی سزا پائی لیکن اس درجہ نامردی دکھائی کہ اس کی سابقہ ہمت و روش کو دیکھتے ہوئے یقین کرنا مشکل ہے۔ گرے نے اپنی رسوائی کی تکمیل اس طرح کی کہ سلطانی گواہ بن گیا اور اپنے کئی سابقہ دوستوں کو سزا دلوائی۔ ادھر سیج مور کے فتحمندوں نے خونی انتقام کی تیاریاں کیں۔ کرنل کرک کی زیر ہدایت باغیوں کی کافی تعداد سولی پر لٹکا دی اور دکھاوے کو بھی کوئی عدالتی تحقیق تفتیش عمل میں نہ آئی۔ کرک نے سنگ دلی کا سبق طنجہ کے موروں میں حاصل کیا تھا۔ مقتولوں کے علاوہ اُن کے دوستوں اور پناہ دینے والوں سے قید خانے بھر دیے گئے اور اُن کی تحقیقات کے لیے پانچ حاکموں کی ایک عدالت خاص مرتب ہوئی جن کا صدر جیف ریز تھا۔ یہ عدالت مغرب کی طرف بھیجی گئی، اور اُس نے ونچسٹر میں ٹھیر کر ایک الیسا لزلی کا مقدمہ طے کیا۔ یہ کرام ویل کے ایک امیر کی بوڑھی بیوہ تھی اور اُس پر باغیوں کو پناہ دینے کا الزام تھا۔ اس بات کی کوئی شہادت نہ ملی کہ ملزمہ اپنے مہمانوں سے واقف تھی۔ بایں ہمہ جیف ریز کی زبردستی سے وہ مجرمہ قرار پائی اور اپنے اور نیز اپنے متوفیٰ شوہر کے جرائم کی یاداشت میں اُس کا سر اُڑا دیا گیا۔ ایک اور غریب عورت گونٹ کو اسی قسم کے جرم کا لندن میں مجرم قرار دیا اور زندہ جلوایا گیا۔ ونچسٹر سے جیف ریز اور اس کے ہمسفیر سالسبری، برسٹل وغیرہ مغربی مقامات سے گزرے اور اُن کی سعی و کوشش سے تین سو سے زیادہ اشخاص مصلوب، آٹھ سو غرب الہند میں جلا وطن اور بیحساب اشخاص کو تازیانے، جرمانے یا قید کی سزائیں نصیب ہوئیں ہر روز کی روداد بادشاہ کے مطالعے کی غرض سے بہ احتیاط قلمبند کر لی جاتی تھی۔ ہنری ہشتم نے اپنے زمانے میں مذہبی بغاوتوں کے بعد یا الزبتھ نے سنہ ۱۵۶۹ کے

باب ششم

فسادات کے بعد جیسی بےحساب سولیاں دلوائی تھیں، اُن کے مقابلے میں جیفریز اور کرک کا انتقام کچھ خصوصیت سے خونخوارانہ نہیں تھا۔ مگر چونکہ یہ ایسے زمانے میں واقع ہوا جب کہ دنیا نرم سزاؤں کی طرف مائل ہو رہی تھی، اسی لیے ملک بھر میں سناٹا سا پڑ گیا اور جیفریز کی کارروائیاں ہمیشہ کے لیے "خونی عدالت" کے نام سے مطعون ہوئیں۔ مگر خود بادشاہ نے تو اس کارگزاری کے صلے میں اسے صدر اعظم بنا دیا۔

مان متھ کی بغاوت کے ناکام رہنے سے یہ بھی صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ مستقل فوج کے ہونے سے کتنا بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ سابق میں باغی بھی ایسی ہی بلکہ بعض دفعہ بہتر فوج مرتب کرا لاتے تھے جیسی کہ بادشاہ کے پاس فراہم ہوتی تھی۔ لیکن اب کسی بغاوت کی کامیابی کا جب تک فوج باقاعدہ ساتھ نہ ہو، کوئی قرینہ باقی نہیں رہا۔

کیتھولکوں کی آزادی

ملیا ولی کا قول ہے کہ کسی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد حکومت میں خاص طور پر بڑا زور آ جاتا ہے۔ جیمز کو بھی ہمت ہوئی کہ کیتھولکوں کو چیرہ دست بنانے کے منصوبے پر عمل کرے۔ اس کے آغاز حکومت سے اس فرقے کے اغراض و مفاد چار شخصوں کی محافظت میں تھے:۔ رچرڈ ٹیلبٹ، جسے "چھوٹا ڈک" کہتے تھے۔ ہینری جرمین۔ ایک جیسوائٹ، ایڈورڈ پیٹر اور سنڈرلینڈ۔ اور انھی نے جیمز کو ابھارا کہ اپنی چیرہ دستی سے فائدہ اٹھا کر اصلی حکمت عملی کا آغاز کرے۔ اس حکمت عملی کے مقاصد یہ تھے: (۱) ضمیر کی آزادی، جس کے معنی بادشاہ کے خیال میں یہ تھے کہ سرکاری عہدوں کے لیے جو مذہبی امتحان مقرر تھے انھیں منسوخ کر دیا جائے (۲) طریق عبادت کی آزادی۔ واضح رہے کہ اُن کے حصول کی کوشش کسی رواداری کی حمایت پر مبنی نہ تھی بلکہ طبعاً جیمز اپنے عقائد و اغراض کی حفاظت کا خواہاں تھا اور اُس کے دل میں جمی ہوئی تھی کہ جب تک اس کی طریق عبادت قانوناً ممتنع، اور اُس کے ہم عقیدہ عہدے سے محروم ہیں، اس وقت تک خود اُس کی بادشاہی محفوظ نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسی لیے اگر وہ امتحان موقوف ہو جائیں تو

باب ششم

تو وہ سوچے بیٹھا تھا کہ چاروں طرف کیتھولک عہدہ داروں کا حلقہ مرتب کرے گا۔

چند مہینے کی التوا کے بعد نومبر ۱۶۸۵ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس پھر شروع ہوا۔ اس وقفے میں جیمز بالکل فیصلہ کر چکا تھا کہ مذکورۂ بالا معاملات طے کرا لیے جائیں۔ نیز ہیبیس کورپس قانون کی تنسیخ اور فوج مستقل کے اضافے پر پارلیمنٹ کو آمادہ کیا جائے۔ اگرچہ وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ رہ سکتا تھا کہ پارلیمنٹ میں ان تجاویز کو کس نظر سے دیکھا جائے گا۔ خود مجلس شاہی میں ہیلی فیکس نے اُن کی مخالفت کی تھی اور اسی بنا پر برطرف کیا گیا تھا۔ پروٹسٹنٹ عہدہ داروں نے بھی بادشاہ کے علانیہ کیتھولک نماز میں شریک ہونے تک پر تامل و اکراہ ظاہر کر دیا اور خود روچسٹر نے اُن کی سرگرمی کی۔ ادھر گزشتہ اجلاس ہی میں دار العوام کے مبعوثین اعلان کر چکے تھے کہ جو مذہبی آئین اس وقت قائم ہیں، "انھیں ہم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں"۔

ہیوگنو پناہ گزین کیتھولک فرقے کے لوگوں کی بدظنی کی ایک شہادت اسی زمانے میں یہ ملی کہ انھی گرمیوں میں لوئی نے ہنری چہارم کے "فتویٰ نانٹ" کو منسوخ کر دیا حالانکہ یہی قرار داد تھی جس کے ذریعے فرانس کے پروٹسٹنٹ یا ہیوگنو فرقے کو امن نصیب ہوا تھا۔ لوئی کا یہ فعل بجائے خود ایک فاش غلطی تھا کیونکہ فرانس کے ہیوگنو متوسط طبقے کے نہایت محنتی اور کاروباری لوگ تھے۔ ان کے نکلنے سے فرانس تقریباً ویران رہ گیا۔ سا ہوکارہ ایسا کمزور ہوا کہ اس جابر بادشاہ کی آمدنی میں معتد بہ کمی آ گئی۔ مصنوعات رُک گئیں۔ جیسوئٹ فرقے کے سوا تمام قوم اس فعل کو قابل نفرت سمجھتی تھی اور پاپائی فرقہ تک اسے پسند نہ کرتا تھا۔ بہرحال یہ مہاجرین انگلستان آئے تو وہاں لوگوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُن میں جو لوگ محتاج تھے اُن کی مدد کے لیے چندے کیے گئے اور پروٹسٹنٹی جذبات نیز کیتھولک فرقے کی ہر بات سے بدظنی اور زیادہ بڑھ گئی۔

پارلیمنٹ کا جلسہ ہوا تو جیمز نے اپنے خطبے میں فوج بے قاعدہ کا ناقابل اطمینان طرز عمل بیان کیا جو مانمتھ کی بغاوت کے زمانے میں ظاہر ہوا تھا اور اسے فوج مستقل کو بڑھانے کی دلیل میں پیش کیا۔ اسی کے ساتھ ان

باب ششم

کیتھولک سرداروں کی تعریف و توصیف کی جنھیں فوری ضرورت کی بنا پر بادشاہ نے سرداری کے عہدوں پر مقرر کر دیا تھا۔ لیکن اس تقریر کے ہوتے ہی نکتہ چینی شروع ہوگئی۔ دارالعوام میں سیمور اور سر جان مینارڈ اور امرا میں ڈیون شر، ہے لی فیکس، کومپٹن (اسقف لندن) وغیرہ فریق اختلاف کے سرگروہ تھے اور اپنی بات پر اس طرح اڑے کہ جیمز کو بتعجیل پارلیمنٹ فسخ اور حصول مقاصد کے لیے دوسری تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ یہ نئی تدبیر

اختیارات استثنا

اختیارات استثنا کا بے محابا استعمال تھا۔ اس زمانے میں بادشاہ کے استثنا اور التوا کے اختیارات پر بہت کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ دراصل ان کی بنیاد بادشاہ کے قدیم حق معافی پر مبنی تھی۔ مگر اب ان اختیارات میں دو توسیعیں یہ کی گئیں کہ بادشاہ کسی شخص کو قبل از فعل خلاف قانون فعل کی اجازت دے سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ کسی قانون کے نفاذ یا عمل کو کسی فرد یا سب کے لیے ملتوی کرنے کا حق رکھتا ہے جب تک قوانین محض حکومت کی روک تھام یا مجرموں کی سزادہی کے لیے کام میں لائے گئے، اُس وقت تک مذکورۂ بالا اختیارات کی چنداں ضرورت ہی نہ پیش آئی لیکن جب قوم نے مذہبی اختلافات کی بنا پر قیود اور رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں، تو ان اختیارات شاہی کی اہمیت خواہ مخواہ بہت بڑھ گئی۔ جیمز نے سب سے پہلے تو حکام عدالت کی رائے حاصل کی اور بعض کو مذبذب دیکھ کر عدالت کی ایسی اصلاح کی کہ اپنے موافق مراد متفقہ فیصلہ مل سکے پھر اس نے سر ایڈورڈ ہیلز کے خلاف خود ایک مقدمہ امتحاناً دائر کرا دیا۔ یہ شخص مذہباً کیتھولک تھا اور جیمز نے اسے کرنل مقرر کر دیا تھا۔ اب اسی کے اشارے سے ہیلز کے کوچبان نے عدالت میں مخبری کی اور عدالت عالیہ کے میر مجلس ہربرٹ نے اس کی سماعت کی بلکہ خود ہی یہ تدبیر سکھائی تھی۔ پھر فیصلہ سنایا کہ بادشاہ کے حقوق خاص میں یہ امر بھی داخل ہے کہ خاص خاص مقدمات میں تعزیری قوانین سے لوگوں کو مستثنیٰ کر دے۔" اس طرح مدعا علیہ (ہیلز) کے حق میں فیصلہ ہوگیا تو جیمز کو اور تقویت حاصل ہوئی اور اُس نے بے تکلف کیتھولک اشخاص کو

باب ششم

عہدے دینے شروع کیے اور چونکہ وہ ایسا ہی زیادہ کفایت شعار تھا، جیسا کہ چارلس دوم مُسرف تھا، اس لیے بغیر پارلیمنٹ کی رقمی منظوری کے فوج مستقل کی تعداد بھی بڑھا کر ۱۴ ہزار کر لی۔ ۱۶۸۶ء میں آکسفرڈ کا اسقف اور کلیۂ کرائسٹ چرچ کا صدر ڈاکٹر فیل فوت ہوا تو بادشاہ نے اُس کی جگہ دو آدمی مقرر کیے۔ ایک تو میسی جو کیتھولک تھا اور دوسرے ڈاکٹر پارکر جو علانیہ کیتھولک تو نہ تھا مگر دربار اور شراب کباب کی محفلوں میں اپنی لطیفہ سنجی کی بدولت خاص طور پر مشہور تھا۔ اسی زمانے میں ایک جدید المذہب کیتھولک، واکر کو بذریعۂ استثنا کلیۂ جامعہ میں اپنے عہدے پر برقرار رہنے کی اجازت دی گئی۔ یہ کارروائیاں اس وعدے کے خلاف تھیں جو جیمز نے تخت نشینی کے وقت مذہبی قوانین علی حالہ رکھنے کا کیا تھا، مگر اس بیباکی کی تاویل خود کلیسا اور جامعہ والوں کی تقریریں تھیں کہ یہ گروہ بادشاہ سے بغاوت کرنے پر برابر زجر و توبیخ کرتے رہتے تھے اور لارڈ رسل کے قتل ہی کے دن آکسفرڈ کے علما نے اپنا یہ عقیدہ بیان کیا تھا کہ "کسی حال میں بھی بادشاہ کی مزاحمت کرنا حرام ہے"۔ پس جیمز کو اطمینان تھا کہ اُس کے کاموں کو پسند نہ کرے تو بھی کلیسا اور جماعات سے اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بایں ہمہ اُس نے کلیسائی تقررات کے لیے ایک جدید نظارت قائم کی تاکہ کلیسا پر پورا قابو رہ سکے۔ یہ در اصل اعلیٰ تقررات کی قدیم عدالت کو، جو ۱۶۴۱ء میں توڑی گئی، ایک دوسرے نام سے زندہ کرنا تھا اور چونکہ ۱۶۶۲ء کے ایک قانون میں بادشاہ کو اپنی سیادت سے کام لینے کی اجازت درج تھی لہذا اس سے فائدہ اُٹھا کر جدید نظارت قائم کر دی گئی جس کے سب ارکان پروٹسٹنٹ تھے لیکن میر مجلس اور جیف ریز بھی داخل تھے اور اسی سے نئے محکمے کا مطلب سمجھ میں آسکتا تھا۔

ہاونس لو کی چھاؤنی لندن کو مرعوب کرنے کی غرض سے جیمس نے ہانس لو ہیتھ پر ۱۳ ہزار سپاہی جمع کر لیے اور اپنی حفاظت کی طرف سے مطمئن ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر کیتھولک اشخاص کو مقرر کرنا شروع کیا۔ اپنے برادر نسبتی کلے رنڈن کو آئرستان سے واپس بلا کر وہاں کی ولایت

بابِ ششم

ٹالبٹ کے تفویض کی اور اُسے امیر ٹائر کونل کے خطاب سے سرفراز کیا۔ وہ اپنی نوجوانی میں ڈرو گھیڈا کی یورش کے موقع پر موجود تھا اور اُس کی بڑی آرزو یہ تھی کہ آئرستان کو آزادی حاصل ہو جائے۔ لیکن خود جیمز اسٹری فرڈ کی حکمت عملی چلانے کی فکر میں تھا کہ اس ملک کو انگلستان کے خلاف جنگ آرائی کا مرکز بنائے۔ اس بنیادی اختلاف کے باوجود بوقت تقریر یہ دونوں متفق تھے کہ آئرستان کی فوج کو ازسرِ نو مرتب کیا جائے اور وہاں کی دیوانی خدمات پھر کیتھولک ہاتھوں میں منتقل کر دی جائیں۔ روچیسٹر کو بھی کیتھولک بنانے کی سلسلہ جنبانی اسی زمانے میں ہوئی اور جب اُس نے انکار کیا تو وزارت خزانہ سے برطرف کر دیا گیا۔ سنڈرلینڈ زیادہ مصلحت پسند ثابت ہوا اور روچیسٹر کی جگہ مقرر ہونے کی امید میں بادشاہ کا مذہب قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہی کیفیت اور بہت سے اشخاص کی تھی۔

جامعات اور کلیسا سے بادشاہ کے جھگڑے

سنہ ۱۶۸۶ء میں نظارت کلیسائی نے لندن کے اُسقف کومپٹن کو معطل کر دیا۔ اس پادری نے دارالامرا میں بادشاہ کی مخالفت میں حصہ لیا تھا اور اس قصور کے علاوہ اب ڈاکٹر شارپ کی زبان بندی کرنے سے انکار کرتا تھا۔ شارپ سینٹ جائلز کا صدر تھا اور اُس نے منبر پر کھڑے ہو کر بعض نئے کیتھولکوں کی دیانت پر حرف زنی کی تھی۔ کومپٹن کے تعطل کے بعد جیمز نے آکسفرڈ و کیمبرج کی جامعات پر حملہ کیا۔ نافذ الوقت قانون کی رو سے کوئی کیتھولک ان مدارس میں نہ تحصیل علوم کی سند اور نہ کوئی عہدہ پاسکتا تھا۔ جیمز نے ٹھان لی کہ اختیارات استثنا کے زور سے اس قانون سے تجاوز کیا جائے۔ چنانچہ ایک بینی ڈکٹائن راہب ایلبن فرانسس کی درخواست پیش ہوئی کہ اُسے ایم۔ اے کی سند عطا کی جائے۔ درخواست گزار اسی نواح میں کیتھولک مبلغ کا کام کرتا تھا۔ پس نائب امیر جامعہ نے مجلس رفقا کی غیر سرکاری تائید سے یہ درخواست تاوقتیکہ فرانسس مقررہ حلف نہ لے، مسترد کر دی اور اسی بنا پر اپنے عہدے سے برطرف اور ماڈلن کالج کی معلمی سے

باب ششم

معطل کردیا گیا۔ بایں ہمہ کامیابی جامعہ ہی کو حاصل ہوئی کیونکہ نئے نائب امیر جامعہ کے مقرر ہونے پر بھی فرانسس سند نہ پا سکا۔ کیمبرج کے بعد آکسفرڈ کی نوبت آئی۔ حقیقت میں جیمز نہایت خواہشمند تھا کہ کیتھولک طلبہ ان مدارس میں داخل ہوں۔ مگر اُس کا طریق عمل آکسفرڈ میں کیمبرج سے بھی بڑھ کر قابل گرفت ہے کہ وہاں کے ایک سب سے بالدار مدرسے (ماڈلن کالج) کا صدر نشین فوت ہوا تو اُس نے رفقا کے نام خط لکھا جس میں ایک کیتھولک اینٹنی فارمر نامی کو صدر مقرر کرنے کا حکم تھا حالانکہ قواعد و ضوابط کی رو سے یہ شخص نہ مقرر ہو سکتا تھا اور نہ علم و عمل میں کوئی خاص شہرت و امتیاز رکھتا تھا۔ غرض رفقا نے اپنی جماعت میں سے ایک شخص جان ہاؤ کو انتخاب کرلیا جو ہر طرح مناسب امید وار تھا اور لیاقت و استقامت کے لحاظ سے محض ڈرکر اپنے حقوق چھوڑنے والا نہ تھا۔ پھر یہ معاملہ کلیسائی نظارت کی عدالت میں پیش ہوا۔ اُس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ فارمر کو نظر انداز کردیا جائے۔ اسی کے ساتھ ہف کا انتخاب ناجائز ٹھیرایا۔ اب جیمز نے پارکر (اسقف آکسفرڈ) کو نامزد کیا اور گو اسے لوگ خفیہ کیتھولک خیال کرتے تھے، تاہم وہ عہدے کی قابلیت ضرور رکھتا تھا مگر رفقا کو اصرار تھا کہ ہف کا انتخاب درست ہے اور اب جگہ ہی خالی نہیں جس پر پارکر کو مقرر کیا جائے۔ ایسی سمت سے جہاں سے بالکل توقع نہ تھی، یہ مخالفت دیکھ کر اور نیز اس گمان کی وجہ سے کہ رفقا غلطی سے ایسا کررہے ہیں، جیمز کو سخت غصہ آیا اور اُس نے بذات خود آکسفرڈ جاکر گستاخ رفقا کو ایسی سخت سست باتیں سنائیں جن سے جامعہ کی توقیر اور خود منصب شاہی کی ذرا عزت نہ بڑھی۔ اس کے بعد مجلس نظارت نے ہف کا انتخاب منسوخ کیا اور اُس کی بجائے پارکر کا نائب صدر نشین کے مکان میں آکر مقیم ہوگیا۔ خود ہف، پچیس رفقا اور چودہ قدیم طلبۂ جامعہ سے خارج اور کلیسائی خدمات سے ابدا محروم کردیے گئے۔ اسی لڑائی جھگڑے میں پارکر مرگیا اور اب جیمز نے اس کی جگہ ایک کیتھولک اُسقف، گیفرڈ اور خارج شدہ رفقا و طلبہ کی بجائے بھی کیتھولک افراد اور درباری نامزد کردیے۔ مگر اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل جامعہ

باب ششم

نہ صرف آکسفرڈ و کیمبرج میں بلکہ ملک بھر کے کلیسائی مدارس میں جیمز کے خلاف صف بستہ ہو گئے کیونکہ گو انھیں کیتھولک پاسبانوں کے تقرر کی مطلق پروا نہ تھی لیکن وہ ایک قدیم اور وفادار مدرسے کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ مخالفانہ برتاؤ کے معنیٰ خوب سمجھتے تھے۔

کچھ مدت تک جیمز، کلیسائے انگلستان کے اقرار وفاداری پر بھول کر یہ سمجھتا رہا کہ اس فرقے اور کیتھولک فرقے میں اتحاد کرا دیا جائے تو اس کے مقاصد بہ آسانی پورے ہو جائیں گے لیکن یہ امید باطل ہوئی تو اس نے وزارت کیبال کی روش اختیار کی کہ کیتھولک اور غیر مقلد پروٹسٹنٹوں میں مصالحت کرا کے مذہبی رواداری کی شکل نکالی جائے۔ نظر براں وہ غیر مقلدوں سے بہت اخلاص ظاہر کرنے لگا۔ اور بیکسٹر وغیرہ کو جو مدت سے تعزیری قوانین کی رو سے قید بھگت رہے تھے، رہا کر دیا اور اپریل ۱۶۸۷ء میں ایک اعلان رواداری شائع کیا جس میں مذہبی خطاؤں کے متعلق جو تعزیری قوانین تھے۔ ان سب کو معطل اور سرکاری خدمات کے لیے حلفیہ قول و قرار کو ممنوع قرار دیا۔ یہ بجائے خود بہت عمدہ اصول تھے اور آیندہ انھیں واضعان قوانین نے اختیار بھی کیا لیکن جیمز کے زمانے میں اس رواداری پر دو سنگین اعتراض یہ وارد ہوتے ہیں کہ اوّل تو اس قسم کے اعلان کو اگر جائز رکھا جاتا تو پھر کوئی قانون بادشاہ کے اختیارات کی زد سے کسی وقت بھی محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ دوسرے یہ رواداری اُس زمانے کے باشندگان انگلستان کے جذبات سے بالکل ہم آہنگ نہ تھی۔ یہی دو سبب جیمز کی مذکورہ بالا تدبیر کے حق میں سم قاتل ثابت ہوئے۔

کلیسائے انگلستان کے لوگ اعلان پڑھ کر دنگ رہ گئے اور خود غیر مقلدوں میں جنھیں اس سے فائدہ پہنچتا تھا، بیکسٹر نے اسے تسلیم نہیں کیا اور دوسروں نے بادشاہ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ یہ شرط ضرور لگا دی کہ امید ہے یہ طریق عمل بہت جلد دار الامرا اور دار العوام کی تائید حاصل کر لے گا۔ البتہ چند ایسے بھی تھے جو اعلان سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنی جلسہ گاہوں کو باقاعدہ معبد بنانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ انھی میں امیر البحر پین کا بیٹا ولیم پین شامل تھا جو اعلان رواداری سے

باب ششم

بادشاہ کا پوری طرح گرویدہ اور حامی ہوگیا۔ اسے لوگ "دربار دار کیتھولک" بھی کہتے تھے۔

مجموعی طور پر لوگوں نے جس بیدلی سے اعلانِ شاہی کا خیر مقدم کیا، اسے دیکھ کر جیمز کو اپنی احمقانہ روش پر متنبہ ہوجانا چاہیے تھا لیکن وہ اسی زعم میں رہا کہ کلیسا، پسند نہ کرے تو بھی مخالفت تو کبھی نہ کرے گا اور غیر مقلد دل سے کرزن کا نائب پین کو سمجھتا رہا۔ حتیٰ کہ بعض اعتدال پسند انگریز کیتھولکوں تک نے اُسے سمجھایا بجھایا تو اُن کے مشورے کو حقارت سے رد کر دیا حالانکہ یہ لوگ خوب سمجھتے تھے کہ بادشاہ اُن کی طرفداری کے جوش میں وہ راستہ اختیار کر رہا ہے جو اُن کے اور خود بادشاہ کے حق میں طرح طرح کے خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ مگر جیمز کامیابی کا پورا یقین رکھتا تھا اور اسی بھروسے پر اُس نے جیسوئٹ پیٹر اور چار کیتھولکوں کو مجلس شاہی میں داخل کر دیا۔ ارنڈیل کو شاہی مہر بردار، بیلیز کو قلعۂ لندن کا قلعہ دار اور دو اور کیتھولکوں کو وزارتِ خزانہ کا رکن بنا دیا۔ اب اہل ملک یہ سمجھنے لگے کہ جیمز کا مذہبی رواداری سے اصلی منشا یہ ہے کہ کیتھولک فریق کو اقتدارِ کلی حاصل ہوجائے اور ہرچند اُن کی تعداد ملک میں چار فی صدی بھی نہ ہوگی، لیکن وہ تناسب تعداد سے کہیں بڑھ کر سیاسی قوت حاصل کرلیں۔ لوگ یہ بھی باور کرتے تھے کہ وہ ان حرکتوں سے انگلستان و روما میں دوبارہ تعلق پیدا کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور کیتھولک عقیدے ہی کو آیندہ سرکاری مذہب بنا دے گا۔ چنانچہ جب جیمز کے حکم سے وہائٹ ہال کا کنیسہ کیتھولک رسوم کی علانیہ بجا آوری کے لیے کھول دیا گیا اور اس مذہب کے علماء وغیرہ اپنی اپنی مقررہ پوشاکوں میں سب کے سامنے وہاں آنے جانے لگے اور خصوصاً جبکہ ۳ جنوری ۱۶۸۷ء کو ایک پاپائی سفیر کا دربار میں تعظیم و تکریم سے استقبال کیا گیا، تو اس گمان کی اور بھی تصدیق ہوگئی۔

پارلیمنٹ

دسمبر ۱۶۸۵ء سے پارلیمنٹ کا کاروباری اجلاس نہ ہوا تھا۔ جولائی میں اسے بالکل ہی فسخ کر دیا گیا اور اب جیمز نے ایسی پارلیمنٹ مرتب کرنے کی فکر کی جو اُس کے اعلانِ رواداری کی توثیق کردے۔ اس غرض سے

باب ششم

ایک تنظیمی محکمہ قائم کیا کہ بلدیات میں مزید ردّ و بدل کرے اور صوبہ داروں سے فرمائش کی کہ ایسے کیتھولک اور غیر مقلّد اشخاص کی فہرستیں تیار کر دیں جو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے موزوں ہوں۔ نیز اپنے اپنے علاقے کے فوجداری حاکموں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو بلا کر دریافت کریں کہ (۱) اگر وہ لوگ مبعوث منتخب ہوں تو حلفی آزمائشوں کے خلاف رائے دیں گے یا نہیں؟ (۲) آیا جو امیدوار یہ خیال رکھتے ہیں، وہ اُن کے موافق رائے دیں گے؟ اور (۳) آیا وہ خود ہر فرقے کے لوگوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہیں گے؟ واضح رہے کہ یہ سب صوبہ دار ٹوری فرقے کے لوگ تھے اور ان میں سے بعض بادشاہ کی طرف سے ایج ہل اور نیز بی میں لڑ کر زخم کھا چکے تھے۔ بایں ہمہ سب کی طرف سے جواب عموماً نفی میں ملا۔ امیر نارتھمپٹن نے وارک شر کے باشندوں سے صاف کہہ دیا کہ یہ سوالات کرنا میرا فریضہ ہے لیکن میں خود ان میں سے کسی ایک کے بھی موافق رائے نہیں رکھتا۔ اکثر جوابات کی عبارت ایسی چالاکی سے لکھی گئی تھی کہ کوئی قطعی ذمہ داری ہی عائد نہ ہو سکتی تھی اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ عبارتیں سے لی فیکس نے تیار کی ہیں۔ بہرحال، خود جیمز کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ کسی ایسی پارلیمنٹ کا انتخاب ناممکن ہے جو اعلان رواداری کی تائید کرے، غیر ممکن ہے اور اُس نے عہدہ داروں اور سرکش امیروں کو خدمات سے برطرف کر کے غبار نکالا۔ منجملہ اور امیروں کے امیر کبیر سمرسٹ جو صدر حاجب خوابگاہ تھا۔ پاپائی سفیر کو نذر نہ دینے کے قصور پر برطرف کیا گیا۔ امیر ڈیون شر نے اخراج کی نوبت آنے سے پہلے خود استعفا دے دیا اور ان سب خدمات پر درباری یا کیتھولک اشخاص مقرر کر دیے گئے۔ جن بستیوں سے مخالفت کا یقینی تھا، ان کی بلدی مجلسیں بدل دی گئیں۔

اب جیمز نے رفتہ رفتہ اپنے باپ کے قدیم طرفداروں کو، یعنی اُمرا، زمیندار، جامعات اور کلیسا، سب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ یہ ہنوز مشکوک تھا کہ غیر مقلد گروہ کیا طرز عمل اختیار کرے گا کیونکہ کلیسائے انگلستان کا عود ملوکیت کے بعد سے اس گروہ کے ساتھ برتاؤ نہایت تکلیف دہ رہا تھا لہٰذا یہ لوگ

باب ششم

کسی صعب وقت میں بادشاہ کے ساتھ ہو جاتے، تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ مگر دو سبب مانع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ کلیسائے انگلستان سے ان کی علیحدگی کی اصلی وجہ ہی یہ تھی کہ اُس کی رسوم اور طریق انتظام پاپائی اُصول سے بہت مشابہ تھا۔ لہذا یہ فرقہ ایسی حکمت عملی کی تائید مشکل سے کر سکتا تھا جس کا نتیجہ آگے چل کے بظاہر یہی ہونے والا تھا کہ کلیسائے انگلستان کا مرتبہ کیتھولک مذہب کو حاصل ہو جائے اور انگلستان میں چار کیتھولک اسقفوں کے مقرر کر دیے جانے سے مستقبل کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ یہ فرقہ قوم کے مزاج کا جیمز سے کہیں بہتر نبض شناس اور بخوبی واقف تھا کہ اہل انگلستان کی تعداد کثیر کلیسائے انگلستان کی گرویدہ ہے اور آزاد پارلیمنٹ بادشاہ کی حکمت عملی کو یقیناً منسوخ و منقلب کر دے گی۔ پھر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ گو جیمز کی کارروائی اس وقت ہمارے حسب مراد ہے لیکن یہ مُلک کی آزادی کو خاک میں ملانے کی تدبیر کا صرف ایک جزو ہے۔ غرض اُن کے فرقے کی اکثریت تُل گئی کہ کلیسائے انگلستان کا ساتھ دیا جائے اور پارلیمنٹ کی احسانمندی پر بھروسا کیا جائے کہ وہ آیندہ انھیں صلہ دے گی۔ اور اس طرح جیمز کی کوشش کہ غیر مقلدوں کو اپنی طرف ملائے ناکام رہی۔

اس وقت تک مُلک جیمز کی حرکتوں پر خاص طرح ضبط و صبر کیے رہا

بیٹے کی امید

کیونکہ امید تھی کہ کبھی نہ کبھی میری اور ولیم اُس کے وارث ہو جائیں گے۔ ۱۶۸۷ء میں ولیم کا فرستادہ ڈک ویلٹ بھی انگلستان آیا کہ اُس کے حامیوں کی گروہ بندی کر دے اور وہ مل کر شہزادہ ولیم کی تائید میں کام کریں۔ چنانچہ ڈک ویلٹ کی جرأت اور سلیقہ مندی سے ملی فیکس، شروزبری، اسقف لندن وغیرہم چند عمائد مُلک کا ولیم اور میری سے قوی رابطۂ اتحاد قائم ہو گیا۔ لیکن اسی زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان ساری امیدوں پر پانی پھر جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ وہ یہ تھا کہ دسمبر ۱۶۸۷ء میں باضابطہ اعلان ہوا کہ ملکہ کے پھر اولاد ہونے والی ہے۔ لڑکی ہونے کی صورت میں تو سلسلۂ وراثت میں کوئی تغیر نہ ہو سکتا تھا لیکن اگر لڑکا ہوا اور زندہ رہے تو پھر

باب ششم

جیمز کا جانشین پروٹسٹنٹ میری نہ ہوسکتی تھی بلکہ وہی (کیتھولک) شہزادہ ہوتا اور اس صورت میں سوائے بغاوت و انقلاب کے جیمز کی حکمت عملی بدلی نہ جاسکتی تھی۔ غرض اس خبر سے پروٹسٹنٹوں کو طبعاً بہت تشویش ہوئی اور کیتھولک فرقے والے اس امید میں کہ نرینہ وارث پیدا ہوگا، خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

دوسرا اعلان رواداری

یہ حالات تھے جبکہ جیمز نے کمال نادانی سے کلیسائے انگلستان کی مزید صبر آزمائی یہ کی کہ اپریل ۱۶۸۸ء میں ایک دوسرا اعلان رواداری شائع کیا اور حکم دیا کہ برابر دو اتواروں کی نماز میں پادری اسے ہر گرجا میں پڑھ کر سنائیں۔ اس قسم کے بعض شاہی اعلان، جیسے ۱۶۸۱ء میں چارلس کا اعلان وھگ فرقے کے خلاف، یا ۱۶۸۳ء میں اس کا اعلان رای ہاؤس کی سازش کے متعلق پہلے بھی پادریوں کے ذریعے ملک میں شائع ہوئے تھے لیکن چونکہ جیمز کا یہ اعلان بجائے خود علمائے دین کی نظر میں خلاف شرع تھا، لہٰذا اطاعت شاہی سے تعاملی اور انفعالی انحراف کی باریک تفریق نکال کر علما نے احتجاج کی جسارت کی۔ یہ تحریر بہت معتدل تھی اور صدر اسقف سین کروفٹ اور چھ دوسرے اساقفہ اہل احتجاج کے سرخیل تھے۔ اس تحریر میں صاف طور پر عرض کر دیا گیا تھا کہ چونکہ اعلان شاہی ایسے حق استثنا پر مبنی ہے جسے پارلیمنٹ کئی بار، خصوصاً ۱۶۶۲ء و ۱۶۷۲ء اور خود حضور کے ابتدائے عہد میں خلاف آئین قرار دے چکی ہے۔ لہٰذا عقل، دیانت اور صداقت متقاضی ہیں کہ عرضی گزار اس حد تک اعلان مذکور کی تائید نہ کریں کہ خدا کے گھر میں اس کی نشر و اشاعت میں حصہ دار ہوں، نظر بر ایں انھیں معذور رکھا جائے۔ عرضی پر صدر اسقف اور سینٹ ایف، ایلی، چچسٹر، باتھ و ویلز، پیٹر برو اور برسٹل کے اسقفوں کے دستخط ثبت تھے اور یہی اسے لے کر بادشاہ کے حضور میں پہنچے۔ سین کروفٹ سے بادشاہ خوش نہ تھا اس لیے وہ اسقفوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ عرضی سنڈرلینڈ کو دکھا کر اس کے پڑھے بغیر خاص جیمز کے سامنے پیش کی گئی۔ وہ بہت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ یہ عجیب الفاظ ہیں...... یہ عرضی بغاوت کا جھنڈا یا سبا کا طبل جنگ ہے۔ سنہ ۱۶۴۰ء میں پیوریٹن فرقے والوں نے جو باغیانہ وعظ و پند کیے وہ سب مل کر بھی

باب ششم

ایسے بُرے نتائج لانے والے نہ ہوں گے"۔ چند ہی گھنٹے بعد یہ عرضی چھپ گئی۔ چھ اور استقفوں نے اُس کی تائید کا اعلان کیا اور جیمز نے ناعاقبت اندیشی سے بغاوت وغیرہ کے جو الفاظ بک دیے تھے، اُن کا فی الواقع ظہور ہو گیا۔ دوسرا دن وہ تھا جس میں اعلان شاہی لندن میں اور دو ہفتے بعد اضلاع میں پڑھا جانے والا تھا مگر بہت کم پادری اسے پڑھ کر سنانے کی جرأت کر سکے اور جہاں سنایا گیا وہاں سے مصلّی عموماً اٹھ کر چل دیے۔ جیمز آپے سے باہر ہو گیا اور استقفوں پر ہتک آمیز تحریر چھاپنے کا مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ ۸ جون کو یہ لوگ مجلس میں پیش ہوئے اور عرضی لکھنے کا اقرار کیا مگر حاضر عدالت ہونے کی کوئی ضمانت نہیں پیش کی لہذا گرفتار کر کے قلعۂ لندن میں بھیج دیے گئے۔ اُن کا وہاں بھیجا جانا گویا بڑے بھاری مظاہرے کا موقع دینا تھا۔ راستے میں صدہا آدمی گھٹنوں پر گر گر کر اُن سے برکت مانگتے تھے حتیٰ کہ قلعۂ لندن کے چوکیداروں تک نے دعائے خیر کی درخواست کی۔ ٹیمز کی ہر کشتی سے اُن کی ناؤ دیکھ کر تالیاں بجائی گئیں اور ۱۶۲۴ء میں استقفوں سے جس درجہ بیزاری تھی اب اُسی قدر عقیدتمندی کا اظہار نمایاں تھا۔ غیر مقلد فرقے کے لوگ تک ان سر فروش اسقفی مظلوموں کی تائید و حمایت کے جوش میں حصہ دار تھے حالانکہ اُن پر کلیسا کی تعدّی چھپی ہوئی نہ تھی۔ تاہم ان کے بھی دس علما قلعۂ لندن میں محبوس اساقفہ کے پاس حاضر ہوئے۔

ولادت فرزند اس یادگار منظر کے دو دن بعد جیمز کے محل میں بیٹا پیدا ہوا۔ ولادت کی صحت میں اب کسی کو حجت نہیں لیکن اس وقت مہینوں تک یہ افواہ گرم رہی کہ یہ سب محض ڈھکوسلا بنایا گیا ہے جیمز کو اس افواہ کی اطلاع تھی مگر وہ خوشی سے ایسا بیخود تھا کہ اُس کی تردید اور بیٹے کی صحیح ولادت ثابت کرنے کی مطلق پروا نہ کی۔ ولادت کے وقت صرف کیتھولک یا درباری اشخاص موجود تھے جن کی بات کا کسی کو اعتبار نہ تھا شہزادی این یا کلیے رنڈن خاندان کا کوئی فرد شاہی محل سرا میں نہ تھا لہذا بے تکلف کہا جا سکتا تھا کہ ایسا جان کر کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ افسانہ کہ بچہ ہرگز ملکہ کا نہیں بلکہ کڑھائی میں رکھ کر محل میں پہنچایا گیا ہے، مشہور ہوتے ہی عام طور پر باور کر لیا گیا

باب ششم

اور کیتھولک فرقے کی کامیابی کی اس تکمیل کو بھی یہی سمجھا گیا کہ بادشاہ قوم کی آزادی اور مذہب کے استیصال کی جہاں اور کوششیں کر رہا ہے، وہیں اُس نے یہ سب سے بڑھ کر شرارت کی ہے۔

اسقفوں کا مقدمہ

چالاک سنڈرلینڈ کو صاف نظر آتا تھا کہ جیمز کی حرکتوں کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ اُس نے چاہا بھی کہ ولادت فرزند کے موقع سے فائدہ اٹھاکر بادشاہ عفو عام کا اعلان کردے اور اسقفوں پر مقدمہ چلانے سے باز رہے جس سے عام ناراضی پیدا ہوگئی۔ پاپائی سفیر بھی بادشاہ کی غلطی جانتا تھا اور جیفریز تک اُس میں ہاتھ ڈالنے سے جھجک جاتا۔ لیکن جیمز کو کد تھی کہ مقدمہ جاری رہے کیونکہ اُس کے نزدیک اس قسم کی نرمی اُس کے باپ پر تباہی لائی تھی چنانچہ تین ہفتے بعد ساتوں اسقف ایوان ویسٹ منسٹر کی شاہی عدالت میں پیش کیے گئے۔ عدالت رائٹ، ہولووے، پاوئلی اور (ایک رومن کیتھولک) الی بون پر مشتمل تھی جیوری کو خاص طور پر منتخب کیا گیا اور اس میں شاہی کلال موجود تھا۔ اس جیوری کی خود غرضانہ بے انصافی پر بادشاہ کو پورا بھروسا تھا کہ کم سے کم ان میں اختلاف رائے تو ضرور ہو جائے گا۔ شاہی وکیل پووس نے مقدمے کا آغاز اس طرح کیا کہ "ان اسقفوں پر حکومت کی مذمت و بدگوئی اور ملکی معاملات میں رائے زنی کا الزام ہے ...... ملک کے بڑے عہدہ داروں کی نسبت یہ کہنا کہ ان کا طریق عمل نامناسب ہے کسی طرح جائز نہ ہوگا کیونکہ ایسی نکتہ چینی سے ردّ و بدل کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور گزشتہ زمانے میں ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ اصلاح کی ایسی خواہش کدھر لے جاتی ہے۔" اس عجیب استدلال کے مقابلے میں اسقفوں کے وکلا نے بادشاہ کے اختیارات استثنا کے عدم جواز اور رعایا کے عرضی دینے کے حق پر زور دیا اور ایک رکن عدالت پاوئلی بھی ان کا مؤید ہوگیا۔ اور اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر استثنا کا یہ اختیار جائز رکھا جائے تو پھر کسی پارلیمنٹ کی ضرورت نہیں رہتی اور وضع قوانین کا سارا اختیار بادشاہ کی ذات میں جمع ہو جاتا ہے۔" وکیلوں میں ایک نوجوان جان سمرز سب سے ممتاز تھا اور

باب ششم

پاوَلی کی حق گوئی قابل صد آفرین سمجھی گئی۔ جیوری شام کے سات بجے علیحدہ غور کرنے کے لیے ایک کمرے میں جمع ہوئی جو رات بھر مقفل رہا۔ شاہی کلال کسی طرح نہ مانتا تھا لیکن آخر میں ایک قوی ہیکل رکن جیوری کی یہ دلیل سب پر غالب آئی کہ "میں تو اس عرضی کو ہرگز توہین نہ سمجھوں گا جب تک کہ فاقے کرتے کرتے سوکھ کر تنبیہ (پائپ) نہ بن جاؤں"۔ چنانچہ ۳۰۔ جون کو ۹ بجے عدالت کا اجلاس ہوا تو جیوری کی طرف سے "بے گناہ" کا فیصلہ سنا دیا گیا جس پر لوگوں نے تحسین و آفرین کے نعرے لگائے اور تھوڑی دیر میں شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ ہنگامہ بلند ہوتا چلا گیا۔ شام کو ہر طرف چراغاں کیے گئے۔ آتش بازی چھوڑی گئی اور پاپائے رومہ کا پتلا بنا کے خاص وہائٹ ہال ایوان شاہی کے سامنے لوگوں نے آگ دکھائی۔

اگر فوج بادشاہ کے ساتھ ہوتی تو اب بھی وہ محفوظ رہتا۔ لیکن حماقت سے فوج کو لندن کے قریب رکھنے کا اثر یہ ہوا کہ سپاہی بھی اُس کے حامی نہ رہے۔ وہ تو اُنھیں اہل لندن کو مرعوب کرنے کی غرض سے ہاؤنس لو میں لایا تھا مگر شہر والوں نے فوج کو گانٹھ لیا۔ چھاؤنی کے میدان میں تفریح اور کھیل کو دہونے لگے اور فوج کے جوانوں میں عامۃ الناس کے جذبات سرایت کر گئے۔ فیصلے کے دن جیمز صبح کو اپنے پسندیدہ شغل یعنی فوج کے معائنے کے لیے چھاؤنی میں آیا تھا اور لارڈ فیورشم کے ڈیرے میں بیٹھا تھا کہ بلند نعروں کی آواز کان میں آئی۔ کہنے لگا "یہ کیا ہے؟" فیورشم نے جواب دیا "کچھ نہیں۔ صرف سپاہی اسقفوں کی رہائی سن کر خوش ہو رہے ہیں"۔ جیمز نے کہا "تم اسے کچھ نہیں، کہتے ہو۔ مگر وہ اس کا خمیازہ بھگتیں گے"۔ پھر وہ کبیدہ خاطر گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔

ولیم سے استمداد

اس جوش و خروش کے باوجود قومی رہنما مان متھ کی ناکامی کا تجربہ نہ بھولے تھے اور یہی سوچتے تھے کہ جب تک کسی باقاعدہ فوج کی مدد سے جیمز کی سپاہ کو اتنے دن تک کہ آزاد پارلیمنٹ منتخب ہو جائے، قابو میں نہ رکھا جا سکے گا اُس وقت تک اُن کے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ چنانچہ اُسی رات امیر البحر ہربرٹ معمولی ملاح کے بھیس میں لندن سے روانہ ہوا اور ایک خط لے کر ولیم (آرنجی) کے پاس پہنچا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ

وہ اتنی فوج لے کر انگلستان آئے کہ ایک آزاد پارلیمنٹ کا اعلان ہونے تک اُس کے حامیوں کی حفاظت کر سکے۔ اس سازش میں قابل ذکر لوگ یہ تھے:۔

ہینری سڈنی (الگرٹن کا بھائی)۔ امیر البحر رسل۔ ڈین بی۔ شروزبری۔ لمم لی (جس نے ٹان متھ کو گرفتار کیا تھا) اور کومپٹن (اسقف لندن)۔ اِس سازش کو ہے لی فیکس کی اخلاقی تائید، ناٹنگ ہم کا اشارہ اور چرچل، کرک اور ٹری لانی، تین نہایت بااثر فوجی سرداروں کے وعدۂ اعانت کی تقویت بھی حاصل تھی۔ ان میں بعض وھگ اور بعض ٹوری فریق کے افراد تھے لیکن ولیم کی حمایت میں مل کر کام کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے بشرطیکہ یہ منصوبہ عمل کا وقت آنے تک مخفی رہے۔

شہزادۂ ولیم کی عمر اب ۳۸ سال کی تھی۔ انگلستان میں اقتدار شاہی کے حصول کی امید اُس جیسے حوصلہ مند آدمی کے لیے کافی کشش رکھتی تھی۔ دوسرے میری نے اپنے امام برنیٹ کے حسن توسط سے یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ اگر وہ انگلستان کی ملکہ ہو گئی تو اپنے جملہ اختیارات شوہر کے ہاتھ میں دے دے گی دوسرے صاف نظر آتا تھا کہ اگر اس وقت تاج وتخت کے لیے کوشش نہ کی گئی تو جیمز کے گھر میں نرینہ وارث پیدا ہو جانے کے باعث، آیندہ کبھی کوئی موقع باقی نہ رہے گا۔ اسی کے ساتھ عمائد انگلستان کی دعوت کو قبول کر لینا بھی کچھ سہل کام نہ تھا۔ اُسے تین خطرے نظر آتے تھے۔ اول تو یہ کہ لوئی چہاردہم ایک طرف تو جیمز کو ہوشیار کرنے اور مدد دینے میں کوئی کسر نہ کرے گا اور دوسری طرف خود ہالینڈ میں ولیم کے دشمنوں کو تا امکان اُبھارے گا کہ اُسے انگلستان جانے نہ دیں۔ دوسرے یہ کہ اگر انگلستان پر چڑھائی کی گئی تو لوگ اُسے ایک مذہبی جنگ سمجھیں گے اور اس صورت میں وہ کیتھولک جو فرانس کے مقابلے میں ولیم کے حلیف ہو گئے تھے منحرف ہو جائیں گے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر ولندیزی سپاہ نے انگلستان میں لڑائی جیتی تو انگریزوں کی قومی غیرت اُنھیں جیمز کی طرفداری پر برانگیختہ کر دے گی۔

ان میں سے پہلا اندیشہ اس حد تک صحیح ثابت ہوا کہ لوئی نے جیمز کو ہوشیار کیا اور امدادی فوج بھیجنے پر بھی آمادگی ظاہر کی مگر سنڈرلینڈ کے مشورے سے جیمز نے

اُسے قبول نہ کیا؛ ادھر لوئی نے اُنھیں دنوں ہالینڈ کے بنے ہوئے سوتی اور اونی مال کی فرانس میں بالکل ممانعت کردی اور وہاں کی مچھلی کو بھی جب تک فرانس کا نمک لگا کے نہ سکھائی جائے، آنے سے روک دیا۔ اس کارروائی سے ہالینڈ کا شہری گروہ بگڑ گیا۔ دوسرے انھی دنوں لوئی پاپا سے مجرموں کو پناہ دینے کے معاملے میں جھگڑ بیٹھا اور اس طرح کیتھولک فرقے میں اندرونی تفرقہ پیدا ہوگیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ انگلستان پر فوج کشی، سبب جنگ سمجھی جائے گی لیکن نادانی سے ریاست ہائے رائن پر چڑھائی کر کے ولیم کو اُس نے انگلستان سے لڑنے کی فرصت دے دی۔ ایک اور لطیفۂ غیبی جس کی مطلق توقع نہ ہو سکتی تھی یہ ہوا کہ جیمز نے آئرستانی سپاہیوں کو دھڑا دھڑ بھرتی کرنا شروع کیا جس سے انگریزی فوجوں میں اور بھی بیزاری پیدا ہوئی۔ حالانکہ ہاؤنس لو کے واقعے سے خود بادشاہ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اُن کے تیور پہلے ہی بگڑے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ اُس نے شہزادۂ بیرک کے لشکر سے (جو چرچل کی بہن سے خود اُس کا حرامی بیٹا تھا) ابتدا کی اور یہاں کامیابی کی بھی امید تھی لیکن کرنل بومنٹ اور پانچ سرداروں نے نو واردوں کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ فوراً انکال دیے گئے مگر دوسروں نے بھی اُن کی تقلید کی۔ کچھ زمانہ نہ گذرا تھا کہ آئرستانی سپاہیوں کی "قتل و اہانت" کی وارداتوں سے مُلک بھر میں بادشاہی فوج کی رہی سہی قدر و منزلت بھی خاک میں مل گئی۔ اس طرح خود دشمنوں کی حماقت سے ولیم کی دشواریاں ہلکی ہوگئیں تو برنیٹ کی ترتیب اور مشورے سے اُس نے ایک اعلان شایع کیا جس میں جیمز کی نالایق حرکتیں گنوائیں اور سب کو آگاہ کیا کہ میری کے شوہر کی حیثیت سے میں فوج لے کر انگلستان آرہا ہوں تاکہ آزاد اور آئینی پارلیمنٹ منعقد ہو سکے اور اُسی کے فیصلوں کے مطابق میں بھی عمل کروں۔

لوئی کے ذریعے جیمز کو ستمبر میں قطعی اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ولیم انگلستان پر فوج کشی کی تیاری کر رہا ہے۔ شاہ فرانس مدد کے لیے فوج بھیجنے پر بھی آمادہ تھا مگر جیمز نے انکار کیا تو اُسے فوراً رائن کی طرف بھیج دیا گیا۔ جیمز کے انکار کا سبب یہ اندیشہ تھا کہ فرانس کی فوج کے آتے ہی انگلستان میں بغاوت برپا ہو جائے گی

جیمز کی سعی مصالحت

اور بیشبہہ یہ اُس کی عقلمندی تھی حقیقت میں اب بالآخر اسے بھی خطرات کی نوعیت کا احساس ہوگیا اور اُس نے بعض عاجلانہ مراعات کے ذریعے انقلاب کو روکنے کی سعی کی جن اسقفوں پر مقدمہ چلایا تھا، اُنھی سے صلاح و مشورہ لیا۔ برطرف شدہ نائب سالاروں اور فوجداری حکام کو عہدوں پر بحال کیا۔ اعلان کیا کہ بیرونی حملہ روکنے میں مجھے صرف اپنی رعایا کی وفاداری پر اعتماد ہے۔ لندن کے معطل اُسقف کی بحالی کا حکم دیا۔ نظارت مذہبی کا محکمہ موقوف کر دیا۔ ڈاکٹر ہف اور ماڈلن کے خارج کردہ رفقا کو پھر اپنی جگہوں پر واپس بلایا۔ لندن اور دوسری بلدیات کی منسوخ کردہ سندیں واپس کر دیں۔ نومولود شہزادے کی صحت ولادت ثابت کرنے کی معقول شہادتیں بہم پہنچائیں۔ اور عفو عام کا اعلان کیا جس سے صرف چند اشخاص جو ولیم اور نجی کی ملازمت میں تھے، مستثنیٰ کیے گئے تھے۔

لیکن ولیم اب اتنی دور بڑھ چکا تھا کہ واپس ہٹنا ممکن نہ تھا۔ بڑے بڑے امرا جنھوں نے اسے بلایا، شمال میں بغاوت کرا دینے پر تیار تھے۔ لارڈ چرچل نے فوج کے بگڑ بیٹھنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ اُس نے ۱۶۸۵ء میں اعلان کیا تھا کہ اگر بادشاہ کو اغوا کر کے مذہب کے تغیر پر آمادہ کیا گیا، تو میں اُس کی ملازمت چھوڑ کر الگ ہو جاؤں گا۔ اُس کی بیوی شہزادی این کی بڑی دوست تھی اور یہ تجویز کر لی گئی تھی کہ یہ شہزادی بھاگ کر باغیوں کے پاس آجائے گی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس حد تک تیاریاں کر چکے تھے، اُنھیں اب سلامتی ہی اس میں نظر آتی تھی کہ منصوبہ کامیاب ہو جائے اور ولیم سے بھی اُنھوں نے التجا کی کہ ارادے پر قائم رہے۔ چنانچہ ۱۶ اکتوبر کو وہ جہازوں میں روانہ ہوا لیکن انگلستان کے ساحل تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ ہوا کا رخ پھر گیا اور سخت طوفان نے اُس کے جہازوں کو ہالینڈ کے ساحل پر جہاں تہاں پھینک دیا۔ بایں ہمہ شدید محنت اٹھا کے پندرہ دن میں پھر مہم تیار ہو گئی۔ اس عرصے میں انگلستان میں عجب طرح کا انتشار پیدا ہوا کہ اسقفوں نے حملوں کے خلاف ایک قسم کی دعا تحریر کی۔ ایولین نے تو یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ بادشاہ بری یا بحری حملہ آوروں کو پسپا کرنے کی قوت نہیں رکھتا اور دوسرے پادری مشرقی ہوا کی دعائیں مانگنے لگے کہ

باب ششم

انگریزی بیڑا ٹیمز کے باہر ہی نہ جا سکے۔ جیمز سے جہاں تک ہو سکا بری اور بحری فوج کی قوت بڑھائی اور لوگوں کو خوش کرنے کی غرض سے سنڈرلینڈ اور پیٹرے کو موقوف کر دیا۔

ولیم کی آمد

ولیم کا ارادہ تھا کہ یارک شائر میں اُترے جہاں ڈین بی اُس کا منتظر تھا اور اُسے یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ وہاں سے لے کے لندن سے پچاس میل تک راستے اچھے ہیں۔ مگر مشرقی ہوا نے انگریزی بیڑے کو ٹیمز میں روک رکھا تو وہ ارادہ بدل کر خلیج ڈوور سے گذرا اور ۵ نومبر کے دن ٹور بے میں لنگر انداز ہوا۔ یہاں سے ایک زیٹر کی طرف بڑھا۔ وہاں کے کلیسا میں برنیٹ نے امامتی اور فرگسن غیر مقلدوں کی جماعت میں گھس کر انجیل کے الفاظ میں پکار اٹھا کہ "بدکرداروں کے مقابلے میں کون ہے جو اُٹھے اور میرا ساتھ دے" مغربی اضلاع کو خونی عدالت نے خوف زدہ کر دیا تھا مگر ایگزیٹر میں ایڈورڈ سیمور اور امیر البحر رسل ولیم سے آملے۔ اس کے بعد چند دن تک سوائے لارڈ ونارٹن کے اور کوئی نہیں آیا اور تھوڑی دیر کے لیے سارے منصوبے کی کامیابی اس پر منحصر ہو گئی کہ چرچل فوج کو منحرف کر دے۔ چرچل نے فوج کی تقسیم اس طرح کر دی تھی کہ جن جمعیتوں پر اُسے فرار ہو جانے کا بھروسا تھا، وہ بآسانی نکل جائیں۔ کلےرنڈن کے بڑے بیٹے لارڈ کورن بری نے اپنے آدمیوں کو لے جانے کے واسطے اُبھارا بھی، لیکن سپاہیوں نے ساتھ دینے سے انکار کیا اور وہ فوج چھوڑ کے نکلا تو قریب قریب اکیلا تھا۔ بایں ہمہ اس واقعے نے جیمز کی سپاہ کو بہت ہراساں کر دیا۔ کسی کو کسی پر بھروسا نہ رہا اور سب یہ سوچنے لگے کہ نازک وقت آیا تو نہ معلوم کون کون لوگ غنیم حملہ آوروں سے جا ملیں گے۔ افواہوں نے فراری سپاہیوں کی تعداد کو اور بڑھا کر مشہور کیا۔ ڈین بی اور لم لی نے یارک شر میں، ڈیلامیر نے چیشر میں اور امیر ڈیون شر نے ڈاربی شر میں بغاوت کر دی۔ پہلے جیمز کا ارادہ تھا کہ سالسبری کے آس پاس جنگ کی جائے اور اسی خیال سے فوج میں خود آگیا تھا لیکن ہر پہلو سے مخالفت ہو رہی تھی۔ چرچل ساتھ چھوڑ کر چل دیا اور اگر محض اتفاق سے گرفتار ہو کر بادشاہ کے ہاتھ نہ پڑ جاتا تو یقیناً دشمنوں سے جا ملتا۔ جارج شہزادۂ ڈینمارک بھی

باب ششم

امیر کبیر آورمنڈ کے ساتھ آکر ولیم کا شریک ہوگیا۔ جیمز کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس پر بھروسا کرے اور اسی پریشانی میں وہ ٹیمز کو عبور کر کے پھر لندن واپس آگیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ این بھی شوہر کی طرح بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہوگئی اور کومپ ٹن کی معیت میں شمالی باغیوں سے جا ملی۔ یہ سن کر جیمز چیخ اُٹھا کہ "خدا مجھے بچائے۔ میری اولاد تک مجھے چھوڑ بیٹھی!"

اُدھر ولیم برابر آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کی کہیں بھی کوئی قابل ذکر مزاحمت نہیں ہوئی۔ ڈین بی کے نعروں نے کہ "آزاد پارلیمنٹ۔ پروٹسٹنٹ مذہب۔ اور پاپائیت کا خاتمہ" یارک کو مشتعل کر دیا۔ نیو کاسل، ہل، ڈاربی، برسٹل، پلی متھ اور ناٹنگھم بھی ولیم کے خیر خواہوں کے قبضے میں تھے اور دشمن ایک طرف خود جیمز کے بہترین دوست آزاد پارلیمنٹ کے عام مطالبے میں ہمنوائی کر رہے تھے۔ جیمز کو کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ بیوی بچے کو فرانس بھیجنے کی تیاریاں کر کے اُس نے تین امیروں کو ولیم کے پاس روانہ کیا کہ صلح کی گفتگو کریں اور پارلیمنٹ کے تازہ انتخابات کے لیے حکمنامے بھی جاری کیے لیکن یکایک رائے بدل گئی۔ حکمناموں کو اپنے ہاتھ سے آگ میں جلا دیا اور دریا کو عبور کر کے ایڈورڈ ہیلز کے ساتھ وو زہال چلا آیا۔ اس طفلانہ خیال سے کہ جاتے وقت ملک کو جہاں تک ہو ابتری کی حالت میں چھوڑ جائے، اُس نے شاہی مُہر بھی دریا میں پھینک دی۔ وو زہال سے ایک دیہاتی رئیس کا بھیس بدل کر وہ کشتی میں بیٹھ لیا اور سمندر کی طرف جا رہا تھا کہ شیپی کے ٹاپو کے قریب ماہی گیروں نے اُسے چور سوداگر[1] سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ اُسے مفرور پادری سمجھے۔ بہرحال وہ فیورشم کے سامنے پیش کیا گیا اور یہاں اصل حال کھلا تو روچسٹر لایا گیا جہاں سے ۱۲ دسمبر کو قصر شاہی میں واپس آیا۔ راستے میں لوگوں نے خاصے جوش کے ساتھ اُس کا استقبال بھی کیا۔

جیمز کی دوسری فراری

بادشاہ کی فراری کی خبر سے چند گھنٹے لندن میں سخت بدنظمی اور بے تمیزی پھیل، اور اس افواہ سے کہ آئرستانی سپاہیوں نے پروٹسٹنٹوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے اور بھی

[1] یعنی (Smuggler) جو محصولی مال چوری سے ملک میں لائے۔

باب ششم

پریشانی بڑھ گئی۔ کیتھولک گرجے توڑ پھوڑ کے جلائے گئے۔ سفیروں کے مکانات لوٹ لیے گئے اور کیتھولک نیز درباری اشخاص کی جان پر بنی رہی۔ سب سے بڑھ کر بلوائیوں کو پیٹر لے اور جیف ریز کی تلاش تھی۔ ان میں سے پہلا تو چھپ کر بھاگ گیا اور جیف ریز ایک معمولی ملاح کے بھیس میں وے پنگ میں پکڑا گیا۔ وہ بمشکل زندہ قلعۂ لندن تک لایا گیا اور واٹر وغیرہ دوسرے بدنام اشخاص کے ساتھ حراست میں رکھا گیا۔ آخر اُمرا اور اہل بلدیہ کی تگ و دو سے کچھ امن کی صورت نکلی اور ولیم کے پاس قاصد دوڑائے گئے کہ جلد پائے تخت میں آجائے۔ جیمز کے قصرِ شاہی میں واپس آجانے سے یہ دقت پیدا ہوئی کہ ولیم کو اُس کا وھائٹ ہال میں رہنا گوارا نہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے پاسبانوں کے ساتھ ولندیزی سپاہیوں کے پہرے میں دوبارہ روچیسٹر آیا اور چار دن تذبذب میں رہا کہ کیا کرے۔ بالآخر یہ سمجھ کر کہ ولیم بادشاہ ہوئے بغیر نہ رہے گا اُس نے دوبارہ نکل جانے کا قصد کر لیا۔ نکل جانے کی سہولتیں بھی اس مرتبہ بہم پہنچا دی گئیں۔ چلتے وقت وہ یہ تحریر چھوڑ گیا کہ میں جان کے خوف سے جا رہا ہوں اور جس وقت قوم مدہوشی سے بیدار ہوگی تو دوبارہ آنے پر تیار رہوں گا۔ اس دفعہ جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی اور ۲۳ دسمبر کو انگلستان سے رخصت ہوکر وہ فرانس میں اپنے بیوی بچے سے جا ملا جہاں لوئی چہاردہم نے عزت و تپاک سے مہمانی کی اور ۴۰ ہزار پونڈ سالانہ کا وظیفہ اُن کے لیے مقرر کر دیا۔

اجتماع قومی

ولیم (اورنجی) ۱۹ دسمبر کے دن لندن میں داخل اور سینٹ جیمز کے محل میں مقیم ہوا۔ اُس کے بعض مشیر چاہتے تھے کہ وہ شاہی لقب اختیار کر لے مگر یہ اُس کے اعلان کے خلاف تھا اور اُس نے صرف دینی و دُنیاوی عمائد اور اُن سب کو جو چارلس دوم کی کسی پارلیمنٹ کے بھی رکن رہے تھے، نیز لندن کے ارکان بلدیہ اور پچاس شہریوں کو جمع کر کے اُن سے رائے لی۔ ان لوگوں نے ایک "اجتماع قومی" کا مشورہ دیا جیسا کہ چارلس دوم کو بلانے کے واسطے منعقد ہوا تھا۔ چنانچہ ۲۲ جنوری کو اس کا انعقاد ہوا اور اُسی کے دار العوام میں دو قرار دادیں منظور ہوئیں (۱) جیمز ثانی نے بادشاہ اور رعایا کے اصلی اور قدیم تعلق کو

باب ششم

توڑ کر آئین سلطنت کی بیخ کنی کی کوشش کی۔ جیسوئٹ اور دوسرے اشرار کے مشورے سے اساسی قوانین کی خلاف ورزی کی۔ نظم و نسق چھوڑ کر ملک سے باہر چلا گیا۔ لہٰذا اب تخت خالی رہ گیا ہے۔ (۲) تجربے سے ظاہر ہو گیا ہے کہ کسی پروٹسٹنٹ ملک میں پاپائی بادشاہ کا تاجدار ہونا اس کی صلاح و فلاح کے معارض ہے۔

دوسری قرار داد کے الفاظ سے پتا چل سکتا ہے کہ ۱۶۸۱ء کی نسبت اب (۱۶۸۸ء میں) وھگ فرقے کو کتنی زیادہ قوت حاصل ہو گئی تھی کہ اُمرا نے بھی اُسے بلا اختلاف قبول کر لیا۔ مگر پہلی قرار داد میں "اصلی اور قدیم تعلق" کے مبہم الفاظ، نیز اس امر پر بحث ہوئی کہ آیا تخت سلطنت خالی بھی رہ سکتا ہے؟ مباحثے میں دو فریق ہو گئے۔ ایک تو وہ جو ولیم کو فوراً بادشاہ بنانے کا حامی تھا اور دوسرا وہ جو جیمز کی برائے نام بادشاہی رکھ کر "نیابت" قائم کرنے کی رائے دیتا تھا۔ پہلے گروہ کے سرخیل شیروزبری، ڈین بی اور ہیلی فیکس تھے اور اسے دار العوام میں اکثریت حاصل تھی۔ دوسرے فریق کی سرکردگی کلے رنڈن وغیرہ بڑے بڑے اُمرا کر رہے تھے۔ اور دار الامرا میں اسی کا غلبہ تھا۔ ایک بین بین صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ میری کو ملکہ بنا دیا جائے مگر ولیم نے صاف صاف جتا دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کا حاجب درگاہ بن کر رہنے کی غرض سے نہیں آیا ہے۔ تب مزید بحث مباحثے کے بعد یہ قرار پایا کہ میری اور ولیم سے مل کر بادشاہی کرنے کی درخواست کی جائے اور نظم و نسق کا اصلی اختیار، میری کی رضامندی سے، صرف اُس کے شوہر کے ہاتھ میں ہو۔

اعلان حقوق

یہ مسئلہ طے ہو گیا تو بحث چھڑی کہ کیوں نہ آئین انگلستان کے وہ اساسی اُصول قلمبند کر لیے جائیں جن سے فی الواقع بادشاہ و رعایا کا باہمی تعلق واضح ہو جائے۔ اس میں بہت سے اعتراضات تھے لیکن آخر میں یہی فیصلہ ہوا کہ بادشاہی قبول کرنے کے لیے جو درخواست لکھی جائے اُس میں جیمز کے خلاف آئین افعال اور اہل انگلستان کے حقوق آئینی کی صراحت کر دی جائے۔ مشہور و معروف اعلان حقوق کی اصلیت یہی تھی اور ولیم و میری نے ۱۳ فروری ۱۶۸۹ء کے دن

باب ششم

تخت پر بیٹھے) اسے قبول کر لیا۔ اس طرح انگلستان کی تاریخ کا وہ نازک و صعب زمانہ جسے عہد انقلاب کہتے ہیں، خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہو گیا۔

اعلان حقوق انگلستان کی ایک سب سے باوقعت تاریخی دستاویز ہے اور اسے آگے چل کر پارلیمنٹ میں بھی بطور قانون کے منظور و نافذ کرا لیا گیا۔ بادشاہ اور پارلیمنٹ میں جو زبردست کشمکش شروع ہوئی تھی اور تقریباً سو برس تک جاری رہی، اُس کا اسی اعلان سے خاتمہ ہوا کیونکہ اس میں متعدد متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق، جن کے بارے میں پارلیمنٹ اعتراض و احتجاج کرتی رہی، قانون کی پوری طرح تعریف و صراحت کر دی۔ اس میں جیمز ثانی کے غیر آئینی افعال کو یکے بعد دیگرے بیان کرنے کے بعد حسب ذیل اعلانات کیے گئے تھے:۔

۱۔ قوانین کو معطل یا معلق کر دینے کا مصنوعی حق جسے پچھلے دنوں بادشاہ نے اختیار کیا، ناجائز ہے۔

۲۔ نظارت مذہبی کی عدالت اور اس قسم کی تمام عدالتیں خلاف قانون ہیں۔

۳۔ امتیاز شاہی کے حیلے سے، پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر محاصل وصول کرنا خلاف قانون ہے۔

۴۔ امن کے زمانے میں، بجز پارلیمنٹ کی منظوری کے تنخواہ دار مستقل فوج کو رکھنا خلاف قانون ہے۔

۵۔ رعایا کو حق ہے کہ بادشاہ کو عرضی دے۔

۶۔ پارلیمنٹ کے مبعوثین کا انتخاب بالکل آزادانہ ہونا چاہیئے۔

۷۔ پارلیمنٹ میں تقریر اور مباحثے کی آزادی پر پارلیمنٹ کے باہر کسی عدالت یا کسی جگہ تعرض نہیں کیا جا سکتا۔

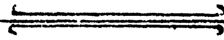
۸۔ حد سے زیادہ بھاری جرمانے ناواجب ہیں اور بغاوت کے مقدمات میں جیوری مالکان اراضی پر مشتمل ہونی لازم ہے۔

۹۔ شکایات کو رفع کرنے اور قوانین کی تقویت کی غرض سے پارلیمنٹ کا بار بار منعقد ہونا واجب ہے۔

باب ششم

۱۰۔ ولیم اور میری انگلستان کے بادشاہ اور ملکہ تسلیم کیے گئے اور جو لوگ پاپائی ہیں یا پاپائی سے شادی کریں گے، اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ تخت و تاج پانے کے نااہل مانے جائیں گے۔ ولیم اور میری کے بعد، وارث تخت اُن کی اولاد ہوگی اور اگر وہ لاولد ہوں تو شہزادی این اور اُس کی اولاد وارث ہوگی۔ اور اگر وہ اس لائق نہ ثابت ہوں، تو ولیم کی اولاد اگر کسی دوسری بیوی سے ہو، وارث تخت مانی جائے گی۔

مجموعی طور پر انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوّل تو شاہان اسٹوارٹ کا یہ اصول[1] کہ بادشاہ کے حقوق فرماں روائی خداداد یا ربّانی ہوتے ہیں، باطل ہوگیا اور قوم نے خود ایک ملکہ اور بادشاہ کو تخت پر بٹھایا جن کی بادشاہی پارلیمنٹ کے انتخاب کی رہین منت تھی۔ دوسرے آئین انگلستان کے وہ اصول جنھیں اسٹوارٹ بادشاہ ترک کرنے کے در پے تھے، انقلاب نے اُنھیں دوبارہ منوانے کا موقع دیا۔ تیسرے کہنا چاہیے کہ اسی نے پارلیمنٹی حکومت کے دَور کا آغاز کیا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عہد انقلاب تک سیاسی حکمت عملی بادشاہ کی ذاتی مرضی کے ماتحت تھی لیکن انقلاب کے وقت سے پارلیمنٹ کی مرضی اُس کی اصلی رہنما ہوگئی۔



[1] ان اصول کی بالکل سادہ اور قدیم صورت میں فلمر نے اپنی کتاب "پیٹ ری آرکا" میں شرح کی ہے۔

باب ہفتم

ولیم اور میری: ۱۶۸۹ء تا ۱۷۰۲ء

ولیم۔ ولادت: ۱۶۵۰ء
ازدواج: ۱۶۷۷ء
میری۔ ولادت۔ ۱۶۶۲ء
وفات۔ ۱۶۹۴ء

مشہور معاصرین:۔ فرانس............لوئی چہاردہم
اسپین چارلس دوم
شہنشاہ لیوپولڈ اوّل

سیرت کے اعتبار سے یہ بادشاہ اور ملکہ ایک دوسرے کا تکملہ تھے۔ ولیم سے اُس کے گہرے دوست تو دلی محبت رکھتے تھے اور اپنی جنگی اور ملک داری کی قابلیتوں میں بھی وہ دور دور تک مشہور تھا، لیکن ہر دلعزیز بادشاہ بننے کی اُس میں صلاحیت نہ تھی۔ ملنے جُلنے سے نفرت، اِدھر اُدھر کی باتوں اور دالانی کھیلوں[۱] سے وحشت ہوتی تھی۔

ولیم کی سیرت

---

[۱] یعنی (Indoor games)

باب ہفتم

لے دے کے ایک شکار کا شوق تھا اور کمزور جسم و مریض شُشش ہونے کے باوجود اس کھیل میں وہ کسی سے پیچھے نہ رہتا تھا۔ ارادے کی پختگی اور بے خطر دلیری، دہکتی آنکھوں ہی سے عیاں ہو جاتی تھی حالانکہ باقی سارے چہرے پر مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ اور دقاق صورت اور مریل ڈھچر میں عوام کے لیے کوئی دلکشی کی شان نہ تھی۔ طرّہ یہ کہ وہ جس طرح حسنِ صورت سے عاری تھا، اسی طرح عادات و خصائل بھی دلپسند نہ رکھتا تھا۔ ابتدائی پرداخت ایسے لوگوں میں ہوئی جو اُس کے ہر لفظ کو بدترین معنے پہنا دیتے تھے۔ لہٰذا روکھی خاموشی طبیعت ثانیہ بن گئی ورنہ اپنے خاص احباب یا جنگ کے جوش و خروش میں یہ نقاب اُٹھ جاتی، تو وہ خاصا خوش مزاج اور لطیفہ سنج نظر آتا تھا۔ بیوی کے ساتھ بھی وہ مدت العمر ایسا لیے دیے رہا کہ جس وقت میری کے بستر مرگ سے اسے لانے لگے اور وہ شدتِ غم سے بیہوش ہوا تو قریب قریب سب لوگوں کو حیرت ہو گئی۔ مذہبی معاملات میں اُسے ظاہری رسوم کی مطلق پروا نہ تھی اور رواداری برتنے میں اُسے ولندیزوں کی فراست ملی تھی گو ذاتی عقائد کالوینی تھے۔ معاملات خارجہ میں اُس کے طرز عمل کا سب سے اہم عنصر لوئی چہار دہم سے مخالفت تھی جسے وہ بجا طور پر سیاسی اور مذہبی آزادی، نیز انگلستان و ہالینڈ کی فلاح و بہبود اور توازنِ دول کے حق میں خطرناک جانتا تھا۔ اندرونی معاملات میں اُسے فرقہ بندی کی کشمکش سخت ناپسند تھی اور وہ صرف ایک ہم آہنگ و مستحکم طرز عمل کی صورتوں کا جویا تھا اور چاہتا تھا کہ انگلستان کا ایک متحد قوم کی حیثیت سے بیرونی ممالک پر اثر ڈالا جا سکے۔ اس طرح ایک اعتبار سے نہ تو وہ خوش خلق بادشاہ تھا۔ نہ اچھی قسم کا انگریز تھا۔ نہ اچھا مذہبی تھا نہ پکا وِگ یا سچا ٹوری تھا اور یہی وجہ ہوئی کہ اُسے ملک میں وہ قبولیت حاصل نہ ہو سکی جو اُس سے کمتر درجے کے آدمی کو بلا دقت میسر آ سکتی تھی۔

میری کی خصائل

بخلاف اس کے میری میں اگرچہ شوہر کا دسواں حصہ بھی قابلیت نہ تھی، تاہم جتنا اُس کا شوہر اکل کھرا تھا، اُسی قدر وہ ملنے جلنے میں خوش اخلاق اور ملنسار تھی۔ دوسرے پاکیزہ اطوار، سادہ دینداری

باب ہفتم

اور فیاضانہ خیرات کی بدولت لوگ اُسے ایسا عزیز رکھتے تھے کہ ولیم کو کبھی یہ بات میسر نہ آسکی۔ مگر ولیم کی طرح میری بھی سستی اور بیکاری سے نفرت کرتی تھی۔ اور اُس کے گرد جو خواتین تھیں، اُن کو بھی ملکہ کی مثال دیکھ کر بیکاری سے شرم آنے لگی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عہد چارلس و جیمز کے قصر سفید کے مقابلے میں دور جدید کے شاہی محل کا رنگ بہت جلد بدل گیا۔ حسن ظاہری میں بھی میری شاہانہ شان، ذی وجاہت صورت اور ایک پُر سکون جرأت رکھتی تھی۔ گو فہم و فراست اعلیٰ درجے کی نہ ہو تاہم اتنی اہلیت ضرور تھی کہ کئی دشوار موقعوں پر جب کہ اُس کا شوہر موجود نہ تھا اُس نے تنہا فرائض شاہی کو بخوبی انجام دیا۔ بہرحال تخت نشینی کے کئی سال تک ان میاں بیوی کی مشترکہ بادشاہی سے انھیں وہ قوت رہی جو غالباً کسی ایک کے تنہا بادشاہ ہونے سے نہ مل سکتی تھی اور اس میں میری کا اسٹوارٹ خاندان کا براہ راست وارث ہونا بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

وزراکا انتخاب

اگرچہ انقلاب حکومت نے وزرا کا انتخاب اُصولاً پارلیمنٹ کے تفویض کر دیا تھا لیکن ولیم اور اُس کی رعایا یقین رکھتے تھے کہ عملاً انھیں انتخاب کرنا صرف بادشاہ کا کام ہے۔ وھگ یا ٹوری کسی فریق سے بھی ولیم پوری طرح متفق الرّائے نہ تھا بلکہ خارجی معاملات میں تو اُس کا میلان وھگوں کی طرف تھا جو خود بھی یہی کہتے تھے کہ لوئی کو انگلستان پر حملے کی مہلت دینے سے قبل بہتر ہے کہ انگلستان کے باہر چل کر اُس سے مقابلہ کیا جائے۔ اور اندرونی معاملات میں ٹوری اُس کے مؤید تھے کہ وہ بادشاہی امتیازات کے اُصول کے حامی تھے اور ولیم بہت مضبوط حکومت عاملہ قائم کرنے کا خواہشمند تھا۔ دوسرے وھگ اور ٹوریوں کے وقتی اتحاد کی بدولت وہ تخت بادشاہی تک پہنچا تھا اور ان میں سے کسی فریق کو بھی آزردہ کرنا مصلحت کے خلاف ہوتا۔ یوں بھی اُس کی عقل نے سمجھا دیا تھا کہ کوئی وزارت دالعوام کا حسن ظن اور احترام حاصل کیے بغیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ غرض یہ اسباب تھے کہ اُس نے سب فرقوں کو ملائے رکھنے کی کوشش کی اور پہلی وزارت میں وھگ اور ٹوری دونوں گروہوں کے آدمی منتخب کیے۔ وزارت خزانہ،

باب ہفتم

امارت بحری اور وزارت مالگزاری کے لیے مشترکہ جماعتیں مقرر کیں تاکہ جہاں تک ہو سکے اُن حریص امیدواروں کو رضامند رکھا جا سکے، جو عہدوں کے لیے اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ وزارت خارجہ اور سپہ سالاری کا کام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مجلس شاہی کا صدر ڈینبی مقرر ہوا۔ ہیلی فیکس، شاہی مہر بردار بنایا گیا۔ امیر ناٹنگھم جو پکا کلیسائی تھا، اور شروزبری جو وھگ فرقے کا سرگروہ تھا، شاہی معتمدین میں داخل کیے گئے۔ گوڈالفن اور چارلز مورڈونٹ (جو آگے چل کے امیر پیٹربرو بنایا گیا) مجلس خزانہ کے، اور ہربرٹ اور رسل امارت بحری کے رکن تھے۔ بڑی مُہر بھی ایک جماعت کی تحویل میں دی گئی جس میں سن رسیدہ جان مے نرڈ سب سے ممتاز تھا۔ علاوہ ان وزیروں کے ولیم نے دو آدمیوں کو جن پر بڑا بھروسا رکھتا تھا، اپنا مشیر بنایا۔ ان میں ایک ولندیزی امیر ولیم بین ٹنگ تھا جس نے شہزادۂ ولیم کی چیچک کی بیماری میں، اپنی جان خطرے میں ڈال کر تیمارداری کی تھی۔ اسے اب امیر پورٹ لینڈ کا خطاب عطا ہوا۔ دوسرا شخص، ایلگرسڈنی کا بھائی، ہینری سڈنی تھا جسے پہلے لارڈ اور پھر امیر رومنی بنایا گیا۔ جیمز کے خوشامدی ارکان عدالت موقوف اور اُن کی جگہ بہتر اشخاص مقرر کیے گئے۔ فروری ۱۶۸۹ء میں "اجتماع" کے ارکان کو جدید انتخابات کے بغیر پارلیمنٹ کے باقاعدہ مبعوث تسلیم کر لیا گیا اور اپریل میں ولیم و میری کی تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی۔

حلف نہ لینے والوں کا فرقہ

سازش کو ابتدا ہی میں روک سکنے کی غرض سے قانون ہے بیس کورپس کو معلق کر دیا گیا اور نئے تاجداروں کے مخالف و موافق اشخاص میں تمیز کرنے کی ضرورت دیکھ کر پارلیمنٹ کو ایسی تدابیر اختیار کرنی پڑیں کہ بدخواہوں سے ملک صاف و مامون ہو جائے۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے ارکان، فوج کے سردار، کلیسا اور دیوانی کے حکام غرض سب کے لیے اقرار اطاعت و سیادت کا ایک نیا حلف نامہ لازم قرار دیا کہ اگر وہ ان الفاظ میں حلف نہ لیں تو پہلے معطل اور دوسری دفعہ کے انکار پر موقوف کر دیے جائیں۔ دیوانی کے عہدہ داروں کے متعلق

باب ہفتم

اس حلف کی ضرورت میں کسی کو کلام نہ تھا لیکن پادریوں کے معاملے میں اختلاف کی گنجائش تھی اور خود ولیم آمادہ تھا کہ صرف اسقفوں سے حلف لے کر معاشداروں کو معاف کر دیا جائے۔ مگر پارلیمنٹ نے مطلق نرمی نہ کی۔ دارالامرا میں سے چند، دارالعوام کے دو مبعوثوں اور دیوانی کے کم معدودے چند عہدہ داروں نے حلف لینے سے انکار کیا۔ البتہ مذہبی مدارس اور گرجوں کے چار سو کے قریب پادریوں نے حلف نہیں اُٹھایا اور اپنی خدمتوں سے معزول کر دیے گئے ان میں سین کروفٹ وغیرہ کئی اسقف اور آکسفرڈ کا ایک پروفسر ڈوڈویل سب سے ممتاز تھے۔ ان لوگوں نے "حلف نہ لینے والوں" کا ایک نیا گروہ بنایا اور نئے پادریوں کو بھی اس میں باضابطہ شریک کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ۱۸۰۵ء تک اس کے آثار باقی رہے۔ حکومت کی جانب سے اُن پر کوئی تعدی نہیں ہوئی بلکہ ڈوڈویل کی نسبت ایک بار ولیم نے یہ دلچسپ فقرہ کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ میں اسے قید میں ڈال دوں۔ مگر میں اس کی آرزو بر آنے نہ دوں گا" برطرف شدہ اسقفوں کی جگہ جو لوگ صدر اسقف کینٹربری اور دوسری خدمات پر مقرر ہوئے وہ اپنے پیش رووں سے قابلیت میں زیادہ ہی تھے بلکہ ان میں برنیٹ اسقف سالسبری تو اپنے پادریوں کے ساتھ برتاؤ میں ایک ایسا نمونہ تھا کہ اگر اس کی عام طور پر تقلید کی جاتی تو کلیسا کے مستقبل پر اس کا بڑا اثر پڑتا۔

مداخل شاہی

پارلیمنٹ کا دوسرا کام مداخل شاہی کا تصفیہ کرنا تھا۔ جیمز کی آمدنی بیس لاکھ پونڈ سالانہ کے لگ بھگ جا پہنچی تھی اور پارلیمنٹ کے نزدیک بادشاہ کو معمولاً اتنا روپیہ ملنا غیر ضروری تھا۔ لہذا بارہ لاکھ پونڈ سالانہ آمدنی مناسب سمجھی گئی۔ اس میں سے سات لاکھ تو علی فعلے کے نام سے خاص بادشاہ کے خرچ کے لیے ملتے تھے اور باقی مصارف کی بہ آورد وقتاً فوقتاً وزرا پیش کر کے پارلیمنٹ سے منظوری حاصل کرتے تھے۔ خاص خاص امور کے واسطے خاص منظوریاں علیحدہ دی جاتی تھیں۔ چنانچہ بیڑے کی اصلاح و ترقی کے لیے ۷ لاکھ، ولیم کی مہم کے مصارف میں ولندیزوں کو

باب ہفتم ۲لاکھ کی منظوری دی گئی اور فرانس سے جنگ کا آغاز ہوا تو اس کے واسطے روپے کا جداگانہ انتظام کر دیا گیا۔ عوام کو خوش کرنے کی غرض سے آتشدان کا محصول جس سے لوگوں کو نفرت تھی، موقوف ہوا اور اُس کی بجائے شرابوں پر آبکاری بڑھا کے کمی پوری کر لی گئی۔ انھیں انتظامات سے مالیات کے جدید نظام کی ابتدا ہوتی ہے۔ کچھ روز بعد ولیم نے اعلان کیا کہ آیندہ سے جب ضرورت ہو، ملکی مداخل و مصارف کے حسابات پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دیے جایا کریں گے۔ اور ۱۶۹۷ء میں ایک دفعہ تصرفات زر کی نسبت مرتب ہوئی کہ پارلیمنٹ کی میقات میں جو رقمی منظوری دی جائے وہ نام بنام محکموں کے تفویض کر دی جائیں۔ ان کارروائیوں سے مالیات کے نظام میں مزید ترقی اور باقاعدگی پیدا ہوئی، اور اعلان حقوق کے فقرہ نمبر ۹ کے نفاذ کا آلۂ کار تیار ہو گیا۔ چنانچہ برنیٹ نے جتایا ہے کہ یہ گُر اُسی زمانے کے لوگوں کے ہاتھ آیا کہ "ایک قلیل اور مقررہ مدت کے لیے مال گزاری کا معین کرنا، قوم کو یہ یقین دلانے کا بہترین ذریعہ ہے کہ پارلیمنٹ بار بار منعقد ہوا کرے گی"۔ فوج مستقل کے انتظام کی غرض سے بھی اسی قسم کے اُصول سے کام لیا جانے لگا۔ عود ملوکیت کے زمانے سے وِھگ فرقہ مستقل فوج کا رکھنا سخت ناپسند کرتا تھا اور ٹوریوں کو بھی اس انتظام سے کوئی حسن ظن نہ تھا لیکن ضروریات زمانہ نے صاف ظاہر کر دیا تھا کہ بغیر ایسی سپاہ کے انگلستان امن و اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔ نظر بر ایں ایک ایسی تدبیر نکالی گئی کہ فوج مستقل کے فوائد سے تو ملک محروم نہ ہو اور اسی کے ساتھ فوج سے قومی آزادی کے حق میں جو خطرات

قانون غدر

ہو سکتے تھے، وہ زائل ہو جائیں۔ فوجی انضباط قائم رکھنے اور فراریاں روکنے کے لیے ایک "قانون انسداد غدر" مرتب کیا گیا جس میں اس قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے اختیارات فوجی حکام کے سپرد ہوئے۔ یہ قانون صرف ۶ ماہ کے واسطے نافذ ہوا اور پھر صرف ایک سال کی اُسے توسیع دی گئی۔ اور آیندہ یہی دستور پڑ گیا کہ پارلیمنٹ قانون مذکور کو سال بھر کی توسیع دیتی رہے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر

باب ہفتم

کسی سال بھی توسیع نہ ملے تو حکومت کو سپاہیوں اور ملاحوں پر کوئی قانونی اختیار بھی باقی نہ رہے۔ یہ انتظام بھی کر دیا گیا تھا کہ جب توسیع نہ ملے تو اہل فوج کی تنخواہ کا سلسلہ بھی رک جائے پس ان تدبیروں سے پارلیمنٹ کو مستقل شاہی سپاہ پر ایسا کامل اقتدار حاصل ہوگیا کہ اس کا محض "قانون السداد تمرد" کی توسیع دینے میں تغافل کرنا بادشاہ کو فوجی امداد سے محروم کر سکتا تھا۔ فوج کی ترتیب جدید کی خدمت جان (لارڈ چرچل) کے سپرد ہوئی اور وہ امیر مارل برو بنا دیا گیا۔

قانون رواداری

پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں نے انقلاب میں ایسا لاینفک حصہ لیا تھا کہ اس کے صلے میں "قانون رواداری" وضع کیا گیا۔ انھیں شامل کلیسا کر لینے کی بھی سلسلہ جنبانی ہوئی تھی مگر یہ نہ چلی کیونکہ صدر اسقف کینٹربری اور برنیٹ جو رعایتیں کرنی چاہتے تھے وہ عام پادریوں کو گوارا نہ تھیں اور دوسرے، خود غیر مقلدوں میں پرسبی ٹری فرقے کے سوا باقی سب فرقے شمولیت کے قطعی خلاف پائے گئے۔ غرض شمولیت کی تجویز تو رہ گئی البتہ نئے قانون سے اتنا ہوا کہ تمام غیر مقلد پروٹسٹنٹوں کو جو تثلیث کے قائل ہوں، اور بادشاہ کی اطاعت و افضلیت کا حلف لینے سے انکار نہ کریں اور اُن کی نمازیں کھلے مکانوں میں ہوتی ہوں، مذہبی رسوم کی قانونی آزادی عطا ہوگئی۔ اسی لیے یہ قانون غیر مقلدی کا منشور اعظم بن گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس مذہبی مسئلے کا جس طرح تصفیہ ہوا، وہ اصولاً وہی تھا جسے سنہ ۱۶۴۷ء میں ہینری آئرٹن نے تجویز کیا تھا (صفحہ ۵۴) لیکن اصل یہ ہے کہ سنہ ۱۶۶۰ تک جو بات ناممکن نظر آتی تھی وہ اب اس وجہ سے ممکن ہوگئی کہ غیر مقلدوں کی کسی فوجی قوت کا اندیشہ نہ رہا۔ دوسرے اہل کلیسا کو جیمز کے اعلان رعایت کو شکست دینے سے اپنی طاقت کا اندازہ ہوگیا اور وہ سمجھے کہ رواداری میں اب کسی دوسرے فرقے کے غلبہ پا جانے کا خوف نہیں ہے۔ ذاتی طور پر ولیم اور بھی زیادہ آزادی دینے کا حامی تھا اور ہر پروٹسٹنٹ کو جو خدمت کرنے پر آمادہ اور اس کا اہل ہو ملازمت میں لینے پر تیار تھا مگر پارلیمنٹ نے اس قسم کی آسانیاں دینی پسند نہ کیں اور قانون آزمائش اور قانون بلدیات بلا ترمیم

باب ہفتم نافذ رہنے دیے۔ بہر حال غیر منقلد فرقوں کے علاوہ کیتھولک فرقے تک کو اس قانون سے فائدہ پہنچا۔ اور اگرچہ وہ قانوناً لندن اور اُس کے دس میل تک سکونت نہ رکھ سکتے تھے، لیکن اب ان کی عبادات میں کسی کو تعرض نہ رہا اور فرقۂ موحدین بھی تثلیث پرست نہ ہونے کے باوجود قانون رواداری سے بیقاعدہ طور پر کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھاتا رہا۔

مجرموں کو معافیاں

عدل وحق کوشی کی خاطر، نیز اُن کے وارثوں کے اطمینان دلانے کے لیے، رسل، ایلگرسڈنی، لزلی اور کئی اشخاص جنھیں خرابی خون کا فتویٰ دے کر قتل کرایا گیا تھا، اُن کے خلاف فیصلے منسوخ کیے گئے حتیٰ کہ اوٹس تک کو معافی ملی اور اس بدمعاش کے نام تین سو پونڈ سالانہ کا وظیفہ بھی جاری ہوگیا۔ جیمز کے جابرانہ افعال اور دوسری طرف چارلس اور جیمز کے خلاف سازش کرنے میں اس قدر اشخاص شریک ہوئے تھے کہ عفو عام کی تحریک کی گئی مگر وھگ فرقے نے اتنی مستثنیات بڑھانی چاہیں کہ اُس کو چھوڑ دینا پڑا۔ اسی طرح ضبط کردہ فرامین کی واپسی کی تحریک مشکل سے منظور ہوئی ورنہ وھگ اس کوشش میں تھے کہ اس قانون کی لپیٹ میں لاکر صدہا ٹوریوں کو ملازمت سے علیحدہ کرادیں۔ اس مناقشے میں وہ تو تو میں میں ہوئی کہ ولیم پریشان ہوگیا اور ایسی پراگندہ خیال مجلس کے ساتھ حکومت کرنے میں اُسے اتنی دشواری نظر آئی کہ لوگوں نے بمشکل اُسے ہالینڈ واپس چلے جانے کے ارادے سے باز رکھا۔

آخری تدبیر کے طور پر پارلیمنٹ جنوری ۱۶۹۰ء میں برخاست کر دی گئی اور ولیم نے اہل ملک کی استمداد کی۔ چنانچہ نئے انتخاب میں ٹوریوں کی اکثریت ہوگئی

قانون تلطف

اور معافی کا مسئلہ بہت جلد طے ہوگیا کہ خود بادشاہ کی طرف سے پارلیمنٹ میں ایک "قانون تلطف" پیش کیا جس میں ولیم و میری کی تخت نشینی سے پہلے کے جملہ جرائم معاف کیے گئے اگرچہ لڈلو وغیرہ چند بادشاہ کُش اشخاص کو جو ابھی تک زندہ تھے، نیز سنڈرلینڈ، ہیلز، پیٹرے، جیفریز وغیرہم جیمز ثانی کے خاص خاص اعوان و انصار کو

باب ہفتم

مستثنیٰ رکھا تھا کہ وہ اس عفوِ عام سے مستفید نہ ہو سکیں۔ ان میں جیفریز تو قلعۂ لندن میں فوت ہو گیا اور عملاً دوسروں کو کوئی تازہ سزا نہیں دی گئی۔ بعض پردیس میں تھے یا بغیر تعرض اب چلے گئے اور سنڈرلینڈ دوبارہ مراحم شاہی میں حصہ دار بنا لیا گیا۔ ٹوریوں کے غلبے سے ولیم کو ہمت ہوئی کہ وزراء میں بھی تبدیلی کرے۔ چنانچہ ہیلی فیکس، جو ہمیشہ سے بے لاگ نقاد تھا مگر عملی سیاسیات کا مردِ میدان ثابت نہ ہوا، دست کش ہو گیا اور ڈیوک آف کارمارتھن کا خطاب پا کر صدارت کی کرسی پر ممتاز کیا گیا۔ چند انتہا پسند وِھگ عہدوں سے الگ کر دیے گئے اور ہربرٹ نے بھی امارت بحری کی صدارت کی جگہ چھوڑ دی۔

جیمز سے خط کتابت

اچھے وزیروں کے ملنے میں ایک دقت یہ اور پیش آئی کہ بہت کم لوگ ایسے تھے جو یہ یقین رکھتے ہوں کہ ولیم جیمز اور لوئی کے مقابلے میں آخر تک کامیاب رہے گا۔ لہٰذا مشکل سے کوئی اہل الرائے ایسا ہوگا جو یہ کوشش نہ کرتا ہو کہ ولیم و جیمز دونوں کو خوش رکھے یا جیمز کے دوبارہ آجانے کی صورت میں خود محفوظ رہے۔ اسی خیال سے اکثر لوگ جیمز یا دوسرے انگریز تارکانِ وطن سے خط کتابت کیے جاتے تھے اور اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خود جیمز کے واپس بلانے میں ساعی تھے بلکہ صرف یہ کہ اگر جیمز حقیقت میں دوبارہ مالکِ تاج و تخت ہو جائے تو یہ خط و کتابت کرنے والے سزا سے بچے رہیں۔ تقریباً تمام بڑے بڑے عہدہ دار اور سیاسی اشخاص، حتیٰ کہ مارل برو، رسل اور شروزبری تک یہ خط و کتابت کرتے رہے اور ولیم باخبر ہونے کے باوجود اتنا قوی نہ تھا کہ اس فعل پر مواخذہ کرتا۔ البتہ مارل برو کے بارے میں اُسے بڑی تشویش تھی کہ اعلیٰ جنگی اوصاف کے ساتھ شہزادی این کے مزاج میں درخور ہونے کی وجہ سے وہ بہت کچھ پریشانی کا موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۹۲ء میں اُس کی مکاتبت پر خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا گیا تو بادشاہ نے اُس کے عہدے چھین لیے اور کچھ روز کے لیے وہ نظر بند بھی رہا۔

باب ہفتم

اسکاٹ لینڈ

اب ہمیں انگلستان کو چھوڑ کر اسکاٹ لینڈ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آخری دو بادشاہوں کی روش اہل اسکاٹ لینڈ کی مرضی کے بالکل خلاف رہی تھی اور اُن کے علی الرغم وہاں اسقفیت حکماً قائم کی گئی اور پارلیمنٹ میں انتخاب ہونے یا کرنے کا حق صرف اسقفیت پسند گروہ کو دیا گیا تھا۔ پرس بی ٹری فرقے پر بڑی تعدیاں کی گئیں اور جیمز کے زمانے میں تمام بڑے عہدوں پر کیتھولک مقرر کر دیے گئے۔ انگلستان میں انقلاب حکومت کی خبروں سے اسکاٹ لینڈ میں بھی قدرتہً بڑا جوش پھیلا ہر جگہ رعایا ظلم کرنے والوں کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی کیتھولک اشخاص کے مکانات پر حملہ کیا، اُسقفی پادریوں کو جا گھیرا اور گرجوں خانقاہوں سے جبراً نکال باہر کیا۔ قانون کی لفظی پابندی کی جاتی تو مُلک میں انتخابات کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا لہذا قانون کو تو چپ چاپ نظر انداز کر دیا گیا اور زیادہ تر پرس بی ٹری فرقے کی رائے سے مجلس اجتماع کے انتخابات ہوئے۔ ۱۴؍ مارچ سنہ ۱۶۸۹ء کو اس کا انعقاد ہوا اور بالاتفاق اعلان کیا گیا کہ "جیمز اپنی بادشاہی کا حق ضائع کر چکا ہے" پھر حق بادشاہی کا ایک دعویٰ نامہ مرتب کیا گیا جس میں تحریر تھا کہ "اسقفوں کا اقتدار یا پرس بی ٹری گروہ پر کسی کلیسائی عہدہ دار کی حکومت، انتہا بڑی اور ناقابل برداشت شکایت ہے کہ مُلک کے جمہور الناس کا میلان سراسر اُس کے خلاف ہے لہذا اس انتظام کو ہٹا دینا لازم ہے" پھر ولیم اور میری کی بادشاہی قبول کرنے کا اعلان تھا۔ لیکن اس عرصے میں جان گریہم (وائی کاؤنٹ اوف ڈنڈی) جسے جیمز نے فوجی عہدہ دیا تھا، پہاڑیوں میں ہٹ گیا اور مونٹ روز کے کارناموں کو دوبارہ تازہ کرنے کی جدوجہد کر رہا تھا

امیر ڈنڈی کی بغاوت

کیمبل وغیرہ چار بڑے بڑے قبیلے جو ایک دوسرے کے ہمسایہ اور آپس میں سخت عناد رکھتے تھے، ان کی اسی دشمنی پر ڈنڈی کی امید کامیابی مبنی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ آرچی بلڈ کیمبل (امیر آرگائل) کا انقلاب حکومت کو تسلیم کر لینا، اس قبیلے کے دشمنوں کو جیمز کا دوست بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ یہ قیاس ایک حد تک درست نکلا اور ماہ جون تک پہاڑی جنگجو قبائل کا لشکر کا لشکر

باب ہفتم

بلیر اتھول کے مقام کے قریب جمع ہوگیا۔ امیر ڈنڈی کا قلع قمع کرنے کے واسطے ولیم نے سپہ سالار میکی کو روانہ کیا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی علاقے کا زمیندار و لندیزی فوج میں عرصے تک خدمت کر چکا تھا اور شجاعت و کاردانی کے علاوہ اُس کی سچی دینداری مشہور تھی جو اُس زمانے کے سپاہی پیشہ افراد میں شاذونادر ہی پائی جاتی تھی۔ حقیقت میں کروم ویل کے سپاہیوں کے جملہ اوصاف میکی میں جمع تھے۔ وہ باغیوں کے لشکر گاہ کی طرف بڑھا اور کلی کرینکی کی دشوار گزار گھاٹی سے گزر کر ایک چھوٹے سے میدان میں آرام کر رہا تھا کہ اُس کے دونوں بازوؤں پر ڈنڈی کے سپاہی آپڑے۔ ان پہاڑیوں کے لڑنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک باڑ چلاتے ہی بندوقیں پھینک دیتے اور چھرا اور تیغہ لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ہمارے زمانے میں سوڈانیوں کا طریق جنگ بالکل یہی ہے اور باقاعدہ فوجوں میں ہلچل مچا دینے کے لیے بہت کافی ہوتا ہے۔ میکی کے سپاہیوں کے پاس عہد جدید کے تیز کار آتشیں اسلحہ نہ تھے اور ایک دقت یہ پیش آئی کہ برچھی کی بجائے سنگین کا نیا نیا رواج ہوا تھا۔ منک یہاں کی پہاڑی لڑائیوں میں اس ہتھیار پر بہت کچھ بھروسا رکھتا تھا لیکن یہ ہنوز بھدا ہتھیار تھا اور بندوق کے دہانے پر جما کر اس سے کام لیتے تھے بحالیکہ پھر بندوق کام نہ دے سکتی تھی۔ بندوق بھرنے اور چلانے میں بھی بڑی دیر لگتی تھی۔ غرض یہ کہ شاہی سپاہی ہتھیار ہی سنبھالتے رہے کہ دشمن اُن پر آپڑا۔ یہ تنگ میدان پہاڑی کے دامن اور گیری ندی کے درمیان واقع تھا اور چند ہی منٹ میں ہار جیت کا فیصلہ ہوگیا۔ ایک جمعیت کے سوا، باقی سب ندی کے پیٹے میں گھس کر فرار ہوئے اور تعقب کرنے والے بھی انھی میں گڈمڈ ہوگئے۔ میکی نے اپنی پراگندہ فوج کو دقت سے مرتب کیا اور تعقب میں بھی سستی ہوئی کیونکہ امیر ڈنڈی جو رکابوں پر پاؤں جما کے سیدھا کھڑا تھا اور ساتھ کے مٹھی بھر سواروں کو حملے کا جوش دلا رہا تھا، اُس نے مہلک زخم کھایا اور اُس کے جانشین کینن میں نہ اُس کی سی ذہانت تھی نہ میکی کی سی جنگی لیاقت۔ اگرچہ وہ تربیت یافتہ فوجی سردار ضرور تھا۔ بہرحال پہاڑیوں کی فوج میں

باب ہفتم

ابھی تک اضافہ ہو رہا تھا اور اُنھی بڑھتے ہوئے حوصلوں کے ساتھ اُنھوں نے ڈن کیلڈ کی کھلی ہوئی بستی پر حملہ کیا مگر یہاں کیمرن واعظ کے سب سے جھلے اور پُر جوش مقلدوں کے گروہ سے جو فوج مرتب ہوئی، وہ مقابلے میں آئی اور باغیوں کو بڑی شان سے شکست دی۔ اسی کے ساتھ اُن کا زور ٹوٹ گیا چند مہینے تک کینن نے تھوڑی سی فوج کو ساتھ لگائے رکھنے کے بعد بالآخر جون سنہ ۱۶۹۰ء میں کامل شکست کھائی اور ولیم و میری کی بادشاہی میں کوئی قیل و قال کرنے والا نہ رہا۔

اسی سال کلیسائے اسکاٹ لینڈ کی مجلس عامہ نے جو سنہ ۱۶۵۳ء کے بعد سے منعقد نہ ہوئی تھی، اجلاس کیا اور پرس بی ٹری طریقے کو مستقل طور پر اختیار کر لیا جو آج تک اسکاٹ لینڈ میں مروج ہے۔ ولیم کو اسکاٹ لینڈ کے معاملات میں سب سے زیادہ مدد ایک پرس بی ٹری پادری کارس ٹیرز کے مشوروں سے ملی جو نہایت دور اندیش و اعتدال پسند آدمی تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک گروہ تو فلیچر کا تھا جس کے پیرو امیرانہ جمہوریت کے حامی تھے اور دوسرے کیمی رونی گروہ کہ پرس بی ٹری طریقے کو بھی محض اسقفیت کی ایک شاخ جانتا تھا۔ پس کارس ٹیرز نے ایک بین بین راہ نکالی اور ادھر بادشاہ جمار ہا کہ اسکاٹ لینڈ کے معاملات کا فیصلہ وہیں کے باشندوں کی رائے کے مطابق ہونا چاہیے اور زمانے نے بھی اس ارادے کی خوبی ثابت کر دی۔

سنہ ۱۶۹۱ء میں اسکاٹ لینڈ کا نظم و نسق امیر آرگائل اور انھی کے ایک ہم قبیلہ امیر بریڈل بین اور سر جان ڈال رمپل صدر اسٹیر کے تفویض ہوا۔ سر جان اسکاٹ لینڈ کا معتمد شاہی تھا اور حکومت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ زیادہ تر یہی شخص پہاڑی علاقوں کو قابو میں لانے کے سلسلے میں ایک ایسے فعل قبیح کا ذمہ دار ہے جس پر زمانۂ حال میں بزرگتر جرائم سے بھی زیادہ بحث مباحثے ہوئے۔ ہماری مراد گلین کو کے قتل عام سے ہے جس کا اصلی سبب پہاڑیوں اور میدانیوں کی عداوت

گلین کو کا قتل عام

باب ہفتم

نیز میک ڈانلڈ اور کیمبل قبیلوں کی پشتینی نزاع تھی۔ سرکاری طور پر منادی کر دی گئی کہ یکم جنوری ۱۶۹۲ء تک تمام پہاڑی مکھیا شاہ ولیم کی اطاعت کا حلف اُٹھالیں۔ اسی پر ان جنگلی نبرد آزماؤں میں یہ آن پڑ گئی کہ جہاں تک ہو سکے حلف لینے میں تاخیر کریں چنانچہ گلین کو کا ایک چودھری میک ایان ۳۱ر دسمبر کو فورٹ ولیم میں پہنچا۔ اس قلعے میں کوئی شاہی عہدہ دار موجود نہ تھا جس کے سامنے حلف لیا جا سکتا لہذا میک ایان کو ان ویریری جانا پڑا اور وہاں ۶ر جنوری کو جا کے اُس نے یہ رسم پوری کی۔ مگر یہ بات تو مشکوک ہے کہ اس کے تاخیر سے حلف لینے کی اطلاع لندن دی بھی گئی یا نہیں۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ وہاں عہدہ دار اس فکر میں تھے کہ پہاڑی سرکشوں کو ایسا سبق دیا جائے کہ وہ یاد رکھیں یوں بھی گلین کو کا قبیلۂ میک ڈانلڈ تعداد میں کم اور چلن میں بدنام تھا۔ ادھر ڈال رمپل کے متعلق ایک ہمعصر کا بیان ہے کہ وہ "لومڑی کی طرح مکار، سانپ کی طرح ہوشیار اور جونک کی طرح پھسلتا تھا" اس نے فوراً حکومت کو اطلاع دی کہ حسب دلخواہ موقع ہاتھ آگیا ہے اور میک ایان کے وقت پر نہ آنے کی پہلی خبر ملتے ہی جھٹ پٹ یہ حکم خود شاہی دستخطوں سے لے کر اسکاٹ لینڈ بھیجا گیا کہ "اگر گلین کو کے قبائل، دوسروں سے جدا کیے جا سکیں تو چوروں کی اس برادری کا قلع قمع کرنا عین قرین مصلحت ہوگا" اس پر ڈال رمپل نے اپنی طرف سے اتنا اور بڑھا دیا کہ جو کچھ کیا جائے خاموشی سے ناگہانی کیا جائے۔ اور یہ کہ سپاہی، قیدی لا کے سرکار کو پریشان نہ کریں"۔ ان ظالمانہ احکام پر شرمناک مکاری کے ساتھ عملدرآمد ہوا سارا معاملہ میک ڈانلڈ قبیلے کے دشمن کیمبلوں کے سپرد کر دیا گیا تھا اور گلین لیون کا کپتان کیمبل خاص امیر ارگائل کے لشکر سے ایک سو بیس جوانوں کے ہمراہ یکم فروری کو گلین کو بھیجا گیا کہ ۱۳ تاریخ تک بستی والوں سے دوستانہ تعلقات رکھے تاکہ تمام راستوں پر پہرہ لگا دیا جائے اور پھر یہ سپاہی یکایک اپنے میزبانوں پر حملہ کر دیں اور مرد و زن، صغیر و کبیر کسی کو

باب ہفتم

زندہ نہ چھوڑیں۔ اس تجویز پر حرف بحرف عمل ہوا اور اگر سپاہی بندوقوں کی بجائے خاموش سنگینوں سے کام لیتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ پوری کامیابی حاصل نہ ہو۔ مگر بندوقوں کی آواز نے بستی والوں کو ہوشیار کر دیا اور کل ایک چوتھائی یعنی ۳۸ آدمی مارے گئے۔ تین چوتھائی باشندے بچ نکلے اگرچہ ان میں سے بھی کئی جانیں پہاڑوں کی شدید سردی میں تلف ہوئیں۔

یہ قصہ دو سال میں انگلستان میں اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ پارلیمنٹ نے اس پر توجہ کی۔ ڈال ریمپل عہدے سے الگ کر دیا گیا لیکن پورے قضیے میں اتنی کثیر تعداد مجرم تھی کہ ولیم نے سب کو سزا دینا غیر ممکن سمجھا۔ دوسرے جس طرح کسی فرنگی نو آبادی میں کالے دیسیوں کا مویشی چرانے پر قتل عام کر دینا آجکل بھی کچھ بہت سنگین واقعہ نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح عجب نہیں کہ گلین کو کے قتل عام کو بھی ان دنوں، زیادہ وقعت نہ دی گئی ہو۔ یہ قساوت دیکھ کر پہاڑی قبیلے سرکار کی طرف سے سخت بدظن تو ہوئے لیکن سرکشوں کی ناکامیاں، دروں میں بہتر سڑکوں کی اور اہم جنگی مقامات پر ان ورنس وغیرہ قلعوں کی تعمیر سے مرعوب ہو گئے اور تقریباً ایک پشت تک دم نہ مارا۔

آئرستان

اسکاٹ لینڈ میں تو ولیم کے مقابلے میں جیمز کی طرفداری شورش کا سبب بنی تھی، لیکن آئرستان میں انگلستان کے تعلق کا قائم رہنا ہی موجب نزاع تھا۔ دوسرے ایک طرف تو کیتھولک رجحان کی بدولت اس ملک میں جیمز ہر دلعزیز تھا اور پھر ٹائرکونیل کی روش سے عام طور پر یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ آئرستان کی آزادی اور انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے آبادکاروں کو اپنی مقبوضہ اراضی سے خارج کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

چنانچہ ۱۶۸۸ء کے آخری مہینوں میں ٹائرکونل آیندہ جنگ کی پوری تیاریاں کرتا رہا۔ چالیس ہزار سپاہیوں کی فوج فراہم کی اور جن شہروں میں پردیسی آبادکار پناہ لے سکتے تھے، وہاں پہلے سے کیتھولک چھاؤنیاں بنا دینے کی فکر کی۔ ان میں سب سے بڑھ کر اہم لندن ڈری اور انیس کیلن کی بستیاں تھیں کہ پہلا مقام تو اسکوٹی آبادکاروں کا مرکز تھا اور دوسرا کروم ویلی سپاہیوں کا۔

باب ہفتم

ٹائرکونیل کے سپاہی پہلے لندن ڈری پہنچے مگر چند نوجوان کارآموزوں نے شہر کے پھاٹک بند کر دیے اور یہ سُن کر انیس کیلن والوں کو بھی جرأت ہوگئی کہ ٹائرکونیل کے سپاہیوں کو اندر نہ گھسنے دیں۔

جیمز کا ورود آئرستان میں

جیمز ۲۲ دسمبر ۱۶۸۸ء کے دن انگلستان سے رخصت ہوا تھا اور پہلی فروری ۱۶۸۹ء کو آئرستان پر قبضہ کرنے ورسائی سے روانہ ہوا۔ لوئی نے پندرہ جہازوں کا بدرقہ اور ڈھائی ہزار سپاہی ساتھ کیے۔ وہ کِن زیل پر اترا اور ڈبلن روانہ ہوا جہاں پہنچ کر برنجی سکہ ضرب کرایا جو سرکاری قیمت سے سو گنا کم قیمت تھا۔ اور ۷ مئی کو پارلیمنٹ طلب کی۔ دوسرا کام یہ کیا کہ ایک بدنصیب فرانسیسی ہیوگنو مسمی آرسل کو جس نے اپنے ہم اعتقادوں کے روبرو شکستہ گرجا میں کھڑے ہوکر وعظ و تلقین کی تھی اور اس قصور پر رہٹ کے پہیّے سے باندھ کر ہلاک کر دیے جانے کی سزا پائی تھی فرانسیسی سفیر کے حوالے کر دیا۔ پارلیمنٹ میں صرف چودہ اُمرا (جن میں دس کیتھولک تھے) شریک ہوئے اور دارالعوام کے ڈھائی سو ارکان میں سے پروٹسٹنٹ باشندوں کے صرف ۶ مبعوث آئے۔ اس پارلیمنٹ کا پہلا کام یہ تھا کہ آئرستان کی تشریعی آزادی کا اعلان کیا اور پھر کئی عجیب عجیب قوانین وضع کرنے بیٹھی۔ قانون آبادکاری پُرجوش نعروں میں منسوخ کیا گیا۔ حاضر نہ ہونے والوں کی جاگیریں بحق شاہ جیمز ضبط ہوئیں۔ سب مسیحی فرقوں کو مذہبی آزادی دی گئی لیکن پروٹسٹنٹوں کو گرجا یا کسی دوسری جگہ جمع ہونے کی اجازت نہ تھی اور خلاف ورزی کی سزا موت مقرر کی گئی تھی۔ دینی مدارس و کلیات دوبارہ کیتھولک فرقے کے حوالے ہوئے۔ پروٹسٹنٹوں کے سب گرجا پادریوں کی تحویل میں دیے گئے کہ معاشیں بھی وہی وصول کریں۔ اور شہروں یا بلدی قصبات میں جو پروٹسٹنٹ پادریوں کو تنخواہیں دی جانے لگی تھیں، وہ روک دی گئیں۔ پروٹسٹنٹوں کی ضبط کردہ جاگیروں میں سے بیس ہزار پونڈ سالانہ ٹائرکونیل کے نام کیے گئے۔ اور آخری ایک قانون "خرابیٔ خون" کا نافذ ہوا اور دو ہزار سے کم اشخاص نہ ہوں گے جنھیں بصورت گرفتاری سزائے موت کا مستوجب

قرار دیا گیا۔ حالانکہ بہت سے ایسے تھے کہ ان کے متعلق کوئی جھوٹی سچی تحقیقات بھی نہیں عمل میں آئی۔ صرف یہ کہہ دیا گیا کہ اگر ایک مقررہ تاریخ تک وہ اپنے آپ کو حوالے نہ کردیں گے تو لائق سزا سمجھے جائیں گے۔ ایسے آئرستانی خیر خواہوں کی یہ جلا دی دیکھ کر جیمز بھی خوف زدہ ہو گیا لیکن اس چڑھتے طوفان کو روکنے کی قوت نہ تھی۔ قانون آبادکاری کی تنسیخ کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے انگریز اور اسکوٹی آبادکار جبراً خارج، اور اُن کے مویشی ہلاک کر دیے گئے اور مال ومتاع کو آگ لگا دی گئی۔ ان غریب الوطنوں کی سب سے بڑی پناہ گاہیں لنڈن ڈری اور انیس کیلن کی بستیاں تھیں۔ وہ تعداد کثیر میں وہاں آ بھرے اور اُن کے استیصال کامل کا انحصار اس پر آگیا کہ یہ بستیاں تسخیر کرلی جائیں۔ لنڈن ڈری میں جیمز نے کرنل لنڈی کو قلعہ دار بنا کر بھیجا تھا اور اُس نے دو انگریزی فوجوں کو کہیں دور بھیج دیا کہ شہر کے فتح ہونے میں اور بھی سہولت ہو جائے۔ مگر جب جیمز کے شہر کی طرف بڑھنے کا حال معلوم ہوا تو پناہ گزینوں نے اپنے غدار قلعہ دار کی اطاعت سے آزادی حاصل کی بلکہ اسے عہدے سے معزول کر کے میجر بیکر اور کپتان مرے کی زیر ہدایت قلعہ بند ہو کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس ارادے میں حلقۂ ڈونامور کے ناظم واکر کے فصیح مواعظ نے اُن کی ہمت اور بڑھائی اور جب جیمز شہر کے سامنے پہنچا تو معلوم ہوا کہ انھیں بے ڈھنگی فصیلوں پر پہرہ قائم ہے اور ہر شخص جو مل سکا مسلح کر دیا گیا ہے کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کی جائے۔ ۲۰؍اپریل ۱۶۸۹ء سے محاصرہ شروع ہوا۔ محصورین نے کئی یورشیں پسپا کیں۔ ادھر محاصرہ کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ شہر میں اجناس خوردنی کی کمی ہے۔ لہٰذا حملہ و گولہ باری کی شدت کو چھوڑ کر انھوں نے ناکہ بندی کے ذریعے محصورین کو فاقہ کشی کی مصیبتوں میں پھنسانا زیادہ پسند کیا۔ اسی سلسلے میں جیمز نے مشرقی یورپ کے ایک بدمعاش آدمی روزن نامی کو جو

لنڈن ڈری کا محاصرہ

اُن دنوں آئرلینڈ میں تھا۔ اس خدمت کے لیے چھانٹ کر بلایا اور اُس نے یہ شیطانی تدبیر نکالی کہ قریب کے دیہات میں جو بوڑھے بچے اور عورتیں باقی رہ گئی تھیں اُنھیں محصورین اور محاصرین کے درمیان لا کے جمع کر دیا کہ بھوک یا طرفین کی آتش باری سے اُن کا خاتمہ ہو جائے۔ دو دن رات یہ بدنصیب جبراً اسی طرح لڑنے والوں کے بیچ میں رکھے گئے آخر شہر والوں نے دھمکی دی کہ بستی میں جتنے کیتھولک قیدی ہیں، ہم اُن سب کو سولی پر لٹکا دیں گے تو روزن نے ڈر کر باقی ماندہ مظلوموں کو واپس چلے جانے کی اجازت دی۔ اس واقعے سے جیمز تک کو صدمہ ہوا۔ روزن کی بجائے ہیملٹن مقرر کیا گیا۔ محاصرہ اُٹھانے کی غرض سے کرک کشتیاں لے کر رود فوئل کے راستے روانہ ہوا تھا لیکن ایک مضبوط باڑ ڈال کر اُس کو روک دیا گیا۔ اسی طرح ہفتے کے ہفتے گزرے چلے گئے۔ شہر کی بہادر فوج کو شکم پُری کے لیے کتے، چوہے، بلیاں اور نمک لگی کھالیں تک کھا لینی پڑیں اور کرک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ آخر شہر میں صرف دو دن کی خوراک رہ گئی تو اُس وقت کرک کو قطعی حکم پہنچا کہ باڑ پر حملہ کرے اور دو تجارتی جہاز اُسے توڑ کر نکل گئے اور ۲۸ جولائی کو شہر کی گودی میں لنگر ڈالا۔ تب تیسرے دن یہ محاصرہ بھی جو ایک سو پانچ دن رہا تھا، اُٹھا لیا گیا۔ اسی تاریخ انیس کیلن والوں کو فتح نمایاں حاصل ہوئی کہ کرنل وُلزلی نے اپنی بے قاعدہ فوج سے جیمز کے سپہ سالار میکارتھی پر حملہ کیا جو ۶ ہزار باقاعدہ سپاہیوں کے ساتھ نیوٹاؤن بٹلر تک بڑھ آیا تھا۔ جنگ سے کچھ پہلے وُلزلی نے یہ بات اپنے سپاہیوں کی رائے پر چھوڑ دی تھی کہ اُن کی مرضی ہو تو حملہ کروں ورنہ واپس ہٹ جائیں لیکن فاتحان ریتھ مائنز اور نیزبی کی اولاد مردانگی میں کسی سے کم نہ رہ سکتی تھی۔ سپاہیوں نے بالاتفاق حملے کی رائے دی اور "پاپائیت" پر لعنت کے نعرے مارتے ہوئے آگے بڑھے تو کوئی سامنے نہ ٹھیرا۔ میکارتھی، پندرہ سو جوانوں کے ساتھ کھیت رہا اور اُس کے اور پانچ سو ساتھیوں نے رود ارن میں ڈوب کر جان دی۔

باب ہفتم

ان کامیابیوں سے تو شمالی آبادکاروں کا تحفظ ہو گیا اور ادھر اگست میں ایک اسّی سال کا تجربہ کار سپہ سالار شوم برگ نامی، جسے محض پروٹسٹنٹ ہونے کے جرم میں فرانس سے نکالا مل گیا تھا، ملی جلی جمعیت لے کر آئرستان میں آپہنچا اور جیمز کی فوجیں اُس کی روک تھام میں لگ گئیں۔ شوم برگ کے سپاہی مفلوک الحال لوگ تھے اور ایک بدمعاش بیوپاری شیلز نے ان کی سربراہی کا ٹھیکہ لے رکھا تھا جس سے انھیں ڈھنگ کا کھانا کپڑا تک میسر نہ آیا۔ تاہم شوم برگ کی سلیقہ مندی کی بدولت وہ ۱۶۹۰ء کی گرمیوں تک میدان میں تھمے رہے حتیٰ کہ ولیم بذات خود اعلیٰ درجے کی فوج لے کر آگیا اور قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ اُس نے جتا دیا تھا کہ "میں آئرستان میں محض اینڈنے کے لیے نہیں آیا ہوں"۔ اور اُس کی آمد سُن کر جیمز کی فوج سامنے سے ہٹ کر ڈروگھیڈا سے دو میل اوپر بوئن ندی کے کنارے نہایت محفوظ مقام پر مورچہ بند ہو گئی۔ ۳۰ جون کو فریقین کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑی رہیں۔ البتہ جیمز کے سرداروں نے موقع پا کر دو گولے خاص ولیم پر چلائے اور ایک گولے سے اُس کے شانے کو گھستا بھی لگا۔ یکم جولائی کو ولیم کی ساری متحدہ فوج دشمن کے روبرو ندی کو عبور کر آئی۔ جیمز کے فرانسیسی اور آئرستانی سوار خوب لڑے لیکن پیادوں نے بڑی نامردی دکھائی اور شوم برگ کے مارے جانے کے باوجود ولیم کو فتح و فیروزی نصیب ہوئی۔ بلکہ متوفی سپہ سالار کی رائے کے مطابق ولیم رات ہی کو ڈولیک کے درے پر جیمز کی پسپائی کا راستہ روک لیتا تو اسے اور بھی شدید ہزیمت نصیب ہوتی۔ مگر جیمز کی گرفتاری بھی ولیم کے لیے پریشانی کا موجب ہو جاتی اور غالباً اسی خیال سے اُس نے درہ بندی کرنے میں تامّل کیا۔ بہرحال فراری لشکر میں سب سے پہلے خود جیمز ڈبلن پہنچا اور بہت اخلاق سے لیڈی ٹائر کونیل کو اطلاع دی کہ "آپ کے ہم وطن بھاگ نکلے"۔ جس کا اس خاتون نے یہ بامزہ جواب دیا کہ "اگر وہ بھاگ نکلے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس دوڑ میں حضور عالی بازی لے گئے ہیں!" ڈبلن سے جیمز مارا مار واٹرفورڈ پہنچا اور شکست کے

باب ہفتم

تیسرے دن اپنے ہواخواہوں کو تقدیر کے حوالے کر کے فرانس روانہ ہو گیا۔

محاصرے اور فتوحات

بوئن کی فتح سے ڈبلن اور تمام وسطی اضلاع ولیم کے قبضے میں آ گئے لیکن شینن کے کنارے کنارے ایتھلون، لیمرک، اور کورک و کنسیل کی بندرگاہیں ایک مسلسل خط کی صورت میں باغیوں کے قبضے میں تھیں۔ اور اُن کی قیادت ایک آئرستانی امیر سارس فیلڈ اور ایک فرانسیسی سپہ سالار لوزان کر رہے تھے۔ خود ولیم لیمرک پہنچ گیا تھا مگر محاصرے میں شروع سے ناکامی ہوئی۔ بوئن کے میدان میں جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، وہ فصیل کے پیچھے سے جان توڑ کر لڑے۔ سارس فیلڈ بہت عمدہ سپہ سالار ثابت ہوا۔ اور اُس نے ولیم کی قلعہ شکن توپوں کو چالاکی سے چھین کر بڑا انعام پایا۔ جب یہ توپیں نہ رہیں تو پھر محاصرین قلعے کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تین یورشیں ناکام ہوئیں اور چونکہ سردی سر پر آ گئی تھی لہذا ولیم محاصرہ اُٹھا کر خود انگلستان چلا گیا۔ فوج کی قیادت اور گنکل، میکے اور ٹلیمش کے تفویض کر دی۔ دوسری طرف مارل برو کو کنسیل اور کورک کی تسخیر کے لیے پانچ ہزار سپاہی دے کر بھیجا گیا تھا اُس نے یہ خدمت اس خوبی سے بلا کسی رکاوٹ کے انجام دی کہ ولیم نے بے اختیار داد دی اور کہا کہ "اس وقت کے فوجی سرداروں میں کوئی ایسا نہیں جس کو جنگ کا تجربہ اتنا کم ہو اور پھر بھی وہ مارل برو کے برابر بڑی بڑی سپہ سالاریوں کا اہل ہو"۔ ۱۶۹۱ء کے موسم بہار میں آئری فوج کی سپہ سالاری کے واسطے ایک نامور فرانسیسی سردار سین روتھ بھیجا گیا۔ اسی جون میں گنکل، ایتھلون کے محاصرے کی غرض سے بڑھا کہ شینن کا معبر اسی شہر کی زد میں تھا اور غالباً آئرستان بھر میں اس سے بڑھ کر با موقع جنگی مقام دوسرا نہ تھا۔ اس کے مشرقی کنارے پر انگریزوں کا محلہ تھا، اس کے فتح ہونے میں کچھ دشواری نہ ہوئی مگر اُس کے اور آئری بستی کے درمیان شینن کی تیز ندی واقع تھی اور اُس پر صرف ایک پل تھا جہاں زبردست پہرا قائم تھا۔ آخر گنکل نے پل سے چند گز آگے بڑھ کر ندی کو پایاب اترنا چاہا اور

باب ہفتم

یورش کا سردار میکی کو مقرر کیا۔ وہ ذاتی طور پر اس تجویز کے خلاف تھا مگر اس مستعدی سے لڑا کہ گویا خود اُس کی تجویز تھی۔ ٹیلمش اور شہزادہ ورٹم برگ نے بہادری سے ساتھ دیا اور گردن گردن پانی سرداروں کو کندھے پر چڑھائے ہوئے سپاہی ندی کے پار ہو گئے۔ آئرستانی مدافعین کو خبر بھی نہ ہونے پائی تھی۔ وہ ناگہانی حملے کی تاب نہ لائے اور چند منٹ میں سارا شہر گنکل کے قبضے میں آ گیا۔

روتھ نے ایتھلون کی نسبت کمال اطمینان سے کہا تھا کہ گنکل کے آقا کو چاہیے کہ ایسے مضبوط شہر کو لینے کی کوشش کی سزا میں اُسے سولی چڑھا دے اور اگر واقع میں میرے ہاتھ سے شہر نکل جائے تو میرے آقا کو چاہیے کہ مجھے دار پر لٹکا دے۔ اسی اطمینان کی بدولت وہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر خیمہ زن اور ٹائرکونیل اور بہادر سارس فیلڈ سے خواہ مخواہ جھگڑنے اور ڈانٹنے ڈپٹنے میں مصروف تھا۔ ایتھلون ہاتھ سے نکلا تو پریشان ہو کر گالوے کی طرف پسپا ہوا اور اسی کی سڑک پر آورم کی پہاڑی پر دلدل کے عقب میں مورچہ بند ہو کر گنکل کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ آئرستانی سپاہیوں میں اُس نے مذہب اور حب وطن کا انتہائی جوش بھر دیا تھا اور وہ حقیقت میں بڑی بہادری سے لڑے اور ٹیلمش کے پیادوں کو بار بار پسپا کر دیا۔ لیکن بالآخر میکی اپنے رسالے کو بدقت تمام دلدل کے دوسری طرف لے آیا اور جناحی حملے کی تیاری کی۔ اُسی وقت ایک گولے نے سان رتھ کا کام تمام کر دیا اور اُس کے بیوقوف ملازموں نے سارس فیلڈ تک سے یہ خبر مخفی رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عین نازک موقع پر کوئی قیادت کرنے والا نہ رہا۔ سارس فیلڈ فوج ردیف لیے حکم کا منتظر کھڑا تھا مگر کوئی ہدایت نہ پہنچی اور میکی دباتا چلا آیا۔ ادھر ٹیلمش نے بیش از بیش جدوجہد کی اور آئرستانی لشکر ایسی پامردی دکھا کر جس کا بوئن کے معرکے سے بمشکل قیاس ہو سکتا تھا۔ جدھر منہ اُٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔

معرکۂ آورم

اب گالوے بھی فتح ہوگیا تو ٹائر کونیل اور سارس فیلڈ اپنی آخری جائے پناہ یعنی لمیرک کے قلعے میں ہٹ آئے۔ محاصرہ شروع ہونے نہ پایا تھا کہ ٹائر کونیل فوت ہوگیا۔ ادھر توپوں کا مناسب انتظام ہوجانے سے گنکل نے ولیم سے زیادہ کامیابی پائی۔ اور جب آئرستانی رسالے کو فصیل کے باہر شکست ہوئی اور تھومنڈ کے پل پر جو شینن ندی پر واقع ہے حملہ آوروں کا قبضہ ہوگیا تو سارس فیلڈ نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ شرطیں جو طے ہوئیں، دو قسم کی تھیں۔ ایک تو جنگی یعنی ہتھیار ڈال دینے کے متعلق جن پر سپہ سالاروں کے دستخط ہوئے اور دوسرے ایک ملکی معاہدہ، جس پر ولیم کی طرف سے حکام عدالت عالیہ نے دستخط کیے۔ پہلے معاہدے کی رو سے آئرستانی سپاہیوں کو اختیار دیا گیا کہ لمیرک سے نکل کر ہتھیار کھول دیں اور پھر ولیم کی فوج میں داخل ہوجائیں یا چاہیں تو سارس فیلڈ کے ساتھ فرانس چلے جائیں اور دوسرے عہد نامے میں وہاں کے کیتھولکوں کو صرف وہ مراعات دی گئیں جو قانون کے مطابق تھیں یا جو انھیں چارلس دوم کے زمانے میں حاصل تھیں۔ پہلے معاہدے کی بنا پر تقریباً گیارہ ہزار سپاہیوں نے فرانس جانے پر آمادگی ظاہر کی اور اگرچہ جہازوں تک جاتے جاتے بہت سے بھاگ گئے تاہم اتنی کافی تعداد گئی کہ فرانس میں مشہور و معروف وہ آئرش لشکر (بری گیڈ) مرتب ہوسکا۔ سارس فیلڈ افسوس کرتا تھا کہ اگر انگریز اپنے بادشاہ کو ہمیں دے دیں، تو جب چاہیں ہم سے دوبارہ لڑکر دل کا حوصلہ نکال سکتے ہیں۔ اور حقیقت میں ٹائر کونیل کے وقت سے بہتر ضبط اور جیمز سے اچھے قیادت کرنے والے ملے تو آیندہ بہت سے سخت و دشوار معرکوں میں یہی بوئن اور آؤرم کے شکست کھانے والے اس جواں مردی سے لڑے کہ آئرستانی شجاعت کا سکہ بٹھادیا۔

لمے رک کی تسخیر کے بعد ایک ملکی عہد نامہ مرتب ہوا ۱۶۹۱ء اور اس موقع پر ولیم اور انگلستان کے اہل الرائے کی بات چل جاتی تو آئرستان کے قدیم کیتھولک باشندوں اور جدید پروٹسٹنٹ متوطنوں کا پرانا جھگڑا منصفانہ طور پر طے ہوجاتا۔

باب ہفتم

لیکن آئرستان کی آزاد ملکی مجلس اُن سے کہیں بڑھ کر تنگ دل اور متعصب نکلی۔ جیمز کے چند روزہ اقتدار کے زمانے میں قانون آبادکاری کی تنسیخ، خرابی خون کے فیصلے اور ۱۶۸۹ء نیز اڑتالیس برس قبل کے مظالم پروٹسٹنٹوں کے دل پر ایسے نقش ہو گئے تھے کہ وہ آیندہ کسی بہتر صورت نکلنے کے امکانات پر مطلق متوجہ نہ ہو سکے۔ انھوں نے بڑی بے رحم و قابو طلب اکثریت کے پنجے سے بمشکل نجات پائی تھی لہذا آیندہ اسی قسم کی مصیبت کا حفظ ماتقدم سوائے اس کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ اکثریت کو اچھی طرح شکنجے میں کسا جائے۔ چنانچہ عہدنامۂ لمرک تدریجی مراعات کی ابتدا بننے کی بجائے، سرے سے نافذ ہی ہونے نہ پایا۔

فرانس سے اعلان جنگ

جیمز آئرستان سے فرانس واپس پہنچا تو اتنی دیر ہو چکی تھی کہ فرانس کے خاص انگلستان پر حملہ کرنے کی کوشش میں شرکت نہ کر سکا۔ اصل یہ ہے کہ جب لوئی کے عملاً جیمز کو فوجی امداد دینے کا حال معلوم ہوا تو پارلیمنٹ کی درخواست پر ولیم نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ پارلیمنٹ نے ولیم کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس وقت شاہ فرانس سے لڑنا مناسب سمجھے گا، ہم دستوری طریق کے مطابق اُس کی تائید و شرکت کریں گے، چنانچہ ولیم کو ہالینڈ، اسپین اور شہنشاہ جرمانیہ کو فرانس کے خلاف متحد کرنے کا موقع مل گیا اور یہ زبردست جتھا خود ولیم کی سرگروہی میں آٹھ سال تک لوئی چہار دہم سے اُس کی سرحدوں پر بری و بحری جنگ کرتا رہا۔ برطانیہ نے اتحادیوں کے لیے ۲۰ ہزار بری سپاہی فراہم کرنے اور ولندیزوں کے ساتھ مل کر بحری جنگ کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ ۱۶۸۹ء میں مارل برو اور ٹیلمش ایک برطانی لشکر لے کر یورپ گئے اور شہزادہ ویلڈک کی سپہ سالاری میں وال کورٹ کی لڑائیوں میں نام پایا۔ اُدھر ہربرٹ بھی کنسیل کے سامنے فرانس کے بیڑے سے ایک معمولی اور ناتمام بحری لڑائی لڑا لیکن ۱۶۹۰ء میں جب ولیم آئرستان گیا ہوا تھا فرانسیسی امیر البحر تورویل بیاسی جہاز لے کر دوبارہ انگلستان میں داخل ہوا کہ انگریزی بیڑے کا صفایا کر دے۔ ولیم کو انگلستان آتے میں گرفتار کرے

باب ہفتم

اور خاص انگلستان پر فوج کشی کرنے میں جیمز کی امداد و محافظت کرے۔ ۳۰ جون کو جس روز ولیم نے بوئن کی لڑائی میں خفیف زخم کھایا، اُسی دن ہربرٹ اور ولندیزی امیر البحر ایورٹ سن نے مل کر بیچی ہیڈ کے سامنے تورویل کا مقابلہ کیا۔ ہربرٹ کو اب لارڈ ٹورنگ ٹن کا خطاب مل گیا تھا۔ وہ ذاتی طور پر وفادار و دلیر جہازی تھا اور عیش دوستی کے باوجود بحری لڑائیوں کا کافی تجربہ رکھتا تھا۔ اس کی پختہ رائے یہ تھی کہ انگلستان پر حملہ روکنے کی غرض سے ایک غیر مغلوب بیڑے کی ہستی ضروری ہے اور اس نازک موقع پر بیڑے کو جوکھوں میں ڈالنا سخت نادانی ہوگی۔ مگر امیر ناٹنگھم نے اصرار کیا کہ ضرور لڑائی لڑی جائے۔ ٹورنگ ٹن کو تعمیل کرنی پڑی۔ تاہم اپنے کمزور بیڑے کو معرض خطر میں ڈالنے کی بجائے وہ چند جہازوں سے لڑنے کے بعد فرار ہوگیا۔ حملے کا اصلی بار ولندیزیوں نے اُٹھایا اور ٹورنگ ٹن دریائے ٹیمز کی کھاڑی میں گھس گیا۔ آتے وقت اُس نے وہ بحری پیپے بھی اُٹھا دیے جن سے کھاڑی کے دہانے کا علم ہوتا تھا اور چونکہ تورویل اس کے بیڑے کے صحیح سالم بچ نکلنے کی وجہ سے اپنے بیڑے کو کئی حصوں میں تقسیم نہ کرسکتا تھا لہٰذا تذبذب میں رہ گیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ ٹورنگ ٹن کی اس چالاکی کے فوائد ملکی اشخاص نہیں سمجھ سکے اور اُنھوں نے اُس کے طرز عمل پر لعنت ملامت کی لیکن بحری اہل الرائے میں اس کی بڑی قدر ہوئی۔ بہر حال معاملہ بہت نازک ہوگیا تھا۔ لیکن یہ الفاظ کہ "فرانسیسی آرہے ہیں" جادو کا سا کام کر گئے۔ یعنی قومی جذبات مشتعل ہوئے اور کیتھولک (یعقوبی) فرقے کے لوگ تک جیمز کی حمایت کرنے سے رُک گئے۔ اُس زمانے کے محسوسات عامّہ کا اچھا خاصا مقیاس ڈرائی ڈن کے اشعار ہیں۔ اُس نے اس موقع پر "کیلک ان ویژن" لکھی۔ غنیمت یہ ہوا کہ فرانسیسیوں کے پاس باربرداری کا کافی انتظام نہ تھا اور اسی تذبذب میں، بیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہ آثار نے کی بجائے وہ صرف ایک گمنام سے گاؤں (ٹین متھ) کو تیغ و آتش سے پامال و خراب کرکے چلے گئے۔ ہالینڈ وغیرہ یورپ کے ملکوں میں تو اس

واقعے کی خبر بھی نہ ہوتی لیکن اہل انگلستان جنگ فرانس کی ان خوفناک مصیبتوں کے عادی نہ تھے۔ یہاں اسی واقعے نے ساری قوم کو برانگیختہ کردیا اور بہت جلد ثابت ہوگیا کہ انگلستان کے دیہات جلانے سے جیمز کی مدد نہیں ہوسکتی یعقوبی فرقے کے بغاوت کردینے کی ساری امیدیں باطل ہوگئیں اور جیمز کے آئرستان سے شکست کھاکر بھاگنے کی خبر لندن پہنچی تو اس سے پہلے ہی خطرے کا وقت گزر چکا تھا۔ ملکۂ میری کی خدمت میں ہر طرف سے وفادارانہ امداد کے پیام آئے اور ولیم انگلستان واپس آیا تو پہلے سے بھی زیادہ اپنے حق بادشاہی کو مضبوط و محکم پایا۔

پارلیمنٹ کے اجلاس موسم سرما میں اور یورپ میں لڑائی صرف گرمیوں میں ہوا کرتی تھی۔ لہذا سنہ ۱۶۹۱ سے سنہ ۱۶۹۷ تک ولیم ۶ مہینے فوجوں کے ساتھ یورپ میں اور ۶، پارلیمنٹ کے ساتھ ویسٹ منسٹر میں گزارتا تھا اگرچہ اسے دونوں جگہ قریب قریب یکساں محنت و عرق ریزی کرنی پڑتی تھی۔ یورپ میں وہ ایسے فوجی جتھے کا سردار تھا جس کی تعداد زیادہ مگر اغراض نامشترک تھیں۔ اطالیہ سے لے کر شمالی یورپ تک مختلف ملکوں میں اس کی فوجیں مصروف جنگ رہتی تھیں اور مقابلہ واحد قوم سے تھا جس کی قیادت ایک مطلق العنان بادشاہ کے ہاتھ میں تھی اور اسے ہر جگہ مرکزی موقع اور بہترین سپہ سالاروں کی خدمات کا فائدہ میسر تھا۔ خود ولیم کے مقابلے میں کئی سال تک شہرۂ آفاق لکسم برگ سپہ سالاری کرتا رہا اور مشہور مہندس وو بال جیسے قلعہ سازی کے فن میں مہارت تامہ حاصل تھی، فرانسیسی سپہ سالار کا مددگار تھا۔ اس کے جواب میں ولیم نے بھی ایسے ہی نامی گرامی بناؤ یعنی کے ہورن کو رکھ لیا تھا اور جنگ میں خود لکسم برگ بے شبہہ اس کا حریف قابل تھا۔ ندرلینڈز کے علاقے، جہاں ولیم ذاتی طور پر قیادت کرتا رہا، قدرتی اسباب دفاع سے عاری ہیں لیکن قلعے بناکر یہ کمی پوری کرلی گئی تھی اور یہاں کی جنگ میں کبھی کبھی میدانی معرکہ پڑجاتا تھا ورنہ زیادہ تر قلعہ گیری اور محاصرہ کشائی ہی کے واقعات ملتے ہیں۔ ان قلعوں میں سے سب سے بڑے

باب ہفتم

لیل، تور نے، مونز اور نامُور، سرحد فرانس کا راستہ روکے ہوئے تھے۔
بری جنگ کے ساتھ ساتھ بحری معرکے بھی برابر ہوتے رہے اور فرانسیسی ساحل پر کئی بار بحری تاختیں کی گئیں جن سے زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ فرانس کو ساحلی مقامات پر فوج کا معقول حصہ حفاظت کے لیے رکھنا پڑا۔
سنہ ۱۶۹۱ء میں فرانسیسیوں کو ایک بڑی جیت یہ حاصل ہوئی کہ ولیم کے حرکت کرنے سے پہلے قلعۂ مونز کو خاص لوئی کی موجودگی میں فتح کر لیا اور اس کے بعد ولیم نے ہزار کوشش کی کہ غنیم سے کہیں جم کر مقابلہ کر لے، مگر لکسمبرگ نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔
سنہ ۱۶۹۲ء میں ولیم پھر اُنھی علاقوں میں آ گیا لیکن اس سال سب کی توجہ رودبار کی طرف لگی رہی کہ لوئی نے فور ماںدی میں ایک بڑا لشکر جمع کیا تین سو باربرداری کے جہاز تیار تھے اور اُدھر جیمز انتظار میں تھا کہ تورویل، انگریزی بیڑے کو حسب توقع شکست دے دے تو خود انگلستان پر فوجکشی کرے۔ آخری بحری جنگ میں فرانسیسی فتحمند ہوئے تھے اور حکومت انگلستان کو یہ بھی اطلاع تھی کہ انگریز امیرالبحر رسل جیمز کے ساتھ پیام سلام کر رہا ہے۔ حسن اتفاق سے اسی نازک و صعب وقت میں جیمز نے ایک اعلان شایع کیا کہ اگر میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف ناٹنگھم، بیرنیٹ جیسے عمائد کو بلکہ اُن عوام کو بھی سزا دوں گا جنھوں نے فیورشم میں مجھ پر آوازے کسے تھے۔ اور اسی طرح تمام حکام عدالت، اہل جوری اور قید خانوں کے پاسبان تک جنھوں نے ولیم کی نوکری کی یا کسی یعقوبی کے قتل و قید میں شریک ہوئے، سزا پائے بغیر نہ بچیں گے۔ یہ اعلان ملکۂ میری کے ہاتھ آ گیا اور اُس نے تصریحی حواشی کے ساتھ اُسے فوراً انگلستان میں مشتہر کر دیا۔ اس استادی سے سارا ملک جیمز کے خلاف بھڑک اُٹھا۔ ادھر ثابت ہوا کہ رسل، جیمز کا ہمدرد تو تھا لیکن انگریزی بیڑے کے فرانسیسیوں کے ہاتھ سے شکست کھانے کا روادار نہ تھا اور اُس نے یعقوبی فرقے کے قاصد سے صاف کہہ دیا کہ یاد رکھو اگر فرانسیسی جہاز مقابلے میں آئے تو میں اُن سے لڑے بغیر نہ رہوں گا، خواہ حضور شاہ جیمز خود

جیمز کا اعلان

باب ہفتم

جہاز پر کیوں نہ تشریف رکھتے ہوں۔"
القصہ راس بار فلے کے سامنے فریقین کے بیڑوں کا مقابلہ ہوا تو انگریزی حملے کی شدت کے آگے کوئی نہ ٹھیر سکا۔ رود بار کے وسط میں لڑائی ۱۹ مئی کو شروع ہوئی اور تین دن تک گریزاں و خیزاں مقابلہ جاری رہا تا آنکہ تورویل کے بیڑے کا بڑا حصہ اسی کو غنیمت سمجھا کہ آبنائے ال درنی کے خطرناک دھارے کے راستے بچ کر نکل جائے۔ تین جہاز جن میں سے ایک فرانسیسی بیڑے کا سب سے بڑا جہاز تھا، شربورگ پر جلا دیے گئے اور باقی ماندہ نے بندرگاہ لاہوگ کے دفاعی توپ خانوں کی پناہ لی۔ ۲۳ مئی کے دن اتحادیوں نے باربرداری کے جہازوں پر حملہ کیا اور ۲۴ کو اکثر جہاز خود جیمز کی آنکھوں کے سامنے جلا دیے۔ رسل، رُک اور ڈلاویل اس معرکے کے سورما تھے اور عام بحری سپاہیوں نے وہ جوانمردی دکھائی کہ جوش میں آکے جیمز بے اختیار پکار اُٹھا "دیکھنا، میرے بہادر انگریز کیسا لڑتے ہیں"۔ غرض لاہوگ پر انگریزوں کو ایسی بحری فتح حاصل ہوئی کہ آرماڈا اور ٹرافیلگر کے درمیان کے زمانے میں کوئی دوسری فتح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ فرانسیسی حملے کا تمام خوف و خطر اس فتح سے زائل ہوگیا۔ ملاحوں کے انعام میں گرینچ کا شاہی محل بحری شفاخانہ بنا دیا گیا۔ مگر سوئے اتفاق سے اسی سال اسٹین کرک پر ولیم کو شکست نصیب ہوئی۔ لکسم برگ، قلعۂ نامور پر قابض ہوگیا تھا۔ اس نقصان کا بدلہ لینے کے جوش میں ولیم نے کمتر تعداد کی سپاہ سے اچانک حملہ کرنے کی ٹھانی اور ہر چند لڑائی کا آغاز حسب مراد ہوا لیکن میدان کی ناہمواری نے سارا منصوبہ بگاڑ دیا۔ ولیم غلطی سے اُسے ہموار سمجھ کر اس امید میں تھا کہ ایک دم ٹوٹ کر غنیم پر جا گرے گا مگر گڑھے ہونے کی وجہ سے یکبارگی حملہ نہ ہوسکا اور لکسم برگ اپنی پوری فوج سمیٹ کر انگریزوں پر حملہ آور ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز سپہ سالار میکی مارا گیا اور پوری پانچ برطانی جمعیتیں تلوار کا لقمہ ہوئیں۔ ایک ولندیز سردار، کاونٹ سولمیس، بہت کچھ مورد الزام بنا کہ اگر چاہتا تو کمک پہنچا سکتا تھا مگر مدد کو نہ پہنچا اور کہا جاتا ہے کہ عین گھمسان میں اُس نے یہ الفاظ کہے کہ دیکھیں

باب ہفتم

لین ڈن یہ انگریز بل ڈاگ ہمیں کیا تماشا دکھاتے ہیں" ۱۶۹۳ء میں لکسم برگ ایسی غضب کی چال کھیلا کہ ولیم نے دھوکے میں آ کے بیس ہزار سپاہی دوسری طرف بھیج دیے اور اس وقت فرانسیسی سپہ سالار نے اس پر حملہ کیا۔ ولیم چھوٹی سی ندی لین ڈن کے عقب میں مضبوط مورچے بنائے پڑا تھا اور صبح سے تیسرے پہر تک اس کی اتحادی فوج ثابت قدمی سے لڑتی رہی۔ قریب کا گاؤں نیروِن ڈن بار بار دشمن کے بے تحاشا حملوں سے چھنا اور پھر دوبارہ ہاتھ آتا رہا۔ لیکن آخر میں کثرت تعداد غالب آئی اور پوری صف کے قدم اُکھڑ گئے۔ ولیم سب سے پُر خطر مقام پر شمشیر زنی کرتا رہا تاکہ فتحمند دشمن کا ریلا رو کے اور اس عرصے میں **ٹلماش** نے پسپائی کا انتظام کیا۔ اتحادیوں کی طرف بڑے سرداروں میں **سولمیس** کام آیا اور دوسری طرف سے بہادر سارس فیلڈ نے یہیں جان دی۔ شہزادۂ آرمنڈ گرفتار ہو گیا تھا اُسے جیمز کے حرامی بیٹے امیر کبیر بروک کے عوض میں رہائی ملی۔ بروک، آربلا چرچل کے بطن سے تھا۔ نیروِن ڈن کے حملوں میں اُس نے ننھیالی شجاعت کا حق ادا کیا۔ غنیمت ہوا کہ لکسم برگ نے تعقب میں زیادہ کوشش نہ کی اور چند ہی روز بعد پھر لڑائی کے لیے تیار بلکہ خواہشمند نظر آنے لگا۔ مگر فن حرب کی مہارت اور گھاتوں میں یقیناً ولیم اس کا ہمسنگ نہ تھا اور برطانی سپاہی بھی اتنا تجربہ نہ رکھتے تھے کہ لوئی کے آزمودہ کار سپاہیوں سے اچھی طرح بھگت لیتے۔ تاہم **اسٹین کرک** اور **لین ڈن** کے معرکوں میں بھی یہ اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ شجاعت و پامردی میں فاتحان آژِن کور و کراسی کے اخلاف رشید ہیں۔ دوسرے انھی میدانوں میں اُنھوں نے بہت جلد وہ سبق حاصل کیے جن کی بدولت مارل برو کو آیندہ **بلین ہیم** اور **رامیلی** کی معرکہ آرا فتوحات نصیب ہوئیں۔

سمندر میں بھی یہ ۱۶۹۳ء ناسازگار ثابت ہوا۔ جون میں چار سو جہازوں کا بحری قافلہ لاکھوں روپے کا مال لے کر ٹیمز سے سمرنا روانہ ہوا۔ انگریزی اور ولندیزی بیڑے نے برلیسٹ کے پار تک اُسے بخیریت پہنچا دیا اور پھر باقی سفر کے لیے رُک کا بدرقہ ساتھ کر کے واپس چلے آئے لیکن انگریز سرداران بحری کو

باب ہفتم

خبر بھی نہ ہونے پائی اور تورویل چپکے سے جبل الطارق آپہنچا اور تولون کے بیڑے کے ساتھ خلیج لاگوس میں گھات لگائے منتظر رہا۔ رُک داؤں میں آگیا اور گو انگریزی اور ولندیزی جنگی جہاز خوب لڑے لیکن تجارتی بیڑے کے تقریباً تین چوتھائی جہاز یا گرفتار ہوئے یا ڈوب گئے۔ لندن کے تاجروں کو ایسا نقصان پہنچا کہ برسوں تک نہ پنپ سکے البتہ یعقوبی فرقے کے لوگ بہت خوش ہوئے اور اُس مصیبت کی خبریں اور بھی بڑھا چڑھا کے بیان کرتے تھے۔ مگر حکومت کے استقلال میں فرق نہ آیا اور میری کی ذاتی ہمت اور ہر دلعزیزی سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ برطانی حکمت عملی آخر میں ضرور کامیاب ہو گی۔ اکثر دوسرے مقابلوں کی طرح یہاں بھی سنگین استقامت اپنا اثر دکھانے لگی تھی اور جس مستقل مزاجی سے انگریز بحری نظم و نسق کی اصلاح میں مصروف ہوئے وہی کامیابی کی فال نظر آتی تھی۔ بایں ہمہ ۱۶۹۴ء میں ایک اور ناشدنی ناکامی نصیب ہوئی جو بہت سخت تو نہ تھی لیکن خصوصیت سے شرمناک تھی۔ انگریزوں نے

برلیسٹ پر حملہ برلیسٹ پر حملے کا منصوبہ باندھا اور یہ خدمت ٹلماش کے تفویض ہوئی جو تمپلکے کے بعد سب سے بڑھ کر ہونہار سردار نظر آتا تھا۔ اس کی یہی ترقی مارل برو کے حسد کا سبب ہوئی اور اُس نے حملے کی ساری تجویز کو جیمز کے ذریعے فی الواقع فرانسیسی حکام تک پہنچا دیا۔ یہ ممکن ہے کہ انھیں دوسرے ذرایع سے بھی حملے کی اطلاع ہو گئی ہو۔ بہر حال خود دوبال کی نگرانی میں برلیسٹ کے استحکامات اور مضبوط کر لیے گئے اور جس وقت ٹلماش لنگر انداز ہوا تو ہر طرف سے گولے برسنے لگے۔ انگریزی فوج کے ٹکڑے اُڑ گئے اور خود ٹلماش نے مہلک زخم کھایا۔ اس وقت تک مارل برو کی غداری کا کسی کو علم نہیں ہو سکا۔

میری کی وفات مارل برو کو دوبارہ ہر دلعزیز بنانے کا ایک سبب یہ پیدا ہوا کہ ملکۂ میری نے وفات پائی۔ اپنے شوہر کے برخلاف یہ ملکہ بہت تندرست و توانا تھی لیکن دسمبر ۱۶۹۴ء میں اُس پر چیچک کا حملہ ہوا۔ اُن دنوں ہزاروں جانیں اس خوفناک مرض کے بھینٹ چڑھتی تھیں

ٹیکے کا علاج دریافت نہیں ہوا تھا۔ میری پر بہت شدید حملہ ہوا تھا مگر اس کی ہمت و سکون میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ محل سے تمام آدمیوں کو جو اس مرض میں مبتلا نہ ہوئے تھے، باہر بھیج کر اُس نے ضروری کاغذات مرتب کیے اور پھر خاموشی سے مرض کے زور اور نتیجے کا انتظار کرنے لگی چند روز میں بیماری بڑھی اور ہلاکت کا سبب بن گئی۔ غیر متوقع ہونے کی وجہ سے میری کی وفات سے ولیم کو اور بھی سخت صدمہ پہنچا اور چند ہفتے تک اُس سے اُٹھا نہ گیا۔ مرنے سے پہلے میری اور اُس کی بہن آین میں عزیزانہ خط کتابت ہوئی اور ملکہ کی وفات کے بعد اس شہزادی سے ولیم نے ملاقات کی اُسی وقت سے آین کا دربار شاہی سے دوستانہ ارتباط ہوگیا اور اسی لیے مارل برو اور اُس کی بیوی کی حیثیت بھی بدل گئی۔

صلح نامۂ رزوک میری کی وفات کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ولیم کا زبردست حریف لکسمبرگ بھی راہی عدم ہوا۔ اور موسم بہار میں از سر نو لڑائی چھڑی تو فوراً ظاہر ہو گیا کہ اب جنگی قابلیت کا توازن بدل گیا اور لکسمبرگ کے جانشین ہر قدم پر ولیم سے گھٹے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اتحادیوں نے نامور کو دوبارہ لینے کی سعی کی اور یہ زبردست قلعہ جس کی تسخیر لوئی کے جنگی سوانح میں سب سے درخشاں اور قابل فخر کارنامہ تھی، اکتوبر میں پھر ولیم کے ہاتھ آگیا۔ محاصرہ ۲ جولائی سے شروع ہوا اور کئی یورشوں کے بعد شہر تسخیر ہوگیا۔ ان یورشوں میں سپہ سالار کٹس نے مردانگی کے ایسے جوہر دکھائے کہ اپنے سپاہیوں میں "سمندر" (جس پر آگ کا اثر نہ ہو) کہلانے لگا۔ ابھی تک بالاحصار باقی تھا۔ اسے بچانے کی غرض سے فرانسیسی سپہ سالار ویل را نے برُوسلز پر بڑی بے رحمی سے گولہ باری کی کہ ولیم کی توجہ اُدھر بٹ جائے۔ مگر ولیم اپنی جگہ پر جما رہا اور ستمبر میں بالاحصار مسخر ہوگیا۔

نامور کی تسخیر ولیم کا سب سے اعلیٰ کارنامہ تھی۔ فرانس بھی اب تھک چکا تھا۔ گو دو برس تک اور جنگ گھسٹتی رہی لیکن کوئی قابل ذکر معرکہ

باب ہفتم

نہیں پڑا۔ صلح کی سلسلہ جنبانی کی گئی اور ۱۶۹۷ء میں رزوک میں ایک عہدنامہ پر دستخط ہو گئے۔ لوئی نے اسٹراس برگ اور لین ڈو کے سوا تمام علاقے جو عہدنامہ نمہ گوآن ۱۶۷۸ء کے بعد فتح کیے تھے، واپس کر دیے اور ولیم کو شاہ انگلستان تسلیم کر لیا۔ یہی بات برطانیہ کے لیے خاص اہمیت رکھتی تھی۔ صلح نے ولیم کی فرانس سے کشمکش کا دوسرا باب ختم کیا۔ پہلے باب میں وہ صرف جمہوریۂ ولندیزیہ کے رئیس کی حیثیت سے پروٹسٹنٹی آزادی کے سب سے مضبوط مامن کو بچانے کی خاطر کیتھولک فرقے کی قوی ترین سلطنت سے لڑتا رہا۔ ہر چند اس جنگ میں کامیابی ہمیشہ اسی کے پہلو پر نہیں رہی لیکن اُس کی اولوالعزمی یورپ کے تمام پروٹسٹنٹوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ جنگ کے دوسرے حصے میں ہم اسے ایک بڑے جتھے کا سردار اور اُس مُلک کا تاجدار دیکھتے ہیں جس نے کراسی و آژین کور کے شمشیرزن میدان میں بھیجے تھے۔ قوت بڑھ جانے کے باوجود اس منزل میں بھی تقدیر نے ہر دفعہ یاوری نہیں کی تاہم ۱۶۹۳ء سے پانسہ پلٹنے لگا تھا اور معاہدۂ رزوک کی شرطوں ہی سے عیاں تھا کہ غلبہ کس طرف ہے۔ برطانیہ میں اس معاہدے کی تکمیل پر جو خوشیاں منائی گئیں وہ بھی وہاں والوں کے اطمینان کی شہادت دیتی ہیں۔

اس جنگ کے حالات کو آخر تک بیان کر دینے کے بعد، اب وقت ہے کہ ہم مُلک کے اندرونی معاملات پر نظر ڈالیں۔ ۱۶۹۰ء سے ۱۶۹۷ء تک کے سات سال میں حکومت عاملہ کی تشکیل بہت کچھ بدل گئی۔ ولیم نے

گروہ واری حکومت

تخت نشینی کے وقت دونوں سیاسی گروہوں کے افراد چن کر وزارت مرتب کرنے کی آزمائش کی تھی مگر یہ تدبیر اچھی طرح نہ چل سکی۔ وِھگ اور ٹوری فرقے کی آرا میں اتنا اختلاف تھا کہ وہ مل کر کام نہ کر سکے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک تشویش یہ پیدا ہوئی کہ دارالعوام کے ذمہ دار سرگروہ وزارت میں لے لیے گئے تو مبعوثین کی مناسب رہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہا اور مجلس کی حالت یہ ہو گئی کہ

باب ہفتم

کسی سیاسی مجمع کی طرح وقتی جذبات کے تحت کبھی کسی طرف بہک جاتا کبھی کسی طرف۔ یہ تشویش انگیز کیفیت دیکھ کر ذہین مگر بے اُصول سنڈرلینڈ نے ایک علاج تجویز کیا۔ واضح رہے کہ وہ عفوِ عام کے قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا لیکن اس پر حکومت مقدمہ چلانے کا ارادہ نہ رکھتی تھی اور وہ نئے بادشاہ سے مصالحت کر کے شاہ معزول کے رازوں سے باخبر کرنے لگا تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اُس کا رسوخ بڑھا اور گو اُسے کوئی خدمت نہیں دی گئی تاہم ملک کے انتظامی معاملات میں اس کی اصابت رائے سے ولیم ہر وقت استفادہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۹۳ء میں اسی کا مشورہ تھا کہ بتدریج ٹوری فرقے کے وزیروں کو الگ کر کے ایک متفق الرائے وھگ وزارت قائم کی جائے۔ اس پر عمل ہوا اور ۱۶۹۵ء تک نہ صرف حکومت عاملہ بلکہ دارالعوام کے کام میں بھی اس تدبیر سے بہترین نتائج مترتب ہوئے۔

(وزرا کی) "ٹولی"

وھگ فرقے کے برسر اقتدار ہونے سے چار نہایت لائق اشخاص سربلند و نامور ہوئے:۔ ایڈورڈ رسل، جون سومرس۔ چارلس موان ٹیگو۔ اور ٹامس وھارٹن؛ (۱) ان میں رسل انقلاب حکومت میں پیش پیش رہا۔ معرکۂ لاہوگ میں فتح پائی اور بحری معاملات کا عمدہ انتظام کرنے میں اُن دنوں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ ایک وقت میں وہ جیمز سے خط کتابت کرتا رہا لیکن غالباً اس کا کوئی اور سبب بجز اس کے نہ تھا کہ رسل کو شاہ ولیم کا ٹوریوں کو عہدہ دینا بہت ناگوار گزرا۔ (۲) جون سومرس نے اسقفوں کے مقدمے میں نام پایا اور اپنے زمانے میں قوانین سلطنت کا بہترین ماہر تھا؛ (۳) موان ٹیگو کی شہرت اول اول پرائر کے ساتھ مل کر ایک کتاب (The Town and country mouse) لکھنے سے ہوئی۔ وہ بہت اچھا مناظر اور ذہین و دلیر ماہر مالیات تھا۔ (۴) وھارٹن، پیوری ٹن باپ (فلپ لارڈ وھارٹن) کا بیٹا تھا گو ذاتی چال چلن کے اعتبار سے اگر کسی اور متدین پسند زمانے میں ہوتا، تو بہترین قابلیت کے باوجود

مطعون وخوار ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ مگر دارالعوام اور حلقہ ہائے انتخاب میں اُس نے ایسا رسوخ حاصل کرلیا تھا کہ اُس کی خدمات نہایت بیش بہا تھیں۔ غرض یہ چار آدمی تھے، جو سیرت میں مختلف لیکن سیاسی آرا میں ایسے متحد تھے کہ اُنھیں عام طور پر ''ٹولی'' (Junto) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ان میں سومرس پہلے مُہر کلاں کا محافظ اور پھر ۱۶۹۷ء میں صدر اعظم مقرر ہوا۔ رَسل، عہد ولیم کے شروع سے محکمۂ بحری کا خزانہ دار تھا۔ ۱۶۹۴ء میں صدر بحریہ بنایا گیا۔ اسی سال مونٹیگو مجلس خزانہ کی رکنیت سے ترقی پاکے وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ ٹرین چرڈ بہت پر جوش وھگ، شیفٹس بری کا ہمدم وہمراز اور ۱۶۹۲ء سے معتمدین شاہی میں داخل تھا۔ اب ٹوری سرگروہ نوٹنگھم کی بجائے وھگ شروزبری اُس کا شریک کار بنایا گیا۔ وھارٹن آخر تک محل سرائے شاہی کا ناظم لیکن رسوخ واثر میں برابر ترقی کرتا رہا۔ ۱۶۹۵ء میں ٹوری فرقے کے امیر کبیر لیڈز کی نسبت ثابت ہوا کہ ایک دوست کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے رشوت دلوانے میں اُس نے بھی اپنے اثر سے کام لیا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی عہدہ چھڑوایا گیا۔ صرف گوڈلفن جو مالیات میں بہت ہوشیار تھا، ٹوری ہونے کے باوجود وزارت میں رہنے دیا گیا۔ لیکن وہ فرقہ وارانہ سیاسیات میں کبھی خاص طور پر شریک نہیں رہا تھا۔ دوسرے ۱۶۹۶ء میں خود ہی خدمت سے مستعفی ہوگیا۔

قومی قرضہ جب تک فرانس سے جنگ جاری رہی، اُس وقت تک فوج کے لیے روپے کی ضرورت رہتی تھی اور اسی واسطے مُلکی نظم ونسق کا بڑا مدار اس پر تھا کہ پائے تخت کے سرمایہ داروں کو خوش رکھا جائے۔ اس غرض سے جو کام کیے گئے وہ مونٹیگو کی ذہانت کا نتیجہ تھے۔ ۱۶۹۳ء میں ''قومی قرضہ'' بھی اُسی نے ایجاد کیا۔ مدت سے معمول تھا کہ انگلستان کے بادشاہ اپنی ضمانت پر قرضہ لیتے اور اکثر پارلیمنٹ ہی کو ان کی ادائی کرنی پڑتی۔ مگر ولیم کے زمانے میں مصارف پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ گئے۔ ۱۶۹۳ء میں آمدنی کا اندازہ تیس لاکھ اور خرچ کا چالیس لاکھ پونڈ سے زیادہ تھا۔

اور محاصل کا اضافہ کرنے میں لوگوں کی ناراضی کا اندیشہ تھا۔ پس مون ٹیگو نے یہ صورت نکالی کہ بادشاہ کی بجائے قوم کی ضمانت پر قرضہ لیا جائے اور یہی انگلستان کے قومی قرضے کی ابتدا تھی۔ اسے سرمایہ داروں نے بخوشی قبول کر لیا کیونکہ ان دنوں لندن والے بہت خوش حال اور اچھی ضمانت پر قرض دینے کی سہولتیں کم تھیں۔ غرض وھگ سرمایہ داروں نے بلا تاخیر قرضہ فراہم کر دیا اور یہ تدبیر ایک مرتبہ چل گئی تو پھر اس طریق میں بڑی سرعت سے توسیع ہوتی گئی۔ مون ٹیگو نے کمال ذہانت سے تاڑ لیا تھا کہ قرضے سے مالی مشکلات رفع ہونے کے علاوہ حکومت کی سیاسی قوت میں بھی بے حد اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر جیمز پھر بادشاہ ہو جاتا تو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری سے صاف انکار کر دیتا۔ پس جن لوگوں نے قرضہ دیا تھا وہ نہ صرف حکومت کے پکے طرفدار بن گئے بلکہ اڑے وقت میں اپنی اسامی کو بچانے کے لیے پھر مدد کرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔

"بینک اوف انگلینڈ"

سنہ ۱۶۹۴ء میں انگلستان کی ساہوکاری کوٹھی (یعنی) (Bank of England) قائم ہوئی۔ اُس وقت تک سوداگر زر نقد کو اپنی دُکانوں کے مضبوط صندوقوں میں رکھتے یا زرگروں کے سپرد کر دیتے تھے۔ اور یہ زرگر سود پر روپیہ لگا دیتے لیکن ذمہ دار ہوتے تھے کہ جمع کنندہ کی طلب پر سارا روپیہ نقد ادا کر دیں گے۔ اس طرح زرگروں کی دُکانیں، عملاً آج کی ساہوکارہ کوٹھیوں کا کام دینے لگی تھیں تاہم جنوا میں چودھویں صدی سے اور ایمسٹرڈم میں سنہ ۱۶۱۰ء کے قریب سے سرکاری بینک بھی چلنے لگے تھے ولیم کے زمانے میں اس قسم کا بینک انگلستان میں قائم کرنے پر بارہا بحث مباحثہ ہوا اور آخر ایک اسکوٹی محرک ولیم پیٹرسن لندن کے ایک سوداگر میکائل گوڈفرے اور مون ٹیگو نے مل کر اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ کا جدید قرضہ دینے والے ایک ساہوکاری شرکت کی صورت میں منتظم کر دیے گئے۔ حکومت نے اُنھیں ۸ فی صدی سود دینا منظور کیا جس سے اُنھیں ایک لاکھ سالانہ کا نفع اور چار ہزار پونڈ سالانہ انتظامی مصارف کے لیے

باب ہفتم

ملنے لگے۔ پارلیمنٹ کے قانون کی رو سے اُنھیں اجازت عطا ہوئی کہ زرِ نقد جمع اور سود پر قرض دیں اور تحریری وعدے کر سکیں کہ جمع کنندوں کو عند الطلب نقد روپیہ دیا جائے گا۔ ان تمسکات کو "بینک نوٹ" (یا زرِ کاغذی) کہا جانے لگا۔ قانون میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ پارلیمنٹ کے خاص قانون بنائے بغیر بینک حکومت کو جدید قرضہ نہ دے سکے گا۔ جس کا منشا یہ تھا کہ حکومت اپنے اخراجات میں پارلیمنٹ کی نگرانی سے آزاد نہ ہو جائے۔ بہر حال یہ ادارہ مُلک کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا کیونکہ جن کے پاس سرمایہ تھا، اُنھیں ایسے بینک میں روپیہ رکھوانے میں کوئی جوکھوں نہیں رہا جس کی، دوسرے لین دین کے علاوہ، مستقل آمدنی ایک لاکھ پونڈ سالانہ تھی اور اس کے دوالیہ ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ ادھر بینک کو بھی یہ موقع ملا کہ تجارت کی ہمت و شوق رکھنے والوں کو، جن کی قابلیت اور دیانت پر نظما کو اطمینان ہو، کم سود پر روپیہ قرض دیں۔ اس طرح تجارت کی ترقی ہوئی اور قرضہ لینے اور دینے والے دونوں فائدے میں رہے۔ "بینک اوف انگلینڈ" کی یہ ابتدا تھی جس کے نمونے پر بعد میں صدہا مشترکہ ساہوکاری کوٹھیاں قائم ہوئیں۔ ادھر تجارت کی ابتدائی حالت میں جو خدمت زرگر انجام دیتے تھے، وہ بعد میں نجی کی ساہوکاری شرکتیں کرنے لگیں۔ اس سرکاری بینک کے قیام سے ملک کا تجارتی طبقہ حکومت کی امداد و تائید پر اور بھی متحد ہو گیا دوسرے، چونکہ بینک، حکومت کو پارلیمنٹ کی اجازت ہوتے ہی قرضہ دینے پر ہمیشہ تیار رہتا تھا، لہذا فوری ضرورتوں کے وقت روپیہ جمع کرنے میں کہیں زیادہ سہولت ہو گئی۔

زمینداری کوٹھی

اس بات کا ایک ثبوت ۱۶۹۶ء میں ملا جب کہ زمینداروں نے روبرٹ ہارلی کی سرکردگی میں ایک "زمینداری کوٹھی" قائم کرنی چاہی جو صرف زمین کی کفالت پر روپیہ قرض دیا کرے۔ ہارلی کی قابلیت تو زیادہ نہ تھی مگر کارکن آدمی ضرور تھا تجویز یہ تھی کہ حکومت کو سات فی صدی سود پر ۲۵ لاکھ کا قرضہ فراہم کیا جائے۔ لیکن

زینداروں کے پاس زر نقد موجود نہ تھا اور سرمایہ دار یا ساہوکار ایسے کارخانے میں روپیہ دینے پر تیار نہ ہوئے جو صرف زمین کی کفالت پر قرضہ دیتا اور سود چار فی صدی ادا کرنا چاہتا تھا حالانکہ ساہوکارے میں عام شرح ۶ فی صدی تھی۔ چنانچہ رقم ادا کرنے کا دن آیا تو ۲۵ لاکھ کی بجائے صرف سات ہزار ایک سو پونڈ جمع ہوسکے اور اس میں بھی پانچ ہزار ولیم کے تھے جو ذاتی شرکت سے ہمت افزائی کرنی چاہتا تھا۔ حکومت کو بڑی مشکل پیش آگئی کیونکہ سرحد فرانس پر فوج کے واسطے روپے کی فوری ضرورت تھی۔ بارے بینک آوف انگلینڈ کے شرکا کی حُبِ وطن کام آئی جنھوں نے چند روز کے اندر دو لاکھ پونڈ جمع کر دیے۔ اس واقعے نے فرقۂ وھگ اور سوداگروں کو پہلے سے زیادہ باہم متحد کر دیا البتہ ٹوریوں کو زینداری کوٹھی کے بیٹھ جانے کا بہت قلق ہوا۔

اسی سال حکومت نے سارے ملک کی ایک بڑی خدمت یہ کی کہ سکّے کی تجدید و تہذیب کی۔ الزبیتھ کے زمانے میں جو اصلاح ہوئی اُس کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں (صفحہ ۴۲۳ و ۸۰ ۴۵) اُس وقت سے عیار بخوبی قائم رکھا گیا تاہم ضرب کرنے کے طریقے پرانے ہوگئے تھے۔ دوسرے سکّے کا جو نظام ایک زرعی ملک کے لیے، جہاں لین دین کم ہو، مناسب ہوسکتا تھا وہ سترھویں صدی کے اواخر میں انگلستان کے واسطے کسی طرح موزوں نہ رہا جہاں اب تجارت کی گرم بازاری تھی۔ مروجہ طریقہ ایڈورڈ اول کے زمانے کی یادگار تھا کہ چاندی یا سونے کی چادر سے سکّے کاٹ کر انھیں ہتوڑیوں سے درست و مشکل بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سکّے شکل میں بھدّے ہوتے۔ ان کی وضع کے جعلی سکّے بنانا بھی آسان تھا اور ان کے کتر ڈالنے میں بھی دشواری نہ تھی۔ یہی سبب ہے کہ زیر نظر زمانے میں واقعی اچھے سکّے کمیاب تھے چونکہ ایسے سکّوں کی قیمت یقینی نہ تھی لہذا تجارت پر برا اثر پڑتا تھا اور سکّے تول تول کے لیے جانے کی بنا پر دور سے لین دین کرنی غیر ممکن تھی۔ انقلاب حکومت کے قریب قلعۂ لندن میں ایک کَرنی لگائی گئی تھی جو بہتر سکّے تیار کرتی تھی۔ ان کا وزن مساوی گولائی درست اور کناروں پر دندانہ بنا ہوتا تھا کہ اگر کوئی اسے کترے تو ایک ہی

باب ہفتم

نظر میں معلوم ہو سکتا تھا۔ یہ گرنی کے سکّے ہر طرح اچھے تھے مگر جب تک پرانے سکّے سے کام نکلتا، اس وقت تک ان جدید روپیوں کو لوگ استعمال کرنا نہ چاہتے تھے بلکہ ترجیح دیتے تھے کہ انھیں پگھلا دیں یا ممالک بیرونی کی داد و ستد میں لگا دیں۔ چنانچہ نئے سکّے بازار میں آتے ہی غائب ہو جاتے تھے اور پرانے گھس گھس کر اور بھی فرسودہ ہوتے رہتے تھے۔ مختصر یہ کہ ذریعۂ مبادلہ سخت خراب حالت میں تھا۔ علاوہ ازیں نرخ اشیا میں اس تیزی سے اضافہ ہوا کہ مزدوری کی شرح اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ چند سال پہلے جو چیز آدھے شلنگ میں ملتی تھی، وہ اب ایک شلنگ میں بھی ہاتھ نہ آتی تھی۔ روپے کی قیمت کا تعین نہ ہونے سے بیع و شری میں ہمیشہ جھگڑے ہوتے رہتے تھے اور اس کا نرخ بھی بہت کچھ ردو قدح کے بعد طے کیا جاتا تھا۔ غرض سبھی کو تکلیف تھی اور غریب غربا جو اپنے حقوق کی سب سے کم حفاظت کر سکتے تھے، اُن کے حق میں تو یہ صورت کمال زحمت کا موجب ہو گئی تھی۔ تعزیری قوانین سے کافی روک تھام نہ ہو سکی اور بات لازمی نظر آنے لگی کہ جس طرح ہو کھوٹے سکّے موقوف اور ان کی بجائے کھرے ملک میں رائج کیے جائیں۔ اس مضمون پر جن لوگوں نے دماغ سوزی کی، اُن میں جون لوک تھا جس کا رواداری پر ایک رسالہ پہلے ہی دُنیا کو مصنف کا احسانمند بنا چکا تھا اور ایک آئی زک نیوٹن جس نے کشش ثقل کا قانون دریافت کیا ہے۔ اُسے ایک نادر حسن اتفاق سمجھنا چاہیے کہ مونٹیگو اور سومرس نے ان سے مشورہ لیا۔

نیا سکّہ چلانے میں سب سے دشوار بات یہ فیصلہ کرنے کی تھی کہ آیا پرانے سکّے بدلنے سے جو نقصان ہو، اُس کا بار افراد پر ڈالا جائے یا پورا ملک اُس کو برداشت کرے۔ آخر مونٹیگو کی تحریک سے پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ ایک خاص تاریخ کے بعد پرانے سکّے کا چلن ممنوع ہو جائے گا لیکن اس تاریخ سے پیشتر جو لوگ اپنے پرانے سکّے خزانے میں داخل کر دیں گے انھیں مساوی مالیت کے نئے سکّے، جس قدر جلد ممکن ہوگا، ادا کر دیے جائیں گے اس طرح خسارہ پورے ملک کے ذمے پڑا اور اس کا عملی انتظام سومرس،

باب ہفتم

مون ٹیگو، لوک اور نیوٹن کے تفویض کر دیا گیا۔ نئے دار الضرب کا مہتمم بھی نیوٹن ہی مقرر ہوا اور اُس نے طریق ضرب میں اتنی جلد ایسی اصلاح کر دی کہ سابق کی نسبت ہر ہفتے ہشت گنی تعداد میں شلنگ تیار ہونے لگے۔ پرانے سکے واپس لانے کی آخری تاریخ ۲ مئی ۱۶۹۶ء قرار دی گئی تھی مگر نیوٹن کی ساری مستعدی کے باوجود اگست سے پہلے نئے سکے کافی مقدار میں رواج نہ پا سکے۔ اس تمام زمانے میں ہر شخص قرض پر کام چلاتا رہا لیکن حکومت کی دیانت پر اہل ملک کو اتنا بھروسا تھا اور اپنی مشکلات کو لوگوں نے ایسی ہنسی خوشی برداشت کیا کہ کوئی ہنگامہ ہوئے بغیر یہ سارا زمانہ گزر گیا اور جب نئے سکے پوری طرح رواج پا گئے تو معلوم ہوا کہ یہ اصلاح ساری قوم کے حق میں ایک نعمت تھی۔ قومی قرض کا آغاز، انگلستان کی ساہوکاری کوٹھی کا قیام اور سکے کی تجدید، انگریزی تجارت کی تاریخ میں یادگار زمانہ ہے دوسرے اُس سے، وہ لوگ جن کا تجارت سے تعلق تھا، حکومت کے اور زیادہ خیر خواہ و گرویدہ ہو گئے۔

قانون "میقات سہ سالہ" ولیم ثالث کی تخت نشینی تک تو فرقہ وھگ بلکہ سبھی انگریز اہل الرائے کی بڑی کوشش یہ رہی کہ بادشاہوں کو بار بار پارلیمنٹ کے انعقاد پر مجبور کیا جائے۔ اسی بنا پر ایڈورڈ ثالث کے زمانے میں سالانہ اجلاس، اور طویل پارلیمنٹ میں سہ سالہ میقات کے قانون وضع کیے گئے۔ اعلان حقوق میں بھی ایک فقرہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس بار بار ہوا کرے گا لیکن سرکاری مصارف کی منظوری اور قانون غدر کی سال بسال تجدید لازمی ہو گئی تو لوگوں کو پارلیمنٹ کے منعقد نہ کیے جانے کا اندیشہ نہیں رہا بلکہ اُلٹا یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں بادشاہ اپنے حسب مُراد پارلیمنٹ کا انتخاب ہو جانے کے بعد پھر اُسے فسخ ہی نہ کرے اور چارلس دوم کی طویل پارلیمنٹ کی طرح، جو سترہ سال تک برابر چلتی رہی، آئندہ بھی کوئی پارلیمنٹ اتنے عرصے تک قائم رہے کہ ملک کی عام رائے سے اُس کی ہم آہنگی باقی نہ رہے۔ اسی کے سدباب کی غرض سے ۱۶۹۴ء میں میقات سہ سالہ کا قانون، فرقہ وھگ کی طرف سے پیش ہوا اور عوام و امرا دونوں نے اسے

باب ہفتم

منظور بھی کر لیا۔ مگر ولیم سمجھا کہ مجوزہ قانون اُس کے اختیارات شاہی میں دست اندازی کے مرادف ہے لہذا اُس نے اختیار تنسیخی سے کام لے کر اُسے مسترد کر دیا حالانکہ سر ولیم ٹیمپل نے اپنے دبیر جوناتھن سوفٹ کے ذریعے بادشاہ کو لکھ بھیجا تھا کہ میری رائے میں اس قانون سے شاہی امتیازات میں کوئی خلل نہ آئے گا۔ ۱۶۹۳ء میں یہی مسودہ دوبارہ پیش ہوا تو تیسری خواندگی کے موقع پر دار العوام نے اُسے نامنظور کر دیا۔ لیکن اگلے سال تقدیر مساعد ہوئی۔ ولیم طے کر چکا تھا کہ آیندہ مخالفت نہ کرے گا اور پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد اُس نے بھی منظوری دے دی۔ اگرچہ یہ بات لکھنے کے قابل ہے کہ جس پارلیمنٹ میں یہ قانون تیار ہوا، خود اُسے بادشاہ نے فتح نامور کے بعد انگلستان آکر فسخ کر دیا تاکہ نئے انتخابات ایسے زمانے میں ہوں جبکہ مذکورۂ بالا شاندار کامیابی کی یاد تازہ تھی۔

آزادی مطابع اصلاح مذہب کی تحریک کے زمانے سے حکومت کو ادعا تھا کہ تمام کتابیں اس کی نگرانی میں طبع اور شایع ہونی چاہئیں تاکہ مذہب و اخلاق کے مُضر یا حکومت کے خلاف بغاوت آمیز تحریروں کی اشاعت روکی جا سکے۔ طویل پارلیمنٹ کے انعقاد تک یہ خدمت صدر اسقف کینٹربری انجام دیتا تھا اور جو لوگ اُس کی بلا اجازت کتابیں چھاپتے اُن سے ایوان کواکب اور نظارت اعلیٰ کی عدالتوں میں مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جب یہ عدالتیں ٹوٹیں تو کچھ روز تک مطابع آزاد رہے لیکن ملک میں تازہ رسائل کی بھرمار دیکھ کر طویل پارلیمنٹ والے بہت گھبرائے۔ ملٹن نے اس پارلیمنٹ کے لیے "ایریوپگے ٹیکا" لکھی اور آزادی افکار کی حمایت میں بہت کچھ اصولی دلیلیں پیش کیں مگر اس کا مطلق اثر نہ ہوا اور کتابوں کے واسطے دوبارہ اجازت و تصدیق لازمی کر دی گئی۔ عود ملوکیت کے وقت ایک قانون اجازت نامہ نافذ ہوا۔ صرف لندن، یارک اور جامعات میں مطابع رکھنے کی اجازت دی گئی اور طبع کی پوری نگرانی کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں لے لیا گیا۔ اس تحدید میں کتابوں کے علاوہ

باب ہفتم

اخبارات و رسائل وغیرہ ہر قسم کی مطبوعات داخل تھیں اور اس کے معنیٰ یہ تھے کہ مذہب یا سیاسیات میں کوئی شخص حکومت کی آراء کے خلاف لب کشائی نہ کرسکے۔ چارلس دوم کے عہد میں تو عدالت نے صاف حکم لگا دیا کہ ہر طرح کی اخباری کتابیں اور رسالے چھاپنا خلاف قانون اور امن شکنی کے مرادف ہے اور جو لوگ ایسا کریں وہ دوسرے قانون شکنی کرنے والوں کی مثل مواخذے اور تعزیر کے مستوجب ہیں۔" کسی شخص یا جماعت کے ہاتھ میں اتنے ہمہ گیر اختیارات کا دیا جانا ہی کچھ کم نہ تھا کہ اس پر طرہ یہ ہوا کہ طبع و اشاعت کا امتناع بالکل بے اصول طریق پر کیا جاتا تھا اس لیے کہ آزادی مطابع کی عام دلیلیں اُس زمانے میں اتنا وزن نہ رکھتی تھیں، جو گزشتہ دو صدی کے تجربے سے انھیں حاصل ہوگیا ہے۔ البتہ حکومت کے طریق عمل سے لوگوں میں بہت زیادہ بددلی پیدا ہوئی مثلاً عود ملوکیت کے بعض شرمناک اور گندے ناٹک تو بے تکلف چھاپے جاتے تھے مگر ملٹن کی نظم "فردوس گم شدہ" کی اجازت ملنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ ایک ٹوری امیر سر راجر لاس ٹرینج جسے عفو عام سے مستثنیٰ کردیا گیا تھا، اپنے اخبار آبزرویٹر میں دیہاتی فرقے پر لے دے ٹوک سب وشتم کرتا رہتا تھا۔ لیکن وہگ فرقے کے کسی اخبار کو چھپنے تک کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح محتسب مطابع اور اُس کے نائبوں کے طریق احتساب کی اور مضحکہ انگیز مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایک کتاب جس میں شاہ ولیم اور ملکۂ میری کو فاتح لکھا تھا، اُسے تو چھپنے کی اجازت مل گئی مگر "خونی عدالت" کی سرگزشت کو روک دیا گیا۔ یہی مثالیں تھیں جن سے قانون مطابع کی شہرت برباد ہوئی اور ۱۶۹۵ء میں اُس کی میعاد ختم ہوئی تو پارلیمنٹ نے اُس کی تجدید سے انکار کردیا کیونکہ یہ ایک مدت خاص کے لیے نافذ ہوا تھا۔ اس سال سے طبع و اشاعت کی کامل آزادی مل گئی۔ بے شبہ ہتک عزت کا مقدمہ چلایا جاسکتا تھا لیکن قانون کی حدود کے اندر رہ کر مضمون نگاروں کو رخصت تھی کہ حکام، فریق اختلاف یا ایک دوسرے کو جتنا چاہیں برا بھلا کہہ کے اپنا دل خوش کرلیں۔ اس انقلاب انگیز واقعے پر اُس زمانے میں تو چنداں توجہ

نہیں ہوئی لیکن حقیقت میں اُس کی قدر و قیمت کسی طرح سیاسی انقلاب حکومت سے کم نہ تھی - خیالات کی آزاد اشاعت کے ساتھ لوگوں کو سوچنے اور لکھنے میں نمایاں اصلاح ہوئی اور جیساکہ ملٹن نے پیش گوئی کی تھی مخالف سے اکثر آزادانہ کھلے میدان میں مقابلہ ہونے کی بدولت خود اخلاق کی تہذیب عمل میں آئی - آزادی مطابع کو دو ہفتے بھی نہ ہوئے تھے کہ اخبار (Intelligence Domestic and foreign) جاری ہوا جسے پہلی دفعہ وراثت شاہی کی بحث کے زمانے میں ایک دم روک دیا گیا تھا - پھر پے در پے کئی اور اخبار جاری ہوئے اور چند ہی سال میں بعید ترین دیہات کو بھی ساری خبریں ملنے لگیں - یہ معلومات زمانۂ حال کے مقابلے میں بہت محدود ہوتی تھی لیکن چند سال پہلے خود لندن والوں کو جیسی کچھ اطلاعات بہم پہنچ سکتی تھیں، اُن کی نسبت تو یہ ابتدائی اخبارات ہی زیادہ واضح اور صحیح خبریں چھاپا کرتے تھے - غرض ان اخبارات کی ترویج سے ملک میں وہ رائے عامہ تیار ہونے لگی جسے کسی گروہ کے اہل الرائے بھی بے پروائی سے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے - ایک خدشہ یہ تھا کہ مطابع کی آزادی مخرب اخلاق ثابت ہوگی لیکن بد تہذیبی کی بجائے اخباروں میں زیادہ نفاست آتی گئی - جن مصنفوں کی گزر اوقات ہی کتابیں لکھنے پر ہو انھیں خواہی نخواہی ایسی کتابیں لکھنی پڑتی ہیں جو عوام الناس میں مقبول ہوں - اسی معیار پر جانچیے تو معلوم ہوگا کہ چارلس دوم کا درباری مذاق عام ناظرین کے ذوق سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا اور اسی لیے جو کتابیں اب سب سے زیادہ فروخت ہوتی تھیں، اُن کا لب و لہجہ اہل دربار کی پسندیدہ تصنیفات سے بالکل جداگانہ تھا -

بادشاہ کے خلاف سازشیں

ایک طرف تو وزرائے سلطنت ممالک یورپ میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑ رہے تھے، دوسری طرف مہتم بالشان آئینی، مالی اور معاشری اصلاحوں میں مصروف تھے - لیکن ان سب مصروفیتوں کے ساتھ انھیں ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا تھا کہ بادشاہ کی جان یا حکومت کے خلاف جو سازشیں پکائی جائیں اُن کا ہر وقت سدباب ہوتا رہے - بہت پہلے یعنی ۱۶۹۱ء ہی میں ایک

کیتھولک امیر پریسٹن کی گرفتاری عمل میں آئی اور جیمز و لوئی کے نام کے خطوط جن میں التجا کی گئی تھی کہ تورویل دوبارہ انگلستان پر حملہ کرے، پکڑے گئے۔ پریسٹن، جیمز کا شاہی معتمد رہا تھا اور عین فرانس جاتے وقت ٹیمز میں جہاز پر گرفتار ہوا۔ عدالت نے موت کی سزا دی تو اُس نے ساتھیوں کو گرفتار کرا کے بے شرمی سے اپنی جان بچالی۔ ۱۶۹۲ء میں گراندوا نامی فرانسیسی روانہ کیا گیا تھا کہ ولیم کو جان سے مار ڈالے اور غالباً خود جیمز اس منصوبے میں شریک تھا۔ مگر اس کے دوسرے شرکا نے راز فاش کر دیا اور گراندوا گولی سے اُڑا دیا گیا۔ بایں ہمہ جب تک میری زندہ رہی، اُس وقت تک اُس کی ہردلعزیزی ولیم کی سپر بنی رہی لیکن میری کے بعد ولیم کی جان پر حملے کا خطرہ اور بھی قوی ہو گیا کیونکہ اب جیمز کا دوبارہ بادشاہ بننے میں وہ تنہا حائل تھا۔ چنانچہ اسی زمانے سے ہم اُسے برابر خطرے میں گھرا دیکھتے ہیں اور چونکہ وہ ذاتی طور پر ان خطروں سے ذرا نہ ڈرتا تھا لہٰذا اُس کے پاسبانوں کو اور بھی زیادہ مصیبت اُٹھانی پڑتی تھی۔ ولیم کے خلاف جو سازشیں ہوئیں، اُن میں سب سے سخت ۱۶۹۶ء والی تھی جس کے دو جزو تھے: ایک تو یہ کہ فرانس کی فوج کشی کی مدد سے انگلستان میں بغاوت کرا دی جائے اور دوسرے یہ کہ ولیم کو بے خبری میں ہلاک کر دیا جائے۔ پہلے جزو کا انتظام بروک کے سپرد تھا اور دوسرا کام چند منچلوں نے اپنے ذمے لیا جن کے سرخیل سر جارج بارکلے اور روبرٹ شارنک تھے۔ بارکلے امیر ڈنڈی کے اعوان و انصار میں ایک اسکوٹی باشندہ اور شارنک، میگ ڈالن کالج کے رفقا میں داخل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اہلِ سازش کو جیمز نے اجازت دی تھی کہ ولیم پر اُس کی سرائی قیام گاہ میں حملہ کریں۔ مگر حملے کا تو صرف نام تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ہیمپ ٹن کورٹ کو جاتے وقت ولیم کی گاڑی میں روک لی جائے اور اگر وہ مزاحمت نہ کرے تو اُسے بھگا لے جائیں ورنہ گلا کاٹ دیا جائے۔ خدا کی شان کہ یہ شیطانی منصوبہ حکومت سے افشا کر دیا گیا اور اہلِ سازش اپنے بستروں پر گرفتار کر لیے گئے۔ اس طرح ساری تجویز دھری رہ گئی۔ جیمز، کیلے میں انتظار ہی کرتا رہا کہ ڈوور کی پہاڑیوں کے مینار پر روشنی نظر آئے جو ولیم کے قتل کی خبر دینے کا اشارہ مقرر ہوا تھا۔

باب ہفتم

لیکن انتظار رائگاں گیا اور وہ دوسرے دن ناکام وافسردہ سان ژرمان چلا آیا۔ ادھر انگریزی حکومت نے اپنی خوش قسمتی سے خوب فائدہ اٹھایا کہ ساری قوم کو بادشاہ کی حفاظت کے لیے اسی طرح متحد کرلیا جیسے ۱۵۸۴ء میں الزبیتھ کے واسطے قومی انجمن بنائی گئی تھی۔ دار العوام کے چار سو بیس ارکان اور تراسی امرا نے ایک دستاویز پر دستخط ثبت کیے اور واثق عہد کیا کہ بادشاہ قتل کیا گیا تو خونیوں سے شدید انتقام لیں گے اور اعلان حقوق کی قرارداد کے مطابق این کی تخت نشینی کی تائید کریں گے پھر عوام سے دستخط لیے گئے۔ لوگ قتل کا مذکورۂ بالا منصوبہ سن کر، نیز فرانسیسی حملے کا خوف انگیز ارادہ سن کر ایسے برافروختہ تھے کہ لاکھوں کی تعداد میں دستخط ہوگئے اور قریب قریب ہر ٹوپی پر نئی انجمن کا فیتہ نظر آنے لگا۔ غرض بادشاہ کے دشمنوں نے جو ہلاکت کی تجویز سوچی تھی، وہی ناکام ہوکر ولیم کی انتہائی ہردلعزیزی کا سبب بن گئی۔ سازش کرنے والوں میں شارنک اور سات آدمیوں کو سولی ملی مگر بارکلے روپوش ہوگیا۔

اسی زمانے میں مقدمات بغاوت کے متعلق ایک نیا قانون وضع ہوا، اگرچہ شارنک وغیرہ اُس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ واضح رہے کہ اب تک ان مقدمات میں حکومت کے لیے تو ہر طرح کی سہولت ملنے کا انتظام کیا جاتا اور ملزمین کے حق میں سختی جائز رکھی جاتی تھی۔ سماعت شروع ہونے تک قیدی کو جوری والوں کے نام یا اصل مجرم کی اطلاع نہ دی جاتی اور گواہوں سے حلفیہ بیان لینے کی اجازت نہ تھی۔ یہ طریق دراصل قدیم ابتدائی طرز تحقیقات پر مبنی تھے جس میں استغاثہ محض جرم ثابت کرنے کے لیے اور جوری والے تا امکان جرم کی نفی کرنے کی غرض سے عدالت میں جمع ہوتے تھے۔ یہ طریقہ اصولاً تو اچھا تھا لیکن عملاً ملزموں کے واسطے، خصوصاً غداری یا بغاوت کے مقدمات میں مفید ثابت نہیں ہوا۔ مگر اس کی اصلاح مدت تک نہ کی گئی جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب تک صرف وھگ فرقے کے لوگوں پر داروگیر ہوتی رہی اُس وقت تک ٹوریوں نے سمجھا کہ غدارانہ افعال کا جہاں تک ہوسکے سخت تعزیر کے قابل رہنا ہی بہتر ہے۔ دوسرے غداری کی نوعیت ہر حال میں یکساں تھی لہٰذا کسی معزز ملزم کے واسطے

باب ہفتم

آسانیاں پیدا کرنا، جو اسی جرم کے ادنیٰ مجرمین کو حاصل نہ ہوں، جمع متدین نظر آتا تھا۔ بارے تقدیر کے انقلاب سے اب سازش و بغاوت کا ارتکاب ٹوری فرقے کے لوگوں میں ہونے لگا اور ولیم کی تخت نشینی کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا جب کہ ہر فرقے کے اہل الرائے متفق ہو گئے کہ کچھ نہ کچھ اصلاح ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر نیا قانون مرتب ہوا اور ملزموں کو مقدمہ شروع ہونے سے پانچ دن قبل فرد جرم کی نقل اور جوری والوں کی فہرست دینے کی ہدایت ہوئی اور قرار پایا کہ اُس کے گواہ حلفی بیان دیا کریں گے۔ ایڈورڈ ششم کے قانون کی رو سے ثبوت جرم کے واسطے دو گواہوں کا ہونا لازمی تھا لیکن اس شرط کو شاہی وکیلوں نے چپکے چپکے اتنا ہلکا کر دیا تھا کہ الجرنن سڈنی کو محض ایک گواہ اور چند غیر مطبوعہ کاغذات پیش کیے جانے پر سزا سنا دی گئی۔ نظر برایں جدید قانون میں ہر علانیہ فعل بغاوت کے ثبوت میں دو گواہوں کا پیش کیا جانا ضروری قرار پایا، یا یکساں قسم کے دو جرم سرزد ہوئے ہوں تو ہر جرم کے لیے ایک گواہ لازمی کر دیا گیا۔ (دیکھو صفحہ ۴۲۴) اس قانون سے بے گناہ ملزموں کے تحفظ کا سامان تو ہوا لیکن بے شبہ گنہگاروں کو مجرم ثابت کرنا بھی دشوار تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگ طنزاً کہتے تھے کہ اس قانون نے تو بغاوت کو تا امکان بے خوف چیز بنانے میں کمی نہیں کی"۔ اور ۱۶۹۶ء کے ایک مقدمۂ بغاوت میں اصلی مجرم بچتے بچتے رہ گیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ اُن دنوں سر جون فین وک دار العوام کا ایک پرانا رکن تھا اور مانمتھ کے خلاف "خرابی خون" کا قانون پیش کرانے میں بہت سرگرم رہا تھا۔ انقلاب حکومت نے اُسے ولیم کا درپردہ دشمن بنا دیا اور یہ یقینی بات ہے کہ شارنک اور بارکلے کی سازش سے وہ اجمالی طور پر واقف تھا۔ گرکئی مہینے چھپا رہا اور آخر میں گرفتار ہوا تو اُس کا بیوی کے نام ایک خط بھی پکڑا گیا جس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ وہ اس خونی سازش میں حصہ دار تھا۔ لندن کی جوری کلاں میں صحیح فرد جرم لگا دی گئی اور مقدمہ شروع ہونے سے قبل خود اُس نے ایک پریشان عرضی بادشاہ کے پاس بھیجی۔ شروزبری وغیرہ چار ممتاز اشخاص پر جیمز کے ساتھ خط کتابت کرنے کا الزام لگایا اور اس خیر خواہی کے صلے میں کوشش کی کہ اُس پر رحم کیا جائے۔ جیمز سے خط کتابت کا حال

ولیم کو پہلے سے معلوم تھا اور اُس نے عقلمندی سے فیصلہ کیا کہ فین وک کے معاملے میں دخل نہ دیا جائے۔ لیکن مقدمہ شروع ہونے نہ پایا تھا کہ استغاثے کا ایک گواہ (ے گُڈمین) فرار ہوگیا اور ازروئے قانون ملزم کے بچنے کی صورت نکل آئی۔ مگر فرقۂ وھگ اس طرح ماننے والا نہ تھا۔ اُنھوں نے پارلیمنٹ میں قرارداد کرائی کہ ملزم کی عرضی سخت فضیحت انگیز ہے اور یہ اطمینان کرکے کہ گڈمین کیا شہادت دینے والا تھا، فین وک کے خلاف خرابیٔ خون کا قانون پیش کردیا۔ امرا نے تائید کی اور ولیم نے بھی منظوری دے دی تو مجرم کا سر قلم کرادیا گیا۔

فوج مستقل کی نامقبولیت

انگریزی سیاسیات میں ۱۶۹۷ء کے صلح نامۂ رزوک سے ایک اور اہم تغیر یہ واقع ہوا کہ جب تک جنگ رہی اہل ملک فوج کی ضرورت تسلیم کرتے اور فوجی مصارف خوشی سے اُٹھاتے رہے۔ لیکن صلح کے بعد خیالات میں رجعت شروع ہوئی۔ سرکاری محاصل سے ناراضی، مستقل فوج کی نامقبولیت اور بیرونی اشخاص کے ملازمت میں لیے جانے کی مخالفت کو اظہار کا موقع ملا۔ ٹوریوں نے امن و تخفیف مصارف کا شور مچایا تھا اور ۱۶۹۸ء کے عام انتخابات میں انھی کی اکثریت منتخب ہوئی۔ ان لوگوں کو ولیم سے کوئی حسن عقیدت نہ تھی اور اکثر زمیندار طبقے کے تھے جس پر زمانۂ جنگ کے محاصل خصوصاً اراضی پر بیس لاکھ سالانہ کا مالیہ نہایت زیرباری کا سبب تھا۔ دوسرے مونٹیگو کی اصلاحات سے تجارتی طبقے میں جو آسودگی آئی، اُس میں بھی زمیندار حصہ دار نہ تھے۔ ہارلے کے زمیندارہ بینک کا جو حشر ہوا، وہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ زمینداروں کو یہ ناکامی بہت شاق گزری اور وہ خواہ مخواہ اس کا الزام وھگ فرقے کی حاسدانہ مخالفت کو سمجھنے لگے۔ ایک اور سبب کہ وہ ولیم کی خارجہ حکمت عملی کی قدر نہ کرسکے، یہ تھا کہ انھیں ممالک یورپ کے حالات سے کافی واقفیت نہ تھی۔ اور ولیم کا یہ کہنا کہ لوئی چہاردہم کی ہوس ملک گیری سے ہروقت ہوشیار رہا جائے اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رکھی جائے، اُن کی ذرا بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ انگلستان سب سے علٰحدہ جزیرہ ہے۔ ہمیں اس علٰحدگی سے فائدہ اٹھانا اور بیرونی جھگڑوں سے الگ رہنا چاہیے

باب ہفتم

باقی حفاظت کے لیے ہمارا بیڑا اور بے قاعدہ فوج کافی ہے۔

غرض ان وجوہ سے فوج مستقل کی تعداد کم کر کے پہلے دس ہزار اور پھر سات ہزار کر دی گئی اور اُس میں بھی یہ شرط بڑھا دی گئی کہ فوج میں صرف بادشاہ کی پیدائشی رعایا بھرتی کی جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ولیم مجبور ہو کر اپنی ولندیزی فوج رکاب کو موقوف کر دے۔ باہر والوں پر جو وحشیانہ حملے ہوئے، اُن میں بھی صرتحاہی ولندیزی سپاہی اصلی ہدف تھے اور اعتراضات کی یہی بوچھار دیکھ کر ڈینیل ڈیفو کو جوش آیا اور اُس نے "True born Englishman" نام سے ایک ہجو لکھی اور اہل انگلستان کے دعویٔ پاک نژادی کا خوب خاکا اڑایا۔ جو لوگ ولندیزوں وغیرہ باہر کے آنے والوں کا استہزا کرتے تھے انھیں مصنف یاد دلاتا ہے کہ وہ خود بھی بیرونی حملہ آوروں یا فراریوں کی اولادیں اور "سچے پیدائشی انگریز" کے مشیخت آمیز جملے کے مجازی معنی صرف یہ گھڑے جا سکیں گے کہ ایسا آدمی ساری دُنیا کا ہمنسل ہے۔ کفایت کے حیلے سے ولیم اور ولندیزوں کے خلاف مل کر بدگوئی کرنے کا ایک موقع اس وقت

آئرستان کی جاگیریں

ملا جبکہ آئرستان کی جاگیروں کا مسئلہ پیش ہوا۔ واضح رہے کہ جو لوگ عوام کو گرویدہ بنانے کا ملکہ نہیں رکھتے، وہ اپنے مخصوص دوستوں سے عموماً بڑی شیفتگی رکھتے ہیں۔ یہی کیفیت ولیم کی تھی کہ بین ٹنک اور کیپل وغیرہ دوستوں کا شیدائی تھا اور انھیں خاصکر آئرستان میں اُس نے بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دی تھیں۔ جاگیریں پانے والوں میں لارڈ ایتھلون وگالوے وغیرہ انگریزی فوجی سردار اور لارڈ رومنی (جو خطاب پانے سے پہلے بادشاہ کے مشیران خاص میں داخل تھا) بھی داخل تھے اور ایک بڑی جاگیر، جیمز کے ضبط شدہ علاقے سے لیکر الزبیتھ ولیئرس کو بھی دی گئی جو انگلستان آنے سے قبل ولیم کی داشتہ اور اب لیڈی اورکینی بن گئی تھی اور شادی کے بعد سے وِگ فرقے کے بعض سربرآوردہ اہل الرائے کی رازدار و قابل قدر مشیر تھی۔ بہرحال ایک ذیلی مجلس بنائی گئی کہ آئرستان کی جاگیروں کے متعلق تحقیقات کرے اور اُس کی پیش کردہ کیفیت سے ظاہر ہوا کہ

باب ہفتم

ولیم نے جو وعدہ کیا تھا کہ انگلستان و آئرستان کی ضبط شدہ اراضی اُس وقت تک جاگیر میں نہ دی جائیں گی جب تک پارلیمنٹ کو اس معاملے میں تصفیہ کرنے کا موقع نہ ملے" اس وعدے کے خلاف بہت سی زمینیں لوگوں کو دے دی گئیں۔ حالانکہ وعدہ ۱۶۹۱ء میں کیا گیا اور اس تمام مدت میں پارلیمنٹ سے ایک بار بھی مشورے کی نوبت نہیں آئی۔ سب سے بدتر بات یہ تھی کہ الیور کرک، کیپیل اور ولیم بین ٹنک (خلف پورٹ لینڈ) کو رومنی، ایتھلون اور گالوے سے زیادہ وسیع اراضی دی گئیں اگرچہ ان کی سرکاری خدمات بہت کم یا کچھ بھی نہ تھیں مخالفت کے لیے یقیناً یہ بہت اچھا موقع ٹوریوں کے ہاتھ آگیا اور ۱۷۰۰ء میں پارلیمنٹ میں یہ قانون منظور ہو گیا کہ تمام جاگیریں واپس لے لی جائیں۔

یہی زمانہ ہے جبکہ دارالعوام کی ٹوری اکثریت اور دارالامرا کی وہگ جماعت میں آئینی کشمکش شروع ہوئی جسے بہت کچھ اہمیت حاصل ہے۔ ہینری ہفتم کے زمانے سے یہ معمول بندھ گیا تھا کہ مالی کارروائی میں جسے دارالعوام نے منظور کیا ہو، امرا کو ترمیم کا حق نہ ہوتا تھا، اسی لیے جب دارالعوام کوئی ایسا کام کرتا جس کی نسبت یقین ہوتا کہ امرا منظور نہیں کریں گے، تو ایسے موقع کے لیے کسی ذہین ٹوری نے یہ تدبیر نکالی تھی کہ اس قسم کی کارروائیاں مالی تجاویز کے ساتھ "منتھی" کر دی جایا کریں۔ اب یا تو امرا کو دونوں باتیں ماننی پڑتیں ورنہ رقمی منظوری نہ دینے سے حکومت کے کاموں میں خلل پڑتا تو دارالامرا مطعون ہوتا۔ جاگیروں کی واپسی کے متعلق بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا اور دارالعوام کو کامیابی ہو گئی لیکن ابھی یہ دیکھنا باقی تھا کہ آیا قوم اس طریقے کو پسند بھی کرتی ہے جس سے دارالامرا اور بادشاہ کے اختیارات بیکار ہو کے رہ جائیں اور نظم و نسق کی باگ کلیتہً عوام کے ہاتھ میں آجائے۔

اس دشواری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ولیم نے وزرا میں تغیر و تبدل کیا۔ ۱۶۹۲ء میں اُس نے جو تبدیلیاں کی تھیں، اُن کا منشا یہ تھا کہ وزارت پارلیمنٹ کی وہگ اکثریت کے مطابق ہو جائے۔ اب اس کے برعکس آہستہ آہستہ ٹوریوں کو واپس بلانے کی کوشش کی۔ ۱۶۹۷ء میں شروزبری مستعفی ہوا

اور اُس کی جگہ جرسی نے لی۔ سال آئندہ مونٹیگو کی خدمت پہلے ٹنکرویل کے اور ۱۷۰۰ء میں گڈولفن کے تفویض ہوئی۔ ۱۶۹۹ء میں رسل علیحدہ ہوا تو برج واٹر امارت بحری کا صدر مقرر کیا گیا اور آخر میں سومرس جس پر پارلیمنٹ میں اعتراضات کی بوچھار ہوئی تھی، صدارت عظمیٰ سے دست کش ہو گیا۔ ۱۷۰۰ء میں روچسٹر، آئرستان کا نائب شاہ بنایا گیا۔ وہ، گڈولفن اور جرسی ٹوریوں کو رضامند کرنے کی غرض سے رکھے گئے تھے۔ لیکن دونوں سیاسی فریقوں کے افراد سے مخلوط وزارت بنانے کی خرابیاں بہت جلد آشکارا ہو گئیں۔

قانون تصفیۂ وراثت

۱۷۰۰ء میں وراثت تخت کا مسئلہ دوبارہ چھڑ گیا۔ این کے سترہ میں سے، پانچ تو بچپن میں مر گئے اور کئی مردہ پیدا ہوئے۔ ایک بچہ ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوا اور شہزادہ گلوسٹر بنایا گیا۔ بادشاہ کے اعزاز میں اُس کا نام ولیم رکھا تھا اور وہ بارہ برس تک زندہ بھی رہا۔ ارل برو اُس کا اتالیق تھا اور بادشاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا کہ اُسے فوجی ورزشوں کا نہایت شوق ہے۔ نیز ایک دن کہنے لگا کہ میں یہ فن اس لیے سیکھتا ہوں کہ فرانسیسیوں کو شکست دینے میں ہاتھ بٹاؤں" لیکن جولائی ۱۷۰۰ء میں یہ بچہ بھی فوت ہو گیا اور اب وراثت کا از سرنو انتظام کرنا ضروری ہوا۔ جیمز، فرانس کا ہو رہا تھا اور وہ افسوسناک اعلان شائع کر چکا تھا جس کا اوپر ذکر آیا۔ ان باتوں سے مُلک میں اُس کے حمایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہ ہو سکتی تھی۔ ۱۶۹۸ء میں ایک قانون بھی نافذ ہوا کہ اس جلاوطن بادشاہ اور اُس کے اہل و عیال کے ساتھ کوئی شخص تحریری یا تقریری تعلق نہ رکھے۔ جیمز کے ساتھی یعقوبی (جیکو بائٹ) کہلانے لگے تھے۔ انھیں حکومت کا اجازت نامہ حاصل کیے بغیر مُلک میں واپس آنے یا ولیم کی مملکت میں بس جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ ۱۷۰۱ء میں حکومت نے ٹوری ہونے کے باوجود، قانون تصفیۂ وراثت منظور کیا کہ این اور ولیم کے لاولد ہونے کی صورت میں بھی سلطنت کی وارث جیمز اول کی نواسی اور ڈاسیمر ہنوور کی بیگم) سوفیا (بنت الزبتھ بیگم پے لے ٹائن) اور اس کی اولاد ہو۔

حالانکہ از روئے قانون آین کے بعد اُس کا حق نہ تھا بلکہ ہینریتیا (بیگم اورلیان) کے علاوہ خود سوفیا کے کئی بڑے بہن بھائی موجود تھے لیکن اعلان حقوق کی رو سے کیتھولک عقائد سے کے دریثا خارج کردیے گئے تھے، اور پروٹسٹنٹوں میں آین کے بعد وراثت سوفیا ہی کو پہنچتی تھی، لہذا اُسے منتخب کیا گیا اور یہ انتخاب اصولاً اُسی طرح ہوا جس طرح قدیم زمانے میں مجلس بزرگان خاندان شاہی کے بہترین فرد کا انتخاب کرلیا کرتی تھی۔ سوفیا کے انتخاب میں ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ قانون ٹوریوں کے غلبے کے زمانے میں مرتب ہوا اور وہ بھی نماندان ہنوور کی حمایت کرنے کے پابند ہوگئے۔ ڈمعگ فولق تو دل سے اس انتظام کا حامی تھا لہذا اب یہ معاملہ فریقانہ مباحث میں داخل نہیں رہا۔

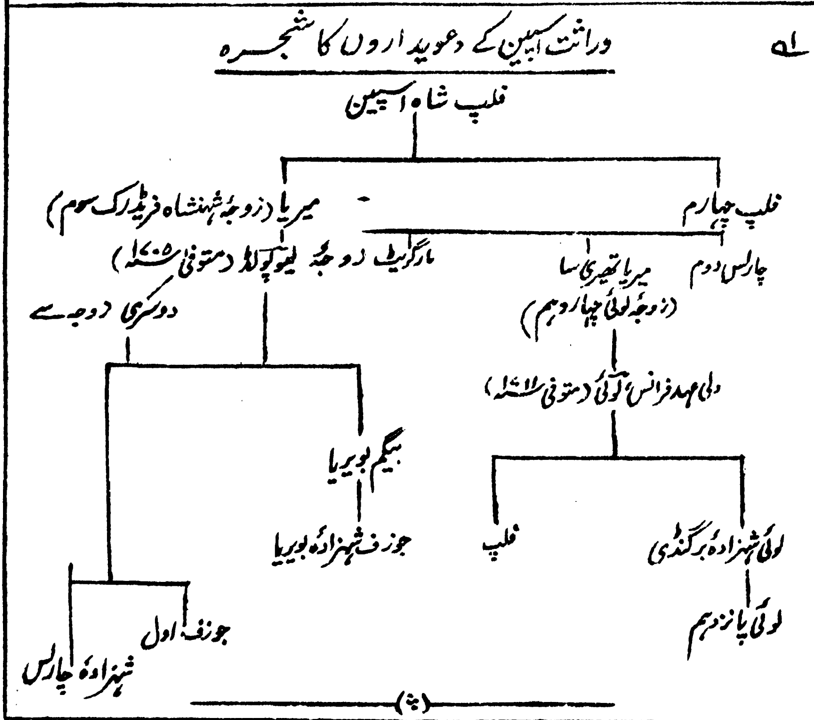
بایں ہمہ ٹوریوں نے شاہی امتیازات میں چند حدبندیوں کی دفعات بڑھا کر ولیم سے اپنی ناخوشی ضرور ظاہر کردی اگرچہ ان کا نفاذ قانون کے نافذ العمل ہونے پر مبنی تھا۔ ان دفعات اور باتوں کے علاوہ ایک شرط تو یہ تھی کہ بادشاہ بغیر پارلیمنٹ کی رضامندی کے برطانیہ و آئرستان کے باہر نہ جائے گا۔ (۲) کوئی پردیسی آدمی مجلس شاہی کا رکن یا سرکاری ملازم مقرر نہ کیا جائے گا اور نہ اُسے جاگیر میں زمین دی جاسکے گی (۳) کوئی بادشاہی ملازم یا وظیفہ یاب دارالعوام کا رکن نہ ہوسکے گا (۴) بادشاہی فرمان معافی کا جاری ہونا بھی اس امر میں مانع نہ ہوگا کہ مجرم سے قانونی مواخذہ کیا جائے۔ (۵) حکام عدالت جب تک ٹھیک کام کرتے رہیں اپنے عہدوں پر فائز رہیں گے اور ان کی علٰحدگی صرف پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں کی عرضداشت پر ہوسکے گی۔

مگر ان شرطوں میں سے، چوتھی اور پانچویں کے سوا اور کسی شرط پر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا اور جارج اول کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے پہلی اور دوسری باضابطہ منسوخ کردی گئی۔ تیسری شرط سے انگلستان کا سارا انتظام حکومت ہی معطل ہوجاتا، لہذا سے ۱۷۰۵ء میں منسوخ کیا گیا اور اُس کی بجائے قرار پایا کہ گو شاہی مشاہرہ پانے والے دارالعوام کی رکنیت سے از خود الگ ہوجائیں گے لیکن وہ دوبارہ منتخب ہوسکتے ہیں۔

باب ہفتم

سنہ ۱۷۰۱ء میں ٹوریوں نے بین ٹنک (امیر پورٹ لینڈ) سومرس، رسل اور موِن ٹیگو (امیر ہیلی فیکس) سے قانونی مواخذہ کیا کہ وہ بھی تقسیم ممالک کے معاہدوں میں شریک تھے۔ یہ معاہدے یورپ میں ایک پیچیدگی پیدا ہو جانے کی وجہ سے مرتب کرنے پڑے تھے۔ چارلس دوم جو چار برس کی عمر میں اپنے باپ فلپ چہارم کی جگہ اسپین کا بادشاہ ہوا، جسم و دماغ کے اعتبار سے شروع سے ضعیف اور لاولد تھا۔ اسی کی ایک بہن میریا تھیری سا، لوئی چہاردہم سے بیاہی تھی۔ دوسری (مارگریٹ) کی شادی شہنشاہ لیوپولڈ اول سے ہوئی تھی۔ اور خود لیوپولڈ اُس کی پھپی میریا کا بیٹا تھا۔ اب ان بہنوں کی اولاد میں ولی عہد فرانس، شہزادۂ بویریا اور آسٹریا کا شہزادہ چارلس وراثت شاہی کے دعویدار تھے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مذکورۂ بالا شہزادیوں میں سے وراثت کی زیادہ حقدار کون ہے۔[۱]

ہ۱ وراثت اسپین کے دعویداروں کا شجرہ



وراثت اسپین کا قضیہ

یہ مسئلہ نہایت اہم تھا۔ کیونکہ بادشاہ اسپین کے قبضے میں اپنے ملک کے علاوہ نیدرلینڈز کے دس اضلاع، نیپلز اور صقلیہ کی مملکت، میلان کی ریاست، جزائر سارڈینیا، میجورکا اور منورکا تو یورپ میں تھے اور میکسی کو وغیرہ بڑے بڑے اقطاع شمالی امریکہ میں اور برازیل وگی آنا کے سوا پورا براعظم جنوبی امریکہ، اور ایشیا میں جزائر فلی پائن اور کیوبا وغیرہ غرب الہند کے جزیرے داخل تھے۔ اب اگر فرانس کا شہزادہ اسپین کی سلطنت کا وارث ہو جاتا، تو وہاں فرانس کا رسوخ و نفوذ بڑھ جاتا بلکہ ممکن تھا کہ دونوں سلطنتیں ایک ہی بادشاہ کے تحت میں ضم ہو جائیں اور اس صورت میں یورپ اور نوآبادیوں میں فرانس کا اقتدار سب پر پوری طرح غالب آ جاتا۔ آسٹریا کا شہزادہ وارث ہوتا تو اس صورت میں بھی آسٹریا کا اثر بہت کچھ بڑھ جاتا اگرچہ فرانس کی مثل کلیۃً سب پر غالب آنے کا قرینہ نہ تھا۔ بہرحال، انگریزوں کو تو سب سے زیادہ ڈر یہ تھا کہ کہیں فرانس اور اسپین کی نوآبادیاں نہ متحد ہو جائیں۔ اور ولیم فرانس کی یورپ میں دست درازی سے اندیشہ مند تھا۔ اُدھر فرانس اور آسٹریا دونوں چاہتے تھے کہ پورا ملک نہیں تو اس میں معقول حصہ اُن کے ہاتھ آ جائے۔ ولندیزوں کو اپنی بیرونی تجارت کی فکر لاحق تھی اور فرانس کے ازدیاد اقتدار سے لرزہ بر اندام تھے کہ کہیں فرانسیسی جھنڈا خود اُن کی جنوبی سرحد پر مستقلاً گڑا ہوا نہ نظر آئے۔ نظر بر ایں ولیم نے اس معاملے میں مسابقت کرنی چاہی کہ کسی طرح جنگ کی نوبت آنے سے قبل کوئی قرارداد ہو جائے۔ اس کے سامنے تین راستے تھے: اول تو یہ کہ اس وراثت کے قضیے سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ ثانیاً یہ کہ قبل از قبل فرانس کے ساتھ کوئی معاملہ کر لے اور یا (ثالثاً) یہ کہ فرانس کی طرح خود بھی تیاریاں کرے کہ چارلس دوم کی وفات پر اپنے فائدے کے لیے جنگ کی جائے۔ ان میں پہلی صورت تو ولیم کے نزدیک محض نادانی تھی۔ انگریزی پارلیمنٹ کی روش نے تیسری صورت کو بھی محال کر دیا تھا کہ وہ ایک سپاہی دینے کی روادار نہ تھی پس اسے دوسری ہی صورت پر عمل کرنا پڑا اور امیر پورٹ لینڈ جس کی اصابت رائے پر

اسے پورا بھروسا تھا، پیرس بھیجا گیا کہ لوئی چہاردہم سے قول و قرار کرنے کی کوشش کرے۔

مصالحت کی صورت یہ نکلی کہ اسپین کا تخت بویریا کے سیزدہ سالہ شہزادے کو دیا جائے جس کی تخت نشینی سے بہت سی مشکلات رفع ہو سکتی تھیں۔ اور فرانس و آسٹریا کو دوسرے مقبوضات میں اس ایثار کا معاوضہ دیا جائے۔ مگر ۱۶۹۹ء میں یہ شہزادہ فوت ہو گیا اور از سر نو تقسیم کی ضرورت پیش آئی۔ ولیم آسٹریا کے شہزادے چارلس کے لیے اسپین، ندرلینڈ کے اضلاع اور نوآبادیوں کا معاملہ بھی طے کرا چکا تھا جس سے انگلستان و ہالینڈ کے مقاصد پورے ہو جاتے اور اُدھر ولی عہد فرانس کے حصے میں نیپلز، صقلیہ، صوبۂ گی پس کو آریاست میلان اور چند اور علاقے آ جاتے جن میں گی پس کو آ کوہستان پائی ری نیز کے پار واقع تھا اور اُس کے ہاتھ آنے سے لوئی کو اسپین کے علاقے میں ایک سرحدی مرکز مل جاتا۔ اسی طرح ساحل اطالیہ پر اِلبا ایک کار آمد بحری مقام تھا۔ میلان کے عوض میں اُسے لورین چھوڑنا پڑتا۔ مگر میلان کے الحاق سے فرانس کی شمال مشرقی سرحد سیدھی ہو جاتی۔

اس قرار داد کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن عملاً وہ بالکل ناکام ثابت ہوئی۔ آسٹریا والوں نے اہل اسپین کو رضامند کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور لوئی ایسے قول و قرار کی بنا پر فرانس کے فائدے کے کسی موقع کو چھوڑنے والا آدمی نہ تھا۔ چنانچہ مذکورۂ بالا معاہدہ تو ۱۶۹۹ء میں ہوا اور شاہ اسپین نے ۱۷۰۰ء میں وفات پائی۔ اسی درمیان کی مدت میں فرانس کے حامیوں نے اُس پر اتنا اثر ڈالا کہ وہ اپنی پوری سلطنت ولی عہد فرانس کی بجائے اس کے منجھلے بیٹے فلپ (شہزادۂ آنژو) کے نام وصیت کر گیا اور لوئی نے بھی بے تامل وصیت نامے کی تائید کی۔ اسپین کے عام باشندوں کی رائے جو آجکل قطعی فیصلے کا حکم رکھتی، اپنی سلطنت کے حصے بخرے ہونے کے طبعاً خلاف تھی۔ اُنھوں نے بھی فرانسیسی شہزادے کی تخت نشینی کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ قبول کیا۔ لوئی نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ کوہستان پائی ری نیز اب صفحۂ ارض سے محو ہو جائیں گے اور پوتے کو

بڑی شان سے اسپین روانہ کرکے خود ندرلینڈز کے اضلاع پر قبضہ جمالیا۔ شاہ اسپین کی اجازت سے بعض سرحدی مقامات میں ولندیزی سپاہی متعین تھے۔ لوئی نے انھیں اپنے گھروں کو چلتا کیا۔

انگریز وزرا سے مواخذہ

یہ خبریں سن کر ولیم نے بہت پیچ و تاب کھایا مگر کچھ زور نہ چل سکتا تھا اور اُس کی انگریز رعایا اول تو ولی عہد فرانس کی بجائے اُس کے بیٹے کی تخت نشینی کو اتنا قابل اعتراض نہ سمجھتی تھی دوسرے اہل انگلستان اسی پر ناراض تھے کہ تقسیم ممالک کے معاہدات کیوں کیے گئے خصوصاً نیپلز اور صقالیہ کو آیندہ وارث فرانس کے حوالے کرنے پر ولیم نے کیوں آمادگی ظاہر کی۔ انھی حالات سے فائدہ اُٹھاکر ٹوریوں نے وھگ فرقے کو کمزور کرنے کا ارادہ کیا اور سومرس، مونٹیگو وغیرہ وزرا کے خلاف مقدمے چلائے کہ ان لوگوں نے مذکورۂ بالا معاہدات میں حصہ لے کر ملک و قوم سے دشمنی کی۔ اس عام الزام کے علاوہ ہر وزیر پر خاص خاص الزامات بھی تھے۔ سومرس پر تو یہ کہ شاہی اراضی کے ناجائز عطیات پر مُہر کلاں ثبت کی۔ پورٹ لینڈ پر یہ کہ ایسی اراضی اُس نے قبول کیں۔ ہے لی فیکس پر تغلب اور اپنے آوردے بھرنے کا الزام تھا۔ اورفورڈ پر رشوت ستانی کا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کپتان کِڈ جس نے حسب الحکم جنوبی سمندروں میں قزاقوں کا قلع قمع کرنے کی بجائے خود بحری قزاقی شروع کردی تھی، اس کی بداعمالیاں بھی سومرس و اورفورڈ کے نامۂ اعمال میں چڑھادی گئیں۔ یہ فرقہ واری تعصب کی انتہا تھی۔ ورنہ یہ دونوں وزیر کپتان کِڈ کو مذکورہ خدمت تفویض کرنے میں بھی صرف جزءً ذمہ دار تھے۔ بہرحال سب سے پہلے سومرس کا مقدمہ پیش ہوا لیکن اسی عرصے میں ٹوریوں کی زیادتی نے لوگوں کو بددل کردیا تھا اور دارالعوام اور دارالامرا کے تعلقات میں "رنجش کردینے" کے عمل سے کشیدگی آگئی تھی۔ اُمرا اپنی پشت قوی دیکھ کر دارالعوام کے راستے میں حائل ہوگئے اور مقررہ تاریخ تک دارالعوام کے ارکان نے حاضر جلسہ ہونے سے انکار کیا تو امرا نے سومرس کو بری کردیا۔ اورفورڈ سے بھی قسمت نے اسی طرح سازگاری کی اور پارلیمنٹ جدید انتخابات کے واسطے

باب ہفتم

برخاست کر دی گئی۔

کینٹ کی عرضداشت

دارالعوام کی فریقانہ ہمہ ہمی سے صرف امرا ہی ناخوش نہ تھے بلکہ ۱۷۰۱ء میں ضلع کینٹ کی بڑی جوری نے ولیم کول پیپر کی سرکردگی میں ایک عرضداشت مرتب کی اور دارالعوام سے بہ ادب استدعا کی کہ بندگان عالی کی ذات مقدس سے خفیف ترین سوءِ ظن کو بھی جائز نہ رکھا جائے اور معروضوں کی بجائے رقمی منظوریوں کی تحریکیں کی جائیں" یہ تحریر پارلیمنٹ میں پیش ہوئی تو دارالعوام کے ارکان اُسی قدر طیش میں آئے جس قدر جیمز ثانی سات اسقفوں کی عرضی پر آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ کینٹ والوں کی عرضداشت کو "فضیحت انگیز، گستاخانہ، مغویانہ" قرار دیا گیا اور پانچ شرفا حراست میں لے لیے گئے۔ لیکن بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ جس طرح جیمز کی حرکت پر لوگ ناخوش ہوئے تھے، اسی طرح دارالعوام کا یہ فعل عام طور پر ناپسندیدہ سمجھا گیا۔ ایک مضمون جسے عموماً "فوج کی عرضداشت" موسوم کرتے ہیں، کثرت سے شایع کیا گیا اور اس نے ٹوریوں کے خلاف ملک میں آگ بھڑکا دی۔ اس مضمون میں بہت کچھ سچے کی باتیں بڑی خوبی سے تحریر تھیں اور غالباً ڈینیل ڈے فو نے لکھا تھا۔

غرض ہوا کا رخ بدل رہا تھا جبکہ پارلیمنٹ فسخ کی گئی لیکن جدید انتخابات سے قبل ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ معاملات کی صورت بالکل ہی بدل گئی یعنی ستمبر ۱۷۰۱ء میں جیمز ثانی مرا تو لوئی چہاردہم نے بیجا ہمدردی کے جوش میں آکے جیمز ایڈورڈ کو متوفی کا وارث اور شاہ انگلستان تسلیم کر لیا حالانکہ یہ بات صلح نامۂ رزک کی سراسر خلاف ورزی تھی۔ خود ایڈورڈ جو آگے چل کے "مدعی قدیم" مشہور ہوا، اُس وقت تیرہ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا۔ بہرحال حق یہ ہے کہ کوئی اس سے بڑھ کر ولیم کی دوستی نہ کر سکتا تھا کیونکہ شاہ فرانس کے اس متحکمانہ فعل سے سارے انگلستان میں جوش پیدا ہو گیا اور وھگ اور ٹوری تھوڑی دیر کے لیے تو سب ولیم کی حمایت و تائید میں متحد ہو گئے۔ ہر حلقے سے وھگ امیدوار بڑے غلبۂ آرا کے ساتھ منتخب ہوئے اور ٹوریوں کے بعض ممتاز سرگردہوں کو بھی پارلیمنٹ میں

جگہ ملنی مشکل ہو گئی جیمز ایڈورڈ کے خلاف "خرابی خون" کا قانون منظور ہوا اور طے کر دیا گیا کہ جب تک کوئی عہد شکنی کی تلافی نہ کرے اُس وقت تک فرانس سے ہرگز صلح نہ کی جائے۔ رقوم کثیر کی منظوریاں دی گئیں۔ پروٹسٹنٹ وراثت کے اطمینان و تحفظ کی غرض سے تمام دیوانی اور کلیسائی عہدہ داروں سے حلف لیے گئے کہ ہم پروٹسٹنٹ مذہب کے وارث تاج کا ساتھ دیں گے۔ اور ولیم کو دوبارہ موقع مل گیا کہ اپنے ہوگ وزرا کو واپس بلائے، فوج میں اضافہ کرے اور یورپ کے بڑے جتھے کے بکھرے ہوئے شیرازے کو از سر نو فراہم کرے۔

ولیم کی وفات

یورپ بھر میں فوجی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ولیم کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندگی بھر جو خواب دیکھتا رہا کہ کبھی فرانس پر فاتحانہ فوج کشی کرے گا، وہ عنقریب عمل میں آنے والا ہے کہ ناگہاں ۲۰ ہر فروری کو وہ گھوڑے سے گرا اور ہنسلی ٹوٹ گئی۔ کسی مضبوط آدمی کے لیے ایسا معمولی حادثہ کچھ تشویشناک نہ ہوتا لیکن ایسا شخص جسے کثرت کار و افکار نے مضمحل کر ڈالا تھا، اس کا متحمل نہ ہو سکا اور ۸ ہر مارچ کے دن بادشاہ ولیم ملک عدم کو سدھار گیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ انگلستان کے بڑے بادشاہوں میں داخل ہے اگرچہ ہر دلعزیزی نہ حاصل کر سکا۔ وہ عادات و خصائل کی بدولت لوگوں میں محبوب نہ تھا اور اُس کے وسیع و دوررس منصوبوں کی قدر کرنے والے معدودے چند تھے۔ اس کی کوشش تھی کہ آزاد پارلیمنٹ پر حکمرانی کرے اور یہ کام نہایت دشوار تھا۔ اول تو یہ تجربہ نیا تھا دوسرے خود ولیم پختہ ارادے اور آزاد رائے کا آدمی تھا اور کسی ایسی حکمت عملی کو جو اُس کے نزدیک ناپسندیدہ ہو محض اس بنا پر آسانی سے قبول کرنے والا نہ تھا کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اُس کی موید ہے۔ ایک خرابی یہ تھی کہ جن ارباب سیاست سے ولیم کو سابقہ پڑا وہ عود ملوکیت کے ماحول میں پلے تھے جہاں رشوت ستانی اور غرض پرستی کا زہر سرکاری زندگی کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ نظر برایں اگر ولیم نے غلطیاں کیں تو یہ کچھ حیرت کی بات نہیں ہے۔ طرفہ تر یہ کہ بعض مداحوں نے جو اُسے بے خطا ثابت کرنے کی کوشش کی تو اخلاف کو اُس کی نسبت اُلٹی بدگمانی پیدا ہو گئی۔ بہر حال گو یہ تسلیم ہے کہ اُس کی خانگی اور سیاسی زندگی کی بہت سی باتیں

قابل نکتہ چینی تھیں تاہم ان سب کو ماننے کے بعد بھی اُس کا یہ شرف زائل نہیں ہو سکتا کہ نہایت نازک وقت میں انگلستان کی دستگیری کی اور نہ صرف انگلستان بلکہ دنیا بھر میں وہی سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے زمانۂ جدید کے مفہوم کے مطابق ایک نیابتی یا مجلسی حکومت کو کسی حد تک کامیابی کے ساتھ چلا کے دکھایا۔

مشہور سنین

محاربۂ آئرستان	۱۶۸۹ء و ۱۶۹۰ء
جنگ لاہوگ	۱۶۹۲ء
قومی قرضے کی ابتدا	۱۶۹۳ء
لینڈن کی جنگ	"
قانون میقات سہ سالہ	۱۶۹۴ء
ملکۂ میری کی وفات	۱۶۹۴ء
آزادی مطابع	۱۶۹۵ء
تجدید سکہ	۱۶۹۶ء
صلحنامۂ ریزک	۱۶۹۷ء
تصفیۂ وراثت	۱۷۰۱ء
جیمز ثانی کی وفات	۱۷۰۱ء
ولیم ثالث کی وفات	۱۷۰۲ء

باب ہشتم

ملکۂ این: ۱۷۰۲ء تا ۱۷۱۴ء

ولادت: ۱۶۶۵ء .... ازدواج با شہزادہ جارج (ڈینمارک کی) ۱۶۸۳ء

مشہور معاصرین: فرانس .... لوئی چہار دہم

شہنشاہ لیوپولڈ اوّل

جوزف اوّل

چارلس پنجم

این کے خصائل

ولیم اور اس کی جانشین ملکہ کے حالات میں بالکل زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ولیم اپنے زمانے کے اکثر ارباب سیاست سے نمایاں تفوّق رکھتا تھا اور وزارت خارجہ اور سپہ سالاری کے فرائض خود انجام دیتا تھا اور انگلستان و ہالینڈ دونوں ملکوں کی حکمت عملی زیادہ تر اُسی کی خواہش کے زیر اثر قائم ہوا کرتی تھی۔ بخلاف اس کے ملکۂ این اگر نااہل نہیں تو یقیناً کچھ بہت ہوشیار بھی نہ تھی۔ وہ دوسروں کی آراء اختیار کر لیتی تھی اور بچپن سے اپنی سہیلی سارہ جے ننگز کے اثر میں تھی جس کی جون چرچل سے شادی ہوئی (اور آگے چل کے امیر مارل برو بنایا گیا) اور وہ ہمہ تن اپنے شوہر کی

باب ہشتم

فلاح و بہتری کی فکر میں لگی رہتی تھی۔ بایں ہمہ آین کی سیرت کا کچھ نہ کچھ اثر پڑتا تھا۔ اُس کی تخت نشینی سے تاجدار انگلستان کی شخصی ہر دلعزیزی کی پھر تازہ ہو گئی۔ اُس کے خانگی آلام سے لوگ دلی ہمدردی اور ملکہ کا پاس خاطر ملحوظ رکھتے تھے۔ اس کا سیاسی تو ملی اور کلیسا کی بہتری میں دلی کوشش دیکھ کر اہل مذہب بھی راضی ہو گئے تھے۔ اُس کی جان کے خلاف کوئی سازش نہیں ہوئی اور جب وہ بادشاہ ہوئی تو ہر گروہ نے اہتمام کے ساتھ سعی کی کہ اس کے راستے میں سہولت پیدا کی جائے حالانکہ ولیم کی اس کے دوست تک کچھ بے دلی ہی کے ساتھ تائید کر دیا کرتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر ولیم سراپا ولندیز اور مدعی سراسر فرانسیسی تھا تو آین ' جیسا کہ اُس نے پارلیمنٹ سے کہا، دل میں سراسر انگریز" تھی۔ اسی لیے وہ ملکی عصبیت جو ولیم کے حق میں مُضر کام کرتی تھی، آین کی عین ممد و مفید مطلب ہو گئی۔ لیکن مذہبی معاملات کے سوا ملک کی سیاسیات میں اس ملکہ نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا اور اسی واسطے کہہ سکتے ہیں کہ ولیم کے بعد انگلستان کا فرماں روا در اصل امیر مارل برو ہو گیا تھا اور وہی مدت دراز تک ملک کے اندر اور باہر ناخدائی کرتا رہا۔ اس امیر کا سن اب ۵۲ سال کا' اور دماغی اور جسمانی قویٰ بہت اچھے تھے۔ اس کے اخلاق پر سخت دنائت اور بہت کچھ ریاکاری کا داغ ہے لیکن فن سیاسیات و جنگ دونوں میں وہ بڑا شخص تھا۔ جوانی ہی میں حسن صورت اور دلکش اخلاق کی بدولت لوگ اُس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور باقی ماندہ ساری زندگی اُس نے اپنی ذاتی اغراض کے حصول میں گزاری۔ ولیم کے عہد بادشاہی تک اسے بڑے پیمانے پر اپنے اوصاف ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن جب کبھی اُس نے کسی کام کا بیڑا اُٹھایا تو ہمیشہ ثابت کر دکھایا کہ وہ اُسے انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قدرتی اوصاف کے اعتبار سے وہ حقیقت میں خوش نصیب تھا۔ اس کی جسمانی صحت برابر اچھی رہی اور وہ بڑی سے بڑی تکان جھیل سکتا تھا۔ نہایت قابل تعریف مزاج، بے جھجک ہمت اور بے خوف دل قدرت کا عطیہ تھے اور دوست ہو یا دشمن، جس کسی سے ملتا غیر معمولی اخلاق و تواضع سے پیش آتا اور

مارل برو

اس وضعداری میں کبھی فرق نہ آنے دیتا تھا۔ ان اخلاقی اوصاف کے ساتھ اعلیٰ درجے کے دماغی اوصاف پائے تھے۔ معاملات حاضرہ پر اُس کے خیالات نہایت واضح، وسیع اور بوجہ احسن قابل عمل ہوتے تھے۔ کتابیں پڑھنے کا موقع اس قدر کم ملتا تھا کہ اسے لکھنے کی بھی مطلق رغبت نہ تھی" تاہم اُس کے مراسلات اور سرکاری تحریریں نہایت سلجھی ہوئی اور زوردار ہوتی تھیں۔ اس کی مجلسی خطابت بھی مناسب محل ہوتی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اصل مقصد کے تحت لانا خوب جانتا تھا۔ مثالاً اسی کو لیجئے کہ گو وہ ایسا سپہ سالار تھا کہ جو لڑائی لڑا، ہمیشہ اُس میں فتحیاب ہوا اور جس شہر کا محاصرہ کیا، اُسے تسخیر ہی کر کے چھوڑا، بایں ہمہ جنگ کو وہ محض کسی مقصد کا ذریعہ سمجھتا تھا اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی یقینی فتح سے بڑے بڑے سیاسی نتائج پیدا ہونے کا اذعان نہ ہوتا، اس وقت تک کبھی تلوار نہ کھینچتا تھا۔ اس میں صبر کا انتہائی مادہ تھا اور توکل کی بھی ایک شان تھی جس کے باعث بڑی بڑی ناکامیاں بھی اُسے کلیتہً مایوس نہ کر سکتی تھیں۔ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ "چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اکثر امور تقدیری ہوتے ہیں، لہذا میرے نزدیک امکانی سعی کے بعد آدمی کو راضی برضا ہو جانا چاہیئے"۔ مارل برو

ٹوریوں کی وزارت اور جنگ

ہمیشہ سے پکا ٹوری تھا اور حکومت میں اُس نے بڑے عہدے ٹوریوں ہی کو دیے۔ خود سپہ سالاری اور ہالینڈ میں سفارت کی خدمت لی۔ گڈولفن پوری طرح مارل برو کا ہمرائے تھا اور اُن کی اولاد میں باہم پیوند ہونے سے دنیاوی اغراض بھی مشترک ہو گئی تھیں۔ اُسے وزارت خزانہ دے کر انگلستان کے معاملات میں سب سے اہم حصہ دیا گیا۔ نوٹنگ ہم اور سر چارلس ہیجز، شاہی معتمد مقرر ہوئے۔ یہ دونوں ٹوری تھے اور نوٹنگھم خصوصاً بہت پکا ٹوری تھا۔ ہر وقت چہرے پر افسردہ متانت رہتی اور بلاغت پسندی کی وجہ سے "Don Dismalls" (= میر مایوس) اُس کا لقب پڑ گیا تھا۔ جیک ہو کے لیے بھی جگہ نکال لی گئی حالانکہ ولیم کی بدگوئی کرنے والوں میں وہ سب سے پیش پیش تھا۔ بخلاف اس کے ہے لی فیکس، اور فورڈ، اور سومرس نئی مجلس شاہی سے بھی

باب ہشتم

خارج کر دیے گئے لیکن نئے وزرا ٹوری ہونے کے باوجود سیاسی روش میں وھگ تھے اور انھوں نے ممالک یورپ کے بڑے جتھے کو پوری طرح قائم رکھا جس میں انگلستان، ہالینڈ، شہنشاہ، پروشیا کا نیا بادشاہ، بیپے لے ٹائن، اور ہنوور کے موروثی رئیس شامل تھے۔ پارلیمنٹ نے بھی قرار داد کی کہ اتحادیوں کی ہمت افزائی اور فرانس کی حد سے متجاوز قوت کم کرنے کے لیے جو کچھ کیا جائے وہ کم ہے "غرض جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ این کی تخت نشینی کے بعد ہی جو عام انتخابات ہوئے اُن میں ٹوریوں کی بہت بڑی اکثریت تھی لیکن انھی نے فوج کے لیے چالیس ہزار سپاہ اور بیڑے کے لیے اسی قدر تعداد جہازیوں اور بحری جوانوں کی فراہم کرنے کی تجویز منظور کی۔

اوّل اوّل اتحادیوں کے مقاصد پوری طرح واضح نہ تھے لیکن بالآخر شہنشاہ لیوپولڈ کے فرزند شہزادۂ چارلس کو تخت اسپین کے لیے کھڑا کیا گیا اور لڑائی ندرلینڈز کی سرحدوں پر، ترائن، شمالی اطالیہ اور خود اسپین کے علاقے میں جاری رہی، مارل برو ندرلینڈز میں انگریزی فوج کا سپہ سالار تھا اور ولیم کے ایک دوست ہین سیوس کی وساطت سے ولندیزی سپاہ کی قیادت بھی اسی کو مل گئی تھی اس لیے ان علاقوں میں اتحادی فوجوں کا صدر سپہ سالار مقرر ہوا۔ ترائن کے اضلاع میں مارگریو لوئیس (رئیس بیڈن) اور اطالیہ میں اکثر اوقات یوجین (شہزادۂ سیوائے) سپہ سالاری کرتے تھے۔ لوئیس کی پامردی اور دلیری میں شک نہیں مگر وہ نہایت سست اور کام کو اپنے حال پر چھوڑ دینے والا آدمی تھا۔ شہزادۂ یوجین کو شاہ فرانس نے عہدہ دینے سے انکار کیا تو وہ شہنشاہ کی ملازمت میں داخل ہو گیا اور غالباً اتحادیوں کا بہترین سپہ سالار وہی تھا۔ اُس کا مزاج بھی بہت اچھا تھا اور جس مقصد کے لیے تلوار کھینچی تھی، اُس سے بے غرض عقیدت بھی رکھتا تھا۔

ایک مدت تک اسپین کے اضلاع ندرلینڈز میں جنگ کی سب سے زیادہ گرم بازاری رہی۔ یہ ایک بے قاعدہ سے متساوی الاضلاع کی شکل ہیں، اور اُس کے جنوبی ضلع پر لیل، ٹورنی، مونز اور شارلی رواکے دفاعی قلعے واقع تھے۔

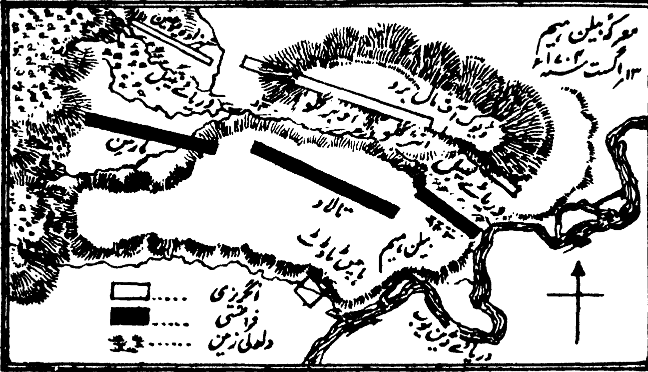
باب ہشتم

مشرقی ضلع کی حفاظت نامور ولیژ کے قلعوں سے، شمال کی دریائے رہائن سے اور مغرب کے سمندر سے ہوتی تھی۔ لڑائی شروع ہوئی تو یہ سارا ٹکڑا فرانس کے ہاتھ میں تھا۔ سنہ ۱۷۰۲ء میں مارل برو کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ لیژ کو فتح کرلیا اور اسی صلے میں ڈیوک (امیر کبیر) بنایا گیا، اور پانچ ہزار پونڈ سالانہ کا منصب اس کے نام جاری ہوا۔ سنہ ۱۷۰۳ء میں وہ رہائن کے زیریں علاقے پر مسلط ہوگیا جس کا بڑا قلعہ بون ہے۔ اور اس طرح ندرلینڈز میں گھس جانے کے علاوہ اتحادیوں سے بھی اس کا سلسلۂ رسل و رسائل قائم ہوگیا۔ مگر فریڈ لنجن پر لوئیس (بیڈ ن) کی ہزیمت اور امیر بویریا کے یک بیک فرانس کے ساتھ جا ملنے سے ان فتوحات کا اثر خاک میں مل گیا۔ امیر بویریا نے فلپ کی حمایت کا اعلان کیا اور فرانس کی ایک فوج کو اپنی ریاست میں آنے کی اجازت دے دی جس سے وادی ڈینیوب اور ویانا تک جانے کا راستہ کھل گیا اور انھوں نے امیر بویریا کو مدد دینے کی غرض سے تین تین لشکر ادھر روانہ کیے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ

معرکۂ بلین ہیم

اگر پوری قوت سے کام نہ کیا گیا تو خود ویانا کی خیر نہیں اور ویانا کی تسخیر کے ساتھ ہی ساری جنگ یک بیک ختم ہو جائے گی۔ یہ رنگ دیکھ کر مارل برو نے بڑی دلیری کی کہ ہالینڈ کی سرحد پر مضبوط پہرے چوکی کا بندوبست کر کے خود بویریا کو طے کرتا ہوا لوئیس (بیڈنی) سے آملا اور یوجین سے طے کر لیا کہ فرانسیسیوں پر ایک زبردست حملہ کیا جائے۔ ۲۔جولائی سنہ ۱۷۰۴ء کے دن اس کی اور لوئیس کی فوج نے (ڈونووَرٹ میں) اہل بویریا کو مار بھگایا، جنھوں نے شیلن برگ پر مضبوط مورچے بنا رکھے تھے۔ اس طرح ڈینیوب عبور کرنا تو ممکن ہوگیا لیکن امیر بویریا نے صلح سے انکار کر دیا اور مارل برو نے "بادل ناخواستہ" حکم دیا کہ میونک اور اس کی نواح کو تاراج کر دیا جائے۔ اس عرصے میں فرانسیسی سپہ سالار ٹالارڈ اہل بویریا سے آملا تھا۔ لوئیس (بیڈنی) انگولس ٹیڈ کے محاصرے کی غرض سے اُدھر چلا گیا۔ مارل برو اور یوجین اُس کے چلے جانے سے خوش ہوئے اور اُنھوں نے ڈینیوب تک آگے بڑھ کے دشمن پر

بمقام بلین ہیم حملہ کردیا۔ (۱۳ر اگست)۔



فرانس کے سپہ سالاروں اور امیر بویریا نے اپنی فوجیں ایک ٹیکری پر جمائی تھیں جو ڈینیوب کے شمالی کنارے پر زاویۂ قائمہ بناتی ہے۔ خود ڈینیوب اس مقام پر تقریباً سو گز لمبا اور ناقابل عمر ہے۔ ان کا میمنہ بلین ہیم میں، قلب، اشٹر گلو میں اور میسرہ اوبر گلو میں تھا۔ پوری فوج کے سامنے نیبل کی ندی قدرتی محافظت کا کام دے رہی تھی۔ اس فوج کی تعداد ساٹھ ہزار کے قریب اور مقابلے میں اتحادی سپاہی باون ہزار تھے۔ حملہ دوپہر کے وقت شروع ہوا۔ بلین ہیم کے بازاروں میں باڑیں اور مکانوں میں بندوقوں کے لیے تابدان بنالیے گئے تھے۔ لہٰذا بہادر کٹس اور اس کے سپاہیوں کی یورش مطلق کارگر نہ ہوئی اور میمنے پر یوجین بھی زمین کی خرابی اور بعض آسٹروی سواروں کی نالائقی سے کچھ بہتر کام نہ کرسکا۔ اس حال میں مارل برو نے اپنے رسالے کی قیادت خود کی اور فرانسیسی قلب پر شدید حملہ کیا۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ وہ لڑائی میں ہر جگہ جہاں اس کی ضرورت ہوتی، بے خوف و خطر پہنچ جاتا اور بغیر کسی اضطراب و عجلت کے کمال سکون و اطمینان کے ساتھ احکام صادر کرتا تھا۔ لیکن لڑائی کا فیصلہ اُس کے مذکورۂ بالا حملے ہی سے ہوا کہ غنیم کی فوج کے دو حصے ہوگئے اور یوجین کو موقع مل گیا کہ امیر بویریا

باب ہشتم

اور مارسان کو پیچھے دھکیل دیا اور دشمن کا یہ میسرہ ہٹا تو تالار کے گیارہ ہزار چیدہ سپاہی بلین ہیم میں بے یار و مددگار رہ گئے اور انھیں ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ رات ہوتے سے اقبل مارل برو نے اپنی بیوی کو پنسل سے ایک رقعہ لکھا اور یہ بھی اُس کے لاابالی مزاج کا ثبوت ہے کہ یہ کسی ہوٹل کا پرانا پرچۂ حساب تھا جس کی پشت پر رقعہ تحریر کیا گیا کہ ملکہ کی خدمت میں آداب و بندگی کے بعد خبر کر دی جائے کہ فوج شاہی نے بڑی شاندار لڑائی جیتی۔ تالار اور دو سپہ سالار میری گاڑی میں (مقید) موجود ہیں اور باقی کا میں پیچھا کر رہا ہوں "۔ اس فتح سے فی الواقع بے حساب فوائد حاصل ہوئے۔ اگر مارل برو کو شکست ہو جاتی تو وی آنا کا سقوط قریب قریب یقینی تھا اور پھر خود انگلستان پر حملہ ہوتا اور غالباً جیمز ثانی کی اولاد دوبارہ وارث تاج و تخت بنا دی جاتی۔ ساودی نے اپنی نظم "بلین ہیم" میں کیس پر کی زبان سے کہوایا ہے کہ میں کبھی نہ بتا سکا کہ یہ لوگ وہاں کیوں لڑے تھے؟ لیکن این کے عہد کے انگریزوں کو جنگ کی وجہ بتانے میں کوئی ایسی دشواری نہ تھی۔ خود قومی آزادی معرض نزاع میں تھی یعنی اصل قضیہ یہ تھا کہ انگلستان کا بادشاہ فرانس انتخاب کرے یا اہل انگلستان؟ اسی لیے مارل برو کی کامیابی پر لوگ نازاں اور سخت خطرے سے چھوٹ جانے پر دل سے شکرگزار تھے اور پارلیمنٹ نے ملکہ سے درخواست کی کہ آکسفرڈ کے قریب وڈاسٹاک کی جاگیر اور نسلاً بعد نسل وظیفہ اُسے عطا کیا جائے۔ چنانچہ یہ جاگیر اُسے ملی اور وہیں ایوان بلین ہیم تعمیر ہوا۔ یہ اب تک مارل برو کی دختری اولاد کے قبضے میں ہے اور ان سے شرط کر لی گئی ہے کہ فتح کی سالانہ تقریب کے موقع پر یہ لوگ ونڈسر کے گرجا (سینٹ جارج) میں ایک جھنڈا چڑھایا کریں گے۔

جبل الطارق کی تسخیر

اسی سال کا ایک اور درخشاں کارنامہ جبل الطارق کی تسخیر ہے کہ اس زمانے میں تو لوگوں نے اُسے فتح بلین ہیم کے برابر اہم نہیں سمجھا تھا لیکن بعد کی نسلوں نے کچھ کم اہمیت تسلیم نہیں کی۔ اس مقام کا محاصرہ پہلی اگست کو شروع ہوا شہزادہ جارج

امیز ہیس ڈرامش ٹیڈ کے ساتھ جارج رک، شوول اور جارج بنگ نامی تین سردار شریک تھے۔ چوتھی اگست کو بنگ کے دستے نے بستی پر گولے برسائے اور بیرونی مورچے اور ایک پشتے پر انگریز سپاہی جا چڑھے تو قلعے والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس قلعہ بند پہاڑی پر (جو بحر متوسط و ظلمات کی آبنائے کی محافظ ہے) انگلستان کا قبضہ ہو جانا بڑی اہمیت رکھتا تھا مگر اس کا ٹھیک اندازہ بہت کچھ **میتھوان** (اور اُس کے بیٹے **پال**) کی بدولت انگریزوں کو ہوا جو اُس وقت لزبن میں انگریزی سفیر تھا اور اُس کے جانشین بھی برابر اُس رائے کی تصدیق کرتے رہے۔ اسی سفیر نے انگلستان و پرتگال میں ایک دیرپا عہد نامہ طے کرایا (معاہدۂ **میتھوان**، مرتبہ ۱۷۰۳ء) اور اس کی رو سے انگلستان کے اُون کو بلا محصول پرتگال کی منڈیوں میں لانے کی اجازت ملی۔ اس کے عوض میں انگلستان کی منڈیوں میں پرتگیزی شراب، فرانسیسی شرابوں سے ایک تہائی کم محصول درآمد پر فروخت ہونے لگی۔ پیش نظر عہد تک زیادہ تر فرانس کی برگنڈی، کلیرٹ اور اسپین کی شیری شرابیں انگلستان میں بکتی تھیں اور اب اُن کی جگہ پورٹ کا رواج ہونے لگا۔

ندرلینڈز کی لڑائیاں

۱۷۰۵ء میں **مارل برو** چاہتا تھا کہ موزل کے خط پر خود فرانس میں پیش قدمی کرے (جیسے ۱۸۷۰ء میں جرمنوں نے اختیار کیا تھا) لیکن اول تو مدد کافی نہیں ملی دوسرے فرانسیسی سپہ سالار ولارز نے ایسے مضبوط مورچے بنائے کہ اُسے اپنی جگہ سے ہٹانا محال ہوا لہٰذا مارل برو نے یہ خیال چھوڑ کر اُن دُھسوں پر حملہ کیا جیسے لیثر کے سقوط کے بعد فرانسیسیوں نے اپنے دائیں پہلو کی حفاظت کے لیے اینٹ ورپ سے نامور تک بنوا دیا تھا۔ اُنھیں انگریزوں نے چھین لیا اور اگر ولندیز سرداروں میں عملی قابلیت کا فقدان نہ ہوتا تو مارل برو فرانسیسیوں پر واٹرلو میں حملہ کرتا اور بقول خود "بلین ہیم سے بھی بڑھ کر فتح" حاصل کر لیتا۔ یہ موقع تو ہاتھ سے نکل گیا البتہ ۱۷۰۶ء میں اُسے پوری آزادی مل گئی اور اسی کی بدولت وہ [illegible] راملیز (راماِئی ای) کی فتح عظیم حاصل کر سکا۔

باب ہشتم

معرکہ رے میلیز اس لڑائی میں فرانسیسی سپاہ کی تعداد ساٹھ ہزار تھی اور ویل رآ اور امیر لوبریا قیادت کر رہے تھے۔ یہ فوج ہلال کی صورت میں کھڑی تھی اور اس کا رخ اتحادیوں کی جانب تھا۔ ایک سرا رود گیٹ کے کنارے اوتراکلیس پر اور دوسرا مہین کے کنارے ٹاویرز کے قریب تھا اور جگہ نسبتہً بلند کوہستانی تھی تو ان کے دائیں وسط پر ایک ٹیکرا واقع تھا جسے اوٹومنڈ کا ٹیلا کہتے تھے اور حقیقت میں سارے میدان کی کنجی یہی تھی۔ اسی کے قریب سے ایک قدیم رومی سڑک ان کی صفوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ اور صرف اسی کے خط کے سامنے زمین صاف تھی ورنہ اُن کے لشکر کے آگے ہر جگہ دلدلی زمین آگئی تھی اور اس میں دو سست ندیاں بہتی تھیں۔ اتحادیوں کی تعداد باسٹھ ہزار تھی اور وہ دلدلوں کے دوسری طرف دشمن کے بالمقابل صف آرا تھے مارل برو سمجھ گیا تھا کہ اگر وہ دلدلوں سے نہیں گزر سکتا تو فرانسیسی بھی ان سے گزر کے حملہ نہیں کر سکتے پس اس نے سب سے اول فرانسیسی جرنیلوں کو صدریہ بائیں سمت پر متوجہ کیا اور پھر اونچی نیچی زمین کے عقب میں نقل و حرکت چھپا کر فوج کا بڑا حصہ رومی سڑک کے کنارے پختہ زمین کی طرف مجتمع کر دیا یہاں پہنچنے میں اُسے کم راستہ طے کرنا تھا لہذا حملے کے مقام پر اُسی کا غلبہ رہا اور اُس نے اوٹومنڈ کا ٹیلا فرانسیسیوں سے چھین لیا جہاں سے پورا فرانسیسی لشکر توپ کی زد میں تھا۔ اسی چال سے میدان اتحادیوں کے ہاتھ آیا اور فرانسیسی توپخانہ، خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بہت بری طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے زخمیوں مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد پندرہ ہزار سے کم نہ تھی۔



معرکہ رے میلیز (۲۳ مئی ۱۷۰۶ء)

باب ششم

فتح کے نتائج

یہ مقام جنگ نِدَرلینڈز کے جنوب مشرقی کونے پر واقع تھا اس لیے اس فتح کو بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اب مارل برو ایسے مقام پر قابض تھا جہاں سے فرانسیسیوں کے عقب میں آجانا ممکن تھا۔ فرانسیسی اپنی سرحدوں سے اتحادیوں کی نسبت زیادہ دور جا پڑے۔ اور مجبور تھے کہ "برسلز، اوس ٹینڈ، اینٹ ورپ اور گان کو یا دشمن کے حوالے کریں یا چھوڑ کر ہٹ جائیں اور خود اپنی سرحد کی حفاظت کریں جس کے مشہور شہر لیل، ٹور نے، موتز، شارلی رآ اور نامور تھے۔ مارل برو نے لکھا کہ "ہم نے چار دن میں وہ کام کرلیا کہ چار برس میں بھی ہوجاتا تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتے" اور یہ کہ اس معرکے کے بعد سے اتنے قصبے اطاعت قبول کرچکے ہیں کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ خواب کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔

دوسرے اقطاع میں بھی ۱۷۰۶ء اتحادیوں کے حق میں مبارک سال ثابت ہوا۔ شہزادہ یوجین کو ٹیورن میں بڑی فتح حاصل ہوئی۔ اور اسپین میں تھوڑی دیر کے لیے خود پائے تخت میڈرڈ اتحادیوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ جبل الطارق کی تسخیر کے بعد اسپین کی انگریزی فوج امیر پیٹر برو کی قیادت میں دی گئی جسے

پیٹر برو اسپین میں

بجا طور پر "آخری بانکا" (Knight-errant) کہتے تھے۔ اس کی قابلیت میں شک نہیں مگر سر پھرا آدمی تھا اور جوش تہور و گریزپائی میں ضرب المثل ہوگیا تھا۔ لیکن اُس کے طبعی خلوص کی ایک مثال یہ ہے کہ بقول خود روپیہ اور محنت کسی کے صرف کرنے میں کسر نہ اٹھا رکھی کہ جس طرح ہوسکے حیلہ جو اسپینیوں اور کاہل وجود جرمنوں کو جو شہزادہ چارلس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، بڑھائے ہوئے لے چلے۔ ان لوگوں کو وہ حقارت سے "وی آنا کی ٹکڑی" کہتا ہے۔ بہرحال ۱۷۰۵ء میں اُس نے بارسی لونا کی اہم بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ ضلع کیٹےلونیا کا جہاں کے لوگ سب سے زیادہ چارلس کے طرفدار تھے، صدر مقام ہے۔ ولنشیا کا صوبہ بھی اتحادیوں کے ہاتھ آگیا۔ ۱۷۰۶ء میں لارڈ گالوے پرتگال کی طرف سے (براہ سلامانکا) بڑھا اور خاص میڈرڈ پر قابض ہوگیا۔

باب ہشتم

اسی عرصے میں فرانسیسیوں نے سپہ سالار تیسہ کی سرکردگی میں بارسی لونا کا محاصرہ کیا اور اُس کی تسخیر میں کچھ کسر نہ رہی تھی کہ امیر البحر لیک نے اُسے غنیم کے پنجے سے نجات دلائی۔ پھر بھی پیٹر برو مدافعت کے لیے دو ڈیڑھ اور دو رات تک کھلی کشتی میں انگریزی بیڑے کی جستجو کرتا پھرا۔ ملکہ نے اُسے سند عطا کر دی تھی کہ بر و بحر میں جہاں کہیں وہ اصالۃً موجود ہو، وہاں اہل فوج کو اُس کا حکم ماننا ہوگا۔ اسی بنا پر دوسری رات انگریزی بیڑے کا پتا چلانے کے بعد وہ اسے سرعت سے بارسی لونا کی طرف لے چلا مگر اُس نے تو محض نمائش کی اور اُس کے آجانے سے وہ کام فی الواقع ہوگیا۔ یعنی فرانسیسی بیڑا اُس کو دیکھتے ہی کھسک گیا اور اسی لیے بارسی لونا کو بچانے کی تعریف و تحسین کا یہی سردار مستحق ہے[1]۔

صلح کی سلسلہ جنبانی

یہ خیال کرنا بجا نہ تھا کہ ان فتوحات نمایاں کی بدولت فرانس کی حد سے بڑھی ہوئی قوت میں کافی کمی آگئی اور اب طبعاً صلح کا سوال پیدا ہوا۔ لوئی آمادہ تھا کہ فلپ کو بیلجز مستقلیہ میلان اور بادشاہی خطاب مل جائے تو وہ اسپین و ہند غربی اور جزائر غرب الہند شہزادہ چارلس کے حوالے کر دے گا۔ ولندیزوں کو ایک دفاعی خط پر چھاؤنیاں بنانے کی اجازت اور انھیں اور انگریزوں کو بعض تجارتی رعایتیں دے دے گا نیز ملکۂ این کی بادشاہی تسلیم کر لے گا۔ یہ شرطیں بالکل معقول نظر آتی تھیں اور ولندیز انھیں قبول کر لیتے مگر مارل برو کی رائے میں یہ ناکافی تھیں اور اسی کی ترغیب سے اتحادیوں نے انھیں مسترد کر دیا جس کی کوئی مناسب تاویل کرنی دشوار ہے۔ بہرحال جنگ کا دوسرا حصہ شروع ہوگیا اگرچہ ۱۷۰۸ء تک کوئی معرکے کی لڑائی نہیں ہوئی۔

تسلیم وقتی

اس عرصے میں کئی اہم واقعات وطن میں رونما ہوئے ۱۷۰۲ء و ۱۷۰۳ء دارالعوام کی ٹوری اکثریت کو جنگ کی بھی اتنی فکر نہ تھی جتنا "تسلیم وقتی" کے قضیے میں انہماک ہوگیا تھا۔ واضح رہے کہ ملدیات اور

---

[1] دیکھو تعلیق باب کے آخر میں۔

باب ہشتم

آزمائش کے قوانین کی رو سے کوئی شخص سرکاری عہدے یا بلدیات کی رکنیت نہ پا سکتا تھا جب تک کہ وہ کلیسائے انگلستان کی رسوم کے مطابق عشائے ربانی میں شریک نہ ہو۔ بہت سے پروٹسٹنٹ غیر مقلد اُسے جائز رکھتے اور پھر اپنے فرقے کے گرجوں میں بھی حسب معمول جاتے رہتے تھے۔ خود ملکہ کے شوہر نے امارت بحری کی صدارت حاصل کرتے وقت یہ رسم ادا کی اور پھر معمول کے مطابق ایک خانگی لوتھری گرجا میں آتا جاتا رہا۔ بلدیات کے اور بہت سے صدر ارکان نیز دوسرے لوگ یہی کرتے تھے اور اس طریقے کو "تعمیل وقتی" کہا جاتا تھا۔ بعض علمائے مذہب جنھیں ہوس تھی کہ سوائے اُن کے دوسروں کو عہدے نہ ملنے پائیں، اس طریقے کی شد و مد سے مخالفت کرتے تھے اور اس بات کا بھی خیال نہ کرتے تھے کہ ایسا کرنے سے خود غیر مقلدوں کی اپنے عقیدے میں خامی ثابت ہوتی ہے۔ غرض تین مذکورین یعنی پادری سچیورل اور نوٹنگھم وغیرہ کی رہنمائی میں ۱۷۰۲ء سے ۱۷۰۴ء میں تین مسودے پیش ہوئے کہ مذکورۂ بالا طریقہ قانوناً روک دیا جائے مگر دار الامرا نے ہر دفعہ انھیں رد کر دیا کیونکہ وہاں حکومت کی طرف سے تو ان مسودوں کی کافی تائید ہوتی نہیں تھی اور اسقف برنیٹ اور وِگ امرا کی ٹولی نے ان کی جم کر مخالفت کی۔

بعض اور معاملات سے بھی انتہا پسند ٹوری بہت دل برداشتہ ہوئے۔ روچسٹر اپنے ساتھ کے وزیروں سے بہت دن سے ہم آہنگ نہیں رہا تھا اور حکومت کی عام روش سے وزرا کو اس درجہ اختلاف ہو گیا تھا کہ حلیم الطبع مارل برو نے ایک بار تحریر کیا کہ "گو مجھے کسی کی موت کی آرزو کرنی ضروری نہیں لیکن اگر سیمور مر جائے تو مجھے یقین ہے کہ ملکہ اور قوم کا کوئی بڑا نقصان نہ ہوگا" ۱۷۰۴ء میں روچسٹر، نوٹنگھم، جرزی اور سیمور عہدوں سے الگ ہو گئے۔ نئے وزیر اُن کی جگہ آئے۔ ہارلی معتمد شاہی اور سینٹ جان جنگی محکمے کا معتمد بنایا گیا۔ ان میں ہارلی ہیرفورڈ شائر کے ایک زمیندار سر رابرٹ ہارلی کا بیٹا تھا۔ یہ سر رابرٹ پیوریٹن تھا، شدید عقائد رکھتا تھا اور چارلس اول کے خلاف لڑ چکا تھا۔ انقلاب کے وقت نوجوان ہارلی نے شہزادۂ اورنج کے لیے

باب ہشتم

رسالہ بھرتی کر کے نام پایا اور چند ہی روز بعد پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ اسے فریقانہ انتہا پسندی اور چند رٹے ہوئے کلمات سے اُصولاً نفرت تھی اور اپنی نسبت کہتا تھا کہ میں کسی فریق کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ مجھے کسی فریق کے وجود پر اعتراض نہیں نہ کسی فریق سے عناد ہے۔" قوت گویائی اچھی نہ تھی مگر انتظام اور سازباز میں بلا کا ہوشیار تھا۔ سنہ ۱۷۰۱ء میں پارلیمنٹ کا صدر منتخب ہوا اور اب اپنے دوست آرل برو کے اثر سے وزارت میں جگہ پائی۔

بخلاف ہارلی کے، ہینری سینٹ جون اعلیٰ اوصاف سے متصف تھا۔ تقریر و تحریر اور نظم و نسق میں اُسے نمایاں امتیاز حاصل تھا مگر اس کا کوئی اصول نہ تھا اور ٹوری فریق کے ساتھ ہو جانے کی وجہ بھی محض یہ تھی کہ اس گروہ کے زمیندار حکومت کے شاکی تھے اور سینٹ جون میں ان کی ترجمانی کرنے کے خاص اوصاف موجود تھے اور بقول خود وہ ان ٹوریوں کو شکار کھلانا جانتا تھا۔ سرکاری عہدہ لینے کے لیے بھی وہ خوشی سے تیار ہو گیا اور محکمۂ حرب کی معتمدی میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا بھی اُسے بڑا میدان ملا۔ عہدہ قبول کرتے وقت ہارلی اور سینٹ جون دونوں جنگ کے حامی تھے مگر سنہ ۱۷۰۶ء میں صلح کی گفتگو ناکام رہی تو دونوں کی آرا میں تغیر واقع ہوا۔ وزارت کی رد و بدل کے وقت مارل برو نے وھگ فرقے کے ایک نوجوان زمیندار، رابرٹ وال پول، کو بھی محکمۂ بحری میں عہدہ دلوا دیا۔ کیونکہ اُس کی رائے اور اثر کو اپنی طرف لینا ضروری تھا۔ مگر آگے چل کے محض معتدل ٹوریوں کو وزارت میں داخل کرنا کافی نہ ہوا بلکہ سنہ ۱۷۰۵ء کے انتخابات میں وھگ فرقے کو بہت کچھ کامیابی حاصل ہوئی تو اُن کے سرگروہوں کی ٹکڑی نے چاہا کہ مجلس وزرا میں بعض بچے وھگ لیے جائیں۔ اور اسی غرض سے امیر سنڈرلینڈ (= چارلس اسپینسر) کا نام پیش کیا جو جیمز ثانی کے پرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ اُس کی عمر تیس سال کی تھی۔ مارل برو کا داماد اور بہت لائق آدمی تھا مگر مزاج بہت بے ڈھنگا اور غضبناک طبیعت پائی تھی۔ بایں ہمہ سنہ ۱۷۰۵ء میں اسے سفیر غیر معمولی بنا کے وی آنا بھیجا گیا

وال پول

سنہ ۱۷۰۶ء میں وہ معتمد شاہی کے عہدے پر مامور ہوا اور اسی تقرر سے نظم و نسق میں جو پہلے صریحاً ٹوری اصول کے مطابق نظر آتا تھا، وھگ فرقے کا غلبہ نمایاں ہونے لگا۔

اسکاٹ لینڈ سے اتحاد کی تجویز

داخلی معاملات میں مارل برو کے عہد اقتدار کا بے شبہ سب سے بڑا کام یہ تھا کہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ میں وضع قوانین کو ایک کر دینے کی تحریک شروع ہوئی۔ جیمز اول کی بادشاہی کے وقت سے ان ملکوں میں علٰحدہ علٰحدہ پارلیمنٹیں قائم تھیں اور کرومویل کے چند روزہ عہد کے سوا، شروع سے یہ ایک دوسرے سے جدا اور خود مختار رہے تھے۔ یہ انتظام اچھی طرح نہیں چلا اور دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے بعض شکایتیں پیدا ہوئیں۔ اسکوٹوں کو سب سے زیادہ شکایت یہ تھی کہ انگلستان کے قوانین جہاز رانی کے باعث ہمیں انگریزی نو آبادیوں کے ساتھ تجارت کی آزادی نہیں اور دوسرے محض انگلستان کی حکمت عملی کے مطابق ہمیں بھی جنگ کے جوکھوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ یہ ناراضیاں ڈے رئین تجاویز کی ناکامی سے اور زیادہ بڑھ گئیں جس کی شرح یہ ہے کہ سنہ ۱۶۹۳ء میں اُنھوں نے اپنی پارلیمنٹ کی منظوری سے افریقہ اور شرق الہند میں تجارت کرنے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کی۔ ولیم پیٹرسن جو انگلستان کے بینک (ساہوکاری کوٹھی) کے بانیوں میں تھا، مذکورۂ بالا کمپنی بنانے میں پیش پیش رہا اور اسی نے خاکنائے ڈے رئین کو آباد کرنے اور وہاں نئی دُنیا کی ایسی ہی بڑی مرکزی منڈی بنانے کی، جیسی پرانی دُنیا میں اسکندریہ بن گئی تھی، کثیر العواقب تجاویز مرتب کی تھیں۔ اسکاٹ لینڈ والوں نے یہ سوال بہت ذوق شوق سے اُٹھایا اور پیٹرسن نئی کمپنی کے مستقبل کی نسبت بہت ہی امید افزا اطلاعیں شایع کر رہا تھا جس سے ولندیزوں اور انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو حسد پیدا ہو گیا۔ اس کمپنی کو معلوم تھا کہ گویہ نیا کارخانہ اسکاٹ لینڈ والوں کے نام سے قائم ہوگا لیکن اس شرکت میں بہت سے انگریز حصہ دار بھی ہیں اور اسی لیے وہ ڈری کہ ممالک مشرق میں اُس کے

باب ہشتم

تجارتی ادارے کی خیر نہ ہوگی۔ اُدھر جدید کمپنی نے چار لاکھ پونڈ اسکاٹ لینڈ میں جمع کرکے تین مضبوط جہاز اور دو ہمرکاب کشتیاں تیار کرلیں اور بیوی بچوں کے علاوہ، بارہ سو تندرست مرد لیتھ کی بندرگاہ سے جولائی ۱۶۹۸ء میں نئی آبادی بسانے روانہ ہوگئے۔ دوسرے سال چند اور جہاز بھی روانہ ہوئے اور آبادکاروں نے خاکنائے ڈورے رین میں اُتر کے پناما کے قریب سینٹ اینڈرو کے نام پر ایک حصار تعمیر کیا۔ لیکن یہ سارا منصوبہ کلیۃً ناکام ثابت ہوا جس کا سبب یہ کہ زمین کاشت کرنے کی بجائے آبادکاروں نے ساری قوت سونے کی بیکار تلاش میں خرچ کردی۔ آب وہوا کی خرابی سے صدہا آدمی بخار کا لقمہ ہوئے۔ امریکہ اور غرب الہند کے انگریز آبادکار اس نوآبادی کے دشمن تھے۔ انھوں نے جہازرانی کے قوانین کی لفظاً لفظاً ایسی پابندی کی کہ نوواردوں کو روٹی بہم پہنچانے سے بھی انکار کردیا۔ یہ اسباب منصوبے کو بگاڑنے کے لیے کافی تھے۔ ان سب پر مستزاد یہ ہوا کہ اسپین والوں نے اس علاقے کو اپنی ملکیت بتایا اور یہ سمجھ کر کہ نئی نوآبادی اسپین کی نوآبادیوں سے تجارت کرنے کے لیے بسائی جارہی ہے، جو اسپین کے قوانین کے خلاف تھا، وہ بھی طبعاً اس کے خلاف ہوگئے۔ اور ۱۷۰۰ء میں اُسے گھیر کر سامان رسد بند کردیا۔ فاقہ کشی کی نوبت پہنچی تو اسکوٹ آبادکاروں نے مجبوراً اپنے آپ کو اسپین والوں کے حوالے کردیا اور جو لوگ زندہ رہ گئے تھے، وہ بمشکل اپنے وطن واپس آئے اور انھی میں پیٹرسن بھی تھا۔ اگر جملہ حالات حسب دلخواہ ہوتے، تب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ منصوبہ کیونکر کامیاب ہوسکتا تھا کیونکہ اس وقت اسکاٹ لینڈ والوں کے پاس ایسے تجارتی وسائل نہ تھے کہ بطور خود تجارت کی بارونق منڈی قائم کردیتے۔ بہرحال، اس کی ناکامی سے بہت لوگوں پر سخت مصیبت پڑی اور اس میں انگریزوں کی علانیہ دشمنی سے اضافہ ہوا اور خواہی نخواہی دونوں ملکوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ انگریز یہ سوچنے لگے کہ این کی وفات کے بعد قانون تصفیۂ وراثت کی رو سے جو شخص اس کا جانشین ہو،

باب ہشتم

بہت ممکن ہے کہ اسکاٹ لینڈ والے اسے قبول نہ کریں اور بادشاہی کی وحدت کا خاتمہ ہو جائے۔ اور اُدھر اسکوٹوں کو خوف ہوا کہ اگر دونوں ملکوں کی مجلس وضع قوانین (یا پارلیمنٹ) ایک ہو گئی تو اسکاٹ لینڈ کے پرس بی ٹری مذہب میں خرابیاں پڑیں گی۔ ہمارے قوانین اور رسم و رواج میں تغیر کیا جائیگا اور انگریزوں کا قومی قرضہ ادا کرنے کے لیے ہم پر نئے نئے محصول عاید ہوں گے۔

واضح رہے کہ شاہ ولیم خوب سمجھتا تھا کہ دونوں ملکوں کی شکایتوں کا بہترین سدباب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دونوں پارلیمنٹیں ملا کر ایک کر دی جائیں اور دونوں میں تجارت کی کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ چنانچہ اپنے بستر مرگ پر اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ دونوں ملکوں کے وکلا جمع ہو کر اتحاد کی شرطیں طے کریں۔ این کے زمانے میں اس پر عمل ہوا اور گو اتحاد کی اجمالی ضرورت پر بھی وکلا متفق الرائے تھے، لیکن مالی تفصیلات میں اختلاف رہا اور ان کے اجلاس کا سلسلہ روک دیا گیا۔ اس پر بھی اہل اسکاٹ لینڈ چراغ پا ہوئے اور ۱۷۰۳ء میں اُن کی پارلیمنٹ نے بہت مخالفانہ روش ظاہر کی۔ یعنی یہ قرارداد منظور کی کہ ہمارے ملک میں اصلی عیسائی مذہب پرس بی ٹری طریقہ ہے۔ ایک قانون تحفظ تیار کیا جس کا منشا یہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ کو حق ہے کہ جب تک حکومت کے ایسے آئین مقرر نہ ہو جائیں جس سے پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ اسکاٹ لینڈ والوں کی تجارت، آزادی یا مذہب پر کوئی آسیب نہ آئے گا، اس وقت تک چاہے تو انگلستان کے نامزد کردہ بادشاہ کو قبول کرے یا نہ قبول کرے۔ اسی کے ساتھ اسکاٹ لینڈ کے وزیروں کو نامزد کرنے کا اختیار بادشاہ سے لے کر اپنی پارلیمنٹ کے حوالے کرنے کی بھی تجویز کی گئی۔

سومرس کا قانون | یہ کیفیت دیکھ کر سومرس کی رہنمائی سے انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک قانون وضع کیا گیا جس سے اسکاٹ لینڈ والوں کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہی کی علیحدگی کا منطقی نتیجہ کیا ہو گا۔ اس میں درج تھا کہ

باب ہشتم

اگر ۱۷۰۵ء کے اخیر تک اسکاٹ لینڈ میں وراثت بادشاہی کا فیصلہ نہ ہو جائے تو سنہ مذکور کے بڑے دن کے بعد سے اسکاٹ لینڈ کا ہر باشندہ جو انگلستان میں مستقل طور پر آباد نہیں ہو گیا ہے یا شاہی افواج میں ملازم نہیں ہے۔ غیر ملکی آدمی شمار ہو گا اور اسی تاریخ کے بعد سے اسکاٹ لینڈ کے مویشی، کوئلہ اور سوتی کپڑا انگلستان میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی کے ساتھ بروک وغیرہ شمالی سرحد کے چار بڑے قلعوں کی مرمت اور چار ملی شمالی اضلاع کی فوج بے قاعدہ کو فوجی مشق کرانے کے احکام صادر کر دیے گئے۔ ان کارروائیوں سے اسکاٹ لینڈ والوں کو نظر آ گیا کہ انگلستان اپنی بات منوانے پر تلا ہوا ہے اور انھوں نے دوبارہ ناظر یا وکلا مقرر کرنے کی منظوری دے دی اور ادھر یہ منظوری ہوتے ہی قانون ۱۷۰۴ء کی معاندانہ دفعات بلا تاخیر منسوخ کر دی گئیں۔

شرطیں اور اتحاد کی تکمیل

باہمی فیصلے میں، پہلے کی طرح، اس مرتبہ بھی سب سے بڑی مشکلات مذہب، قانون اور محاصل کے بارے میں پیش آئیں۔ مگر ان سب مسائل میں انگریز دب گئے اسکاٹ لینڈ کے مذہب، قوانین اور طریق دادرسی کے علیٰ حالہ رہنے کا اطمینان کر دیا گیا۔ دونوں ملکوں کی زیرباری کو برابر کر دینے کی غرض سے انگلستان نے ۳۹۸۰۰۰ پونڈ، اسکاٹ لینڈ کو دیے کہ اپنا قومی قرضہ اور ڈیرین کمپنی کے حصہ داروں کی رقم ادا کر دی جائے۔ تمام تجارتی آسانیاں جو انگلستان کو حاصل تھیں، بلا استثنا اسکاٹ لینڈ کو دے دی گئیں۔ انگلستان کی پارلیمنٹ جو میعادی محاصل پہلے عائد کر چکی تھی، اُن سے اسکاٹ لینڈ کو معاف رکھا گیا۔ بیس ہزار پونڈ بھیج کر اسکاٹ لینڈ کے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں ادا کی گئیں اور یہی کارروائی تھی جس کو بعض اوقات رشوت دینے کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان سب کے معاوضے میں اسکاٹ لینڈ والے رضامند ہو گئے کہ دونوں متحدہ ملکوں کا نام برطانیہ کلاں رکھا جائے۔ اُن کی علیحدہ کوئی پارلیمنٹ نہ ہو بلکہ اضلاع اسکاٹ لینڈ کے پینتالیس نمائندے دارالعوام میں اور ہر عام انتخاب کے وقت ازسرنو انتخاب کیے ہوئے سولہ امرا، دارالامرا میں داخل ہوں اور اسکاٹ لینڈ میں

باب ششم

کوئی نیا آدمی امیر نہ بنایا جائے۔

وکلا کی بحث و گفتگو ہو چکی تو انھی آرا کی بنا پر ایک قانون اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ میں پیش ہوا اور وہ خفیف ترمیم کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ میں یہی مسودہ پیش ہوا تو ملکہ نے تمہیدی تقریر میں ارکان کو جتایا کہ "یہ موقع ہے کہ آپ دونوں سلطنتوں کا مبارک اتحاد تکمیل کو پہنچا دیں، جو امید ہے کہ پورے جزیرے کے حق میں آیۂ رحمت ثابت ہوگا اور اس کی دولت و قوت میں اضافہ اور پروٹسٹنٹ مذہب میں مزید پختگی پیدا کرے گا۔" انھی جذبات کے ساتھ مسودے پر غور ہوا اور اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جو ترمیمات پیش ہوئی تھیں، وہ سب بے تامل قبول کر لی گئیں۔ ملکہ کی آخری منظوری کے بعد ۲۳ر اکتوبر ۱۷۰۷ء کے دن برطانیۂ کلاں کی متحدہ پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ہوا۔

یہ اتحاد اُس وقت اور کچھ عرصے بعد تک اسکاٹ لینڈ میں عام طور پر مقبول نہ تھا۔ ۱۷۰۶ء میں عوام کے ایک مجمع نے اُس تحریر کو جس میں اتحاد کی شرطیں طبع کی گئی تھیں، آگ لگا دی۔ امرا اور یعقوبی فرقے کی خاصی بڑی تعداد اُس کی مخالف تھی اور غالباً چند سال تک یہ ناراضی گھٹنے کی بجائے بڑھتی رہی جس کا بڑا سبب یہ ہوا کہ بہت سے انگریز عہدہ دار اسکاٹ لینڈ میں بھر دیے گئے لندن میں پارلیمنٹ کے اسکوٹی ارکان کے ساتھ بہت بے شعوری کا سلوک کیا گیا اور ۱۷۱۲ء میں اُن کی خواہش کے خلاف قانون امتناع وضع کیا گیا جس سے کلیسائے اسکاٹلینڈ میں شخصی ولایت و سرپرستی کی رسم دوبارہ جائز ہو گئی۔ لیکن خوش قسمتی سے حکومت برطانیہ نے اس طرز عمل کی حماقت کا جلد اندازہ کر لیا اور وال پول نے برسر اقتدار آتے ہی پورا اہتمام کیا کہ اسکاٹ لینڈ میں وہیں کے باشندوں سے کام لینے کی تنظیم قائم کر دی جائے اور ان شمالی برطانویوں کے جذبات و تعصبات کا پورا لحاظ رکھا جائے، تب، خواہی نخواہی وضع قوانین کی وحدت کے مستقل فوائد پر انصاف سے غور ہوا اور اُن سے رفتہ رفتہ اسکاٹ لینڈ والوں کے دل میں انگریزوں کی محبت نہیں تو کم سے کم قدر ضرور ہوئی۔ واقع میں دونوں قوموں کو

باب ہشتم

اس انتظام سے بڑا نفع ہوا تھا کہ انگلستان تو ہر وقت کے خطرے سے چھوٹ گیا اور اسکاٹ لینڈ کو انگلستان اور نو آبادیوں سے آزادانہ تجارت میں بہت منافع رہا جس کے مقابلے میں محض ایک قومی جذبے کی خفیف سی قربانی کچھ زیادہ نہ تھی خصوصاً جب کہ مذہب و قانون کے متعلق اس کے خصوصیات کا پورا لحاظ کر لیا گیا تھا۔ دولت کے اعتبار سے تو بے شبہ اتحاد نے اسکاٹ لینڈ کو مالا مال کر دیا مگر اس اتحاد سے فائدہ اٹھانے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کی قومی پارلیمنٹ چند ہی سال پہلے یعنی ۱۶۹۶ء میں ایک قانون منظور کر چکی تھی جس کی رو سے ملک کے ہر کلیسائی حلقے میں ایک مدرسہ بنا اور کم سے کم ایک مدرس نوکر رکھا گیا تھا۔ قومی تعلیم کا یہی نظام تھا جس کی بدولت اسکاٹ لینڈ کو مدت تک یہ شہرت حاصل رہی کہ یورپ کے کاشتکاروں میں سب سے اچھے تعلیم یافتہ اسکاٹ لینڈ کے کسان ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں جہاں تعلیم کی ضرورت ہے، دنیا کے سب ملکوں میں اہل اسکاٹ لینڈ کو اپنے تناسب تعداد سے کہیں زیادہ دخل حاصل ہے۔ اتحاد کے نئے مواقع سے جس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا، اس کی وجہ بھی اسی عام تعلیم کے افتتاح و رواج کو سمجھنا چاہیے اور گلاسگو کی یوماً فیوماً توسیع و ترقی، نیز میدانی اضلاع کے صنعتی کارخانوں کا بڑھتے چلے جانا ان سے بہت جلد تجارتی فلاح و بہبود کا حال بداہتہً عیاں ہونے لگا خود اہل انگلستان کے خیالات میں اسکاٹ لینڈ والوں خاص کر وہاں کے کوہستانیوں کی نسبت جو تبدیلی ہوئی، وہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی کہ وہی پہاڑی لوگ جو انگلستان کے حق میں قہر الٰہی سمجھے جاتے تھے، سو برس کے اندر قوم کا نہایت ہر دل عزیز عنصر بن گئے۔ پھر خود ہمارے زمانے میں اس موانست میں مزید ترقی یوں ہوئی کہ ان پہاڑوں کے مناظر عام طور پر پسند کیے جانے لگے۔ انھیں دیکھنے ہزاروں انگریز سالانہ وہاں جانے لگے اور بالؔ مورل میں دربار شاہی کا مستقر بن گیا۔ زمانۂ گزشتہ میں دونوں قومیں بارہا سخت لڑائیاں لڑی تھیں۔ لیکن کسی نے نامردی نہیں دکھائی تھی، لہٰذا اب ان معرکوں کے کارنامے دونوں کی متحدہ قوم کی

باب ششم

نظر میں قابل فخر و مباہات ہو گئے اور فیصلہ کر لیا گیا کہ زمانۂ ماضی کی ہر ایسی بات
جس سے عہد حاضرہ کی محبت و یک جہتی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو نسیاً منسیا
کر دی جائے گی اور ان سب اسباب نے مل کر اس قومی اتحاد کو کامل و دوامی شے بنا دیا۔

مدعی تخت تکمیل اتحاد کے دوسرے سال، جبکہ اہل اسکاٹ لینڈ
میں اُس کی طرف سے ناخوشی پائی جاتی تھی، شاہ فرانس نے
اسکاٹ لینڈ کے یعقوبیوں کو بھڑکا کے بغاوت کرانے کی کوشش کی۔
منصوبہ بہت خوبی سے بنایا اور یہ کام فرانس کے بہترین جہازراں **فوربن** کے
تفویض ہوا کہ **ڈنکرک** سے تخت انگلستان کے نوجوان مدعی کو لے کر چلے
اور چار ہزار جوانوں کے ساتھ فورتھ کی کھاڑی میں لنگر ڈالے جہاں مقامی
انگریزی فوج کا شمار سترہ سو تھا اور امید تھی کہ اُسے آسانی سے شکست دیدی جائیگی
اور اس علاقے کے لوگ گرمجوشی کے ساتھ مدعی کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔
لیکن شہزادے کے چیچک نکل آئی مہم کو ایک ہفتے انتظار میں ٹھیرنا پڑا اور
حکومت انگلستان کو بر وقت خبر مل گئی۔ چنانچہ **فوربن** کے پانچ جہاز دل
کے عقب میں **بنگ** سولہ جہاز لے کے روانہ ہو گیا اور اس بیشی کے مقابلے
میں **فوربن** سے بنائے کچھ نہ بنی۔ **بنگ** نے فورتھ کی کھاڑی پر اُسے جا لیا
اور اُس نے **ایک** جہاز کا نقصان اُٹھا کے خود بچ جانا اور مدعی کو بخیریت
واپس فرانس لے آنا ہی غنیمت خیال کیا۔

بری معرکے ۱۷۰۸ء میں فرانسیسیوں نے **فلینڈرس**، **جرمانیہ** اور
سب سے بڑھ کر اسپین میں خلاف امید پے در پے
نمایاں فتوحات حاصل کیں مگر ۱۷۰۸ء میں **مارل برو** اور **یوجین** کی فوجیں
اول الذکر علاقے میں ایک دوسرے سے مل گئیں پورے شد و مد سے مقابلہ
ہونے لگا۔ موسم بہار کے شروع ہی میں دشمن کو **گانٹ** اور **بروژ** پر وہاں کے
بعض باشندوں کی مدد سے دوبارہ قبضہ مل گیا تھا اور ان تک آمد و رفت کا
پورا اطمینان رکھنے کی غرض سے اب وہ قلعۂ **اوڈنارڈ** کا محاصرہ کر رہے تھے۔
یوجین کی فوج نہ پہنچ سکی لیکن وہ خود بعجلت بڑھ کر **مارل برو** سے آملا اور

اب یہ دونوں قلعے کو دشمن سے چھڑانے آگے بڑھے۔ فرانسیسی سپاہ امیر کبیر وان دوم اور لوئی کے پوتے شہزادۂ برگنڈی کی زیر قیادت تھی۔ وان دوم نہایت عمدہ قابلیت کا سپاہی تھا مگر اُس کی بے رحمی دیکھ کر نوجوان شہزادہ بیزار ہو گیا تھا۔ اسی لیے اُن کی رائے میں ہم آہنگی نہ رہی تھی۔ بخلاف اس کے یوجین اور مارل برو دوسرے مقامات کی طرح، یہاں بھی پوری یک جہتی سے کام کر رہے تھے۔ اصلی معرکہ خود اودنارد کے قریب پڑا جبکہ دونوں فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں اور کوئی باقاعدہ مورچے وغیرہ بنانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ لڑائی میں یوجین اور مارل برو تو بالاتفاق مشترکہ فتح کی کوشش میں منہمک رہے لیکن وان دوم کے احکام کو دو مرتبہ اُس کے نوجوان و ناتجربہ کار شریک نے الٹ اُلٹ دیا۔ انھی وجوہ سے اتحادیوں کو شکست کامل نصیب ہوئی۔ مارل برو تو اسی سلسلے میں خود فرانس میں گھس جانے کو ترجیح دیتا لیکن لیل کے تسخیر ہونے سے قبل ایسی جرأت یوجین تک کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ چنانچہ اتحادیوں نے پہلے لیل کا محاصرہ کیا۔ اصل محاصرے کا کام یوجین کے تفویض ہوا اور اُس کی حفاظت مارل برو نے اپنے ذمے لی۔ شہر کی مدافعت سپہ سالار بوفلے کے ہاتھ میں تھی جو پہلے نامور کا

محاصرۂ لیل قلعہ دار تھا اور سارے یورپ کی نگاہیں ادھر لگ گئی تھیں۔ مارل برو بھی ظاہر ہے کہ بیرونی حملوں کو روکنے ہی کے کام میں رہا اور وی نن ڈیل کے معرکے کے سوا اُسے کوئی خاص لڑائی نہ لڑنی پڑی۔ وی نن ڈیل میں اُس کے دو بہترین سردار، ویب اور کیڈوگن اُسی بے جگری سے جیسی کہ ایک زمانے میں سر جان فیس ٹولف (صفحہ ۹) سے ظہور میں آئی تھی۔ دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلے میں نکلے اور سامان رسد کے قافلے کو بچا لیا۔ محاصرہ ۲۲ راگست سے ۹ ردسمبر تک رہا، جس کے بعد بوفلے نے ہر ممکن تدبیر کرنے کے بعد قلعہ حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی بروژ اور گال بھی دوبارہ اتحادیوں کے ہاتھ آ گئے۔

مال پلاکے ۱۷۰۹ء میں لوئی نے فوج کی قیادت ویل یار کے تفویض کی۔

بابِ ششم

یہ وہ صدر سپہ سالار تھا جس نے ۱۷۰۵ء میں کامیابی سے موزیل پر دشمن کو روکا تھا اور گو اس کی سپاہ تعداد میں اتحادیوں سے کم تھی تاہم اُسے ولار نے اس خوبی سے جمایا تھا کہ مارل برو اور یوجین حملے کی جرأت نہ کر سکے بلکہ (۷ رجولائی کو) ٹور نے کا محاصرہ کرنے پر قناعت کی۔ ۳۰ ستمبر کو یہ قلعہ تسخیر ہو گیا۔ گزشتہ سال بو فلے نے جیسی پامردی دکھائی تھی، اس کے مقابلے میں یہاں کی مدافعت کمزور نظر آتی ہے۔ پھر اتحادیوں نے مونز کو آگھیرا اور اسی کو بچانے کی غرض ویلیار و بوفلے، نوے ہزار سپاہی لے کر چلے اور دو جنگلوں کے درمیان مال پلاکے کے قریب پڑاؤ ڈالا اور خندقوں اور شہتیروں کے دمدمے بنا کے بہت مضبوط مورچے تیار کر لیے۔ اسی پڑاؤ پر ۱۱ ستمبر کے دن مارل برو اور یوجین نے برابر کی تعداد سے اُن پر حملہ کیا اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ اس پوری جنگ کے زمانے میں کہیں نہ ہوئی تھی۔ مارل برو اور یوجین دونوں سب سے اگلی صفوں میں لڑے اور یوجین کے ماتھے پر گولی کا زخم آیا۔ ویلیار گھٹنے پر زخم کھا کے بیکار ہو گیا۔ اتحادیوں میں لارڈ ٹلی بردین کے اسکوٹی پہاڑیوں (باشندگانِ آتھول) نے اور دوسری جانب آئرستانی جلاوطنوں کے جیش نے جو فرانسیسیوں کی طرف سے لڑنے آیا تھا، بہت نام پایا۔ دونوں طرف سخت نقصان ہوا مگر حملہ آوروں کے کہیں زیادہ آدمی مارے گئے۔ بایں ہمہ فرانسیسی قلب میں اتحادی گھس گئے اور بوفلے کو ترتیب میں خلل آئے بغیر لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس خونیں معرکے میں فرانسیسیوں کے ۱۲ ہزار اور اتحادیوں کے کم سے کم بیس ہزار سپاہی کام آئے البتہ اس خوفناک قربانی سے مونز کے محاصرے میں آیندہ خلل واقع نہ ہوا اور ۲۰ اکتوبر کو وہاں کی مقامی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح لیل، ٹورنے، اور مونز تینوں پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا اور فرانس کے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

اسپین کی لڑائیاں

اسپین میں قسمت نے بہت سے پلٹے کھائے۔ ۱۷۱۰ء میں پیٹربرو کو واپس بلا کے سپہ سالار اسٹین ہوپ کو

باب ہشتم

بھیجا گیا تھا لیکن وہ ابھی بارسی لونا ہی میں رکا ہوا تھا کہ کیسٹیل کی اتحادی فوج پر فرانسیسیوں نے حملہ کیا۔ ان کا سپہ سالار شہزادۂ بروک رفتہ رفتہ فرانسیسی سپاہ کا بہترین سردار ہوتا جاتا تھا اور المانزا میں سخت ہزیمت کھا کے آیا تھا۔ بارے یہاں کی لڑائی سے وسطی صوبے پھر شہزادۂ فلپ کے قبضے میں آ گئے اور اب جنگ میں اراگون اور کیسٹیل کی وہی پرانی رقابت کا رنگ آ گیا کہ اراگون اور اُس کے بڑے شہر بارسی لونا اور ویلنشیا تو شہزادۂ چارلس کا دم بھرتے تھے اور کیسٹیل کا علاقہ جس کا صدر مقام میڈرڈ تھا، فلپ کے ساتھ تھا۔ تاہم ۱۷۰۸ء میں اسٹے نہرم برگ اور اسٹین ہوپ کی قیادت میں اتحادی سارڈینیا کے لینے میں کامیاب ہوئے اور اسی سال انگریز سپہ سالار نے پورٹ ماہون پر قبضہ کر کے جزیرۂ منورکا کو انگریزوں کے لیے محفوظ کر دیا۔ بحر متوسط کی بہترین بندرگاہ اسی جزیرے میں تھی اور اس کی تسخیر اسٹین ہوپ کے نزدیک بحر متوسط کے تمام ممالک کو امن و جنگ، دونوں حالتوں میں، اپنے قانون کا پابند بنانے کے لیے کافی تھی۔ البتہ اطالیہ میں یوجین کے چلے جانے سے فرانس کا پلہ بھاری رہا۔ مگر کسی فریق کو بھی کامل غلبے کی توقع نظر نہ آتی تھی اور مال پلاکے کی لڑائی سے ثابت ہو گیا تھا کہ فرانسیسی سپاہی اور اُس کے سرداروں کا دم خم وہی ہے جو پہلے تھا۔ تاہم لوئی جنگ ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی افواج کو ہر جگہ ناکامی نصیب ہوئی۔ اُس کا خزانہ بے حد ابتر حالت میں تھا اور وہ کچھ روز سے اتحادیوں میں جس کسی کے ساتھ موقع ملتا، صلح کی سلسلہ جنبانی کرتا تھا۔ اب بھی اس نے ۱۷۰۶ء کی شرطوں کو تمام و کمال تسلیم کرنے کے علاوہ یہاں تک آمادگی ظاہر کی کہ اسپین کی بادشاہی کے تمام دعاوی سے دست بردار ہو جائے گا لیکن اتحادی اُسے اور دبانے کے خواہشمند تھے اور اُس کی تحریک کے جواب میں انھوں نے یہ نامعقول مطالبہ پیش کیا کہ لوئی اپنے پوتے کے دعاوی سے تبرا کرنے کے ساتھ اُسے اسپین سے جبراً نکال دینے میں عملی حصہ بھی لے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی خوددار بادشاہ ایسی فرمائش قبول

باب ششم

نہ کرسکتا تھا۔ لوئی نے جواب دیا کہ اگر مجھے تلوار ہی چلانی ہے تو اپنی اولاد کی بجائے دشمنوں پر وار کرنے کو ترجیح دوں گا۔" چنانچہ لڑائی جاری رہی۔ اتحادیوں کو اپنی ضد سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اگرچہ مارل برو نے فرانس میں پیش قدمی کی اور ۱۷۱۰ء میں دوآ اور ۱۷۱۱ء میں بوشین کے قصبے چھین لیے لیکن اسپین میں اتحادیوں کو شدید ہزیمتیں ہوئیں اور اسٹین ہوپ نے ابتدا میں دو معرکے جیت کر بالآخر سپہ سالار وان دوم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس نامور سپہ سالار کو لوئی نے اپنے پوتے کی بگڑتی ہوئی قسمت بنانے کی غرض سے اسپین روانہ کیا تھا۔

وزرا کی ریشہ دوانیاں

اب ہمیں وطن کے معاملات پر توجہ کرنی چاہیے۔ ۱۷۰۸ء کے انتخابات ایسے موقع پر ہوئے جب کہ مدعی تخت نے اسکاٹ لینڈ میں فوج اتارنے کی کوشش کی تھی اور لوگ بہت پریشان وخوف زدہ ہو رہے تھے۔ لہٰذا وِگ فرقے کو فائدہ پہنچا اور وزارت میں بھی مزید تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ کچھ مدتوں سے وزیروں کے باہمی تعلقات بھی کچھ خوشگوار نہ تھے۔ ۱۷۰۸ء کی ایک تحریر میں گڈولفن فریاد کرتا ہے کہ میری زندگی کے مقابلے میں جنگی جہاز چلانے والے غلاموں کی زندگی بھی جنت نظر آتی ہے۔ فساد کی جڑ مارل برو تھا اور اسی خلقی سازشی نے محل سرا کے ایک قضیے کو اپنی اغراض کے حصول اور ساتھیوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنایا تھا۔ اصل یہ ہے کہ ولیم کے عہد میں بیگم مارل برو نے ایک مفلوک الحال چچا کی اولاد پر ترس کھایا اور ملک میں مختلف خدمات پر نوکر رکھوا دیا تھا۔ ایک کو فوج میں سرداری مل گئی۔ ایک کو کروڑگیری کا عہدہ ملا۔ ایک لڑکی خردسال شہزادۂ گلوسٹر کے توشک خانے میں اعزازی جامہ شو مقرر ہوئی اور ایک اور لڑکی، مسماۃ ابی گیل، خود شہزادی این کی خوابگاہ کی باری دار بنادی گئی اور اُس کے تخت نشین ہونے کے بعد بھی اسی خدمت پر فائز رہی۔ یہ ابی گیل بہت خوش مزاج اور شیریں ادا عورت تھی تھوڑے ہی دن میں ملکہ جیسے بیگم مارل برو کے مغرورانہ طور ناگوار گزرنے لگے تھے،

باب ششم

ابی گیل پر مہربان ہو گئی۔ اس کی مصاحبت اور اُس کی محبت کے قصوں سے دلچسپی لینے لگی اور جب اُس کی شاہی باری دار فرانسس میشیم سے شادی ہوئی تو ملکہ نے مجلس عروسی کو اپنی شرکت سے اعزاز بخشا۔ بیگم مارلبرو ملکہ کی یہ عنایتیں دیکھ کر سخت جز بز ہوئی لیکن اُس نے ابی گیل کو نقصان پہنچانے کی جو کوششیں کیں، اُن سے اُلٹا اُسے فائدہ پہنچا اور نیک دل ملکہ کو سخت صدمہ ہوا کہ بیگم مارلبرو اپنی عمزاد بہن کے ساتھ ایسا عناد رکھتی ہے اور اُسے تباہ کرنے کی فکر میں ہے۔

لیکن اس تمام قضیے کو سیاسی اہمیت اس لیے حاصل ہوئی کہ ابی گیل، وزیر ہارلی کی بھی قریبی بہن تھی اور اُس نے مارلبرو اور گڈولفن کا اثر مٹانے کی غرض سے ابی گیل کو محل سرائے شاہی میں گویا اپنا وکیل بنا لیا تھا۔ وہ خود اس مقصد کے لیے یہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ ملکہ کو جو کلیسا کی سود و بہبود کی ہر وقت فکر رہتی تھی، اس سے فائدہ اٹھائے۔ اسی فکر نے ملکہ کو ہمیشہ ٹوری فریق کی طرف مائل رکھا جسے وہ "کلیسائی فریق" کہا کرتی تھی۔ لیکن وزیروں کے اثر سے آزاد ہونے کی پہلی علامت یہ تھی کہ اُس نے اُن سے مشورہ لیے بغیر کئی ٹوریوں کو اسقف مقرر کر دیا۔ یہ دیکھ کر گڈولفن اور مارلبرو بہت گھبرائے اور اُنھوں نے اپنے سازشی خواجہ تاش کو موقع ملتے ہی معزول کرنے کی ٹھان لی۔ اتفاق سے انھی دنوں ہارلی کے دفتر کا ایک منشی مدعی تخت کو سرکاری کاغذات کی نقل بھیجنے کے جرم میں پکڑا گیا۔ ہر چند کمال غفلت کے سوا ہارلی کا اس میں کوئی قصور نہ تھا تاہم اُس کی وفاداری کو مشکوک کرنا ممکن ہو گیا۔ پھر بھی ملکہ اُس کی حمایت پر جمی رہی اور اُسے مجبور کرنے کے لیے گڈولفن اور مارلبرو خود استعفا دینے پر تیار ہو گئے۔ آخر اُن کی چال چل گئی۔ فروری ۱۷۰۸ء میں ہارلی اور پھر اسی سلسلے میں سینٹ جان وغیرہ کئی ٹوری وزیر مستعفی ہوئے اور اُن کی جگہ وہگ فریق کے اشخاص مقرر کیے گئے۔ ان میں قابل ذکر والپول ہے جو سینٹ جان کی بجائے مقرر کیا گیا۔ اب وزارت عملاً وہگ ہو گئی تھی لیکن وہگ اُمرا کی "ٹکڑی" کو اصرار تھا کہ اور قوت حاصل کی جائے۔ انھیں

باب ششم

سب سے بڑا ہتھیار امارت بحری کے محکمے سے ملا جہاں شہزادۂ جارج (ڈین مارکی) اور مارل برو کا بھائی امیر البحر جرچل صدارت کے عہدے پر فائز تھے۔ وہگ اُمرا نے اُن سے بڑی چالاکی سے کام لیا اور یہاں تک دھمکی دی کہ شہزادے کا نام منظر عام پر لانے میں دریغ نہ کریں گے حالانکہ اُس وقت وہ بستر مرگ پر پڑا تھا غرض ملکہ کو مجبور کر دیا کہ سومرس کو مجلس شاہی کا صدر اور وھارٹن کو آئرستان کا والی مقرر کیا جائے۔ پھر شہزادۂ جارج نے وفات پائی تو اُس کی جگہ بھی ایڈورڈ رسل (لارڈ اُرفورڈ) امارت بحری کا صدر ناظم بنایا گیا۔

سیک وے ریل

۱۷۰۸ء سے ۱۷۱۰ء تک یہ تبدیلیاں ہوئیں اور بظاہر وھگ فریق کی کامل کامیابی کی دلیل تھیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے حصول میں کافی ناخوشی مول لی گئی تھی اور اسی سے بالآخر ٹوریوں کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کا راستہ تیار ہوا۔ جیسا کہ اکثر ہوا ہے، حکام کی غلطی کا اثر متبعین تک متعدی ہوا۔ کلیسا میں مدت سے ایک مناظرہ چھڑا ہوا تھا کہ بعض بڑے علما تو بادشاہ کی اطاعت پر اتنا زور دیتے تھے جیسے گزشتہ انقلاب حکومت سے کوئی مطابقت نہ تھی اور دوسری طرف "علمائے زیریں" اصول انقلاب کی تائید میں یہاں تک بڑھ گئے کہ بغاوت قریب قریب جائز کیے دیتے تھے۔ اسی سلسلے میں ۵ نومبر ۱۷۰۹ء کے دن ڈاکٹر سیک وے ریل نے بلدیۂ لندن کے سامنے "ملک و کلیسا کے جھوٹے بھائیوں" کے خوفناک نتائج پر وعظ کیا۔ یہ شہر کا پادری تھا اور قابلیت سے بڑھ کر زعم رکھتا تھا۔ اس وعظ میں (نیز گزشتہ گرمیوں کے ایک پہلے وعظ میں جو ڈربی کی عدالت گاہ میں کہا کہ اُس نے انقلاب حکومت پر سخت حملہ کیا۔ ضوابط جنیوا کی نرمی اور کلیسا کے بعض بڑے عہدہ داروں کی وسیسہ کاری پر بہت لے دے کی اور کہا کہ انھیں عہدہ داروں کے ملحدانہ فریب سے طرح طرح کی بداعتقادی اور فرقہ بندی پیدا ہو رہی ہے۔ اور نتیجہ نکالا کہ اس وقت مذہب سخت خطرے اور مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس وعظ سے لوگوں میں خاصا سناٹا پڑ گیا تھا اور سیک وے ریل نے دوسرا کام یہ کیا کہ ان دونوں وعظوں کو یک جا چھاپ دیا۔ ان میں وزرا کی نسبت بھی

باب شیشم

بیان کیا تھا کہ یہ ملے ہوئے معاندین کی ٹولی ہے جو اہل کلیسا پر تعدی اور دستور حکومت کی بیخ کنی کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دیدہ دلیری، بیہودہ گفتاری اور فریقانہ حمایت نے مل کر کتاب کو ہر شخص کے ہاتھ تک پہنچا دیا اور اس کے پورے چالیس ہزار نسخے فروخت ہوئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر وزرا نے بھی ضرب کاری لگانے کا تہیہ کیا جس کی وجہ سیک وے ریل پر ذاتی غصہ نہ تھا بلکہ دراصل انھیں سرکاری طور پر پوری کلیسائی جماعت کے اصول و مقاصد کا پول کھولنے کا موقع میسر آیا اور اسی لیے معمولی مقدمہ چلانے کی بجائے انھوں نے سیک وے ریل پر دارالعوام کے ذریعے بڑے جرائم اور غلط روی کے الزامات عائد کیے اور دارالامرا نے ایوان ویسٹ منسٹر میں اس کی سماعت کی۔ لیکن رفتہ رفتہ معلوم ہونے لگا کہ یہ وزیروں کی سخت غلطی تھی۔ عام اہل ملک کے نزدیک ایک ادنیٰ اور نامستقل مزاج پادری کے لیے محض ایک احمقانہ وعظ چھاپ دینے کی خطا پر پارلیمنٹ کی پوری عدالتی گاڑی کو حرکت میں لانا، حکومت کی زبردستی معلوم ہوا اور اسی بنا پر عامۃ الناس، خواہ سیک وے ریل کے عقاید پسند کرتے تھے یا نہیں۔ اسے ظلم و جور کا شکار سمجھ کر اس کے پشتی بان بن گئے۔ مقدمے میں نہایت معزز علما نے اس کا ساتھ دیا۔ خود ملکہ مقدمے کی کارروائی دیکھنے آئی اور اس کی گاڑی کو مجمع عام نے گھیر کر شور مچا دیا کہ امید ہے کہ حضور، کلیسا اور ڈاکٹر سیک وے ریل کی حمایت فرمائیں گی۔" ان مظاہروں کے باوجود، امرا، عدم مزاحمت کے ان انتہائی خیالات کو برا سمجھے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ جن کی سیک وے ریل نے وکالت کی تھی۔ چنانچہ وہ مجرم قرار پایا لیکن سزا صرف یہ تجویز ہوئی کہ تین سال تک وہ وعظ نہ کرے اور اس کی کتاب کے سب نسخے جلاد کے ہاتھ سے جلوا دیے جائیں۔ آکسفرڈ کی مجلس کلیسا نے لارڈ رسل کے قتل کے روز جو فتویٰ شایع کیا تھا اسے بھی مذکورۂ بالا کتاب کے ساتھ نذر آتش کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر بھی کچھ مدت تک سیک وے ریل کو نہایت ہر دلعزیزی حاصل رہی۔ اسے ویلز میں کسی گرجا کی معاش دے دی گئی تھی اور جب وہ لندن سے وہاں روانہ ہوا تو راستے میں ہر بستی میں لوگوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کا

استقبال کیا۔ اُس کے نماز پڑھانے میں ہزاروں کا مجمع ہونے لگا۔ اور ٹوری امرا خصوصیت کے ساتھ بچوں کا اصطباغ دینے اسی کو بلواتے تھے۔

لوگوں کے خیالات میں یہ تغیر دیکھ کر ملکہ نے وھگ وزیروں سے پیچھا چھڑانا غنیمت سمجھا۔ ۲۰ مارچ سنہ ۱۷۱۰ء کو مقدمہ ختم ہوا، اور اپریل ہی میں شروزبری کو امیر حاجب کی خدمت عطا کی گئی۔ یہ پہلے وھگ تھا مگر پھر ٹوریوں میں شریک ہوگیا اور اس نے سیک وے ریل کے چھوڑ دیے جانے کی رائے دی تھی۔ جون میں سنڈرلینڈ کو اور ستمبر میں گوڈولفن کو، جو سنڈرلینڈ کے بعد بھی عہدے پر جما رہا تھا، وزارت سے الگ کر دیا گیا اور ان کے ہٹتے ہی سومرس، آرفورڈ، ہیلی فیکس، وہارٹن اور وال پول کے الگ ہونے میں بھی کچھ دیر نہ لگی۔ ان سب عہدوں پر ٹوری مقرر ہوئے۔

ٹوریوں کا عروج

ہارلی وزیر مال اور پھر وزیر خزانہ بنایا گیا۔ سینٹ جان وزیر مشیی، ہارکورٹ جو سیک وے ریل کے مقدمے میں صدر وکیل تھا، صدر اعظم مقرر ہوا۔ وہارٹن کی صوبہ داری کی جگہ اورمنڈ نے لی اور ارفورڈ کی بجائے امیر البحر لیک امارت بحری کا صدر ہوا۔ پرانے وزیروں میں صرف مارل برو اپنی سپہ سالاری پر قائم رہا۔ ستمبر میں پارلیمنٹ فسخ کر دی گئی اور نئے انتخابات میں ٹوریوں کا ہنگامہ کہ "مذہب خطرے میں ہے" پورا کام کر گیا۔ وھگ جو ۱۷۰۵ء و ۱۷۰۸ء کے انتخابات میں برابر تعداد میں بڑھتے گئے تھے۔ اس انتخاب میں بُری طرح ہارے اور محض ناکارگر اقلیت میں منتخب ہو سکے۔

مارل برو سے مواخذہ

۱۷۱۱ء میں ایک جزئی واقعے سے بھی ٹوری وزارت کو تقویت پہنچی۔ ایک فرانسیسی مفرور مسمی گیس کار کو خیال ہوا کہ نئے وزیر اس کے کام کی کافی قدر نہیں کرتے۔ اور اس نے پیرس میں خط لکھا اور جو راز اُس کے علم میں تھے، انھیں بیان کر دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اُس کے خطوط راستے میں پکڑے گئے اور مجلس شاہی میں تحقیقات کی غرض سے پیش ہوئے، تو گیس کار نے موقع پاکر ہارلی کے سینے میں چاقو مارا۔ زخم تو بہت معمولی آیا مگر اس حملے نے عوام میں ایسی شورش پیدا کر دی کہ ٹوریوں میں

باب ہشتم

مارل برو تک پرواز کرنے کی جرأت آگئی۔ اس کی بیوی پہلے علیحدہ کی جا چکی تھی اور اس کی خدمات بیگم سامرسٹ اور مسز میشیم میں تقسیم ہو گئی تھیں۔ اب اسی سال سرکاری حسابات کی تنقیح کے لیے ایک جماعت مرتب ہوئی کہ گزشتہ وزارت کے مداخل و مصارف کی جانچ پڑتال کرے۔ اس جماعت نے دوسری بے ضابطگیوں کے علاوہ کیفیت پیش کی کہ ایک لاکھ ستر ہزار پونڈ مارل برو کو پہنچے ہیں جن کا اُسے حساب دینا ہے۔ دسمبر ۱۷۱۱ء میں یہ کیفیت پیش ہوئی۔ ملکہ نے اُسی وقت مارل برو کو تمام عہدوں سے سبک دوش کر دیا تاکہ "معاملات کی تحقیقات میں کسی رد رعایت" کا امکان نہ رہے۔ پوری کوشش کی گئی کہ مارل برو کی خورد برد ثابت کی جائے لیکن اُس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ جو رقوم اُسے دی گئی تھیں، وہ سپہ سالار کا حق تھیں جیسے اُس عہد کے بُرے دستور کے مطابق رسد رسانی اور تنخواہوں کے روپے سے فی صد دستوری ملا کرتی تھی اور فلینڈرس کی اتحادی افواج کے جملہ سپہ سالاروں کو اسی طرح روپیہ ملتا رہا تھا۔ سپہ سالاروں کا اس طرح روپیہ بنانا بہت ہی بے ڈھنگی بات تھی، لیکن یہ صفائی بالکل کافی و وافی تھی۔ اور سارا الزام باطل ہو گیا۔ ۱۷۱۲ء میں اسی قسم کا الزام وال پول پر عائد کیا گیا کہ مذکورۂ بالا جماعت تحقیقات نے دانے چارے کے ٹھیکے دینے کے سلسلے میں اس کی رشوت ستانی ثابت کی تھی۔ خود اس کے ٹوری فریق نے اسی بنا پر اُسے پارلیمنٹ سے خارج کرنے کی تحریک کی اور وہ قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا جہاں اس پارلیمنٹ کی میقات تک وہ قید رہا۔ لیکن حق یہ ہے کہ اُس نے بہت ہی مدلل صفائی پیش کی تھی اور اس تمام قضیے کو محض ٹوریوں کی دشمنی کا نتیجہ سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ وال پول کو بقول ہارلی کے "آدھی وِگ جماعت" کے برابر قوی حریف جانتے تھے۔ اور اس واقعے نے بھی وال پول کی عزت و رسوخ میں نمایاں اضافہ کر دیا۔

صلح کی حکمت عملی

نئے وزیروں کا پہلا مقصد یہ تھا کہ فرانس سے صلح کر لی جائے۔ مگر اس سے وِگوں کے علاوہ ٹوری اسقف نوٹنگھم بھی سخت اختلاف رکھتا تھا۔ ہارلی نے خاص طور پر اسے حکومت سے

باب ششم

خارج کر دیا تو نوٹنگھم جل کر اپنے پرانے حریفوں کے ساتھ ہوگیا اور انھوں نے بھی اس اتحاد کے عوض میں یہ مان لیا کہ "تسلیم وقتی" کے امتناع کی آیندہ مخالفت نہ کریں گے چنانچہ اس منشا کا مسودۂ قانون پیش ہوا تو وھگوں نے جو ۱۷۰۲ء و ۱۷۰۳ء و ۱۷۰۴ء میں ایسے مسودے مسترد کرا چکے تھے اب اُسے منظور ہو جانے دیا۔ (۱۷۱۱ء)

نوٹنگھم کے آملنے سے وھگوں کو پھر برسر حکومت ہو جانے کی امید بندھی اور امیر کبیر سومرسٹ اور مارل برو کے اس مخلوط جماعت میں شریک ہو جانے سے اس امید کو مزید تقویت ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ آیندہ سومرس کے صدر اور وال پول کو دار العوام کا سرگروہ بنانے کے منصوبے بنانے لگے۔ ہارلی اور سینٹ جان نے اپنے حریفوں کو نیچا دکھانے کی ٹھانی اور دار الامرا میں بھی ٹوریوں کی اکثریت قائم کر دینے کی غرض سے بارہ نئے اشخاص کو امارت کا رتبہ دلوا دیا۔ یہ زبردستی جسے سیاسی چھاپا کہنا غلط نہ ہوگا" دسمبر ۱۷۱۱ء میں کی گئی اور بڑے دن کی تعطیلات کے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو جنگ کے حامیوں کی تعداد بہت گھٹ گئی تھی۔ وھگوں کو بہت غصہ آیا مگر کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی۔ اُدھر نئے امرا بھی شروع شروع گھبرائے ہوئے سے رہے وھارٹن جو چٹکیاں خوب لیتا تھا، پوچھنے لگا کہ آپ حضرات الگ الگ رائے دیں گے یا اپنے مکھیا کی وساطت سے؟ گویا وہ کسی معمولی جوری کی متفقہ جماعت تھی۔ اس پر یہ نئے امیر اور بھی کھوئے گئے۔

بایں ہمہ، وزرا کو ملک کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا اور اب انھوں نے پوری سرعت سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اورمنڈ کو، جو فلینڈرس میں مارل برو کی بجائے سپہ سالار مقرر ہوا تھا، حکم بھیج دیا گیا کہ کسی قسم کی جنگی کارروائی نہ کرے۔ ظاہر میں تو صلح کی گفتگو یوٹریکٹ کے ایک عہد وہ پر کلانے کی، لیکن حقیقت میں ساری شرطیں ہارلی اور سینٹ جان ہے طارکوئس دی تورکی سے، ایک فرانسیسی پادری (– ایبے گوال تیئے) کی وساطت سے

باب ہشتم

طے کیں جو لندن میں رہا کرتا تھا۔ جب یہ سب باتیں طے ہوگئیں تو بولنگ بُروک، میتھو پرائر کی معیت میں خود وارسٹی آگیا۔ صلح کی متفقہ عبارت مرتب کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ پیش آئی کہ فلپ تخت فرانس سے دست برداری لکھنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا کیونکہ ۱۷۱۱ء اور ۱۷۱۲ء میں دو وارث فوت ہوئے اور اب لوئی کے ایک پر پوتے کے بعد وراثت فلپ ہی کو پہنچتی تھی۔ یہ پوتا بھی جو آگے چل کے لوئی پانزدہم ہوا، اس وقت دو سال کا بہت کمزور سا بچہ تھا۔ لیکن بالآخر فلپ نے مطلوبہ معاہدہ کر لیا اور پھر صلح نامے کی یوٹریکٹ میں تکمیل ہو کر ۱۳ مارچ ۱۷۱۳ء کو اس پر دستخط ثبت ہوگئے۔

صلح نامۂ یوٹریکٹ یہ عہد نامہ صلح کی ایک بین بین صورت تھی جو کئی غیر متوقع واقعات کے پیش آنے سے ممکن ہوگئی۔ انھی واقعات میں سب سے اہم یہ تھا کہ شہنشاہ جوزف نے ۱۷۱۱ء میں وفات پائی اور اس لاولد فرماں روا کی بجائے شہزادہ چارلس شہنشاہ منتخب ہوا۔ اب اگر اسپین کی سلطنت بھی اُسے مل جاتی تو پھر اُسی خطرناک اقتدار کے قایم ہو جانے کا اندیشہ تھا جو شہنشاہ چارلس پنجم کو حاصل ہوگیا تھا۔ اسی لیے طے پایا کہ فرانس کا شہزادہ فلپ اسپین کا بادشاہ ہو۔ اسی کے ساتھ پوری طرح قول و قرار کر لیے گئے کہ اسپین و فرانس کی بادشاہی کبھی متحد نہ ہونے پائے گی۔ غرب الہند وغیرہ نوآبادیاں بھی ملک اسپین کے ساتھ فلپ کو دی گئیں۔ مگر اسپین کے اضلاع ندرلینڈز نئے شہنشاہ کے حصے میں آئے اور ۱۷۰۹ء کے سرحدی معاہدے کے مطابق طے ہوا کہ ولندیزوں کا یہ حق باقی رہے گا کہ ان اضلاع کے بڑے بڑے سرحدی شہروں میں وہ اپنی چھاؤنیاں رکھیں تاکہ فرانس سے اپنی حفاظت کر سکیں۔ میلان، نیپلز اور سارڈینیا بھی آسٹریا کے ہاتھ آئے۔ صقالیہ، سیوائے کے رئیس کو دی گئی جس کا لقب بادشاہ کر دیا گیا اور جب صقالیہ کے عوض میں اسے جزیرۂ سارڈینیا ملا تو رئیس سیوائے بھی آیندہ شاہ سارڈینیا کہلانے لگا۔ منورکا اور جبل الطارق، انگلستان کے ہاتھ آئے اور اسپین کی نوآبادیوں میں ہر سال ایک تجارتی جہاز بھیجنے کی اجازت

باب ششم

نیز غلاموں کی تجارت کا اجارہ مل گیا جو بہت نفع آور چیز تھی۔ نئی دنیا میں اکاڈیا (جسے اب نووا اسکوشیا کہتے ہیں) اور سینٹ کرس ٹوفر (یا کیٹ) کا جزیرہ نیز نیوفاؤنڈلینڈ اور خلیج ہڈسن کے سواحل کا علاقہ انگلستان کو دیا گیا تیو فاؤنڈلینڈ میں فرانس کے ماہی گیری کے حقوق محفوظ کر دیے گئے تھے جو اب تک اسے حاصل ہیں۔ آخری بات یہ کہ لوئی نے تخت انگلستان کی پروٹسٹنٹ وراثت کا اصول تسلیم کر لیا۔

اس عہد نامے کو آسٹریا میں بہت بری نظر سے دیکھا گیا کہ ایک تو اس سلوئے کو مفت میں بہت سا ملک مل گیا تھا دوسرے ندرلینڈز کے آسٹروی اضلاع کے متعلق انگریزوں اور ولندیزوں نے ایسی شرطیں کر لی تھیں کہ وہاں کے باشندے آزادی سے تجارت میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔ اسی بنا پر وہ شروع میں صلح نامے پر دستخط کرنے سے انکار کرتی رہی۔ لیکن تنہا جنگ جاری رکھنا بھی ممکن نہ تھا اور انگریزی فوجوں کے واپس چلے جانے کے بعد اسے پے درپے شکستیں ہوئیں، تا آنکہ وہ اور ولندیز عام صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن انگریزوں کا اپنے حلیفوں کے ساتھ جو پہلو بہ پہلو لڑے تھے یہ برتاؤ اور خصوصاً سپہ سالار اُرفورڈ کا شہزادہ یوجین کو عین خطرے میں چھوڑ کر چل دینا، سخت دغا بازی کی بات تھی۔ اسی طرح کٹے لونیا والوں نے اتحادیوں کا ساتھ دینے میں کمال استقامت و جاں بازی کا ثبوت دیا تھا، مگر انگریزوں نے معاہدہ کرتے وقت ان کو بالکل بھلا دیا اور یہ انگلستان کے وزیروں کی ایسی شرمناک کارروائیاں تھیں کہ فریق اختلاف نے اس پر بہت کچھ زجر و توبیخ کی۔ لیکن وہگ انھیں روکنے کی قوت نہ رکھتے تھے اور دارالامرا میں بھی بارہ نئے امیروں کی رائے شریک ہو جانے سے ٹوریوں ہی کا غلبہ رہا۔

مسئلۂ وراثت

جنگ کا دشوار معاملہ طے ہو گیا تو ٹوری سرگروہوں کو بادشاہی کے مستقبل پر غور کرنے کی مہلت ملی۔ این اب چند ہی روز کی مہمان نظر آتی تھی۔ ٹوری فریق "تصفیۂ وراثت" کے قانون اور سوفیا کی جانشینی کی من حیث الجماعت تائید کر چکا تھا، لیکن اس گروہ میں اب خاصی

باب ہشتم

بڑی جماعت موجود تھی جو کہ دلیری سے جیمز کے بیٹے (مدعی تخت) کے واسطے بازی لگانے پر آمادہ تھی۔ آیندہ واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ جمہور اہل انگلستان اسی ہنوور ی خاندان کی وراثت کی تائید میں ثابت قدم تھے لیکن اس بارے میں کوئی جوش وخروش نہ ہونے سے قوم کے جذبات کا غلط اندازہ لگانا کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ اور یعقوبی فرقے کے لوگ غالباً یہ سمجھنے لگے تھے کہ اگر وزرا نے ہمت اور مستعدی سے کام لیا تو اسٹوارٹ خاندان کا دعویدار بازی لے جائے گا۔ اس موقع پر اگر خود مدعی شہزادہ اپنے پردادا ہینری چہارم کی طرح مذہب بدلنے پر آمادہ ہو جاتا تو بہت ممکن ہے کہ اُس کی تخت نشینی میں کوئی دشواری نہ باقی رہتی۔ اور اُس کے بعض کیتھولک ہوا خواہوں نے ایسا کرنے کی التجا بھی کی تھی لیکن اُس کی بااُصولی پر آفریں ہے کہ ایسی ریاکاری میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ بالکل ممکن ہے کہ اسی انکار سے واقعات کا رخ اُس کے خلاف ہو گیا ہو۔ اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ انکار کرنے سے اُس کی کامیابی نہایت مشکوک ہو گئی۔ اُدھر وزرا اس معاملے میں جتنی احتیاط برتتے تھے اس کی وجہ سے آج تک یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اُن کا اصلی ارادہ کیا تھا اور کوئی ارادہ تھا بھی یا نہ تھا۔ اسی موقع پر ہارلی اور سینٹ جان کی سیرتوں کا فرق نمایاں ہوا۔ یہی دونوں وزرا کے سرگروہ تھے اور پہلے کو امیر آکسفرڈ اور دوسرے کو وائی کونٹ بولنگ بُرک کا خطاب مل چکا تھا۔ ان میں آکسفرڈ تو قدم قدم پر رکتا تھا اور ایک طرف مدعی شہزادے سے یقیناً نامہ وپیام کر تا رہا اور دوسری طرف بیگم سوفیا کو اپنا بنائے رکھنے کی کوشش میں بھی کوتاہی نہ کی۔ بخلاف اس کے بولنگ بُرک ہمہ تن سرگرمی اور عمل کا حامی تھا لیکن سوائے اس کے کہ ہنوور ی وارثہ کی نظر میں اپنی اور اپنے فریق کی ضرورت ثابت کرے، اس کا کوئی اور کام کرنا مشتبہ ہے۔ بہر حال، ان کے ارادے جو کچھ بھی ہوں، وزرا نے اس کوشش میں کوئی فروگزاشت نہ کی کہ ٹوریوں کو غلبہ وتفوق حاصل رہے۔ انھوں نے سینٹ پورٹس۔ اس امید میں سپہ سالار اور ہنڈ کے تفویض کر دیں کہ اگر

باب ششم

سوفیا کی مدد کے واسطے کوئی فوج آئے تو آورمنڈ اُسے روکنے کی تدبیر کر سکے یا یہ کہ مدعی شہزادے کے فوج اُتارنے میں ممد و معاون ہو جائے کیونکہ گو یہ سپہ سالار پہلے شاہ ولیم کی طرف سے اسٹین کرک اور لینڈن میں لڑا تھا لیکن اب پکا یعقوبی (اور خاندان جیمز کا طرفدار) ہو گیا تھا۔ اسی طرح شروزبری کو آئرستان کا والی بنایا گیا اگرچہ اس سے مدعی شہزادے کی حمایت کی توقع صحیح نہ تھی۔ اسکاٹ لینڈ کا معتمد یا وزیر امیر مار مقرر ہوا۔ اسی کے قریب زمانے میں سویفٹ کو خانقاہ سینٹ پیٹرک کی تولیت دے کر ٹال دیا اور اٹیربری کو روچیسٹر کا اُسقف بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ فوج میں جو صلح کے بعد تخفیف کی جا رہی تھی، اس موقع سے کام لے کر وہ سردار اور دستے موقوف کر دیے گئے جن کی نسبت خیال تھا کہ وہ وِھگ اصول کے بہت پختہ حامی ہیں۔

ان کارروائیوں کے مقابلے میں ہنوورری جماعت بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی نہیں رہی۔ اسٹین ہوپ صلح ہوتے ہی اسیری سے نجات پا کر آیا اور وِھگوں نے فوجی تنظیم کا کام اُس کے سپرد کیا کہ اگر جنگ کیے بغیر چارہ نہ رہے تو وہ بھی ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔ اُدھر معزولی کے وقت سے مارلبرو بیرونی ممالک کی سیاحت کرتا رہا تھا، وہ بھی بروسلز میں آ کے مقیم ہو گیا کہ اشارہ ملتے ہی بلا تاخیر انگلستان پہنچ سکے۔ فروری ۱۷۱۴ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو وِھگوں نے بہت ہی جتن کیے کہ کسی طرح وزیروں کو پروٹسٹنٹی وراثت کا پابند بنا دیا جائے۔ اس غرض سے کہ خاندان ہنوور کا ایک فرد انگلستان میں جما دیا جائے، شہزادی سوفیا کے سفیر لندن کی طرف سے درخواست کی گئی کہ شہزادۂ ہنوور کو (جو آگے چل کے جارج دوم ہوا) امیر کیمبرج کی حیثیت سے دار الامرا میں رکنیت کی دعوت دی جائے لیکن اس تحریک کا نتیجہ بہت افسوسناک نکلا۔ کیونکہ ملکہ آین کو ابھی سے آیندہ وارث کا انگلستان میں بھیجا جانا سخت ناگوار گزرا اور اُس نے سوفیا کو ایسا تلخ خط لکھ کر بھیجا کہ اُسے پڑھنے کے صدمے سے ضعیف العمر خاتون پر صرع کا دورہ پڑ گیا اور حق یہ ہے کہ وہ اُس سے جانبر ہی نہ ہو سکی۔ اُس کی عمر ۸۴ برس کی، مزاج

باب ہشتم

بہت حلیم اور زندگی کی ایک ہی آرزو یہ تھی کہ مرنے سے پہلے انگلستان کی ملکہ بن جائے۔ یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور سلسلۂ وراثت کی رو سے اُس کا بیٹا جارج سوفیا کا جانشین ہوا اور پھر اُس کے انگلستان آنے کا خیال ترک کر دیا گیا۔

ملکہ کی پے در پے علالتوں سے صاف ظاہر تھا کہ اب وہ بھی چند ہی روز کی مہمان ہے اور اس خیال اور مذکورۂ بالا واقعات فریق بندی کے جذبات کو حد درجے مشتعل کر دیا۔ ایک طرف تو ٹوریوں نے رچرڈ اسٹیل کو دارالعوام سے نکلوا دیا جس نے "(The Crisis)" نامی رسالہ لکھ کر مسئلۂ وراثت پر بحث کی اور ٹوری فریق کا دل جلایا تھا اور دوسری طرف وھگوں نے "(The Public Sprit of the whigs)" کے مصنف پر زور نہ چلا تو حکومت کو مجبور کیا کہ اس اشتعال انگیز کتاب کے چھاپنے والے پر مقدمہ چلائے۔

ملک میں ہیجان

حالانکہ یہ بخوبی معلوم تھا کہ سخت تحریر سویفٹ نے لکھی ہے لیکن ذاتی طور پر اُس کا کچھ بگاڑا نہ جا سکا۔ آخر میں دونوں فریق "قانون تفرقۂ مذہبی" پر ایک دوسرے سے گتھ گئے، جسے بولنگ بُرک نے ٹوری کے فریق کے اعیان کو خوش کرنے اور کلیسائے انگلستان سے انحراف کرنے والوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے مرتب کیا تھا۔ اس قانون کی رو سے کوئی شخص انگلستان و آئرستان میں سرکاری یا خانگی مدرسہ قائم نہ کر سکتا تھا تاوقتیکہ وہ کلیسائے انگلستان کا پیرو نہ ہو اور اُسے مقامی اُسقف اجازت نامہ نہ دے۔ اور اجازت نامے کی شرط یہ رکھی تھی کہ درخواست گزار سال بھر کے اندر کلیسائے انگلستان کی رسوم کے مطابق عبادات ادا کرے اور اطاعت و افضلیت شاہی کا حلف اُٹھائے۔ اس قانون کی دوسری خواندگی، ۱۲۶ کے مقابلے میں ۲۳۷ آرا سے منظور ہوئی اور امرا میں آخری خواندگی کے وقت ۷۷ کے مقابلے میں ۷۲ رائیں اُس کے خلاف دی گئیں۔ علاوہ ازیں دارالامرا کے جریدے میں اس قانون کے خلاف شد و مد سے احتجاج درج کرایا گیا جس پر تمام ممتاز ترین وھگ امرا اور

باب ششم

کئی اسقفوں کے دستخط بھی ثبت تھے۔ مگر قانون کی منظوری سے وزرا کی ہم آہنگی کا خاتمہ ہوگیا۔ امیر آکسفرڈ پیدائشی اور نیز تعلیم و تربیت کے اعتبار سے غیر مقلد تھا اور اُسے قانون مذکور پسند نہ آسکتا تھا۔ دوسرے بولنگ بروک اور اُس میں مدت سے صفائی نہ تھی۔ اب جو بولنگ بروک نے اس شوق و اہتمام سے یہ قانون منظور کرایا، تو یہ مخالفت چھپائے نہ چھپ سکی۔ سوئیفٹ اپنی ذہانت سے سمجھ گیا تھا کہ وزیروں کی باہمی مخالفت سارے فریق کو تباہ کردے گی اُس نے ان میں مصالحت کرادینے کی پوری کوشش کی۔ لیکن بیگم میشیم، جس کی بدولت امیر آکسفرڈ اس درجے تک پہنچا تھا، اب بولنگ بروک سے مل گئی اور وہی خوابگاہی ریشہ دوانیاں جن پر اب تک وہ بھروسا کیے رہا تھا، آخر میں اُسی کے زوال کا سبب ثابت ہوئیں۔ ۲۷ جولائی کی مجلس شاہی میں جبکہ ملکہ خود صدر جلسہ تھی، سخت تو تو میں میں کے بعد آکسفرڈ کو عہدے سے برطرف کردیا اور تھوڑی دیر کے لیے بولنگ بروک اور یعقوبی فرقے کے لوگوں نے بازی جیت لی۔ لیکن عین اس وقت ملکہ کے سخت بیمار ہوجانے سے معاملات کا رنگ بالکل بدل گیا یعنی بولنگ بروک اور اُس کے ہواخواہ ابھی اپنی تیاریاں مکمل کرنے نہ پائے تھے کہ ۳۰ جولائی

وہگوں کی زوردار کارروائی

کی صبح کو ملکہ پر صرع کا دورہ پڑگیا اور وہ تو تامل و تذبذب ہی میں رہے اور اُن کے حریف پوری قوت اور پختہ ارادے کے ساتھ کام کرگزرے۔ مارل برو تو ابھی تک پردیس میں تھا، لیکن شروزبری، سومرسٹ اور ارجائل مجلس شاہی میں آگھسے اور اصرار کیا کہ وزارت خزانہ کے خالی عہدے پر شروزبری کو مقرر کردیا جائے۔ واضح رہے کہ شروزبری نے عین اُسی وقت دوبارہ اپنے سابقہ اُصول کی تائید کا اعلان کیا تھا اور سومرسٹ (حاجب درگاہ) اب تک فریقانہ جھگڑوں سے بالکل الگ رہا تھا۔ ملکہ کو ذرا سکون ہوا تھا اور اسی وقفے میں مذکورۂ بالا تجویز کی منظوری دی اور اس کے بعد ہی اُس پر دوبارہ غشی طاری ہوگئی۔ دو دن بعد

باب ہشتم

پہلی اگست کو وہ قضا کرگئی۔ اس وقت ایٹربری نے بولنگ بروک کی بہت منت سماجت کی کہ مدعی شہزادے کی تخت نشینی کی چوک میں منادی کرادے اور اپنا اسقفی جامہ پہن کر خود جلوس کو لے چلنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن اس پرجوش اسقف کی تائید پر کوئی کھڑا نہ ہوا۔ ٹوریوں کے ہوش حواس قطعی معطل ہوگئے تھے اور وہگ امیروں نے شروزبری کی سرگروہی میں بغیر مزاحمت وہ سب کارروائی کرلی جس کا پردس ٹلنٹی وراثت کے لیے انھوں نے منصوبہ سوچ رکھا تھا حتیٰ کہ بولنگ بروک تک کو اقرار کرنا پڑا کہ قضا و قدر کے آگے میری کچھ نہ چل سکی۔

مشہور سنین

معرکۂ بلین ہیم .... سنہ ۱۷۰۴ء
〃 راما ئی لی .... سنہ ۱۷۰۶ء
اسکاٹ لینڈ کا اتحاد .... سنہ ۱۷۰۷ء
معرکۂ اُودِنارد .... سنہ ۱۷۰۸ء
〃 مال پلاکے .... سنہ ۱۷۰۹ء
سیک وے ریل کا مقدمہ .... سنہ ۱۷۰۹ و ۱۰ء
〃 ساؤتھ سی کمپنی کا قیام .... سنہ ۱۷۱۱ء
صلح نامۂ یوٹرکیٹ .... سنہ ۱۷۱۳ء
قانون تفرقۂ مذہبی .... سنہ ۱۷۱۴ء
ملکۂ این کی وفات .... سنہ ۱۷۱۴ء

حاشیہ

پیٹربرو کی کارروائیوں کے متعلق اب تک ہمارا ماخذ کارلٹن کی یادداشتیں تھیں لیکن اب ثابت ہوا کہ ان یادداشتوں میں بہت کچھ من گھڑت باتیں درج ہیں اور ان کے مقابلے میں سرکاری کاغذات کو دیکھیے تو ان میں پیٹربرو کے طرز عمل کو بالکل دوسرے ہی رنگ میں دکھایا گیا ہے۔

جزو ہشتم

خاندان ہنوور

اسٹوارٹ اور ہنووری خاندان کا شجرہ

جیمس اول
سنہ ۱۶۰۳ء تا سنہ ۱۶۲۵ء

چارلس اول سنہ ۱۶۲۵ء تا سنہ ۱۶۴۹ء

الزبتھ زوجۂ فریڈرک امیر پلے ٹائن

چارلس دوم سنہ ۱۶۶۰ء تا سنہ ۱۶۸۵ء

میری زوجۂ ولیم (اورینجی)

ولیم ثالث شوہر [سنہ ۱۶۸۹ء تا سنہ ۱۷۰۲ء

جیمس دوم سنہ ۱۶۸۵ء تا سنہ ۱۶۸۸ء

میری سنہ ۱۶۸۹ء تا سنہ ۱۶۹۴ء

این] سنہ ۱۷۰۲ء تا سنہ ۱۷۱۴ء

جیمس ایڈورڈ (مدعی قدیم)

چارلس ایڈورڈ (مدعی جدید)

ہنری (کارڈنل آف یارک)

سوفیا زوجۂ امیر ہنوور

جارج لوئیس جارج اول سنہ ۱۷۱۴ء تا سنہ ۱۷۲۷ء

سوفیا شارلٹ زوجۂ فریڈرک امیر پروشیا

جارج دوم سنہ ۱۷۲۷ء تا سنہ ۱۷۶۰ء

سوفیا ڈروتھیا۔ زوجۂ۔

فریڈرک ولیم اول امیر پروشیا

فریڈرک اعظم

فریڈرک لوئیس (ولی عہد)

ولیم شہزادۂ کمبرلینڈ

جارج سوم سنہ ۱۷۶۰ء تا سنہ ۱۸۲۰ء

جارج چہارم۔ سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۳۰ء

شہزادی شارلٹ

فریڈرک شہزادۂ یارک

ولیم چہارم سنہ ۱۸۳۰ء تا سنہ ۱۸۳۷ء

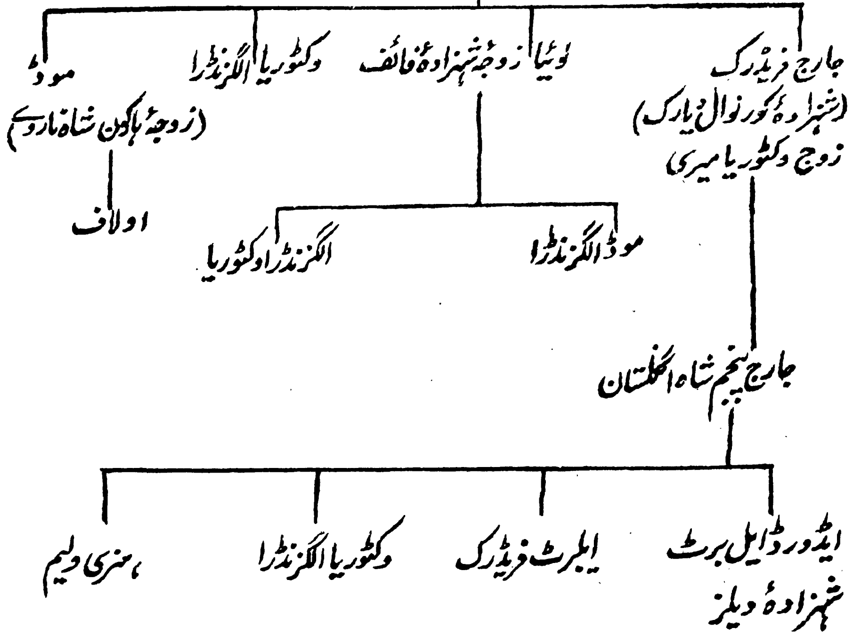
ایڈورڈ شہزادۂ کینٹ

وکٹوریا سنہ ۱۸۳۷ء تا سنہ ۱۹۰۱ء

ایڈورڈ ہفتم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۱۰ء

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی اولاد

ایڈورڈ ہفتم و الگزنڈرا (ڈین مارکی)
(ولادت ۱۸۴۱ء ۔ ازدواج ۱۸۶۳ء)



باب اول

جارج اول : سنہ ۱۷۱۴ء تا سنہ ۱۷۲۷ء

ولادت : سنہ ۱۶۶۰ء - ازدواج : سوفیا ڈروتھیا (برنزوکی) سنہ ۱۶۸۲ء

ممتاز معاصرین : فرانس .... لوئی پانزدہم
اسپین .... فلپ پنجم
شہنشاہ .... چارلس چہارم

سب کی توقع کے خلاف، نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے اعلان پر مطلق ہنگامہ وفساد نہ ہوا۔ این کی وفات کچھ ایسی یک بہ یک واقع ہوئی کہ معلوم ہوتا ہے جیکوبی فرقے کے ہوش حواس معطل ہوگئے اور زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ ملک میں ہنووری وراثت کے مویدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نئے بادشاہ کو بھی ہر طرف امن وسکون سنکر انگلستان پہنچنے کی جلدی نہ ہوئی اور وہ کئی ہفتے بعد بتاریخ ۱۸ ستمبر، ساحل انگلستان پر اترا۔ اس کے آنے تک ملک کا نظم ونسق سات بڑے حکام اور اٹھارہ "امیران عدل" کے سپرد رہا اور اس جماعت کا دبیر یا معتمد ایڈیسن تھا۔

باب اول

ان میں شروزبری، سمرسٹ، آرجائل، ناٹنگ ہم، کاؤپر، ہے لی فیکس اور ٹاؤن زنڈ شامل تھے۔ لیکن مارل برو، سمرز اور سنڈرلینڈ کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ مارل برو کو چھوڑ دینے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ فوجی معاملات میں اس سپہ سالار نے خاموشی اختیار کر لی تھی جو نئے بادشاہ کو ناگوار گزری۔ باقی دو امیروں کو نہ لینے کا مقصد یہ تھا کہ فریق بندی کے ممتاز سرگروہوں کو دور ہی رکھا جائے۔ بہر حال، اصلی وجوہ جو کچھ ہوں، مارل برو کی مراجعت پر اس کے ہم وطنوں نے جیسا مخلصانہ اور دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا، وہ بہت کافی نعم البدل تھا، اور سمرز اور سنڈرلینڈ کے ذاتی رسوخ و اثر میں بھی مطلق کوئی کمی نہیں آئی؛

اوصاف وخصائل نئے بادشاہ میں بعض کارآمد خصلتیں تھیں لیکن اس کے ہر دلعزیز ہو جانے کا کوئی قرینہ نہ تھا، کیونکہ اس کے اوصاف میں نموداری نہ تھی اور اس کی کمزوریاں آسانی سے نظر آجاتی تھیں۔ صورت میں وہ پستہ قامت بھدّا بھدّا معلوم ہوتا تھا مگر مزاج میں نیکی اور دوست پرستی تھی۔ ذہن و ذکا معمولی لیکن محتاط، محنتی اور کاروباری طبیعت کا آدمی تھا؛ سپہ گری کے لحاظ سے دیکھئے تو وہ لینڈن اور اسٹین کرک کے معرکوں میں شریک رہا اور رہائن کے جیش کی سپہ سالاری کی۔ بلین ہیم پر فوج کشی کے متعلق مارل برو سے بحث و گفتگو بھی کی با ایں ہمہ اسے کوئی اعلیٰ درجے کا سپہ سالار ہونے کا دعویٰ نہ ہو سکتا تھا۔ عام ملکی نظم ونسق کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے درجے کی جرمن ریاست کا کامیاب اور اپنی رعایا میں ہر دلعزیز موروثی امیر تھا، لیکن کسی وسیع تر میدان میں درخشاں ہونے کی قابلیت نہ تھی۔ دوسرے انگلستان کی بادشاہی ملی تو اس کی عمر ۵۴ سال کی اور عادات و اطوار راسخ ہو چکے تھے اور انگریزی زبان مطلق نہ جانتا تھا۔ فرانسیسی بھی تھوڑی آتی تھی۔ فطرتی طور پر اپنی جدید رعایا کی نسبت وہ اپنی قدیم ریاست اور اہل ہنوور ہی کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ خود اس کی دیانت میں شک نہیں، مگر دربار میں جو زن و مرد اس کو گھیرے ہوئے تھے، ان میں سے ہر شخص صرف یہ خواہش

باب اول

رکھتا تھا کہ ساز باز و رشوت ستانی کا جو نیا موقع ہاتھ آیا ہے، اس سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ فائدہ اٹھائے۔ یہ سب عیوب تو ضرور تھے اور ان کے بیان کرنے میں ہم نے کچھ کمی نہیں کی۔ بایں ہمہ جارج میں ایک وصف ایسا تھا کہ اہل انگلستان کی نظر میں لازماً اس کے تمام عیوب کو چھپا لیتا تھا۔ اور وہ یہ کہ اس بادشاہ نے وزیروں پر کامل اعتماد کیا اور انھیں انگلستان کے متعلق بالکل آزادی دی کہ جو مناسب سمجھیں، کریں اگرچہ جہاں کہیں ریاست ہنوور کا کچھ تعلق ہوتا تو وہ اکثر اپنی رائے پر چلنا چاہتا تھا۔ بہر حال، انگلستان ایسے ہی بادشاہ کو چاہتا تھا اور یہ جارج ہی کا سیدھا سادا عہد ہے جس میں وہ فریق واری طرز حکومت انگلستان کے آئین کا ایک مسلّمہ اصول ہو گیا، جس کے دو گزشتہ بادشاہوں کے وقت میں نشو و نما پانے کی کیفیت ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ ان پر دو بادشاہیوں کے آغاز میں مخلوط وزارتوں کا تجربہ کیا گیا مگر ہر دفعہ ایسے برے نتائج ظہور میں آئے کہ ولیم اور مارل برو دونوں کو مجبوراً فریق واحد ہی کے وزرا مقرر کرنے پڑے۔ جارج نے ان تجربوں سے سبق لیکر شروع ہی میں وھگ فریق پر پورا اعتماد کیا اور اس کے بڑے بڑے سرخیلوں کے عوض نوجوان افراد سے وزارت مرتّب کی جن میں سنڈرلینڈ اور ناٹنگ ہم کے علاوہ ٹاون زنڈ، اسٹین ہوپ اور وال پول سب سے نمایاں تھے۔

نئے وزرا

لارڈ ٹاون زنڈ کی عمر اس وقت ۳۸ سال کی تھی۔ وہ نورفوک کے ایک فوجی کا بیٹا تھا اور وال پول کا بہنوئی تھا۔ ظاہر میں اکھڑ مگر دل کا بہت اچھا تھا اور اسی لیے اجنبی اس سے بہت گھبراتے اور جاننے والے محبت کرتے تھے۔ دیانت داری کے ساتھ اس کے کام میں بڑی پھرتی اور مستعدی ہوتی اور تقریر ایسی نفس مطلب کے مطابق کرتا کہ لوگ فصیح البیانوں سے بڑھ کر اس کی تقریر کو ہمیشہ غور سے سنتے۔ ابھی تک اس کی سیاسی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ صلحنامۂ حدود (Barrier Treaty) کی شرطیں اسی نے طے کیں۔ غرض اب بولنگ بروک کی بجائے وہ شاہی معتمد مقرر کیا گیا۔

باب اول

اس کا ہمصفیر اسٹین ہوپ، ایک الم سالہ مدبر تھا جس نے اکثر معرکوں میں سپاہ گری کے جوہر بھی دکھائے تھے۔ سپک ویریل کی دار وگیر میں اس نے نمایاں حصہ لیا لیکن فرانس کی جنگ میں قید ہو جانے کی وجہ سے وہ صلح ہونے تک انگلستان سے باہر رہا اور وھگ وزارت کے عزل تک واپس نہیں آیا تھا۔ صلح ہونے سے قید سے چھوٹ کر وطن آیا تو وھگوں کی ہر شادرت میں ذوق شوق سے شریک رہنے لگا اور مارل برو کے غیاب میں ان کا سب سے معتبر فوجی مشیر وہی تھا۔ ان سپاہیوں میں اسے بڑی ہر دلعزیزی حاصل تھی اور کہا جاتا ہے کہ ان سے وہ "چلے چلو" کی بجائے ہمیشہ "بڑھے آؤ" کے الفاظ کہتا تھا۔ ملکی معاملات میں اسٹیل اس کے "کھرے پن، فیاضی، صاف گوئی اور جلسوں میں بے ساختہ فصاحت، نیز گفتگو میں پسندیدہ و دلکش طرز عمل" کا تذکرہ کرتا ہے؛ وال پول کا ہم کچھ حال پہلے بیان کر چکے ہیں (صفحہ ۴۱۷) جنگ کے زمانے میں وہ بہ حیثیت معتمد نمایاں رہا اور ۱۷۱۲ء میں اس پر مقدمہ چلا تو اور بھی ناموری ہوئی اور وہ وھگ عمائد کی صف اول میں داخل ہو گیا؛

این کی وفات کے بعد پارلیمنٹ ۶ ماہ تک اجلاس کرتی رہی اور پھر نئے انتخابات عمل میں آئے جس میں لوگوں نے ۱۷۱۰ء اور ۱۷۱۳ء کے نتیجے کو الٹ کر وھگ نمایندوں کو کثیر تعداد میں منتخب کیا۔ اسی لیے حکومت کو یہاں تک ہمت ہوئی کہ سابقہ وزرا سے قانونی مواخذہ کرے، جیسا کہ اس زمانے میں معمول ہو گیا تھا؛ چنانچہ پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوتے ہی وال پول کی صدارت میں ایک مجلس مقرر کی گئی کہ سابقہ وزیروں کے جرائم کی تحقیقات کرے۔ مجلس کی کیفیت وال پول نے تحریر کی اور آکسفرڈ، بولنگ بروک اور اور منڈ پر مقدمہ چلانے کی سفارش کی۔ ان کے خلاف ایک غیر معین الزام یہ تھا کہ صلحنامۂ یوٹریکٹ مرتب کرتے وقت برطانی اغراض اور قومی اعزاز کو دغابازی سے قربان کر دیا۔ نیز یہ کہ مدعی تخت کو بادشاہ بنانے کی سازش کی۔ ذیلی مجلس کا یہ فیصلہ سنتے ہی بولنگ بروک تو براعظم چل دیا اور اورمنڈ نے بھی آخر میں اس کی تقلید کی لیکن آکسفرڈ اس طوفان کا مقابلہ کرنے

باب اول

کے لیے اکیلا رہ گیا اور قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا۔ مذکورہ دو وزیروں کی فراری کو پارلیمنٹ نے فوراً اقبال جرم کے مرادف قرار دیا اور بغاوت کی سزا (خرابیٔ خون) عائد کی۔ لیکن آکسفرڈ کے معاملے میں جتنی تحقیقات کی گئی۔ اسی قدر زیادہ یہ بات نمایاں ہوتی گئی کہ غالباً اسے عدالت سے سزا نہ مل سکے گی کیونکہ صلحنامۂ یوٹریکٹ کے لیے اس نے جو کچھ رسل و رسائل کئے، ان سب کو پارلیمنٹ اور ملکہ تسلیم کر چکے تھے اور مدعی تخت سے ورسائی کی ملاقات کے سوا، اور کسی تعلق کی شہادت نہ ملی۔ غرض ایک سال بعد پہلے تو بغاوت کی بجائے الزام کی نوعیت محض غلط روی رہ گئی اور پھر ۱۷۱۷ء میں اس تحقیقات کی کارروائی بھی ترک کرکے اس معزول وزیر کو رہائی دے دی گئی۔ بولنگ بروک کی فراری سے تو فرقۂ جیکوبی کو چنداں ضرر نہ پہنچا لیکن اورمنڈ کا بھاگنا، ان کے مقاصد کے حق میں بہت نقصان کا باعث ہوا کیونکہ اس فرقے کے لوگ مغربی اضلاع میں شورش بپا کرانے کی فکر میں تھے اور امید تھی کہ اورمنڈ اس کا سرگروہ ہوگا۔ مگر اول تو اس کے مزاج میں تذبذب تھا، دوسرے اپنے جنگی تجربے کی بدولت وہ وجدانی طور پر محسوس کرتا تھا کہ فرانس یا اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں کی اعانت کے بغیر ایسی شورش کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اور انھی اسباب سے وہ اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے باز رہا۔

پارلیمنٹ کے انتخابات تو خیریت کے ساتھ ہو گئے لیکن آیندہ موسم بہار اور گرمیوں میں جیکوبی فرقے والوں کے کئی بلوے ہوئے اور وسطی پرگنوں میں ان کا خصوصاً بہت زور رہا۔ آکسفرڈ میں بلوائیوں کا نعرہ یہ تھا کہ ''مدعی نہیں بلکہ شاہ جیمز سوم!'' اسٹیفرڈ شہر میں ٹوری عوام نے موذی غیر مقلدوں کی نمازگاہوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ''اصلی کلیسا اور اورمنڈ زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔ ان ہنگاموں کو روکنے کے لیے فوری کارروائی ضروری تھی۔ لہٰذا پارلیمنٹ نے مقامی حکام کو اختیارات دینے کی غرض سے ''قانون بلوہ''

قانون بلوہ

وضع کیا جو ابھی تک نافذ ہے اور اس کی رو سے بارہ یا زیادہ اشخاص کو جو ناجائز اغراض سے جمع ہوں یا ہنگامہ بپا کریں اور

باب اول

ناظر امن یا کسی دوسرے حاکم مجاز کے' بادشاہ کی طرف سے حکم دینے کے باوجود ایک گھنٹے کے اندر منتشر نہ ہو جائیں' تو وہ قانون شکنی کے مجرم گردانے جائیں گے۔ اور اگر ایسا حکم صادر ہونے کے بعد منتشر کرتے وقت وہ مقابلہ کریں اور اس کشمکش میں مارے جائیں' تو بھی ان کے قتل کا کوئی قانونی مواخذہ نہیں ہو سکتا۔"

جیکوبی مسلک مگر یہ بلوے بھی اس خطرناک فساد کی جو اندر ہی اندر دلوں میں پک رہا تھا' محض ایک خارجی علامت تھے۔ ورنہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جیکوبی عقائد ملک میں عام طور پر پھیل گئے تھے۔ اور جہاں جیکوبیت نہ تھی' وہاں بھی ہر چیز سے جس میں دھگ اصول کی بو آتی ہو' سخت بدگمانی تھی۔ اس بدگمانی کو سب سے زیادہ تقویت لارڈ کلے رنڈن کی کتاب "بغاوت کبیرہ کی تاریخ" سے پہنچی جو ۱۷۰۲ء میں شائع ہوئی اور سالہا سال تک ہر پادری کے حلقے اور ہر زمیندار کے دیوان خانے میں سبقاً سبقاً پڑھی جاتی اور سترھویں صدی عیسوی کی مستند تاریخ سمجھی جاتی رہی۔ اس میں مولف کی شدید طرفداری کی بدولت شاہی مقاصد کو جس رنگ میں پیش کیا گیا تھا' وہ خاندان اسٹوارٹ کے عین مفید و موید تھا۔ ادھر مغربی اضلاع میں جہاں سر ولیم ون ڈھم کا طوطی بولتا تھا' جیکوبی مسلک کو بڑی قوت حاصل تھی اور اسی طرح لینکا شر میں کیتھولک خاندانوں کی کثرت سے یہ فرقہ نہایت با اثر ہو گیا تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک تو انگلستان سے اتحاد لوگوں کو بہت ناگوار ہوا' دوسرے وہاں کے بہت سے پہاڑی قبیلے ہر قسم کی باقاعدہ حکومت سے' خصوصاً جس میں قبیلۂ کیمبل کا عمل دخل ہو' دلی بیزاری رکھتے تھے۔ ان وجوہ سے جیکوبی فرقے والوں کو امید تھی کہ اسکاٹ لینڈ میں بغاوت کی آگ خوب بھڑک سکتی ہے۔ لیکن کامیابی کا اصلی مدار اس پر تھا کہ وہاں اور انگلستان' دونوں ملکوں میں بیک وقت شورش بپا ہو اور جیمز (مدعی تخت) اگر بیرونی فوج کے ساتھ نہیں' تو کم سے کم اصالتہً ضرور آ پہنچے' اس تجویز کی بولنگ بروک کو بخوبی اطلاع تھی لیکن راستے کی رکاوٹوں کو اس کی قابلیت بھی دور نہ کر سکی۔ اول تو اورمنڈ کی فراری سے وہ اپنے واحد جنگی رہنما سے محروم ہو گئے۔ ادھر لوئی چہاردہم

باب اول

کے مرض موت نے دربار فرانس کی سیاسی قوتوں کو معطل کر دیا۔ برطانی حکومت نے ون ڈھم کو گرفتار کر لیا اور مغربی اضلاع میں جیکوبی گروہ کی روح رواں وہی تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جیمز (مدعی) نے انگلستان میں تیاری مکمل ہوئے بغیر امیر مار کو حکم دیا کہ اسکاٹ لینڈ میں بغاوت شروع کر دے؛ چنانچہ وہ پہلی اگست کو لندن سے چلا اور سمندر کے راستے اسکاٹ لینڈ پہنچ کر اس نے پہاڑی قبیلوں کی بھرتی شروع کی۔ اس نے یہ کام بہت ہمت و مستعدی سے کیا اور ستمبر کے آخر تک اتنی بڑی جمعیت تیار کر لی کہ مونٹروز کے ماتحت بھی کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ حکومت نے اس کی سرکوبی کے لیے آرجائل کو شمال کی طرف

اسکاٹ لینڈ کی شورش

روانہ کیا مگر اس نے اپنی جمعیت بہت کم پائی اور ان مٹھی بھر سپاہیوں کو فقط اسٹرلنگ کی فصیل کے نیچے پھیلا دینے پر قناعت کی۔ حسن اتفاق سے مار عین اس موقع پر سپہ سالاری کی کوئی عمدہ قابلیت نہ دکھا سکا اور بڑھ کر آرجائل کو مغلوب کرنے کی بجائے برتھ میں رکا رہا؛ اس عرصے میں ٹامس فورسٹر نے سرحد پر ایک رسالہ تیار کیا اور لارڈ کین مور بھی ڈمفریز کی نواح سے ایک رسالہ مرتب کر کے اس سے آملا۔ فورسٹر نارتھمبر لینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا مبعوث تھا اور یہ جمعیت مرتب کرنے میں امیر ڈرونٹ واٹر سے بھی اسے مدد ملی۔ امیر مار نے اس لشکر کی مدد کے لیے ایک پہاڑی دستہ کیلسو روانہ کیا جس کا سردار میکن ٹوش تھا اور پھر یہ سب مل کر لینکا شر کے علاقے میں داخل ہوئے۔ نومبر میں پرسٹن پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا لیکن ان کے تین ہزار سپاہیوں کے اسلحہ ناقص تھے اور ان پر سپہ سالار ولز نے قلیل تر لیکن زیادہ باقاعدہ دستے سے حملہ کیا۔ فورسٹر کو محض اس بنا پر کہ وہ کیتھولک نہ تھا (نہ کہ کسی جنگی قابلیت کی وجہ سے) سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اس نے اپنی نااہلی کا ثبوت یہ دیا کہ ربل ندی کے پل کی مدافعت بھی نہ کر سکا بلکہ صرف بازاروں میں باڑیں تیار کرانے میں مصروف رہا۔ تاہم اس کے سپاہی پامردی سے لڑے اور پہلا حملہ پسپا کر دیا۔ لیکن ولز کی مدد کے لیے

کارپین ٹر پہنچ گیا تو فورس ٹر نے مایوس ہو کر ۱۳ نومبر کو اپنے حسب راسئے ہتھیار ڈال دیے جس سے اس کے سپاہی اور سردار سخت منغض ہوئے۔

معرکۂ شیرف میور جس روز پریسٹن میں ان لوگوں نے ہتھیار ڈالے اسی روز مار کو بالآخر آرجائل پر حملہ کرنے کی جراءت ہوئی اور چونکہ سرکاری فوج صرف تین ہزار تین سو اور مار کے لشکر میں دس ہزار جوان تھے لہذا اسے کامیابی کا یقین تھا۔ لیکن آرجائل مقابلے کے لیے خود آگے بڑھا اور ڈن بلین کی سڑک پر شیرف میور کے کھلے میدان میں صفیں جما کر لڑائی لڑا۔ یہ لڑائی بھی تاریخ کا ایک نادر معرکہ ہے کہ دونوں سپہ سالار اپنے اپنے میمنے کو لڑا رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ دونوں کامیاب ہوئے اور پھر اپنے اپنے میسرے کی ہزیمت سن کر واپس وسط میدان میں پلٹ آئے۔ لیکن آرجائل کی کم تعداد سپاہ غالباً زیادہ تھک گئی تھی اور ایک ڈھلان کے دامن میں ہونے کی وجہ سے بھی نقصان میں رہی کیونکہ باغی لشکر اس ڈھلان کی چوٹی پر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت باغیوں کا ایک زبردست ریلا آرجائل کا شیرازہ بکھیر دیتا اور اسی کو روکنے کے لیے وہ جیسا کچھ بن پڑا انتظام بھی کر رہا تھا کہ اتنے میں بغیر کسی ظاہری وجہ کے مار نے اپنی فوج کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ یہی موقع تھا جب کہ دل جلے پہاڑی سپاہیوں میں سے کسی نے یہ آواز لگا کر کہ کاش ایک گھنٹہ ڈنڈی کا ل جاتا" جذبات قلبی کا اظہار کیا۔

بہرحال مار کے ہار مان لینے کے باوجود اس لڑائی کو آرجائل کی فتح نہیں کہہ سکتے تھے لیکن اس کا ساری جنگ پر بڑا اثر پڑا اور مار سے فورتھ کے سر پر چڑھے ہوئے خط فوجی کو بھی توڑنے کی کوئی اور کوشش نہ کی۔ خود مدعی تخت کے آجانے سے بھی سپاہیوں میں ہمت و مستعدی نہ پیدا ہوئی۔ وہ تو اس امید میں آیا تھا کہ تو اعد داں سپاہیوں کا ایک زبردست اور ظفر مند لشکر تیار ملے گا اور سپاہیوں کے ذہن میں یہ تھا کہ ان کا حاکم خوبصورت، محنتی مستعد شہزادہ ہوگا۔ اسی لیے دونوں کو بہت مایوسی ہوئی کہ مدعی شہزادے کو تو اپنے ساتھی محض ہمت شکستہ عوام کی بھیڑ نظر آئے جن کے

باب اول

پاس ڈھنگ کے ہتھیار تک نہ تھے اور ادھر سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا سردار ایک زرد رو، دبلا پتلا لمبا سا آدمی ہے کہ نہ اس میں گویائی کی قوت ہے نہ چہرے پر کوئی شگفتگی۔ غرض پھر کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی اور جنوری میں باغی لشکر پرتھ سے ہٹ گیا۔ ۴ فروری کو اس شہزادے اور مار نے بھی اپنے ساتھیوں کو تقدیر کے حوالے کر کے جس طرح ہو سکا، فرانس کی راہ لی۔ پرسٹن میں جو امرا گرفتار ہوئے تھے، ان میں ڈرونیٹ واٹر اور کین مور کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اور چونکہ یہ سزا وال پول جیسے رحم دل اور نرم طبیعت آدمی کی پوری تائید سے دی گئی تھی، لہٰذا یہ بہت اچھی شہادت ہے کہ حقیقت میں باغیوں کو سخت سبق دینے کی ضرورت تھی۔ فورسٹر اور میکن ٹوش دونوں سلامت بچ گئے۔

ان مفسدوں کی کامل ناکامی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مار و فورسٹر جیسے نااہل سردار نہ ہوں تو بھی بیرونی امداد کے بغیر ملک میں کوئی بغاوت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی بیرونی امداد فرانس، اسپین یا سویڈن سے مل سکتی تھی اور اسی خیال سے جارج کے وزیر زیادہ تر یہی کوشش کرتے رہے کہ ایسی کوئی امداد باغیوں کو نہ ملنے پائے۔ خوش قسمتی سے لوئی چہاردہم کی وفات سے جو پہلی ستمبر ۱۷۱۵ء کو واقع ہوئی، دربار فرانس کی حکمت عملی میں کامل تغیر آ گیا۔ لوئی کا جانشین اس کا پوتا (لوئی پانزدہم) ہوا جس کی عمر پانچ سال کی اور جسمانی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ وہ اپنے عم زاد شہزادۂ اورلیان کی زیر ایالت تھا اور اسی لیے یہ شہزادہ "نائب السلطنت فلپ" کے نام سے زیادہ مشہور رہے۔ قانون وراثت کی رو سے آیندہ وارث لوئی کا چچا فلپ شاہ اسپین ہوتا تھا لیکن صلحنامۂ یوٹریکٹ کی رو سے وہ محروم کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد وراثت نائب السلطنت فلپ کو پہنچتی تھی۔ اسی لیے نائب السلطنت معاہدۂ مذکور کو قائم و نافذ رکھنے کا خواہاں تھا۔ اس مدعا کے مطابق اور چالاک پادری ڈیوبوا کے مشورے سے اس نے انگلستان سے نامہ و پیام شروع کیے اور ہنوورکی وارث کو بادشاہ جائز تسلیم کر لیا۔ کئی سال تک انگلستان و فرانس کے یہی دوستانہ تعلقات یورپ کی سیاسیات پر گہرا اثر

ڈالتے رہے اور ۱۶۹۸ء کے بعد دوبارہ حکومت فرانس سے انگریزوں کی فی الواقع دوستی ہو گئی؛

اسپین

لیکن زیادہ خطرہ اسپین سے تھا وہاں کا نیا بادشاہ فلپ تو کمزور اور بالکل بیوی کے اثر میں تھا لیکن اس کا وزیر البرونی اپنے عہد کا نہایت ممتاز مدبّر گزرا ہے۔ نسب کے اعتبار سے وہ ایک باغبان کا بیٹا تھا اور محض اوصاف ذاتی کی بدولت اسپین کا سب سے مقتدر حاکم بنا۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ اطالیہ اور ندرلینڈز کے دور دست مقبوضات جاتے رہنے سے اسپین کی اصلی قوت میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ اور ادھر اپنی ہوشمندی سے چند سال امن امان قائم رکھ کر اس نے ملک کے مالیات اور فوج اور بیڑے کی حالت درست کر لی۔ فراغت و خوش حالی کے ساتھ اس کے حوصلے بڑھے اور اب وہ اس فکر میں تھا کہ اسپین دوبارہ دولِ عظمیٰ میں شامل اور ان صوبوں پر قابض ہو جائے جو معاہدۂ یوٹریکٹ کی رو سے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ البرونی کے منصوبے پیرس اور ویؔآنا دونوں جگہ شک شبہے کی نظر سے دیکھے گئے ۱۷۱۷ء میں اسپین کے ایک باشندے کی گرفتاری پر برافروختہ ہو کر آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا اور چھوٹتے ہی اسپین نے سارڈینیا پر حملہ اور قبضہ کر لیا۔ پھر ۱۷۱۸ء میں صقلیہ پر فوج کشی کی۔ اتحاد ثلاثہ والوں نے اسپین کی یہ مخدوش روش دیکھ کر آسٹریا کو بھی اتحاد میں داخل کر لیا اور اب اسی اتحاد اربعہ کی طرف سے امیر البحر بنگ کو حکم ملا کہ صقلیہ پر اسپینی حملے کی مزاحمت کرے۔ چنانچہ اس نے یہاں پہنچ کر اسپین کے بیڑے سے راس پسارو پر جنگ کی اور انگریزی بیڑا کامیاب ہوا۔ انگریزوں کے اس طرح اسپینی منصوبوں میں کھنڈت ڈالنے سے البرونی بہت غضبناک ہوا اور جواب میں اس نے بلا تاخیر شہزادۂ مدعی کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا؛

اول تو اس نے چارلس دوازدہم کو بھڑکانے کی فکر کی جو ان دنوں سویڈن کا سنکی سا سپاہی مزاج فرماں روا تھا اور

باب اول

برطانیہ سے پہلے ہی خار کھائے ہوئے تھا کہ شاہ جارج نے بریمن و ورڈن کی ریاستیں ڈین مارک والوں سے خرید لیں حالانکہ وہ ۱۶۴۸ء سے سویڈن کا مقبوضہ تھیں اور ڈین مارک والوں نے چند ہی سال پہلے ان پر تصرف جمالیا تھا۔ غرض شاہ سویڈن، البرونی کے کہنے سے بہ آسانی اسکاٹ لینڈ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا اور چونکہ وہ بڑا جنگ آزمودہ سردار تھا اس کا معقول فوج لے کر اسکاٹ لینڈ میں آدھمکنا بہت خطرناک ہوتا اور مار کی بغاوت سے کہیں بڑھ کر شورش خود ملک میں بھڑک اٹھتی۔ لیکن انگلستان کی خوش نصیبی سے چارلس کو اسکاٹ لینڈ پر فوج کشی کرنے سے پہلے ناروے کا فتح کرنا ضروری ہوا، اور اسی کوشش میں وہ قلعۂ فریڈرکس ہال کے سامنے دسمبر ۱۷۱۸ء میں فوت ہوگیا اور ایک سخت خطرے سے انگلستان کو نجات مل گئی۔

اسپینی حملۂ اسکاٹ لینڈ یہ منصوبہ نہ چلا تو البرونی نے شہزادۂ مدعی کو اسپین بلا کر خود ایک مہم تیار کی جس میں پانچ ہزار سپاہی شامل اور مزید تیس ہزار کے لیے اسلحہ فراہم کیے تھے۔ اور منڈ فوج کا سردار بنایا گیا لیکن یہ مہم خلیج بسکے میں طوفان سے برباد ہوگئی اور دو جہاز صرف تین سو سپاہیوں کے ساتھ کنیٹل (روس شر) تک پہنچے تو اس قلیل جمعیت کو گلین شیل کے درے پر بلا دقت شکست دے کر منتشر کر دیا گیا (۱۷۱۹ء) اور ادھر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھ سے خود اسپین میں، نیز سمندر میں البرونی کو بہت سی زکیں کھانی پڑیں اور اتحادیوں نے صلح کی ایک شرط یہ قرار دی کہ اس وزیر کو برطرف کر دیا جائے۔ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ البرونی معزول ہو کر اپنے وطن اطالیہ میں چلا آیا اور ۱۷۲۰ء میں ایک عام صلح ہوگئی۔ شرائط صلح میں سب سے دلچسپ دفعہ یہ تھی کہ صقلیہ کے جدید بادشاہ نے (دیکھو صفحہ ۴۲۶) اس جزیرے کے عوض میں سارڈینیا لینا قبول کر لیا۔ پھر ہر طرف امن و صلح کی صورتیں رونما ہوئیں جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ انگلستان و فرانس معمول کے خلاف متحد ہو کر کام کر رہے تھے۔ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ البرونی

کی شکست سب سے زیادہ اسٹین ہوپ کی سعی کی رہین منت تھی؛

قانون ہفت سالہ وطن میں حکومت کا قابل ذکر کام قانون ہفت سالہ کا نفاذ تھا۔ کچھ مدت سے سہ سالہ قانون کے اصول پر نکتہ چینی سنی جا رہی تھی اور لوگ جل جل کے کہتے تھے کہ پارلیمنٹ اپنا پہلا سال تو محض انتخابات کے متعلق عرضیوں کی سماعت ہی میں گزار دیتی ہے۔ دوسرا بحث مباحثے میں، اور تیسرا نئے انتخابات کے انتظار میں؛ ۱۷۱۶ء میں بھی معلوم ہوا کہ اگر قانون میں کوئی ترمیم نہ ہوئی تو اگلے سال نئے انتخابات لازمی ہوں گے۔ اور چونکہ ملک میں اضطراب پھیلا ہوا تھا، لہٰذا وزیروں نے حکومت کو جوکھوں میں ڈالنا گوارا نہیں کیا بلکہ تجویز کی کہ یہ اور آیندہ ہر پارلیمنٹ کی مدت سات سال ہوا کرے۔ یہ مسودۂ قانون دونوں ایوانوں میں غلبۂ آرا سے منظور رہوا اور پارلیمنٹ کے باہر بھی بظاہر لوگوں نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ یہ قانون حقیقت میں بہت نتیجہ خیز تھا۔ اس سے دارالامرا کے مقابلے میں دارالعوام کی قوت بڑھ گئی کیونکہ اول تو دارالعوام کے مبعوثین کے عہدے میں دیرپائی آگئی دوسرے انفرادی طور پر امرا دارالعوام کے بہت سے مبعوثین کو نامزد کر دیا کرتے تھے، اب یہ بات نہ رہی اور اسی لیے عوام کے مبعوثین ان امیروں کے دست نگر نہ رہے۔ یہ واقعہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد سے وزرا کو بہت زیادہ فکر ہوگئی کہ اپنے بہترین آدمیوں کا انتخاب کرائیں۔ میعاد بڑھ جانے سے دارالعوام کی روش میں پہلے جو تلوّن تھا، وہ بھی کم ہوگیا اور روھگ جماعت کو اپنی قوت مضبوط کرنے کی کافی مہلت میسر آئی۔ سن رسیدہ سمرز نے اس قانون کی تعریف میں کہا کہ یہ ملک کی آزادیوں کا سب سے بڑا سہارا ثابت ہوگا" اور کارٹرٹ نے اس بنا پر تحسین کی کہ اس قانون سے وزرا کی قوت میں استواری آئے گی اور اسی لیے بیرونی ممالک میں انگلستان کا اعتبار بڑھ جائے گا" خود ہمارے زمانے میں ہفت سالہ میعاد کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کے طریق عمل میں شدید تغیرات نہیں ہونے پاتے اور عام انتخابات میں جو فریقانہ جذبات برانگیختہ ہو جاتے ہیں، وہ رفتہ رفتہ فرد ہو جاتے ہیں۔ دوسرے

والپول

مبعوثین میں زیادہ آزادی رائے پیدا ہو جاتی ہے جو بار بار انتخابات کی صورت میں پیدا ہونی مشکل ہے۔ اور لوگوں کا بہت سا روپیہ بھی بچ جاتا ہے؛

۱۷۱۷ء میں وھگ فریق کی حکومت ثلاثہ ٹوٹ گئی۔ جیسا کہ بڑی اکثریت کی صورت میں ہوا کرتا ہے، وھگوں میں بھی اندرونی اختلافات کے بہت سے موقع نکل آتے تھے۔ یوں بھی اس زمانے میں جماعت وزرا کے افراد ایک دوسرے کے ایسے وفادار نہ ہوتے تھے، جیسے کے بعد میں ہونے لگے۔ غرض ابتدا ہی سے بعض وزیروں میں باہمی کشیدگی پیدا ہوئی۔ سنڈرلینڈ کو آئرستان کی دور دست اور نسبتۃً کم وقعت صوبہ داری پر پڑا رہنا بہت شاق تھا، اس نے ان اختلافات کو بڑھانے میں پوری کوشش کی۔ پھر کسی خاص مقصد میں تخالف کی وجہ سے نہیں بلکہ ذرا ذرا سے جھگڑوں اور غلط فہمیوں نے کشمکش کو بڑھا دیا۔ ورنہ اصولاً وزرا میں کوئی سیاسی اختلاف نہ تھا۔ علاوہ اور اسباب کے، بادشاہ کی ناخوشی کا سبب یہ ہوا کہ ٹاون زنڈ کی ولی عہد سے راہ و رسم بڑھ گئی حالانکہ ولی عہد کی ملک میں زیادہ ہر دلعزیزی دیکھ کر بادشاہ بیٹے سے جلنے لگا تھا۔ مزید براں اسٹین ہوپ اور سنڈرلینڈ، ہنوور میں اور ٹاون زنڈ لندن میں تھا اور جملہ معاملات ان کی باہمی خط و کتابت سے طے ہوتے جن کے آنے جانے میں بہت دیر لگتی تھی۔ یہ انتظام بھی ہم آہنگی کے حق میں نہایت مضر تھا۔ خلاصہ یہ کہ جارج نے ٹاون زنڈ کو معتمدی سے الگ کر دیا مگر اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے آئرستان کا والی بنا دیا۔ ٹاون زنڈ نے کچھ عرصے تک سر تسلیم خم کر دیا بایں ہمہ وزیروں کے تعلقات میں کوئی بہتری کی صورت نہ نکلی اور ۱۷۱۷ء میں بادشاہ نے ٹاون زنڈ کو صوبہ داری سے بھی یک لخت برطرف کر دیا۔ اس پر وال پول فوراً مستعفی ہو گیا حالانکہ بادشاہ اسے برابر روکتا رہا ساتھ ہی ولیم پل ٹنی مستعفی ہوا جو وال پول کا خاص حلیف اور نہایت عمدہ مقرر تھا۔ ان لوگوں کے ہٹنے سے وزارت کی از سر نو تشکیل عمل میں آئی۔ اسٹین ہوپ خزانے اور مالگذاری کا صدر مقرر ہوا اور سنڈرلینڈ کو اڈیسن کی شرکت میں شاہی معتمدی کا عہدہ ملا جسے اس کی سعی و کاوش کا

باب اول

صلہ سمجھنا چاہیئے۔ کچھ روز بعد اسٹین ہوپ امارت کے درجے پر فائز ہوا تو مالگزاری کی صدارت ایس لبی کے حصے میں آئی پھر ۱۷۱۸ء میں اسٹین ہوپ اور سنڈرلینڈ کی خدمات کا ایک دوسرے سے مبادلہ عمل میں آیا۔

اسٹین ہوپ، قابل اور وسیع النظر وزیر تھا۔ سنڈرلینڈ کے مزاج میں، اعلیٰ قابلیت اور محنت کے ساتھ، تنہا پسندی اور امیرانہ تحکم کی شان تھی۔ چنانچہ تفریق مذہبی اور "تسلیم وقتی" کے قانون کو منسوخ کرنے میں اسٹین ہوپ کا اثر نمایاں ہے اور ناکام مسودۂ قانون امارت میں سنڈرلینڈ کا۔ بہرحال، دونوں مذہبی رواداری کے پختہ حامی تھے اور اپنے ساتھی کی پوری تائید ہی سے اسٹین ہوپ نے ایک نیا مسودہ مرتب کیا جس کا نام کمال ذہانت سے "قانون برائے تقویت اغراض فرقۂ پروٹسٹنٹ" قرار دیا حالانکہ اس کا منشا یہ تھا کہ "تفریق" اور "تسلیم وقتی" وغیرہ کے قوانین کو جو مذہبی اختلاف رکھنے والوں کے خلاف وضع کیے گئے تھے، منسوخ کر دیا جائے۔ اسی موقع پر ثابت ہوا کہ رواداری کے نظریوں کا اہل انگلستان کے دلوں پر کتنا کم اثر تھا۔ چنانچہ چار کے سوا تمام اسقفوں نے اس کی مخالفت کی اور منجملہ بہت سے امیروں کے ڈیون شر اور نوٹنگھم بھی ان کے ہمراہ ہو گئے حالانکہ ان میں سے ایک وھگ اور دوسرا ٹوری تھا۔ مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسودے کی دوسری خواندگی ۶۸ کے مقابلے میں صرف ۸۶ آرا سے منظور ہوئی۔ یہ رنگ دیکھ کر اسٹین ہوپ نے اپنی تجاویز میں صرف قانون آزمائش اور قانون بلدیات کی تنسیخ پر قناعت کی مگر اس ترمیم کے باوجود بھی دارالعوام میں اس کی دوسری خواندگی ۲۰۲ کے مقابلے میں فقط ۲۴۳ آرا سے منظور ہو سکی۔

وال پول نے قانون تفریق مذہبی کی نسبت پہلے تو خود کہا تھا کہ وہ کسی پروٹسٹنٹ پارلیمنٹ کی بجائے جولین مرتد کے زیادہ شایان شان ہے لیکن اس موقع پر حمایت میں تقریر کی اور اقلیت کے ساتھ رائے دے کر اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگایا۔ غرض صاف ظاہر ہو گیا کہ سنڈرلینڈ کی رائے غلط نہ تھی جس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قانون آزمائش کو چھیڑا تو پھر سارے مسودے کی خیر نہ ہوگی۔ اور اسٹین ہوپ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنی کوشش میں سرگرم رہا تو

باب اول

کلیسائے انگلستان اس کا دشمن ہو جائے گا۔ ایسی دشمنی سے گوڈالفن اور مارل برو کو نیچا دیکھنا پڑا تھا لہذا ذاتی طور پر تمام مذہبی تفریق اور قیود کے خلاف ہونے کے باوجود اسے قدم روکنا پڑا۔

سنڈرلینڈ نے جو تجویز سوچی تھی، وہ اتنی بھی نہ چلی۔ تجویز کا ظاہری منشا تو یہ تھا کہ ملکۂ این کے زمانے میں جیسی انقلاب انگیز کارروائی ہوئی تھی، وہ آیندہ نہ ہونے پائے اور امرا کی تعداد کو محدود کر کے دارالامرا کو ایسے ناگہانی تغیرات سے محفوظ کر دیا جائے۔ لیکن درحقیقت اس کی تہ میں سنڈرلینڈ کا جذبۂ خواص پرستی مضمر تھا کہ

مسودۂ قانون امارت

امرا کا اعزاز بڑھ جائے اور دارالامرا اتنا قوی ہو جائے کہ دارالعوام یا بادشاہ کے بھی اثر میں نہ آسکے۔ مجوزہ قانون میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ (ہنووری) بادشاہ پردیسیوں کو مرتبۂ امارت نہ دے سکیں، جس سے دراصل دارالعوام کو خوش کرنا مقصود تھا۔ اور امرا کی تعداد محدود کرنے کی غرض سے تجویز کی گئی تھی کہ موجودہ ۱۷۸ امیروں کی تعداد میں صرف ۶ کا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ امارتیں جو لاولدی کی وجہ سے غائب ہو جاتیں ان پر نئے اشخاص کا مقرر کیا جانا ضروری تھا اور اس خیال سے کہ حکومت کو یہ موقع جلد جلد ملتا رہے، صرف نرینہ اولاد کی وراثت جائز رکھی گئی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کے سولہ انتخابی امیروں کی بجائے وہاں پچیس موروثی امیر بنائے جانے کی تجویز تھی۔ یہ مسودہ دارالامرا میں تو ظاہر ہے کہ بہت خوشی سے منظور کر لیا گیا۔ لیکن وال پول نے اس کی جم کر مخالفت کی ورنہ بہت ممکن تھا کہ دارالعوام میں بھی اسے منظوری مل جاتی۔ وال پول ان معاصرین میں سب سے بڑھ کر اس بات کی ضرورت کا احساس رکھتا تھا کہ دارالعوام کا اقتدار جس طرح بن پڑے غالب رہنا چاہئے۔ اس نے بڑی معرکے کی تقریر کی جس میں مبعوثین کو سیاسی سمجھ بوجھ سے کام لینے کی التجا تھی اور ان کے خاندانی اور متوسط طبقے کے تعصبات اور جاہ پسندی کے جذبات کو برانگیختہ کیا تھا۔ اس نے جتایا کہ اس قانون سے عمدہ کام کرنے کی تحریک بہت کچھ کم ہو جائے گی کیونکہ حصول اعزاز کی صورت بجز اس کے کچھ نہ رہے گی کہ یا تو آدمی کسی بوڑھے دقیانوسی امیر کا

باب اول

سجادہ نشین ہو، اور یا کسی لاوارث خاندان امارت کے خاتمے کی دعا مانگتا رہے" اس نے کہا "صریحی بات ہے کہ امرا کو جو کچھ فائدہ حاصل ہوگا وہ دارالعوام یا شاہی اقتدار کے نقصان کے عوض میں ہوگا" اور آخر میں ساتھ والوں سے الزامی سوال کے طور پر دریافت کیا کہ بھلا اُمرا دارالعوام کے ارکان سے یہ توقع کس طرح کرسکتے ہیں کہ ہم ایسے قانون پر دستخط ثبت کریں گے کہ جو ہماری اولاد کو مرتبۂ امارت تک پہنچنے میں مانع ہے۔ غرض ایسی دلنشین دلیلوں سے وال پول سب حریفوں پر غالب آگیا اور مسودۂ قانون ۷، ۱ کے مقابلے میں ۲۰۹ آرا سے مسترد کر دیا گیا۔ واقع میں اگر یہ قانون نافذ ہو جاتا تو انھی وھگ اکابر کی حکومت جو اس وقت برسر اقتدار تھے، دوامی ہو جاتی اور جب کبھی دارالامرا کا دارالعوام سے اختلاف ہوتا، تو پھر سوائے بغاوت کے اس اختلاف کو رفع کرنے کی کوئی اور صورت نہ رہتی۔

اسی مسودۂ قانون کے استرداد کے سال "ساوتھ سی" والی تجویز کا چرچا ہوا۔ اس نام سے ٹوری وزرا نے ۱۷۱۱ئہ میں ایک تجارتی شرکت قائم کی تھی، اصولاً یہ انھی بنیادوں پر مرتب ہوئی تھی جن پر مون ٹیگو نے انگلستان کا قومی بنک بنایا تھا۔ ایک کرور نوے لاکھ پونڈ کا سرمایہ جمع کیا گیا اور اسے بعض محاصل راہ داری کی کفالت پر چھ فیصدی سود کی شرح سے حکومت کو قرض دیا گیا۔ انتظام کے لیے ۸ ہزار پونڈ سالانہ، بحرالکاہل میں اور جنوبی امریکہ کے ساحل پر اوری نوکو سے راس ہورن تک بلا شرکت تجارت کا حق بھی حکومت نے عطا کیا۔ یہ نئی شرکت ٹوری ادارہ سمجھی جاتی تھی اور عہدنامۂ یوٹریکٹ کے وقت اس کے حقوق و فوائد کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا۔ اسی کے فائدے کے لیے افریقہ کے غلاموں کی تجارت انگلستان سے مخصوص کرائی گئی اور یہ حق حاصل کیا گیا کہ ہسپانی نوآبادیوں میں ہر سال ایک تجارتی جہاز بھیجا جاسکے گا۔ اسی اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ اس شرکت نے خوب ترقی کی اور ۱۷۱۷ئہ میں اس کے حصص کی قیمت، اصل قیمت سے بہت کچھ بڑھ گئی۔

جارج اول کے ابتدائی عہد حکومت میں، "قومی قرضے کا" اور خصوصاً سالانہ محاصل کے بار کا بڑھتے چلے جانا بہت موجب تشویش ہو گیا تھا۔ ادھر جس قدر حکومت کا استحکام بڑھا، اس کی ساکھ بھی بڑھی اور شرح شرکت میں کمی آتی گئی۔

باب اول

اس سے فائدہ اٹھا کر ۱۷۱۷ء میں حکومت نے ساؤتھ سی اور بنک انگلستان دونوں کی رقم پر سود کی شرح ۶ سے گھٹا کر ۵ فیصدی کر دی۔ اور اسی شرح پر ان ساہوکاروں نے پینتالیس لاکھ پونڈ اور قرضہ دیا کہ حکومت کے جو قرض خواہ شرح سود کی کمی کے باعث اپنا روپیہ واپس لینا چاہیں حکومت ان کی رقم ادا کر دے۔ ۱۷۱۹ء میں ساؤتھ سی کی طرف سے جو نئی تجویز پیش ہوئی اس کی بنا بھی اسی مذکورۂ بالا انتظام کو سمجھنا چاہیے جس کی کامیابی دیکھ کر اسے وسعت دینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس تجویز پر اول شرکت کے صدر نشین (سر جان بلنٹ) اور ایس لابی (وزیر مالیہ) اور سنڈرلینڈ (صدر امیر خزانہ) کی بحث و گفتگو ہو چکی تھی۔ ابتدا میں اس کا پیمانہ بھی کچھ بہت بڑا نہ تھا لیکن بنک انگلستان کے ہوا خواہوں نے اجازت حاصل کر لی کہ بنک بھی اسی قسم کی تجویز پیش کرے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں شرکتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر بولیاں بولنے لگیں اور مآل اندیشی کا خیال تک بالائے طاق رکھ دیا۔ آخر بازی ساؤتھ سی کے ہاتھ رہی اور اس نے ۵ فیصدی کی شرح سود پر حکومت کا سارا قرضہ اتارنے اور ہنگامی تمسک داروں اور ایسے مالکان حصص کا روپیہ ادا کرنے کا ذمہ لیا جو اس کی جدید تجاویز کے مؤید نہ تھے۔ صرف انھی کی رقم پچھتر لاکھ پونڈ سے کم نہ جڑتی تھی لیکن کچھ روز کے تامل تذبذب کے بعد انھی حصہ داروں میں سے اکثر پھر شرکت میں شریک ہو گئے اور اپنی ۱/۲ ۸ سال کی سالانہ آمدنی کی قیمت یکمشت ادا کر دی۔ لوگوں کے ذہن میں تجاویز کی ناکامی کا خیال بھی نہ آتا تھا اور ان کے اعتماد کو اس لیے اور بھی قوت پہنچ گئی کہ اول تو پیرس میں اسی قسم کی تجارتی تجاویز مرتب ہونے لگیں اور دوسرے شرکت مسی سپی کے کاروبار کی بدولت فرانس والوں کو بے انتہا دولت مل جانے کے طمع انگیز قصے لندن میں گشت کرنے لگے۔ ایک اور وجہ جس نے لوگوں کو روپے کی بازی لگانے پر اور زیادہ آمادہ کیا یہ تھی کہ ان دنوں تجارت میں روپیہ لگانے کے مواقع کم اور دولت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو رہا تھا۔ پس ایک ایسے کاروبار میں جسے بظاہر ملک کے ارباب سیاست کی تصدیق حاصل تھی لوگ حصہ لینے کے لیے دوڑ پڑے۔ سو پونڈ کا حصہ ایک سو تیس کا تو شروع سال ہی میں

باب اول

ہوگیا تھا اب سرعت سے قیمت بڑھی اور سنہ ۱۷۲۰ء کی گرمیوں تک برابر بڑھتی رہی حتیٰ کہ اگست میں سو کے حصے کی قیمت ہزار پونڈ کی زبردست رقم چڑھ گئی۔ جس کے معنے یہ تھے کہ شرکت اصلی قیمت پر کم سے کم پچاس فیصدی کا نفع تقسیم کرے تب حصہ داروں کو فائدہ رہ سکتا تھا۔ لیکن شرکت کے نظما کو کامیابی پر اتنا یقین تھا، یا اس درجے خبط میں مبتلا تھے کہ سنہ ۱۷۲۱ء میں یوم میلاد مسیح کے بعد بھی انھوں نے اعلان کیا کہ منافع کبھی بھی مذکورۂ بالا شرح سے کم نہ ہوگا۔

ادھر لوگوں کو کاروبار میں روپیہ لگانے کا وہ سودا ہوا تھا کہ ساوتھ سی کی دیکھا دیکھی اور بھی تجارتی شرکتیں قائم ہونے لگیں۔ بعض اصولاً درست لیکن عملاً قبل از وقت تھیں اور بعض کے ارادے محض لغو تھے۔ مثلاً کوئی تو اس مقصد سے بنی کہ پتھر کے

حریف شرکتیں

کوئلے سے لوہا تیار کرے گی۔ کسی نے نوکروں کی غفلت سے گھر والوں کو جو نقصان پہنچتے ہیں، اس کا بیمہ کرنے کا ذمہ لیا۔ ایک کا منشا ایسا پہیا بنانا تھا، جو دائماً حرکت کرتا رہے اور ایک ایسا کاروبار کرنا چاہتی تھی، جس میں نفع ہی نفع تھا، مگر کسی شخص کو اس کا حال بتایا نہ جاسکتا تھا۔ ان شراکتوں کے صدر نشینوں میں امرائے کبار اور شہزادوں کے نام لکھے ہوتے بلکہ ویلز کی ایک تانبے کی شرکت کا صدر نشین بننا خود ولی عہد شہزادۂ ویلز نے قبول کیا۔ ان میں سے اکثر جماعتوں کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی اور ساوتھ سی کمپنی والوں نے ان پر دعوے کرنے شروع کیے۔ لیکن اس قانونی چارہ جوئی سے خود ساوتھ سی کے منصوبوں کا مخدوش ہونا ثابت ہوا اور اس کے حصوں کی قیمت فوراً گر گئی۔ اکتوبر تک تین سو اور نومبر میں گھٹ کر ۱۳۵ پونڈ فی حصہ رہ گئی اور پھر زیادہ نہ گری۔ تاہم جو لوگ نادانی سے کہیں زیادہ قیمت دے چکے تھے، انھیں سخت نقصان ہوا اور چونکہ امیر و غریب مرد و عورت سبھی اس دولت بٹورنے کی دوڑ میں شریک تھے، لہٰذا سخت تباہی پھیل گئی۔ اسی میں سنڈرلینڈ ہارا، وال پول فائدے میں رہا۔ ہوشیار پوپ نے آمدنی بڑھالی، لاابالی گے نقصان میں رہا۔ خود سرکار کی ساکھ خاک میں ملتی نظر آتی تھی اور کوئی نہ جانتا تھا کہ آیندہ کیا نتیجہ ہوگا۔ جیکوبی فرقے والوں نے یہ مصیبت عام دیکھ کر بہت بغلیں بجائیں۔ اس پریشانی میں ہر شخص کی زبان پر

باب اول

ایک ہی شخص کا نام تھا کہ وہی ملک کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ یہ **وال پول تھا**، جو شروع سے کہتا رہا کہ شرکت ساؤتھ سی کی تجاویز اتنی بڑی ہیں کہ انھیں سنبھالنا محال ہوگا۔ اس کے قول و فعل کا فرق تو اس سے ظاہر ہے کہ خود روپیہ لگا کے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کیا، لیکن عام طور پر وہ **اسٹین ہوپ** اور **سنڈر لینڈ** کی ہر تحریک کی مخالفت کرتا رہا تھا، جسے اس وقت تو کسی نے سنا نہیں، مگر اب وہ سب باتیں یاد آئیں حالانکہ اب **وال پول** دوبارہ سرکاری عہدہ قبول کر چکا تھا؛

اسی کے ساتھ ایک ہنگامہ بلند ہوا کہ کمپنی کے ناظموں کو سزا ملنی چاہیے۔ سرکاری تحقیقات کی استدعا کی گئی اور تحقیقات سے بہت جلد ثابت ہو گیا کہ طرح طرح کی جعلسازیاں اور خیانتیں ہوتی رہی ہیں۔ تجارتی شرکتوں کی ایسی بدعنوانیاں، ان دنوں کچھ خلاف معمول نہ تھیں، تاہم اس شرکت کے معاملات میں یہ چوریاں کھلیں تو بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ پتا چلا کہ وزرا کے نام محض فرضی طور پر بڑے بڑے حصے لکھدیے گئے تھے جو ان کی تائید کی قیمت تھی۔ بیگم **کنڈل** اور بیگم **سفک** کو دس دس ہزار پونڈ ادا کیے گئے تھے۔ **سنڈر لینڈ**، **کریگز**، **ایس لبی** اور **اسٹین ہوپ** کے ایک عمزاد بھائی **چارلس اسٹین ہوپ**، چاروں کی نسبت بیان ہوا کہ نذرانے کے طور پر مال وصول کرتے رہے ہیں۔ ان میں **سنڈر لینڈ** اور **اسٹین ہوپ** کو تو بمشکل رہائی مل گئی۔ **کریگز** عین یہ کیفیت شائع ہونے کے دن سیتلا سے مر گیا۔ اس کے باپ نے خودکشی کر لی۔ **ایس لبی** ملک سے نکال دیا گیا۔ جو ناظم شریک پائے گئے ان پر جرمانہ ہوا۔ **گبن** کے دادا کو ایک لاکھ کی جمع جتھا میں سے بچانوے ہزار پونڈ دھر دینے پڑے۔ **اسٹین ہوپ** کچھ زیادہ ملوّث نہ تھا لیکن **لارڈ وھارٹن** نے اس پر ایسے آوازے کسے کہ دارالامرا میں اس کی حالت متغیر ہو گئی اور وہ علیل ہو کر چند ہی روز میں مر گیا۔ **سنڈر لینڈ** کو جبراً استعفیٰ دینا پڑا؛

ان تغیرات سے **وال پول** کا راستہ صاف ہو گیا اور وہ **سنڈر لینڈ** کی جگہ صدر امیر خزانہ اور **ایس لبی** کی جگہ وزیر مالیہ مقرر ہوا۔ **وال پول** کی رائے سے کمپنی کا سرمایہ تین کرور تیس لاکھ پونڈ قرار پایا جس کی نصف رقم پر حکومت نے پہلے پانچ فیصدی اور ۱۷۲۷ء کے بعد سے چار فیصدی سود ادا کرنے کا اقرار کیا۔

باب اول

قرار پایا کہ حصہ داروں کو صرف تینتیس ۳۳ فیصدی رقم دی جائے۔ اس طرح ملک کو یہ امید ہوئی کہ چھ سال بعد قومی قرضے کا ایک فیصدی سود کم ہوجائے گا۔ تجارت میں جو خلفشار پیدا ہوا تھا، وہ بتدریج فرو ہوگیا۔ غنیمت یہ ہے کہ اصل سرمایہ ضائع نہ ہوا تھا، جیسا کہ ڈیرین کی تجویز میں آفت آچکی تھی۔ بعض لوگ زیادہ دولت مند اور بعض محتاج ضرور ہوگئے لیکن قومی سرمایہ سلامت رہا۔ رفتہ رفتہ لوگ پھر مطمئن ہوگئے اور مختلف صورتوں میں، حسب معمول تجارت ہونے لگی؛

وال پول کی وزارت۔

اب وال پول صدر امیر خزانہ اور وزیر اعظم انگلستان بنایا گیا۔ وہ پہلا شخص ہے جسے اس خطاب سے یاد کرتے ہیں اگرچہ بہت پہلے یعنی ۱۶۷۷ء میں ایولن، لارڈ آرلنگٹن کی نسبت بھی "معتمد شاہی اور وزیر اعظم" کے الفاظ استعمال کرتا ہے، مگر اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ آرلنگٹن سب سے ممتاز وزیر تھا اور شاہی وزیروں میں اس قسم کا امتیاز ہمیشہ کسی نہ کسی کو حاصل رہتا تھا۔ نارمن اور ابتدائی پلان ٹاجینٹ بادشاہوں کے عہد میں عموماً امیر عدل وزیر اعظم ہوتا تھا۔ بعد کے پلان ٹاجینٹ اور ٹیوڈر بادشاہوں کے وقت میں وزیر مالیہ کو یہ حیثیت حاصل ہوئی جیسا کہ ولیم وکھم، مورٹن اور ولزے کے حالات سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ آخری ٹیوڈروں اور اسٹوارٹ بادشاہوں کے وزیروں میں یہ مرتبہ کبھی وزیر مال کبھی امیر خزانہ اور کبھی شاہی معتمد یا دبیر کو حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ برلے پہلے پہلے معتمد اور پھر امیر خزانہ تھا۔ کلے رنڈن وزیر مال رہا لیکن اس کی معزولی کے بعد وزیر اعظم عموماً وہی شخص سمجھا جاتا جس کے پاس وزارت خزانہ کا قلمدان ہوتا تھا۔ چنانچہ ڈین بی اور گوڈالفن کا اصلی عہدہ یہی رہا لیکن امارت خزانہ میں اکثر ایک شخص کی بجائے، سارا انتظام چند اشخاص کی جماعت کے حوالے کر دیتے جو امیر خزانہ کہلاتے اور ان کا صدر نشین صدر امیر خزانہ موسوم ہوتا تھا۔ آج کل اسی طرز پر امارت بحریہ کا سررشتہ قائم اور صدر امیر البحر کی خدمت انجام دیتا ہے۔ بہرحال، اس زمانے میں وزرا میں کوئی ترتیب نہ تھی اور جارج اول کے عہد تک ٹاون زنڈ اور اسٹین ہوپ جو درحقیقت وزیر اعظم رہے عہدے کے اعتبار سے محض معتمد تھے؛

باب اول

وزیر اعظم

لیکن حالات کے اقتضا سے اب ضروری ہوگیا کہ صدر وزیر کی حیثیت کو زیادہ صاف اور معین کردیا جائے۔ سب سے بڑی ضرورت تو یہی تھی کہ مجلس وزرا میں بادشاہ نہ آئے تو صدارت کون کرے؟ اب تک معمول رہا تھا کہ بادشاہ انگلستان میں موجود ہوتا تو ہمیشہ ان جلسوں میں آکر خود صدارت کرتا تھا مگر جارج کو اول تو انگریزی زبان نہ آتی تھی اور اس لیے جلسوں کی صدارت سے اس کا جی اکتایا اور اپنی شرکت بیکار نظر آئی۔ نظر برایں آیندہ سے صدر وزیر ہی اس مجلس کا صدرنشین سمجھا جانے لگا اور اسی کو وزیر اعظم اور پھر پریمیر یا پریمیئے یعنے (وزیر اول) کا لقب حاصل ہوگیا۔ وال پول کے عرصے تک برسر عہدہ رہنے کی وجہ سے وزارت عظمیٰ صدر امیر خزانہ کے عہدے کے ساتھ لازم ملزوم خیال کی جانے لگی لیکن یہ کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے اور ۱۸۸۵ء اور ۱۸۸۶ء ہی میں (لارڈ ایڈس لے کی وفات واقع ۱۸۸۷ء کے بعد) سالسبری نے قدیم تر طریقے پہ عمل کیا اور وزارت عظمیٰ کے ساتھ ہی وزارت خارجہ کی خدمت اپنے ذمے لی اور دارالعوام کے صدر وزیر کو امارت خزانہ کا عہدہ تفویض کردیا۔ بایں ہمہ انگلستان کے قوانین میں وزیر اعظم کا عہدہ کہیں مذکور نہیں ہے۔ یہ محض ایک تعظیمی لقب ہے اور بادشاہ جس شخص سے وزارت مرتب کرنے کی فرمائش کرتا ہے اسی کو یہ لقب مل جاتا ہے؛ بہرحال یہ جدت فریق واری حکومت کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتی ہے اور چونکہ جارج نے اپنے وزرا کو ایک ہی سیاسی فریق میں سے منتخب کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا، لہذا ان میں ایک شخص کے وزیر اعظم بنائے جانے سے وزارت میں ایک خاص انضباط و اتحاد پیدا ہوگیا اور اسی وقت سے وزیروں کی ساری جماعت کو مجلس وزرا یا وزارت کے اسم جمع سے یاد کرنے لگے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ملک جدید طریقے کے معنے اور فوائد کا بخوبی اندازہ رکھتے تھے۔ آیندہ سے اسی لفظ (وزارت) میں وہ تمام عہدہ دار داخل سمجھے جانے لگے جو سیاسی آرا کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں اور اس گروہ میں وزرا کی وہ کابینہ بھی شامل ہے، جو وزیر اعظم کی صدارت میں صیغۂ راز میں اجلاس کرتی رہتی ہے۔ کابینہ کے ارکان، اگر پہلے ہی سے مجلس خاص کے رکن نہ ہوں

باب اول

تو وزیر ہونے کے ساتھ ہی ہمیشہ اس کے رکن بنا دیے جاتے اور اسی بنا پر ان کے ناموں کے ساتھ "رائٹ آنریبل" کے القاب لکھے جاتے تھے ؛

وال پول اور اس کے ساتھی وال پول کے خاص ہمصفیر تین تھے :۔ ٹاؤن زنڈ اور کارٹرٹ جو شاہی معتمدی کے عہدے پر فائز تھے اور تیسرے مجلسائے شاہی کا خزانہ دار، پل ٹینی ۔ یہ وال پول کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ایسے وقت میں برسر اقتدار ہوا جب کہ موت یا اتفاق روزگار نے تمام ایسے اشخاص کو میدان سے ہٹا دیا جو اس کے حریف غالب بن سکتے تھے ۔ پرانی "ٹولی" کے سب افراد مر چکے تھے ۔ گڈولفن ۱۷۱۲ئ میں فوت ہو گیا۔ مارل برو ۱۷۲۲ئ میں۔ اسٹین ہوپ بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سنڈرلینڈ جس کی فتنہ انگیز زبان وال پول کی بیخکنی میں بھی اسی طرح مصروف رہی تھی جس طرح ٹاؤن زنڈ کی بیخکنی کر چکی تھی ۱۷۲۲ئ میں ملک عدم کی راہ لے چکا تھا اور اسی طرح ہارلی اور کریگز بھی فوت ہو گئے تھے بولنگ بروک بدنام ہو چکا تھا اور ایس لیبی خارج البلد کر دیا گیا ؛ انگلستان کا پہلا وزیر اعظم اپنے زمانے کے عام انگریزوں کا ایک نمونہ تھا۔ ۱۶۷۶ئ میں ایک زمیندار کے گھر پیدا ہوا اور انیس بھائی بہنوں میں تیسرا تھا۔ ایٹن اور کیمبرج میں تعلیم پائی۔ عدالتی خدمات اور شکار کے میدان میں لوگوں کو سمجھنے اور معاملہ کرنے کا سبق سیکھا۔ ۱۷۰۰ئ میں پارلیمنٹ کا رکن ہوا۔ لن اور کاسل رائی زنگ کے انتخابات اس کے قبضے میں تھے اور سیاسی عقائد کے اعتبار سے پکا وھگ تھا، لہذا جلد شہرت پا گیا اور ۱۷۰۵ئ میں مارل برو نے امارت بحری کی مجلس میں اسے جگہ دی۔ ۱۷۰۸ئ میں محکمۂ جنگ کا معتمد مقرر ہوا۔ ۱۷۱۲ئ میں گرفتار کیا گیا تو وھگ فریق کے سرگروہوں کی صف اول میں شمار ہونے لگا اور اسی وقت سے اس کی سوانح قومی تاریخ کا جزو بن گئی ۔صورت ظاہری کے لحاظ سے وہ خاصے گٹھے ہوئے جسم کا، خوش مزاج، کشادہ پیشانی زمیندار نظر آتا تھا۔ میدان اور دفتر دونوں جگہ کی مشقت جھیلنے کی عادت تھی۔ اخلاق میں پیوست نہ تھی اور اتنی عقل رکھتا تھا کہ لوگوں کی راہ نمائی کرے لیکن اتنی دور تک نہ بڑھے کہ معاصرین کے جذبات و تعصبات ساتھ نہ دے سکیں ؛ صاف گو اور نیک نہاد

باب اول

محنتی مگر کھیل کود کا شوقین، انسانی فطرت کا رمز شناس اور لوگوں سے کام لینے کے گر سے خوب واقف تھا۔ وہ اپنی ضرورتوں کا صحیح اندازہ رکھتا اور ان کے حصول کی تدبیر کرنی جانتا تھا۔ اگر شدید مشکلات حائل ہو جائیں تو یا توقف اور بہتر موقع کا انتظار کرتا یا شان کا خیال کئے بغیر مطلب براری کی کوئی سیدھی سادی صورت نکال لینے پر آمادہ ہو جاتا۔ یہ بات اس کے پوری طرح دلنشین تھی کہ گذشتہ اسّی سال میں اہل ملک پیہم شورش و ہیجان میں مبتلا رہے ہیں اور اب انھیں آرام و سکون کی ضرورت ہے اور اسی لیے ہر ایسی بات سے پرہیز کرتا جو سیاسی یا مذہبی عناد پیدا کرنے کا موجب ہو۔ معاملات خارجہ میں وہ جملہ ممالک سے امن و آشتی کے ساتھ رہنے کو جیکوبی ریشہ دوانیوں کا بہترین علاج سمجھتا تھا۔ اس نے دول خارجہ کی چاپلوسی کبھی نہیں کی اور برطانی اغراض کی حفاظت میں بھی کبھی تغافل نہیں برتا، بایں ہمہ ایسی پیچیدگیوں میں پڑنے سے ہمیشہ احتیاط کی جن کا نتیجہ جنگ ہو۔ اور جب لڑنا ہی پڑا تو اس وقت بھی پوری کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو، اسے تنگ ترین حدود میں محدود کر دیا جائے۔ وطن میں یا باہر اسے بڑے بڑے کارنامے دکھانے کا ذرا شوق نہ تھا اور وہ برابر اس اصول کا پابند رہا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسے خیر خوبی سے ہونے دیا جائے۔

اس احتیاط کی ضرورت بھی جلد ظاہر ہو گئی جب کہ ایک تازہ جیکوبی سازش کا انکشاف ہوا۔ ۱۷۲۰ء میں شہزادۂ مدعی کے خیر خواہ بہت خوش ہوئے کہ جیمس ثانی کا پوتا مسمی چارلس ایڈورڈ لوئی کیزیمیر اسٹوارٹ پیدا ہوا جو ۱۷۴۵ء کی آیندہ بغاوت کا بدنصیب سرغنہ بنا۔ ان لوگوں کو ایک عجیب خیال یہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ جارج برطانیہ کی بادشاہی سے اکتا گیا ہے۔ حتیٰ کہ شہزادۂ مدعی نے اسے خط لکھ کر بھیجا کہ اگر وہ کاتب خط کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے تو کاتب ذمّہ لیتا ہے کہ اسے شاہ ہنوور کا لقب دلوا دے گا ساتھ ہی شرکت کی تجاویز کی ناکامی سے بھی یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اہل ملک حکومت سے نہایت بیزار ہو گئے ہیں۔ غرض جیسا کہ جلا وطن اشخاص زود اعتقاد ہو جایا کرتے ہیں، خاندان اسٹوارٹ کے مدعی اور ان کے ہوا خواہ بھی ہر واقعے کی اپنے حسب مراد

باب اول

تعبیر کیا کرتے تھے۔ جیکوبی فرقے کا انتظام' ان دنوں پانچ اشخاص کی ایک مجلس کے ہاتھ میں تھا جس میں سب سے لائق اور مستعد ایٹربری اسقف روچسٹر کو سمجھنا چاہیے۔ یہ لوگ اپنی خط کتابت بڑی بڑی عیاریوں سے مخفی رکھتے تھے۔ بایں ہمہ ایک اتفاقی واقعے سے حکومت کو اپٹربری کی کارستانی کا پتا چل گیا۔ وہ گرفتار ہوا اور دارالامرا کے سامنے بڑی فصیح و بلیغ تقریر صفائی میں کرنے کے باوجود' دونوں ایوانوں میں ایک تحریک منظور کر لی گئی جس کی رو سے ایٹربری عہدے سے معزول اور ملک سے جلاوطن کر دیا گیا (۱۷۲۳ء)۔ اس کے جرم میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے لیکن ایک اسقف کی یہ گت بننے سے کلیسا کے طبقۂ اعلیٰ کی بہت بے توقیری ہوئی۔ اس لیے جب ایٹربری قلعۂ لندن میں محبوس تھا تو لندن کے بعض گرجوں میں اس حیلے سے کہ وہ نقرس کا مریض ہے' اس کے لیے دعائیں مانگی گئیں؛ بہرحال ایٹربری کے پکڑے جانے سے جیکوبی فرقے پر بڑی ضرب لگی اور وال پول نے اسی سلسلے میں کیتھولک منکرین پر (اور کچھ روز بعد توسیع دے کے' فرقۂ "نون جیورر" (لاحلفی) پر) ایک خاص محصول لگا دیا۔ یہ صریحی بے انصافی تھی لیکن چونکہ جیکوبی سازش کرنے والے انھی گردہوں کے لوگ ہوتے تھے اس لیے معلوم ہوتا ہے وال پول نے جائز سمجھا کہ یہ سارا گروہ جیکوبیوں کے جرائم کا خمیازہ بھگتے؛

ایٹربری کے مقدمے کے بعد وال پول اپنے آپ کو اتنا قوی سمجھنے لگا کہ اس نے انھی ایام میں بولنگ بُرک کو انگلستان واپس آنے کی اجازت دے دی۔ اس مدبر نے وطن سے نکلنے کے بعد عجیب عجیب نشیب و فراز دیکھے تھے کہ سال بھر کے اندر بادشاہ اور مدعی دونوں کی ملازمت سے برطرف ہوا۔ یعنے ایک کی پارلیمنٹ نے باغی قرار دیا تو مدعی کے رفیقوں نے غدار ٹھیرایا۔ مدعی کی اس سے ناراضی کا سبب غالباً اور منڈ اور مار کی رقابت تھی مگر برطرف کیا گیا تو وہ اس تمام خاندان شاہی کا سخت دشمن ہو گیا اور انگلستان آنے کے لیے ہر قسم کی شرطیں قبول کرنے پر خوشی سے آمادہ تھا۔

بولنگ بُرک کی مراجعت

باب اول

پھر بھی وال پول نے احتیاط سے کام لیا۔ اس کی پشیمانی کی چھ سال تک آزمائش کی گئی اور آخر میں بادشاہ کی آشنا، بیگم کنڈیل نے گیارہ ہزار پونڈ رشوت لے کر شاہی معافی کا پروانہ حاصل کیا اور اس کی جاگیر واگذاشت ہوئی تو اس وقت بھی بغاوت کا پہلا فیصلہ مسترد نہیں کیا گیا اور اسے از روئے قانون پارلیمنٹ میں شریک ہونے کی اجازت نہ ملی؛

وزرا کا باہمی نفاق ۱۷۲۴ء میں وزرا کے اندرونی نفاق کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے اسباب عام بھی تھے اور خاص بھی۔ اول تو فریقانہ حکومت کا نتیجہ ہی یہ تھا کہ وزرا متحدہ حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور رہوں اور ایسا شخص مجلس وزرا میں برسر عہدہ نہ رہ سکے جو اہم مسائل میں اپنے ساتھیوں اور خصوصاً وزیر اعظم سے اختلاف رکھتا ہو۔ اتفاق سے وال پول کے کئی ابتدائی رفیق ایسا مزاج اور اس قدر ہوس جاہ رکھتے تھے کہ کسی ایسے اصول کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس میں شخصی رائے کو بالکل پس پشت ڈالنا لازمی ہو۔ اس جماعت میں سب سے اول لارڈ کارٹرٹ نے علیحدگی اختیار کی۔ یہ امیر ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوا اور اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز و مہذب آدمی مانا جاتا تھا چنانچہ جب مرا تو لارڈ چیسٹر فیلڈ نے دعوے سے کہا کہ "ہر اعتبار سے انگلستان کا بہترین دماغ اس کے ساتھ قبر میں گیا"۔ لڑکپن ہی میں امارت مل جانے کے باعث وہ دارالعوام کا رکن کبھی نہیں رہا۔ مگر دارالامرا میں سنڈرلینڈ کی رفاقت اختیار کی اور وھگ اصول کی حمایت میں اپنی جراءت اور طلاقت سے بہت جلد مشہور ہو گیا۔ خانگی زندگی میں وہ نہایت حمیدہ اوصاف اور ستودہ سیرت کا آدمی تھا۔ قدیم وجدید ادبیات میں تبحّر اور ایک یہ نادر وصف رکھتا تھا کہ جرمن زبان بول سکتا تھا جس کی بدولت بادشاہ کے مزاج میں اسے بڑا درخور حاصل ہو گیا۔ سیاسیات کے عملی میدان میں وہ سویڈن کی سفارت میں نہایت نیک نام رہا اور کم عمر ہونے کے باوجود وال پول نے شاہی معتمدی کی خدمت اس کے تفویض کی۔ لیکن افسوس ہے کہ مزاج اور خصائل میں وہ اپنے سردار سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ اس کا مطمح نظر تمام تر وزارت خارجہ

کا کام تھا اور ملک کے نظم ونسق یا لوگوں سے کام لینے کے فن سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کسی کے میر عدل یا اسقف ہونے سے مجھے کچھ سروکار نہیں۔ میں تو بادشاہ اور شہنشاہ بناتا ہوں اور یورپ کا توازن قائم رکھنا میرا کام ہے"۔ اصل یہ ہے کہ وہ اپنی الگ رائے رکھتا تھا اور وال پول کو اس سے ایک دفعہ حسد پیدا ہوا تو پھر کارٹرٹ کی بادشاہ سے ذاتی دوستی اس حسد کو برابر بڑھاتی رہی۔ اسٹین ہوپ اور ٹاون زنڈ کی طرح کارٹرٹ کا بادشاہ کے ساتھ عرصے تک ہنوور جاکے رہنا اور بھی غضب ہو گیا۔ آخر دربار فرانس کی ایک مبہم سازش کی بدولت یہ پھوڑا پھوٹ بہا اور کارٹرٹ خدمت سے الگ کر دیا گیا۔ اس سازش میں اس کا دوست اور انگلستان کے باقاعدہ سفیر سر لیوک شوب کو وال پول کے بھائی ہورے شیو نے بے وقوف بنایا تھا۔ لیکن عہدے سے علیحدگی کے باوجود کارٹرٹ مجلس وزارت سے الگ نہیں ہوا بلکہ ٹاون زنڈ کی طرح آئرستان کا والی بنا دیا گیا۔ اور حسن اتفاق سے اس ملک میں ایسے وقت پہنچا کہ ناموری حاصل کرنے کا موقع اسے مل گیا۔

آئرستان

لمے رک نے جب سے ہتھیار ڈالے تھے، آئرستان کامل جمود کی حالت میں تھا۔ تمام اقتدار پروٹسٹنٹ اقلیت کے قبضے میں آگیا اور انگلستان کے وزیروں کی براہ راست اتنی مداخلت بڑھ گئی کہ آئرستان کی پارلیمنٹ سے متعدد احکام نافذ ہوئے جن کا منشا ملکی مصنوعات کی ترقی کو روکنا تھا تاکہ وہ انگلستان کی مصنوعات سے مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس جزیرے کی آزادی کا اس حد تک خاتمہ ہو چکا تھا کہ اسکاٹ لینڈ سے انگلستان کا اتحاد عمل میں آیا تو آئرستان کی پارلیمنٹ نے بھی اسی قسم کے اتحاد کی درخواست کی لیکن انگریز وزیروں نے اسے توجہ کے قابل تک نہ سمجھا اور خود ان انگریزوں کے اغراض اور فوائد کی بھی پروا نہ کی جو آئرستان میں جا بسے تھے۔ بلکہ ۱۷۱۹ء میں ایک قانون مرتب کیا جس میں آئرستان کی پارلیمنٹ ایک ماتحت مجلس قرار دی گئی اور انگلستانی پارلیمنٹ کے قوانین آئرستان میں بھی نافذ العمل کر دیے گئے۔ طرہ یہ کہ اس قانون پر انگلستان میں کسی کو حیرت نہ ہوئی بلکہ اسے محض ایک امر واقعہ کی آئینی [illegible]

باب اول

خیال کیا گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ خود آئرستان میں اپنی برائے نام تشریعی آزادی کا اس طرح مٹنا دیکھ کر لوگ بہت بد دل ہوئے۔

اس بد دلی کا احساس انگریز وزرا کو اس وقت ہوا جب کہ آئرستان میں مسی سکے کی ضرورت دیکھ کر وال پول نے اس کا ٹھیکہ ایک کارخانہ دار وُڈ نامی کو دے دیا۔ سکے کی ضرورت تو مسلّم تھی کیونکہ انھی دنوں مزدوریاں جنس میں یا برات (یعنے مہر زدہ کاغذ) کی صورت میں ادا کی جانے لگی تھیں۔ وڈ انگلستان کا سب سے پہلا بڑا آہن ساز تھا اور کم سے کم انتالیس ملکوں میں اسے کان کنی کے حقوق حاصل تھے۔ اس کے نئے سکے کا سر آئزک نیوٹن نے دار الضرب میں امتحان کیا اور اسے بہت عمدہ قسم کا قرار دیا۔ لیکن ضرورت جتنے سکوں کی تھی ان سے ایک لاکھ آٹھ ہزار پونڈ مالیت کے سکے زیادہ تیار ہو گئے اور ٹھیکہ دینے میں بھی حسب معمول خورد برد ہوئی تھی۔ مگر آئرستان میں اس تجویز کی نامقبولیت کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہاں والوں سے مطلق مشورہ نہیں لیا گیا بلکہ پوری تجویز انگریزوں یا جرمنوں کی مرتب کی ہوئی تھی۔

وڈ کا پیسہ

اسی پر سوئفٹ کو دل کے بخار نکالنے کا موقع ملا۔ وہ ان دنوں سینٹ پیٹرک کے کلیسا میں مہتمم تھا اور انگریز وزرا کی بے اعتنائی سے دل ہی دل میں بگڑ رہا تھا۔ اب اس نے نئے سکے کی تجویز پر اعتراض کرکے دل کی بھڑاس نکالی اور ڈریپیئر کے مفروضہ نام سے اس تجویز پر شدید حملہ کیا جس میں کوئی تہمت اور مبالغہ جس سے کام لیا جا سکتا تھا اٹھا نہ رکھا تھا۔ ان مضامین یا "خطوط" میں وڈ کو جعلساز اور نئے سکے کو مغشوش ثابت کیا اور لکھا تھا کہ اہل آئرستان اسے قبول کرنے پر ذرا آمادہ نہیں مگر انگریزی فوج کے سپاہی جبراً اسے ملک میں رائج کر رہے ہیں۔ پھر جالوت مثال عفریت یعنے وڈ کے مقابلے میں اپنے آپ کو پستہ قامت داؤد بتایا جو اہل وطن کی حمایت میں لڑنے نکلا ہے۔ سوئفٹ کی دلنشین اور مسلمہ خطابت نے ان جھوٹی باتوں میں بلا کی تاثیر پیدا کر دی اور ملک بھر میں سخت ناراضی پھیل گئی چنانچہ کارٹرٹ نے صوبہ داری کا جائزہ لیا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ نئے سکے کی ترویج پر اصرار کیا گیا تو پروٹسٹنٹ اور

باب ۱۰

کیتھولک دونوں فرقے مل کر حکومت کی مخالفت کریں گے۔ ان حالات میں کارٹرٹ کو رعایت میں مصلحت نظر آئی۔ حکومت انگلستان بھی اس کی صلاح مان گئی اور وڈ کو تاوان دے کر یہ ٹھیکہ توڑ دیا گیا۔ اہل آئرستان دوبارہ اپنی افسردہ خاموشی کے ساتھ مصروف اطاعت ہو گئے۔

پروٹسٹنٹوں کا غلبہ

بایں ہمہ یہ ہیجان دیکھ کر حکومت کو یقین ہو گیا تھا کہ کیتھولک فرقے کی قوت اور کم کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۷۲۷ء میں آئرستانی پارلیمنٹ میں ایک قانون وضع کر کے کیتھولک مذہب والوں کا حق رائے دہی چھین لیا گیا اور یہ قانون ۱۷۹۳ء تک نافذ رہا۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ ساٹھ برس تک ملک کا سارا نظم و نسق پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ میں رہا اگرچہ ان کی تعداد پوری آبادی کا صرف ۱/۶ چھٹا حصہ تھی۔ اس زمانے میں ملک کی عام حالت کی نسبت کوئی صحیح اندازہ لگانا بہت دشوار ہے تاہم یہ یقینی بات ہے کہ جمہور سیاسی اقتدار سے محروم ہوئے تو آئرستان کی پارلیمنٹ نے گویا عوام کی ضروریات کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور عہدہ داروں، کارخانہ داروں یا زمینداروں کے سوا عام کاشتکار جن کی ملک میں سب سے بڑی تعداد تھی، ان کا حال بد تر نہ ہوا تو اس میں کوئی بہتری یا ترقی بھی نہیں ہوئی۔ تجارت پر جمود طاری تھا۔ اہل ملک کو انگلستان میں بھی اپنی پیداوار و ساور بھیجنے کی آزادی نہ تھی اور جمہور کی گذر اوقات کا مدار بہت کچھ آلو کی پیداوار پر آ لگا تھا لہٰذا قحط سالی اور سخت مصائب کی نوبت بار بار پہنچ جاتی تھی اور اسی پر سوئفٹ نے اپنے طعن آمیز رسالے، موسومہ "معتدل تجویز" میں اہل الرائے کو متوجہ کیا اور اس خیال کی وکالت کی کہ آئرستان کے بچوں کو اشیائے خوردنی سمجھ کر پرورش کیا جائے۔ اس پُر عقوبت زمانے میں بدنصیب کاشتکاروں کا کوئی دوست تھا تو کیتھولک علما تھے جو قوانین کے خلاف بھی لوگوں کو مذہب کی تبلیغ اور کچھ نہ کچھ تعلیم دیے جاتے تھے ورنہ قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ عجب نہیں ان لوگوں میں دوبارہ وحشت و بربریت پھیل جائے۔

باب اول

پل ٹینی سے جھگڑا

۱۷۲۵ء میں وال پول کی پل ٹینی سے بھی ٹھن گئی۔ اس کا یہ ساتھی ۱۶۸۲ء میں پیدا ہوا۔ بڑا دولت مند آدمی تھا اور طلاقت لسانی کے اعتبار سے بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دار العوام میں اس سے بہتر مقرر کوئی دیکھنے میں نہ آیا تھا؛ اسی کے ساتھ وہ بہت ہی متلوّن مزاج تھا اور بہت جلد رائے بدلتا اور ہر کسی کا ذرا سی بات پر دشمن ہو جاتا تھا۔ گزشتہ عہد حکومت کے مباحثوں میں اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور جارج بادشاہ ہوا، تو وہ محکمۂ جنگ کا معتمد بنا دیا گیا۔ پہلی مجلس وزرا کے جھگڑوں میں وہ ٹاؤن زنڈ اور وال پول کے ساتھ تھا اور انھی کے ساتھ ۱۷۱۷ء میں عہدے سے مستعفی ہوا۔ پھر وال پول وزیر اعظم ہوا تو پل ٹینی کو صرف امارت دینے کی تجویز ہوئی۔ یہ اس نے قبول نہ کی تاہم شاہی محلسرا کا خازن ہو گیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ کوئی ترقی نہیں ملی، اس نے منغض ہو کر یہ خدمت چھوڑ دی؛

"فریق اختلاف" کی تاسیس۔

پل ٹینی کی ملازمت سے علٰحدگی نہ صرف وال پول بلکہ پارلیمنٹ کی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ ہے کیونکہ اب اپنے مسلّمہ وصف یعنے کینہ توزی سے یہی نہیں کہ وہ اپنے سابقہ ساتھیوں کا دشمن ہو گیا بلکہ اس نے ایک باقاعدہ فریق اختلاف تیار کرنے کی کوشش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ حکومتِ وقت کو معزول کرا کے خود اس کی جگہ لے۔ فریق دارِ حکومت میں فریق اختلاف کا وجود اسی وقت سے لازمی چیز سمجھا جانے لگا اور تجربے سے ثابت ہو گیا کہ یہ جماعت ہم آہنگ ہو اور خوبی سے کام لیا جائے تو نیابتی حکومت کے چلانے میں ایسی ہی مفید اور ضروری ہے جیسے کہ ایک مربوط اور کارکن وزارتی جماعت۔ یوں بھی جارج کی تخت نشینی کے وقت سے وھگوں کی حکومت پر کوئی باقاعدہ تنقید کرنے والا گروہ نہ رہا تھا اور جس طرح عود ملوکیت کے وقت کئی سال تک بادشاہ پسند جماعت حاوی رہی، اب اس فرقے سے کوئی باز پرس نہ ہوتی تھی۔ اسی لیے پل ٹینی کے جدید فریق اختلاف اور چارلس دوم کے زمانے کی "زمیندار جماعت" کی ابتدا اور نشو و نما میں بہت سی مماثلتیں ڈھونڈی جا سکتی ہیں؛

باب اول

فریق اختلاف میں ٹوریوں کے ساتھ ان وھگوں کو بھی پوری طرح متحد کرنے میں، جو وزرا سے دل برداشتہ تھے بولنگ بُرک سے بڑی مدد ملی۔ یہ لایق سیاست داں انگلستان واپس تو آگیا مگر اسے کوئی پوچھتا نہ تھا اور گو وہ طرح طرح سے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ پہلے مسلک سے رجوع کرکے اب ہنوور کی وراثت کو عین حق بجانب جانتا ہے اور اسے بادشاہ کے پاس جاکر تفصیلی عذر معذرت کی بھی اجازت مل گئی، بایں ہمہ جارج کو اس کی صداقت کا کچھ زیادہ یقین نہ آیا اور اسے عام طور پر لوگ ابن الوقت سمجھنے لگے۔ بولنگ برُک سمجھ گیا کہ جب تک وال پول بر سر اقتدار ہے، اس وقت تک میری دال نہیں گلیگی لہٰذا اب وہ تیار تھا کہ کوئی گروہ یا کوئی دلیل جس سے حکومت میں تغیر کی امید بندھتی ہو، ان کی حمایت کرے۔ غرض اب یہ دونوں لایق اور کینہ پرور آدمی کمربستہ ہو گئے کہ وزارت کے خلاف پارلیمنٹ اور نیز ملک میں ایک گروہ اختلاف کی تنظیم کی جائے۔ پارلیمنٹ میں تو پل ٹینی نے اپنے گرد ناراض وھگوں کا ایک جوق جمع کیا اور انھیں ترغیب دی کہ جہاں تک ہو سکے ٹوریوں سے مل کر کام کریں۔ اسی کے ساتھ اچھی قابلیت کے نوجوان ارکان جو وقتاً فوقتاً منتخب ہو کر آتے، ان سب کو ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی۔ ادھر پارلیمنٹ کے باہر بولنگ برک نے اخبار "کرافٹس مَین" (Crafts man)

اخبار کرافٹس مَین

میں نکتہ چینیاں کرکر کے اہل ملک کو وزرا کے خلاف بھڑکانے کی سعی کی۔ یہ اخبار فریق اختلاف کا سب سے پہلا باقاعدہ روزنامہ تھا اور اس کے اتنی جلد جلد چھپنے اور کثیر اشاعت ہونے ہی سے ثابت ہو گیا کہ مطابع کی نگرانی اٹھ جانے سے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اس اخبار کا مسلک وہی تھا جو خالص نکتہ چینوں کا ہوا کرتا ہے، یعنے وہ روزانہ حکومت کے ہر کام پر اعتراض کرتا تھا۔ اگر وال پول صلح کی وکالت کرے تو یہ اخبار اسے ملک کے بہترین فوائد پس پشت ڈالنے سے تعبیر کرتا اور اگر یہی وزیر دول خارجہ سے کوئی معارضہ کرتا تو کرافٹس مَین کہتا کہ وال پول ملک کو جنگ میں پھنسانے کے درپے ہے غریقانہ لڑائی میں فریقین

باب اول

کا طرز عمل ایسا ہی ہو جایا کرتا ہے اور اسی لیے ڈیوڈ ہیوم لکھتا ہے (سالہ ۱۷۴۱ء) کہ وزیروں کے دشمن لامحالہ انھیں داخلی اور خارجی انتظامات میں ہر قسم کی خرابیاں پیدا کرنے کا ملزم بتاتے ہیں اور ان معاندین کے نزدیک کوئی ایسی رذالت یا شرارت نہیں ہے جس کا ارتکاب کرنے میں یہ وزیر باک کرتے ہوں'' بخلاف اس کے وزیروں کے حامیتی ان کی عقل و دانش اور حسن انتظام کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں۔ حقیقت میں کرافٹس من فقط ایک پیش رو تھا جس کے آیندہ صدہا جانشین پیدا ہوئے۔ یہ نکتہ چیں عوام کو گرویدہ بنانے کی غرض سے محب وطن کا نام اختیار کر لیتے تھے گویا ڈرائی ڈن کے بقول یہ ان کے جملہ گناہوں کا کفارہ تھا۔

ولی عہد نئے فریق کا مرکز "لیسٹر ہاؤس" یعنے شہزادۂ ولی عہد کا محل تھا۔ ابتدائی ہنووری بادشاہوں کی طرفہ خصوصیت یہ تھی کہ اپنے ولی عہدوں سے ہمیشہ ناراض رہے۔ جارج اول کو بھی اپنے بیٹے سے رقابت ہو گئی تھی کیونکہ یہ شہزادہ انگریزی بول سکتا تھا اور باپ کی نسبت ہر دلعزیز ہونے کے زیادہ مواقع رکھتا تھا۔ اسی ناخوشی کی وجہ سے اس کے وظیفے کے متعلق ہمیشہ تکرار ہوتی رہتی جس پر باپ بیٹے دونوں مساوی طور پر نفرین کے مستحق ہیں لیکن اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے ان کی باہمی مخالفت ملک کے لیے مفید تھی۔ کیونکہ ان دونوں میں اتحاد ہوتا تو بادشاہ یا وزرا سے ناخوش ہونے والوں کو دوڑ دوڑ کر شہزادۂ مدعی کے پاس جانے کی ترغیب ہوتی۔ لیکن اب جو شخص بادشاہ اور وزیروں سے بگڑتا وہ سیدھا ولی عہد کے حلقے میں داخل ہو جاتا اور ٹوری تک جن کی زیادہ تعداد دل میں جیکوبی فرقے کی طرف مائل تھی از خود ولی عہد کی طرف کھنچے۔ جو فریق اختلاف کا ایک قدرتی سا مرکز بن گیا تھا۔ مزید براں ان دنوں بادشاہ کا یہ حق کہ وہ چاہے تو ہر دو مخالف گروہوں سے اپنے وزیر منتخب کرے، سلامت تھا اور اسی بنا پر پل ٹینی کو امید تھی کہ اگر شہزادۂ ولی عہد کو خوش کر لیا تو وہ تخت نشین ہو کر اسے ضرور عہدہ عنایت کرے گا۔

باب اول

معاملات خارجہ

وطن میں تو دماغ اس ساز باز میں مصروف تھے لیکن ممالک خارجہ کے معاملات میں، وال پول کمال حزم و احتیاط کے باوجود جنگ میں پھنسے بغیر نہ رہ سکا۔ جنگ کا اصلی سبب یہ ہوا کہ لوئی پانزدہم نے پولینڈ کی شہزادی ماریا سے شادی کرلی اور ہسپانیہ کی ایک چھوٹی شہزادی کو جس کی آیندہ ملکۂ فرانس ہونے کی امید پر ہی پیرس میں تعلیم و تربیت کی جارہی تھی کج ادائی سے واپس وطن روانہ کردیا۔ اس پر اہل ہسپانیہ بہت برہم ہوئے اور انھوں نے فرانس کے خلاف آسٹریا سے اتحاد کا معاہدہ کرلیا چونکہ برطانیہ اس وقت فرانس کا طرفدار تھا، لہذا اسے بھی دشمنوں میں شمار کیا گیا اور جبل الطارق کو واپس لینے اور اسٹوارٹ خاندان کو بحال کرنے کی تجویز مرتب کی گئی۔ اس کے جواب میں انگلستان، فرانس اور پروشیا نے بھی دوستی کے عہد و پیمان کیے جو حلف نامۂ ہنوور کے نام سے مشہور ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ جنگ تنگ حدود میں محدود رہی اور جہاں تک انگریزوں کا تعلق ہے، انھیں صرف جبل الطارق کی مدافعت کرنی پڑی یا ایک بیڑا کپتان ہوزیر کے ماتحت غرب الہند کی طرف بھیجنا پڑا جسے تاکید تھی کہ صرف مدافعت میں لڑائی لڑے۔ بایں ہمہ ان واقعات سے جیکوبی فرقے میں ہیجان پیدا ہوا اور ان کی امیدیں چھپی نہ رہیں جس سے قطعی طور پر ظاہر ہوگیا کہ بیرونی جنگ نہایت آسانی سے اندرونی بغاوت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر وال پول نے پوری کوشش کی کہ لڑائی رک جائے اور آخر کار صلحنامۂ اشبیلیہ (سیویل) سے دوبارہ امن قائم ہوگیا؛

اسی جنگ کے دوران میں جارج اول یک بیک ہنوور میں ۱۰ جون ۱۷۲۷ء کو فوت ہوگیا اور ایک محتاط و نیک نیت فرماں روا کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ درخشاں اوصاف نہ ہونے کے باوجود اپنی تیرہ سال کی حکومت میں وہ برابر کوشاں رہا کہ نیابتی اور فرقہ واری کشمکش کی دشواریوں میں پھونک پھونک کر قدم رکھے اور تخت برطانیہ کی وراثت اپنی اولاد کے حق میں محفوظ و مامون کر جائے؛

باب اول

مشہور واقعات



قانون بلوہ	سنہ ۱۷۱۵ء
جیکوبی شورش و فساد	ایضاً
قانون میعاد ہفت سالہ	سنہ ۱۷۱۶ء
شرکت ساوتھ سی	سنہ ۱۷۱۱ء تا سنہ ۱۷۲۱ء
وال پول وزیر اعظم مقرر ہوتا ہے	سنہ ۱۷۲۱ء
سوئفٹ کے خطوط	سنہ ۱۷۲۴ء



باب دوم

جارج دوم: ۱۷۲۷ء تا ۱۷۶۰ء

ولادت ۱۶۸۳ء ؛ ازدواج باکیرولائن، ۱۷۰۵ء۔

معاصرین: فرانس .... لوئی پانزدہم
شہنشاہ ...... چارلس ششم وہفتم و فرانسس اول۔
پروشیا .... فریڈرک اعظم

نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر وزارت کے بدلنے کی توقع تھی۔ چنانچہ اس نے اول ہی وال پول کو الگ کرکے دارالعوام کے صدر سر اسپنسر کومپ ٹن کے وزارت تفویض کی۔ مگر کہتے ہیں یہ شخص بھدا اُکست آدمی تھا۔ کاروبار کی اس میں قابلیت نہ تھی اور مستعدی کا یہ حال تھا کہ بادشاہ مجلس خاص میں جو مختصر سی تقریر کرنے والا تھا، کومپ ٹن نے اس کی تیاری میں بھی وال پول سے مدد مانگی۔ وال پول نے ظاہر ہے فرمائش پوری کرنے میں تو کوئی تامل نہ کیا لیکن نئی ملکہ تک اس بات کی اطلاع ضرور کرادی۔ کیرولائن پہلے سے وال پول کی قدر

باب دوم

پہچانتی تھی۔ اب اس نے اپنے شوہر کو جتایا کہ کومپ ٹن کا تقرر بالکل ناموزوں ہے۔ وال پول نے یہ خبر بھی گشت کرادی تھی کہ اگر میں برسر اقتدار رہتا تو جیب خاص میں اضافہ کرا دیتا۔ غرض جارج کو بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ پرانے وزیر کو الگ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہی نقصان ہے۔ چنانچہ معزولی کو

وال پول کی برطرفی اور بحالی

اڑتالیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ پھر وال پول عہدۂ وزارت پر بحال کر دیا گیا۔ اتنی ہی دیر میں کومپ ٹن کی حویلی ارباب سیاست کا مرجع بن گئی تھی لیکن اس کے وزارت سے الگ ہوتے ہی پھر وہاں سناٹا ہو گیا۔ ادھر وال پول نے ایک لاکھ تیس ہزار پونڈ سالانہ کی زائد رقم بادشاہ کے لیے منظور کرا کے گویا اپنی بحالی کا صلہ دے دیا۔ اسی طرح دارالعوام کے ذریعے یہ اعلان کرایا کہ آں جہانی بادشاہ کی وفات ملک کے حق میں نقصان عظیم ہے جس کی تلافی صرف اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ ہی کر سکتی ہے۔"

نیا بادشاہ

تخت نشینی کے وقت نئے بادشاہ کی عمر چوالیس سال کی تھی۔ وہ ہر اعتبار سے اپنے باپ سے کمتر تھا اور کاروبار کی عام قابلیت بھی کم تھی۔ تاہم اپنے باپ کی طرح مردم شناسی کا ملکہ رکھتا تھا اور جب کسی کو دوست بنا لیتا تو پھر اس کا ساتھ مشکل سے چھوڑتا تھا۔ معاملات خارجہ میں وہ ریاست ہنوور کے فوائد کا خیال مقدم رکھتا تھا۔ برطانیہ کے اندرونی مسائل سے چنداں دلچسپی نہ تھی البتہ فوج سے بہت کچھ علمی شغف تھا۔ مارل برو کی سپہ سالاری میں اوڈ نارڈ کی جنگ میں بھی شریک رہا اور خود بھی زعم سپہ سالاری رکھتا تھا۔

نئی ملکہ

بادشاہ کے برخلاف ملکۂ کیرو لائن خاص شخصیت کی عورت تھی۔ جوانی ہی میں اس نے آزاد خیالی کا یہ ثبوت دیا کہ ایک کیتھولک مذہب والے کے ساتھ شادی کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ پھر بیاہ کر انگلستان آئی تو بہت جلد یہاں کی سیاسیات اور ممتاز اشخاص کی اصلی خوخصلت سے اس نے واقفیت بہم پہنچا لی۔ ادبیات اور علوم وفنون

باب دوم

سے بھی اسے دلچسپی تھی۔ چنانچہ گے کو محلسرائے شاہی میں عہدہ عنایت کیا۔ اس مصنف نے ملکہ کے چھوٹے بیٹے ولیم کا دل بہلانے کے لیے کہانیوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ (ولیم، آگے چل کے شہزادۂ کمبرلینڈ موسوم ہوا) اسی طرح سوئفٹ سے بھی ملکہ نے شناسائی حاصل کی۔ وہ مابعد الطبیعیات کے مباحث بڑے ذوق شوق سے سنتی اور ہینڈل نامی مطرب کی بھی قدردان مربیہ تھی۔ بادشاہ پر اس کا بے حد اثر تھا اگرچہ اس میں بہت کچھ زحمتیں ضرور پیش آئیں۔ بہر حال جب تک وہ زندہ رہی، اس وقت تک بادشاہی حکمت عملی کی باگ جارج کی بجائے ملکہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اور چونکہ وال پول سے وہ نہایت عمدہ مفاہمت رکھتی تھی، لہذا ملکہ کی زندگی تک یہ وزیر اپنے عہدے پر بالکل محفوظ و مستحکم رہا۔

وال پول کی حکمت عملی

جارج دوم کی تخت نشینی کے وقت وال پول کی توجہ معاملات خارجہ پر منعطف تھی اور وطن میں وہ سابق کی طرح محض مقررہ رسمی کام چلائے جاتا تھا۔ البتہ قوانین آزمائش و بلدیات کے سلسلے میں غیر مقلدوں کے قانونی مرتبے پر اسے فوری توجہ کرنی پڑی۔ ان قوانین کو اسٹین ہوپ منسوخ کر دینے کی جرأت کر بیٹھتا لیکن وال پول خوب سمجھتا تھا کہ ایسا کیا گیا تو پھر وہی شور کہ "مذہب خطرے میں ہے" بلند ہوگا اور رعیت کی تشویش پیدا ہو جائے گی۔ نظر بر ایں اس نے یہ تدبیر کافی خیال کی کہ ہر سال ان قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ایک قانون تلافی وضع کر کے سزا سے مستثنٰی کر دیتا تھا۔ اسی طرح یہ قانون محض "در کتاب" رہ گئے۔ اور ہر چند اس خرابی کو درست کرنے کی قابل اطمینان صورت نہ تھی تاہم وہ وال پول کے طرز مزاج کے عین مطابق تھی۔

ٹاؤن زنڈ سے ان بن

۱۷۳۰ء میں کارٹرٹ نے ولایت آئرستان سے استعفا دیا اور علانیہ فریق اختلاف میں جا ملا۔ اسی سال ٹاؤن زنڈ وزارت سے علٰحدہ ہوا۔ وہ تیس برس تک وال پول کا نہایت ہمراز و دمساز رہا تھا لیکن کچھ مدت سے ایسے اسباب پیدا ہونے لگے کہ ان دونوں میں مغائرت ہو گئی۔ اول تو ٹاؤن زنڈ کی بیوی (وال پول کی بہن) نے

باب دہم

وفات پائی۔ دوسرے یہ دونوں شرکت میں کاروبار کرتے تھے اور اس کی بنا رکھنے میں ٹاون زنڈ پیش پیش تھا اور کارخانے کا نام بھی "ٹاون زنڈ اور وال پول" تھا۔ اب یہ نام بدل کر "وال پول اور ٹاون زنڈ" کر دیا گیا تو اس تاخر سے ٹاون زنڈ کی کاروبار ہی سے دلچسپی کم ہو گئی۔ یہ پرانی شکایت کہ ٹاون زنڈ بادشاہ کے ساتھ ہنوور گیا اور ذاتی اثر و اقتدار بڑھانے میں ساعی رہا ابھی تک چلی آتی تھی۔ ادھر ٹاون زنڈ اس بات سے دق آگیا تھا کہ وال پول برابر اس قسم کے قوانین دار العوام میں پیش کرتا رہتا ہے جو عوام کے مذاق کے موافق ہوں۔ وزرا ان کی تنقید میں کوئی لب کشائی نہ کر سکتے تھے اور وہ آگے چل کے دار الامرا میں مسترد کر دیے جاتے تھے۔ غرض یہ سب اسباب ایسے تھے کہ ان کے باہمی تعلقات میں فرق آگیا اور آخری سبب مخالفت کا یہ پیش آیا کہ وال پول نے کسی خاتون کے مکان میں ٹاون زنڈ سے بہت ہی عامیانہ قسم کا مذاق کیا اور اسی پر تنک مزاج ٹاون زنڈ آپے سے باہر ہو گیا۔ لوگوں نے بہ مشکل روکا ورنہ دست و گریباں ہونے کی نوبت آجاتی۔ بہر حال اس قضیے کے بعد یاری دوستی کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور ٹاون زنڈ نے خودداری کے ساتھ وزارت سے علٰحدگی اختیار کر لی کہ آئندہ وال پول جیسا چاہے نظم و نسق کرتا رہے۔ وہ کارٹرٹ اور پل ٹینی کی طرح اپنے پرانے رفیق کے مخالفین میں بھی شامل نہیں ہوا بلکہ نارفک میں جا رہا اور زراعت کے کام میں مصروف ہو گیا۔ یہ بھی سارے ملک پر اس کا احسان ہے کہ اسی نے شلجم کی کاشت کو یہاں بڑی ترقی دی؛

آبکاری کی نئی تجاویز

فریق اختلاف کو پہلی کامیابی ۱۷۳۳ء میں حاصل ہوئی جب کہ وال پول نے اپنی آبکاری کی مشہور تجاویز پیش کیں۔ ان دنوں مالگزاری گرد رگیری اور آبکاری ہی کے محاصل سب سے بڑے ذرائع آمدنی تھے۔ مالگزاری ۱۶۹۲ء کی تشخیص کے مطابق، جنگ کے زمانے میں ۴ شلنگ اور حالت امن میں ایک سے تین شلنگ تک وصول کی جاتی تھی اور چار شلنگ کے حساب سے کل آمدنی کا اوسط تقریباً بیس لاکھ پونڈ سالانہ تھا۔ کرد رگیری، قدیم راہ داری کی بجائے جاری ہوئی تھی اور صرف لشیائے درآمد پر

لی جاتی تھی۔ وال پول کے زمانے میں اس کی آمدنی پندرہ لاکھ پونڈ سالانہ تھی آبکاری کے محصول جیسا کہ نام سے ظاہر ہے وطنی پیداوار یا مصنوعات پر عائد کیے جاتے تھے۔ انھیں سب سے پہلے طویل پارلیمنٹ نے شروع کیا اور زیادہ تر نمک، جو کے نشاستے اور شرابوں پر لگایا تھا۔ ۱۷۳۳ء میں اس مد کی آمدنی ۳۲ لاکھ پونڈ تھی؛ محاصل کے وصول کرنے میں سب سے زیادہ خرچ کروڑگیری کی وصولی میں کرنا پڑتا تھا اور ان کی چوری سے عدم ادائی کی بھی بہت سی صورتیں تھیں۔ حتیٰ کہ تمباکو کے محصول کی کل رقم تو ساڑھے سات لاکھ تھی لیکن سرکار کو خالص آمدنی صرف ایک لاکھ ۶۰ ہزار ہوتی تھی۔ دوسرے یہ محاصل عموماً خام اجناس پر تشخیص کیے جاتے تھے اور اس لیے بیچنے والوں کو ان کی تیاری میں ہر منزل پر اپنا منافع بڑھا دینے کا موقع ملتا اور اس طرح تیاری کے بعد ان اشیاء کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچتی اور خریدار کو ادا کرنی پڑتی تھی۔ بخلاف اس کے آبکاری تیار شدہ مال پر صرف ایک دفعہ لگائی جاتی اور اس سے خریدار بہت فائدے میں رہتا تھا۔ ان وجوہ سے وال پول نے تجویز کی کہ تمباکو اور شراب پر بھی کروڑگیری کی بجائے آبکاری لگائی جائے۔ اور لوگوں کو سمجھایا کہ ایسا کرنے سے یہ ممکن ہو جائے گا کہ مالگزاری کے محاصل منسوخ کر دیے جائیں۔ ساتھ ہی وہ چاہتا تھا کہ ان اشیاء کی جو دوبارہ ملک سے باہر جائیں، کروڑگیری معاف کر دی جائے جس کا یہ فائدہ ہوگا کہ لندن دنیا بھر کی تجارت کا مرکز اور آزاد بندرگاہ بن سکے گا۔ یہ استدلال بالکل درست تھا لیکن افسوس ہے کہ آبکاری کے محاصل شروع سے نامقبول تھے۔ انھیں خانہ جنگی کے زمانے میں جمہوریت پسندوں نے جاری کیا تھا اور اسی لیے اہل ملک کے دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہ محاصل محض خودرائی سے لوگوں پر بطور تاوان کے عائد کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر جانسن نے "آبکاری" کی جو مشہور و معروف تعریف بیان کی ہے۔ وہ انھی عام خیالات کا خلاصہ پیش کرتی ہے کہ "آبکاری" "وہ ملعون محصول ہے جو اجناس پر مال کے معمولی مبصروں کی بجائے وہ حرامی معین کرتے ہیں، جنھیں وصول کرنے والوں نے دام دے کر اس کام پر

باب دوم

مقرر کیا ہے۔" فریق اختلاف نے ان جذبات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وال پول کی تجاویز کا پورا علم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عوام میں ان کے خلاف شورش برپا کرا دی گئی اور مشہور کیا کہ یہ قانون منظور ہو گیا تو اہل انگلستان کا گھر جس میں اب تک کسی غیر کا گذر نہ ہو سکتا تھا محصول تشخیص کرنے والوں کی شارع عام بن جائے گا کہ جب چاہیں اندر آ کر مال کی جانچ پڑتال کریں۔ نکتہ چینوں کا یہ بھی قول تھا کہ وال پول کا اصلی مطلب محصلوں سے ملک کو بھر دینا ہے تاکہ انتخابات کے وقت ان کے ذریعے لوگوں پر اثر ڈالا جائے۔ حالانکہ وال پول بیان شائع کر چکا تھا کہ نئے عہدہ داروں کی تعداد ایک سو چھبیس سے زیادہ نہ ہو گی۔ مگر اخبار کرافٹس من لکھے جاتا تھا کہ نئی تجاویز کی بیہودگی بیان کرنے میں زبان قلم قاصر ہے۔ وال پول سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ نئی تجاویز کے خلاف بعض لوگوں نے عرضیاں دیں اور غل شور مچاتے ہوئے آئے تو انھیں "مٹے کٹے بھکاری" کے الفاظ سے یاد کیا جس سے عوام میں اور بھی ناراضی پیدا ہو گئی۔ اس عام شورش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری خواندگی کے وقت وال پول کی اکثریت گھٹ کر ۱۶ ہو گئی تب اس کشمکش کو بے سود سمجھ کر اور یہ اعلان کر کے کہ وہ ایسا وزیر بننا نہیں چاہتا جو خون کی قیمت میں محصول وصول کرنا جائز رکھتا ہو، اس نے اپنی تجاویز واپس لے لیں، تاہم آیندہ ایک ایک کر کے انھی تجاویز پر عملدرآمد ہونے لگا اور لوگوں نے چوں تک نہ کی۔ یہ بات بھی قابل تحریر ہے کہ اس واقعے سے پچاس برس بعد جو انتخابات ہوئے، ان میں پتا چلا کہ دو چار نہیں، پورے ستر مبعوث آبکاری وصول کرنے والوں کی کوشش و اثر سے منتخب ہوئے تھے، اور گویا ثابت ہو گیا کہ اس زمانے کے جھوٹے حلقہائے انتخاب کے لحاظ سے، نکتہ چینوں کا وال پول کی تجاویز پر دوسرا اعتراض بے بنیاد نہ تھا۔

ان تجاویز کی ناکامی پر وال پول نے سارا غصہ اپنے ساتھی وزیروں پر اتارا جن کی نسبت اسے یقین ہو گیا تھا کہ مخالفین سے مل گئے تھے۔ چنانچہ مسودۂ قانون کو واپس لینے کے دو ہی دن بعد امیر چیسٹر فیلڈ اپنی درباری خدمت سے برطرف کر دیا گیا۔ امیر کبیر مون ٹروز اور دو اور امیر اسکاٹ لینڈ کے

باب دوم

عہدوں سے الگ کیے گئے۔ اور امیر کبیر بولنگ بروک اور کوب ہم فوج کی کمیدانیوں سے محروم ہوئے۔ ان برطرفیوں میں آخری دو سراسر ناانصافی پر مبنی تھیں اور یوں بھی اس تمام کارروائی سے مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ۱۷۳۵ء کے عام انتخابات میں حامیان حکومت کی تعداد قدرے گھٹ گئی۔

اسکاٹ لینڈ

اسی دوران میں سوائے جیکوبی ریشہ دوانیوں کے اسکاٹ لینڈ کے معاملات نے اہل حکومت کو بالکل پریشان نہیں کیا تھا اور ملکی اتحاد کے بعد سے اس ملک کی ترقی نہ صرف پیہم بلکہ نہایت تیز رہی۔ ۱۷۰۰ء میں ایڈن برو کی تعداد تیس ہزار اور گلاسگو کی صرف پندرہ ہزار تھی اور اس کی ندی کلائڈ اتنی چوڑی نہیں کی گئی تھی کہ سمندر کے جہاز وہاں تک آجا سکتے۔ اسی طرح ڈنڈی اور پرتھ کی مردم شماری دس اور سات ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ پورے ملک کی آمدنی انگلستان کی ساٹھ لاکھ پونڈ آمدنی کے مقابلے میں صرف ایک لاکھ ۶۰ ہزار تھی۔ میدانی علاقوں میں بھی معاشرت کا معیار بہت ادنیٰ تھا اور پہاڑی اضلاع میں تو اس وقت تک نہ سڑکیں تھیں نہ بگھیاں۔ گھوڑے بھی اکا دکا نظر آتے تھے۔ قلبہ رانی کے پرانے طریقے جاری تھے اور لکڑی کے پھاوڑے تیار کیے جاتے تھے۔ قبیلے قبیلے کے چودھری مقدمے فیصل کرتے اور اپنی برادری میں بالکل مطلق العنان ہوتے تھے۔ ہمسایوں سے آئے دن جنگ وجدل، شاہی چھاؤنیوں کے بالکل سامنے سے مویشی ہنکالے جانا، معمولی بات تھی۔ لیکن انگلستان سے اتحاد ہونے کے بعد، تیس ہی برس میں ہر اعتبار سے نمایاں ترقی نظر آنے لگی۔ پرس بی ٹری مذہب کے قیام اور ۱۷۱۲ء میں برطانی پارلیمنٹ کے ایک قانون سے جس نے حامیان اسقفیت کے ساتھ رواداری لازم قرار دی، مذہبی جور وتعدی کی بلا سے ملک کو نجات ملی۔ ۱۶۹۶ء میں مدارس حلقے کا قانون مرتب ہوا اور اسکاچ "انجمن ترویج تعلیم مسیحی" کی کوشش سے لوگوں میں ابتدائی تعلیم کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ غالباً یورپ کے کسی دوسرے ملک میں اس کا معیار اتنا بلند نہ تھا۔ اسی کے ساتھ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں ترقی ہونے لگی ادھر

باب دوم

تجارت کی آزادی مل جانے سے اسکاٹ لینڈ کی صنعت و حرفت نے بڑی تیز ترقی کی اور آرام و راحت کا پورا معیار بلند ہو گیا۔ لوگوں کے باہر جانے اور عام طور پر ترقی کرنے میں ایک رکاوٹ زبان کی تھی کہ اکثر باشندے اپنی مقامی بولی (گیلی) کے سوا اور کوئی زبان نہ جانتے تھے۔ مگر اب مدارس میں انگریزی کے باضابطہ رواج سے پہاڑی علاقوں تک میں حالت بدلنے لگی۔ دوسرے مارشل ویڈ نے ۱۷۲۶ء سے ۱۷۳۷ء تک پہاڑوں میں جو سڑکوں کا جال تیار کر دیا اس کی بدولت سپاہی، باطلی اور واعظ وغیرہ سبھی کی رسائی ان اضلاع تک ہو گئی جہاں پہلے مشکل سے کوئی آ جا سکتا تھا۔

ان سب فوائد کے باوجود اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسکاٹ لینڈ کے اکثر محبان وطن کو انگلستان سے اپنے ملک کا اتحاد سخت ناپسند تھا اور جدید نظام کا ٹھیک ٹھیک امتحان تک بغیر اس کے نہ ہو سکتا تھا کہ حکومت ہر معاملے میں نرمی اور مصالحت کی روش اختیار کرے۔ اتحاد کی شرطوں میں ایک نہایت ناخوشگوار شے جو کے نشاستے کا محصول تھا جو انگلستان کے ساتھ اسکاٹ لینڈ پر بھی عائد کیا گیا۔ وہاں کے باشندے اسے ادا کرنے سے برابر بچتے رہے اور آخر اس کے عوض بس جو کی شراب پر فی پیپہ چھ پنی آبکاری لگا دی گئی۔ یہ شراب (= ایل) میدانی اضلاع میں عام طور پر مروج تھی اور اس پر محصول لگا تو جا بجا بلوے بھی ہوئے لیکن وال پول اپنی بات پر قائم رہا اور اس کے کارکن (امیر اسلا اور شہزادۂ آرجائل) کے حسن تدبیر سے یہ قضیہ رفع دفع ہو گیا۔ کلالوں نے ایکا کر لیا تھا کہ آیندہ شراب ہی نہ کشید کریں گے" یہ ایکا ٹوٹ گیا اور پھر بلا دشواری آبکاری ادا ہونے لگی۔ بایں ہمہ وال پول کو اس بارے میں اتنا تردد ہو گیا تھا کہ اس نے اسکاٹ لینڈ کی معتمدی موقوف کر کے وہاں کے معاملات براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

۱۷۳۵ء میں ایڈن برو میں اور بھی مخدوش بلوہ ہوا۔ اصل میں ولسن اور رابرٹسن نامی دو "محصول چور" گرفتار ہوئے اور قزاقی کے

شراب کے بلوے

جرم میں سزائے موت کے مستوجب قرار پائے۔ انھوں نے سوہن سے اپنی بیڑیاں کاٹ دیں اور قید خانے کی کھڑکی کا سریا بھی ہٹا دیا تھا لیکن ولسن جو زیادہ موٹا تھا اور پہلے نکلنے لگا، وہ کھڑکی میں پھنس گیا اور نہ خود نکل سکا نہ اس کا ساتھی۔ تاہم اتوار کو گرجا جاتے وقت اس نے حیرت انگیز جسمانی طاقت سے پہرے والوں کو مغلوب کر لیا اور رابرٹسن کو موقع دیا کہ فرار ہو جائے۔ اس کارنامے سے سب اس کے مدّاح و حامی ہو گئے۔ قتل کے وقت تو کوئی ہنگامہ نہیں ہوا لیکن بعد میں کچھ سنگ باری کی گئی۔ شہر کے چوکیدار جن میں زیادہ تر پہاڑی جوان بلدیے کے ملازم تھے، کپتان پورٹیس کی قیادت میں تھے۔ لوگوں کے پتھر مارنے سے یہ کپتان بہت چڑا اور اس نے غصے میں مجمع پر ایک بندوق چلا دی ساتھ ہی اس کے سپاہیوں نے بندوقیں سر کر دیں اور کئی آدمی جان سے مارے گئے۔ پورٹیس پر قتل کا مقدمہ قائم ہوا اور سزائے موت سنائی گئی لیکن حکومت نے یہ سزا بدل دی۔ تب اہل شہر کو سخت غصہ آیا۔ عوام کا ایک باقاعدہ مجمع مرتب ہو کر قید خانے پر چڑھ دوڑا اور کوئی شک نہیں کہ اس میں شہر کے اونچے طبقوں کے بھی بعض افراد شریک تھے۔ ان لوگوں نے پورٹیس کو قید خانے سے باہر نکال کر ایک رنگساز کے بانس پر پھانسی دے دی۔ اس زیادتی سے انگلستان میں سخت ناراضی پیدا ہوئی اور الگ الگ بلوائیوں کے خلاف شہادت نہ مل سکی تو پارلیمنٹ میں تحریک کی گئی کہ ایڈنبرو کا بلدی منشور چھین لیا جائے۔ شہر کے دروازے منہدم کر کے چوکیدار برطرف کر دیے جائیں۔ اسکاٹ لینڈ میں اس سزا کو بہت ناانصافانہ سمجھا گیا۔ دارالامرا اور دارالعوام کے تقریباً تمام اسکوٹی ارکان اس کے مخالف تھے آخر والپول کو بھی اندازہ ہو گیا کہ اسکاٹ لینڈ کے قومی جذبات کو اپنے خلاف بھڑکانا سخت بیوقوفی ہوگا۔ لہٰذا تحریک سزا کو بدل کر اہل شہر پر دو ہزار پونڈ جرمانہ عائد کیا کہ پورٹیس کی بیوہ کو ادا کیا جائے اور یہ کہ شہر کے عامل کے خلاف منشا کسی کو سرکاری خدمت نہ دی جائے۔ بارے اس طرح وہ طوفان کہ بے احتیاطی کی صورت میں خدا معلوم کس قدر طول کھینچتا، عین وقت پر

باب دوم

فرد کردیا گیا۔

جارج ثانی کے ابتدائی عہد کا ایک یادگار واقعہ فرقۂ میتھوڈسٹ کا ظہور ہے جس نے لاتعلیدی کی بالکل حالت بدل دی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسلمہ مذہب پر بہت کچھ اثر ڈالا۔ انقلاب حکومت ہی کے زمانے سے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ پروٹسٹنٹ

مذہب کی حالت

مذہب کے مختلف فرقوں کے اختلاف کی شدت کم ہوتی جاتی تھی۔ قانون رواداری کا نفاذ ہوا تو غیر مقلد فرقوں کی بہت سی صریحی مشکلات دور ہو گئیں اور اگرچہ ملکی معاملات میں وہ از روئے قانون پورا حصہ لینے سے ہنوز محروم تھے تاہم وال پول کی مذہبی رواداری کی بدولت عملاً یہ قیود بھی عائد نہ رہیں۔ دوسرے علمی مصالحت کی راہ نکل آئی تو کلیسائی نظم و نسق کے متعلق جو نظری اختلافات ان فرقوں میں پڑ گئے تھے ان کی اہمیت از خود کم ہو گئی۔ ادھر سولھویں اور سترھویں صدی کے مذہبی مسائل کے نامتناہی مناقشوں سے لوگ تھک گئے تھے اور ملائی تعلیم کی وقعت نظروں سے گرتی جاتی تھی۔ مزید براں خود اہل مذہب کی قوت میں فرق آنے کے بہت سے اسباب نکل آئے تھے۔ جب سے وھگ فرقے کا اقتدار ہوا اس وقت سے اسی سیاسی گروہ کے پادریوں کو اسقفیت کے عہدے ملتے رہے۔ اور چونکہ اس گروہ کی تعداد کم اور لندن اور جامعات کی بستیوں ہی میں ملتی تھی اور عام پادری ٹوری بلکہ جیکوبی خیالات رکھتے تھے لہذا انھیں اپنے سرخیل اساقفہ سے کوئی یگانگی باقی نہیں رہی۔ ۱۷۱۷ء میں مجلس علما کے اجلاس جو ایڈورڈ اول کے زمانے سے پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ منعقد ہوتے تھے موقوف کر دیئے گئے۔ اس کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ پادری بھی اب اسی شرح سے جو پارلیمنٹ نے مقرر کی محصول ادا کرنے لگے تھے اور ان کی جداگانہ منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرے مجلس کے شعبۂ اعلیٰ میں وھگ اسقفوں اور شعبۂ ادنیٰ میں اضلاع کے ٹوری پادریوں کے قائم مقاموں میں اختلاف آ رہا تھا اور یہ بات ارباب سیاست کو اکثر پریشان کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۷۱۷ء میں ہوڈلی (اسقف بنگور) نے

باب دوم

مذہبی خلافت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو شعبۂ ادنیٰ میں اس پر بری طرح لے دے ہوئی۔ انھی وجوہ سے آیندہ مجلس علما کا انعقاد اور اسے کوئی کام کرنے کی اجازت ہی ۱۸۵۵ء تک نہ دی گئی اور اس طرح اہل مذہب کو معاملات ملکی میں بحث مباحثہ کرنے کے واحد سرکاری ذریعے سے محروم کر دیا گیا۔ اس کارروائی سے حکومت کو تو یقیناً مذہبی اختلافات کی خلش سے نجات مل گئی لیکن خود کلیسا کی قوت پر بھی کاری ضرب لگی۔ ادھر آکسفرڈ و کیمبرج میں دین کی طرف سے جو تساہل پیدا ہوا اس کا بھی وہاں تعلیم پانے والے پادریوں پر اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ الغرض ٹوری فرقے سے اتحاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ پادریوں کا پیشوایان دین کی حیثیت سے نفوذ و اثر بہت کچھ گھٹ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں صرف پادریوں کا قصور نہ تھا۔ اسی کے ساتھ ۱۶۹۶ء میں "انجمن ترقی علوم مسیحی" اور ۱۷۰۱ء میں "انجمن ترویج انجیل در ممالک غیر" کی بنیاد پڑی۔ اور مذہبی کتابوں کی مانگ بھی برابر بڑھتی رہی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر کوئی اچھا پیشوا مل جائے تو مذہبی ذوق شوق کو تازہ کرنے کا مادہ ملک میں موجود ہے۔

جان ویزلی

اس قسم کا پیشوا جان ویزلی نکلا۔ اس عجیب و غریب شخص کی ذات میں سچے دینی جوش کے ساتھ تنظیم و شیرازہ بندی کے وہ اوصاف موجود تھے جو ایک مدبر کی نشان ہیں۔ وہ ۱۷۰۳ء میں بہ مقام ایپ ورتھ (لنکن شر) پیدا ہوا۔ باپ کلیسائے انگلستان کا پرجوش متبع اور محنت کش پادری تھا۔ ماں ایک غیر مقلد خاندان کی عورت اور بڑی دیندار، پر اثر اخلاق والی تھی۔ جان کی تعلیم چارٹر ہاؤس اور آکسفرڈ میں ہوئی۔ تیئیس ۲۳ برس کی عمر میں علم منطق میں امتیاز حاصل کرنے کی بدولت وہ لنکن کالج کا رفیق منتخب ہوا اور ایک وقفے کے سوا ۱۷۳۵ء تک برابر آکسفرڈ میں مقیم رہا۔ اسی زمانے میں جان کے چھوٹے بھائی چارلس کی اپنے ہم کلیہ جارج وہٹ فیلڈ سے دوستی ہوئی اور جس طرح چارلس آگے چل کے نئی تحریک کا شاعر بنا جارج اپنے زمانے کا سب سے بڑا واعظ

باب دوم

ثابت ہوا۔ ان تین نوجوانوں نے چند ہم خیالوں کے ساتھ مل کر ایک انجمن تیار کی جس کا مقصد زیادہ پختہ مذہبی زندگی بسر کرنا تھا۔ ان کو لوگ تمسخر سے "میتھوڈسٹ" کہتے تھے جس کا سبب شاید یہ ہو کہ ویزلی کی ماں کی زبان پر لفظ میتھڈ "طریق کار" بہت چڑھا ہوا تھا اور یہ دونوں بھائی بھی اکثر یہ لفظ بولتے رہتے تھے۔ ۱۷۳۸ء میں جان واپس آیا اور مراویا (Moravian) فرقے کے اثر سے اس نے بھی "دلیل ایمانی" کا نظریہ اختیار کر لیا۔ تب ان بھائیوں کی انجمن بھی از سر نو "کلیسا کے اندر کلیسا" کے اصول پر مرتب کی گئی۔ بانیان تحریک نے سخت مذہبی زندگی اپنے اوپر لازم گردانی۔ آپس میں ہر ہفتے گناہوں کا اعتراف اور مراقبات کی مشق کرنے لگے اور گشتی واعظوں کا پیشہ اختیار کیا کہ منکرین کو توبہ کی تلقین کریں۔ اس میں اس کے لیے کوئی رکاوٹ اس لیے نہ تھی کہ انجمن کے بانی سب کے سب کلیسائے انگلستان کے سند یافتہ پادری تھے؛ لیکن حالات نے اس جماعت کو رفتہ رفتہ کلیسائے انگلستان سے جدا ایک مستقل فرقہ بنا دیا۔ یہ لوگ بغیر کسی تیاری کے وعظ کرنے کھڑے ہو جاتے۔ علما کی سہل انگاری کی سخت مذمت اور ہاتھ ہلا ہلا کے ایسی خبر لیتے کہ پادری انھیں گرجوں میں تقریر کی اجازت دینے سے گریز کرنے لگے۔ ۱۷۳۹ء میں وہٹ فیلڈ کنگز وڈ (قریب برسٹل) کے کان کنوں کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ یہ ہزاروں آدمی مذہب سے مطلق بے حس و بے خبر زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسی وقت سے وہٹ فیلڈ نے کھلے میدانوں میں وعظ کہنا شروع کیا۔ اسی سال جان ویزلی نے فرقۂ میتھوڈسٹ کی نمازوں کے واسطے علٰحدہ گرجا بنانے کی اجازت دی۔ سند یافتہ واعظوں کی کمی تھی، لہذا عام واعظوں کو مقرر کیا گیا اور نئے لوگوں کے کثرت سے اس فرقے میں شریک ہونے کی وجہ سے اسے وسیع پیمانے پر منظم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اگر اس زمانے کے کلیسا کی حدود میں توسیع و رعایت کی گنجائش ہوتی تو ویزلی اور وہٹ فیلڈ جیسے لوگوں کی تعلیم و تلقین کو بہ آسانی اپنے دائرے میں جذب کیا جا سکتا تھا کیونکہ خود یہ لوگ کلیسا کے حلقے سے باہر جانا نہ چاہتے تھے۔

باب دوم

لیکن کلیسا کے کار فرما اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور میتھوڈسٹ اشخاص کو اپنی مرضی کے خلاف رفتہ رفتہ کلیسائی حلقے سے باہر آجانا پڑا۔ اسقفوں نے عام واعظوں کو سند دینے سے انکار کیا اور اس تردّد میں ویزلی نے خود پادری بنانا جائز سمجھ لیا۔ چنانچہ ۱۷۸۴ء میں امریکی میتھوڈسٹوں کے مہتمم یا اسقف 'کوک' کو خود اس دینی مرتبے پر فائز کردیا۔ بایں ہمہ ویزلی غیر مقلد ہونے کا اقرار نہ کرتا تھا اور مرنے کے سال تک اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ جیتے جی کلیسائے انگلستان میں داخل رہا اور اسی کے فرد کی حیثیت سے مرے گا۔ اور جن لوگوں کو اس کی رائے کا لحاظ و پاس ہے، وہ کبھی اس کلیسا سے علٰحدہ نہ ہوں گے"۔ مگر واقعات کے آگے ایسی باتیں چلنے والی نہ تھیں۔ ایک اتنا بڑا گروہ جس میں ۷۱ ہزار انگلستان کے اور ۴۸ ہزار امریکہ کے باشندے شریک تھے اور جو یان سوگشتی واعظ اور ایسا مستقل نظام رکھتا تھا، جسے اس عہد کے بہترین دماغ نے تیار کیا، وہ زیادہ دن تک معلق حالت میں نہ رہ سکتا تھا۔ جان ویزلی کی وفات (واقع ۱۷۹۱ء) کے چار سال بعد میتھوڈسٹ واعظوں نے باقاعدہ نمازیں پڑھانی شروع کردیں اور اس وقت سے ان کے فرقے کی جداگانہ حیثیت زیادہ واضح ہوتی چلی گئی۔

مگر اس تفریق کے نمایاں ہونے سے بھی پہلے خود کلیسائے انگلستان میں یہ تغیر واقع ہوا کہ بہت سے اشخاص ویزلی کے فرقے میں شریک نہ ہونے کے باوجود عقائد و اعمال میں، اصولی طور پر اسی کے مقلد ہوگئے۔ ان لوگوں نے اسے دین جلی کل جماعت مرتب کی جس میں جان نیوٹن، کاوپر شاعر، ہنا مور وغیرہم بہت سے ممتاز اشخاص شریک اور کلیسائے انگلستان میں مذہب کی نئی روح پھونکنے میں پیش پیش تھے اور اٹھارویں صدی کے اواخر میں مشکل سے کوئی مذہبی یا خیر کی تحریک ایسی ہوگی جسے ان لوگوں نے اگر خود شروع نہ کیا، تو اس میں پوری سرگرمی سے حصہ نہ لیا ہو۔ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقے کے اکثر افراد جن پر ابتدائے ویزلی اور وہٹ فیلڈ کی تلقین کا اثر ہوا لیکن بعد میں وہ جداگانہ فرقے بننے سے مجتنب رہے، اس نئی جماعت کے ساتھ ہوگئے تھے۔

وال پول کا جماعتی انتظام | اگر ویزلی کے ابتدائی کام پر اہل ملک کی کچھ

باب دوم

زیادہ توجہ نہ ہوئی کیونکہ اس وقت وال پول اور اس کے حریفوں کی سیاسی کشتی پر سب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ وال پول کو عہدۂ اقتدار سے ہٹانا کچھ آسان نہ تھا۔ بہت سے انتخاب کے حلقے خصوصاً کارنول میں اور سواحل پر ایسے تھے جو ہمیشہ براہ راست بادشاہ کے زیر اثر رہے۔ ان میں زوال کے آثار نمایاں تھے تاہم دیانت و اصول کو بالائے طاق رکھ کر ان میں کام کیا جائے تو یہاں سے وزرا کے ساتھ دینے والے بہت سے مبعوثوں کو فراہم کرلینا ممکن تھا۔ اور پارلیمنٹ یا انتخابات کو حسب دلخواہ چلانے کے کام میں وال پول جیسا اُستاد اس وقت تک انگلستان میں پیدا نہ ہوا تھا۔ اپنے امیدواروں کو منتخب کرانے میں وہ کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا اور جب وہ منتخب ہو جاتے تو انھیں طرح طرح کی ترغیبات اور ذاتی اغراض کی بنا پر اپنی جماعت کا وفادار حامی بنائے رکھنے کا بھی برابر اہتمام رکھتا تھا۔ ۱۷۲۵ء میں اسے اندازہ ہوا کہ "گارٹر" کا اعزاز قائم کرنے سے اتنی اسامیاں خالی نہ ہو سکیں گی، جتنی اپنے سیاسی رفیقوں کو خوش کرنے کے لیے اسے درکار تھیں، تو اس نے عیاری سے "باتھ" کا اعزاز و خطاب تازہ کیا اور خود اس جدید اعزاز کو لے کر دوسروں کے لیے راستہ کھول دیا۔ مزید براں، دربار شاہی کے جملہ مناصب اور فوجی و دیوانی خدمات ہر چیز کے دینے میں یہ غرض ملحوظ ہوتی تھی کہ حکومت کی اکثریت قائم رکھی جائے۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی کلیسائی سرپرستی میں بھی اس مقصد کو فراموش نہ کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی بددیانتی مدت سے دیکھی جا رہی تھی لیکن اسے ایک باقاعدہ نظام وال پول ہی نے بنایا۔ اس زمانے میں مخالف و موافق رائے دینے والوں کے نام شائع نہ ہوتے تھے اور پارلیمنٹ کی تقریریں چھاپنا بھی انھی دنوں ممنوع قرار دیا گیا تھا، پس ارکان پارلیمنٹ کے افعال پر اخفا کا پردہ پڑا رہتا اور وہ نقاد انتخاب کرنے والوں کی متجسس نگاہوں سے حسب مراد چھپے رہتے تھے۔

اس تمام سعی و اہتمام کے باوجود فریق اختلاف کی قوت بڑھتی رہی اور فریڈرک، شہزادۂ ویلز کی شرکت سے بھی اسے فائدہ پہنچا۔ کیونکہ یہ ولی عہد بھی

فریق اختلاف کا فروغ۔

اپنے باپ کی تقلید میں فرماں روائے وقت سے الجھ پڑا۔ وہ نہایت کم عقل آدمی تھا اور اس کے لہو و لعب کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۱۷۴۵ء کے باغی ڈاربی پر آپہنچے اور وہ اپنے چھوکروں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا رہا؛ بایں ہمہ دکھاوے کو اپنا سردار بنانے کے لیے اہل اختلاف نے اسے سامنے رکھ لیا۔ ۱۷۳۶ء میں اس کی شادی اور وظیفے کے متعلق پیچیدگی پیدا ہوئی تو وال پول کے مخالفوں نے وزیر پر ضرب لگانے کی غرض سے ولی عہد کی حمایت کا بیڑا اٹھایا؛ اس فریق کی تعداد میں پیٹ اور گرینوِل وغیرہ بہت سے لائق نوجوان افراد کے آملنے سے بھی اضافہ ہوا جنھوں نے سیاسی زندگی آغاز کی تھی اور انھیں وال پول حقارت سے "لونڈے" کہا کرتا تھا؛ مزید براں بہت سے انشاپرداز وال پول کی بے اعتنائی دیکھ کر فریق اختلاف کے ساتھ ہو گئے تھے اور اس طرح پارلیمنٹ کے اندر اور باہر وال پول کو جن نکتہ چینوں کا مقابلہ کرنا پڑا وہ تعداد و قابلیت کے اعتبار سے یوماً فیوماً قوی تر ہوتے جاتے تھے۔ باغی وھگوں کے تقریباً برابر ٹوری مخالفین کی تعداد تھی جن کے سرگروہ سر ولیم وِنڈہم سر جان برنارڈ اور اشپین (جیکوبی) تھے۔ ان میں برنارڈ، وال پول کے بعد اپنے عہد کا بہترین ماہر مالیات تھا۔ یہ ساری جماعت اصولاً پل ٹینی کے زیر حکم کام کرتی تھی اور وہ دارالعوام کے مباحثوں میں بہترین آدمی مانا جاتا تھا۔ مخالفین کا اتنا کچھ زور بڑھنے کے باوجود، وال پول کی معزولی بہت دور نظر آتی تھی چنانچہ ۱۷۳۵ء کے انتخابات کے بعد بولنگ برُوک تو اتنا مایوس ہوا کہ چند سال کے لیے انگلستان چھوڑ کر باہر چلا گیا؛

وال پول کے اقتدار کو پہلا صدمہ تو یہ پہنچا کہ ۱۷۳۷ء میں ملکۂ کیرولائن فوت ہو گئی۔ مرتے وقت اس نے اپنے شوہر کو وزیر کے حوالے کیا اور بادشاہ بھی وال پول کے جیتے جی' اچھی بری ہر طرح کی خبریں سننے کے باوجود اس وزیر سے کبھی بدظن نہیں ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد وال پول کو ایک اور صدمہ پہنچا جارج ثانی کے زمانے میں وہ برابر اس روش پر قایم

باب دوم

اسپین سے عداوت

رہا تھا کہ ممالک یورپ کے ساز باز سے بالکل الگ رہے اور ۱۷۴۳ء میں ملک کے سامنے یہ واجبی تعلّی کی تھی کہ حضور عالیہ اس سال یورپ میں پچاس ہزار جوان مارے گئے نگران میں انگریز ایک بھی نہ تھا، لیکن اسباب خارجی پر وال پول قابو نہ پا سکا اور چند سال سے اسپین و برطانیہ میں باہمی عداوت برابر ترقی پاتی رہی۔ مخالفت کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں یورپ کی قومیں اپنی نوآبادیوں سے دوسرے ملکوں یا غیر نوآبادیوں کی تجارت ہونے نہ دیتی تھیں۔ صلحنامۂ یوٹریکٹ کے وقت اسپین نے بطریق رعایت انگلستان کو بردہ فروشی اور شرکت ساوتھ سی کو ہسپانی نوآبادیوں میں سالانہ ایک تجارتی جہاز بھیجنے کی اجازت دی تھی لیکن انگریز اس رعایت سے بہت ہی ناجائز فائدہ اٹھانے لگے اور ایک جہاز کے ساتھ کئی کئی اور جہاز بھیج دیتے کہ وہ ساحل سے بہت دور ٹھیر جاتے اور تجارت کرنے والے جہاز کو چوری سے مال بھیجتے رہتے۔ دوسرے انگریزی نوآبادیوں نے اسپین کی بندرگاہوں میں چوری سے مال بھیجنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اشیائے ممنوعہ کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی اور اس کو خوب فروغ ہو گیا تھا۔ اسے روکنے کی غرض سے اہل ہسپانیہ کو قدرۃً سواحل پر محافظ رکھنے پڑے کہ جس جہاز پر شبہہ ہو اس کی تلاشی لیں اور ممنوعہ مال پکڑا جائے تو اس جہاز کو روک رکھیں۔ برطانیہ اور اسپین کے جہازیوں میں دشمنی تو ڈریک اور ہاکنس ہی کے وقت سے چلی آتی تھی۔ اب جو یہ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو آئے دن لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن میں کبھی ایک فریق کی زیادتی ہوتی کبھی دوسرے کی۔ علاوہ ازیں، اسپین والوں نے خلیج کیمپیچی میں شہتیر کاٹنے سے بھی منع کیا جسے برطانیہ اپنا حق سمجھتی تھی اور راس پسارو پر جو معرکہ ہوا اس کے نقصانات کا تاوان انگریزوں سے طلب کیا۔ حالانکہ انگریز اسے اپنی بہت شاندار فتح سمجھتے تھے۔ غرض لڑائی کا بہت کافی مصالحہ جمع ہو گیا اور چونکہ اسپین والے خفیہ طور پر فرانس سے (جنگ چھڑنے کی صورت میں) امداد کا وعدہ لے چکے تھے، لہذا انھوں نے انگریزوں کی ایک نہ مانی اور وال پول کی یہ کوشش کہ نامہ و پیام سے معاملات طے ہو جائیں، مزید دشواریوں کا

باب دوم

باعث بن گئی۔

جینکنس کا کان

فریق اختلاف کو ان واقعات سے فائدہ اٹھانے کا خوب موقع ملا اور چند ہی روز میں اسپین کے خوفناک مظالم کے افسانے ملک بھر میں مشہور ہوگئے۔ کبھی تو بے گناہ تاجروں کے وحشی محافظین ساحل کے ہاتھ سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے کی روایتیں بیان کی جاتیں اور کبھی فداکار انگریز جہازیوں کے متعلق قصے شائع ہوتے کہ وہ اسپین کی عدالت ہائے احتساب کے ظلم سے تاریک قید خانوں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ ان روایتوں میں جینکنس کے کان کا قصہ بہت اچھی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور ہوا۔ خود جینکنس کے بیان کے مطابق وہ ۱۷۳۱ء میں شکر بھر کر جمیکا گیا اور واپس آرہا تھا کہ اسپین کے ساحلی چوکیدار جہاز پر آچڑھے اور کیمپیچی خلیج سے شہتیر کاٹنے کا الزام لگایا۔ مگر تلاشی میں شہتیر وغیرہ کچھ نہ ملے تو اسپین والوں نے غضب ناک ہوکر اس کا ایک کان کاٹ لیا اور اس کے جہازی اوزار چھین کر چھوڑ دیا کہ جس طرح بن پڑے، واپس وطن چلا جائے۔ بیان کی تصدیق کے لیے وہ اونی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹی ہوئی بھی دکھاتا اور کہتا کہ وہ کٹا ہوا کان یہی ہے۔ مگر دوسرے لوگ کہتے تھے کہ اس کا کان کاٹھ میں سزا پانے کی بدولت ضائع ہوا اور بعض کا قول تھا کہ کبھی ضائع ہی نہیں ہوا۔ ایک عرصے کے بعد برک نے بھی اسے محض افسانہ بتایا اور (آلڈ ربن) بیک فورڈ جو اس شخص کو دکھانے کے لیے دارالعوام میں لایا، شیل برن سے کہتا تھا کہ اگر پارلیمنٹ کے ارکان کو اس کے مصنوعی بال اٹھاکے معائنے کا خیال آتا تو وہ دیکھ لیتے کہ اس کے دونوں کان سلامت ہیں۔؛ اور کہتے ہیں کہ جینکنس مرا تو حقیقت میں دونوں کان موجود تھے۔ بہرحال، جب پارلیمنٹ میں اس سے سوال ہوا کہ اسپین والوں نے تمھیں پکڑا تو تمھارے خیالات کیا تھے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنی جان خدا کے، اور اپنا معاملہ اپنے ملک کے سپرد کر دیا۔ اس پر پل ٹینی نے کہا کہ "صرف یہی فقرہ رضاکاروں کی فوج بہم پہنچانے کے لیے کافی ہے۔" غرض مخالفوں نے جو وال پول پر ملک کے

باب دوم

رہا تھا کہ ممالک یورپ کے ساز باز سے بالکل الگ رہے اور ۱۷۳۴ء میں ملکہ کے سامنے یہ واجبی تعلّی کی تھی کہ حضور عالیہ، اس سال یورپ میں پچاس ہزار جوان مارے گئے مگر ان میں انگریز ایک بھی نہ تھا، لیکن اسباب خارجی پر وال پول قابو نہ پا سکا اور چند سال سے اسپین و برطانیہ میں باہمی عداوت برابر ترقی پاتی رہی۔ مخالفت کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں یورپ کی قومیں اپنی نوآبادیوں سے دوسرے ملکوں یا غیر نوآبادیوں کی تجارت ہونے نہ دیتی تھیں۔ صلحنامۂ یوٹریکٹ کے وقت اسپین نے بطریق رعایت انگلستان کو بردہ فروشی اور شرکت ساوتھ سی کو ہسپانی نوآبادیوں میں سالانہ ایک تجارتی جہاز بھیجنے کی اجازت دی تھی لیکن انگریز اس رعایت سے بہت ہی ناجائز فائدہ اٹھانے لگے اور ایک جہاز کے ساتھ کئی کئی اور جہاز بھیج دیتے کہ وہ ساحل سے بہت دور ٹھیر جاتے اور تجارت کرنے والے جہاز کو چوری سے مال بھیجتے رہتے۔ دوسرے انگریزی نوآبادیوں نے اسپین کی بندرگاہوں میں چوری سے مال بھیجنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اشیائے ممنوعہ کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی اور اس کو خوب فروغ ہو گیا تھا۔ اسے روکنے کی غرض سے اہل ہسپانیہ کو قدرۃً سواحل پر محافظ رکھنے پڑے کہ جس جہاز پر شبہہ ہو اس کی تلاشی لیں اور ممنوعہ مال پکڑا جائے تو اس جہاز کو روک رکھیں۔ برطانیہ اور اسپین کے جہازیوں میں دشمنی تو ڈریک اور ہاکنس ہی کے وقت سے چلی آتی تھی۔ اب جو یہ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو آئے دن لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن میں کبھی ایک فریق کی زیادتی ہوتی کبھی دوسرے کی۔ علاوہ ازیں، اسپین والوں نے خلیج کیم پیچی میں شہتیر کاٹنے سے بھی منع کیا جسے برطانیہ اپنا حق سمجھتی تھی اور راس پسار وپر جو معرکہ ہوا، اس کے نقصانات کا تاوان انگریزوں سے طلب کیا۔ حالانکہ انگریز اسے اپنی بہت شاندار فتح سمجھتے تھے۔ غرض لڑائی کا بہت کافی مصالحہ جمع ہو گیا اور چونکہ اسپین والے خفیہ طور پر فرانس سے (جنگ چھڑنے کی صورت میں) امداد کا وعدہ لے چکے تھے، لہذا انھوں نے انگریزوں کی ایک نہ مانی اور وال پول کی یہ کوشش کہ نامہ و پیام سے معاملات طے ہو جائیں، مزید دشواریوں کا

باب دوم

باعث بن گئی ؛

جینکنس کا کان

فریق اختلاف کو ان واقعات سے فائدہ اٹھانے کا خوب موقع ملا اور چند ہی روز میں اسپین کے خوفناک مظالم کے افسانے ملک بھر میں مشہور ہو گئے۔ کبھی تو بے گناہ تاجروں کے وحشی محافظین ساحل کے ہاتھ سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے کی روایتیں بیان کی جاتیں اور کبھی فداکار انگریز جہازیوں کے متعلق قصے شائع ہوتے کہ وہ اسپین کی عدالت ہائے احتساب کے ظلم سے تاریک قید خانوں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ ان روایتوں میں جینکنس کے کان کا قصہ بہت اچھی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور ہوا۔ خود جینکنس کے بیان کے مطابق، وہ ۱۷۳۱ء میں شکر بھر کر جمیکا گیا اور واپس آرہا تھا کہ اسپین کے ساحلی چوکیدار جہاز پر آ چڑھے اور ریکیم پیچی خلیج سے شہتیر کاٹنے کا الزام لگایا۔ مگر تلاشی میں شہتیر وغیرہ کچھ نہ ملے تو اسپین والوں نے غضبناک ہو کر اس کا ایک کان کاٹ لیا اور اس کے جہازی اوزار چھین کر چھوڑ دیا کہ جس طرح بن پڑے، واپس وطن چلا جائے۔ بیان کی تصدیق کے لیے وہ اونی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹی ہوئی بھی دکھاتا اور کہتا کہ وہ کٹا ہوا کان یہی ہے۔ مگر دوسرے لوگ کہتے تھے کہ اس کا کان کاٹھ میں سزا پانے کی بدولت ضائع ہوا اور بعض کا قول تھا کہ کبھی ضائع ہی نہیں ہوا۔ ایک عرصے کے بعد برک نے بھی اسے محض افسانہ بتایا اور (آلڈرین) بیک فورڈ جو اس شخص کو دکھانے کے لیے دارالعوام میں لایا، شیل برن سے کہتا تھا کہ اگر پارلیمنٹ کے ارکان کو اس کے مصنوعی بال اٹھا کے معائنے کا خیال آتا تو وہ دیکھ لیتے کہ اس کے دونوں کان سلامت ہیں ؛ اور کہتے ہیں کہ جینکنس مرا تو حقیقت میں دونوں کان موجود تھے۔ بہرحال، جب پارلیمنٹ میں اس سے سوال ہوا کہ اسپین والوں نے تمھیں پکڑا تو تمھارے خیالات کیا تھے، تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنی جان خدا کے، اور اپنا معاملہ اپنے ملک کے سپرد کر دیا۔ اس پر پلٹنی نے کہا کہ "صرف یہی فقرہ رضاکاروں کی فوج بہم پہنچانے کے لیے کافی ہے۔" غرض مخالفوں نے جو وال پول پر ملک کے

باب دوم

بہترین حقوق سے غفلت کرنے کا الزام لگاتے رہتے تھے، اس قصے کو خوب اچھالا اور اپنے الزام کا ثبوت قرار دیا؛

والپول کا مجبوراً بایں ہمہ والپول کا مطلق ارادہ نہ تھا کہ جنگ کرے۔

جنگ کرنا

اس کا دل کہتا تھا کہ اسپین سے لڑائی چھڑی تو فرانس بھی شریک ہوئے بغیر نہ رہے گا اور وہ خوب جانتا تھا کہ فرانس کے شریک جنگ ہونے کے معنے یہ ہوں گے کہ جیکوبی فرقے کی ریشہ دوانیاں دوبارہ تازہ ہو جائیں؛ لیکن خود بادشاہ اور ایک شاہی معتمد (نیوکاسل) نیز عام اہل ملک کو جنگ پسند تھی اور ۱۷۳۹ء کے ختم ہونے سے قبل والپول کو معلوم ہوا کہ یا اسے جنگ کرنی پڑے گی یا استعفیٰ دینا ہوگا۔ اس نے پہلی صورت پسند کی۔ اگر وہ مستعفی ہو جاتا تو، اب یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت جلد دوبارہ مقرر کیا جاتا اور زمانۂ حال کے اصول کے مطابق یہی طریق عمل زیادہ آئینی ہوتا۔ لیکن دوسرے پہلو پر نظر ڈالیے تو بہت ممکن ہے کہ اس نے جنگ کو اس لیے ترجیح دی ہو کہ ۱۷۲۷ء کی طرح اب بھی لڑائی کو زیادہ نہ پھیلنے دے اور موقع ملتے ہی صلح کر لے جس کی فریق اختلاف کے سرگروہوں سے توقع نہ ہو سکتی تھی۔ بہر نوع، اس کا طرز عمل بدلنے کے باوجود طبیعت نہیں بدلی اور جب اعلان جنگ کی خوشی میں لوگوں نے گھنٹے بجائے تو کہنے لگا "اس وقت تو یہ لوگ گھنٹے پیٹ رہے ہیں لیکن بہت جلد اپنا منہ پیٹیں گے،،[1]

آغاز جنگ

اوّل اوّل جنگ آرائی اسپین کی نو آبادیوں پر حملے کرنے تک محدود رہی۔ اس کی قیادت امیرالبحر ورنن اور کپتان این سن کے تفویض ہوئی۔ ورنن تو جزائر غرب الہند کی طرف گیا اور این سن، راس ہورن کا چکر دے کے اسپین کے اوقیانوسی مقبوضات پر

[1] ۔ اصل عبارت میں یہ ضلع اس طرح ہے:

"They are ringing their bells now, but they will soon be wringing their hands."

حملہ کرنے بھیجا گیا۔ ورنن فریق اختلاف میں شامل اور جنگ کا پرجوش حامی تھا۔ اس نے صرف سات آدمیوں کے نقصان سے پورٹو بیلو کو تسخیر کر لیا اور لوگوں نے خوش ہو کے اس کامیابی کو گذشتہ جنگ میں ہوزیر کے کارناموں سے ملانا شروع کیا اور تقاضا کیا کہ ورنن کو مزید کمک بھیجی جائے۔ لیکن خاکنائے پناما کے محافظ شہر کارتھیجانا پر جو حملہ ہوا وہ توقع سے بڑھ کر دشوار نکلا اور امیرالبحر ورنن اور دوسرے فوجی سرداروں میں اتحاد عمل نہ ہونے کے باعث یہ مہم بری طرح ناکام رہی۔ اُدھر این سن بڑے بڑے من چلے پن کے کام کر رہا تھا لیکن چونکہ تقریباً چار برس تک اس کی کوئی خبر انگلستان نہیں آئی لہذا اسے بھی لوگوں نے ناکام سمجھا اور بہت جلد جنگ سے گھبرا اٹھے۔

حکومت کے نکتہ چیں ان سب ناکامیوں کا الزام خواہی نخواہی وزرا کے سر تھوپتے تھے اور چونکہ ۱۷۴۱ء میں عام انتخابات ہونے والے تھے، نظر بریں کارٹرٹ اور چیسٹر فیلڈ "دارالامرا" میں اور پل ٹینی، سمول سنڈیس اور "لونڈے" دارالعوام میں وزیروں پر برابر حملے کیے جاتے تھے۔ ان لائق نقادوں کے مقابلے میں وال پول دارالامرا میں صرف نیوکاسل پر اور ایوان زیریں میں اپنی ذات یا نیوکاسل کے چھوٹے بھائی ہینری پیلہم پر بھروسا کر سکتا تھا۔ پھر بھی فروری ۱۷۴۱ء میں اس نے مخالفوں کو دارالعوام میں ۱۰۶ کے مقابل ۲۹۰ اور دارالامرا میں ۵۹ کے مقابل ۱۰۸ آرا سے شکست دی۔ اسی سال عام انتخابات ہوئے تو وال پول کے امیدواروں کو نیچا دکھانے کی پوری کوشش کی گئی۔ پانی کی طرح روپیہ بہا اور اس رشوت ستانی کا سرمایہ بہم پہنچانے کی غرض سے چندے کی فہرست کھولی گئی جس میں سب سے اوپر شہزادۂ ولی عہد، بوڑھی بیگم مارل برو اور پل ٹینی کے نام تھے۔ ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وال پول کو صرف سولہ کی اکثریت حاصل رہ گئی اور دسمبر میں نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو اس کا زوال یقینی نظر آنے لگا۔ چنانچہ پل ٹینی کی تحریک پر جو عدم اعتماد کے مترادف تھی، کل ۵۰۸ ارکان میں فقط سات کے غلبۂ آرا سے

باب دوم

وال پول کامیاب ہوا اور چند ہی روز بعد انتخاب چپن ہیم کی عرضی کے متعلق جو تحریک پیش ہوئی اس میں حکومت کو ایک رائے کی کمی سے شکست ملی۔ تب وال پول نے استعفیٰ دینے کا قصد کرلیا۔ ابھی علیحدگی کے انتظامات مکمل نہ ہوئے تھے کہ دوبارہ اسی معاملے میں سولہ کی اکثریت سے حکومت کو شکست ہوئی۔ یہ ضرب ایسی بھرپور لگی کہ یہ نامور وزیر تمام عہدوں سے مستعفی ہوکر امیر اورفورڈ کی حیثیت سے صرف دارالامرا کا رکن بن گیا۔ لیکن اس کی علیحدگی سے پوری وزارت کا تبادلہ نہیں ہوا اور یہ بات بھی جلد ظاہر ہوگئی کہ وال پول کے کاموں سے نہیں، بلکہ محض اس کی ذات سے مخالفت تھی۔

وال پول کا استعفیٰ اور نئی وزارت

پل ٹینی کے ذہن میں یہ تعلی آمیز خیال جما ہوا تھا کہ میرا اس موقع پر عہدہ قبول کرنا شرافت کے خلاف ہوگا۔ اور اس نے صدر امیر خزانہ ہونے سے انکار کردیا لہٰذا وال پول کی رائے سے یہ خدمت اور (رسمی طور پر) وزارت عظمیٰ سر اسپنسر کومپ ٹن کے تفویض ہوئی جو اب امیر ول منگ ٹن کا خطاب رکھتا تھا۔ کارٹرٹ وزیر خارجہ اور سینڈیس وزیر مالگذاری مقرر ہوا۔ ولی عہد کے دوست امرائے بحر بنائے گئے لیکن پٹ اور دوسرے "لونڈوں" کو کچھ نہیں ملا۔ نیوکاسل بدستور معتمد شاہی اور ہارڈ ویک امیر عدلیہ رہے۔ خود پل ٹینی نے مجلس وزرا میں ایک نشست مانگی اور اسے امیر باتھ بنادیا گیا۔ اس اعزاز نے الٹا اس کے اقتدار کو ایسا غارت کیا کہ دارالامرا میں ملاقات ہوئی تو وال پول نے فقرہ چست کیا کہ "لیجیے، میرے امیر، اب تو انگلستان میں ہم دونوں سے بڑھ کر کس مپرسی کی حالت میں اور کوئی نہ ہوگا۔" تقریباً ایک سال تک معزول وزیر پر مقدمہ چلانے کے بھی چرچے ہوتے رہے اور وطنی معاملات میں یہ مسئلہ سب سے بڑھ کر دلچسپی کا موجب رہا لیکن ساری سب و شتم اور تہمتوں کے باوجود کسی معین الزام کی شہادت بہم پہنچانے کی ساری کوششیں ناکام رہیں۔

ہینری پیلہم

نئی وزارت کی پہلی تشکیل زیادہ دن نہ چلی ۱۷۴۳ء میں ول منگ ٹن مرگیا اور اس کی جگہ وال پول کی تحریک سے

باب دوم

اس کا دوست اور ہم خیال ہینری پیل ہیم وزیر اعظم مقرر ہوا۔ وہ اگر اول درجے کی ذہانت کا آدمی نہ تھا تو اپنی نیک نہادی خوش طبعی اور کامل دیانت کے باعث ضرور قابل قدر تھا۔ کارٹرٹ نے اس تقرر کو ناپسند کیا کیونکہ وہ خود عہدے پر آنا چاہتا تھا لہذا اگلے ہی سال امیر گرین ویل کا خطاب لیکر وہ وزارت خارجہ سے دست کش ہو گیا۔ اس وقت پیل ہیم نے اپنی مصالحت آمیز روش کے مطابق اپنی حکومت کی بنیادیں وسیع کیں اور وہ وزارت بنائی جسے اس زمانے کی نمائش آمیز اصطلاح میں "عریض البناء وزارت" کہتے تھے۔ اس میں امیر چیسٹر فیلڈ امیر کیبر بیڈ فرڈ، امیر سینڈوچ، جارج گرین ویل، بب ڈوڈنگ ٹن اور رابرٹ گوڈن (ٹوری) شامل تھے۔ اور پل ٹینی اور کارٹرٹ کے دوستوں کو ہٹا کر ان کے لیے جگہ نکالی گئی تھی؛

ملکی معاملات میں وال پول کی علحدگی سے کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔ البتہ امور خارجہ میں وزارت کی توجہ بہت جلد ایسی کشمکش کی طرف منعطف ہو گئی۔ جو

محاربۂ تخت نشینی آسٹریا

اسپین کی لڑائی سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ یہ آسٹریا کی تخت نشینی کی جنگ تھی کہ ماریا تھیریسا اپنے باپ چارلس ششم کی وارث سلطنت ہوئی تو حسد و رقابت کے باعث جنگ کی نوبت آگئی۔ چارلس کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے ایک باضابطہ تحریر لکھدی تھی جسے 'اجازت نامۂ ملکی' کہتے ہیں اور اس میں اعلان کیا کہ آسٹریا کے مقبوضات کی بلا تقسیم و شرکت ماریا تھیریسا وارث ہو گی۔ اس نے اکثر شاہان یورپ سے قول قرار بھی لے لیے تھے لیکن جب وہ مرا تو پروشیا کے فریڈرک ثانی (یا "اعظم") نے سلیشیا خود لینے کا دعویٰ کیا۔ یہ بادشاہ جارج ثانی شاہ برطانیہ کا بھتیجا ہوتا تھا اور ۱۷۴۰ء میں ایسی مملکت کا وارث ہوا جسے اس کے باپ فریڈرک ولیم اول نے محل وقوع کے قدرتی نقائص کے بدل میں، اعلیٰ درجے کے فوجی ساز و سامان اور بہت ہی عاقلانہ نظم و نسق سے آراستہ چھوڑا تھا۔ چنانچہ یہ تو اعدداں سپاہ اور معمور خزانہ فریڈرک ثانی کے ہاتھ آیا اور اب وہ عمدہ مواقع سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ پس شہنشاہ آسٹریا کی آنکھ بند ہوئے دیر نہ گذری تھی کہ وہ فوج لے کر سلیشیا کی ریاستوں میں گھس آیا اور مول وٹز کے میدان میں اہل آسٹریا کو

باب دوم

شکست دی۔ اس حملے سے اوروں کو بھی ہمت ہوئی۔ امیر بویریا نے خود شہنشاہ منتخب ہونے کے دعاوی پیش کئے اور فرانس والوں کو جرمانیا میں دخل دینے کا جو موقع ملا، تو پروشیا اور بویریا سے عہدنامہ کر کے وہ بھی آسٹریا کے مقبوضات پر عام یورش کے منصوبے باندھنے لگا۔ ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ فریڈرک کو تو اس نے خود ریاستیں دے کر خوش کرلیا اور ادھر ہنگری کے امرا کی وفاداری اور شجاعت کو ایسا برانگیختہ کیا کہ بہت جلد اپنے دشمنوں کے مقابلے پر میدان میں آگئی۔ ان حالات میں اگر جارج چاہتا بھی تو ریاست ہنوور بے تعلق نہ رہ سکتی تھی۔ دوسرے وہ بویریا سے خود حسد رکھتا تھا اور ادھر کارٹرٹ کو امور خارجہ میں عملاً پورا اختیار حاصل رہا، اس کی ہمیشہ سے یہ رائے تھی کہ فرانس کو جرمن معاملات میں دخل دینے سے روکنا نہایت ضروری ہے۔ ان سب وجوہ سے جارج، ماریا تھیریسا کا حلیف ہوگیا اور ہنوور و ہیس کے بائیس ہزار سپاہی برطانی روپے سے فراہم کرکے جرمانیا میں داخل ہوا اگرچہ فرانس کے ساتھ رسماً کوئی جنگ نہ چھڑی تھی۔

یہ فوجیں بہت بر وقت پہنچیں کیونکہ سنہ ۱۷۴۳ء میں فرانس و بویریا کے دو بڑے لشکر دریائے مین و ڈینیوب کی وادیوں کے راستے آسٹریا پر بڑھ رہے تھے اور برطانی حلیفوں کے آنے سے ان میں سے ایک فوج کو رک کر ادھر متوجہ ہونا پڑا اور ملکۂ آسٹریا کو موقع مل گیا کہ دوسرے لشکر کا پوری قوت سے خود مقابلہ کرے۔

معرکۂ ڈے ٹن جن

وادی مین کی فرانسیسی سپاہ، تعداد میں ساٹھ ہزار اور مارشل نوائی کے زیر علم تھی۔ اس کا بھتیجا شہزادۂ گرمیون بھی ساتھ تھا، ادھر اتحادیوں کے سینتیس ہزار سپاہی برائے نام امیر اسٹیئر کے تحت میں تھے۔ مین کے کناروں پر فریقین ایک دوسرے کے سامنے آگئے اور اسٹیئر کی بد انتظامی سے اتحادیوں کو سامان رسد نہ ملنے کے باعث دریا کے کنارے کنارے اشافن بورگ سے ھناؤ کی طرف ہٹنا پڑا، بحالیکہ پوری فرانسیسی سپاہ ان کے راستے پر دریا کے جنوب میں خیمہ زن تھی۔ اسی صعب موقع پر خود شاہ جارج، اس کا بیٹا شہزادۂ کمبرلینڈ اور کارٹرٹ بھی آگئے۔ ان کی سپاہ اشافن بورگ سے ھناؤ کی طرف ہٹ رہی تھی کہ راستے میں اسے ڈے ٹن جن کے تنگ نشیبی میدان سے گزرنا پڑا جسے

باب دوم

ایک طرف دریا اور دوسری جانب سے پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں، نوائی کو فوجیں جمانے کی کافی فرصت حاصل تھی اس نے ۲۷۔جون کو اپنے بھتیجے گریموں کو ستائیس ہزار سپاہ کے ساتھ دریا کے پار بھیج دیا کہ مذکورۂ بالا گزرگاہ کو روکے رہے اور خود اپنا توپ خانہ ایسے مقام پر لگا دیا کہ انگریزی سپاہ بزور گزرنا چاہے تو اس پر بازو سے حملہ ہو سکے۔ اتحادیوں کی روانگی سنتے ہی اس نے بارہ ہزار سپاہی بھیج کر اشافن بورگ پر بھی قبضہ جما لیا اور اس طرح اتحادی ہر طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ اس خطرے کا حال معلوم ہوا تو جارج گھوڑے سے اترا اور اپنے سپاہیوں سے یہ کہہ کر کہ فرانسیسی بہت جلد بھاگ نکلیں گے، میمنے کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لی اور میسرے پر کمبرلینڈ کو بھیج کر گریموں پر سرفروشانہ حملے کی تیاری کی۔ مگر گریموں فتح کی ناموری حاصل کرنے کے جوش میں خود ہی بڑھا چلا آیا اور اس کی سپاہ اتحادیوں اور نوائی کے توپ خانے کے بیچ میں آ گئی جو دریا کے دوسرے کنارے پر لگا ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نوائی اپنے توپ خانے سے کوئی کام نہ لے سکا اور گریموں کی کم تعداد فوج کو اتحادیوں نے بہ آسانی پسپا کر دیا، اور خود حملہ آور ہوئے۔ قبل اس کے کہ نوائی غلطی کی اصلاح کر سکے، گریموں اور اس کے سپاہی ڈے ٹن جن سے بندوک سنگین نکال دیے گئے، اور صدہا پل تک پہنچنے کی کوشش میں غرقاب ہو کر مرے۔ غرض فرانسیسیوں نے اپنی جلد بازی کی بدولت یہ معرکہ ہارا۔ تاہم ہر طرف سے گھر جانے کے وقت اتحادیوں کو سراسیمگی سے باز رکھنے کا سہرا خود شاہ جارج کے سر ہے۔ اسے اور امیر کبیر کمبرلینڈ کو اس میدان میں وہ ناموری حاصل ہوئی جو انگلستان میں ان کے بہت کام آئی۔ جنگی فوائد بھی اس فتح سے کافی میسر آئے۔ نوائی کی سپاہ فوراً رہائن کے عقب میں پڑ گئی اور بروگ لی کا لشکر اس کے تعقب میں مدغم ہوا۔ پھر آیندہ سے لڑائی کا اصلی میدان آسٹریا کا علاقہ نیدرلینڈ بن گیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈے ٹن جن آخری لڑائی تھی جس میں انگلستان کا بادشاہ بذات خود شریک ہوا۔

برطانی حکومت کی اس فتح سے ساکھ بڑھی اور دوسرے سال این سن

باب دوم

کامیاب واپس آیا تو اس کو اور تقویت پہنچی۔ یہ سردار خالص قابلیت اور اپنے پیشے سے سچی محبت رکھتا تھا گو اس میں کوئی درخشاں اوصاف نہ تھے۔ وہ ۱۷۴۰ء میں "کینٹوریَن" اور "گلوسٹر" نامی دو جنگی جہاز اور چار کشتیاں ساتھ لے کر چلا۔ راس ہورن کے گرد گھومنے میں خوفناک طوفان جھیلے اور آخر اس کے دونوں جنگی جہاز اور ایک دھاؤ ("ٹرائل") ساحل چیلی کے سامنے جزیرۂ سان جوآن فرنان ڈز پہنچ گئے۔ یہاں ٹھیر کر از سر نو انھیں درست کیا اور بعض غنائم حاصل کیے۔ ایک جوق ساحل پر اتار کے پیٹا پر یورش کی جہاں اسپین والے زر و نقرہ محفوظ رکھتے تھے اور نائب سردار بریٹ نے صرف ستر ساتھیوں کے ساتھ اسے فتح کر کے تیس ہزار پونڈ قیمت کا مال چھین لیا۔ پیٹا سے وہ ساحل میکسیکو آیا اور پھر "مینیلا" جہاز کی تلاش میں روانہ ہوا۔ سخت مصائب اٹھانے کے بعد صرف کینٹورین ساحل چین کے مقام میکاؤ تک سلامت پہنچ سکا۔ مگر وہاں ساز و سامان درست کر کے این سن پھر فلپائن واپس آگیا اور آخر اسپین کے اس خزانے کے جہاز کو جس کی اتنی مدت سے تلاش تھی، گرفتار کر لیا اور تین لاکھ پونڈ کی مالیت کا زر و نقرہ لوٹ کر راس امید کے راستے واپس انگلستان آیا اور ساڑھے بارہ لاکھ پونڈ کا مال غنیمت پورٹس متھ میں اتارا جہاں سے وہ بتیس چھکڑوں میں لد کر قلعۂ لندن تک خود اہل جہاز کی نگرانی میں پہنچایا گیا (۱۷۴۴ء)۔

ان کامیابیوں کے باوجود ۱۷۴۴ء ملک کے واسطے کافی مخدوش سال تھا۔ فرانسیسی وزیر اعظم تان سین نے اسٹوارٹ خاندان کا طرفدار بن کے انگلستان پر حملے کا منصوبہ سوچا۔ ڈنکرک پر پندرہ ہزار فوج مجتمع کی اور پہلے مدعی کے بڑے بیٹے چارلس ایڈورڈ کو شریک کار بنا لیا۔ اس فوج کے مقابلے

انگلستان پر حملے کی تجویز

میں انگلستان کے پاس آٹھ ہزار سے زیادہ کارکن سپاہی نہ تھے اور رود بار انگلستان کی محافظت کا انتظام بھی ناکافی تھا۔ حملہ آوروں کے اسیکس یا سسیکس میں اترنے کا اندیشہ لگا رہا کیونکہ ہوریس وال پول کی طرح اکثر اہل الرائے وہاں فرانسیسی فوج کے آنے کو اندرونی بغاوت کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ مگر جیسا کہ پٹ کہا کرتا تھا

باب دوم

انگلستان کی قدیم اور بے مزد حلیف' تیز ہوائیں تھیں اور خوش قسمتی سے یہ حملہ آوروں کے برابر خلاف یا طوفانی چلتی رہیں۔ پھر سپاہی جہازوں پر سوار ہوئے اور حملے کی تیاری میں کوئی کسر نہ رہی' تو اس وقت بھی ایک شدید طوفان نے بار برداری کے جہازوں کو توڑ پھوڑ کے برباد کر دیا۔ ادھر انگریزی قوم کے دلوں میں حب وطن کا ولولہ پیدا ہوا اور جیسا بیچی ہیڈ کی لڑائی کے بعد ہوا تھا' اب بھی فرانسیسی حملے کی خبر سے جیکوبی فرقے کے مقاصد کو نقصان پہنچا۔ سرائے والے تک سپاہیوں کو مفت ٹھیراتے اور یہ کہہ کر کہ "تم تو فرانسیسیوں سے ہماری مدافعت کرو گے" کرایہ واپس کر دیتے تھے۔ غرض دفاع کا انتظام اتنی جلد مکمل ہو گیا کہ تا ان سیبن نے حملے کا ارادہ ترک کر دیا جس پر مدعی شہزادے کو سخت مایوسی ہوئی۔ سال کا باقی زمانہ صرف فوجوں کے فلینڈرس میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کوچ کرنے میں گزر گیا۔ ونڈ اور سیکس ان فوجوں کے سپہ سالار تھے۔

دوسرے سال تقدیر نے ایسی یاوری نہیں کی۔ فرانس کا سپہ دار (= مارشل) سیکس (یا ساکس) اپنے عہد کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ تورنے پر فوج لے کر چلا جہاں ٹاؤن زنڈ کے سرحدی عہدنامے (Barrier Treaty) کی رو سے ہولنڈیزی فوج متعین تھی۔ ادھر سے برطانی اور ہولنڈیزی حلیف بچانے کے لیے روانہ ہوئے۔

معرکۂ فونت نوا

ان کا سپہ سالار امیر کبیر کمبرلینڈ تھا۔ اس امیر کبیر نے ڈیٹن جن کے معرکے میں بہت کچھ بہادری دکھائی تھی اور وہ فن سپہ گری کا دلدادہ تھا لیکن سپہ سالاری کی اصلی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ البتہ اس کا مشیر سپہ دار لیگونئیر تھا سپاہ فرانس میں شاہ لوئی پانزدہم خود موجود تھا۔ فریقین کا فونت نوا میں سامنا ہوا۔ فرانسیسیوں نے مضبوط مقام پر جو دریائے شیلٹ کے خط پر زاویۂ قائمہ بناتا تھا' مورچے بنائے۔ ان کے قلب اور میمنے کے سامنے ان توان اور فونت نوا دو گاؤں تھے اور میسرے کی حفاظت بارتلے کے جنگل سے ہوتی تھی اور یہ موقع قریب قریب ایسا ہی تھا جیسا کہ واٹرلو میں انگریزوں کو حاصل ہوا۔ بہرحال اتحادیوں نے پورے خط پر حملہ کیا۔ قلب و میمنے کی طرف ولندیزی سپاہی تھے اور

باب دوم

فونت نوا اور جنگل کے درمیان خالی میدان کے رُخ برطانی اور ہنووری لشکر حملہ آور ہوئے۔ افسوس ہے کہ ولندیزوں نے حکم کے مطابق حملہ کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی بلکہ بہت سے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ اسی طرح میمنے کی طرف جنرل انگولڈز بی جنگل پر حملہ کرکے پسپا ہو گیا اور لڑائی کا پورا بار امیر کبیر کمبرلینڈ پر آپڑا۔ اسی کے لشکر نے جو بہت دن تک ''خوفناک انگریزی لشکر'' کہلایا اور جس میں برطانی اور ہنووری سپاہی تھے، موضع فونت نوا اور جنگل کے درمیان سے بڑھ کر فرانسیسی صفوں کو واقعۃً دو حصوں میں جدا کر دیا۔ فتح انھی کی ہوتی نظر آتی تھی جبکہ فرانسیسی سپہ دار نے ولندیزوں کا سکوت دیکھ کر قلب و میمنے سے کمک منگالی اور اسی فوج میں مشہور آئرستانی لشکر بھی تھا۔ اتنی کثیر تعداد کے آجانے اور توپ خانے کی زد پڑنے سے، جو بالکل ان کے منھ کے سامنے قائم کر دیا گیا تھا، برطانی اور ہنووری بر آشفتہ ہو کر واپس ہٹے اور آخر میدان دے دیا۔ فتح فرانسیسیوں کی رہی لیکن برطانی و ہنووری سپاہ کی شاندار پیش قدمی کو بہت دن تک فخر سے یاد کیا جاتا رہا؛ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ تورنے نے فتحمند فرانسیسیوں کی اطاعت قبول کر لی؛

اس کامیابی سے فرانسیسیوں کی ہمت بڑھی کہ جنگ کا بڑا مرکز ہولینڈ ہی کے علاقوں کو بنالیں۔ انگلستان پر حملے کا خیال ترک کر دیا گیا جس سے شہزادۂ چارلس ایڈورڈ کو بہت مایوسی ہوئی اور اس نے ٹھان لی کہ فرانسیسی مدد دیں یا نہ دیں وہ خود اسکاٹ لینڈ پہنچ جائے اور ہنووری خاندان کے مقابلے میں قسمت آزمائی کرے۔ بے شبہہ شخصی وفاداری کے جذبے کے سوا تمام اسباب و آثار مخالف تھے۔ انگلستان کی حکومت کے مادی وسائل بہت وسیع، اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں کی تعداد بہت کم اور پھر لندن تک جانے کی مشکلات بہت زیادہ تھیں۔ لیکن ان قرائن و مصالح سے قطع نظر کر لی جائے تو یہ نوجوان شہزادہ اس اولوالعزمی کے واسطے نہایت موزوں تھا۔ اس کی عمر ۲۴ سال کی، صورت بہت وجیہ اور جسم گٹھا ہوا اور چستی چالاکی اور امنگوں سے بھرا ہوا تھا۔ تعلیم اچھی نہیں ملی تاہم قدرتی صلاحیت میں کمی نہ تھی

شہزادۂ چارلس ایڈورڈ

باب دوم

اور اخلاق و آداب اتنے دلکش تھے کہ نکتہ چینوں کی زبان بند کر دیتے تھے ؛

الغرض نہایت اخفا کے ساتھ اس نے نانت کے ایک سوداگر والش کے جہاز میں جانے کا انتظام کیا۔ اسی سوداگر نے ایک فرانسیسی جنگی جہاز "الزبتھ" کو بطور بدرقہ ساتھ لیا اور اس جنگی جہاز میں پندرہ سو بندوقیں، اٹھارہ سو تیغے، بیس چھوٹی توپیں اور گولہ بارود کی ایک مقدار بھی بھروالی یہ سب سامان چارلس نے اپنے روپے سے خریدا تھا۔ پھر بھیس بدل کر صرف سات دوستوں کے ساتھ وہ جہاز میں بیٹھا اور جہاز اپنے بدرقے کے ساتھ، بتاریخ ۲ جولائی ۱۷۴۵ء سوآرہ کے دہانے سے روانہ ہو گیا۔ چار دن بعد ان کی ایک انگریزی جنگی جہاز "لاین" سے مٹ بھیڑ ہوئی این کا پرانا سردار، بریٹ اس جہاز کا کپتان تھا اور وہ ایسے جوش میں الزبتھ پر آکر گرا کہ دونوں جہاز بیکار ہو گئے اور چار و ناچار ایک دوسرے سے جدا ہو کے بہ مشکل اپنے اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ اس نامساعد واقعے نے چارلس کو اپنے مختصر ذخیرۂ جنگ سے بھی محروم کر دیا۔ تاہم وہ الٹا نہ پھرا اور بخیریت ہبرسے ڈیز کے بیرونی علاقے تک پہنچ گیا ؛

چارلس اسکاٹ لینڈ میں

مگر وہاں کے سربرآوردہ لوگ ایسے جوکھوں کے کام میں ہاتھ ڈالنے پر کچھ بہت آمادہ نہ نظر آئے بلکہ جان مرے کو جو شہزادۂ چارلس کے ساتھ فرانس میں رہ چکا تھا، سواحل مغربی کی طرف محض اس لیے بھیجا گیا کہ وہ چارلس کو اپنے ارادے سے باز رکھے اور اب وہ یہ سمجھ کر اپنے وطن واپس آگیا تھا کہ اس سال کوئی اقدام عمل میں نہ آئے گا۔ ان سب باتوں کے باوجود چارلس کی جادو بیانی اور قبائل سے وفاداری و جانبازی کی صاف صاف ترغیب، دوسرے تمام مصالح پر غالب آگئیں۔ سب سے اول کن لاچ موی ڈارٹ کے قبیلۂ میک ڈانلڈ نے اس کی رفاقت اختیار کی اور صاحب اثر سرداروں میں پہلا شخص جو اس کے ساتھ ہوا، لوخیل کا کیمرن تھا۔ غرض اپنے سات رفقا کو لیے ہوئے چارلس اسکاٹ لینڈ میں آگیا اور ۲۵ جولائی کو موی ڈارٹ کے کھلے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ ان سات رفیقوں میں سب سے ممتاز امیر ٹلی بارڈین تھا جو ۱۷۱۵ء میں وطن سے

باب سوم

غائب ہو گیا تھا؛ پھر ۱۹ اگست کو گلین فنان پہنچ کر اس نے علم بادشاہی بلند کیا۔ اب اس کی فوج میں کل سولہ سو آدمی تھے مرے بھی آ ملا تھا اور آیندہ وہی اس کے معتمد شاہی کی خدمت انجام دینے لگا؛

فطرت نے اسکاٹ لینڈ کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول تو شمالی کوہستان (ہائی لینڈز) دوسرے وسطی کوہستان۔ اور تیسرے میدانی یا نشیبی اضلاع۔ دوسرے اور تیسرے خطے کے درمیان فورتھ اور کلائڈ حد فاصل بناتے ہیں اور اس خط کے محافظ قلعے ایڈن برو، اسٹرلنگ اور ڈمبارٹن ہیں۔ دوسرے اور پہلے کوہستانی علاقوں کے درمیان بہت سی ندیاں اور جھیلیں حائل ہیں اور کے لی ڈونی نہر ان سب کو ملا دیتی ہے۔ اس خط کے مورچہ بند مقامات، ان ورنیس، قلعۂ اوگسٹس اور قلعۂ ولیم ہیں۔ یہی قلعے چارلس کے راستے میں سب سے اول حائل تھے اور گلین فنان سے قلعۂ ولیم کا فاصلہ بمشکل پندرہ میل ہوگا۔ اسی قلعے کے قریب بن نویس کی ناہموار چٹانیں ہیں۔ لیکن بادشاہی کا جھنڈا بلند بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس خط مدافعت میں رخنہ پڑ گیا۔ اور قلعۂ اوگسٹس سے جو مختصر سی کمک قلعۂ ولیم کو بھیجی گئی اس نے گھر کر ہتھیار ڈال دیے جس روز گلین فنان میں بادشاہی کا اعلان ہوا، اسی تاریخ ہنووری لشکر کا سپہ سالار، سر جان کوپ ایڈن برو سے قلعۂ اوگسٹس روانہ ہوا؛ ۱۷۱۵ء میں جو تدبیر اختیار کی گئی تھی، اس کے برخلاف اب کے حکومت نے ارادہ کر لیا کہ بغاوت کو ابتدا ہی میں اصل سرچشمے پر حملہ کر کے فنا کر دیا جائے۔ پرتھ سے کوپ مارشل ویڈ کی بنوائی ہوئی جنگی سڑک پر ہو لیا تھا لیکن کون گریم پین کے وسطی سلسلے تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ ڈیولز اسٹیر کیس ("شیطان کی سیڑھی") پہلے سے پہاڑیوں کے قبضے میں ہے جہاں یہ سڑک سترہ موڑ کھا کے بمشکل کوری ویراک کی پہاڑی تک پہنچتی ہے۔ یہ دیکھ کر کوپ اس راستے کو چھوڑ کر ان ورنیس کی طرف مڑ گیا اور چارلس کے ساتھی افسوس ہی کرتے رہ گئے۔ اصل میں کوپ کو امید تھی کہ ان ورنیس میں میکے وغیرہ دوست دار قبائل سے جا ملے گا جس میں اسکاٹ لینڈ کا سب سے لائق اور شریف سیاست داں، یعنے کلوڈن کا ڈنکن فوربا کوشش کر رہا تھا کہ وہ لوگ خاندانِ ہنوور کی وفاداری میں چارلس کے خلاف

باب دوم

مجتمع ہو جائیں؛ مگر کوپ کے یہ راستہ اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میدانی اضلاع کی راہ کھلی رہ گئی۔ چارلس اسی رُخ دوڑ پڑا۔ ہر گھاٹی کے سرے پر کچھ نہ کچھ نئے جوان آ ملتے اور فوج کی شان فتحمندانہ ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ ۴ ستمبر کو وہ بلا مزاحمت پرتھ میں داخل ہو گیا؛ یہیں ٹلی بارڈین کا ایک چھوٹا بھائی لارڈ جارج مرے آ کر ملا، جو بہت عمدہ قابلیت، بہادری اور جنگی تجربہ رکھتا تھا۔ چارلس نے بھی دانائی سے کام لیا اور فوج کی قیادت اسی کے سپرد کر دی۔ جارج مرے نے جس طریق سے مہم کا انتظام کیا، اس کی تمام ماہران جنگ داد دیتے تھے لیکن چارلس کی بدقسمتی سمجھنا چاہئے کہ یہ سردار بہت متکبر تھا اور اپنی بات کی تردید کی اسے تاب نہ تھی۔ لہذا اس مزاج کے باعث دوسرے سرداروں میں بہت محسود ہو گیا؛

لڑائیاں اور انگلستان پر حملہ

چارلس کا جنوب کی طرف جانا سن کر، کوپ کو پھر راستہ بدلنا پڑا۔ وہ ابرڈین روانہ ہوا اور ریلینتھ سے کشتیاں وغیرہ بھیجیں کہ اسے اور سپاہیوں کو ڈنبار پہنچا دیں جہاں وہ ۱۸ ستمبر کو کنارے پر اترا اور پہلی ہی خبر یہ سنی کہ اس کے اترنے سے ایک دن پہلے شہر ایڈنبرو پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔ تاہم وہ بے جھجک بالاحصار کو بچانے کی غرض سے، جو اس وقت تک مفتوح نہ ہوا تھا، اسی طرف چل پڑا اور چونکہ چارلس بھی اس سے جنگ کا مشتاق تھا، لہذا وہ خود ڈنبار کی جانب بہ سرعت روانہ ہوا اور فریقین پرسٹن پینز میں آمنے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں میں سے کسی طرف بھی تین ہزار سے زیادہ سپاہی نہ تھے۔ کوپ کی فوج اس شاہراہ پر تھی جو فورتھ کی کھاڑی کے کنارے نشیبی زمین میں بنی ہوئی ہے اور چارلس کے آدمی کھاڑی سے دور بلند زمین پر تھے مگر فریقین کے درمیان ایک دلدل تھی جسے عبور کرنا محال تھا۔ اور ابھی جنگ شروع ہونے نہ پائی تھی کہ رات ہو گئی؛ رات ہی میں چارلس کو ایک پگ ڈنڈی کا علم ہوا جس سے دلدل کے گرد چکر کھا کے کوپ کی فوج اور ڈنبار کے درمیان پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ صبح ہونے نہ پائی تھی کہ اس کے پہاڑی سپاہی چل پڑے اور دن نکلتے نکلتے دو قطاروں میں ایسے موقع سے صف بستہ نظر آئے کہ کوپ کو خیال بھی نہ تھا۔ اس نے بھی جلدی سے سڑک کی

باب دوم

سیدھ میں اپنی صفیں از سر نو جمائیں اور کرنل گارڈنر کے باغ کی دیوار سے انھیں اس طرح پھیلایا کہ دلدل سیدھی طرف آگئی۔ خود یہ کرنل بھی کوپ کی فوج میں موجود اور سواروں کی قیادت کر رہا تھا۔ اب اس کا توپ خانہ دائیں جانب اور کارڈنر اور ہملٹن کی سرداری میں رسالہ دونوں بازوؤں پر استادہ تھا۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پہاڑیوں نے تلوار لے کر یورش کی تو اس کا توپ خانہ اور پیادہ و سوار کوئی انھیں نہ روک سکا۔ کہتے ہیں لڑائی میں صرف پانچ منٹ لگے۔ پہاڑی بہت کھل کھل کر دعویٰ کرتے تھے کہ ہم میں وہ شہزادہ موجود ہے جو سوکھی روٹی کھا لیتا ہے۔ پھونس کے بچھونے پر سو رہتا ہے۔ چار منٹ میں کھانا ختم کر لیتا ہے اور پانچ منٹ میں لڑائی جیت جاتا ہے۔" گارڈنر میدان میں کھیت رہا۔ کوپ باقی ماندہ سواروں کے ساتھ بروک پہنچا اور وہاں کے حاکم نے ازرہ استہزا مبارک باد دی کہ آپ ہی پہلے سپہ سالار ہیں جس نے اپنی شکست کی خبر خود آکر سنائی"۔ کوپ کی فوج کے عقب میں پرسٹین پینز گاؤں آباد تھا' اس کے نام سے یہ معرکہ موسوم ہوا اور اس کی خبر سے انگلستان اور اسکاٹ لینڈ دونوں ملکوں میں کھلبلی سی پڑ گئی۔ ان اضلاع یا قلعوں کے سوا جہاں وفادار قبیلے آباد تھے' باقی پورا اسکاٹ لینڈ باغیوں کے قبضے میں آگیا اور ریال مرینو' ہلس لیگو اور کل مار تک کے امیر بلا تاخیر ان سے آملے۔ چارلس نے اس کے بعد جو کارروائی کی اس کے مناسب ہونے میں بہت کچھ گفتگو تھی۔ انگلستان پر فوراً پیش قدمی کرنے کی رائے خود اس کی تھی اگرچہ اکثر ساتھی کہتے تھے کہ پہلے اسکاٹ لینڈ کی خود مختاری کا اعلان کر کے اتنی دیر توقف اور صرف مدافعت کی جائے جب تک کہ فرانس کی امدادی افواج آجائیں اور اسکوٹیوں کی پوری فوج اچھی طرح منظم ہو جائے۔ لیکن آخر میں شہزادے ہی کی رائے پر عمل ہوا اور ۱۳ر اکتوبر کو پانچ ہزار عمدہ پیادے اور پانسو سوار ایڈنبرو سے روانہ ہوئے۔ چارلس کی پہلی کوشش یہ تھی کہ ویڈ کو دھوکا دیکر نکل جائے۔ کیونکہ یہ سپہ سالار کافی بڑی فوج کے ساتھ نیو کاسل میں موجود تھا۔ چارلس نے بظاہر نیو کاسل کا رخ کر کے مخفی طور پر کارلائل کی راہ لی اور ۸ر نومبر کو انگلستان میں داخل ہو گیا۔ اب ویڈ کے اور اس کے درمیان وہ پہاڑی علاقہ حائل تھا

باب دوم

جو نارتھمبرلینڈ کو کمبرلینڈ کے ضلع سے جدا کرتا ہے اور ان پہاڑیوں میں اس کے اسکوٹی سپاہی لڑائی بھی خوب لڑ سکتے تھے۔ ادھر ۱۴ر نومبر کو کارلائل مسخر ہو گیا۔ اور باغی بہ سرعت پرسٹن اور دوسرے دن (۲۸ر نومبر) مین چسٹر پہنچ گئے۔ اس دوران میں ان کے بہت سے سپاہی ساتھ چھوڑ چھوڑ کر چل دیے تھے اور کل فوج تقریباً ساڑھے چار ہزار رہ گئی تھی۔ جنوب کی طرف سے فرانسیسیوں کے حملے کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی اور امیر کبیر وغیرہ جیکوبی گروہ کے سرگروہوں نے فرانسیسیوں کے آئے بغیر بغاوت کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ لینکاشر غالباً انگلستان کا سب سے زیادہ جیکوبی عقائد کا ضلع تھا، وہاں سے بھی چارلس کو صرف کوئی دو سو جوان مل سکے۔ دراصل وال پول کی طویل وزارت میں ملک کو جو امن و فراغت حاصل ہوئی، وہ ہنوورری بادشاہوں سے منسوب کی جانے لگی تھی اور اس انتظام میں شخصی شکایات کی گنجائش نہ رہی تھی، حالانکہ ایسی شکایتوں کے بغیر ایک متمدن ملک میں کوئی بغاوت سرسبز نہیں ہو سکتی۔

جنگی اعتبار سے دیکھیے تو چارلس کے لیے معاملہ اور بھی مایوس کن تھا۔ ویڈ، یارک شر کی طرف سے بڑھ رہا تھا کہ باغیوں کو عقب سے جا لے اور دوسری طرف امیر کبیر کمبرلینڈ آٹھ ہزار فوج لے کر اسٹفرڈ شر میں آ پہنچا تھا۔ خود بادشاہ، فنچ لی میں ایک نیا لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ دوسرے کمبرلینڈ کے سپاہی ایسے اناڑی نو آموز نہ تھے جیسے پرسٹن پینز میں بھاگ کھڑے ہوئے بلکہ ڈیٹن جن اور فونت نوا کے معرکے جھیلے ہوئے تھے۔ اس پر بھی باغیوں نے بڑھے چلنے کی ٹھان لی اور جارج مرے اس کمال کے ساتھ کونگل ٹن پر بڑھا کہ کمبرلینڈ کو اسٹون میں آ جانا پڑا اور ادھر چارلس مشرق کی جانب دبے دبے، اپنے اصلی لشکر کو لے کر اسٹوک پورٹ اور ایش بورن کے راستے ڈاربی پہنچ گیا۔ (۴ر دسمبر) یہاں سے پائے تخت لندن صرف ایک سو تیس میل اور جانے کے لیے عمدہ سڑک موجود تھی اور بیچ میں صرف ایک لشکر سے مقابلہ کرنا رہ گیا تھا۔

باغیوں کی آمد آمد سن کر لندن میں بہت پریشانی پیدا ہو گئی۔ اول اول بغاوت کی خبر آئی تو لوگوں نے بغاوت کو محض پھلجھڑی سمجھا لیکن جب چارلس فوراً روک لیے جانے کی بجائے، پرتھ پہنچ گیا، پھر ایڈنبرا، وہاں سے

باب دوم

کارلائل اور مین چیسٹر میں داخل ہوا تو تشویش ہونے لگی۔ پھر جب یہ خبر آئی کہ وہ ڈاربی میں ہے اور اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی لوہاروں کی دکانوں میں تیغوں کی باڑھ رکھوا رہے ہیں، تو پوری دہشت و سراسیمگی پھیل گئی اور یہ روز بہت دن تک "کالا جمعہ" کہلاتا رہا۔ ساہوکاری کوٹھیوں پر روپیہ واپس لینے کی وہ یورش ہوئی کہ منیبوں کو اٹھنیاں چونیاں (سکس پینی) دینی پڑیں کہ کسی طرح کچھ مہلت میسر آجائے۔ بادشاہ نے زر و جواہر وغیرہ ایک کشتی میں رکھوا دیا تھا کہ شاید ہنوور بھاگنے کی ضرورت پڑے۔ اور کہا جاتا ہے کہ امیر کبیر نیو کاسل چوبیس گھنٹے تک ایک کمرے میں بند ہو کے یہ سوچتا رہا کہ مدعی شہزادے کے ساتھ ہو کر اس کا پہلا انگریز وزیر بن جانا موجب فوز و فلاح ہوگا یا نہیں؟ بہرحال، اس میں شک نہیں کہ صورت حالات بہت مخدوش ہو گئی تھی اور اگر چارلس واقع میں آگے بڑھ کر فتح لیں جارج ثانی کو ایک میدانی لڑائی میں شکست دے دیتا، جس کا کافی قرینہ موجود تھا، تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آیندہ کیا صورت ہو جاتی کیونکہ اسے زمانے کا عجیب رنگ سمجھنا چاہیئے کہ عوام الناس کو اس تمام قضیے سے کوئی دلچسپی نہ تھی؛

باغیوں کی واپسی

اصولاً بھی باغی فوج کی کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ وہ برابر آگے بڑھتی رہے اور چارلس مشتاق بھی تھا کہ ایک اور جنگ میں قسمت آزمائی کی جائے۔ اس کے ساتھ کے سپاہی بھی یقیناً یہی چاہتے تھے لیکن سردار ان فوج ان خطرات سے جن میں وہ گھرے ہوئے تھے، آنکھیں بند نہ کر سکتے تھے اس لیے کہ ایک طرف تو امیر کبیر کمبرلینڈ تعقب میں روانہ ہو چکا تھا اور دوسری طرف ویڈ قریب آ لگا تھا۔ دوسری اطلاع ملی کہ جان ڈرمنڈ، آئرش اور اسکوٹی سپاہیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ، جو فرانس کی فوج میں تھے، اسکاٹ لینڈ آگیا ہے اور خود اسکاٹ لینڈ کے بہت سے پہاڑی قبائل اپنے ملک میں چارلس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ ان سب وجوہ سے اگلے سال جنگ آرائی کرنے میں زیادہ فائدہ نظر آتا تھا لہٰذا سرداروں کی جماعت شوریٰ صریحاً واپسی کی حامی تھی اور آخر میں چارلس کو بھی، بہت کچھ اپنی مرضی کے خلاف ان کی بات ماننی پڑی۔ واپسی شروع ہوئی تو ناکامی کی افسردگی کے

باب دوم

باوجود جارج مرے نے نہایت عمدہ انتظام قائم رکھا۔ باغی فوج امیر کبیر کمبرلینڈ سے دو منزل آگے نکل آئی اور ویڈ پہاڑیاں اتر کے لینکا شر میں داخل نہ ہونے پایا تھا کہ اس علاقے سے صاف گزر گئی۔ باغیوں کی یہ چال دیکھی تو کمبرلینڈ کچھ سوار پیادے اور بے قاعدہ رسالہ لے کر سرعت سے عقب میں روانہ ہوا۔ پھر بھی پین رتھ کے قریب تک پہنچنے سے پہلے یہ سوار تک باغیوں کی گرد کو نہ پہنچ سکے۔ پھر مقام مذکور کے نزدیک، موضع کلفٹن پر لاور ندی کے دائیں طرف جارج مرے پلٹ پڑا اور ایسی چالاکی سے مقابلہ کیا کہ کمبرلینڈ کا حملہ ناکام ہوا۔ انگلستان کی حدود میں یہ آخری قابل ذکر معرکہ تھا اور اس میں بھی باغیوں کو کامیابی نصیب ہوئی جس کے بعد پھر چارلس کو کوئی نہ ستا سکا اور تھوڑے سے سپاہی کارلائل میں متعین کر کے وہ ۲۰ دسمبر کو سرحد اسکاٹ لینڈ میں داخل ہو گیا؛

معرکۂ فال کرک مگر کمبرلینڈ کو تعقب کی کوئی عجلت نہ ہو سکتی تھی کیونکہ فرانسیسی حملے کے اندیشے کی حالت میں انگریزی سپاہ کا انگلستان سے چلے جانا بالکل نامناسب ہوتا۔ نظر برایں چیدہ دستے سواحل جنوب کی طرف بھیج دیے گئے اور صرف ویڈ کا لشکر سپہ سالار ہاؤلی کا ماتحت سرحد کے پار روانہ کیا گیا۔ ہاؤلی وہاں پہنچا تو باغی اسٹرلنگ کا محاصرہ کر رہے تھے اور اپنے سرا سرنا کافی توپ خانے سے حاکم شہر کو ڈرا کر ہتھیار رکھوا لینا چاہتے تھے۔ جارج مرے اور ڈرمنڈ کے ماتحت ان کے اصلی لشکر کے آٹھ ہزار سپاہی محاصرے میں مصروف تھے اور جب ہاؤلی تقریباً مساوی فوج سے فال کرک کے آگے بڑھا تو یہ فوج مقابلہ کرنے کی غرض سے خود اس کی طرف پلٹی اور فریقین کا فال کرک میور کے ٹیکرے کے اوپر، جو پہلے درمیان میں حائل تھا، آمنا سامنا ہوا۔ باغی فوج ٹیکرے کی چوٹی پر پہلے پہنچ گئی اور شاہی لشکر بہت مشقت سے اوپر چڑھ رہا تھا اور تیز ہوا سے بارش اور برف کی چھالیں بھی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ ان سب وجوہ سے اسکوٹی سپاہی جیت میں رہے اور بجز ایک دستے کے جسے نالے نے بچائے رکھا، باقی تمام شاہی سپاہ شکست کھا کے بھاگی اور اس کا تمام سازوسامان چارلس کے ہاتھ آیا۔ بایں ہمہ یہ فتح اس کے مقاصد میں زیادہ مفید و سازگار

باب دوم

نہ ثابت ہوئی۔ جارج مرے اور ڈرمنڈ میں برابر جھگڑے ہو رہے تھے اور بہت سے پہاڑی سپاہی لوٹ کا مال لے لے کر اپنے گھروں کو چل دیے کہ پہلے اسے محفوظ کر آئیں۔ ہاؤلی کی جگہ فوراً امیر کبیر کمبرلینڈ مقرر ہوا جس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آیندہ معرکے میں کوئی چیز محض تقدیر کی یاوری پر نہ چھوڑی جائے گی؛

امیر کبیر کمبرلینڈ یہ شہزادہ جس کا نام ولیم تھا، شہزادۂ چارلس کا تقریباً بالکل ہمسن تھا۔ اس کے کردار کو ان مظالم نے جن کی بدولت آیندہ بدنام ہوا، ابھی تک داغدار نہیں کیا تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ وہ سپہ گری سے عمدہ واقفیت رکھتا ہے۔ ڈے ٹن جن میں خوب لڑا اور فونٹ نوابن گو شکست کھائی لیکن اس پر کوئی الزام نہیں آیا۔ ملکی نظم ونسق میں وہ دیانت دار و قابل اعتماد مانا جاتا تھا۔ وہ ۳۰ جنوری کو ایڈن برو پہنچا اور دوسرے دن باغیوں سے لڑنے چلا مگر فال کرک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ واپس روانہ ہوئے اور فورتھ کو عبور کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ڈاربی میں ہوا تھا، یہاں بھی شہزادۂ چارلس کی رائے کے خلاف اس کے فوجی سرداروں نے پسپائی کا حکم دلوایا اور ایسی حالت میں جب کہ بہت سے جوان اپنے گھروں میں مال غنیمت سینت کے رکھنے کی غرض سے چلے گئے تھے، جنگ کرنا سخت نادانی سمجھا نیز یہ چاہا کہ واپس ہو کر ان ورنیس پہنچ جائیں جہاں خیال تھا کہ معقول امدادی فوج ان کی منتظر ہے۔ اس شہر میں لارڈ لوڈن کے ماتحت دو ہزار شاہی سپاہی متعین تھے لیکن چارلس ادھر بڑھا تو لوڈن شہر چھوڑ کر سدرلینڈ کے پرگنے میں ہٹ گیا اور ان ورنیس پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔ قلعۂ اوگسٹس نے بھی اطاعت قبول کی؛ البتہ قلعۂ ولیم اڑا رہا اور قصر بلیر کو تسخیر کرنے کی کوشش میں بھی جارج مرے کو ناکامی ہوئی۔ جس وقت باغی ان کوششوں میں مصروف تھے، اس وقت کمبرلینڈ پرتھ میں اپنی فوج آراستہ کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں ۶ ہزار ہسی سپاہی جو حکومت انگلستان کی ملازمت میں تھے، آگئے اور انھیں قلعوں میں چھوڑ کر خاص انگریزی سپاہ سے میدان داری کرنا ممکن ہو گیا چنانچہ وہ

باب دوم

بڑھ کر ایبرڈین پہنچ گیا۔ خیال تھا کہ وہ گرمی کا انتظار کرے گا لیکن اپریل میں وہ کوچ کے لیے تیار ہو گیا اور ۸ تاریخ ۸ ہزار پیادہ اور نو سو سوارلے کر ان ورنیس روانہ ہوا۔ ان شاہی سپاہیوں کو سدھانے میں بہت زحمت اٹھائی گئی تھی تاکہ وہ اسکوٹی پہاڑیوں کی پہلی یورش کو روک سکیں۔ اور یہ جزئیات تک تعلیم کی گئی تھیں کہ ہر سپاہی، مقابل کے دشمن کو چھوڑ کر اس کے دائیں طرف کے سپاہی پر سنگین کا وار کرے جس کا پہلو غیر محفوظ ہوگا۔ سامان رسد افراط کے ساتھ بیڑے میں بھر والیا تھا اور یہ بیڑا فوج کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ غرض سپاہیوں کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہ اپنے سردار پر بھی کمال درجہ بھروسا رکھتے تھے اور پرسٹن پینز اور فال کرک کی ذلتوں کا بدلا اتارنے کے آرزومند تھے۔

کمبرلینڈ کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو چارلس نے اپنا لشکر انورنس سے چند میل پر، کلوڈن میں مجتمع کیا یہ کل ۵ ہزار آدمی تھے لیکن انھی کی رسد رسانی کا اس سے انتظام نہ ہوتا تھا۔ اس کا روپیہ ختم ہو چکا تھا اور سامان خورش کی اتنی کمی تھی کہ مقابلہ ہونے سے ایک دن پہلے، کھانے کے راتب میں صرف ایک ایک ٹکیا تقسیم کی گئی تھی۔ یوں بھی سپاہیوں کو صبح اور شام کے وقت ادھر ادھر پھیلنا پڑتا تھا کہ وہ اپنی قوت لایموت تلاش کر سکیں۔ ان حالات میں قرار دیا گیا کہ ہو سکے تو دشمن پر شبخون مارا جائے۔ مگر انورنس اور نواح کے دیہات میں جو سپاہی سامانِ خوراک کی تلاش میں گئے ہوئے تھے، ان کی ٹکڑیاں جمع کرنے میں بڑی دقت ہوئی اور اسی تاخیر کی وجہ سے پورا منصوبہ خراب ہو گیا۔ سورج نکلنے میں صرف ایک گھنٹہ باقی تھا اور اس وقت بھی جارج مرے مقدمۃ الجیش کے ساتھ کمبرلینڈ کے لشکرگاہ سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ ایسی صورت میں واپس پلٹ جانے کے سوا چارہ کار نہ تھا مگر مرے اور بعض بہترین سرداروں کی یہ رائے کہ دشوار گزار زمین پر مورچے بنائے جائیں، پذیرائی نہ پا سکی اور ان کے علی الرغم چارلس نے فیصلہ کیا کہ کلوڈن مور کے کھلے میدان میں کمبرلینڈ کا انتظار کرے۔ وہ خود قلب لشکر میں تھا۔ میمنے کی قیادت،

باب دوم

جارج مرے اور میرے کی جان ڈرمنڈ کے تفویض تھی اور فوج معمول کے مطابق دو قطاروں میں صف آرا کی گئی تھی؛

معرکۂ کلوڈن

کمبرلینڈ نے بھی اپنی سپاہ چار چار صفوں کی دو قطاروں میں مرتب کی تھی۔ سب سے اگلی صف کو حکم تھا کہ گھٹنے کے بل بیٹھ جائے۔ دوسری سر جھکا لے اور تیسری اور چوتھی صف سروں کے اوپر سے بندوقیں سر کرے۔ اگلی قطار کے بیچ میں جگہ چھوڑ کر توپیں نصب کی تھیں اور دونوں بازووں پر سوار تھے کہ چکر کھا کے اسکوٹیوں کے پہلووں پر جا پڑیں۔ ان بلیغ احتیاطوں کی وجہ سے فتح بالکل یقینی ہو گئی تھی پھر بھی اس معرکے میں پہاڑیوں نے مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ دوسرے موقعوں پر کم دیکھنے میں آئے تھے۔ حالانکہ وہ تھکے ماندے، بھوکے، سرمازدہ تھے اور آسمان سے برف باری بھی ان کے چہروں پر ہو رہی تھی۔ انھوں نے حملہ کیا تو انگریزوں کی طرف سے گولی اور چھروں کی بارش کا طوفان ان پر برس گیا۔ با ایں ہمہ کمبرلینڈ کی اگلی قطار کی دو جمعیتوں کو انھوں نے پراگندہ کر دیا۔ البتہ دوسری قطار کے سامنے ان کی دلیری نہ چل سکی۔ قلب اور میمنے کی صفیں سخت بے ترتیب ہو گئیں اور پہلووں سے شاہی رسالے کے حملے ہوئے تو بادل ناخواستہ میدان سے پسپا ہوئے۔ میسرے کی طرف سے حملہ ہی کچھ زوردار نہ ہوا تھا کیونکہ قبیلۂ میک ڈانلڈ کے جوانوں کو بہت غصہ تھا کہ دائیں طرف کی معزز جگہ انھیں نہیں دی گئی جہاں وہ ہمیشہ استادہ کیے جاتے تھے۔ اسی بنا پر ان کے اکثر سپاہیوں نے سرداروں کا حکم نہیں مانا اور جوق در جوق معرکۂ جنگ سے صحیح سالم باہر چلے آئے؛ جارج مرے نے ہزیمت خوردہ سپاہ کو روتھون میں دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن روپے اور سامان رسد کی قلت کے باعث کسی ایسی سعی کا سرسبز ہونا محال تھا اور جب خود چارلس نے حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنا اپنا انتظام کرے تو لشکر منتشر ہو گیا؛

چارلس کی فراری

لڑائی کے بعد ہی شہزادۂ چارلس، پورا ملک طے کر کے، مغربی جزائر میں پناہ گزین ہوا جہاں امید تھی کہ کسی

باب دوم

فرانسیسی جہاز کے آنے تک وہ آرام سے چھپا رہ سکے گا۔ لیکن اس کی جائے پناہ کا پتا چل گیا اور جب جنوبی ویسٹ (Uist) کے جزیرے پر، جہاں وہ ان دنوں مقیم تھا، دو ہزار سرکاری آدمی آ پہنچے تو اس کی گرفتاری بالکل یقینی نظر آنے لگی۔ مگر اس خطرناک موقع سے اسے فلورا میک ڈانلڈ کی عقیدت مندی نے نجات دلائی جو اسے عورت کا لباس پہنا کے اپنے ساتھ نکال لائی۔ حالانکہ جگہ جگہ پہرہ لگا ہوا تھا اور شہزادے کی گرفتاری پر تیس ہزار اشرفی انعام کے اشتہار سے سپاہیوں کا اشتیاق اور نگرانی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ ان کے پہرے سے نکل جانے کے باوجود خطرہ دور نہ ہوا اور اسے بار بار ایسے غریب غربا پر بھروسا کرنا پڑا جن کے لیے سرکاری انعام غیر معمولی دولت تھی بایں ہمہ ان کی شرافت نفس پر آفریں ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی افشائے راز نہ کیا اور آخر مغربی اسکاٹ لینڈ میں پانچ مہینے کی آوارہ گردی کے بعد وہ ایک فرانسیسی جہاز میں سوار ہوا اور بخیریت فرانس پہنچ گیا؛

اس کے بعد بھی کئی سال تک تھوڑی بہت امید ضرور باقی تھی کہ دوبارہ کوشش کی جائے تو شاید کامیابی حاصل ہو۔ فرانس کے ساتھ جو لڑائی ہو رہی تھی اس میں، اور پھر ہفت سالہ جنگ یورپ کے دوران میں بار بار تجویزیں ہوئیں۔ کہ چارلس سے کام لیا جائے۔ لیکن جتنا وقت گزرتا گیا اتنی ہی کامیابی کی امید کم ہوتی گئی۔ ۱۷۴۷ء میں چارلس کا چھوٹا بھائی ہنری اسٹوارٹ کارڈنیال مقرر ہوا تو اس خاندان کی نیک نامی کو بہت نقصان پہنچا۔ خود چارلس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پٹ کے زمانے میں فرانسیسیوں پر جو فتوحات حاصل ہوئیں، ان سے یہ رہی سہی امید بھی کہ فرانس مدد کرے گا، خاک میں مل گئی؛ پہلے مدعی کا ۱۷۶۵ء میں دوسرے مدعی کا ۱۷۸۸ء میں انتقال ہوا اور اس کا بھائی ہینری جو جیمس ثانی کا آخری صحیح النسب وارث تھا، ۱۸۰۷ء میں فوت ہو گیا؛

باغیوں کا حشر بغاوت کے اکثر سردار خوش قسمت تھے کہ سزا پانے سے بچ گئے۔

باب دوم

مرے، ڈرمنڈ، امیر پرتھ اور کیمرن لوخیل کا سب کو دوستوں کے جہاز مل گئے۔ البتہ بوڑھا ٹلی بارڈین قلعۂ لندن میں فوت ہوا۔ اور لارڈ کل مارنک، بال مری نو، اور چارلس ریٹ کلِف کے ۱۷۴۶ء میں سر قلم کرا دیے گئے۔ آخر الذکر امیر ڈرونیٹ واٹر کا بھائی تھا اور اسکاٹ لینڈ آتے میں ایک فرانسیسی جہاز پر گرفتار ہوا۔ اگلے سال سائمن فریزر اور لارڈ لووٹ کا بھی یہی حشر ہوا۔ یہ لووٹ ایک چالاک و بدکردار بوڑھا سردار تھا کہ ڈنکن فوربس کو تو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہا اور دوسری طرف اپنے بیٹے کو شہزادۂ چارلس کی طرف سے لڑنے کے واسطے روانہ کر دیا۔ وہ بال بال بچ گیا تھا لیکن اس کی تقدیر کہ شہزادۂ مدعی کا میر منشی مرے براؤٹن کا گرفتار ہوا اور اس نے گواہ سلطانی بن کر جو بیانات دیے ان سے لارڈ لووٹ کے جرم کی شہادت مکمل ہو گئی۔ سب سے آخر میں کیمرن کے بھائی (ڈاکٹر کیمرن) کو سزا ملی جو ۱۷۵۳ء میں انگلستان آیا تھا اور اسی سفر میں گرفتار ہو کر سزائے قتل کا مستوجب قرار پایا۔ اس کا سبب گزشتہ بغاوت میں حصہ لینا نہ تھا بلکہ زیادہ تر یہ کہ حکومت جیکوبی ریشہ دوانی کرنے والوں کو سخت سبق دینا چاہتی تھی۔ اور چونکہ معلوم ہوا کہ انھی دنوں شہزادۂ مدعی خود بھیس بدل کر جیکوبی لوگوں سے مشورہ کرنے لندن آیا تھا، لہذا حکومت کی یہ سختی بالکل ہی بیجا نہیں کہی جا سکتی۔

کمبرلینڈ کی بے رحمی یہ سب سزائیں قانون انگلستان کی رسوم و ضوابط کے مطابق عمل میں آئیں اور لینکاسٹر، کارلائل وغیرہ مقامات میں جو اسی کے قریب ملزم زیر تحقیقات تھے، وہاں بھی ایسا ہی ہوا لیکن ان بدنصیب مردوں اور عورتوں پر جنھیں امیر کبیر کمبرلینڈ اور اس کے سپاہیوں نے بغاوت کا مجرم سمجھ لیا تھا بہت بری گزری۔ ایک کثیر تعداد تو میدان جنگ ہی میں پکڑ کر قتل کرا دی گئی اور پھر کلوڈن کے معرکے سے تین مہینے تک پہاڑی اضلاع کے قریب قریب ہر بستی میں ایسے بے محابا خون بہائے جاتے رہے کہ کمبرلینڈ کے تمام اچھے اوصاف اور عمدہ خدمات پر پانی پھر گیا اور وہ "قصائی" کے قابل نفرت نام سے مشہور ہو گیا۔

غنیمت یہ ہے کہ ملک میں ایسے اہل تدبر کا فقدان نہ تھا جو کسی گزشتہ

باب دوم

موقع پر کارٹرٹ کے عاقلانہ قول کے مطابق، اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ "انسانی جسم کے مثل، سیاسی جسم میں بھی جب تک اصلی سبب مرض موجود ہے، اس وقت تک خرابی صحت کا ازالہ نہیں ہو سکتا" اور ان لوگوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی بغاوت فرو کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھا کر آیندہ وہاں جدید اصلاحات کا آغاز کیا جائے۔ یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ بغاوت کے اتنے آسان ہونے کا اصلی سبب قبائل کا وہ نظام تھا جس میں قبیلے کے جملہ افراد اپنے اپنے چودھری کی اطاعت و رفاقت کو سب سے مقدم سمجھتے تھے۔ یہ چودھری انھی کے روپے سے بسر اوقات کرتا اور اپنے علاقے میں وہی دادرسی اور دیانت کا سرچشمہ مانا جاتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنے قبیلے والوں کو جس کام میں چاہے لگا سکتا تھا گو کہ وہ کام سراسر قانون کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظام کو توڑنے کی غرض سے ایک نیا قانون نافذ کیا گیا کہ آیندہ قبائل کے چودھریوں کے اختیارات موروثی نہ ہوں گے، اور ان اختیارات کی بجائے انھیں کچھ مالی معاوضہ مل جایا کرے گا۔ قبائل سے بڑی سختی کے ساتھ ہتھیار چھین لیے گئے اور کوہستانی اور میدانی باشندوں کا امتیاز دور کرنے کے لیے، کوہستانیوں کو حکماً اپنا جداگانہ لباس پہننے سے روک دیا گیا۔ ان تدابیر سے قبائل کے سرداروں کا بھی اس میں کوئی فائدہ باقی نہ رہا کہ وہ اپنے گرد جنگجو لوگوں کو جمع کریں۔ بجائے اس کے وہ پہلی مرتبہ زراعت کی طرف متوجہ ہوئے اور زمین کو اپنی آمدنی کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ ان سرداروں کی طریق زندگی میں یہ تبدیلی ہوئی تو ان کے بہت سے سرگرم و شورہ پشت رفیقوں کو بھی ساتھ چھوڑ کے اِدھر اُدھر منتشر ہونا یا ترک وطن کرنا پڑا، لیکن یہ سب سختیاں سرداران قبائل کی قوت توڑنے کے باوجود، انھیں حکومت کا وفادار بنانے میں زیادہ مفید نہ ہو سکتی تھیں اگر پیٹ چند سال بعد، انھی کوہستانیوں کی فوجیں مرتب نہ کرتا اور انھیں وہیں کے ممتاز سرداروں کی قیادت میں نہ دے دیتا۔ ان فوجی سرداروں میں لارڈ لوویٹ کا، جسے سزائے قتل ملی۔ ایک بیٹا بھی تھا؛ غرض یہی وہ صورت تھی کہ اس کے ذریعے ملک کو کوہستانیوں کی اعلیٰ سپاہیانہ قابلیت سے فائدہ اٹھانے کا

باب دوم

موقع مل گیا اور جو شے قابل خطر تھی وہی باعث حفاظت بن گئی ؛

ولیم پیٹ

اسکاٹ لینڈ کی بغاوت پوری طرح فرو نہ ہونے پائی تھی کہ انگلستان کی وزارت میں خلفشار پیدا ہوا۔ پارلیمنٹ کے نوجوان ارکان میں ولیم پیٹ اور ہینری فوکس سب سے ممتاز تھے۔ پیٹ، ایک مدراس کے حاکم کا پوتا تھا جو ہندوستان سے ایک مشہور و معروف ہیرا انگلستان لایا۔ اسے "پٹ کا ہیرا" کہتے تھے اور اسی سے لانے والے کی شہرت ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں بیوی کے رشتے سے ولیم پیٹ، پہلے امیر اسٹین ہوپ کا بھتیجا ہوتا تھا۔ ۱۷۰۸ئہ میں پیدا ہوا۔ ایٹن اور ٹری نٹی کالج (آکسفرڈ) میں تعلیم پائی۔ کبود پوشوں کے رسالے میں جمعداری حاصل کی اور ۱۷۳۵ئہ میں اولڈ سیرم کے "خانگی" حلقے (Pocket) سے مبعوث (یا نمایندہ) منتخب ہوا اور پارلیمنٹ میں آتے ہی وال پول کی شدید مخالفت میں مصروف ہوگیا۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے فن خطابت کی مشق کرتا رہا تھا "بلند اور نہایت کشیدہ قامت، شکرے کی سی آنکھیں، چھوٹا سر، ستا ہوا چہرہ، لمبی خمدار ناک" اور ان کے علاوہ آواز کا غیر معمولی پاٹ اور قوت، بے جھجک دلیری، حد درجے کی خود اعتمادی، پھر واقعی قابلیت اور جس کام میں ہاتھ ڈالا اس پر وسیع اور مدبرانہ غور کرنے کی اہلیت، یہ جملہ اوصاف ایسے تھے جن سے پارلیمنٹ میں اس کی کامیابی اور شہرت، صریحاً "یقینی نظر آتی تھیں۔ اس کی ابتدائی تقریروں ہی پر وال پول کے کان کھڑے ہوئے اور اس وزیر نے اپنے مذاق خاص کے مطابق یہ تعریف کی کہ "اس فوجی نقارے کو خاموش کردینا لازمی ہے" اور وہ اپنی رسالے کی خدمت سے الگ کردیا گیا۔ تیار کی ہوئی تقریریں کرنے میں اسے دقت ہوتی تھی لیکن برجستہ بحث کرنے میں بہت جلد وہ ایسا کامیاب مقرر ثابت ہوا کہ دنیا میں ایسے مقرر کم گزرے ہیں۔ حالانکہ خطابت اور رہجو ملیح کے فن میں اس کے بہت سے لائق معاصرین گوئے سبقت لے جانا چاہتے تھے اور یوں بھی پیٹ کسی ایسے نامی وھگ خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا، جو ان دنوں بڑے بڑے عہدوں کا ٹھیکہ لیے بیٹھے تھے۔ بایں ہمہ اس نے سب حریفوں میں امتیاز اور

باب دوم

بہت جلد اہل وطن کی نظروں میں نہایت بلند رتبہ حاصل کرلیا۔ اغراض ذاتی سے اس کا بالکل بری ہونا' پارلیمنٹ میں عزت و احترام کا موجب ہوا اور برطانی اغراض و فوائد کی پرجوش حمایت کی بدولت عام اہل ملک گرویدہ ہوگئے۔ البتہ جارج دوم کی نظر میں وہ کوئی قبولیت نہ پاسکا جس کا کچھ تو سبب یہ تھا کہ ولی عہد نے اس کی فوجی خدمت کی تلافی میں اسے اپنے توشک خانے میں جگہ دے دی تھی۔ اور کچھ یہ کہ پٹ کو پارلیمنٹ کے باہر جو ہر دلعزیزی حاصل ہوئی وہ زیادہ تر کارٹرٹ کی ہنووری حکمت عملی کی مخالفت کرنے کی بدولت ملی تھی۔ اس میں بھی پٹ خصوصیت کے ساتھ ہنووری اور ہیسی سپاہیوں کے برطانی فوج میں نوکر رکھنے کا شروع سے مخالف تھا اور پارلیمنٹ میں کارٹرٹ پر "ہنووری وزیر لشکر" کا فقرہ چست کرچکا تھا۔

ہینری فوکس

مزاج و اوصاف' عادات و تعلیم کے لحاظ سے پٹ کا حریف ہینری فوکس اس سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ "کاروبار میں بے حد قابل' روشن رائے' تہ بین' صاحب ہمت' ہر قسم کے معاملات میں دو ٹوک کام کرنے والا اور غضب کا مستعد آدمی" ہونے کے باوجود سیاست کے ان اعلیٰ اوصاف سے جو پٹ کی خصوصیت ہیں' متصف نہ تھا۔ اس کی قابلیتیں ہمیشہ فوائد ذاتی کے لیے صرف ہوتی تھیں اور مدت دراز تک وال پول کے زیر تربیت رہنے کی وجہ سے اس پر وہ سرکاری رنگ چڑھ گیا تھا جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تمام سیاسی مسائل کو صرف اس نظر سے دیکھا جائے کہ رائے دہندوں پران کا کیا اثر پڑے گا۔ حتیٰ کہ لارڈ چیسٹر فیلڈ فوکس کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ملک کی بھلائی یا آئین وغیرہ کا مطلق لحاظ اور خیال نہ کرتا تھا بلکہ ان فکروں کو گھٹیا آدمیوں کے کام سمجھتا تھا۔" فوکس' ۱۷۰۵ء میں پیدا ہوا۔ عرصۂ دراز تک سرکاری کام کرتے رہنے سے جزئیات میں اسے وہ مہارت اور صفائی پیش کرنے میں ایسی مشق ہوگئی کہ وہ نہایت ہی کارآمد آدمی بن گیا اور خزانے میں ماتحت وزیر کی خدمت جو پیلہم کے زمانے میں اسے ملی تھی' وہ اپنی قابلیت سے فروتر نظر آنے لگی۔ یہی

باب دوم

سبب تھا کہ پٹ کی علانیہ مخالفت اور فوکس کی بے دلی کی وکالت دیکھ کر وزرا گھبرا گئے"۔ فروری ۱۷۴۶ء میں پیلہم اپنی مضبوطی کے لیے پٹ کو عہدہ دینے پر تیار ہو گیا۔ اور جب جارج نے منظوری دینے سے صاف انکار کیا تو دونو پیلہم اور ان کے اکثر متبعین مستعفی ہو گئے۔ ان کے استعفے قبول ہوئے اور گرین ویل اور باتھ (سابق پل ٹینی) کو وزارت مرتب کرنے کی خدمت تفویض ہوئی۔ لیکن یہ کوشش بالکل ناکام رہی کیونکہ بقول ہوریس وال پول کے وہ یہ "ذرا سی بات" بھول گئے کہ انھیں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اکثریت حاصل کرنی ہے"۔ ان حالات میں جارج کو بہت ہی ناخواستہ دلی کے ساتھ پیلہم بھائیوں کو واپس بلانا اور پٹ کو آئرستان کا نائب خزانہ دار بنانا پڑا۔ پھر تھوڑے دن بعد وہ فوج کا بخشی مقرر ہوا جو اس زمانے میں بہت ہی بیش بہا عہدہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کے ہاتھ سے بے حساب روپیہ گزرتا تھا اور وہ کچھ فیصدی کی دستوری خود لے کر لاکھوں روپیہ کما سکتا تھا۔ نیز اپنی تحویل کا سرکاری روپیہ تجارتی کاموں میں لگا کر بھی کافی نفع اٹھا سکتا تھا۔ لیکن پٹ نے اس قسم کی تدابیر سے ایک پیسہ لینا بھی جائز نہ سمجھا اور حکومت کا عہدہ دار بن کر بھی اسی بے لوثی کا ثبوت دیا جو حکومت کے نکتہ چین ہونے کے زمانے میں اس کی خصوصیت رہی تھی۔ ان اوصاف کی پوری قدر کی گئی۔ پیل ہم نے اس کی نسبت کہا کہ وہ ہم میں سب سے قابل اور کار آمد، نہایت شریف اور پورا دیانت دار شخص ہے"۔ اسی کے ساتھ فوکس کو وزارتِ فوج کی معزز خدمت پر ترقی دے کر خوش کیا گیا اور کچھ روز بعد چیسٹر فیلڈ بھی شاہی معتمد بن کر مجلس وزارت میں داخل ہوا"۔

یورپ کی جنگ

جس زمانے میں برطانیہ وطن میں بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھی، یورپ میں) فرانس کے قدم برابر بڑھتے چلے جاتے تھے۔ آسٹریا کے ولندیزی علاقے میں قریب قریب تمام قلعوں پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا اور ۱۷۴۷ء میں خاص ہالینڈ پر حملہ کر دیا گیا تھا۔ اس ملک میں ولیم ثالث کی وفات کے وقت سے شہری جماعت

باب دوم

بر سر اقتدار تھی اور خاندان آرینج کی کوئی پرسش نہ تھی۔ بایں ہمہ جس طرح ۱۶۷۲ء میں ہوا تھا، اب بھی فرانس کے خوف نے ولندیزوں کو مجبور کیا کہ اپنے قدیم سرداروں سے کام لیں چنانچہ خاندان آرینج فریڈرک ولیم جو شاہ جارج ثانی کا داماد تھا اور عام طور پر ولیم چہارم کہلاتا ہے، امیر نامزد کیا گیا اور فوج کی سپہ سالاری اس کے تفویض ہوئی۔ پھر شہزادۂ مدعی کی شکست کے بعد کمبرلینڈ بھی بر اعظم میں پہنچ گیا۔ لیکن عمدہ فوجی سردار ہونے کے باوجود وہ فرانس کے مردان جنگ کا فن سپہ سالاری میں ہمسر نہ تھا اور ادھر بہنوئی سے ان بن ہو جانے کے باعث صورت حال اور بھی خراب ہو گئی۔ غرض جولائی ۱۷۴۷ء میں اتحادی سپاہ کو سپہدار ساکس نے سخت لڑائی کے بعد لاؤفیلڈ کے مقام پر شکست دی اور دریائے میز کے پار ہٹنے پر مجبور کیا۔ پھر فرانسیسی قلعۂ برگن اوپ زوم کا محاصرہ کرنے بڑھے جسے کوے ہورن نے تعمیر کیا تھا لیکن ولندیزی فوج نے ایسی بُری مدافعت کی کہ یہ عمدہ قلعہ بھی ستمبر میں فتح ہو گیا۔ قلعۂ مائیس ٹریخٹ کا بھی یہی حشر ہوتا نظر آتا تھا اور ادھر مجلس وزرا کو انگلستان کے وسائل و ذرائع سے کام لینے کے سوائے اس کے کوئی اور صورت ہی نہ سوجھتی تھی کہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں تک سے کرائے کی فوجیں بہم پہنچانے کی درخواستیں کر رہی تھی۔ البتہ سمندر پر انگریزوں کی حالت اتنی زبوں نہ تھی بلکہ این سن اور ہاک دونوں فرانس کے ایک ایک بیڑے کو شکست دے چکے تھے اور فنستیر اور بیلیل کے سامنے ۶، ۶ جہاز پکڑ کر لیے گئے تھے۔ انگلستان کے امریکی آبادکاروں نے بھی اپنی مردانگی کا ثبوت دیا کہ ۱۷۴۵ء میں جزیرۂ کیپ بریٹن پر یورش کی اور اس کے صدر مقام لوئی برگ کو فتح کر لیا۔ بایں ہمہ مجموعی طور پر انگریز اور فرانسیسی دونوں جنگ ختم ہو جانے کے دل سے خواہاں تھے۔ چنانچہ ایک موتمر کا انعقاد ہوا جس میں ولندیزوں اور ان دونوں قوموں کے وکلا جمع ہوئے اور بتاریخ ۳۰ راپریل ۱۷۴۸ء مبادی صلح پر، پھر اسی سال کے اندر ایکس لا شاپیل کے عہدنامے پر دستخط ثبت ہو گئے، اس کی دفعات کی رو سے فریقین نے جو مقامات فتح کر لیے تھے، وہ واپس کر دیے۔ شہزادۂ مدعی کو

باب دوم

فرانس سے نکال دیا گیا۔ سلیشیا، فریڈرک کو ملا اور ماریا تھیریسا کا شوہر فرانسس شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ امن عام میں اسپین بھی شامل تھا لیکن اس کے تلاشی لینے کے حق کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ صلح ہوتے ہی برطانی فوج میں تخفیف کر کے صرف اٹھارہ ہزار سپاہی رہنے دیے گئے۔ البتہ برطرف شدہ سپاہیوں کو نوا اسکوشیا میں زمینیں دی گئیں اور وہاں کے نئے صدر مقام کا نام شاہی معتمد کے نام پر ہیلی فیکس رکھا گیا۔

شرح سود کی تخفیف

صلح ہونے کے بعد پیل ہم وطنی معاملات پر متوجہ ہوا۔ وہ وال پول کا متبع اور اس لیے مالیات میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔ اب قومی قرضہ کم کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ جب سے مونٹیگو نے مستقل سرمایہ اندوزی کا طریقہ نکالا اس وقت سے یہ قرض برابر زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ عہدنامۂ رِزِک کے وقت اس کی مقدار دو کروڑ دس لاکھ عہدنامۂ یوٹریکٹ کے وقت پانچ کروڑ تیس لاکھ اور اب سات کروڑ اسّی لاکھ پونڈ ہو گئی تھی۔ اجمالاً اسے چار قسموں میں تقسیم کر سکتے تھے :-

۱۔ قرضے جو دوامی طور پر لیے گئے۔

۲۔ قرضے جو خاص خاص محاصل کی امید پر لیے گئے۔

۳۔ قرضے جو دائمی یا میعادی وظائف سالانہ کے عوض میں وصول ہوئے۔ اور

۴۔ سرکاری خزانے کے تمسکات۔

ولیم ثالث کو مستقل سرمائے کی شرح سود آٹھ، اور این کو ۶ فیصدی دینی پڑی تھی۔ مگر وال پول نے ۱۷۱۶ء اور پھر ۱۷۲۷ء میں ۵ سے چار فیصدی تک اسے گھٹا دیا۔ شہزادۂ مدعی کو ہزیمت ہوئی تو حکومت کی ساکھ بڑھی اور ادھر ملک کی خوش حالی سے روپے کی ایسی افراط ہوئی کہ اور بھی آسانی سے قرض ملنے لگا۔ یہی سبب تھا کہ ۱۷۴۹ء میں پیلہم تخفیف مزید کرنے پر قادر ہوا اور اس نے قرض خواہوں کو اطلاع دی کہ یا تو حکومت ان کا روپیہ ادا کر دے گی اور یا وہ ساڑھے تین فیصدی سود قبول کر لیں۔ اکثر قرضداروں نے یہ شرط مان لی۔ باقی ماندوں کی پوری رقم دے دی گئی اور

باب دہم

تھوڑے دن بعد چودہ قسم کے مختلف ذخائر کو جمع کر کے پانچ کی صورت میں منضبط کر لیا گیا۔ ان انتظامات کے ذریعے پیل ہم نے پانچ لاکھ پونڈ سالانہ کی بچت نکال لی؛

۱۷۵۱ء میں شہزادۂ ولی عہد فریڈرک، شش کی خرابی سے مر گیا۔ ممکن ہے اس خرابی کو مہلک بنانے کا سبب وہ زخم ہو جو کچھ مدت پہلے کھیل میں ایک چوبی گیند[۱] لگنے سے آیا تھا۔ ایک وقت میں وہ لوگوں میں نہایت نامقبول تھا اور لندن کے عوام کی یہ پکار کہ "ہائے، کاش کہ وہ قصائی ہوتا" اس امر کی دلیل تھی کہ کمبرلینڈ قوم کی نظروں سے گر چکا ہے؛ ولی عہد کی بیوہ اوگسٹا سیکس کوبرگ اور اولادیں نو بچے تھے۔ ان میں سب سے بڑا ۱۷۳۸ء میں پیدا ہوا اور آگے چل کے شہزادۂ ویلز بنایا گیا۔ خود اوگسٹا عمدہ سیرت کی بہت ہوشیار عورت تھی اور خوب اندازہ رکھتی تھی کہ بچوں کی بہتری کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بوڑھے بادشاہ کو رضامند رکھا جائے اسی زمانے میں امیر بولنگ بروک (ہینری سن جن) فوت ہوا جسے امید تھی کہ ہنووری خاندان کو تباہ کرا دے گا مگر تقدیر نے اس کے جیتے جی ان بادشاہوں کو اور بھی زیادہ مضبوط و مستقل کر دکھایا؛

لارڈ چیسٹر فیلڈ

۱۷۵۱ء میں لارڈ چیسٹر فیلڈ کی سعی سے جنتری کی اصلاح عمل میں آئی۔ اس امیر کا پورا نام فلپ ڈورمر اسٹین ہوپ تھا اور اپنے زمانے میں بہت ممتاز و بلند رتبہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب صرف بعض ظریفانہ اقوال اور اس مشہور و معروف مجموعۂ خطوط کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو لکھے تھے۔ وہ ۱۶۹۴ء میں پیدا ہوا اور شروع ہی میں ثابت ہو گیا کہ دربارداری میں بڑی مہارت اور نامہ و پیام نیز مباحثہ کرنے کا بہت سلیقہ رکھتا ہے۔ وہ کبھی سب سے آگے نہیں آیا۔ تاہم اسے والیان انگرستان میں سب سے بہتر شمار کرنا چاہیے کہ غالباً اسی کی پُرمصلحت اور

۱۔ اصل عبارت میں "ٹریپ بال" ہے۔ مترجم

باب دوم

ساتھ ہی پرقوت روش کی بدولت ۱۷۴۵ء کی بغاوت کے وقت آئرستان میں کوئی شورش برپا نہ ہوئی۔ اسی طرح یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ۱۷۴۷ء میں اس نے امن وصلح کی وکالت کی اور جب اس پر اعتنا نہ ہوئی تو شاہی معتمدی کا معزز عہدہ چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ اب (۱۷۵۲ء میں) بھی بغیر عہدہ لیے وہ مجلس وزرا کی عمومی تائید کرتا رہتا تھا؛ اس زمانے میں انگلستان تقویم جولین کا پابند تھا جسے جولیس سیزر نے مرتب کرایا تھا۔ اس میں لوندھ کے بہت سے سال رکھے گئے تھے جس سے حساب میں غلطی پیدا ہوتی تھی چنانچہ یہ جنتری اصلی تاریخ سے گیارہ دن پیچھے ہو گئی تھی۔ سولھویں صدی کے ہیئت دانوں نے بھی اس طرف توجہ دلائی اور ۱۵۸۲ء میں پاپا گریگوری سیزدہم نے تقویم گریگوری شائع کی جس میں مذکورۂ بالا غلطی کی اصلاح کی گئی تھی۔ اسی جنتری کو تمام کیتھولک ممالک اور پھر برطانیہ، سویڈن اور روس کے سوا، دوسری یورپی ریاستوں میں بھی اختیار کر لیا گیا تھا۔ اب چیسٹر فیلڈ کے قانون کی رو سے ۳ ستمبر ۱۴ ستمبر قرار پایا اور نئے سال کا آغاز، ۲۵ مارچ (یوم مریمؑ) کی بجائے جیسا کہ اس وقت تک معمول تھا پہلی جنوری سے لازم کیا گیا۔ گیارہ زائد دنوں کے بدلے، ۵ اپریل ۵ جولائی ۱۰ اکتوبر اور ۵ جنوری ربع دن قرار دیے گئے۔ اس اصلاح سے بڑی پیچیدگی اور پریشانی دفع ہوئی مگر تنگ دل متعصب اس سے بہت ناخوش ہوئے۔ اور اسی جہل وتعصب کی یادگار ایک تو انتخابات کے زمانے کا یہ نعرہ تھا کہ "ہمارے گیارہ دن واپس دو" اور دوسرے ایک مقبول عام گیت، جس کی ٹیپ یہ تھی: سن میں 787

"بھی، پاپائی آئی، ترپن میں"

قانون ازدواج

اسی زمانے کی ایک اور قابل ذکر اصلاح، قانون ازدواج ہے جسے امیر عدلیہ ہارڈ ویک نے ۱۷۵۳ء میں پیش کیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ جن کی شادی ہونے والی ہے، یا تو وہ باقاعدہ اجازت نامہ حاصل کریں یا اپنے اپنے حلقے کے گرجا میں برابر تین اتوار تک ان کی شادی کی اطلاع شائع ہوتی رہے اور ہر حالت میں عقد خوانی صبح کے ۶ بجے سے دوپہر تک،

باب دوم

گرجا میں ہو جایا کرے۔ اگر عقد کسی دوسری جگہ یا دوسرے وقت میں پڑھایا جائے تو اس کے لیے صدر اسقف کینٹربری سے بہت بھاری رقم دے کر اجازت نامہ خاص حاصل کرنا لازم تھا؛ قانون کی اصلی غرض یہ تھی کہ خفیہ اور بے سمجھے بوجھے شادیاں کرنے کا طریقہ مسدود ہو، اور اس کی ہینری فوکس نے جو شدید مخالفت کی اس کا سبب بھی یہ تھا کہ خود وہ امیر کبیر رچ منڈ کی بیٹی کو لے کر فرار ہوا تھا، لہٰذا اس مسودۂ قانون میں اسے اپنی ذات پر حملہ نظر آتا تھا۔ دار العوام میں چارلس ٹاون زنڈ سب سے زندہ دل مقرروں میں شمار ہوتا تھا' اس نے بھی مخالفت کی اور کہا کہ یہ مخالفت نوجوان لڑکوں کے حقوق کی حمایت میں کرتا ہوں' کیونکہ یہ قانون نافذ ہوا تو ہمارے لڑکوں کو دولت مند بیویاں حاصل کرنے کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا۔ لطف یہ ہے کہ جب قانون منظور ہو گیا تو خود ٹاون زنڈ نے ایک معمر مگر معقول سرمایہ والی بیوہ سے شادی کر کے اپنی اشک شوئی کر لی اور اس واقعے پر لوگوں نے بے حد قہقہے لگائے؛

۱۷۵۴ء میں پیل ہم نے وفات پائی۔ وہ کچھ بہت سن رسیدہ آدمی نہ تھا لیکن کھانے پینے میں بے احتیاطی کے باعث' ۵۸ سال کی عمر کو پہنچنے سے قبل ہی اس نے اپنی صحت بالکل خراب کر لی۔ وہ بہت نامور وزیر نہیں سمجھا جاتا، لیکن کافی عقل سلیم رکھتا تھا اور جفاکشی' پابندی اوقات اور حسن معاملت کی وجہ سے لوگ خود بخود اس پر بھروسا کرتے تھے۔ خطیب نہ ہونے کے باوجود' اس میں معاملات کو صاف اور واضح بیان کر دینے کی قابلیت تھی اور آشتی پسند اخلاق و آداب کی بدولت مخالفین کی زبان بند ہو جاتی تھی۔ جس وقت وہ مرا تو جارج چلایا کہ اب مجھے امن و سکون میسر آنا محال ہو گا" اور حقیقت میں یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی؛ پیل ہم کی جگہ اس کا بڑا بھائی ٹامس' امیر کبیر نیوکاسل' (ولادت' ۱۶۹۴ء) وزرا کا صدر مقرر ہوا اور یہ

نیوکاسل

ایسا عجیب آدمی گزرا ہے کہ اس فطرت کے لوگوں نے شاید اعلیٰ سیاسیات میں کم کوئی حصہ لیا ہو گا۔ گذشتہ تیس برس سے وہ شاہی معتمد تھا اور کاروبار کے تجربے' یا پارلیمنٹ کا

788

باب دوم

انتظام کرنے میں اس کا کوئی مثل نہ تھا' بایں ہمہ اس کی سنکی حرکتوں کے متعلق جملہ معاصرین متفق ہیں۔ وہ ہمیشہ جلدی کرتا رہتا اور اس قسم کے اضطراب میں مبتلا نظر آتا "گویا صبح کا ایک گھنٹہ گم ہو گیا اور اب دن بھر اس کی تلاش میں ہے" چلنے میں وہ کچھ دور پاؤں گھسیٹ کر چلتا تو کچھ دور دلکی چل چل کر وقت بچاتا تھا۔ بولنے میں سوال پر سوال کیے جاتا مگر جواب سننے کا انتظار نہ کرتا کہ وقت نہ ضائع ہو۔ جغرافیے سے اس کو حیرت انگیز ناواقفیت تھی اور ملکداری کے عام اصول سے مطلق بے خبر تھا' پس دوسروں کے خیالات اختیار کر لیتا اور خود صرف جزئی باتوں میں سراپا منہمک رہتا تھا۔ البتہ اپنے بھائی کی طرح بذات خود دیانت دار اور بے لوث آدمی تھا۔

دار العوام کی کارفرمائی

چونکہ اب وزیر اعظم دار الامرا میں رہتا تھا۔ لہٰذا دار العوام کی پیشوائی کے لیے کسی لائق وزیر کا (Leader) تلاش کرنا ناگزیر ہو گیا اور اس میں بڑی دقتیں پیش آئیں آخر میں پِٹ اور فوکس میں سے ایک کو انتخاب کرنا رہ گیا لیکن نیوکاسل دونوں سے ڈرتا تھا اور اسی لیے اس نے ایک بھدے غبی آدمی' سر ٹامس روبنسن کو ترجیح دی حالانکہ وہ اتنے عرصے تک وی آنا میں سفیر رہا تھا کہ دار العوام کی عام رسوم و آداب تک یاد نہ رہے تھے۔ چنانچہ پِٹ نے کہا کہ "امیر کبیر چاہتا تو اس کی بجائے اپنا شکاری موزہ (Jack-boot) ہماری سرگروہی کے لیے بھیج سکتا تھا"! پھر وہ اور فوکس پہلی اور آخری مرتبہ آپس میں متحد ہو گئے کہ روبنسن کو کام کرنا دشوار کر دیں۔ ان کے حملے کی تدبیر یہ تھی کہ ایک تو روبنسن کی غلطیوں کو طشت از بام کرے اور دوسرا ناتجربے کاری کے عذر پر اس کی وکالت کرے اور یہ امر بحث طلب ہے کہ غریب روبنسن ان اعتراضات سے زیادہ چڑتا تھا یا اس وکالت سے۔ بہر حال' تھوڑے ہی دن میں معاملہ قابو سے باہر ہو گیا اور نیوکاسل نے اپنے نزدیک کمتر درجے کی بلا یعنے فوکس کو دار العوام کا سرگروہ بنانا قبول کر لیا چند ماہ بعد پِٹ نے ریاست ہیس اور روس کو زر اعانت دینے سے انکار کیا تو وہ بخشی کی خدمت سے الگ کر دیا گیا اور فوکس کو معتمدی کا

باب دوم

عہدہ مل گیا جس کی بہت دن سے طمع تھی ؛

اس عرصے میں امریکہ اور ہندوستان میں ایسے معاملات پیش آرہے تھے جن کا انگلستان خاص سے تو کچھ تعلق نہ تھا مگر جن کی وجہ سے انگلستان و فرانس میں دوبارہ جنگ چھڑنا لازمی نظر آنے لگا تھا ؛ جب سے چارلس اول کے زمانے میں

شمالی امریکہ کی انگریزی مستعمرات

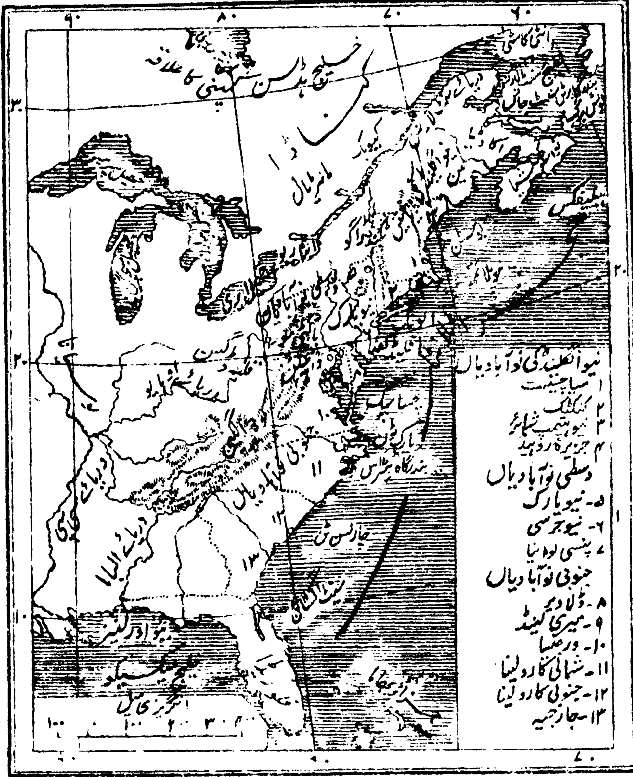
ورجینیا کی نوآبادی بنی' امریکہ کی دوسری انگریزی مستعمرات بھی برابر ترقی کر رہی تھیں۔ سنہ ۱۶۶۳ء میں کیرولینا آباد کی گئی اور غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہی خاندان کے مصیبت زدہ لوگوں کو یہاں ٹھکانا مل جائے۔ سنہ ۱۶۳۵ء میں کونیکٹکٹ آباد ہوا تھا۔ سنہ ۱۶۶۴ء میں نیو ایمسٹرڈم کی تسخیر سے یہ موقع میسر آگیا کہ میری لینڈ اور پہلے کے نیو انگلینڈ سے لے کر ورجینیا تک پورے علاقے میں مستعمرات کا ایک جدید سلسلہ آباد کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی سال نیو یارک کی اور اگلے سال نیو جرسی کی بنیاد پڑی۔ سنہ ۱۶۸۱ء میں ولیم پین (کویکر) نے اپنی پین سل وینیا کی نوآبادی بسائی اور اسے زیادہ تر انجمن احباب ہی کے شرکا سے آباد کیا۔ سنہ ۱۷۰۳ء میں ڈلاویر اس نوآبادی سے جدا ہو گیا اور سنہ ۱۷۳۲ء تک کوئی دوسری نوآبادی بھی قائم نہیں ہوئی۔ البتہ سنہ مذکور میں سپہ سالار اوگل تھورپ کے ماتحت چند غیر مستطیع اشخاص نے جورجیا کا علاقہ آباد کیا۔ مختصر یہ کہ سنہ ۱۷۵۰ء تک انگریزی نوآبادیوں کا سلسلہ بہت دور تک ساحل پر اور اندرون ملک میں قریب قریب دو سو میل تک وسیع ہو گیا۔ لیکن واضح رہے کہ ان میں کل فرنگی آبادی صرف پچیس لاکھ کے قریب تھی جتنی آج کل ویلز کی ہے' اور نوآبادیوں میں باہم کوئی سیاسی رابطہ بلکہ زیادہ آمد و رفت بھی نہ تھی ؛

789 ان انگریزی مستعمرات کے تین جانب فرانس و اسپین کی نوآبادیاں تھیں۔ فلورڈا اسپین کا علاقہ تھا۔ اور فرانس کے قبضے میں نہ صرف لوئی زیانا اور دریائے مسس سپی کا علاقۂ زیریں تھا' بلکہ کناڈا اور اس کی ساری جھیلیں تھیں اور دریائے اوہایو کے کنارے کنارے

باب دوم

اس کی سرحد انگریزی مستعمرات کے عقب میں اس طرح آ گئی تھی کہ

790



اب انگریز آبادکار مغرب کی طرف اور آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ پھر یہ کہ فرانسیسی محض اپنا قبضہ منوانے پر قانع نہ تھے بلکہ دیسی باشندوں تک سے انگریزوں کو تجارت کی مطلق اجازت نہ دیتے تھے۔ ۱۷۴۹ء میں انھوں نے جغرافی تحقیقات کے ساتھ قلعوں کا بھی ایک سلسلہ تیار کرنا شروع کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی آبادیوں کو سد آہنی سے محصور کر لیا جائے۔ ان میں بڑے قلعے یہ تھے :۔

۱۔ نیاگرا، دریائے لارنس پر۔

۲۔ کراؤن پوائنٹ، جھیل شامپ لین کے کنارے اور سب سے بڑھ کر ۳۔ قلعۂ دوکین، اوہایو کے کنارے، جہاں شمال اور جنوب سے دو بڑی ندیاں اس سے آملتی ہیں اور پھر وہ اپنا رخ بدل کے مغرب کی طرف بہا اور آگے چل کے مسس سپی سے مل گیا ہے۔ ان کارروائیوں نے طبعاً انگریز آبادکاروں خصوصاً ورجینیا والوں کو پریشان کیا اور وہیں کا ایک نوجوان زمیندار جارج واشنگٹن قلعہ دوکین کی دیکھ بھال کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے جو کیفیت پیش کی اس کی بنا پر ورجینیا والوں نے اپنی فوج بے قاعدہ کا ایک دستہ، واشنگٹن کی سرگردہی میں روانہ کیا کہ فرانسیسی نو واردوں کو پریشان کیا جائے لیکن ان پر گریٹ میڈوز کے مقام پر ایک کثیر التعداد فوج حملہ آور ہوئی اور اہل ورجینیا کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ اس طرح عداوت کی بنیاد پڑ گئی تو گو کوئی اعلان جنگ نہیں ہوا، لیکن فرانس و انگلستان دونوں مزید افواج امریکہ بھیجنے لگے۔ ان کے بیڑے کہر کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب سے خبر ہوئے بغیر نکل گئے تاہم کپتان ہاؤ نے دو فرانسیسی جنگی جہازوں پر حملہ کر کے انھیں ساحل امریکہ کے قریب چھین لیا۔ برّی لڑائی کے واسطے انگریزوں نے بریڈک کو سالار لشکر بنا کر بھیجا تھا مگر "دلیر اور نڈر" ہونے کے باوجود اسے چھپ کر جنگ کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا اور وہ افواج بے قاعدہ کی مطلق وقعت نہ کرتا تھا۔ مقابلے میں فرانس کی فوجوں کا سپہ سالار ایک جرمن شخص ڈائس کاؤ تھا، ۱۷۵۵ء میں بریڈک نے قلعۂ دوکین پر دوبارہ فوج کشی کا قصد کیا اور اپنی اور واشنگٹن کی قیادت میں ادھر فوج لے کر روانہ ہوا لیکن قلعہ ابھی چند میل دور تھا کہ کناڈا اور دیسی باشندوں کا ایک لشکر جنگل میں ان پر حملہ آور ہوا جہاں بریڈک کی باقاعدہ اور میدانی قواعد سیکھی ہوئی سپاہ کچھ کام نہ آئی۔ خود بریڈک مارا گیا اور محض واشنگٹن اور اس کے صوبے کے سپاہیوں کی ہوشیاری کی بدولت باقی فوج تلوار کے گھاٹ چڑھنے سے بچی۔ تاہم اس ہزیمت سے انگریزوں کی جنوبی نوآبادیوں کا راستہ کھل گیا۔ دیسیوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور واشنگٹن

باب دوم زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکا کہ ان کے حملے روکتا رہے اور انھیں پوری طرح آباد شدہ اضلاع میں گھس پڑنے سے باز رکھے۔ ادھر ڈائس کاؤ فوج باقاعدہ کو لیے ہوئے قلعۂ ولیم ہینری پر بڑھا جو جھیل جارج کے سرے پر واقع تھا۔ اس جھیل کا پانی بہ کر شامپ لین میں آگرتا ہے۔ یہاں اسے جانسن اور اس کی نیو یارک ویلسا چیسیت کی فوج بے قاعدہ نے شکست دی اور کچھ
791 دیسی باشندے بھی ان کے مددگار ہو گئے ڈائس کاؤ مارا گیا۔ یہ قواعد امن و صلح کی کھلی ہوئی خلاف ورزیاں تھیں اور ان سے علانیہ جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔ فوکس اور اس کا مربی شہزادۂ کمبرلینڈ بہ آواز بلند فرانس سے جنگ کی ترغیب دے رہے تھے۔ ابتدائی ۱۷۵۶ء میں باضابطہ اعلان جنگ کر دیا گیا۔

جنگ ہفت سالہ

نو آبادیوں میں فرانس و برطانیہ کی لڑائی چھڑنے کے ساتھ ہی یورپ میں بھی جنگ ہفت سالہ کا آغاز ہو گیا۔ اصل میں ماریا تھریسا کبھی بھی سلیشیا کو فریڈرک کے حوالے کرنے پر دل سے رضامند نہ ہوئی تھی اور کئی سال سے اس کے خلاف جتھا بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی مقصد سے ملکہ کے وزیر کونٹز نے لوئی پانزدہم کی داشتہ مادام پومپادور کی اور سیکسنی اور پولینڈ کے حکمرانوں کی خوشامد درآمد کی اور انھیں پروشیا کے خلاف لڑنے پر آمادہ کیا۔ روس کی ملکۂ الزبتھ کے بھی اس جتھے میں مل جانے کی توقع تھی۔ نظر بریں فریڈرک کو ایسے زبردست جتھے کے مقابلے میں اپنے ماموں جارج ثانی کی مدد ڈھونڈنی پڑی اور جارج کو طبعاً اپنے ہنوور کی مذاق کے بموجب ایک پروٹسٹنٹ جرمن ریاست کے ضعیف ہونے سے بھی تشویش ہوئی۔ غرض جنوری ۱۷۵۶ء میں برطانیہ اور پروشیا میں ایک دفاعی اتحاد کا معاہدہ ہو گیا۔ فریڈرک کو اپنے عقب کی طرف سے اطمینان ہوا تو اس نے ارادہ کر لیا کہ خود سبقت کرے اور یہ کہہ کر کہ جہاں تک ممکن ہو میں یہ دریائی" وطن سے دور ہی پھیلانا چاہتا ہوں" اس نے خود سیکسنی پر حملہ کر دیا اور ڈریس ڈن میں اس عہد و پیمان کی تحریری شہادتیں پکڑ لیں جو فریڈرک کو تباہ کرنے کی غرض سے کیے جا رہے تھے۔ انھیں

باب دوم

اس نے اپنی پیش قدمی کا جواز ثابت کرنے کی غرض سے شائع کر دیا۔ اب اس پر نہ صرف فرانس و آسٹریا و سیکسنی بلکہ روس کی طرف سے بھی (جس کی ملکہ کو تھریسا نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا) علانیہ حملہ ہوا۔ اس موقع پر لوئی عقلمند ہوتا تو اصلی قوت نوآبادیوں کی جنگ میں صرف کرتا لیکن ہوا یہ کہ اس نے جرمانیہ کے محاربے کو زیادہ اہم اور نوآبادیوں کی لڑائی کو نسبتاً کم وقعت سمجھا۔

فرانس کی طرف سے منورکا پر چڑھائی کے ذریعے جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جزیرے کی مدافعت سپہ سالار بلے کینی نے کی جو ۱۷۴۵ء میں اسٹرلنگ کا حاکم تھا۔ اسے بچانے کی غرض سے انگریز امیرالبحر بنگ فوج لے کر روانہ ہوا۔ یہ راس پسارو کے فاتح کا بیٹا تھا اور کافی تجربہ حاصل کیے بغیر محض باپ کے اثر سے اپنے سے بہتر اشخاص کو پھلانگ کر ترقی پا گیا تھا۔ منورکا پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ فرانس کے جہازوں کی تعداد زیادہ ہے لہذا معمولی سی جھڑپ کے بعد وہ اپنے دستے کو ہٹا لایا جس کا سبب اس قدر نامردی نہ تھی، جتنی بد دلی اور ذمہ داری کا خوف۔ بہر حال، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جزیرہ جو تقریباً آدھی صدی سے انگریزوں کے ہاتھ میں تھا، وہاں کی فوج نے مجبوراً اطاعت قبول کر لی۔ اس نقصان سے ملک میں بہت ناراضی پیدا ہوئی۔ بنگ وطن آیا تو فوجی عدالت میں اس پر مقدمہ چلا کر گولی سے اُڑا دیا گیا۔ بے شبہہ یہ بہت سختی معلوم ہوتی ہے لیکن اول تو صرف آٹھ سال قبل جنگی قانون میں اس قسم کی خطاؤں کی سزا بڑھائی گئی تھی دوسرے عام لوگوں میں اس قدر غیظ و غضب پھیلا ہوا تھا کہ شاید مضبوط سے مضبوط حکومت بھی اسے چھوڑنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ اسی سزائے موت کو سن کر وال تیر نے کہا تھا کہ "انگلستان میں ایک امیرالبحر کو مارا جاتا ہے تاکہ دوسروں کی ہمت بڑھے"۔ قرائن کہتے ہیں کہ حقیقت میں سخت سبق دینے کی ضرورت تھی اور بد قسمت بنگ کی موت گویا ایک حتمی دلیل تھی کہ قوم کی دانست میں کسی انگریز امیرالبحر کا دشمن کے سامنے سے ہٹنا صرف ایسی صورتوں میں جائز سمجھا جا سکتا ہے جب کہ خطرات واقعی غیر معمولی ہوں۔

ڈیون شائر اور پٹ | دوسرے بنگ جس وزارت کے زمانے میں بھیجا گیا تھا،

باب دوم

وہ سزائے موت کے وقت موجود نہ تھی۔ نیو کاسل کو کمبرلینڈ اور فوکس نے جبراً جنگ میں پھنسایا تھا اور وہ خوب واقف تھا کہ مجھ میں جنگ کا انتظام کرنے کی نہ قابلیت ہے نہ شوق۔ اس نے لڑائی کو محدود رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی اور یہ بھی فقط بڈھے گرین ویل کی نصیحت تھی کہ "وار کرو تو پوری قوت سے" کہ وہ ایک عجیب و غریب حکم جاری کرنے سے رک گیا جس کا منشا یہ تھا کہ صرف جنگی جہازوں پر حملہ کیا جائے۔ اور تجارتی جہازوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ جزیرۂ منورکا کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر سنکر وہ بالکل بے حواس ہو گیا اور بنگ کے مقدمے سے قبل ہی اس نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کی جگہ امیر کبیر ڈیون شر مقرر ہوا جو عہد انقلاب کے ایک ممتاز خاندان کا نمایندہ تھا اور ادھر پٹ شاہی معتمد کی حیثیت سے عملاً حکومت کا سرگروہ بن گیا۔ اس کام میں اس کے دو بہنوئی، لارڈ ٹیمپل اور جارج گرین ویل، بھی پٹ کے ممد و معاون ہوئے۔ اس منصوبے کے مطابق کہ جہاں تک ممکن ہو صرف قومی وسائل سے کام لیا جائے۔ پٹ نے ابتدا ہی میں ایک کام یہ کیا کہ فوج بے قاعدہ کی تنظیم کی تجویز پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جنگ میں یہ فوج باقاعدہ کی ردیف کا کام دے اور یوں بھی اس کی بدولت اچھے سپاہی تیار ہوتے رہیں۔ اسی سلسلے میں اس نے اسکاٹ لینڈ کے وہ کوہستانی لشکر مرتب کیے جو اس وقت سے دنیا کے ہر حصے میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ مگر بادشاہ سے اور قریبی تعلق کے باوجود جارج ثانی کی پٹ سے نفرت کم نہ ہوئی اور وہ اسے بیوۂ ولی عہد کا بہت زیادہ خیر خواہ سمجھتا رہا۔ ٹیمپل کو بھی بادشاہ سخت ناپسند کرنے لگا جس کا سبب ٹیمپل کی بدتہذیبی اور محل نہ شناسی تھی۔ مثلاً ایک بار وہ یہاں تک بڑھا کہ بنگ کی پسپائی کا سبب بیان کرتے ہیں، اس کو خود جارج کے معرکۂ اوڈنارڈ کے واقعے سے تشبیہ دی۔ بادشاہ کے ان احساسات میں کمبرلینڈ بھی اس کا شریک تھا اور اس نے ہنووری فوج کی سپہ سالاری قبول کرنے سے، اس وقت تک جب تک کہ پٹ برسر اقتدار رہے، قطعی انکار کر دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۷۵۷ء میں جارج نے یک بہ یک پٹ کو

باب دوم

خدمت سے الگ کر دیا اور قدرتی طور پر ڈیون شر بھی اس کے بعد ہی مستعفی ہو گیا۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ پٹ یا نیو کاسل کے بغیر وزارت مرتب کی جائے مگر یہ ممکن نہ ہوا کیونکہ تمام بڑے بڑے وھگ خاندان اور خود بیگم ویلز تو
792 نیو کاسل کے ساتھ تھے اور لندن کے شہری نیز ملک کی عام رائے پٹ کی موید تھی۔ گیارہ ہفتے تک بادشاہ رکا رہا اور طرح طرح کی جماعت بندی کی کوششیں ہوتی رہیں مگر کوئی صورت نہ نکلی اور آخر کار نیو کاسل اور پٹ کی مشہور و معروف وزارت مرتب ہوئی جس کی بنیادی شرط یہ تھی کہ نیو کاسل وزیر اعظم اور پارلیمنٹ کی اکثریت سے کام لینے کا ذمہ دار رہے اور پٹ کو شاہی معتمد کی حیثیت سے سیاسی معاملات میں آزادی حاصل ہو۔ فوکس نے فوج کے بخشی کی خدمت انجام دے یعنے بے حساب دولت جمع کرنے کے موقع سے مستفید ہو۔ اور یہ ایسی تقسیم کار تھی کہ سب سیاسی فرقے مطمئن ہو گئے۔

نیو کاسل کی وزارت میں پٹ کا اقتدار

نئے وزیروں نے ملک کو انتہا درجے کی مایوسی میں مبتلا پایا۔ اجیر پردیسی سپاہیوں سے مدت دراز تک کام لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دیسی سپاہیوں کو اپنی فوجی اہلیت سے بدگمانی ہو گئی اور ربنگ کی ناکامی کو برطانیہ کی بحری فوقیت مٹ جانے کا ثبوت سمجھا جانے لگا۔ حتیٰ کہ چیسٹر فیلڈ لکھتا ہے کہ (عہدۂ وزارت پر) کوئی آئے کوئی جائے، ہمارے وطنی اور بیرونی معاملات، مجھے یقین ہے کہ بالکل خراب ہو چکے ہیں اور ہم لفظ "قوم" کے اب مصداق نہیں رہے ہیں۔" پٹ نے تہیہ کیا کہ پہلے اس افسردگی کو دور کیا جائے۔ اسے اپنی قوت بازو پر بہت بھروسا تھا۔ اس نے ایک بار کہا کہ "میں ملک کو بچا سکتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اور کوئی اسے نہیں بچا سکتا" اور وہ اتنے دن زندہ رہا کہ اس لاف کو صحیح کر دکھایا۔ تھوڑے ہی دن میں اس کی اپنی گرم جوشی ہر ہر رشتے میں سرایت کر گئی۔ لوگ کہتے تھے کہ جو شخص ایک بار پٹ کے کمرے میں داخل ہوتا، وہ وہاں سے لازماً دلیر تر آدمی بن کر نکلتا تھا۔ اولی ور کرومویل کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ پھر سپاہی اور ملاح، نسبی اعزاز یا درباری اثرات کی بجائے، محض

باب دوم

قابلیت کار کی بنا پر منتخب ہوئے۔ خود پٹ نے اپنی اخلاقی قوت کا ثبوت یہ دیا کہ اپنی حکمت عملی بہت کچھ بدل دی۔ یعنے اس وقت تک وہ جرمانیا کے معاملات میں دخل دینے کا شدید مخالف تھا مگر یہ دیکھ کر کہ ہندوستان اور امریکہ میں کامیابی کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ فریڈرک کو مدد دی جائے اور وہ فرانسیسیوں کو یورپ میں الجھائے رکھے' اس نے اب اپنی رائے سے علانیہ رجوع کیا اور یہ کہہ کر کہ "میں تمھارے لیے جرمانیا ہی میں امریکہ فتح کر دوں گا" فریڈرک کو ہرطرح امداد دینے کی تحریک کی۔

کمبرلینڈ کی ناکامی

پٹ کا برسراقتدار آنا' عین موقع پہ ہوا۔ وزارت کی تبدیلی کے دوران میں کمبرلینڈ' ہنوور گیا اور وہاں کی فوجوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وہ پہلے بھی کوئی اعلیٰ درجے کا سپہ سالار نہ تھا اور اب بہت موٹا اور نزدیک بین ہوگیا تھا۔ اس نے ناوانی سے ویزر کو خط مدافعت بنایا حالانکہ اس دریا کو متعدد مقامات پر سے پایاب عبور کیا جاسکتا تھا۔ پھر حریف کے بیچ میں آکر ہیس ٹن بیک میں صف آرا ہوگیا "جہاں پریشان سی لڑائی ہوئی جس میں دونوں فریق سمجھے کہ ہمیں شکست ہوئی لیکن کہا جاتا ہے کہ فرانسیسیوں کے ہوش پہلے درست ہوگئے" اس کے بعد جو صلح کے نامہ و پیام ہوئے ان میں کمبرلینڈ کو فرانسیسی سپہ سالار نے خوب بے وقوف بنایا اور کلوسٹر سیون میں ایک اقرار نامے پر دستخط کرالیے جس میں وہ رضامند ہوگیا کہ عام صلح ہونے تک ہنوور پر فرانسیسیوں کا قبضہ رہے گا اور میری فوج کے سپاہی آیندہ کسی معرکے میں شریک نہ ہونگے۔ جارج ثانی کو اس ناکامی کا سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگا کہ "لیجیے ہمارے صاحبزادے نے تو ہمیں برباد اور خود کو ذلیل کرلیا"۔ بارے پٹ کی مستعدی نے معاملات کی صورت بدل دی۔ مذکورۂ بالا اقرارنامے رومی تاریخ کے ایک اسی قسم کے معاہدے (منسوب بہ "کوڈائن فورکس") کی طرح مسترد کردیا گیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ سپہ سالاروں کو فوجوں کے انتظام اور معرکہ آرائی کے سوا قول و قرار کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور اس کے بعد پٹ نے

باب دوم

پارلیمنٹ سے منظوری لی کہ فریڈرک کو چھ لاکھ ستر ہزار پونڈ سالانہ زرامداد دی دیا جایا کرے گا اور نیز یہ کہ برطانی فوج جرمانیا روانہ کی جائے گی۔ فریڈرک سے درخواست کی گئی کہ وہ فرڈی نینڈ (شہزادۂ برنزوک) کو جو جرمن بادشاہ کے بہترین سپہ سالاروں میں تھا، اتحادی افواج کی قیادت تفویض کرے۔ کلوسٹر سیون میں کمبرلینڈ کے ہتھیار ڈال دینے سے فریڈرک کو بہت تشویش تھی کیونکہ اس سے فرانسیسیوں کو موقع مل گیا کہ وہ دائیں جانب سے پروشیا پر حملہ کریں اور بائیں طرف سے آسٹریا والے بڑھ رہے تھے لیکن خوش قسمتی سے اس نے فرانسیسیوں کو نومبر میں روس باخ پر اور اگلے مہینے آسٹریوں کو لیوتھن میں شکست دی۔ پھر فرڈی نینڈ نے فرانسیسیوں کو روکنے کا ذمہ لیا ورنہ اس مدد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا کہ پروشیا کا دفاع کیونکر ممکن ہوتا۔ ادھر پٹ نے فرانس کے ساحلی مقامات (ہاورے وغیرہ) پر بھی چھاپے مارنے کا انتظام کیا اور گو یہ بجائے خود کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے لیکن ان کی وجہ سے فرانسیسیوں کو کچھ نہ کچھ فوج ساحل پر رکھنی پڑی جسے حملے نہ ہونے کی صورت میں وہ جرمانیا یا امریکہ بھیج سکتے تھے۔ انھی سب خبروں کو سن کر فریڈرک کا یہ پکار اٹھنا بے جا نہ تھا کہ "بالآخر انگلستان نے اتنے دن کے دردوں کے بعد ایک آدمی پیدا کیا"۔

امریکہ کے معرکے

۱۷۵۷ء میں امریکہ کے علاقوں میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا۔ نیو کاسل نے بریڈک کی بجائے لوڈن کو مقرر کیا تھا اور وہ محض مراسلہ نویس سپہ سالار تھا۔ بہ خلاف اس کے فرانسیسی سپہ سالار مون کالم لائق سردار تھا اور اس کی سرگرمی کی بدولت فرانسیسیوں کو سارے خطہ پر کامیابی نصیب ہوئی۔ لوڈن کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جزیرۂ کیپ بریٹن کے صدر مقام لوئی بورگ کو جو دریائے سینٹ لارنس کا جبل الطارق تھا دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی مگر یہ منصوبہ ناکام رہا کیونکہ فرانسیسیوں کے بائیس جہاز دریا میں صف آرا تھے اور احتیاطاً نہ انھوں نے حملہ کیا اور نہ زیادہ قوت ہونے کے باعث خود ان پر حملہ کرنا ممکن ہوا۔ البتہ اگلے سال پٹ نے لوئی بورگ، اور تیکن دروگا مقامات پر نیز آخر

باب دوم

ہیں قلعۂ دیوکین پر عام پیش قدمی کا انتظام کیا۔ پہلے مقام پر فوج کشی، جیفری ایم ہرسٹ کے تفویض کی گئی۔ یہ نوجوان سردار کوئی خاندانی مرتبہ نہ رکھتا تھا مگر اس میں اعلیٰ درجے کے اوصاف اور ضبط نفس کا خاص مادہ تھا۔ وہ دے تن جن فونت لو آ اور ہیس ٹن بیک میں کام کر چکا تھا؛ پھر ایم ہرسٹ کے ساتھ پیٹ نے پر جوش وُلف کو لگایا اور خیال کیا کہ ایک کی احتیاط اور دوسرے کی آتش مزاجی مل کر اعتدال کی صورت اختیار کرے گی؛ یہ لوگ جون میں جزیرے پر اُترے اور لوئی بور کے زبردست مورچوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح اسے لے لیا اور فرانسیسیوں کے سارے جہاز برباد کر دیے۔ پھر ولف وطن واپس چلا گیا؛ تیکن درو گا کی دوسری مہم میں آزمودہ کار ایبر کرومبی اور ایک عمدہ سردار لارڈ ہاؤ شریک کیے گئے تھے۔ لیکن ہاؤ مارا گیا اور ایبر کرومبی کا فرانسیسی سپہ سالار پر حملہ بالکل ناکام رہا۔ مون کالم نے بڑے مضبوط مورچے بنائے تھے۔ جن میں کٹے ہوئے درختوں سے بھی کام لیا تھا اور شاخوں میں نوکیں نکال کر ان کا رُخ باہر کی طرف کر دیا تھا۔ اسی زبردست آڑ کے مقابلے میں ایبر کرومبی کو شدید نقصان اٹھا کے جھیل جارج کے سرے کی طرف پسپا ہونا پڑا؛ البتہ تیسری مہم زیادہ کامیاب رہی کیونکہ بعض دیسیوں کے انگریزوں سے مل جانے کے باعث فرانسیسیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور قلعہ دیوکین خالی کر دیا۔ انگریزی مہم کا سردار فوربز تھا اس نے قلعے کا نام بدل کر پٹس برگ کر دیا۔ مگر ان کامیابیوں کو پٹ اپنے اس منصوبے کی کہ فرانسیسی ملک کناڈا سے بالکل نکال دیے جائیں، محض تمہید سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے تدبیر کی کہ ۱۷۵۹ء میں ایم ہرسٹ تو جارج اور شامپ لین کی جھیلوں کی طرف سے مون تری آل پر پیش قدمی کرے اور ولف دریائے سینٹ لارنس کے راستے بڑھ کر کوئی بیک پر حملہ آور ہو؛

باب دوم



نقشہ ولف کی کوی بیک پر پیش قدمی

سپہ سالار وُلف ولف کی عمر اب تیس برس کی تھی۔ وہ چودہ سال کی عمر میں بھرتی ہوا اور بائیس برس کا ہونے سے پہلے ڈےتن جن، فال کرک، کلوڈن اور لاؤ فیلڈ کے معرکوں میں شریک ہو چکا تھا۔ اپنے لشکر میں نائب کمیدان (یا لفٹنٹ کرنل) کا عہدہ رکھتا تھا۔ وہ دبلا پتلا کمزور سا آدمی تھا مگر آنکھوں میں بڑی چمک اور تیز بینی تھی۔ جوانی میں کتاب خوانی اور مطالعے کے ذریعے جہاں تک ہو سکا، اس نے اپنی قابلیت بڑھائی۔ اس کے جذبات اعلیٰ اور نگاہ بلند تھی اور جن سے سابقہ پڑتا، ان کے بہترین اخلاق کو تحریک دینے کا خاص سلیقہ رکھتا تھا۔

کوئی بیک، دریائے **لارنس** کے کنارے اس جگہ واقع ہے جہاں چارلس ندی اس میں آگری ہے۔ اس کے عقب میں یکایک سلامی دار بلندی آجاتی ہے جسے "ابراہام کا ٹیلا" کہتے ہیں اور اسی کے دامن میں بہت سے کراڑے ہیں، جن سے لگا ہوا دریا گزرتا ہے۔ چارلس ندی کے دوسری طرف کراڑے اتنے اونچے نہیں ہیں اور اس ندی سے چار میل نیچے کی جانب مون مورانسی کا پہاڑی نالہ ہے۔ اسی نالے اور دریا کے سنگم کے درمیان فرانسیسی سپہ سالار مون کالم نے مورچہ بند لشکرگاہ تیار کرائی تھی۔ شہر کوئی بیک پر دریا ایک میل کے قریب چوڑا ہے لیکن مذکورۂ بالا نالے کے دہانے کے مقابل اورلیان کا ٹاپو آجانے سے اس کی دو دھاریں ہو گئی ہیں۔ ولف نے کوئی بیک پہنچ کر اسی ٹاپو پر اپنی فوج اتاری

باب دوم

اور مون کالم کے لشکرگاہ کا معائنہ کرکے اس پر یورش کا ارادہ کیا۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی اور فوجوں کو دریا کے جنوبی کنارے پر لاکر اسی طرف سے شہر پر گولہ باری کی گئی۔ اس کا بھی کچھ اثر نہ ہو سکا اور انتظار ہی انتظار میں تین مہینے گزر گئے۔ ولف بہت بیمار رہا اور یہ طوالت نہایت شاق ہوئی تو اس نے آخری کوشش کے طور پر قصد کیا کہ ان کراڑوں پر کمندیں ڈال ڈال کے جو ابراہام کے ٹیلے تک جاتے تھے، شہر کے شمال میں فوج اتار دے۔ ۱۲ ستمبر کی رات کو بیڑے کی نگرانی میں کشتیاں کنارے تک پہنچ گئیں۔ تقدیر کی مساعدت سے کئی اتفاقات ایسے پیش آئے کہ فرانسیسی چوکیداروں کو دھوکا ہو گیا اور انگریزی فوج بلا مزاحمت کنارے پر اتر آئی اور ٹیلے کے اوپر صف آرا کر دی گئی۔ صبح کو مون کالم نے اپنے مورچوں سے انگریز سپاہیوں کی سرخ قطار دیکھی تو کہنے لگا کہ ”یہ معاملہ تو نازک معلوم ہوتا ہے“ پھر مورچہ بند لشکرگاہ کو چھوڑ کر وہ پوری تیزی سے روانہ ہوا اور چارلس ندی اور بستی سے گزرتا ہوا حملہ آوروں کے سامنے آ پہنچا۔ دونوں فوجوں میں چار چار ہزار سپاہی تھے۔ ولف کے پاس کوئی رسالہ نہ تھا اور توپ بھی صرف ایک تھی لیکن اس کے آدمیوں نے دشمن کی یورش کو اچھی طرح روکا اور ان کی پیہم آتش باری سے حملہ آوروں میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی تو پوری قطار نے ہجوم کیا اور فتح کی تکمیل کر دی۔ لڑائی میں ولف ہر طرف اپنے آدمیوں کو بڑھاوے دیتا پھرتا تھا لیکن آخری یورش میں اس نے تین گولیاں کھائیں۔ اس پر بھی اتنی قوت باقی تھی کہ مرتے مرتے فرانسیسیوں کی پسپائی روکنے کے احکام دیئے اور پھر کروٹ بدل کے کہا ”الحمد اللہ۔ اب میں اطمینان سے جان دوں گا“ اور چپکے سے دم توڑ دیا۔ اس کا حریف مون کالم واپسی میں گولی سے زخمی ہوا اور دوسرے دن فوت ہو گیا۔ ۱۸ تاریخ کو اہل کوئی بیک نے اطاعت قبول کر لی۔ لیکن اس پر بھی کناڈا کی فتح کسی طرح مکمل نہ ہوئی کیونکہ ایم ہرسٹ، تیگن دروگا سے آگے نہ بڑھ سکا، سردی کے باعث سونڈرس کو مجبوراً دریائے لارنس سے بیڑا ہٹا لینا پڑا۔ کوئی بیک

باب دوم

میں صرف مرے رہ گیا، اور مون کالم کے لائق جانشین لیوی کا سامنا کرتا رہے۔ شکر یہ ہے کہ انگریزی جہاز فرانسیسی کمک پہنچنے سے قبل واپس آ گئے اور مرے نے مون تری آل پر پیشقدمی کی۔ ایمہرسٹ اور ہیوی لینڈ کے لشکر بھی اُس سے آ ملے اور فرانسیسی ہر طرف سے ایسے گھرے کہ ہتھیار رکھ دینے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا۔ چنانچہ ۸ ستمبر کے دن فرانسیسی صوبہ دار نے کناڈا اور اس کے جملہ توابع تاج برطانیہ کے حوالے کر دیے البتہ یہ شرط کر لی کہ اہل کناڈا کو مذہبی آزادی اور جملہ سیاسی حقوق و مراعات حاصل رہیں گے۔

مگر امریکہ ہی وہ سرزمین نہ تھی جہاں فرانس و برطانیہ ایک دوسرے کی عداوت میں سرگرم تھے۔ ہندوستان میں بھی ایک مدت تک ان میں

فرنگی قومیں ہندوستان میں

تجارتی رقابت رہی اور اب نہایت نتیجہ خیز سیاسی کشاکش چھڑ گئی تھی۔ سواحل ہند پر سب سے اول پرتگیزوں نے تجارتی کارخانے یا آبادیاں قائم کیں۔ سنہ ۱۶۰۰ء میں انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی بنی اور اُس نے بھی اپنی کوٹھیاں یا تجارتی مرکز قائم کیے اور سنہ ۱۶۳۹ء میں مدراس کی بنیاد پڑی۔ بمبئی سنہ ۱۶۶۲ء میں پرتگیزوں سے ہاتھ آیا اور سنہ ۱۶۹۰ء میں گنگا کی ایک شاخ پر کلکتے کی بنیاد رکھی گئی جو فورٹ ولیم موسوم کیا جانے لگا۔ ہولنڈیز، ڈینمارکی اور فرانسیسی تاجروں کے لیے بھی کارخانے بن گئے تھے اور ان میں پانڈیچری مدراس کے اور چندرنگر کلکتے کے قریب، فرانس والوں کے مرکز تھے جس زمین پر یہ کارخانے تعمیر ہوئے وہ دیسی باشندوں سے قیمتاً یا پٹے پر حاصل کی جاتی اور اس قسم کی فصیل اور دمدمے بنا لیے جاتے جیسے کہ ان دنوں ہندوستان میں تمام مکانات میں ہوا کرتے تھے[1] اور ان کارخانوں کے باہر چھوٹی چھوٹی

[1] ہندوستان کے تاریخی حالات کے متعلق فاضل مصنف کی رائیں کچھ مستند نہیں ہیں۔ امید ہے ناظرین اس کا خود لحاظ رکھیں گے۔ مترجم۔

باب دوم

بستیاں دیسیوں کی آباد ہو جاتیں جو بیوپار یا فرنگیوں کی ضروریات بہم پہنچانے کی غرض سے وہاں آبستے تھے۔ ان فرنگی کارخانوں کے بننے سے دو سو برس تک فرنگی سوداگر صرف تجارتی کاروبار میں مصروف رہے اور انھوں نے ملک گیری یا ہندی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ البتہ خود ان میں سخت حسد و عناد تھا اور ۱۷۴۶ء میں جب وراثت شہنشاہی کی جنگ چھڑی تو موریشس کا حاکم لابوردونے فوج لے کر مدراس پر چڑھ آیا اور انگریزی بستی پر قابض ہو گیا۔ لیکن ۱۷۴۸ء کے صلح نامے کی رو سے یہ مقام پھر انگریزوں کو واپس مل گیا۔

خود ملک کے سیاسی معاملات میں دخل دینے کی فرنگیوں کو طمع ضرور ہوتی تھی اور کئی ارباب نظر یہ رائے ظاہر کر چکے تھے کہ ایک مضبوط فوجی طاقت بڑی آسانی سے ہندوستان بھر پر قبضہ جما سکتی ہے۔ اس کا سبب ہندوستان کی حکومت اور باشندوں کے مخصوص حالات تھے کہ یہاں کی آبادی مختلف فاتحین کی اولاد پر مشتمل ہے جو یکے بعد دیگرے وسط ایشیا کے پہاڑوں کو عبور کر کے آئے اور پہلے آنے والوں کو، جنھیں ہندوستان کے گرم میدانوں کی زندگی کم و بیش ضعیف بنا چکی تھی، مغلوب کر لیا۔ اس قسم کے پے در پے فاتحانہ نقل مکان دوسرے ملکوں میں بھی ہوئے ہیں اور انگلستان پر یہی گزر چکی ہے لیکن انگلستان میں تو جو قومیں آئیں وہ ایک دوسرے سے گھل مل گئیں، اور ان کا خون، زبان اور مذہب ایک ہو گیا۔ بخلاف اس کے ہندوستان میں وہ ایک دوسرے سے برابر الگ رہے اور ایک ہی جگہ رہنے بسنے کے باوجود ان کی جداگانہ قومی خصائص اور انھی کے ساتھ کم سے کم معمولی بدگمانی اور تعصبات آج تک نمایاں ہیں۔ ایسی صورت میں، حب وطن یا قوم پرستی (جن معنی میں یہ لفظ عام طور سے بولا جاتا ہے) ہندوستان میں پیدا ہی نہ ہو سکتی تھی۔ آدمی کی عقیدتمندی، اپنی نسل، مذہب یا آقا سے ہوا کرتی ہے اور یہ لازم نہیں کہ صرف وطن کے ساتھ ہو۔ بہرحال، اتحاد کا یہی وہ فقدان ہے

باب دوم

سلطنت مغلیہ

جس نے ہندوستان کو صدیوں سے باہر والوں کا نرم لقمہ بنا دیا جسے فتح کرنا اور قابو میں رکھنا کچھ دشوار نہ رہا سیاسی اعتبار سے شمال مشرقی ہندوستان **مغل اعظم** کے زیرنگیں تھا جسے اکثر "بادشاہ" موسوم کرتے۔

یہ ان مسلمان مغلوں کے سرگروہ تھے جو سولھویں صدی میں ہندوستان آئے اور سولھویں اور سترھویں صدی میں دریائے سندھ کے بالائی اقطاع اور پوری وادئ گنگا کے مالک بن بیٹھے۔ ان بادشاہوں میں **اکبر** اور **اورنگ زیب** زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے وسط تک ان مغل بادشاہوں کی ترکتازیاں ختم ہوگئیں اور وہ افغانوں کی تازہ یورشوں سے اندیشہ مند رہنے لگے۔ سلاطین مغل کو حالات کے اقتضا سے وہ طرز حکومت اختیار کرنا پڑا جو یورپ کے نظام جاگیرداری سے مماثلت رکھتا تھا۔ بعید اضلاع میں ہر جگہ ایک نواب یا صوبہ دار حکمراں ہوتا تھا۔ ابتدا میں تو یہ محض مغل لشکر کے فوجی سردار تھے لیکن تھوڑے ہی دن میں موروثی حاکم بن گئے اور صدر حکومت کے محض برائے نام مطیع تھے۔ تعدد ازدواج کا عام رواج تھا لہٰذا ہر موروثی فرماں روا کے خاندان میں بیشمار وراثت کے جھگڑے ہوتے رہتے[1] اور لوگوں کو سازش وریشہ دوانی کا بہت اچھا موقع میسر آتا۔ سلاطین مغل اور اُن کے عمال کے مددگار مسلمان تھے اور اُن کے تحت میں عام رعایا ہندو تھی جس کا مذہب برہمنی تھا۔ یہ لوگ اپنے مسلمان حاکموں سے دلی نفرت رکھتے تھے مگر ان میں مسلمانوں کی جنگی قابلیت نہ تھی۔ دوسرے ذات بندی کے طریق نے ان کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا جو آپس میں اتنی یگانگت بھی نہ رکھتی تھیں جتنی خود ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تھی۔ جنوبی اور مغربی ہند میں سب سے زیادہ اقتدار ہندو مرہٹوں کو حاصل تھا اور ان کے بڑے سردار پونا کا پیشوا، بڑودے کا گائکواڑ، گوالیر کا سندھیا اندور کا ہلکر اور ناگپور کا

[1] وراثت کے جھگڑوں کا تعدد ازدواج سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ بلکہ عموماً یہ جھگڑے سگے اور ماں جائے بھائیوں میں زیادہ ہوے ہیں۔ مترجم۔

باب دوم

بھونسلا تھا اور یہ سب موروثی خطابات تھے۔ یہ رئیس مغلوں سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے۔ ان بڑی قوتوں کے علاوہ بیشمار چھوٹے چھوٹے اقطاع اور شمال مغرب کے راجپوتوں کی شکل دور دست میں ایسے تھے جنھوں نے کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی اور صرف تلوار کے زور سے اپنی حکومت قائم رکھی۔ دیسی باشندوں میں بہت سے افراد ذاتی طور پر نہایت بہادر تھے لیکن ان میں یورپ کا سا ضابطہ کبھی نہ آیا حالانکہ یہی وہ حیرت انگیز قوت ہے جو ایک بھیڑ کو آلہ بنا دیتی ہے۔ سخت بے ڈھنگوں میں سلیقہ پیدا کرتی ہے اور پوری جماعت کو وہ ہمت بخشتی ہے جو ان کی انفرادی ہمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔

ڈوپلے اور کلائیو

الغرض ہندوستان کے یہ حالات دیکھ کر بہت سے مبصروں کو اسکی تسخیر کا امکان سوجھ گیا تھا مگر اس خیال کو مدراس کی فتح کے وقت سب سے پہلے عمل میں لانے والا' پان دی شیری کا حاکم ڈوپلے تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ دیسیوں کو اجرت پر نوکر رکھ کر فوجی قواعد کھائے جائیں اور پھر قریب وجوار میں جو رئیس یا مدعی فرانسیسیوں کا دوست بن کر رہے۔ اُس کو ان سپاہیوں سے مدد دی جائے (ان دیسیوں کے لیے فرنگی بھی "(sepoy)" کا لفظ استعمال کرتے تھے) ڈوپلے کو بڑی کامیابی ہوئی۔ جنوبی ہند میں اس کا رسوخ سب پر غالب آگیا بحالیکہ انگریزوں کو اہل ہند محض بیوپاری سمجھتے تھے۔ جن کے شہر مدراس کو فرانس کے بنبردآزما آسانی سے فتح کر چکے تھے۔ پس محض اپنی حفاظت کی غرض سے انگریزوں کو بھی مجبوراً ڈوپلے کی تقلید میں دیسی سپاہی نوکر رکھنے اور اُس کا رسوخ واثر مٹانے کے لیے ریاستوں کے جھگڑوں میں اُس کے خلاف شریک ہونا پڑا۔ ۱۷۴۹ء میں ارکاٹ کے حریف نوابوں میں نزاع ہوئی۔ یہ شہر مدراس و پان دی شیری سے تقریباً مساوی فاصلے پر واقع ہے۔ فرانسیسیوں کے دوست چندا صاحب نے اپنے حریف محمد علی کو ترچناپلی میں گھیر لیا تھا۔ توجہ بٹانے کی غرض سے انگریزوں نے خود ارکاٹ پر قبضہ کرنے کی ٹھانی اور رابرٹ کلائیو کو ایک جمعیت دے کر ادھر روانہ کیا۔ یہ حیرت انگیز شخص ۱۷۲۶ء میں بمقام مارکیٹ ڈرے ٹن (شراپ شر) پیدا ہوا۔

باب دوم

لڑکپن میں بہت سی کھکیڑیں جھیلیں اور پھر مدراس کے (کمپنی کے) کارخانے میں منشی یا کارکن مقرر ہوکر ہندوستان آیا۔ اس منشی گری سے کلایو کو مطلق مناسبت نہ تھی اور لڑائی کا چھڑنا سُن کر اُسے بہت خوشی ہوئی اور اُس نے قلم چھوڑ کر تلوار ہاتھ میں لے لی۔ پھر تھوڑے ہی دن میں ثابت ہوگیا کہ اس میں اعلیٰ درجے کی سپہ سالاری کے جملہ اوصاف موجود ہیں اور سیاسی شاطری میں بھی بڑا کمال رکھتا ہے جس نے اس کا پلہ دیسیوں پر بھاری کر دیا۔ پان سو آدمیوں کے ساتھ جن میں دو سو فرنگی تھے، وہ آرکاٹ پر چڑھ دوڑا اور وہاں کی فوج نے جب دیکھا کہ کلایو برق و باراں کے طوفان سے بھی نہ رُکا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی اور کلایو کا بغیر کسی نقصان کے قلعے پر قبضہ ہوگیا۔ یہاں اسے تھوڑے ہی دن بعد ڈوپلے کے جمع کیے ہوئے بڑے بھاری لشکر نے آگھیرا گر پچاس روز تک کلایو اور اُس کی مٹھی بھر جمعیت جمی رہی اور محاصرین اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دیسی سپاہیوں کی انتہائی عقیدت دیکھیے کہ خود آمادگی ظاہر کی کہ ہم پیچ پی کر گزارہ کر لیں گے تاکہ چانول فرنگی سپاہیوں کے کام آئیں۔ فرانسیسی کمک کے آجانے پر محاصرین کا ایک حملہ بڑے زور سے ہوا مگر اسے بھی کلایو نے پسپا کر دیا اور آخر محاصرین پیہم ناکامی سے بیدل ہوگئے اور خود ہی محاصرہ چھوڑ کر چل دیے۔ ساری دُنیا میں تسلیم کیا گیا کہ ارکاٹ کی یہ مدافعت تاریخ عالم کے سب سے بڑے کارناموں میں شمار کیے جانے کے لایق جنگی کامیابی ہے۔ پٹ نے پارلیمنٹ میں کلایو کو "آسمان زاد سپہ سالار" کے نام سے یاد کیا اور تھوڑے ہی دن بعد صحت کی خرابی کے باعث وہ انگلستان آیا تو جنگی اور ملکی حکام سب اُس کے ساتھ بہت عزت و توقیر سے پیش آئے۔

بنگالے کا قضیہ ۱۷۵۶ء میں بنگالے میں نیا ہنگامہ برپا ہوا۔ وہاں انگریز کلکتے میں نواب بنگال کے علاقے میں کرایے سے رہتے تھے۔ نواب کا مستقر اور شمال میں گنگا کے کنارے مرشد آباد میں تھا۔ اس کا نام سراج الدولہ اور وہ ایک احمق، عیش دوست نوجوان آدمی تھا۔ فرانسیسی کارندوں کے بہکانے میں آکر سمجھا کہ انگریزوں کو دق کیا جائے گا، تو ان کی تجارت کو فروغ دیے جانے کی نسبت

باب دوم

زیادہ فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ایک لشکر لے کر کلکتے پر بڑھا اور جو انگریز فرار نہ ہو سکے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ یہ قیدی بظاہر نواب کے حکم کے بغیر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیے گئے جو اُس وقت سے "بلیک ہول" کے نام سے بہت کچھ مشہور ہو گئی ہے۔ ان ۱۴۶ قیدیوں میں سے صرف ۲۳ زندہ نکلے۔ اسی زمانے میں کلائیو ولایت سے واپس مدراس آیا اور اُسے فوراً اس فوجی مہم کا سردار مقرر کر دیا گیا۔ اس مہم میں برطانی سپاہ کی ۳۹ ویں رجمنٹ بھی شامل تھی جو اب غربی ڈورسیٹ کی پہلی پلٹن کہلاتی ہے اور اس کی توقیع میں "اول فی الہند" تحریر ہے۔ امیر البحر واٹسن کی محافظت میں یہ فوج بنگال روانہ ہوئی۔ کلکتے پہنچ کر کلائیو نے نواب کو اُتار کر میر جعفر کو نواب بنانے کی کئی سازشیں تیار کیں اور جب یہ سب انتظام ہو گیا تو مرشد آباد پر پیشقدمی کی۔ پلاسی کے میدان میں جم کر لڑا اور صرف دو ہزار انگریز اور پانچ ہزار دیسی سپاہیوں سے چالیس ہزار ہندیوں کو شکست فاش دی[1]۔ یہ لڑائی ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کے دن ہوئی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سراج الدولہ معزول، میر جعفر اُس کی جگہ نواب ہو گیا اور کمپنی کے بنگالے میں دوبارہ قدم جم گئے۔ آب و ہوا کی ناسازی سے کلائیو کو دوبارہ وطن جانا پڑا لیکن اس کی جگہ کرنل آئرکوٹ نے لی جو پلاسی میں شریک جنگ رہا اور دیسی سپاہیوں پر حیرت انگیز اقتدار رکھتا تھا۔ اُس کے فرانسیسی حریف کاونٹ لالی سے عرصے تک داؤں پیچ ہوتے رہے اور آخر میں ونڈے واش پر دسمبر ۱۷۶۰ء میں لڑائی ہوئی جس میں تقریباً سب فرنگی سپاہی شریک تھے۔ انگریزوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ کہتے ہیں کوٹ کے دیسی سپاہیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے انھیں خاص فرنگستانی طرز کی لڑائی لڑ کر دکھائی۔ پھر اُسی وقت سے اہل ہند انگریزوں کو فرانسیسیوں سے بہتر سپاہی سمجھنے لگے۔ تھوڑے دن بعد پانڈی چیری والوں نے بھی اطاعت قبول کی اور شہر حوالے کر دیا۔

[1] انگریز تاریخ نویسوں نے اس لڑائی کے بیان میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے حالانکہ کوئی بڑی لڑائی واقع نہیں ہوئی۔ صرف نواب کی فوج کا بڑا حصہ میر جعفر کے ساتھ سراج الدولہ کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے آملا اور سراج الدولہ کو میدان سے مجبوراً بھاگنا پڑا۔ مترجم۔

بحری معرکے

سمندر میں بھی پٹ کو ایسی ہی کامیابی میسر آئی۔ کوئی بڑی بحری لڑائی تو نہیں ہوئی لیکن ۱۷۵۸ء کی جھڑپوں میں انگریزوں نے ایک دو نہیں، پورے سولہ جنگی جہاز گرفتار و برباد کیے۔ بہت سے تجارتی جہازوں کو غارت کیا اور غرب الہند میں گوادلوپ اور مغربی افریقہ کے ساحل پر گوری کو تسخیر کر لیا۔ مگر دوسرے سال جو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں انھوں نے بلیک ورسل کی یاد تازہ کر دی۔ فرانسیسیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ انگلستان پر حملہ کیا جائے اور اسی غرض سے باربرداری کشتیوں کا ایک بیڑا سین کے دہانے پر بمقام ہاور جمع کیا گیا۔ تولون کے بیڑے کو حکم ملا کہ جبل الطارق کے راستے برسیت آئے اور وہاں کے بیڑے کے ساتھ حملہ آور فوج کے راستے کی محافظت کرے۔ پٹ کی طرف سے بحر متوسط کے بیڑے کی قیادت بوس کاون اور رودبار کی امارت بحری سر ایڈورڈ ہاک کے تفویض ہوئی تھی بوس کاون نے فرانسیسی امیر البحر کو راس سینٹ ونسنٹ کے قریب پہنچتے پہنچتے لیگوس کے سامنے جا لیا۔ اس کے چار جہاز گرفتار اور باقی منتشر کر دیے۔ اُدھر ہاک اور اُس کے مددگار ہاؤ نے نومبر کی طوفانی رات کی پروا نہ کی اور برسیت کے بیڑے میں جا گھسا جسے فرانسیسی امیر البحر نے خلیج کوئی برون کی کھاڑیوں میں چٹانوں کے درمیان صف آرا کیا تھا ہاک نے اپنے دہشت زدہ ناخدا کو حکم دیا کہ مجھے خاص امیر البحر کے جہاز کے برابر لے جا کے پھینک دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے صرف چالیس آدمی ضایع ہوئے اور فرانسیسی جہازوں کی زیادہ تعداد جلا دی گئی یا پکڑ لی گئی یا ساحل پر دھکیل دی گئی۔ رودنی کو ہاور پر گولہ باری کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس نے یہ کام بہت کارگر طریق پر انجام دیا اور اس طرح فرانسیسی حملے کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ فرانس کے صدہا تجارتی جہاز غنیمت میں پکڑے آئے اور فرانس اور اُس کے مقبوضات میں آمد و رفت کو اس طرح مسدود کیا گیا کہ موںکالم کو پورے اٹھارہ مہینے تک ایک مراسلہ بھی نہ پہنچا۔

یورپ میں ۱۷۵۸ء اور ۱۷۵۹ء فریڈرک کے لیے سخت آزمائش کے سال تھے۔

باب دوم

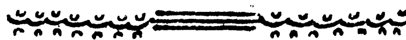
۱۷۵۸ء کی گرمیوں میں فرڈی نینڈ نے فرانسیسیوں کو کریفیلٹ پر شکست دی جس سے شاہ پروشیا کو کافی مدد ملی۔ خود فریڈرک، زورن ڈورف کی خوں ریز جنگ میں روسیوں پر غالب آیا مگر نومبر میں اپنے گھمنڈ کی بدولت اسے ہوش کرش پر رات کی لڑائی میں سخت ہزیمت نصیب ہوئی۔ اس کے بہترین سپاہی کھیت رہے اور محض فوجی نقل و حرکت میں مہارت رکھنے کے باعث وہ کامل تباہی سے بچ گیا۔ بایں ہمہ پٹ کی امدادی رقم سے موسم بہار میں پھر فوج مرتب کر کے وہ روس و آسٹریا کے مقابلے میں بڑھا اور اُدھر فرڈی نینڈ اور اتحادیوں نے فرانسیسیوں پر حملہ کیا۔ فرڈی نینڈ نے حماقت یہ کی کہ انگریزی جمعیت سے الگ ہو گیا اور اسی لیے برگن میں شکست کھائی لیکن پھر انگریزوں سے مل کر وہ منڈن کے قریب فرانسیسیوں کی گھات میں آ بیٹھا۔ اس لڑائی میں فرانسیسی پیادے دونوں بازوؤں پر اور سوار فوج وسط میں اور واٹرلو کی طرح لڑائی کی صورت یہ تھی کہ بار بار فرانسیسی سوار برطانی اور ہنووری مربعوں پر ہجوم کرتے تھے۔ ان حملوں کو مردانہ وار پسپا کیا گیا لیکن جس وقت پوری فوج کو بڑھنے کا اور سواروں کو دشمن پر جا پڑنے کا حکم ملا تو لارڈ جارج سیک ویل نے حیلہ کر دیا کہ میں مطلب نہیں سمجھا۔ یہ شخص پارلیمنٹ میں خوب تقریریں کرتا تھا اگر پہلے بھی اس کی بہادری مشتبہ سمجھی گئی تھی۔ فرڈی نینڈ بہت جھلایا اور اُس نے نائب سالار مارکوئیس گرین بی کو دوبارہ احکام بھیجے مگر اتنی دیر میں کامل فتح پانے کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس طرز عمل کا۔ لارڈ جارج سے فوجی عدالت میں مواخذہ ہوا اور اُس کی بزدلی کا قصہ فوج کی ہر رجمنٹ میں شایع کیا گیا۔ بدقسمتی سے دو ہفتے بعد کنرس ڈورف کی لڑائی میں فریڈرک ہار گیا اور کچھ زمانے تک خود برلن پر دشمن قابض رہے۔ لیکن خود دشمنوں میں ان بن ہو گئی اور ان میں ہر ایک انتظار کرنے لگا کہ دوسرا ساتھی بڑھ کر آخری ضرب لگائے۔ ان کی اسی لیت و لعل سے فریڈرک تباہی سے بچ گیا تاہم ۱۷۶۰ء میں اُس کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ اس موقع پر پھر فرڈی نینڈ کی فتح ہار برگ اُس کے کام آئی۔

معرکۂ منڈن

باب دوم

اور یہ وہ معرکہ ہے جس میں گرین بی نے ننگے سر حملہ کر کے انگریزی رسالے کی گزشتہ بدنامی مٹادی۔ پھر خود فریڈرک کی لائگ نٹز اور ٹورگاؤ کی جنگی کامیابیاں آڑے آگئیں اور وہ تباہی سے بچ گیا۔ یہی فریڈرک کا سب سے دشوار سال تھا۔ کیونکہ دوسرے موسم بہار میں ملکۂ روس فوت ہوئی اور فریڈرک کا دوست پیٹر ثالث تخت نشین ہوگیا۔ آسٹریا اور فرانس اب بھی لڑے گئے لیکن کوئی خاص معرکہ نہ پڑا اور مجموعی طور پر فریڈرک کی حالت بہتر ہوگئی۔

انھی جوش انگیز واقعات کے دوران میں جارج ثانی ستتر سال کی عمر میں یکایک فوت ہوگیا۔ اس کا بڑے بادشاہوں میں شمار نہیں ہے۔ تاہم اوصاف حمیدہ سے خالی نہ تھا۔ وہ دوستی کا سچا اور اپنی روش میں مستقیم تھا اور اس کے جانشین کے زمانے میں طرح طرح کے فساد کھڑے ہوئے تو لوگ جارج ثانی کو کچھ نہ کچھ حسرت واندوہ کے ساتھ یاد کرنے لگے۔ اس بادشاہ کے بعض اچھے اقوال بھی محفوظ ہیں۔ ایک بار کسی نے کہا "ولف پاگل تھا" تو اُس نے کہا "کاش وہ اور دو چار سرداروں کو کاٹ کھاتا۔



مشہور واقعات

میتھوڈسٹ انجمن کی بنا	سنہ ۱۷۳۰ء
محاصل آبکاری کا قضیہ	سنہ ۱۷۳۳ء
ملکۂ کیرولائن کی وفات	سنہ ۱۷۳۷ء
وال پول کی معزولی	سنہ ۱۷۴۲ء
معرکۂ ڈے تن جن	سنہ ۱۷۴۳ء
" فونٹ نوآ	سنہ ۱۷۴۵ء

باب دوم

جیکوبی بغاوت .... سنہ ۱۷۴۵ و ۱۷۴۶ء

صلح نامۂ ایکس لاشاپیل .... سنہ ۱۷۴۸

محاصرۂ ارکاٹ .... سنہ ۱۷۵۱

پیلہم کی وفات .... سنہ ۱۷۵۴

جنگ ہفت سالہ کا آغاز .... سنہ ۱۷۵۶

معرکۂ پلاسی .... سنہ ۱۷۵۷

کوئی بیک کی تسخیر .... سنہ ۱۷۵۹

معرکۂ وندے واش .... سنہ ۱۷۶۰

جارج ثانی کی وفات .... سنہ ۱۷۶۰



باب سوم

جارج ثالث سنہ ۱۷۶۰ تا سنہ ۱۸۲۰ء

ولادت: سنہ ۱۷۳۸ء - ازدواج با شارلٹ سوفیا: سنہ ۱۷۶۱ء

معاصرین: فرانس............لوئی پانزدہم و شانزدہم

پروشیا..............فریڈرک اعظم

ذاتی حالات تخت نشینی کے وقت جارج ثالث کی عمر بائیس برس کی تھی۔ مضبوط، گٹھیلے بدن کا آدمی تھا۔ چال چلن اچھا، آداب و اخلاق پسندیدہ تھے۔ البتہ پیچھے ہٹی ہوئی پیشانی دیکھ کر دماغی قابلیت کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہ ہوتی تھی۔ باتیں کرتے میں اٹکتا تھا اور بار بار سوالات کرنے کی عادت، نیز استفہامیہ ہیں؟ ہیں؟ اور کیا؟ کیا؟ کرنے سے بھی، جتنی اہلیت تھی، اُس سے کم ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ معاملات پر وسعت نظر کے ساتھ غور کرنے کی اُس میں قوّت نہ تھی اور وہ محل شناسی جس کی بدولت آدمی خود اپنی غلطی سمجھ لیتا اور نئے حالات کے مطابق بدل جاتا ہے، اُس میں بہت کم پائی جاتی تھی۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اُس میں معاملہ کرنے کی بہت اچھی قابلیت تھی۔ آدمی کو خوب پہچانتا تھا اور

باب سوم

اپنے فرائض کو تا امکان بہترین طریق پر انجام دینے کی دلی خواہش رکھتا تھا۔ وہ انگریزی کو مادری زبان سمجھ کر اُسی میں بات چیت کرتا، اور اپنے آپ کو انگریز ہی سمجھتا تھا۔ پہلی ہی شاہی تقریر میں اُس نے اعلان کیا کہ میں برطانی ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ اور چونکہ مردانہ ورزشوں اور کھیلوں کا شایق اور عام اہل ملک کے تعصبات و عقائد میں ان کا ہمخیال تھا، لہٰذا قوی امید ہوتی تھی کہ اپنے ہنووری اسلاف کی نسبت کہیں زیادہ ہر دل عزیز بادشاہ ثابت ہوگا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جارج کو جو تعلیم ملی اُس سے نہ خیالات میں اصلاح و جلا ہوئی نہ اُس کی فطری کمزوریوں کا کوئی علاج ہوا۔ وھگ وزرا کی عجیب غلطی تھی کہ اُس کی تعلیم ٹوری بلکہ جیکوبی خیالات کے اشخاص کے حوالے ہو جانے دی اور اُسے ایسی ایسی کتابیں پڑھائی گئیں جن سے انگلستان کی تاریخ اور برطانی دستور سلطنت، اور سب سے بڑھ کر ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے متعلق بالکل خلاف واقعہ باتیں ذہن نشیں ہو گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نئے ہنووری بادشاہ کے خیالات ایسے ہو گئے جو سو برس پہلے کے اسٹوارٹ بادشاہوں کے زیادہ شایان شان تھے۔ یہ امر اس لیے اور بھی مخدوش بن گیا کہ اسی زمانے میں جیکوبی فرقے کے بہت سے افراد اسٹوارٹوں کی بحالی سے نا امید ہو کر ہنووری خاندان کے متوسل بن گئے اور ایک ظریفانہ قول کے بموجب "اپنا بادشاہ چھوڑ دیا مگر اپنے اصول ساتھ لیتے آئے" حتّیٰ کہ ٹوری فرقے کا نام تک جو پیٹ کے عہد اقتدار میں قریب قریب غائب ہو گیا تھا۔ ان جدید شرکا کی بدولت از سر نو تازہ ہو گیا۔ اس گروہ کا اجتماع بیوۂ ولی عہد بیگم کی حویلی میں ہوتا تھا۔ یہ شہزادی ایک چھوٹی سی جرمن ریاست کے دربار کی تربیت یافتہ اور برطانی آئین سے بہت کم واقف تھی اور بیٹے کو ہر وقت نصیحت ہی یہ کرتی تھی کہ "جارج بادشاہ بن کر رہو"۔ اس (بیگم کا)

باب سوم

خاص مشیر و جلیس جان اسٹوارٹ المخاطب بہ امیر بیوٹ، ایک طمطراق پسند خود رائے، اسکوٹی امیر تھا جو اس قدر ٹھیر ٹھیر کر باتیں کرتا جیسے (بقول چارلس ٹاون زنڈ) موت کی سلامی کی توپیں چلتی ہیں۔ سلطنت کے کاروبار سے اُسے مطلق آگہی نہ تھی۔ اسی لیے نئے بادشاہ کی تخت نشینی ہی کے وقت سے لوگوں کو اندیشہ تھا کہ دیکھئے بیوٹ کے رسوخ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ شاہی مبادلہ گاہ پر کسی نے ایک کاغذ یہ لکھ کر چپکا دیا کہ "خبردار، زنانہ اقتدار، اسکوٹی مقرب یا جارج سیک ویل کا دور دَورہ نہ ہونے پائے"! اور یہ چیستاں بھی اسی زمانے کی یادگار ہے کہ بادشاہ اپنی خوابگاہ میں کونسا کوئلہ جلائے۔ نیوکاسل، اسکاچ یا پٹ کا؟[1]

بادشاہ کو عہد انقلاب کے وھگ خاندانوں کا غلبہ بہت ناگوار تھا۔ ان لوگوں کا سرخیل نیوکاسل تھا اور وہ اتنا چھایا ہوا تھا کہ فوکس اور پٹ جیسے لایق وھگوں کو مشکل سے حکومت میں جگہ ملی تھی۔ نئے بادشاہ نے بولنگ بروک کی ایک کتاب "وطن پرست بادشاہ" پڑھی تھی جس میں یہ خیال پیش کیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اپنے وزیر تمام گروہوں میں سے لائق ترین آدمی دیکھ کر مقرر کرنے چاہئیں اور انھیں اپنی پسند کردہ حکمت عملی پر چلانا چاہیئے۔ یہ خیال دیکھنے میں کافی دلکش تھا۔ جارج اس پر عمل کرنے کا عازم اور اسی سلسلے میں سب سے اول وھگوں کا سیاسی اقتدار توڑنا چاہتا تھا۔ مگر یہ کچھ آسان بات نہ تھی۔ وھگوں کا غلبہ اُن کی گزشتہ خدمات اور خاندانی تعلقات پر مبنی تھا اور گزشتہ نصف صدی سے وہ ہر ہر طرح سے لوگوں کو فائدے پہنچا پہنچا کر اس غلبے کو تقویت دیتے رہے تھے۔ اس کوشش میں سب سے بہتر موقع تو انھیں یہ ملا کہ دیوانی اور فوجی سررشتوں کی ترقی کے ساتھ سرکاری عہدوں میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اور دوسرے اُن دنوں انتخاب کے حلقوں کی جو حالت تھی، اُس سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے

[1] یہ تینوں کوئلے کی مشہور قسمیں تھیں۔

باب سوم

پارلیمنٹ کو اپنے قابو میں کر لیا۔ بہت سے حلقے ایسے تھے جنھیں شاید تیرھویں یا چودھویں صدی میں مبعوث بھیجنے کا حق ملا اور اب وہ نہایت زوال کی حالت میں تھے اور بعض کو ٹیوڈر و اسٹوارٹ بادشاہوں نے محض اس لیے قائم کیا تھا کہ وہاں سے ہمیشہ بادشاہ کے حسب مراد لوگ منتخب ہوں۔

فرسودہ حلقے

یہ سب "فرسودہ حلقے" کہلاتے تھے اور ان کے مبعوث یا تو بادشاہ نامزد کرتا، یا اسی علاقے کو کوئی جاگیردار۔ پس فرقہ واری کارکن (جیسے نیوکاسل تھا) ان مالکان حلقہ کو جس طرح ہوتا۔ وہگوں کی جماعت میں داخل کر لیتے تھے۔ ۱۸۲۱ء میں "خیر خواہ خلق" نام کی ایک انجمن دعوے سے کہتی تھی کہ دار العوام کے پورے دو سو ارکان ایسے حلقوں سے منتخب ہوئے ہیں جہاں سو سو آدمی بھی رائے دینے والے نہیں ہیں اور یہ کہ کل ۷ ۵ ۳ مبعوثین عملاً صرف ۱۵۴ امیروں کے نامزد کیے ہوئے ہیں۔ بہر حال، جب تک یہ اسباب وہگوں کے مساعد تھے، اُس وقت تک اُنھیں جگہ سے ہٹانا غیر ممکن تھا۔ چند ہی روز پہلے وہ پٹ کو جارج ثانی کے خلاف مرضی وزیر بنوا کر اپنی قوت دکھا چکے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود بادشاہ ان پر ضرب لگانے کی ٹھانے ہوئے تھا اور دل برداشتہ وہگوں، چند ٹوریوں اور عام انتخاب کرنے والوں کو اپنا ہمخیال بنانے کی امید رکھتا تھا جو عملاً اسی کی طرح بے دست و پا تھے۔ سب سے اول جارج نے بیوٹ سے کام لیا جو کہا کرتا تھا کہ آج کل بادشاہ محض خیالی چیز رہ گیا ہے اور مُلک پر چند ارباب اقتدار قابض ہیں۔ تخت نشینی کے تیسرے دن وہ مجلس شاہی میں لے لیا گیا اور مارچ ۱۷۶۱ء میں پٹ کے ساتھی وزیر ہولڈرنیس کی جگہ شاہی معتمد مقرر ہوا۔ بیوٹ کے اس طرح مجلس وزرا میں آجانے سے بادشاہ کو وزیروں کے خیالات اور ارادوں کی سب خبریں ملنے لگیں اور ان اطلاعات سے اُس نے پوری مستعدی سے فائدہ اُٹھایا۔ یورپ میں جنگ رہنے تک پٹ کو معزول کرنا تو ممکن نہ تھا البتہ اُسے تنگ کیا جا سکتا تھا کہ خود مستعفی ہو جائے اور سال کے ختم ہونے سے پہلے یہ منصوبہ پورا ہو گیا۔

باب سوم

بیرونی معاملات جنگ کے ابتدائی سنین میں اسپین بالکل الگ تھلگ رہا۔ لیکن فرڈی نینڈ فوت ہوا (سنہ ۱۷۵۹ء) تو اس کی بجائے شاہ نیپلز چارلس سوم کے لقب سے اسپین کا فرماں روا بنا اور اس نے خاندان بوربون کی تقویت اور فائدے کے لیے شاہ فرانس کے ساتھ ایک "گھریلو عہد نامہ" کرلیا۔ قرار پایا تھا کہ اسے زر و جواہر کے سالانہ بیڑے کے قادس بخیریت پہنچنے تک صیغۂ راز میں رکھا جائے لیکن اس کا یہ اثر تو فوراً ظاہر ہوگیا کہ فرانسیسیوں نے پٹ سے جو نامہ و پیام شروع کیے تھے وہ موقوف کردیے۔ اس کارروائی کے اصلی سبب کی پٹ کو بھی بخوبی خبر تھی اور وہ چاہتا تھا کہ پیش قدمی کرکے خود اعلان جنگ کردے اور اسپین کے چاندی سونا لانے والے بیڑے کو لوٹ لے۔ مگر بیوٹ نے بادشاہ کی تائید سے پٹ کی اطلاعات ماننے میں حیل حجت کی۔ نیوکاسل تذبذب تامل میں پڑگیا۔ پٹ کی دھمکی سے کہ میری بات نہ مانی گئی تو استعفا دے دوں گا، دوسرے ارکان مجلس جھلائے اور بیوٹ کی طرف ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پٹ عہدہ چھوڑ بیٹھا اور جارج گرین ویل اس کی بجائے مقرر ہوگیا۔ لیکن پٹ نے جو پیشین گوئی کی تھی وہی ہوا کہ سونا چاندی لانے والا بیڑا حفاظت سے آتے ہی اسپین کی طرف سے جنگ کا اعلان ہوگیا۔ پٹ کی علحدگی کو زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ نیوکاسل نے بھی استعفا دے دیا۔ اس کا ظاہری سبب تو یہ تھا کہ شاہ پروشیا کو جو امدادی رقم دی جاتی تھی۔ بیوٹ نے اس کی مخالفت کی مگر اصل وجہ یہ تھی کہ شاہی انعام و اکرام میں اس کا اب دخل باقی نہ رہا تھا حالانکہ مدت سے اس قسم کی سب منظوریاں وزیر اعظم کے ہاتھ میں تھیں اور وہ ان سے دھڑوں کے اقتدار بڑھانے کا کام لیتا رہتا تھا لیکن جارج ثالث نے کد کی کہ عہدے اور وظائف کی منظوریاں میں خود دوں گا۔ اصولاً بادشاہ کا یہ کہنا بے جا نہ تھا۔ مگر بیچارا نیوکاسل سمجھ سکتا تھا کہ جب تک یہ خبر نہ ہو کہ انعام و اکرام سے کون سرفراز کیا جائے گا "اس وقت تک کوئی دار العوام کے ارکان سے کیا بات کرسکتا ہے" اور آخر اسی بنا پر

باب سوم

عہدے سے دست کش ہوگیا۔کسی نے خوب لکھا ہے کہ نیو کاسل کی ساری ملازمت میں سب سے بڑھ کر شایان شان کام یہی علیٰحدگی تھی کہ اپنی طویل خدمات کا کوئی اجر تک اُس نے طلب نہ کیا اور حقیقت میں تیس سال کی عہدہ داری کے بعد اُلٹا کئی ہزار پونڈ خسارے میں رہا۔ بہرحال، اب بیوٹ کے لیے

بیوٹ کی وزارت

راستہ صاف تھا۔ ۱۷۶۲ء میں وہ صدر وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ شاہی معتمدوں میں ایک **جارج گرین ویل** تھا اور دوسرا سر ولیم وِن ڈھم کا ٹوری بیٹا، **لارڈ ایگری منٹ**، **فاکس**، بخشی گری کی خدمت پر بحال رہا۔

جنگ یورپ

اس عرصے میں فرانس اور اسپین کے خلاف بحری جنگ زور شور سے جاری رہی۔ **مارٹی نیک**، **گرے نادا**، **سانتالوچیا** اور **سان وِنسینٹ** تسخیر کرلیے گئے اور شد و مد سے محاصرہ کرنے کے بعد **ہوانا** کو یورش کرکے چھین لیا گیا۔ تیس لاکھ پونڈ کی قیمت کا زر و جواہر فاتحین کے ہاتھ آیا۔ ایک فوج نے **فلپائن** کا صدر مقام **منیلا** فتح کرلیا اور چاندی سونا لانے والے کئی جہاز انگریزوں کے ہاتھ پڑے۔ ان میں سے ایک ہی کے سامان کی مالیت ۸ لاکھ پونڈ تھی۔ یورپ خاص میں **فریڈرک** آسٹریا کا خوب مقابلہ کرتا رہا اور رہائن کی طرف **فرڈی نینڈ** اور امیر **گرین بی** نے دوبارہ مردانگی کے جوہر دکھائے اور نام پایا۔

بایں ہمہ **بیوٹ** کو ایسی صلح کرنے کی پڑی تھی کہ برطانیہ یا اُس کے حلیفوں کی بھلائی کا خیال بھی شاید کم آتا تھا۔ اسی سال دوبارہ اُس نے صلح کے نامہ و پیام شروع کردیے۔ اسے سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ کہیں یہ نامہ و پیام ناکام نہ رہ جائیں لہٰذا دشمنوں کو قسم قسم کی رعایتیں دینے پر آمادہ ہوگیا اور معاوضے کا لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر **ہوانا** تک حوالے کرنے کی تجویز کی۔ **جارج گرین ویل** اس کی تاب نہ لاسکا اور اسی کا استعفا تھا جس نے **بیوٹ** کو مجبور کیا کہ **ہوانا** کے برابر کا علاقہ طلب کرے اور اسپین والے فوراً **فلوریڈا** کا زرخیز علاقہ دینے پر تیار ہوگئے۔ رہی پروشیا تو انگلستان کے

باب سوم

ایسے عمدہ حلیف کی حمایت میں ایک کلمہ بھی بیوٹ کی زبان سے نہ نکلا اور اگر خود فریڈرک علیحدہ خط کتابت کر کے ایک جداگانہ معاہدے (مرتبہ بمقام ہیوبرٹس برگ) کے ذریعے اپنے مقبوضات کی پوری حفاظت نہ کرلیتا، تو بیوٹ یہاں تک تیار تھا کہ فرانس رائن کے جن شہروں پر قابض ہے وہ آسٹریا کے حوالے کردیے جائیں۔ سالانہ امداد کی موقوفی اور پھر یہ طرز عمل دیکھ کر فریڈرک کو انگلستان سے نفرت ہوگئی۔ آخر میں عہدنامۂ پیرس کی رو سے مارتی نیک وغیرہ مقامات بھی انگریزوں نے فرانسیسیوں کو واپس دے دیے۔ جزیرۂ بیل کے معاوضے میں منورکا دیا لیکن کناڈا اور راس برٹن کا جزیرہ اُن کے قبضے میں رہا۔ اسی طرح توباگو، سینٹ ونسینٹ ڈومی نیکا گرے نڈا اور فلورڈا بھی انگریزوں کو ملے اگرچہ آخرالذکر کے عوض میں ہوانا اور بدیۂ منیلا واپس دینا پڑا۔ ہندوستان میں شہر پان دی شیری فرانسیسیوں کو واپس دے دیا گیا۔

صلح نامۂ پیرس سے انگریزوں کو بہت کچھ فوائد حاصل ہوئے لیکن اگر بیوٹ معمولی پختگی سے کام لیتا تو اس سے بھی بہتر شرطیں ہوسکتی تھیں اور اسی لیے مُلک میں اس معاہدے کو ناپسند کیا گیا اور پِٹ نے شدت سے مذمت کی کیونکہ وہ بہت پہلے کہہ چکا تھا کہ آیندہ معاہدۂ یوٹریکٹ کی مثل دستاویز انگلستان کی تاریخ کو آلودہ نہ کرنے پائے گی۔ اس مخالفت کا سدباب کرنے کی غرض سے بیوٹ کو دارالعوام میں کسی کارآمد سرگروہ کی ضرورت ہوئی اور مجلس وزرا میں ایک نشست اور آیندہ امارت کے اقرار کی قیمت پر اُس نے فاکس کی خدمات خریدلیں۔ فاکس نے اپنا کام اچھی طرح انجام دیا اور اُدھر دربار کا پورا اثر ڈال کر پِٹ اور نیوکاسل کی قوتوں کا مقابلہ کیا گیا۔ مخالفین کو سبق دینے کی غرض سے خود بادشاہ نے امیر کبیر ڈیون شر کا نام مجلس شاہی کی فہرست سے کاٹ دیا۔ ان تدبیروں سے کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنی دارالعوام میں صلح نامے کی ابتدائی کارروائی پر ۶۵ کے مقابلے میں ۳۱۹ آرا سے، پسندیدگی کی تجویز منظور کی گئی۔ اس فتح کے بعد بادشاہ کی طرف سے

مخالفین کی سرکوبی کا یہ انتظام کیا گیا کہ جن امرا نے خلاف رائے دی تھی اُن کے اور معمولی سرداروں کے فوجی عہدے اور دیوانی وظیفہ خواروں کے وظیفے ضبط کر لیے۔ غریب اور ادنیٰ ملازم تک جو نیوکاسل کے آدمی سمجھے جاتے تھے لپیٹ میں آ گئے۔ بادشاہی جماعت اُسے فتح کے ثمرات سمجھتی تھی مگر عام ملازمین کے اس طرح پس جانے سے ہر طرف ایسی لعن طعن اور تبرا بازی ہوئی کہ آئندہ کسی گروہ کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو سکی بلکہ یہ طے پا گیا کہ وزارت کے بدلنے کے ساتھ پارلیمنٹ کے ارکان جو حکومت کے عہدوں پر فائز ہوں، خود ہی مستعفی ہو جایا کریں اور باقی ملازمین سرکار سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ فاکس کو اپنی خدمات کے صلے میں لارڈ ہالینڈ کا خطاب ملا۔ بیوٹ کے ساتھ اس کی جو مفاہمت ہوئی، وہ لارڈ شیل برن کی وساطت سے ہوئی تھی اور چونکہ فاکس یہ سمجھنے لگا تھا کہ شیل برن نے اُسے چکما دیا لہٰذا ایک طرف تو وہ اور اُس کا خاندان شیل برن کا سخت دشمن بن گیا جس سے آئندہ اہم نتائج برآمد ہوئے اور دوسری طرف شیل برن رکابی مشرب، ریاکار مشہور ہو گیا۔

بیوٹ کا زوال

وقت کے وقت تو فاکس کی کوشش چل گئی لیکن عام اہل خدمات کی برطرفی سے بہت ناراضی پھیلی اور یہ طوفان فرو نہ ہونے پایا تھا کہ بیوٹ نے ایک اور ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ واضح رہے کہ جنگ کے کثیر مصارف سے قومی قرضہ بڑھتے بڑھتے تیرہ کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ ہو گیا تھا اور نئے محصول لگانے لابد تھے۔ پہلے سوتی کپڑے پر محصول لگانے کی تجویز تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ وزیر مال، سر فرانسس ڈیش وڈ اُسے پوری طرح نہ سمجھ سکا کہ پارلیمنٹ میں اس کی صراحت کر سکتا۔ لہٰذا اس کی بجائے سیب کی شراب (سائیڈر) پر محصول عائد کر دیا گیا۔ اور شائد اس سے زیادہ نامقبول و نامعقول دوسرا محصول نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اول تو جس مزرعے میں چند سیر شراب بھی کشید کی جاتی تھی، وہاں آبکاری والوں کی رسائی ہو گئی۔ دوسرے ہر قسم کی شراب پر پانچ شلنگ فی قرابہ مقرر ہوئے تھے حالانکہ اس کی قسمیں قیمت میں پانچ سے پچاس شلنگ قرابے تک بکتی تھیں۔ غرض ہر طرف

باب سوم

شور مچ گیا اور شکاریوں سے اور کرتیاں کثرت سے جلائی گئیں جن سے وزیراعظم کی غیر ہر دل عزیزی عیاں تھی۔ پہلوانوں کا پہرا مقرر کرنے سے بھی اسے اپنی حفاظت کا اطمینان نہ ہوا اور اس نے استعفا داخل کردیا۔ تاہم بادشاہ کے مزاج میں اسے اتنا درخور تھا کہ اپنا جانشین خود ہی نامزد کیا اور لارڈ چسٹر فیلڈ کے بقول کنارہ کش ہونے کے باوجود پردے کے ادھر بیوٹ ہی کارفرما نظر آتا رہا کیونکہ پردہ بھی بہت ہی باریک تھا۔

گرین ویل کی وزارت

یہ نیا وزیراعظم جارج گرین ویل، امیر ٹیمپل کا چھوٹا بھائی اور پٹ کا برادر نسبتی تھا۔ دوسرے وزیروں میں زیادہ ردّ و بدل نہیں ہوا۔ ایگرمنٹ کے ساتھ کا دوسرا معتمد جارج مون ٹیگو (امیر ہیلی فیکس) کو بنایا گیا۔ فاکس اپنی جگہ پر برقرار رہا۔ شیل برن مجلس سررشتہ تجارت کا صدر مقرر ہوا۔ اس عرصے میں بادشاہ نے دارالعوام میں ایک خاص جماعت مرتب کرلی تھی جو بادشاہ کے احباب کہلاتے اور دوسرے سیاسی فرقوں سے الگ رہ کر صرف بادشاہ کے حسب الحکم رائے دیتے تھے۔ ان کے سیاسی عقائد میں وھگ فرقے کی بجائے ٹوری خیالات کا زیادہ میلان تھا۔ ان کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی اور اس لیے جو وزارت بہت بڑی اکثریت نہ رکھتی ہو وہ بہت کچھ اس جماعت کی مدد کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ کہ بادشاہ جن وزیروں کو چاہتا معزول اور جنھیں چاہتا مقرر کرسکتا تھا۔ یہ نظام ظاہر ہے کہ فریقانہ حکومت کی بنیادی نظریات کے خلاف تھا لیکن اس کو شکست دینے کی بھی اب کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ دوسرے خود وھگ فرقہ متحد ہوتا تو

وھگوں کے اندرونی اختلافات

ممکن تھا کہ جارج کی کچھ چلنے نہ پاتی۔ مگر اتنے دن کے مسلسل غلبے کی وجہ سے اس فرقے کے اندر کئی کئی جماعتیں بن گئی تھیں۔ ان کے اختلافات محض ذاتیات پر مبنی تھے۔ تاہم اتنے پختہ ہوگئے تھے کہ پورا فرقہ مل کر کام نہ کرسکتا تھا۔ ان میں سب سے اول تو روکنگ ہم وھگوں کی جماعت تھی اور یہ نیوکاسل کے پرانے

باب سوم

گروہ کے بچے کھچے افراد تھے جس میں عہد انقلاب کے خاندان والے پورٹ لینڈ، ڈیون شر جیسے امرائے کبار اور دار العوام کے ایسے ایسے ممتاز ارکان شامل تھے جیسے سپہ سالار کون وے، لارڈ جان کے ون ڈش اور سر جارج سئے ویل ۔ دوسرا گروہ امیر کبیر بیڈ فرڈ کے متبعین کا تھا ۔ یہ وال پول کے عہد اقتدار میں اصلی گروہ سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئے اور وال پول انہیں از رہ حقارت (محلۂ "بلومزبری کی ٹکڑی" کہا کرتا تھا۔ بیڈ فرڈ کے علاوہ اس میں گاور، سینڈوچ اور وے متھ کے امرا داخل تھے۔ اور عوام میں ان کا سب سے بہتر آدمی رگ بی تھا۔ باقی وھگوں میں سے ایک جماعت پٹ اور ٹیمپل کی پیرو تھی اور دوسری گرین ویل کی ۔ پہلی کو "چےتم وھگز" اور دوسری کو "گرین ویل وھگز" کہتے تھے اگرچہ ابھی تک یہ ایک دوسرے سے پوری طرح جدا نہیں ہوئے تھے ۔ بہر حال یہ سب جماعتیں آپس میں مل کر کام نہ کرتی تھیں اور اسی لیے بادشاہ ان سب کو ایک ایک کر کے شکست دے سکتا تھا۔

گرین ویل کامیاب وزیر نہ تھا۔ برک نے ایک مرتبہ اس کی نسبت کہا کہ "وہ کوئی مدبر نہیں، محض دفتری آدمی ہے" اور فاکس کا قول ہے کہ "مدد دینے کی بجائے وہ الجھن ڈالتا ہے" وہ پارلیمنٹ کے بحث مباحثے میں خاصا مشاق تھا لیکن باہمی گفتگو یا خط کتابت میں بات کو اتنا طول دیتا کہ دل گھبرا جائے ۔ اس کا ایک معمولی خط سات مطبوعہ صفحات میں آیا ہے اور اس کا ایک جملہ ایک سو پچاس لفظ کا ہے ۔ لیکن بادشاہ کے انتخاب کا منشا یہ نہ تھا کہ گرین ویل کوئی نئی راہ نکالے بلکہ یہ کہ بادشاہ کے منشا کے مطابق چلتا رہے۔ اسی لیے ان دنوں جو غلطیاں سرزد ہوئیں، ان کا ذمہ دار بھی وزیر کی بجائے بادشاہ ہی کو سمجھنا چاہیئے ۔ ان میں پہلی جان ولکس کی دار و گیر تھی ۔ یہ ایلس بری کا مبعوث، ہوشیار، لیکن بدچلن آدمی تھا۔

ولکس

بیوٹ کے اخبار بری ٹن کے مقابلے کی غرض سے وہ "نارتھ بری ٹن" کے نام سے ایک جریدہ نکالتا تھا جس میں لارڈ ٹیمپل اور چرچل شاعر بھی کچھ دلچسپ

لکھتے رہتے تھے۔ یہ شروع سے نہایت فحش نویس تھا۔ انھی دنوں کسی بادشاہی تقریر میں ازرہِ نازش یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ انگلستان نے شاہ پروشیا کو جنگ سے نجات دلائی۔ نارتھ برٹن، نمبر ۴۵ کے پرچے میں اس قول کی تردید چھپی اور وثوق سے بیان کیا گیا کہ "ہمارے نامہ و پیام سے اُس باقبض فرماں روا کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا بلکہ انگلستان کے اسکوٹی وزیر اعظم نے کمینہ پن سے اُسے دغا دی"۔ سب کو معلوم ہے کہ شاہی تقریریں وزرا تیار کیا کرتے ہیں۔ لیکن جارج نے ان الزامات کو ذاتی توہین قرار دینے کا فیصلہ کیا اور زور دیا کہ ولکس پر مقدمہ دائر کیا جائے۔ چنانچہ ہیلی فیکس نے گرین ویل اور ایگرمنٹ کی تائید سے، دوسرے ہی دن رسالے کے "مضمون لکھنے والوں، چھاپنے والوں اور شائع کرنے والوں" کی گرفتاری کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اگرچہ اس میں کسی کا صراحتہً نام درج نہ تھا۔ اسے عام حکم نامہ کہتے ہیں۔ ولکس نے سرکاری عہدہ داروں سے کہہ دیا کہ یہ خلاف قانون ہے۔ تاہم اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ جارج نے اس کو ملکی فوج کی کمانڈری سے اور اُس کے دوست لارڈ ٹیمپل کو ذیر گنہ بکنگھم کی سپہ سالاری کی خدمت سے برطرف کر دیا۔ مگر گرفتاری ایک اور وجہ سے بھی ناجائز تھی۔ ولکس پارلیمنٹ کا رکن تھا اور اُس کی گرفتاری صرف غداری، خیانت مجرمانہ یا امن شکنی کی بنا پر عمل میں آسکتی تھی۔ لہٰذا سب سے اول اُس نے ہے بیئس کورپس "قانون لزوم تحقیقات محبوس" کی بنا پر رہائی کی درخواست کی۔ عدالت کے میر مجلس، پریٹ نے (جو آگے چل کے لارڈ کیمڈن ہوا) رکنیت کے حق خاص کی بنیاد پر یہ درخواست بلا تامل قبول کر لی۔ اس کے بعد ولکس اور مطبع والوں نے ایک عام حکم نامے کے ذریعے گرفتاری کو ناجائز ثابت کیا اور تاوان وصول کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ موسم بہار ۱۷۶۳ء کا واقعہ ہے۔ انھی سردیوں میں نارتھ برٹن کی زباں درازیاں اور بھی بڑھ گئیں اور اُس میں گرین ویل کی وزارت کی نسبت اس قسم کے کلمات لکھے جانے لگے کہ محض تنگ نظر وزارت ہے اور وزیروں کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ رعایا کو

باب سوم

لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں بھر لیں۔ نومبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو پھر اس مسئلے کو اٹھایا گیا اور دارالعوام میں کثرت رائے سے قرار پایا کہ نمبرہ ۴ ایک جھوٹا، مفویانہ اور ہتک آمیز الزام ہے" اس کے بعد ہی قرار پایا کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کا امتیاز کسی کو ہتک عزت کے مواخذے سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا اور حکم ہوا کہ رسالہ نمبرہ ۴ کو سرکاری جلاد آگ میں جلا دے۔ اسی کے ساتھ دارالامرا میں ولکس پر اعتراض اٹھایا گیا کہ پوپ کے "آدمی پر ایک مقالے" کا اس نے ہزلیہ نظم میں "عورت پر ایک مقالہ" لکھ کر خاکا اڑایا ہے۔ اور چونکہ اس کے حواشی کو اسقف واربرٹن سے فرضی طور پر منسوب کیا گیا تھا، لہٰذا امرا میں اُسے پارلیمنٹی امتیازات کا ناجائز استعمال قرار دیا گیا۔ اسی زمانے میں ولکس ایک مقابلے (ڈوئیل) میں زخمی ہوا اور تندرست ہونے کے بعد فرانس چلا گیا۔ پھر بھی دارالعوام نے اُسے پارلیمنٹ سے خارج کر دیا اور لکھا کہ نمبرہ ۴ میں رعایا کو بادشاہ سے منحرف کرنے کا صریحی میلان پایا جاتا ہے۔ پٹ اور پیرے نے اس کی حمایت کی تھی اور دارالامرا میں بھی کمبرلینڈ، نیو کاسل، رو کنگھم اور شیل برن، ولکس کے طرفدار رہے اور اسی کے لیے پیرے اور شیل برن کو فوجی اور دیوانی خدمتوں سے الگ کر دیا گیا۔ نمبرہ ۴ کو آگ لگائی گئی تو اچھا خاصا بلوا ہو گیا اور اس تمام قضیے سے بادشاہ کی بیوٹ سے تعلق رکھنے کے بعد جو تھوڑی بہت ہر دل عزیزی باقی رہ گئی تھی وہ بھی مفقود ہو گئی۔

امریکی مستعمرات

گرین ویل کی دوسری غلطی امریکی نوآبادیوں پر محصول لگانا تھی۔ واضح رہے کہ یہ محصول انگلستان کے خزانے میں جمع کرنے مقصود نہ تھے بلکہ نوآبادیوں ہی کے کاموں میں خرچ کیے جاتے اور یوں بھی نوآبادی بسانے والے ملکوں میں صرف برطانیہ ایسا ملک تھا کہ مستعمرات سے کوئی روپیہ طلب نہ کرتا تھا۔ ورنہ روما، قرطاجنہ، اسپین، پرتگال، ہالینڈ اور فرانس سب خراج وصول کرتے تھے۔ بایں ہمہ انگریزی مستعمرات پہ ایسا بار کبھی نہیں پڑا اور وال پول کے زمانے میں یہ خیال

دلایا بھی گیا تو اُس نے حقارت سے اُسے مسترد کر دیا تھا۔ جنگ ہفت سالہ میں نوآبادیوں کی فوج کے مصارف بھی مل کر اُٹھائے گئے۔ یعنی شاہ انگلستان کی طرف سے اسلحہ، گولہ بارود، خیمے اور آزوقہ اور نوآبادیوں کی جانب سے سپاہی، لباس اور تنخواہ ادا کی جاتی تھی۔ آیندہ کے لیے یہ بات بھی ضروری تھی کہ امریکہ کے دیسیوں اور نیز دوسری فرنگی قوموں کے مقابلے کی غرض سے کچھ مستقل فوج رکھی جائے۔ آئرستان میں وہاں کی پارلیمنٹ اور ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی بطور خود اپنی حفاظت کے لیے فوج رکھتی تھی۔ اب گرین ویل اور ٹاون زنڈ نے چاہا کہ اسی قسم کی فوج امریکہ میں مرتب کی جائے اور اس کا خرچ نوآبادیاں اُٹھائیں۔ مزید برآں، نئے مقبوضات سے دیوانی عہدوں کی تعداد بڑھی تو تنخواہیں بھی ستر ہزار سے بڑھ کر ساڑھے تین لاکھ پونڈ سالانہ ہو گئیں۔ پس گرین ویل نے خواہش ظاہر کی کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس میں آبادکاروں کو کم سے کم زحمت اور بار اُٹھانا پڑے اور وہ ان اضافہ شدہ فوجی اور ملکی مصارف میں حصہ بھی لینے لگیں۔ مگر اس تجویز سے پارلیمنٹ اور نوآبادیوں کے باہمی تعلق کا پورا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا اور چونکہ گزشتہ جنگ میں نوآبادیاں بہت روپیہ خرچ کر چکی تھیں اور اب مالی زیرباری سے پریشان تھیں لہذا ایسے موقع پر اس مسئلے نے اور بھی پیچیدہ صورت اختیار کر لی۔ تازہ تر یہ کہ اسی زمانے میں محصولی مال چوری سے لانے لے جانے کا قضیہ پیدا ہوا۔ قوانین جہازرانی کی رو سے انگریزی نوآبادیوں کو برطانیہ کے سوا کسی مُلک سے تجارت کرنے کا حق نہ تھا لیکن عملاً ان کا اسپین و فرانس کے مقبوضات سے لین دین کرنا جائز رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ نیو انگلینڈ کی پیداوار کے معاوضے میں فرانس و اسپین کے مقبوضہ جزیروں سے بکثرت شکر آتی تھی اور خلاف قانون ہونے کے باوجود معزز تاجر تک بے تکلف یہ لین دین کرتے اور کروڑگیری والے ان سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ جنگ کے بعد گرین ویل کو اسپین والوں کی خاطر اس تجارت کو روکنا ضروری معلوم ہوا اور اس کارروائی سے بھی امریکہ والے بہت جھنجلائے تھے۔

باب سوم

محاصل تجارت اور اسٹامپ

قوانین جہازرانی کے تحت میں تجارت درآمد برآمد پر بہت قلیل محصول بھی نوآبادیوں میں وصول کیا جاتا تھا۔ گرین ویل نے اس میں اضافہ کرنا چاہا تاکہ قوانین جہازرانی پر زیادہ سختی سے عملدرآمد ہو اور انگریز حکام کے خزانے میں روپیہ بھی زیادہ وصول ہوسکے۔ برطانی پارلیمنٹ ایسا کرنے کی مسلمہ طور پر مجاز تھی۔ پھر بھی اضافۂ محاصل سے نوآبادیوں میں خاصا اضطراب پیدا ہوا اور گرین ویل کا یہ اعلان سن کرکہ آیندہ سال سے امریکا میں اسٹامپ کا نیا محصول بھی لیا جایا کرے گا (جس سے کل ایک لاکھ پونڈ سالانہ وصول ہونے کی امید تھی) وہاں والے اور بھی گھبرائے۔ تیرہ میں سے چھ نوآبادیوں نے باقاعدہ احتجاج کیا اگرچہ انھیں اس حق پر اتنا اعتراض نہ تھا، جتنا ان محاصل کے بے موقع ہونے کی شکایت تھی۔ مگر ان اعتراضات اور کونوے اور بیرے کی فصیح و بلیغ تقریروں کے باوجود گرین ویل کی تجاویز دوسو رائے کی اکثریت سے منظور ہوگئیں۔ سرکاری مُہر شدہ کاغذ پر ۳ پینی سے دس شلنگ تک محصول لگایا گیا۔ اس کی کمی بیشی معاملات کی نوعیت کے مطابق تھی جن کے لیے دستاویز تحریر کردی گئی ہو۔ اخبارات کے کاغذ پر محصول عاید ہوا۔ یہ سب آمدنی صرف نوآبادیوں کی حفاظت و مدافعت میں خرچ کی جانی قرار پائی پھر بھی آبادکاروں سے براہ راست محصول لینے کی یہ پہلی کوشش تھی اور اس میں برطانی آئین کے ایک عام اُصول سے انحراف کیا گیا تھا کہ کسی قوم (یا گروہ) سے اُس وقت تک محصول لینا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ خود یا اُس کے نمایندے ایسا محصول نہ عائد کریں۔ اُدھر گرین ویل نے دارالعوام میں یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ یہ محصول لگاکے ہم دیکھتے ہیں کہ آیندہ مزید امداد لینے کا کس حد تک امکان ہے۔ ان باتوں سے اہل مستعمرات سخت پریشان ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ امریکا بھر میں خوف کی گھنٹی پیٹرک ہینری کی پیہم پانچ تحریکات نے بجائی جو ورجینا کی مجلس وضع قوانین کا رکن تھا اور اسی مجلس میں اُس نے یہ قراردادیں پیش کیں جن کا مدعا یہ تھا کہ نوآبادیوں سے بغیر اُن کی رائے کے کوئی محصول نہ لیا جائے۔ پھر ایک نہ دو، اکھٹی نو مستعمرات کے وکلا ایک موتمر میں بمقام نیویارک جمع ہوئے کہ

باب سوم

پورے مسئلے پر غور وخوض کریں۔ اِدھر لوگوں نے سرکاری مُہر کا کاغذ استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اُسے جبراً رواج دینے کی تمام کوششیں ناکام رہیں اور کثیر التعداد بلووں سے ثابت ہو گیا کہ عوام میں کس درجہ اشتعال پیدا ہو گیا ہے۔ اسی کے ساتھ شدّ ومدّ سے نوآبادیوں میں صنعتی کارخانے قائم کیے جانے لگے تاکہ وطنی مصنوعات کی جہاں تک ممکن ہو محتاجی نہ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کے سوداگروں اور کارخانہ داروں میں سخت بے روزگاری پھیل گئی۔

گرین ویل کی علیحدگی

یہ حالات زیادہ عرصے تک رہنے نہ پائے تھے کہ انگلستان کی وزارت میں تغیر ہوا اور ان حالات کا بھی رخ بدل گیا۔ واضح رہے کہ گرین ویل سے جارج کبھی بھی زیادہ خوش نہیں رہا بلکہ اُس کی طول طویل حجتوں سے بہت اُکتا جاتا تھا اور اُس کی وزارت کے ابتدائی زمانے ہی میں کوشش بھی کی تھی کہ پٹ کو وزیر بنا لے۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی اور ۱۷۶۳ء میں گرین ویل نے بیڈفرڈ سے (جو ولکس اور مستعمرات کے مسئلے میں وزارت کا ہم رائے ہو گیا تھا) اتحاد کر لیا۔ اس اشتراک کی بدولت حکومت میں کافی مضبوطی آ گئی۔ اگرچہ بیڈفرڈ کا اثر اتنا بڑھ گیا کہ بعض اوقات یہ اُسی کا زمانۂ وزارت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ۱۷۶۵ء میں ایک تازہ قضیہ یہ کھڑا ہوا کہ بادشاہ بیمار پڑا اور علالت میں اُس کے دماغی فتور کی بعض علامتیں ظاہر ہوئیں جو آخر زمانے میں اسے آزار دیتا رہا۔ اسی بنا پر بعض امکانی صورتوں کا انتظام کرنے کی غرض سے ایک "قانون نیابت" وضع کرنا ضروری سمجھا گیا۔ وزیروں نے اس نازک معاملے کا نہایت بے تمیزی سے سرانجام کیا۔ اول تو انھوں نے امیر کبیر کمبرلینڈ کا نام اُڑا دیا جس سے یہ شہزادہ ناراض ہوا۔ دوسرے بادشاہ سے کہا کہ بیوہ بیگم ویلز کا نام حذف کر دیا جائے کیونکہ بیوٹ سے میل جول رکھنے کے باعث لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے اور غالباً دار العوام اُس کا نام منظور نہ کرے گا۔ مگر ان کی رائے کے برعکس دار العوام میں اس بیگم کا نام بہ اصرار شریک کر دیا گیا جس سے خواہی نخواہی یہ ظاہر ہوا کہ

باب سوم بادشاہ اپنی ماں کی بلا وجہ بے توقیری کرنی چاہتا تھا۔ جارج اس واقعے سے بہت چڑ بیٹھا ہوا اور کمبرلینڈ کی مدد سے دوسرے وزیر کی تلاش شروع کی۔ اول تو پٹ سے فرمائش کی گئی مگر وہ سمجھتا تھا کہ بغیر ٹمپل کو ساتھ لیے کام نہ کر سکے گا اور متلون مزاج ٹمپل "بعض نازک اور خاص وجوہ سے" رفاقت پر آمادہ نہ ہوا۔ آگے چل کے ثابت ہوا کہ اسے اپنے بھائی گرین ویل سے مصالحت کی امید تھی اور یہی نازک وجوہ تھیں جن کی بنا پر اس نے پٹ کا ساتھ دینے سے اور پٹ نے وزارت قبول کرنے سے انکار کیا۔ تب کمبرلینڈ نے روکنگھم اور نیوکاسل کے متبعین سے سلسلہ جنبانی کی اور وہ اس شرط پر کہ روکنگھم صدر امیر خزانہ اور نیوکاسل امیر مُہر شاہی مقرر کیے جائیں، وزارت مرتب کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک معتمدی کی خدمت امیر کبیر گرافٹن کو دی گئی اور دوسری

روکنگھم کی پہلی وزارت

دارالعوام کی سرگروہی کے ساتھ کون وے کے تفویض ہوئی۔ روکنگھم آمادہ تھا کہ شیل برن کو بھی اپنا معاون بنا لے مگر وہ پٹ اور فاکس کو چھوڑ چکا تھا اور ولکس اور امریکہ کے قضیوں میں بسرعت پٹ کی طرف ڈھلتا جاتا تھا۔ دوسرے روکنگھم نے آئرستان کا نائب وزیر خزانہ بدنام لارڈ جارج سیک ول کو بنایا جس سے شیل برن کو شریک ہوتے میں اور بھی تامل ہوا۔ نئے وزیر اعظم کا معتمد پیشی ایک نوجوان آئرستانی مسمی ایڈمنڈ برک تھا جس کے علمی تبحر کی اسی وقت بہت شہرت تھی اور جسے اپنے ملک کی تاریخ میں بڑا نام کرنا تھا۔ اگرچہ ابھی تک اسے پارلیمنٹ میں جگہ نہیں ملی تھی۔ نئی وزارت کے گرین ویل اور بیڈفرڈ مخالف تھے۔ پٹ سرگرم موئید نہ تھا لہذا شروع سے نئے وزیروں کا انحصار "احباب شاہی" کی بے ثبات اعانت پر آ ٹھہرا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ تقرر کے وقت ہی سب سمجھتے تھے کہ بادشاہ موقع ملتے ہی انھیں جلد سے جلد علیحدہ کر دے گا۔

نئی وزارت جولائی ۱۷۶۵ء میں مرتب ہوئی اور دسمبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو دو خاص کارروائیاں یہ کی گئیں کہ ایک تو امریکہ کا قانون اسٹامپ

باب نہم

منسوخ کر دیا گیا دوسرے یہ اعلان ہو گیا کہ پارلیمنٹ کو امریکا کے ہر قسم کے معاملے میں "قانون وضع کرنے کا حق ہے۔ پہلی کارروائی کا مقصد تو یہ تھا کہ اہل امریکہ کی رضامندی حاصل کی جائے لیکن دوسرا اعلان محض رائے عامہ کے دباؤ سے کیا گیا جو پارلیمنٹ کی سطوت قائم کرنے پر مصر تھی۔ بریں ہمہ پین سِل وینیا کے مختار عام بنجمن فرینکلن نے لوگوں کو یقین دلایا کہ پارلیمنٹ کے حقوق کی قرارداد دل سے آبادکاروں کو کچھ گزند نہ پہنچے گا، بشرطیکہ ان پر عملدرآمد کرنے کی کبھی کوشش نہ کی جائے۔ ان دونوں تحریکوں میں وزیروں کو پٹ کی پوری تائید حاصل تھی جس نے آبادکاروں کی مزاحمت کو سراہا اور جتایا کہ نوآبادیوں سے برطانیہ بیس لاکھ پونڈ سالانہ مالیت کی تجارت کرتی ہے اور یہ کہ ذرا سی آمدنی کے لیے اتنی بڑی رقم کو خطرے میں ڈالنا کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی۔ شیل برن بھی نرم آرا کا مؤید تھا البتہ گرین ول اور بیڈفرڈ کے وِگوں نے اور درپردہ احباب شاہی کی جماعت نے بھی مخالفت میں حصہ لیا۔ بہرحال دونوں تحریکیں پارلیمنٹ میں منظور ہو گئیں اور فرینکلن کا قول بھی صحیح ثابت ہوا۔ قانون اسٹامپ کی تنسیخ سے بحر اوقیانوس کے دونوں طرف کے باشندے بہت خوش ہوئے۔ باقی محاصل کو خوشی سے ادا کر دیا گیا اور اعلان حقوق کی کسی نے چنداں پروا نہ کی۔

روکنگ ہم کی برطرفی

مگر پٹ قانون اسٹامپ کی تنسیخ میں حکومت کا ممد ہونے کے باوجود اشخاص و اقبال کی تائید میں بڑے اہتمام سے فرق کرتا تھا۔ ایک قرارداد جس میں عام حکمنامۂ گرفتاری کا اجرا بالکل خلاف قانون قرار دیا گیا تھا، اُس کی پٹ نے تہ دل سے تائید کی لیکن بار بار صلا ہونے کے باوجود نظم و نسق میں حصہ دار بننے سے برابر انکار کرتا رہا۔ دربار شاہی میں قانون اسٹامپ کی منسوخی اور مذکورۂ بالا قرارداد کو شدت سے ناپسند کیا گیا۔ احباب شاہی وزرائے شاہی کے خلاف رائیں دینے لگے۔ اور آخر پورے ایک سال برسر عہدہ رہنے کے بعد روکنگ ہم وزارت سے برطرف کر دیا گیا۔

گریفٹن کی وزارت

اب پھر پٹ سے درخواست کی گئی۔ وہ باوجود اس

باب سوم

جماعت کے جس کا روکنگ ہم اب سرگروہ تھا، پٹ وزارت کے اعلیٰ عہدے تک پہنچ چکا تھا۔ دوسرے اُسے فریقانہ تعلقات سے اتنی ہی نفرت تھی جتنی بادشاہ کو؛ اور یہ سمجھ کر کہ اب ایسی وزارت مرتب کرنا ممکن ہو گیا ہے جس میں ہر گروہ کے افراد ہوں، وہ خوشی سے وزارت میں داخل ہو گیا۔ روکنگ ہم کی وزارت کا شاہی معتمد امیر کبیر گریفٹن جدید وزارت کا رسمی صدر تھا۔ کونوے بھی اپنے عہدے پر قائم اور دارالعوام کی سرگروہی کرتا رہا۔ ٹاونزنڈ وزیر مالیہ تھا اور یہ تینوں روکنگ ہم کے گروہ میں شامل ہوتے تھے۔ پٹ امیر مُہر شاہی تھا اُس کا پرانا دوست پریٹ (المخاطب بہ لارڈ کیمڈن) اور بادشاہ کی مخالفت کے باوجود پٹ کا تازہ رفیق شیل برن شاہی معتمد بنائے گئے۔ لارڈ نارتھ اور بیرے بھی عہدے رکھتے تھے۔ گو روکنگ ہم یا بیڈفرڈ یا گرین ویل کی جماعت کے کسی آدمی کو خدمت نہیں دی گئی۔

نئی وزارت کی کمزوری

یہ انتظام ظاہر میں جتنا مضبوط نظر آتا تھا اُتنا حقیقت میں مضبوط نہ تھا بلکہ بقول برک کے یہ مینا کاری دور سے دیکھنے میں عجیب تھی مگر اسے ہاتھ لگانا مخدوش تھا۔ تقدیر نے بھی شروع سے نامساعدت کی اور آخر میں یہ وزارت سراسر ناکام نکلی۔ پٹ کا شاہی مُہرداری کی خدمت قبول کرنا اور امیر چیٹم کے لقب کے ساتھ دارالامرا میں آنا، ایسی سخت غلطی تھی کہ بعض کے نزدیک یہ سیاسی خودکشی کا فعل تھا۔ دارالعوام میں سالہا سال تک اس کی حکومت رہی۔ اس کو چھوڑنے میں اوّل تو وہ "عوامیٔ اعظم" کے مقبول عام لقب سے محروم ہوا اور اپنے بے لوث محب وطن ہونے کی شہرت کو بٹا لگایا اور دوسرے دارالامرا میں داخل ہوا جہاں اُس کی آتش بیانی بالکل بے محل سی چیز رہ گئی۔ مزید برآں، اتنے مختلف الخیال گروہوں کو متحد کرنے کی کوشش سے خود اُس کی وزارت کمزور ہو گئی اور اس سلسلے میں جتنے نئے دوست بنانے چاہے تھے، کم سے کم اتنے ہی نئے مخالف پیدا ہو گئے۔ یہ صورت تھی جبکہ یکایک اعلان ہوا کہ پٹ بیمار ہے۔ یہ بات صحیح طور پر کبھی معلوم

باب سوم

دہو گی کہ وہ کتنا بیمار تھا لیکن اول تو ساتھ کے وزیروں سے ملنا موقوف ہوا بلکہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری سے بھی اُس نے معذرت کی اور پھر پارلیمنٹ میں آنا جانا بلکہ خطوں کا جواب دینا بھی چھوڑ دیا اور اپنے گاؤں میں یا باتھ چلا گیا اور آخر میں سرکاری معاملات سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی۔

پیٹ کے اس طرح ہٹ جانے سے وزارت کا کوئی سر دھرا نہ رہا کیونکہ گریفٹن لائق ہونے کے باوجود کوئی خاص رسوخ و اثر نہ رکھتا تھا۔ پس وزارت کی نہ کوئی معین حکمت عملی رہی نہ باہمی یک جہتی۔ ظریف و متلون مزاج وزیر مال (چارلس ٹاونزنڈ) کو دار العوام کی مخالف رائے سے جس نے سرکاری مالیہ گھٹا کر ۴ شلنگ کی بجائے تین شلنگ فی پونڈ قرار دیا، بڑی پریشانی ہوئی لہذا پھر امریکہ پر نظر دوڑائی اور شیشہ، کاغذ، رنگ، چائے وغیرہ پر کروڑگیری لگا دی جس سے چالیس ہزار پونڈ سالانہ وصول ہونے کا تخمینہ تھا۔ قرار پایا کہ یہ آمدنی نو آبادیوں کے والی اور حکام عدالت کی تنخواہوں میں، اور جو کچھ بچے وہ وہاں کے فوجی مصارف میں لگا دی جائے۔ ایک اور ذریعۂ آمدنی یہ نکلا کہ بعض مراعات کے عوض میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے چار لاکھ پونڈ سالانہ ٹھیرا لیے گئے۔ مگر اسی ستمبر ۱۷۶۷ء میں ٹاونزنڈ بخار سے فوت ہو گیا۔ اس ناگہانی واقعے سے وزارت میں اور بھی خلفشار مچا۔ چیٹھم کی طرف سے مطلق سکوت تھا لہذا گریفٹن کو چار و ناچار بیڈفرڈ کی جماعت سے ساز باز اور جیکوبی فرقے کے امیر گلفرڈ کے بیٹے لارڈ نارتھ کو بھی شریک وزارت کرنا پڑا۔

ولکس مارچ ۱۷۶۸ء میں عام انتخابات ہوئے۔ اس موقع پر ولکس، پیرس سے واپس آیا۔ لندن میں بہت سی رائیں حاصل کیں اور حلقۂ مڈلسکس کی طرف سے مظفر و منصور منتخب ہو گیا۔ اس کے حامی "ولکس اور آزادی" پکارتے پھرتے تھے۔ لیکن اُس نے اپنے آپ کو شاہی عدالت کے حوالے نہ کر دیا اور اسی عدالت کی حوالات میں رکھا گیا کہ ہتک عزت کے سابقہ جرم کا فیصلہ ہونے تک قید رہے۔ ۱۰ مئی کو پارلیمنٹ منعقد ہوئی اور

باب سوم

ادھر ایک مجمع نے جو ولکس کے رہا نہ کیے جانے پر سخت برافروختہ تھا، حوالات کے سامنے وہ ہنگامہ مچایا کہ فوج طلب کرنی پڑی۔ قانون بلوہ پڑھ کر سنادیا گیا اور پھر سپاہیوں نے گولیاں چلائیں جس سے کوئی بیس آدمی مارے گئے۔ تقدیر کی خرابی کہیے یا سوئے اتفاق کہ یہ سپاہی ایک اسکوٹی رجمنٹ کے تھے اور شاہی معتمد کا ایک خط بھی ولکس کے ہاتھ پڑ گیا جس میں حاکم عدالت کو حکم دیا گیا تھا کہ ضرورت پڑے تو فوج کو طلب کرلے۔ اب ولکس نے اسکوٹوں کے خلاف اور بھی سخت حملہ کیا اور فوج کے سردار وزیر متعلقہ کے "خونی جھنڈے" کو خوب خوب صلواتیں سنائیں۔ وہ عدالت میں پیش ہوا تو سابقہ بدزبانیوں پر ایک ہزار پونڈ جرمانہ اور ۲۲ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ عدالت نے ولکس کو روتشہیر کرانے کی جرأت نہ کی۔ پھر بھی لوگوں کے نزدیک یہ سزا بالکل معاندانہ تھی اور ولکس اور اس کا نمبرہ۴ اتنے مقبول ہوئے کہ لندن کے پندرہ پندرہ میل تک کوئی دیوار اور گاڑی ایسی نہ تھی جس پر یہ ہندسہ نہ لکھ دیا گیا ہو حتیٰ کہ آسٹریا کے سفیر کو پالکی گاڑی سے لوگوں نے کھینچ کر نیچے اتارا اور جوتے کے تلے پر کھریا سے یہی پُراسرار ہندسہ لکھ کر چھوڑا۔ یہ طوفان پورے زور پر تھا جبکہ چیتھم نے استعفا داخل کردیا اور بہت سے لوگوں کو خیال ہوگیا کہ شفا یابی سے بڑھ کر وہ ایسے ہی نظر فریب موقع کی گھات میں تھا اور فوراً افواہ اڑگئی کہ وہ اتنا تندرست ہوگیا ہے کہ عنقریب حکومت کا نقاد بن کر پارلیمنٹ میں آجائے گا۔

ولکس اور مڈلسکس

ادھر ولکس کے معاملے نے وزیروں کو بھی پریشان کر رکھا تھا۔ گرافٹن اُسے خوشی سے معافی اور اپنی اصلی سطح پر گرجانے دیتا۔ مگر بادشاہ اس قصے کو اپنی ذات سے متعلق سمجھتا تھا اور مصر تھا کہ اسے پارلیمنٹ سے نکال دیا جائے چنانچہ بتاریخ ۳ فروری ۱۷۶۹ء اُسے سابقہ بدزبانی اور وزیر متعلقہ کے خلاف حالیہ نکتہ چینی کی بنا پر پارلیمنٹ سے نکالا ملا مگر ۱۶ر کو دوبارہ وہ بلامزاحمت منتخب ہوگیا۔ دوسرے ہی دن پارلیمنٹ نے ۸۹ کے مقابلے میں ۲۳۹ آرا سے فیصلہ کیا کہ وہ اس مجلس میں بیٹھنے کے لایق

باب سوم

نہیں ہے لیکن دوبارہ پھر ولکس کا انتخاب ہوا اور کسی دوسرے شخص نے مقابلہ تک نہ کیا۔ یہ انتخاب بھی باطل قرار دیا گیا اور آخر چوتھے انتخاب میں کرنل لٹ رل مقابلے میں استادہ ہوا اور گو ولکس کو ۱۱۴۳ رائیں ملیں اور اُس کے حریف کو صرف ۲۹۶۔ تاہم دارالعوام میں ۱۴۳ کے مقابلے میں ۱۹۷ رایوں سے فیصلہ کیا گیا کہ رکنیت رلٹ رل ہی کو دی جائے۔ یہ سراسر آئین کے خلاف بات تھی کیونکہ ولکس کا انتخاب نا جائز بھی، لٹ رل کا کثرت آرا رکھنا ثابت نہ تھا۔ چنانچہ وھگ فرقے کی قریب قریب تمام ممتاز جماعتوں نے حکومت پر لعن طعن کی جن میں چے ٹم کے احباب کے علاوہ، کون وے، برک۔ گرین وِ یل، بیرے اور دارالامرا میں شیل برن اور ٹیمپل قابل ذکر ہیں۔ باہر بھی حکومت سخت نامقبول تھی۔ گریف ٹن کی لیاقت یا کردار کا کوئی ادب و لحاظ نہ کرتا تھا۔ بار بار بلوے ہوتے جس سے عوام کی ناراضی اور تشدد پر آمادگی ظاہر تھی۔ ادھر اخباروں میں بے شمار خطا اور علیحدہ رسالے شایع ہو رہے تھے جو شدت میں نارتھ بری ٹن سے کم نہ تھے اور تحریر کی خوبی میں اُس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔

"جونیس" کے خطوط

ان تحریروں میں سب سے زیادہ جاذب توجہ خطوں کا وہ سلسلہ تھا جو کہ جُونیس کے دستخطوں سے اخبار پبلک اڈورٹائزر میں شایع ہوا۔ اس سلسلے کا پہلا خط نومبر ۱۷۶۸ء میں چھپا تھا۔ دوسرا مراسلہ جنوری ۱۷۶۹ء میں نکلا اور سب سے زبردست تحریر دسمبر ۱۷۶۹ء میں شایع ہوئی جس میں بادشاہ سے خطاب کیا گیا تھا۔ آخری خط جنوری ۱۷۷۲ء میں چھپا۔ ان خطوں کی اس قدر شہرت ہونے کے چند اسباب تھے: ان کا طرز تحریر بہت عمدہ تھا۔ پھر ہجو اس شدت سے کی گئی تھی کہ بدزبانی کرنے والوں کی تحریر میں بھی اتنا زور نہ تھا۔ دوسرے ان میں لوگوں کی ذاتی کمزوریوں کا پردہ فاش کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کا لکھنے والا بظاہر کوئی خاص رازداں شخص تھا۔ غرض ان خطوں کے بہت سے لوگ مشتاق ہو گئے اور وہ مُلک بھر کے اخباروں اور رسالوں میں بار بار چھپتے رہے۔

باب سوم

جونیس کی اصلیت کا آج تک پتا نہیں چلا۔ اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ وہ محکمۂ جنگ کا ایک منشی فلپ فرانسس تھا لیکن اول تو اس کے خلاف قوی شہادتیں موجود ہیں دوسرے اگر واقع میں خط اسی نے لکھے تو بھی اُس کی رہنمائی اور مدد ضرور کسی عالی رتبہ آدمی نے کی ہوگی۔ بہر حال اُس کے خطوں میں ولکس کی حمایت اور امریکی مستعمرات کی مخالفت کی گئی تھی اور غالباً عام اہل انگلستان کی رائے بالکل یہی تھی۔ اسی لیے ان خطوں کو اتنی قبولیت حاصل ہوئی۔

اس عرصے میں حکومت کے خلاف دونوں ایوانوں میں ایک مضبوط جتھا بنتا جاتا تھا۔ روکنگھم، رچ منڈ، چے ٹم اور شیل برن دار الامرا میں اور گرین ویل، بیرے اور برک دار العوام میں وزرا کے خلاف متحد ہوگئے تھے اگرچہ خود ان میں باہمی اختلاف موجود تھا۔ تاہم اس قابلیت اور اثر کے لوگوں نے مل کر حملہ کیا تو گرافٹن ڈر گیا۔ ۱۵ جنوری ۱۷۷۰ء کا دن دار الامرا میں ملک کی حالت پر بحث کرنے کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا اسی تاریخ گرافٹن مستعفی ہوگیا۔ اُس وقت اگر اہل اختلاف آپس میں مل جاتے تو بادشاہ سے اپنی من مانی شرطیں طے کرا لیتے لیکن روکنگھم اور چے ٹم میں کوئی حقیقی یکجہتی نہ تھی لہذا جارج نے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر یہ چالاکی کی کہ

لارڈ نارتھ کی وزارت لارڈ نارتھ کے ماتحت ایک نئی وزارت مرتب کرا دی۔

نیا وزیر اعظم اپنے عہد کے پارلیمنٹی مشاہیر میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ بھدّا اور کوتاہ بیں ہونے کے باوجود وہ بحث کرنے میں بہت مشاق اور کاروبار کا اچھا سلیقہ رکھتا تھا۔ مزاج خدا نے ایسا ٹھنڈا اور نیک دیا تھا کہ نکتہ چینوں کی سخت سے سخت بدگوئی کو برداشت کر لیتا اور ذرا بھی مشتعل نہ ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ظرافت و زندہ دلی کا یہ حال تھا کہ اکثر دشمنوں کی پھبتیاں انھی پر الٹ دیتا تھا۔ خانگی زندگی ایسی اچھی تھی کہ ہر شخص ستایش کرتا تھا۔ بایں ہمہ اس کی بڑی کمزوری یہ تھی کہ سہل مزاجی کی وجہ سے ایسی کارروائیاں بھی جنھیں پسند نہ کرتا تھا کر بیٹھتا اور اختلاف کی زحمت میں اپنے کو ڈالنے سے بچتا تھا۔ گر

باب سوم

یہی وہ صفت تھی جس کی بدولت بادشاہ نے اسے پسند کیا۔ کیونکہ ٹھیک وہ ایسے اطاعت پذیر آدمی کی تلاش میں تھا جو بادشاہ کی حکمت عملی کو اپنی حکمت عملی بنالے اور پارلیمنٹ میں اس کی حمایت و وکالت کی بھی کافی قابلیت رکھتا ہو۔ یہ دونوں وصف لارڈ نارتھ میں موجود تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جارج کو اپنی حکمت عملی میں امید سے بھی زیادہ کامیابی ہوئی اور گروہ اختلاف کا چند ہی روز میں تار و پود بکھر گیا۔ روکنگھم کی نکتہ چینی سست ہوگئی۔ ولکس کے اطوار نے اُسے نظروں سے گرادیا۔ گرین وایل ۱۷۷۰ء میں اور بیڈ فرڈ ۱۷۷۱ء میں فوت ہو گئے۔ اسی سال شیل برن، بیرے باہر چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نارتھ پارلیمنٹ میں سب پر چھا گیا اور چونکہ ملک میں بھی لوگ اس کی امریکی حکمت عملی کو دل سے پسند کرتے تھے لہذا مخالفین کو اپنی تائید کی بہت کم امید رہ گئی۔

نارتھ کے ابتدائی عہد وزارت میں چند واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ "جونیس" کا پتا نہ چلا تو خط چھاپنے والے (وُڈ فال) پر ہتک عزت کا مقدمہ چلایا گیا۔ مگر جوری نے اُسے ہتک عزت کی بجائے صرف چھاپنے کا مجرم قرار دیا۔ اس پر حاکم عدالت (لارڈ مینس فیلڈ) نے اعتراض کیا کہ جوری کو واقعات کے متعلق رائے دینی چاہیے نہ کہ قانون پر۔ اور اس پر ایک قانونی مباحثہ چھڑ گیا جو ۱۷۹۲ء میں فاکس کے قانون ازالہ حیثیت عرفی کا مسودہ پیش کرنے تک جاری رہا۔ اس جدید قانون کی سب گروہوں نے تائید کی اور اس میں جوری کے ایک عام فیصلہ صادر کرنے کا حق تسلیم کیا گیا۔

پارلیمنٹ کی کوائف نگاری

۱۷۷۱ء میں پارلیمنٹ کی اخبار نویسی کا مسئلہ جس نے بہت پریشان کر رکھا تھا طے ہوا۔ ۱۷۲۸ء اور ۱۷۳۸ء میں دارالعوام نے فیصلہ کیا تھا کہ پارلیمنٹ کے مباحث وغیرہ کی اشاعت، اس کے حقوق امتیازی کے خلاف ہے۔ اور عام لوگوں کو بہت ادنیٰ قسم کی خبروں پر قناعت کرنی پڑتی تھی۔ بعض تو کسی "بوتوں کی پارلیمنٹ" کے نام سے چھپتی تھیں بعض میں تقریر کرنے والوں کے نام

چھوڑ دیے جاتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی صحت کا دعویٰ نہ رکھتی تھی خبر نویس اپنے دوستوں سے تقریر کرنے والوں کی ترتیب اور استدلال کے خاص خاص عنوان دریافت کر لیتے اور باقی مطالب ناظرین کے تخیل پر چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر جونسن نے پٹ کی ایک شہرۂ آفاق تقریر کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ اُسے خود اُس نے گرب اسٹریٹ کی ایک چھت پر بیٹھ کر لکھا ہے۔ اور اقرار کیا کہ وہ عموماً دلائل کو جان کر اس طرح مرتب کرتا ہے کہ ڈھنگ کتے ذلت اٹھائیں"۔ مگر سنہ ۱۷۷۱ء میں خبر نویسوں نے یہ سب احتیاطیں بالائے طاق رکھ دیں۔ سال آیندہ دارالعوام کے ارکان کو اپنے حقوق امتیازی کی پھر فکر پڑی اور ایک شخص ہلر نامی کو اپنی تقریریں چھاپنے کی خطا پر گرفتار کر لیا۔ مگر لندن کی ایک صنعتی انجمن کا رکن تھا۔ اُس نے امیر بلد سے حفاظت کی درخواست کی۔ امیر بلد نے پارلیمنٹ کے قاصد کو پکڑوا بلایا اور (آلڈرمن ولکس کی موجودگی میں) مچلکہ طلب کیا۔ یہ سن کر مبعوثین کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے خود امیر بلد کو جو پارلیمنٹ کا رکن بھی تھا، قلعۂ لندن میں بند کرا دیا۔ لیکن اس فعل سے لوگ بہت ناخوش ہوئے اور اہل شہر کے تیور ایسے بُرے نظر آئے کہ یہ کارروائی التوا میں ڈال دی گئی۔ بہر حال خلاف قانون ہونے کے باوجود پارلیمنٹ کی خبریں عام طور پر لکھی جانے لگیں۔ اخباروں نے اس آزادی کا پورا فائدہ اُٹھایا اور چند ہی روز میں واقف کار و فہمیدہ اخبار نویس اہل الرائے کا گروہ بن گیا جو ملکی معاملات میں سمجھ بوجھ کر رائے دیتے تھے اور نظم و نسق پر بھی اس کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ مبعوثین کی روک تھام کا یہ خود ایک عمدہ ذریعہ تھا کہ سنہ ۱۷۷۰ء میں ایک اور تبدیلی کی گئی جس سے انتخابات کی خرابیوں کا کچھ نہ کچھ سدباب ہوا۔ واضح رہے کہ سنہ مذکور تک انتخابات کے متعلق سب عرضیاں خود دارالعوام میں پیش ہوتیں اور پورا ایوان تحقیقاتی جماعت بن کر اُن کا فیصلہ کرتا تھا۔ اس موقع پر ارکان اصل معاملے پر غور کیے بغیر محض فرقہ داری رائے دیا کرتے تھے۔ بارے سنہ ۱۷۷۰ء میں جارج گرین ویل نے کہہ سن کر دارالعوام کو رضامند کیا کہ ان مقدمات کے لیے ایک ذیلی مجلس مقرر کی جایا کرے اور اُس کے

باب سوم

ارکان عدل و انصاف سے کام کرنے کا حلف اُٹھائیں۔ یہ بہت بہتر صورت تھی تاہم ذیلی مجلس بھی فریقانہ اثرات سے آزاد نہ ہوتی تھی چنانچہ ۱۸۶۸ء میں فیصلہ ہوا کہ انتخابات کے مقدمے بھی معمولی عدالتیں ہی سماعت کیا کریں گی۔

۱۷۷۰ء میں برک نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام تھا "موجودہ بےچینی کے اسباب" اور اس کا مقصد اہل وطن کو یہ سمجھانا تھا کہ بادشاہ اپنے "احباب" کی وساطت سے جس طرح پارلیمنٹ اور وزیروں کو اپنے قابو میں رکھتا ہے حقیقت میں وہ طریقہ ملک کے آئینی نظام کے حق میں نہایت نقصان رساں ہے۔ یہاں مصنف کی نسبت اتنا لکھ دینا مناسب ہوگا کہ وہ آئرستان کا باشندہ اور ۱۷۲۹ء کی پیدائش تھا۔ سیاسیات سے اُس کا سب سے پہلا تعلق (سالانہ رجسٹر) کی وجہ سے ہوا جو اوّل ۱۷۵۹ء میں چھپا اور اس کے سیاسی حصے کو برک نے تحریر کیا۔ پھر وہ روکنگھم کا نجی معتمد مقرر ہوا اور ۱۷۶۵ء میں پارلیمنٹ میں داخل ہو کر بہت جلد روکنگھم کے متبعین کا ترجمان بن گیا۔ برک کے مزاج کی اُفتاد فی الحقیقت قدامت پسندی کی طرف مائل تھی۔ اہل انگلستان کا یہ دیرینہ تخیل اُس کے دل میں جما ہوا تھا کہ نظام سلطنت بجائے خود بالکل درست اور کامل ہے اور ضرورت صرف بیرونی خرابیاں دور کر دینے کی ہے۔ سیاسی مسائل پر اصولی بحث و موشگافی سے بھی اسے برطانیہ والوں کی خصوصیت کے مطابق بہت بدگمانی تھی۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُن دنوں جارج کے طرز عمل کو وہ آئین سلطنت کے واسطے خطرناک سمجھتا تھا اور اسی لیے مقاومت پر آمادہ ہوا۔ پارلیمنٹ میں اُسے کچھ بہت زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ آئرستانی لب و لہجہ قبول عام کے منافی رہا اور نارتھ کے لطائف اور فاکس کی طراری اور آتش زبانی کے مقابلے میں اس کے باقاعدہ کلمات اور پُرپیچ استعارات کی چنداں قدر نہ ہوتی تھی بلکہ اُن سے لوگ اُکتا جاتے تھے۔ البتہ تحریر میں اُسے زیادہ قدرت حاصل تھی اور وہ خطبات جن سے دارالعوام کے لوگ بھاگ جاتے اور ایوان خالی رہ جاتا، اب لوگ انھیں سیاسی حکمت و دانش کا خزانہ سمجھ کر مطالعہ کرتے ہیں۔ انھی سے یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے کہ برک اور اُس کے گروہ کو اپنے زمانے میں

باب سوم

کچھ بہت وقعت حاصل تھی؛ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا۔

۱۷۷۲ء میں جارج نے لارڈ نارتھ کو قانون تزویج شاہانہ وضع کرنے پر مجبور کیا۔ سبب یہ تھا کہ بادشاہ کے بھائیوں (امیر کبیر کمبرلینڈ اور امیر کبیر گلوسٹر) نے جو شادیاں کیں وہ پسندیدہ نہ تھیں اور جارج چاہتا تھا کہ آیندہ فرماں روائے وقت کو ایسی شادیاں منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے۔ نئے قانون کی رو سے جارج ثانی کی اولاد میں سوائے ان شہزادیوں کے جو بیرونی رئیسوں یا بادشاہوں سے بیاہی ہوئی ہیں کسی اور کو یہ مجاز نہ تھا کہ پچیس سال کی عمر کے اندر بغیر بادشاہ کی اجازت کے شادی کر سکے۔ اور پچیس سال کے بعد بھی لازم تھا کہ شادی کرنے والا اپنے ارادے کی ایک سال پہلے مجلس شاہی کو اطلاع دے اور اس رشتے کے خلاف پارلیمنٹ میں کوئی عرضی پیش نہ ہو، تب وہ شادی کر سکتا تھا مگر جارج کے مدعا کے خلاف اس قانون کے بہت برے نتائج مرتب ہوئے۔ قریب قریب اس کے سب بیٹوں نے ان ضوابط کے خلاف شادیاں کیں اور بعد میں اسی قانون کی بنا پر انھیں منسوخ کرا دیا جو انصاف و اخلاق کے سراسر خلاف تھا۔

چارلس جیمز فاکس

فاکس (لارڈ ہولینڈ) کے منجھلے بیٹے چارلس جیمز فاکس نے اس قانون کی سخت مخالفت کی۔ یہ نوجوان اب پارلیمنٹ کے میدان میں نمایاں حصہ لینے لگا تھا۔ وہ ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا۔ ایٹن اور آکسفرڈ میں تعلیم پائی۔ ہر قسم کی عیاشی میں مبتلا ہونے کی والدین کی طرف سے اجازت بلکہ باپ کی طرف سے ترغیب ملتی تھی۔ تاہم بقول خود وہ "بہت محنت پسند آدمی" تھا اور کسی نہ کسی طرح یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور اطالی زبانیں خوب سیکھ گیا اور ہر قسم کی ورزش یا کھیل جس میں شرکت کی اس کا بڑا ماہر ہو گیا۔ پارلیمنٹ میں، اس نے چند ہی روز میں دکھا دیا کہ اعلیٰ درجے کا مناظر ہے۔ اس کا جسم ذرا موٹا اور قد پستہ تھا، کالے بال اور سانولے رنگ سے چہرا غضب نظر آتا تھا، مگر ان بدنمائیوں کے باوجود اسے وہ رسوخ حاصل ہو گیا کہ بہت سے وجاہت ظاہری رکھنے والے اس مرتبے کی آرزو ہی کرتے رہے ہوں گے۔ مزید برآں، ہرچند باپ کی صحبت میں تنگ چشمانہ خود غرضی اور عہدہ پرستی کی تعلیم

باب سوم

اُسے ملی تھی تاہم اُس کی عقل سلیم اور شریفانہ فطرت اُس کی نگاہ میں وسعت پیدا کیے بغیر نہ رہی۔ زیر نظر زمانے تک وہ لارڈ نارتھ ہی کا پیرو شمار ہوتا تھا۔ جن دنوں وطن میں یہ ہو رہا تھا، اُس وقت امریکہ کے معاملات برابر حکومت کی توجہ اپنی طرف کھینچتے رہے۔ ٹاون زنڈ کے محاصل پر

امریکی مستعمرات

مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا تھا۔ آبادکاروں نے قریب قریب کامل اتفاق کے ساتھ انگلستان کا مال لینا ترک کر دیا۔ میسا چیسیٹ کے لوگ ایک پُرشورش تحریک میں سرغنہ بن گئے جس کا منشا یہ تھا کہ برطانیہ کو محصول لینے یا قانون بنانے کا اختیار ہی باقی نہ رہے۔ گریفٹن کی وزارت میں اس شورش کا جواب یہ دیا کہ فوج کی تعداد و قوت بڑھا دی۔ ۱۷۶۸ء میں دو ہزار جوان بوسٹن بھیجے گئے اور اس نوآبادی میں کل برطانوی سپاہ دس ہزار ہو گئی۔ بیڈفرڈ کے متبع وزیروں کی رائے یہ تھی کہ اہل شورش کو پکڑ کر انگلستان لایا جائے اور ہینری ہشتم کے عہد کے ایک قانون کے تحت میں اُن پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جائے۔ یہ قانون ایسے باغیوں کے واسطے تھا جو "ممالک محروسۂ شاہی" کے باہر بغاوت کا ارتکاب کریں اور ظاہر ہے کہ اسے امریکہ والوں پر چسپاں کرنا سراسر بے محل تھا۔ برطانی سپاہیوں کے آنے سے بوسٹن والے اور بھی خفا ہو گئے اور انھیں طرح طرح سے ستانے اور ذلیل کرنے لگے۔ پھر جب ۲ مارچ ۱۷۷۰ء کے دن سات سپاہیوں کی ٹکڑی نے ایک مجمع کے تیور بگڑے ہوئے دیکھ کر حفاظت خود اختیاری میں گولیاں چلائیں اور پانچ آدمی مارے گئے تو اس واقعے کو بڑھاتے بڑھاتے "قتل عام" مشہور کیا گیا اور اسی حیلے سے مطالبہ پیش ہوا کہ تمام برطانی سپاہ ہٹا لی جائے۔

نارتھ کی مصالحانہ روش

نارتھ برسر اقتدار ہوا تو اُس نے مصالحانہ طرز عمل اختیار کیا کہ شاید اسی ذریعے سے کامیابی ہو جائے۔ چنانچہ چائے کے نہایت قلیل (یعنی تین پینی فی پاونڈ) محصول کے سوا باقی سب محصول منسوخ کر دیے۔ اور چائے کا محصول بھی محض بادشاہ کے کہنے سے باقی رکھا تاکہ ایک نظیر رہے کہ برطانیہ کو اصولاً محصول لگانے کا حق ہے۔

باب سوم

مگر ساتھ ہی اندیشے رفع کرنے کی غرض سے ایک مراسلہ جاری کیا جس میں حتمی عہد تھا کہ حکومت برطانیہ آیندہ امریکا سے کچھ وصول نہ کرے گی۔ اس کے معنیٰ یہ تھے کہ ٹاون زنڈ اور گرین ویل کی تجویز کہ امریکا کے فوجی اور دیوانی مصارف کے لیے وہاں سے برطانیہ براہ راست روپیہ وصول کرے، ترک کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ بوسٹن سے برطانی سپاہی واپس بلا لیے گئے۔ حکومت کی یہ نئی حکمت عملی خاصی طرح کامیاب رہی اور کچھ زمانے تک اہل انگلستان سمجھتے رہے کہ ممکن ہے امریکا والوں کی شورش بالکل فرو ہو جائے لیکن دو واقعے ایسے پیش آئے جن سے یہ امکان غارت ہو گیا۔

ہچنسن کے خطوط

ہچنسن، میساچیسٹ کا صوبہ دار تھا اور امریکی نژاد ہونے کے باوجود آبادکاروں کی شورش کے سراسر خلاف تھا۔ اس نے انگلستان کے نائب معتمد اور اپنے دوست وھیٹ لی کو خانگی طور پر مسلسل کئی خط تحریر کیے جن میں بڑے شد و مد سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سوال اُٹھایا کہ تین ہزار میل دور کی کسی نوآبادی کا وہی آزادیاں پانا جو وطن آبائی کو حاصل ہیں، کس حد تک جائز ہو گا۔ وھیٹ لی کی وفات کے بعد یہ خط میساچیسٹ کے وکیل (متعینۂ لندن) بنجمن فرنکلن کے ہاتھ پڑ گئے اور اُس نے انھیں امریکا بھجوا دیا حالانکہ یہ ایسی رازشکنی تھی جس کے جواز کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ امریکا میں ان خطوں کے چھپنے سے سخت غیظ و غضب برپا ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں ایک محضر لکھا گیا کہ ہچنسن کو صوبہ داری سے الگ کر دیا جائے۔ اس محضر کی سماعت مجلس خاص میں ہوئی جہاں فرنکلن موجود تھا۔ دوران بحث میں سرکاری مشیر قانونی وے ڈربرن نے بحیثیت نمایندے کے الزام لگایا کہ فرنکلن چور ہے۔ امریکا والوں کی درخواست "بے بنیاد، تکلیف دہ اور فضیحت آمیز" قرار دے کے رد کر دی گئی۔ فرنکلن، وے ڈربرن کے حملے پر بہت جلا اور اُس دن جو بادامی کوٹ پہنے ہوئے تھا، اُسے اُتار دیا اور پھر اُس وقت پہنا جبکہ نوآبادیوں کی خودمختاری کے عہدنامے پر دستخط لیے گئے۔

ادھر بعض ایسے اسباب سے جن کا منشا ہرگز دق کرنا نہ تھا، تازہ فساد

پیدا ہوگئے۔ ۱۷۷۳ء میں لارڈ نارتھ کی وزارت نے ایک قانون نافذ کیا جس کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیارات محدود کرنا منظور تھا۔ اس کے عوض میں کمپنی کو اجازت دی گئی کہ انگلستان چائے لائے اور وہاں محصول ادا کیے بغیر امریکا دساور بھیج دے۔ اس طرح انھیں بھی نفع تھا اور امریکا والوں کو بھی ارزاں چائے مل سکتی تھی۔ لیکن امید کے بالکل خلاف، امریکا والوں نے اُسے محض فریب سمجھا اور خیال کیا کہ چائے کا محصول خود اُن سے ادا کرانا مقصود ہے۔ چنانچہ بوسٹن کی بندرگاہ میں جہاز کھڑے ہوئے تھے کہ بہت سے نوجوان امریکا کے دیسی باشندوں کا بہروپ بھر کر جہازوں میں آچڑھے اور ساری چائے اُٹھا کر پانی میں پھینک دی۔

قوانین میساچسیٹ

اس مفسدانہ حرکت کو انگریزی حکومت نے سخت سزا کے لائق سمجھا اور تین جبری قوانین پارلیمنٹ میں پیش کیے پہلے میں بوسٹن سے محصول خانہ نیوسیلم میں منتقل کرنے کی تجویز تھی تاکہ بوسٹن کی بندرگاہ تباہ و خراب ہو جائے۔ دوسرے میں میساچسیٹ کا دستوری آئین معطل کرکے اس صوبے کو براہ راست بادشاہ کے زیر حکومت لے لیا تھا۔ تیسرے میں تجویز تھی کہ امریکا میں بغاوت کے ملزموں کا مقدمہ انگلستان میں سماعت کیا جائے۔ ان مسودات کی شیل برن اور روکنگھم نے دارالامرا میں اور باری و برک نے دارالعوام میں مخالفت کی۔ نوجوان فاکس کا باپ ۱۷۷۴ء میں فوت ہوا اور اُسے اپنی رائے کے موافق کام کرنے کی آزادی حاصل ہو گئی اور وہ بھی اہل اختلاف کا موئید ہو گیا۔ بلکہ آیندہ سے روکنگھم کی جماعت کے ساتھ کام کرنے لگا۔ بہر حال، ان قوانین کا نفاذ امریکی نوآبادیوں سے جنگ ٹھن جانے کے مترادف تھا کیونکہ وہاں کے جوش و خروش سے جو لوگ واقف تھے، وہ پورا یقین رکھتے تھے کہ آبادکار مذکورہ قوانین کو تسلیم کرنے کی بجائے لڑائی لڑنے کو ترجیح دیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ انگلستان میں نوآبادیوں کے متعلق سخت بےخبری پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی جبکہ برق و دخان کی اتنی آسانیاں حاصل ہیں نوآبادیوں کی ضروریات

باب سوم

اور اصلی حالات کا صحیح علم شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن اُس زمانے میں تو اور بھی تاریکی تھی کم و بیش ۶ ہفتے میں جہاز امریکا پہنچتا تھا کئی سال سے لوگوں کا وہاں ہجرت کرکے جانا بھی کم ہوگیا تھا سیر و سیاحت کے لیے امریکا جانا آجکل عام ہوگیا ہے مگر اُس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور خود امریکا والوں میں سے بجز تاجروں کے بہت ہی کم لوگ یورپ آئے گئے تھے۔ ارباب بست و کشاد تک جن کے ہاتھ میں نو آبادیوں کی حکومت تھی، وہاں کے احوال سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے البتہ برک اور شیل برن کو ہم مستثنیٰ کر سکتے ہیں کہ ایک تو بیسا چسیت کی ضروریات سے اتنا آگاہ تھا کہ کچھ مدت تک وہاں کا وکیل رہا اور دوسرا (شیل برن) فرنکلن کا بڑا دوست تھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ عام اہل انگلستان امریکا والوں کی حرکتوں کو سخت گستاخانہ سمجھ کر اس درجہ برہم ہو گئے تھے کہ نو آبادیوں کے خیالات کی ترجمانی کرنا دشوار ہوگیا تھا کیونکہ جو ایسا کرتا اُس پر ضرور وطنی جذبات سے عاری ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا۔ بحالیکہ اُن لوگوں کی ہر طرف تعریف ہوتی جو سخت لب و لہجے میں امریکا والوں کے طرز عمل پر نفرین کرتے تھے۔ ان حالات میں صرف بادشاہ بلکہ اُس کے وزرا کو بھی امریکا سے تحصیل زر کی کوشش کا ملزم قرار دینا محض لغو ہے۔ حقیقت میں امریکا کے ہاتھ سے نکل جانے کی قصوروار پوری قوم ہے جو حکومت کی زور دار کارروائیوں پر تحسین و آفرین اور مصالحانہ روش کی عیب جوئی کرتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ تعصب، ناواقفیت اور جھوٹی حب وطن ان تمام غلطیوں کی بنیاد تھی۔

لڑائی کا آغاز

لڑائی کا امکان دیکھ کر صوبہ دار ہچنسن کی جگہ سپہ سالار گیج کو بوسٹن میں مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ آدمی تو خوش نیت و دلیر تھا لیکن ایسے نازک وقت میں جتنی مستعدی کی ضرورت تھی وہ اس میں نہ تھی بیسا چسیت کے دستوری آئین کے معطل ہونے کی اطلاع آتے ہی گیج نے مجلس وضع قوانین کو توڑ دیا لیکن ارکان مجلس حکومت کے علی الرغم چند میل اندر کون کورڈ کے مقام میں مجتمع ہوئے اور وہاں اُنھوں نے ایک ملکی فوج مرتب کر لی (جس میں یہ انتظام بھی رکھا تھا کہ اطلاع پاتے ہی جنگ کے لیے فوراً سپاہی حاضر ہو جائیں) اور جنگ کا ساز و سامان جمع کرنا شروع کیا۔

باب سوم

یہ دیکھ کر گیج خاموش نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اُس نے ایک دستہ روانہ کیا کہ ان حربی ذخیروں کو چھین لیا جائے۔ ان پر راستے کے لیک سنگ ٹن گاؤں میں ملکی فوج کی ایک جماعت حملہ آور ہوئی اور گو سرکاری لشکر کون کورڈ پہنچ گیا اور جنگی ذخیرے بھی چھین لیے یا جلا دیے گئے، تاہم واپسی میں اسے تمام راستے لڑنا پڑا اور پورے دو سو ستر سپاہی ضایع ہوئے۔ اس طرح امریکا والوں کو لیک سنگ ٹن کی معمولی جھڑپ سے بھی یہ سبق مل گیا کہ گو وہ باقاعدہ فوج کا میدان میں جم کر مقابلہ نہ کر سکیں، پھر بھی چھپ کے لڑنے یا بیقاعدہ لڑائیوں میں انھی کی جیت رہے گی۔ دوسرے اسی آویزش نے صلح صفائی سے بات طے ہو جانا اور بھی دشوار کر دیا۔ اور ہر چند دونوں ملکوں میں بہت سے نیک مزاج اشخاص چاہتے تھے کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے لیکن حقیقت میں اب مستعمرات اور وطن مادری میں قوت آزمائی ناگزیر ہو گئی تھی۔

گیج فوراً سرکوبی کرنے کی بجائے بوسٹن میں خاموش رہا تو خود ملکی فوج نے مسابقت کی اور بوسٹن کی بندرگاہ کے سامنے ایک پہاڑی تک بڑھ آئے جسے بریڈ کی پہاڑی کہتے تھے۔ شہر بوسٹن اس کے نیچے سامنے نظر آتا تھا۔ اور عقب میں ایک اور اونچی پہاڑی بنک کی پہاڑی کہلاتی تھی۔ بلکہ انگریز دونوں پہاڑیوں کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ دیدہ دلیری دیکھ کر گیج نے ہاتھ پاؤں

بنک کی پہاڑی

ہلائے اور پہاڑی پر یورش کر کے اُسے چھین لیا مگر یہ سارا کام اس بھونڈے پن سے کیا کہ تقریباً ایک تہائی انگریزی فوج تلف ہو گئی حالانکہ معمولی نقل و حرکت دکھا کر بغیر نقصان اُٹھائے پہاڑی خالی کرا لینا ممکن تھا۔ اسی کے بعد گیج واپس بلا لیا گیا اور سپہ سالار ہاؤ نے اس کی جگہ لی۔

اب تک اس کشاکش کا سارا بوجھ میساچسیٹ والوں نے اٹھایا تھا۔ مگر ۱۷۷۵ء کے موسم بہار میں فلیڈلفیا کے مقام پر ایک موتمر منعقد ہوئی جس میں سب سے نئی (یعنی سنہ ۱۷۳۲ء کی) نو آبادی جارجیا کے سوا، تمام نو آبادیوں کے مندوب شریک تھے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ آیندہ مستعمرات متحدہ کے

باب سوم

اتحاد مستعمرات نام سے سب آبادیاں مل کر کام کریں گی۔ یہ فیصلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ امریکی نوآبادیاں اپنی تاریخ اور نوعیت کے اعتبار سے اتنی مختلف تھیں کہ انگلستان سے لڑنے میں اگر ہر نوآبادی جداگانہ راستہ اختیار کرتی تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ کناڈا کا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو جانا بھی بہت اہم تھا۔ یہ علاقہ تھوڑے ہی دن پہلے فرانس سے لے لیا گیا تھا اور اس لیے بہت ممکن تھا کہ وہاں کے لوگ انگلستان سے بددل ہوتے۔ مگر لارڈ نارتھ نے عقلمندی سے **قانون کوبک** منظور کرالیا تھا جس کی رو سے اہل کناڈا کو اپنے قوانین اور کیتھولک مذہب کی پیروی کی کامل آزادی مل گئی اور چونکہ انہیں سب سے زیادہ خوف یہی تھا کہ کہیں نیو انگلینڈ کے پیوری ٹن فرقے کا اُن پر تسلط نہ قائم ہو جائے، لہٰذا قانون مذکور سے وہ بہت خوش ہو گئے اگرچہ پیوری ٹن فرقہ اس قانون کو پاپا پرستی وغیرہ ناموں سے یاد کرتا اور صلواتیں سناتا رہا، بہرحال مستعمرات کی جنگ میں کناڈا تاج برطانیہ کا وفادار رہا۔

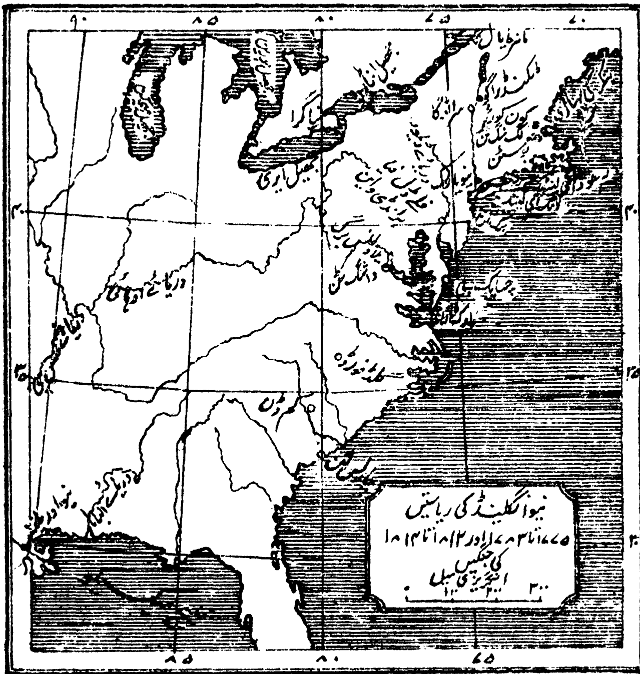
جارج واشنگٹن مل کر کام کرنے کا تہیہ کرتے ہی، موتمر کی طرف سے جارج واشنگٹن سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ یہ شخص ورجینیا کا زمیندار اور نہایت شریف آدمی تھا جس کی سادگی، جرأت، اور کھلی ہوئی بے لوث دیانت عمل سے پوری تحریک میں وقار پیدا ہو گیا اور جمہوری سردار و سپاہی ہر شخص جس سے اُسے سابقہ پڑا وہ اس کا ادب کرنے لگا۔ اس کے عہدہ قبول کر لینے کے معنٰی یہ تھے کہ جنوبی نوآبادیاں لڑائی میں پورا حصہ لیں گی اور جب لڑائی شروع ہوئی تو فی الواقع وہاں سے فوجی اور ملکی عہدہ داروں کی بہت معقول تعداد مہیا ہو گئی۔ خود واشنگٹن ۱۷۷۵ء میں تینتالیس برس کا تھا اور جنگ ہفت سالہ میں بریڈک کے ماتحت لڑ چکا تھا لہٰذا اُسے شہری سپاہیوں کے اوصاف و اسقام سے بخوبی واقفیت تھی جو اب اس کے زیر علم جنگ کرنے والے تھے۔ غرض واشنگٹن سے بہتر آدمی کا انتخاب نہ ہو سکتا تھا۔ اسی فیصلے کے ساتھ موتمر نے آرنلڈ اور مونٹ گمری کے تحت میں کناڈا پر فوجی مہم بھی تیار کی تھی مگر اس میں سراسر ناکامی نصیب ہوئی۔

باب سوم

اور مونٹ منگمری، کوئی بیک کے سامنے مارا گیا۔ واشنگٹن جیسا حیثیت پہنچا تو اُسے پوری ذہانت و قابلیت خرچ کرنی پڑی کہ کسی طرح اپنی فوج میں جس میں بھانت بھانت کے آدمی بھرے ہوئے تھے، کوئی ضبط و ترتیب پیدا کرے۔ لیکن حریف سپہ سالار (ہاؤ) کی سہل انگاری کی بدولت اس کی فرصت مل گئی کیونکہ ہاؤ جاڑوں بھر بوسٹن میں مقیم رہا۔ جب فوج کوچ کے قابل ہو گئی تو خود واشنگٹن آگے بڑھا اور ڈورچیسٹر کی بلندیوں پر قابض ہو گیا جہاں سے خاص بوسٹن پر نظر پڑتی تھی۔ کسی نامعلوم سبب سے ہاؤ نے اُسے لڑ کر ہٹانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود اپنے لشکر کو ہٹا کر لونگ آئی لینڈ میں لے آیا جو دریائے ہڈسن کے دہانے میں واقع اور اب برک لین کے نام سے نیویارک کے بہت آباد مضافات میں ہے۔ یہاں پہنچ کر اُس نے تیس ہزار سپاہی فراہم کیے جو مختلف قوموں کے تھے کیونکہ معلوم ہوتا تھا کہ حکومت برطانیہ مستعمرات والوں کو گویا اور بھی جلانے کے لیے ہیس کے اجیر سپاہیوں کو لڑانے لائی تھی اور دیسی وحشیوں تک کو اُبھار رہی تھی کہ نوآبادیوں پر پہلے کی طرح چھاپے ماریں۔

اعلان خود مختاری بوسٹن کے تخلیے سے موتمر والوں کی اتنی ہمت بڑھی کہ اُنھوں نے دلیری سے نوآبادیوں کی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اُنھیں "امریکا کی آزاد اور خود مختار ریاستوں" کے نام سے یاد کرنے لگے۔ ادھر ۱۷۷۶ء میں بھی واشنگٹن ہی نے پہل کی اور بڑھ کر لونگ آئی لینڈ سے انگریزوں کو نکال دینے کی کوشش کی۔ مگر برک لین کی میدانی جنگ میں باقاعدہ فوج نے اہل مستعمرات کو شکست فاش دی اور واشنگٹن بڑی دقت سے اُنھیں ہٹا کر پہلے نیویارک اور پھر فلے ڈل فیا لا سکا۔ دوسرے سال انگریزوں نے وسیع پیمانے پر حملے کا منصوبہ بنایا کہ ہاؤ نے تو فلے ڈل فیا پر حملے جاری رکھے اور جنرل برگوئن کناڈا سے جھیل شامپ لین اور پھر ہڈسن کے کنارے کنارے بڑھ کر جنرل کلن ٹن سے آملا جو نیویارک کی طرف سے پیشقدمی کرنے والا تھا۔ اگر ان منصوبوں میں کامیابی ہو جاتی تو واشنگٹن کو جنوب میں پسپا ہونا پڑتا اور نیوانگلینڈ کی ریاستیں دوسری نوآبادیوں سے بالکل الگ ہو جاتیں لیکن یہ نقشے بناتے وقت

باب سوم


نیو انگلینڈ کی ریاستیں
۱۷۷۵ تا ۱۷۸۳ اور ۱۸۱۲ تا ۱۸۱۴
کی جنگیں
انگریزی میل
۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰
۹۰ ۸۵ ۸۰ ۷۵ ۷۰
۴۰ ۳۵ ۳۰
دریائے اوہائیو
نیاگرا
جھیل ایری
نیو یارک
واشنگٹن
بوسٹن

باب سوم

فاصلے کی دشواریوں اور سفر کی مشکلات کا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ کہتے ہیں اس قصور کا اصلی ذمہ دار جارج جرمین تھا جس کا پہلا لقب لارڈ جارج سیک وِل زیادہ مشہور و بدنام ہے۔ لارڈ نارتھ نے کمال بے عقلی سے اس شخص کو معتمد یا وزیر مستعمرات مقرر کر دیا تھا۔ بہرحال "ہاؤ" نے تو اپنا مفوضہ کام انجام دے دیا۔ لیکن برگوئن سراٹوگا پہنچا تو اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کے مقابلے میں حریف (گیٹس) کے پندرہ ہزار سپاہی سامنے آئے اور برگوئن کو مجبوراً ہتھیار ڈال دینے پڑے۔

ممالک غیر کی شرکت

برگوئن کے ہتھیار ڈال دینے سے جنگی نقصان ہی کچھ کم خوفناک نہ ہوا تھا کہ سیاسی اثرات نے اور بھی لڑائی کا پانسا پلٹ دیا۔ اب تک فرانس، ہمدردی رکھنے کے باوجود اہل مستعمرات کی سعی و کوشش کو بالکل بے سود سمجھتا تھا اور اسی لیے علانیہ مدد دینے میں تامل کرتا رہا لیکن اب یہ سمجھ کر کہ وہی کامیاب ہوں گے۔ اُس نے ان کی خودمختاری تسلیم کر لی۔ واشنگٹن کی مدد کے لیے فوج دے کے ایک پُرجوش امیرزادے امیر الامرا لافایت کو روانہ کیا اور ادھر ایک بیڑا امیر البحر دستینگ کے تحت روانہ کیا کہ برطانیہ کے شکر کے جزیروں پر حملہ اور امریکا کا راستہ مسدود کر دے۔ ۱۷۷۹ء میں ہسپانیہ بھی امریکی مستعمرات سے مل گئی۔ ان دونوں ملکوں کو انگریزوں سے بہت سے بدلے نکالنے تھے۔ فرانس کے دل سے کناڈا کے چھن جانے کا زخم ابھی تک بھرا نہ تھا اور ہسپانیہ جبل الطارق اور منورکا کے جانے پر کف افسوس مل رہا تھا۔ طرفہ تر یہ کہ برطانیہ کے قدیم حلیف ہولنڈیز بھی ۱۷۸۰ء میں اُن کے حریفوں سے جا ملے جس کا سبب بالکل مختلف تھا۔ یہ قانون "غیر جانبداران" کا مسئلہ تھا کہ ہولنڈیز کہتے تھے کہ اگر فرانس و برطانیہ کی جنگ میں ولندیزی جہاز فرانس کا مال لاد کر لے جائیں تو انھیں انگریز گرفتار نہیں کر سکتے اور ادھر انگریزوں کا قول تھا کہ "غیر جانبدار جہاز" کے الفاظ کے معنی میں دشمن کا مال داخل نہیں ہے۔ عملاً اس برطانی نظریے کی بدولت برطانیہ کی ہر بڑی جنگ میں، انگریزوں کو غیر جانبداروں سے برا بنا پڑا ہے اور زیر نظر معاملے میں تو فی الواقع ہولنڈیزوں سے

باب سوم

جنگ ہی اس بنا پر چھڑ گئی - بلکہ جنگ جاری رہتی تو روس، سویڈن اور ڈینمارک سے بھی ہو پڑتی جو غیر جانبداری کے باوجود آپس میں مل کر مسلح ہو گئے تھے - القصہ، جب فرانس نو آبادیوں کا رفیق ہوا تو انگلستان میں بہت اختلاف آرا پیدا ہو گیا کہ اب کیا کیا جائے - امیر کبیر رچ منڈ ریاست ہائے متحدۂ امریکہ کی آزادی تسلیم کر لینے پر آمادہ تھا - بادشاہ چاہتا تھا کہ آخر تک لڑ کر معاملے کا فیصلہ کیا جائے اور اُس نے لکھا کہ "میرے گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ یہ ملک (= انگلستان) خود شناسی کے احساس سے اس درجہ عاری ہو جائے گا کہ امریکا کی خود مختاری تسلیم کر لے۔" چے ٹم اور شیل برن اب تک امید رکھتے تھے کہ افتراق کلی کی نوبت نہ آنے پائے گی اور اسی لیے اُن کی رائے یہ تھی کہ امریکا والوں کے تمام سابقہ مطالبات مان لیے جائیں مگر جنگ جاری رہے - چنانچہ ۱۷۷۸ء میں رِچ منڈ نے دارالامرا میں تحریک پیش کی کہ امریکا والوں کو آزادی دیدی جائے تو چے ٹم خاص اس غرض سے کہ برطانیہ کی "قدیم و عالی مرتبہ بادشاہی کی قطع و برید کے خلاف" اپنی آواز بلند کرے، ایوان میں آیا اور جوش و ہیجان کی حالت میں تقریر کی حتیٰ کہ اس پر دورہ پڑ گیا اور وہ ایوان ہی میں غش کھا کے گر پڑا اور مکان پر لایا گیا تو پھر جاں بر نہ ہوا - البتہ اُس کا احتجاج کامیاب ہوا اور جنگ جاری رکھی گئی -

ادھر ملک پر جو طرح طرح کی مصیبتیں آئیں تو حکومت وقت کی مخالفت بڑھی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چے ٹم اور روکنگھم کے ڈھنگ متبعین آپس میں متحد ہو گئے - پھر بھی ہر فریق اصلاح کی جداگانہ تجویزیں پیش کرتا تھا۔ روکنگھم کی جماعت، برک کے کہنے سے یہ سمجھنے لگی تھی کہ جب تک بادشاہ کا روپے پر اقتدار، سرپرستی کے اختیارات خصوصاً معاشداروں کو حاضری سے مستثنیٰ کرنے کا طریقہ نہ روکا جائے گا، اُس وقت تک اصلاح نہ ہو گی کیونکہ انھی معاشوں اور خدمات سرکاری کا لالچ دے کر وہ دونوں ایوانوں میں اہل غرض کو اپنا طرفدار بنائے رکھتا تھا - برک کی یہ بھی بڑی خواہش تھی کہ پارلیمنٹ میں رائے دینے والوں کے نام چھاپ دیے جایا کریں

اصلاحی تجاویز

باب سوم

تاکہ ہر حلقے کے رائے دہندے مبعوثین کی رائیں اچھی طرح جانچ سکیں۔ بایں ہمہ آئین و قوانین میں کسی قسم کی اساسی تبدیلی کرنے سے برک کو سخت اختلاف تھا؛ اس کے مقابلے میں چیٹم کی جماعت جن کا سرگروہ شیل برن ہوگیا تھا، پارلیمنٹ کی اصلاح کو، خرابیوں کا اصلی علاج قرار دیتی تھی اور فرسودہ حلقوں کی رکنیتیں آباد شہروں میں منتقل کرنا چاہتی تھی۔ ہر گروہ کے خیالات کسی حد تک اپنے جماعتی اغراض پر مبنی تھے کیونکہ بادشاہ اور وزرا کا زیادہ اثر تو چھوٹے حلقوں میں تھا۔ روکنگھم جماعت کا، پرگنوں یا تعلقوں میں اور چیٹمی دھڑوں کا بڑے شہروں؛ خصوصاً لندن میں؛ معلوم ہوتا ہے کہ فاکس اصلاح کی دونوں تجویزیں پسند کرتا تھا اور پارلیمنٹ کی میقات بھی کم کرانی چاہتا تھا۔ ۱۷۸۰ء میں حامیان اصلاح کی تائید کا ایک نیا سامان یہ نکل آیا کہ پہلی مرتبہ عوام الناس کی طرف سے اصلاحات کی تائید میں، دار العوام میں محضر پیش ہوئے۔ ان میں سب سے یادگار ویسٹ منسٹر کا محضر تھا۔ اور ایک طویل عرضی یارک شر کے زمینداروں کی تھی کہ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں کم کی جائیں اور حاضری معاف وظائف موقوف کر دیے جائیں۔ یارک شر کی تائید پوری تیئیس تعلقوں نے کی تھی اور اسی پر برک کو جرأت ہوئی کہ مالی اصلاح کا ایک مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کرے۔ اس مسودے کی دونوں خواندگیاں بہ آسانی منظور ہوئیں کیونکہ اس کے اصول کی کوئی تردید نہ کرسکتا تھا۔ لیکن ذیلی مجلس میں اہل خدمات یا امیدواروں نے طبعاً ہر عملی تجویز کی مخالفت کی اور یہ مسودہ مسترد کر دیا گیا۔ برک کے مجوزہ قانون تعہد داران کا بھی یہی حشر ہوا جس سے حکومت کی رشوت دہی کا ایک قوی ذریعہ، یعنی ارکان پارلیمنٹ کو ٹھیکہ دینے کا طریقہ، مسدود کرنا مقصود تھا۔ اس طریقے کی خرابیوں کی مثال میں بیان کرتے ہیں کہ جنگلی امریکیوں کے لیے ننگ جنگی کلہاڑیاں اور استرے (Scolping Knives) فراہم کرنے کے ٹھیکے ہی میں ستر ہزار پونڈ کی گراں قدر رقم ایک مبعوث کے ہتھے چڑھی تھی۔ اصلاح خواہوں کی یوں کچھ نہ چلی تو روکنگھم جماعت کی طرف سے ڈننگ نے یہ تحریک پیش کی کہ "بادشاہ کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور بڑھ رہا ہے۔ اور اسے

باب سوم

کم کرنا واجب ہے۔ یہ تحریک پہلے سے اطلاع دیے بغیر پیش کر دی گئی تھی۔ لہذا بے خبر وزرا کے بنائے کچھ نہ بنی اور ۱۵۰ کے مقابلے میں ۲۳۳ رایوں سے منظور ہو گئی۔ برک نے بھی سال آیندہ ایک اور مسودۂ قانون تجارتی اصلاح کے واسطے پیش کیا تھا مگر یہ مسترد کر دیا گیا۔

اس عرصے میں پارلیمنٹ کی اصلاح کے طالب بھی خاموش نہیں رہے۔ اس معاملے میں سب سے اول سر فرانسس ڈیش وڈ نامی ایک ٹوری نے ۱۷۴۵ء یعنی جیکوبی بغاوت کے زمانے میں ایک تحریک پیش کی تھی مگر ظاہر ہے کہ اس وقت یہ کامیاب نہ ہو سکتی تھی اور جارج ثالث بادشاہ ہوا تو پھر ٹوری ایسی تحریک کیوں کرتے جس سے "فرسودہ حلقوں" میں کمی آجائے کیونکہ یہی حلقے تھے جہاں سے بادشاہ کے ٹوری دوست مبعوث منتخب ہوا کرتے تھے۔ برخلاف ان کے وھگ اور خاصکر چھوٹی گروہ کے لوگ، جن کی زیادہ تعداد بڑے شہروں سے آئی تھی، اپنے کو بہت نقصان میں سمجھے اور ۱۷۶۶ء میں لارڈ چیٹم نے طریق انتخاب کو آئینی دستور کا سب سے ناقص جزو قرار دیا اور تحریک کی کہ ہر تعلقے سے ایک ایک رکن اور منتخب ہوا کرے۔ ۱۷۶۸ء کے انتخاب عام کے بعد وِلکس کو بھی پارلیمنٹ میں آنے کی اجازت مل گئی تھی، اُس نے ۱۷۷۶ء میں تجویز کی کہ "فرسودہ حلقوں" کا حق انتخاب لے کر تعلقوں اور بڑے شہروں کو دے دیا جائے۔ مگر یہ تحریک رائے شماری کے بغیر ہی رہ گئی۔ شیل برن اور فاکس اس تجویز کے مؤید تھے اور دلیل پیش کرتے تھے کہ تعلقوں اور بڑے شہروں ہی سے سب سے زیادہ آزاد ارکان منتخب ہوتے ہیں لیکن راکنگھم اور برک ہر ایسی تجویز سے جو مقررہ آئین کو محض نظریات کی بنا پر بدلنا چاہے، بدگمان تھے۔ اُنھوں نے مخالفت کی۔ بایں ہمہ، فاکس کے ماموں امیر کبیر رچ منڈ کی طرف سے ۱۷۸۰ء میں یہ تحریک پیش ہوئی کہ ہر بالغ کو حق رائے دیا جائے۔ تمام انتخابی حلقے مساوی قائم کیے جائیں اور ہر سال انتخاب ہوا کرے۔ مگر اتفاق سے یہ تجویز عین اُس رات کو پیش ہوئی جس دن "گورڈنی بلوے" شروع ہوئے اور دار العوام کے ارکان قریب قریب ننگی تلواریں لیے ہوئے

باب سوم

شکست دی جس کی بدولت انگریز بنگالے کے مالک بن گئے۔ آیندہ سال کلایو پھر ہندوستان آیا اور میر جعفر اور شاہ عالم سے ایک قرار داد کر لی کہ بنگالہ، بہار اور اڑیسہ کی مالگزاری ایسٹ انڈیا کمپنی وصول کیا کرے گی اور اس کے عوض میں پانچ لاکھ اشرفی نواب بنگالہ کو اور ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ نام کے بادشاہ شاہ عالم کو ادا کیا کرے گی۔ اس انتظام سے کمپنی حقیقت میں ان تینوں صوبوں کی حکمراں ہو گئی جن کا مجموعی رقبہ مُلک فرانس کے برابر تھا۔ کلایو کا منشا یہ تھا کہ مال گزاری کی وصولی اور نظم و نسق کا سارا کام دیسیوں سے لیا جائے اور دفاعی ضروریات کے لیے ایک تنخواہ دار فوج رکھی جائے اور شاہی خراج اور فوج وغیرہ کے مصارف دے کر جو کچھ بچے وہ کمپنی کے پاس رہے۔ کلایو نے نجی تجارت کو بھی روکنا چاہا جو کمپنی کے عمال کیا کرتے تھے اور کمپنی کو بڑا نقصان پہنچاتا تھا۔ اس روک تھام کے ساتھ اُس نے تنخواہوں میں عام اضافہ کیا اور مخالفت کے باوجود فوج کی حالت میں بہت کچھ مفید اصلاحیں کرنے کے بعد آخری مرتبہ (۱۷۶۷ء میں) ہندوستان سے رخصت ہو گیا۔ اس کا قوی ہاتھ ہٹتے ہی پھر خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ مُلک کمپنی کے بھاری مالی مطالبات کا بوجھ نہ اُٹھا سکتا تھا۔ دیسی عہدہ داروں کی سخت بد دیانتی سے معاملات اور بھی ابتر تھے۔ رعایا انتہائی مصائب میں گرفتار ہو گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۷۰ء میں ایسا قحط پڑا کہ بنگالہ ویران ہو گیا۔ تب، ۱۷۷۲ء میں دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ نیا انتظام وارن ہیسٹنگز نے جاری کیا جو ۱۷۷۲ء میں کمپنی کے تینوں صوبوں کا صوبہ دار بنا کر بھیجا گیا تھا اگرچہ ان سب کو ملا کر بلا لحاظ صحت، اکثر صوبۂ بنگالہ ہی کہہ دیتے ہیں۔

وارن ہیسٹنگز وارن ہیسٹنگز، ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوا اور ویسٹ منسٹر اسکول میں کچھ وقت گزارنے کے بعد ۱۷۵۰ء میں ہندوستان بھیجا گیا۔ یہاں اس نے وہ جامع قابلیت دکھائی جو ہمارے (= انگریزوں کے) اکثر عہدہ داروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ شروع میں وہ تاجر کا کام کرتا رہا۔ ۱۷۵۶ء میں سراج الدولہ نے اسے گرفتار کر لیا تو پھر وہ ہمہ تن میر جعفر والی سازش میں شریک ہو گیا۔ نواب کی حراست سے کسی طرح بھاگ کر وہ فوج میں داخل ہو گیا اور پلاسی کے

باب سوم

میدان میں بندوق لیے موجود تھا۔ مگر اُس کی خوبیاں دیکھ کر کلایو مہربان ہوگیا اور اُس نے وارن ہیسٹنگز کو سیاسی کام سپرد کیا۔ اس میدان میں وارن ہیسٹنگز نے بہت جلد اپنے آپ کو کمپنی کا قابل ترین عہدہ دار ثابت کیا۔ بنگالے میں قحط پڑا تو وارن ہیسٹنگز انگلستان میں تھا اور وہیں سے وسیع اختیارات کے ساتھ بھیجا گیا کہ اُن خرابیوں کا جن سے اس خوفناک قحط و تباہی کی نوبت آئی تھی، انسداد کرے۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ دیسی عہدہ داروں کی بجائے جن کی نالائقی ثابت ہو چکی تھی، وصول مالگزاری اور عدالت و انتظام کے عہدے انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ ادھر اس اثنا میں پارلیمنٹ بھی کمپنی کے حالات کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہی واقعہ کہ محض تجارت کرنے والوں کی ایک جماعت لاکھوں اشخاص کے علاقے کی عملاً حاکم بن بیٹھے، سخت الجھن پیدا کرتا تھا۔ دوسرے کمپنی کے ملکی اقتدار سے حسد کرنے کے علاوہ پارلیمنٹ کو اب سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ کمپنی سے سرکاری مراعات کے عوض میں جس قدر معقول رقم مل سکے، وہ وصول کی جائے کہ خود اہل انگلستان کے محاصل کا کچھ بوجھ کم ہو۔ یہ مسئلہ برک نے اٹھایا اور پارلیمنٹ میں کمپنی اور اُس کے نوکروں کی بے پناہ طمع زر کی بڑی رنگین تصویر الفاظ میں کھینچی کہ "ان لوگوں میں ایک طرف تو اس عہد کا سارا جذبۂ حرص و آز بھرا ہوا ہے اور دوسری طرف جوانی کا اندھا دھند جوش اور انھی طوفانوں میں یہ برابر غوطے کھاتے بہے جاتے ہیں۔ اُدھر غریب دیسیوں کی نگاہ جہاں تک جاتی ہے، اُنھیں ایسے شکاری اور پھیرو پرندوں کے ایک یاس انگیز و نامتناہی سلسلے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، جن کی آتش اشتہا برابر بھڑک رہی ہے اور چارہ برابر کم ہوتے جاتا ہے۔" برک کی دوسری جادو بیانیوں کی طرح یہ بیان بھی مبالغے سے خالی نہ تھا اور جب سے کلایو کی اصلاحات عمل میں آئیں، اُس وقت سے تو اور بھی خلاف واقعہ ہو گیا تھا۔ لیکن اُس زمانے میں لوگوں کے عام خیالات یہی تھے۔ کثیر التعداد اشخاص ہندوستان سے دولت کما کر انگلستان گئے، تو معمولی سفید پوش انگریزوں سے کہیں زیادہ زردار ہوتے تھے اور اس لیے سب کی نگاہیں اُن پر پڑتی تھیں۔ دولتمندی سے

مرتبہ بڑھ جانے کے باوجود اُن کے اخلاق اکثر نئے رتبے کے شایان شان نہ ہوتے تھے اور چونکہ اپنے نسب اور تعلیم کی کمی کو وہ دولتمندی کی نمائش سے پورا کرنا چاہتے تھے، لہٰذا عام طور پر انگشت نما اور سخت نامقبول ہو جاتے اور "نباب" (= "نواب صاحب") کے نام سے اُس زمانے کے ظریف انھیں ہدفِ طعن و تمسخر بناتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پارلیمنٹ کی ذیلی مجلس جو کمپنی کے معاملات کی تحقیق کے لیے مقرر ہوئی، اُس میں کلائیو کی بھی اُس پورے گروہ کا نمونا بنا کر بڑی خبر لی گئی اور گو وہ اپنی صفائی میں کامیاب ہوا، تاہم انھی اعتراضات و الزامات نے اُس کا دل توڑ دیا اور وہ ۱۷۷۴ء میں خودکشی کر کے مر گیا۔

مگر مجموعی طور پر دیکھیے تو پارلیمنٹ کا فیصلہ انصاف و اعتدال پر مبنی تھا۔ اس اصول پر، کہ پارلیمنٹ کو کمپنی کے تجارتی معاملات میں نہیں، مگر ملکی مسائل میں دخل ہونا چاہیے، ایک "قانون تنظیمی" تیار کیا گیا۔ ہیسٹنگز ہندوستان کا گورنر جنرل (= سر صوبہ) مقرر ہوا اور اُسے احاطۂ بمبئی و احاطۂ مدراس میں بھی صلح و جنگ کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ پانچ ارکان کی مجلس انتظامی مقرر ہوئی کہ گورنر جنرل کو مدد دے۔ ان پانچ میں سے دو کمپنی کے عہدہ دار ہوتے تھے اور تین ارکان پارلیمنٹ مقرر کرتی تھی۔

ہیسٹنگز کا عہد حکومت مگر اس نئے انتظام سے بھی ہیسٹنگز کی دشواریاں کم نہیں ہوئیں۔ دیسیوں کو سرکاری خدمات سے علیحدہ کر کے وہ پہلے ہی اُن کو، خصوصاً ایک برہمن نند کمار نامی کو، بہت ناراض کر چکا تھا۔ اور ادھر مجلس انتظامی سے اُس کی اَن بن ہو گئی۔ پارلیمنٹ کے فرستادہ ارکان تُل گئے کہ اُسے کچھ کام نہ کرنے دیں۔ اس جماعت کا سرگروہ فلپ فرانسس تھا جسے اکثر "جونیس" کے خطوط کا بھی اصلی مصنف سمجھا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ اُس کے پاس روپے کی بڑی کمی تھی اور اپنے عمال کی تنخواہیں ادا کرنا اور نظائے کمپنی کے مطالبات پورا کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ بارے ۱۷۷۵ء میں نند کمار کا مقدمہ میر مجلس امپی کی عدالت میں پیش ہوا اور خیانت مجرمانہ کے جرم میں اُسے پھانسی کی

باب سوم

سنہ[1] ۱۷۸۰ء میں فرانسس وطن چلا گیا اور مجلس انتظامی کے جلسے امن سے ہونے لگے۔ لیکن روپے کی ضرورت برابر چلی جاتی تھی۔ اسی سے پریشان ہو کر ہیسٹنگز نے گورا سپاہیوں کی ایک فوج کی خدمات، عملاً نواب اودھ کے ہاتھ فروخت کر دیں جو روہیلوں کا ملک چھیننے کی طمع میں روہیل کھنڈ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ ہیسٹنگز کی مشکلات میں اور زیادہ اضافہ فرانس کے ساتھ جنگ چھڑنے سے ہو گیا اور ہندوستان کی فرانسیسی آبادیوں سے پھر وہی دیرینہ کشمکش ہونے لگی۔ سب سے بڑی پیچیدگی حیدر علی سلطان میسور سے جنگ چھڑ جانے کے باعث پیش آئی۔ حیدر علی کی شخصیت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس نے جوانی میں فرانسیسیوں کے ماتحت فوجی قواعد کی تعلیم پائی اور پھر اپنی جنگی قابلیت سے راجۂ میسور کی سپاہ میں سپہ سالار کے عہدے تک ترقی کر گیا۔ پھر اُس نے میسور کے اصلی حکمرانوں کو معزول اور خود سلطان کا لقب اختیار کیا۔ وہ اعلیٰ درجے کا سپاہی تھا اور فرانسیسیوں کی مدد سے اُس نے مدراس پر اس شد و مد سے حملہ کیا کہ ہیسٹنگز زیادہ سے زیادہ یہی کر سکا کہ دفاعی اسباب مہیا کر دیے۔

حیدر علی

غرض ان پریشانیوں میں ہیسٹنگز نے وصول زر کے نہایت قابل اعتراض طریقے اختیار کیے اور دوسری نامنصفانہ کارروائیوں کے علاوہ جبر و تہدید بیجا سے ایک بڑی رقم اودھ کی بیگموں سے وصول کی۔ بالآخر اُس کی ہمت و استقامت سے تمام دشواریاں دور ہو گئیں۔ حیدر علی کو آئیر کوٹ نے

---

[1] لارڈ مکالے نے اپنے مشہور و معروف مضمون میں جو وارن ہیسٹنگز پر لکھا ہے، اس بات کو گویا مسلم سمجھ لیا ہے کہ نندکمار کی پھانسی ایک عدالتی خون تھا۔ لیکن انگلستان کا ایک نامور حاکم عدالت، سر جیمس اسٹیفن، اپنی کتاب "نندکمار اور امپی" میں تحریر کرتا ہے کہ میرے نزدیک نندکمار کا مقدمہ بالکل منصفانہ طور پر ہوا۔ اور پھر مکالے کی رائے کی تردید کے اسباب و وجوہ لکھتا ہے۔ (جلد دوم صفحہ ۸۳ تا ۸۶) اس میں شک نہیں کہ مکالے کی پُر زور تحریر سے ہیسٹنگز کی ساری روش کے متعلق ایک غلط گمان پیدا ہو گیا ہے۔

پورٹو نووو کی لڑائی میں شکست دی (یہ پرتگیزوں کی ایک قدیم بستی تھی) اور ادھر امیر البحر ہیوز صرف نو جہازوں سے فرانس کے بارہ جہازوں کے ساتھ چار بار لڑا اور اپنے کسی جہاز کو ضایع نہ ہونے دیا۔ اس کی ان لڑائیوں سے اہل فرانس اپنے ہندی حلیف کو کوئی معقول مدد نہ پہنچا سکے اور مشرقی سمندروں میں ایسے نازک موقع پر برطانیہ کا اقتدار بھی قائم و بحال رہا۔ بایں ہمہ کمپنی کے وسائل آمدنی ان لڑائیوں کے خرچ کی تاب نہ لا سکے اور ۱۷۸۳ء میں اس کا دوالا نکلتا دیکھ کر حکومت کو مداخلت کرنی پڑی۔

فاکس کا مسودۂ قانون مخلوط وزارت نے ایک مسودۂ قانون مرتب کیا جسے برک کے بقول، ہندوستان کا "میگنا کارٹا" بنانا مقصود تھا۔ جہاں تک ہندوستان کے نظم و نسق کا تعلق ہے۔ اس کی تجاویز بہت اچھی تھیں اور کہتے ہیں کہ انھیں برک نے مرتب کیا تھا۔ مگر سب سے زیادہ توجہ مسودے کے جس حصے پر مبذول ہوئی وہ کمپنی اور حکومت برطانیہ کے باہمی تعلقات کی نسبت تھا اس کی رو سے کمپنی کے ملکی اقتدار کے بادشاہ کی طرف منتقل ہونے کا جو کام ۱۷۷۳ء میں شروع ہوا اس کی تکمیل ہوتی تھی۔ پندرہ نظما کی ایک جماعت مقرر کی گئی جن میں سات کے ہاتھ میں تمام سیاسی اور باقی آٹھ کے پاس جملہ تجارتی اقتدار تھا۔ ان آٹھ کو منتخب کرنے کا حق کمپنی کو دیا گیا مگر ان سات کی نسبت قرار پایا کہ پارلیمنٹ چار سال کے لیے انھیں نامزد کرے اور اس کے بعد انھیں بادشاہ مقرر کر دیا کرے۔ اس تجویز میں کمزوری یہی تھی کہ چار سال تک پارلیمنٹ کو حق انتخاب دیا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ پارلیمنٹ کی اکثریت وقت کے وقت انھی لوگوں کو منتخب کرتی جنھیں فاکس اور نارتھ چاہتے تھے اور چار سال تک ہندوستان کے سارے عہدے ان کے قبضے میں آ جاتے تو پھر مخلوط وزارت کا تسلط دائمی ہو جاتا۔ جس وقت یہ مسودہ لارڈ نارتھ کو دکھایا گیا تو اس نے کہا کہ "یہ دستاویز کسی وزارت کو درہم برہم کرا دینے کے لیے کافی ہے"۔ یہ الفاظ درست ثابت ہوئے۔ مسودے کے خلاف لوگوں کو ہر ہر طرح سے مشتعل کیا جانے لگا۔ فاکس کی ایک تصویر "کارلو خاں" کے نام سے تیار ہوئی جس میں وہ ہاتھی پر سوار ڈاؤننگ اسٹریٹ میں داخل ہو رہا ہے۔

باب سوم

اور لوگوں نے ہانکے پکارے کہنا شروع کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی پر یہ ایسا حملہ ہوا ہے کہ کبھی کسی کمپنی کی نظیر نہیں نظر آتی۔ اس چیخ پکار کا دارالعوام پر تو کوئی اثر نہ ہو سکا اور مسودہ بڑی بڑی اکثریتوں سے وہاں منظور ہو گیا۔ لیکن جب وہ دارالامرا میں آیا تو بادشاہ نے آئین کے سراسر خلاف یہ حرکت کی کہ چیٹم کے دوست (ٹیمپل) کے بیٹے، نوجوان لارڈ ٹیمپل کو ہر امیر کے پاس ملاقاتی کارڈ پر صاف لفظوں میں یہ پیام لکھ کر بھیجا کہ جو شخص مسودۂ قانون متعلقۂ ہند کی موافقت میں رائے دے گا وہ یہی نہیں کہ میرا دوست نہیں، بلکہ میں اُسے اپنا دشمن سمجھوں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسودہ ۱۸؍ دسمبر کو نامنظور کر دیا گیا اور اسی رات بادشاہ نے وزیروں سے اُن کے قلمدان اور کنجیاں واپس منگالیں۔

پٹ کی پہلی وزارت

اب جارج نے اپنا وزیر اعظم شیل برن کو نہیں بلکہ ولیم پٹ کو مقرر کیا جس کی عمر ۲۴ برس کی تھی اور پارلیمنٹ میں آئے تین سال سے زیادہ نہ گزرے تھے۔ بایں ہمہ پٹ نے بے تامل عہدہ قبول کر لیا۔ اسے ابتدا سے پارلیمنٹ کے واسطے تربیت دی گئی تھی۔ بالکل بچہ تھا جب سے اس کا باپ اسے "فردوس گم گشت" یاد از بڑھ کر سنانے اور ادب عالیہ کی کتابیں ایک نظر دیکھ دیکھ کر ترجمہ کرنے کی تعلیم دیتا تھا تاکہ اُسے اپنی آواز پر قابو اور الفاظ کے انتخاب کرنے کی پوری مشق ہو جائے۔ جسمانی ناتوانی کے باعث وہ سرکاری مدرسے میں داخل نہیں ہوا لیکن چودہ برس کی عمر میں ایک اتالیق کے ساتھ جامعۂ کیمبرج بھیجا گیا اور میقات جامعہ کے بڑے حصے میں، جب تک مبعوث منتخب ہوا، وہیں رہتا تھا۔ یہاں اس نے یونانی اور لاطینی ادبیات اور ریاضی کے علاوہ اُن کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جو اُس عہد کی سیاسیات سے خاص علاقہ رکھتے تھے۔ خصوصاً ایڈم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" "ویلتھ آف نیشنز"، کا جو ۱۷۷۶ء میں شایع ہوئی اور جس میں "بے قید تجارت" کے اصول کو باقاعدہ دلائل سے صحیح ثابت کیا گیا تھا۔ ۱۷۸۰ء کے انتخابات میں وہ جامعہ کی طرف سے امیدوار رہا مگر شکست کھائی اور آخر سر جیمس لاؤتھر نے اسے اپنے اپیل بی کی طرف سے مبعوث بنوا دیا۔ پارلیمنٹ میں اس نے

باب سوم

وہ مستعدی اور پختگی دکھائی کہ اس عمر کے نوجوان سے توقع نہ ہو سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ اپنی قابلیتوں پر اس حد تک یقین رکھتا تھا جو قریب قریب قابل مضحکہ نظر آتا تھا۔ بہرحال دلیر ہونے کے باوجود اُسے اپنی پوری ہمت و سعی سے کام لینا پڑا کیونکہ پارلیمنٹ کے تمام دیرینہ سال کار رکن مخالفت میں سرگرم تھے اور وہ لوگ جن سے تائید کی توقع تھی اس لیے رکتے تھے کہ پٹ کی ناکامی کی صورت میں (جو یقینی تھی) خود اُن کی شہرت پر حرف آ جاتا۔

نئی مجلس وزرا کے سب ارکان خود پٹ کے سوا، دارالامرا کے لوگ تھے۔ اور دارالعوام میں اُس کی کارگزار تائید کرنے والا صرف ہینری ڈنڈس تھا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کا مشیر قانونی اور بحریہ کا خزانچی تھا لیکن مجلس وزرا میں شامل نہ تھا۔ دارالامرا میں بھی پٹ کا کوئی رفیق اعلیٰ قابلیت کا آدمی نہ تھا۔ تھرلو کو البتہ مستثنیٰ کر سکتے ہیں لیکن عام حکمت عملی کی حمایت میں وہ اُلٹی رکاوٹ پیدا کرتا تھا۔ گیم ڈن، گرینوِل اور ٹیمپل سب الگ رہے۔ شیل برن کو پٹ نے وزارت میں کوئی جگہ نہ دی جس کا سبب یہ ہے کہ وہ اُس کی غیر ہر دلعزیزی سے ڈرتا تھا یا قابلیت سے۔ اور شیل برن کچھ روز بعد خود ہی پردیس چلا گیا۔ غرض حکومت اپنا بچاؤ کرنے میں بظاہر بہت کمزور تھی اور حریفوں میں فاکس جیسا مناظرے کا استاد، نارتھ جیسا بذلہ سنج معترض اور برک جیسی خاص قابلیت کا آدمی صف آرا تھے۔ فریقین کا طریق جنگ بالکل سادہ تھا۔ جارج اور پٹ تلے ہوئے تھے کہ اُس وقت تک اقتدار کی باگ ہاتھ سے نہ چھوڑی جائے جب تک کہ اُس زمانے کی سست رو رائے عامہ آہستہ آہستہ ایک مستقل پہلو نہ اختیار کر لے۔ فاکس اور نارتھ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو حکومت کو استعفا یا پارلیمنٹ کے برخاست کرنے پر مجبور کر دیں حتیٰ کہ وہ رقوم کی منظوری روک دینے کی فکر میں تھے کہ نظم و نسق چلانا محال ہو جائے۔ اس کے سوا، کسی وزیر کو استعفا دینے پر مجبور کرنے کی کوئی آئینی صورت موجود نہ تھی۔ چنانچہ گو پٹ کو دارالعوام میں بار بار شکست ہوتی تھی تاہم نہ وہ استعفا دینے کا خیال کرتا تھا نہ جارج استعفا طلب کرنے کا۔ ادھر صاف

باب ۴۴

معلوم ہوتا تھا کہ رائے عامہ کا بہاؤ پٹ کی طرف ہو چلا ہے - دارالامرا میں دو تہائی ارکان اُس کے طرفدار تھے - سلطنت بھر میں سب سے آزاد خیال حلقہ لندن کا تھا - وہاں کی بلدی مجلس میں پٹ کو "حریت لندن" دینے کا فیصلہ ہوا - اور شہروں سے بھی تائیدی سپاس نامے پیش ہونے لگے - فریق اختلاف کے زندہ دل ہنستے تھے کہ سلطنت کو ایک مدرسے کے لڑکے کے سپرد کر دیا گیا ہے اور تحریک پہ تحریک منظور کراتے تھے کہ کارکردہ، متحد اور ہمہ گیر وزارت قائم کرنا ضروری ہے - مگر یہ سب نکتہ چینیاں بیکار گئیں - ان کی اکثریت برابر کم ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومت کے خلاف ان کی ایک تحریک صرف ایک رائے کی بیشی سے کامیاب ہوئی تب فاکس نے ہمت ہار دی - قانون غدر کی تحریک منظور ہو گئی اور ۲۵ مارچ کو پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی -

نئے انتخابات

اب حلقوں میں کشمکش شروع ہوئی - اُس زمانے میں سرجلسہ نامزدگیاں ہوتیں - علانیہ رائیں دی جاتیں اور رائے دینے کا سلسلہ ہفتوں رہتا تھا لہٰذا انتخابات میں بڑا اودھم مچتا اور خوب رشوتیں دے کے اور اثرات ڈال کے کام لیا جاتا تھا - ان انتخابات میں اور بھی زیادہ کشاکش ہوئی، ایک طرف تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے فاکس کے مسودۂ قانون کی ایک نقل ہر حلقے میں بھیجی اور لکھا کہ ہمارے منشور پر حملہ ہے، "تم اپنے منشور کی خیر مناؤ" دوسری طرف وھگ خاندانوں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی کہ جو اقتدار ستر برس تک اُن کے قبضے میں رہا ہے وہ ہاتھ سے جانے نہ پائے - لیکن بالآخر فتح نے پٹ اور بادشاہ کا ساتھ دیا - پٹ کے نوجوان دوست ولبرفورس نے سارے یارک شر کو اپنا بنا لیا اور وہاں کے بڑے بڑے وھگ خاندانوں کی کچھ نہ چلنے دی - خود پٹ کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے بڑے دھوم دھام کے ساتھ منتخب ہوا اور اس کے برخلاف فاکس کو اپنے مقبول عام حلقے ویسٹ منسٹر میں بہ مشکل دوسری جگہ ملی حالانکہ وہ پہلے سے وہاں کا مبعوث بھی تھا - اس کے متبعین میں تعداد کثیر یعنی ڈیڑھ سو اشخاص نے

باب سوم

شکست کھائی اور زندہ دلوں میں "شہیدان فاکس" کے نام سے مشہور ہوئے۔ قدیم وھگوں کی اس ہزیمت کا اصلی سبب یہ تھا کہ ان ارباب سیاست نے اپنا جتھا بنالیا تھا اور ملک کے نظم و نسق میں کسی دوسرے کو بار پانے نہ دیتے تھے۔ یہ خود غرضی دیکھ کر اہل ملک اُن سے بیزار ہو گئے تھے۔ ان کی ناکامی کا ایک اور سبب یقیناً یہ تھا کہ لوگوں کو پٹ سے حسن عقیدت تھی۔ ایک تو باپ کی شہرت ورثے میں ملی دوسرے اپنی قابلیت، اپنی دلیری اور سب سے بڑھ کر اپنی بے لوثی کی بدولت وہ محترم ہوا اگرچہ اُس کے اوصاف میں سب سے زیادہ مشہور دلیری تھی اُس نے اپنی بے نفسی کا حیرت انگیز ثبوت یہ دیا کہ تین ہزار پونڈ سالانہ کی ایک معاش، جسے ساری دُنیا سمجھتی تھی کہ پٹ اپنے لیے مخصوص کرلے گا۔ باپ کے قدیم دوست اور نابینا کرنل بیرے کے نام کردی۔ غرض، اسباب جو کچھ بھی بیان کیے جائیں، اُسے انتخابات میں کامل فتح حاصل ہوئی اور اس عہد میں وہی پہلا وزیر تھا جس پر بادشاہ، پارلیمنٹ اور عام اہل ملک سب اعتماد رکھتے تھے اور اُسے وہ اقتدار و اطمینان میسر آیا جس کا والپول کے بعد، اب تک کوئی اور وزیر ادعا تک نہ کرسکتا تھا۔

پٹ کا قانون ہند

پٹ نے سب سے پہلے ہندوستان کے مسائل پر غور و تفحص کیا۔ سابقہ پارلیمنٹ میں وہ ایک مسودہ پیش کرچکا تھا جو منظور نہیں ہوسکا اب اس نے ایک دوسرا مسودہ تیار کیا جس میں ہندوستان کے نظم و نسق کا طریقہ تو وہی تھا جو فاکس نے تجویز کیا تھا لیکن کمپنی کے سیاسی معاملات پر حکومت کی نگرانی رکھنے کی دوسری تدبیر نکالی تھی یعنی ایک مجلس نظارت، ۶ ارکان کی مرتب کی جسے حکومت وقت کا باقاعدہ سررشتہ بنالیا گیا۔ یہ مجلس تمام سیاسی معاملات کی نگران تھی اور باقی تجارت سے متعلق جملہ امور بدستور کمپنی کے ہاتھ میں چھوڑ دیے گئے تھے۔ گورنر جنرل اور سپہ سالار کا انتخاب کمپنی کے اختیار میں تھا لیکن حکومت اُسے مسترد کرسکتی تھی۔ باقی تمام ملکی عہدہ داروں کا تقرر مجلس نظارت کرتی تھی۔ یہ تشکیل ۱۸۵۸ء تک قائم رہی۔ اصولاً اس طریقے میں انگلستان کے دونوں

باب سوم

سیاسی گروہ ہندوستان کی ملازمتوں اور فوائد سے متمتع ہو سکتے تھے لیکن عملاً پٹ کے طویل دور میں ان جدید اختیارات سے ڈنڈس نے یہ کام لیا کہ اسکاٹلینڈ میں پٹ کا اقتدار قائم کر دیا۔ ڈنڈس پٹ کا دوست اور مجلس نظارت کا پہلا صدر نشین مقرر ہوا تھا اور اس کے وقت میں ہندوستان کی ملازمت حاصل کرنے کی دو ضروری شرطیں ہی یہ ہو گئی تھیں کہ درخواست گزار اسکاٹ لینڈ کا باشندہ اور پٹ کا حامی ہو۔ اس طرح ڈنڈس کی ہوشیاری سے اسکاٹ لینڈ کے تقریباً سبھی پارلیمنٹی حلقے پٹ کی وزارت کے موید بن گئے۔

وارن ہیسٹنگز سے مواخذہ

۱۷۸۵ء میں وارن ہیسٹنگز وطن واپس آیا۔ ہندوستان میں اس کی حکومت پر ان دنوں (پارلیمنٹ میں) بڑی لے دے ہوئی تھی۔ لہذا سوال پیدا ہوا کہ آیا اس کے افعال پر باقاعدہ مواخذہ کیا جائے یا خاموشی اختیار کر لی جائے۔ ہیسٹنگز نے بہت بھونڈے پن سے کام لیا اور اس کے کارندوں کی کوشش سے لوگ ادھر متوجہ تو ہو گئے مگر کوئی خاص جماعت پیرو کار نہیں بنی۔ بخلاف اس کے ہیسٹنگز کے پرانے دشمن فرانسس نے سخت حملے شروع کیے اور پارلیمنٹ میں فاکس اور برک نے ہنگامہ کیا کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ پٹ اور ڈنڈس ابتدا میں تو از خود ہیسٹنگز کی حمایت پر تلے ہوئے تھے جس نے ایسے نازک وقت میں برطانی ہند کو سنبھالے رکھا لیکن شہادتوں کو احتیاط سے دیکھنے کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ حکومت اس کی صفائی اپنے ذمے نہیں لے سکتی۔ پس وہ خاموش ہو رہے اور معاملہ فریق اختلاف کے سپرد کر دیا جس نے ہیسٹنگز سے مواخذے کی چار مدیں منظور کرائیں:۔ (۱) روہیلوں کی تخریب جس کا نواب اودھ سے چار لاکھ اشرفی معاوضہ لیا گیا۔ (۲) چیت سنگھ راجۂ بنارس سے جبراً پانچ لاکھ اشرفی کا اس عذر پر وصول کرنا کہ وہ سالانہ خراج (مبلغ پچاس ہزار اشرفی) ادا کرنے میں لیت و لعل کرتا ہے۔ حالانکہ فی الواقع اس کے ذمے کوئی رقم نہ تھی۔ (۳) چیت سنگھ کی معزولی اور پھر اس کی پوری مالگزاری یعنی دو لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی پر تصرف۔ اور آخری (۴) یہ کہ اودھ کی بیگموں سے لاکھوں اشرفی

باب سوم

جبراً وصول کی گئی۔

۱۷۸۸ء میں تحقیقات شروع ہوئی۔ ہیسٹنگز کے خلاف تقریر کرنے والوں میں، فاکس، برک، (آر۔ بی) شیری ڈان اور (و۔ و) ونڈھم قابل ذکر ہیں۔ رائے عامہ اس بارے میں بہت کچھ مختلف تھی۔ حکام عدالت قطعی طور پر ہیسٹنگز کے ساتھ تھے۔ لیکن خدا ترسی کا جذبہ جو اُن دنوں عروج پر تھا، اس کے خلاف تھا۔ بہرحال مقدمہ چھ سال تک رکھتا رہا کیونکہ امرا ہر میقات میں صرف چند روز شہادتیں سنتے تھے۔ آخر میں ہیسٹنگز بری کیا گیا۔ یہ نتیجہ ظاہر میں تو معمولی تھا مگر حقیقت میں مقدمے کا اس کی صحت پر جو اثر پڑا وہ اس نتیجے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ادھر اہل انگلستان کی پوری توجہ ہندوستان پر منعطف ہوگئی اور تھوڑے ہی دن میں اس کے مسائل پر ایک عام رائے قائم ہوگئی جو کسی اور کمتر دلکشی کے واقعات سے قائم نہ ہوسکتی تھی۔ اب تک ہندوستان میں انگریزوں کا نظم ونسق، گو اس میں بہت سے دلاوری اور اعلیٰ قابلیت کے کارنامے درخشاں تھے لیکن مجموعی طور پر انگلستان کے لیے موجب عار تھا۔ اب اس نظم ونسق کو رفتہ رفتہ بدلا گیا۔ انگریزی عمال کو فرائض ملازمت کا بلند تر معیار سکھایا گیا اور ان فرائض میں اپنی خودداری اور دیسیوں کے حقوق کا پاس دونوں شامل تھے۔ مزید برآں کمپنی کی باقی ستر سال کی حکومت میں بعض ایسے نامی گرامی اشخاص ہندوستان کے نظم ونسق میں حصہ دار رہے جن پر برطانی قوم فخر کرسکتی ہے۔

اس عرصے میں پٹ نظم ونسق کے اکثر شعبوں کی اصلاح یا کوشش اصلاح میں برابر مصروف تھا۔ اپنے باپ اور خود اپنے منصوبے کے مطابق

پارلیمنٹ کی اصلاح

اُس نے ۱۷۸۵ء میں پارلیمنٹی اصلاح کی تجاویز پیش کیں۔ ان میں چھتیس فرسودہ حلقوں کی منسوخی بھی تھی کہ جہاں فی حلقہ چھ سے بھی کم رائے دہندے رہ گئے تھے۔ ان کے مالکوں کے لیے پٹ نے مالی معاوضہ اور وہاں کی بہتر نشستوں کو لندن اور دوسرے اضلاع میں تقسیم کردینے کی تجویز کی۔ مزید برآں ایسے موروثی کاشتکاروں کو بھی، جن کی آمدنی چالیس شلنگ سالانہ ہو، حق رائے دہی کی تحریک کی۔ فاکس ان تجاویز کی

باب سوم

تائید میں تھا مگر برک نے ان کی شدید مخالفت کی۔ بادشاہ بھی ان کے خلاف تھا اور سابق میں اصلاح کا شور مچانے والے حکومت حاضرہ سے مطمئن ہو کر اب ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ غرض پٹ کی دلی خواہش کے باوجود کہ یہ مسودہ قانون کی شکل اختیار کرے، دوسری خواندگی کے موقع پر ۱۷۴ کے مقابلے میں ۲۴۸ رائے سے پارلیمنٹ نے اسے مسترد کر دیا۔

گو پارلیمنٹ کی اصلاح میں کامیابی نہ ہوئی تاہم پٹ نے حکومت کے حسابات کی باضابطہ تنقیح کا قانون نافذ کرا کے نظم و نسق کی کسی حد تک ضرور درستی کر دی۔ اس سے پہلے غضب کی خورد برد ہوا کرتی تھی اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ تین سو پونڈ سالانہ لارڈ نارتھ کے حسابات میں صرف باندھنے کی ڈوریوں کی مد میں اُن کے استعمال کے لیے ادا کیے جاتے تھے۔ نظم و نسق کے متعلق لوگوں کو رائے قائم کرنے میں مدد دینے کی غرض سے پٹ نے فرانس کے وزیر نیکر کے قائم کردہ طریقے یعنی سرکاری حسابات کی پوری کیفیت شائع کرنا اختیار کیا۔ پارلیمنٹ کی میقات میں بھی رد و بدل اُسی کے عہد وزارت کی یادگار ہے کہ پہلے پارلیمنٹ کا افتتاح عموماً نومبر کے مہینے میں ہوجاتا تھا لیکن ۱۷۸۳-۸۴ء کے اجلاس کے بعد جنوری ۱۷۸۵ء میں افتتاح کیا گیا اور یہی رسم اب تک جاری ہے۔

مگر پٹ کو سب سے نمایاں کامیابی مالیات کے میدان میں ہوئی۔ اُس نے ایڈم اسمتھ کے اصول اختیار کیے اور یہ مصنف تجارت کی ترقی کے واسطے محاصل کی کمی کا حامی تھا۔ حالانکہ پہلے ماہرین مالیات شرح بڑھا کر تجارت درآمد کو کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ پٹ نے ۱۷۸۵ء میں چائے کا محصول گھٹا کر ۵ سے ۱۲ فی صدی کر دیا اور آمدنی کی کمی "محصول دریچہ" لگا کر پوری کی۔ اس محصول سے وہ چھوٹے مکان جن میں چھ سے کم دریچے ہوں مستثنیٰ تھے۔ وال پول کی تجویز کہ انگوری شراب اور تمباکو کو آبکاری میں داخل کیا جائے اس پر بھی پٹ کے زمانے میں عملدرآمد ہوا۔ اس سے بھی بڑھ کر اہم فرانس کے ساتھ وہ تجارتی معاہدہ تھا جس کی تکمیل ۱۷۸۶ء میں ہوئی۔ اہل انگلستان قدیم سے

اس ملک کو اپنا "قدرتی دشمن" سمجھتے تھے۔ اس تعصب کے باوجود پٹ نے ترقی تجارت کی غرض سے دونوں ملکوں میں محصول درآمد کو انتہا درجے تک گھٹا دینے کی علانیہ وکالت کی اور اپنا کامل یقین ظاہر کیا کہ قیام امن کی بھی بہترین صورت یہی ہے کہ دونوں ملکوں کے تجارتی تعلقات کو ترقی دی جائے۔ مذکورۂ بالا معاہدے کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ سرکاری آمدنی بڑھ گئی۔ ۱۷۸۶ء سے قبل برانڈی کا ایک قرابا محصول خانے سے باقاعدہ محصول دے کر بازار میں پہنچتا تھا تو کم سے کم چھ قرابے چوری سے لوگ لے آتے تھے۔ مگر محصول درآمد کی کمی سے چُرا کے لانے والوں کو کوئی نفع نہ رہا اور اسی نسبت سے مداخل میں توفیر ہوئی۔ اسی اُصول سے پٹ آئرستان میں بھی کام لینا چاہتا تھا اور ۱۷۸۵ء میں اس نے ایک مسودۂ قانون بھی پیش کیا تھا کہ دونوں ملکوں کے محاصل درآمد برابر کر دیے جائیں۔ لیکن پارلیمنٹ کے تجارت پیشہ ارکان میں اس تجویز کی شدید مخالفت ہوئی۔ فاکس اور فریق اختلاف کے دوسرے سرگروہ بھی اُن کے موید ہو گئے۔ مجبوراً پٹ کو اپنی تجاویز میں ترمیم کرنی پڑی مگر ترمیم کے بعد جو مسودۂ قانون مرتب ہوا اُس میں آئرستان کا فائدہ اتنا کم تھا کہ وہاں کی ملکی مجلس نے اسے مسترد کر دیا۔

"بھولا کھاتا" پھر پٹ نے قومی قرضے کو، جس کی مقدار پچیس کروڑ پونڈ ہو گئی تھی، ادا کرنے کی تجویز پیش کی، اس کا مقاد یہ تھا کہ ہر سال دس لاکھ پونڈ علیحدہ رکھ دیے جائیں اور ان سے ذخائر کی خریداری کا کام لیا جائے۔ یہ انتظام چند ناظروں کے سپرد ہوا اور وہ ذخائر پر پہلے سال جو منافع ملے اُسے بھی دوسرے سال کے مزید سرمایے کے ساتھ شامل کر کے پھر ذخائر خرید لیں۔ اس طرح ہر سال ذخائر کی مقدار بڑھتی چلی جائے گی اور جب وہ قومی قرضے کے برابر پہنچ جائے تو اُسے بیک وقت ادا کر دینا ممکن ہو جائیگا۔ گویا قوم کے قرضے کو قوم ہی سے قرض لے کر ادا کرنا مقصود تھا۔ کوشش کرنے والوں کی نیت بھی خالص تھی لیکن اس میں خرابی یہ تھی کہ اگر دس لاکھ پونڈ سالانہ کے واسطے بھی قرض لینے کی ضرورت پیش آئے اور یہ قرضہ پچھلے قومی قرضے سے زیادہ شرح سود پر مل سکے تو اس کے معنیٰ یہ تھے کہ کم شرح سود کے

باب سوم

قرض کو زائد شرح سود کا قرض لے کر ادا کیا جائے۔ فاکس اور شیریڈن نے اس پہلو کو جتا دیا تھا اور یہ دونوں کم سے کم قرض کے مسئلے پر ذاتی تجربے سے گفتگو کر سکتے تھے۔ اور جب فرانس کے ساتھ جنگ چھڑی تو واقع میں مذکورۂ بالا صورت پیش آگئی۔ بایں ہمہ پٹ کے جیتے جی تو یہ دس لاکھ پونڈ سالانہ برابر جمع ہوتے رہے۔ البتہ ۱۸۰۷ء میں یہ تجویز عملاً اور پھر ۱۸۲۸ء میں رسماً بھی ترک کر دی گئی۔

بردہ فروشی

وہ جذبۂ خداترسی جو ہیسٹنگز پر مقدمہ چلانے کا محرک ہوا، اسی کا ظہور ہم بردہ فروشی کی روز افزوں مخالفت میں دیکھتے ہیں۔ اس تحریک میں پارلیمنٹ کے باہر کیمبرج کا ایک نوجوان طیلسانی مسمی ٹامس کلارک سن پیش پیش تھا۔ اور اس موضوع پر لاطینی مضمون لکھنے کے صلے میں انعام بھی جیت چکا تھا۔ پارلیمنٹ کے اندر اس تحریک کی وکالت ولبرفورس کرتا تھا۔ اور ۱۷۸۷ء میں ایک باقاعدہ انجمن بھی قائم کی گئی کہ بردہ فروشی کا قطعی سدباب کر دیا جائے۔ اس پر فوراً عمل نہ ہو سکتا تھا کیونکہ بڑے بڑے سرمایے اور اغراض و حقوق اس تجارت سے وابستہ تھے تاہم پارلیمنٹ کی طرف سے بردہ فروشی کے حالات کی باضابطہ تحقیق کرائی گئی اور جب اس میں بہت سے مظالم کا انکشاف ہوا تو بردہ فروشی کے جہازوں کی دیکھ بھال اور بہتر انتظام کا قانون بنایا گیا (۱۷۸۸ء) اور دوسرے سال پٹ، ولبرفورس، فاکس اور برک کی کوشش سے اس تجارت کے خلاف کئی قرار دادیں منظور ہوئیں۔

معاملات خارجہ

معاملات خارجہ میں کوئی خاص کام کرنے کی پٹ کو کچھ بہت فکر نہ تھی اور نہ وہ کچھ زیادہ کام کر سکا۔ نوآبادیوں کے ہاتھ سے نکل جانے اور ممالک یورپ سے اتنی سخت زور آزمائی نے برطانیہ کو نسبتہً بے دست و پا کر دیا تھا۔ اس کی دولتمندی اور بیڑے کی وجہ سے دوسری سلطنتیں اس کا لحاظ کرتی تھیں مگر جانتی تھیں کہ کسی بڑے پیمانے پر برطانیہ جنگ آرائی کی قابلیت نہیں رکھتی۔ مگر پٹ برطانیہ کو یورپ کی ممتاز طاقت

باب سوم

منوانے کے معاملے میں اپنے باپ کی طرح ہر جگہ اڑ جاتا تھا اور کسی دوسری سلطنت سے معاملہ کرنے میں اپنا رتبہ کبھی کم تسلیم نہ کرتا تھا۔ بیرونی معاملات میں سب سے اول ہالینڈ کے ایک انقلاب پر اس کی توجہ مبذول ہوئی۔ یہ انقلاب حامیان فرانس یا جمہوری جماعت نے برپا کیا اور ۱۷۸۶ء میں موروثی رئیس، شہزادۂ اورینج کو ہٹا کر قصد کیا کہ سابقہ طرز کے مطابق متحدہ اضلاع کی وفاقی حکومت بحال کر دی جائے لیکن اس کارروائی پر شاہ پروشیا اور شاہ انگلستان، جو خاندان اورینج سے قرابت رکھتے تھے۔ دونوں کو اعتراض تھا۔ چنانچہ پٹ، پروشیا کا ہمنوا ہو گیا کہ ولندیزوں کو دوبارہ اپنے قدیم رئیس کی بحالی پر مجبور کیا جائے۔ اور جب یہ دباؤ پڑا تو ولندیزا سے واپس لینے پر اس شرط کے ساتھ آمادہ ہو گئے کہ پروشیا اور انگلستان اُس کی مملکت کی حفاظت کا ذمہ لیں اور اسی بنا پر انگلستان، پروشیا اور ہالینڈ کے درمیان ایک اتحاد ثلاثہ قایم ہو گیا (۱۷۸۸ء)۔

ایک اور جھگڑا یہ پیدا ہوا کہ آیا انگریز، جزیرۂ وین کوور اور سینٹ جارج ساؤنڈ کے درمیان (جو اُن دنوں نٹکا کہلاتا تھا) اپنی بستیاں بسانے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں اسی قضیے کی بدولت یہ سوال پیش آیا کہ جو قوم کسی علاقے کو دریافت کرے کیا اُس کا قبضہ کیے بغیر محض اعلان ملکیت کر دینا اس بات کے لیے کافی ہے کہ دوسری کوئی قوم اس علاقے میں آباد نہ ہو سکے۔ انگریزوں کا ہمیشہ سے قول تھا کہ عملی قبضہ ضروری چیز ہے لیکن ہسپانوی اپنے بادشاہ الیکزنڈر ششم کی سند پر شمالی امریکا کے سارے مغربی ساحل کی ملکیت کا دعویٰ کرتے اور انگریزوں کی تردید کرتے تھے۔ ۱۷۹۰ء میں اس قضیے نے انتہائی صورت اختیار کر لی اور آخر پٹ کی مضبوطی کی بدولت اسپین والوں کو دب جانا پڑا۔

روس

ولندیزوں اور ہسپانویوں کے مقابلے میں تو پٹ کامیاب ہوا لیکن روس کو مرعوب کرنے میں اُسے کامیابی نہ ہو سکی۔ روس پر ان دنوں وہاں کی مشہور ملکہ کیتھرائن دوم حکمراں تھی اور جس طرح پیٹر اعظم نے بالٹک تک رسائی حاصل کی اسی طرح یہ ملکہ تلی ہوئی تھی کہ روس کی

باب سوم

بحر اسود تک دسترس ہو جائے۔ ۱۷۸۸ء میں اُس کے سپہ سالار پوٹم کم نے نیپر کے دہانے کا شہر اک زاکو تسخیر کیا اور ۱۷۹۰ء میں روس کے نامور سپہ سالار سوار وف نے شہر اسمٰعیل پر یورش کی اور سخت کشت وخون کے بعد اُسے فتح کرلیا۔ ان کامیابیوں سے پٹ کو خوف اور یہ اندیشہ ہوا کہ روس کا استنبول پر قبضہ ہوگیا تو غضب ہو جائے گا۔ اُس نے ارادہ کرلیا کہ جنگی اور سفارتی دونوں طرح کے دباؤ روس پر ڈالے جائیں۔ مگر ثابت ہوا کہ دار العوام ایک ایسے بعید مقصد میں اُس کی تائید پر تیار نہ تھا اور ادھر کیتھرائن اتنی سیانی تھی کہ پٹ کی دھمکیوں کو جن کی تائید جنگی قوت سے نہ ہوئی، کچھ خاطر میں نہ لائی بلکہ بحر اسود پر کوئی بندرگاہ حاصل کرنے کی برابر کوشش کرتی رہی۔ اس کے حلیف آسٹریا والے جنگ سے الگ ہو گئے تاہم کیتھرائن کو عہد نامۂ جاسی کی رو سے قلعۂ اک زاکو اور نیپر و بگ کے درمیان کا قطعہ مل گیا۔

پٹ کی وزارت کے ابتدائی سنین میں امریکا کی جو نوآبادیاں ہاتھ سے نکل گئی تھیں، ان کی تلافی میں دُنیا کے دوسری طرف نئے مقبوضات بہم پہنچانے کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ کپتان کک کی ۱۷۶۹ء و ۱۷۷۹ء کے درمیان بحر نوردی کی بدولت بحر الکاہل کے جزائر کا اتنا تفصیلی حال معلوم ہوا کہ اُس وقت کسی قوم کے علم میں نہ تھا۔ اُس نے پوری طرح ثابت کردیا کہ جنوبی سمندر میں کوئی بڑا منطقہ قابل سکونت موجود نہیں البتہ نوآبادیوں کے واسطے بہت عمدہ علاقے دریافت کرلیے۔ لیکن اس وقت جدید کارخانوں کے کھل جانے سے وطن ہی میں اتنا روزگار نکل آیا تھا کہ لوگ کہیں باہر جانے کے زیادہ خواہشمند نہ تھے۔ تاہم حکومت نے کم سے کم مجرموں کو ان علاقوں میں بھیج دینے کا قصد کرلیا اور ۱۷۸۸ء میں ان کی ایک ٹولی نیو ساوتھ ویلز کے ساحل خلیج بوٹنی پر اتاری گئی۔ اسی سال وزیر مستعمرات کے نام پر شہر سڈنی کی بنیاد پڑی اور تمام سواحل آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے برطانی مقبوضات ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ ابھی تک یہ علاقے بالکل غیر مقبوضہ تھے۔ لیکن انگریزوں کے ہمیشہ اقتدار بحری نے دوسری قوموں کو اس دعوے میں رخنہ ڈالنے سے باز رکھا۔

جارج کی دیوانگی ۱۷۸۸ء میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ پٹ کی معزولی اور

باب چہارم

فرقۂ لڈی

واضح رہے کہ کلوں کو توڑنے کا خبط بہت پہلے یعنی ۱۸۱۱ء ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ جو لوگ ہاتھ سے جرابیں بنتے اور اسی کی روٹی کھاتے تھے، انھیں یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ کلوں کی بدولت آگے چل کر پوری قوم کا فائدہ ہو گا۔ انھیں تو اس وقت سب سے پہلے اپنا نقصان نظر آتا تھا۔ چنانچہ نوٹنگ ہم شہر کے دستی بننے والوں نے انھی شکایات کو واجبی سمجھ کر باقاعدہ یہ کوشش شروع کی کہ بننے کی کلیں، جن کا رواج ہوا تھا، توڑ دی جائیں۔ ایک نیم مجنون نوجوان لڈ نے ایک مرتبہ جذبے میں آکر ایک کل توڑ دی تھی، لہذا اسی کے نام پر ان لوگوں نے اپنے تئیں لڈی موسوم کیا۔ چونکہ کلوں کے توڑ دینے میں نہ زیادہ آواز ہوتی تھی نہ زیادہ وقت لگتا تھا، لہذا ان لوگوں کو اس حرکت سے روکنا نہایت دشوار ہو گیا تھا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ چند گز کے فاصلے پر پہرہ دینے والے سپاہی کھڑے ہی رہے اور کلوں کے جو کھٹے توڑ دیے گئے۔ یا تھوڑی دیر کو قابو مل گیا اور لڈیوں نے پورے گاؤں کے جو کھٹے توڑ ڈالے۔ بننے کی کلوں پر جو اعتراض تھا، وہی، ظاہر ہے کہ کھلیان کی کلوں پر ہو سکتا تھا جن سے زرعی مزدوروں کو یہ دیکھ کر دشمنی ہو گئی کہ جو کام وہ پورے جاڑوں میں کرتے تھے، وہ ان کلوں نے چند روز میں کر کے دھر دیا۔ غرض رفتہ رفتہ ہر قسم کی نئی کلوں کے رواج سے مخالفت شروع ہوئی اور ۱۸۱۵ء میں شہر و دیہات ہر جگہ "کل شکنی" ہونے لگی۔

اس قسم کی عام تحریک کے خلاف جور و جبر کچھ کام نہ دے سکتا تھا اور قرینہ کہتا ہے کہ یہ سلسلہ سب سے پہلے ولیم کوبیٹ کی سیدھی سادی دلیلوں کی بدولت کارگر طریق پر رکا۔ یہ نامی آدمی ۱۷۶۲ء میں پیدا ہوا۔

ولیم کوبیٹ

ابتدا میں اس کا پیشہ پرندے ہنکانا تھا اور آخر میں دارالعوام کی رکنیت تک ترقی کر گیا۔ اسے انگلستان و امریکہ دونوں جگہ کی معاشرت کا بہت کچھ تجربہ تھا۔ صاف ستھری زبان پر بڑی قدرت رکھتا تھا اور مشق و مزاولت سے اسے اور بھی ترقی دی تا آنکہ ۱۸۱۵ء میں وہ اپنے عہد کا یقیناً سب سے بہتر اخبار نویس ہو گیا۔ ۱۸۰۲ء میں اس نے ہفتہ وار

باب چہارم

سیاسی رجسٹر" جاری کیا اور اس میں ٹوری حکومت کی شد و مد سے خبر لینی شروع کی۔ پھر یہ دیکھکر ایک شلنگ قیمت ہونے کے باعث اخبار کی اشاعت کم ہے اور عوام الناس تک بالکل نہیں پہنچتا، اس نے گھٹا کر قیمت دو آنہ (۲ پینی) کر دی۔ اس نئی شکل میں اخبار نومبر ۱۸۱۶ء سے جاری ہوا۔ یہ واقعہ بڑی سیاسی اہمیت رکھتا ہے۔ کوبیٹ کا خاص موضوع یہ تھا کہ کلوں کے توڑنے سے کچھ فائدہ نہیں، پارلیمنٹ کی اصلاح ہونی چاہیے۔ مزدور پیشہ طبقوں کو جہاں تک ممکن تھا تشدد کے طریقے اختیار کرنے سے اُس نے روکا تعلیم کی ترغیب اور یہ امید دلائی کہ پارلیمنٹ کی اصلاح آیندہ فلاح و بہتری کی اصلی اساس ہے۔ مگر کلوں کے توڑنے کے قضیے سے قطع نظر، زراعت

زراعت

کی حالت ملک میں بہت تشویش انگیز ہو گئی تھی۔ ۱۶۷۰ء سے ایک قانون نافذ العمل تھا کہ جب تک انگلستان کا غلہ بہت ہی گراں نہ ہو جائے اُس وقت تک بیرونی غلہ ملک میں نہ آنے پائے۔ یہ تدریجی پیمانے کے اصول پر وضع کیا گیا تھا اور جب تک گیہوں ۵۳ شلنگ (فی کواٹر) نہ پہنچ جائے اس وقت تک درآمد کی اجازت نہ تھی۔ اس حالت میں محصول ۱۶ شلنگ اور پھر اونچے نرخ پر کم ہوتا چلا گیا تھا حتیٰ کہ ۸۲ شلنگ ہونے پر کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں کمی کی حد ۵۳ شلنگ کی بجائے ۶۶ شلنگ (فی کواٹر) مقرر کی گئی۔ جنگ کے زمانے میں گیہوں کے نرخ میں بہت کمی بیشی ہوتی رہی۔ ۱۷۹۳ء سے قبل شاذ و نادر ہی یہ نرخ ۵۰ شلنگ سے اوپر جاتا تھا اور اس کے معنی یہ تھے کہ ملک کو بیرونی غلے کی مطلق ضرورت نہ پڑتی تھی۔ لیکن جنگ کے زمانے میں قیمتیں ایسی چڑھیں کہ ایک سو چھتیس شلنگ تک پہنچ گئیں اور اوسط نرخ ہی ایک سو بیس رہا۔ اس گرانی کا ایک سبب تو کاغذی زر کا رواج تھا۔ ایک یہ کہ فصلیں خراب ہونے کی کمی باہر کے مال سے پوری کی گئی مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ صنعتی آبادی میں بہت تیز اضافہ ہوا جس سے روٹی کی مانگ بڑھ گئی۔ اس گرانی کی بدولت وہ ادنیٰ درجے کی اراضی جن کی پیداوار سے پہلے کوئی فائدہ نہ ہوتا، اب زیر کاشت آگئیں۔

باب چہارم

پس جب یہ علم ہوا کہ مین چیسٹر کی حوالی میں بمقام سینٹ پیٹرز فیلڈ ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہونے والا ہے تو شہر کے حکام میں بہت چرچا ہوا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے ۲۶ اگست کی مقررہ تاریخ کو "اصلاح طلب" (ریڈی کلز) تمام نواح کے دیہات سے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر جھنڈیاں لئے ہوئے نکلے اور جلوس بناکر مین چیسٹر روانہ ہوئے۔ سینٹ پیٹرز فیلڈ میں جو رقبے میں دو یا تین ایکڑ تھا انھوں نے کھلے میدان میں جلسہ کیا۔ ان کی کل تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی اور ہینری ہنٹ تقریر کرنے والا تھا۔ یہ ایک زمیندار اور مشہور مقرر تھا اور اس کی تہی مائیگی کا اس وقت تک اس کے متبعین کو علم نہ ہوا تھا۔ ادھر فوجداری حکام نے جن کے قبضے میں کافی فوج بھی تھی یہ احمقانہ فیصلہ کیا کہ جلسہ شروع ہونے کے بعد منٹ کو گرفتار کرلیا جائے۔ اس کام کے لئے امین کوتوالی ("چیف کونسٹیبل") مین چیسٹر کی پیادہ فوج کے چالیس جوانوں کو لئے ہوئے تقریرگاہ تک بڑھا مگر جوانوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اس لئے وہ تھوڑی ہی دیر میں مجمع کے اندر ایک دوسرے سے الگ اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ فوجداری حکام دور ایک مکان سے کھڑے دیکھ رہے تھے وہ سمجھے کہ سپاہیوں پر حملہ ہوگیا۔ لہذا انھوں نے رسالے کے ایک دستے کو مجمع پر جا پڑنے کا حکم دے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے بڑے مجمع میں قیامت کی ہل چل برپا ہوگئی۔ سواروں نے زیادہ تر تلواروں کے رخ سے کام لیا تھا اور صرف تین "اصلاح طلب" اور ایک کوتوالی کا جوان اور ایک فوجی پیادہ ہلاک ہوئے لیکن کرچوں پتھروں اور روندن میں آنے سے شاید کل سو آدمیوں کے چوٹیں آئیں۔ یہ ناشدنی ہنگامہ جو بہت دن تک "جنگ پیٹرلو" کے نام سے یاد کیا گیا، صریحاً اس کی وجہ مقامی حکام کی نااہلیت تھی۔ مگر حکومت نے یہ اور بے عقلی کی کہ مزید تفتیش کے بغیر، حکام کے طریق عمل کی تعریف اور جو کچھ ہوا تھا، اس کی تائید کردی۔ اس غلطی سے دیہات میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور حکومت کے متعلق لوگوں کی بری رائے میں اور بھی پختگی آگئی ؛ ہنٹ اور دوسرے ممتاز اصلاح طلب گرفتار کئے گئے اور قانون کو تہدیداً اور جبر سے بدلنے کی سازش میں مختلف میعادوں کی سزائے قید پائی ؛

باب چہارم

قوانینِ ستّہ

مِن چسیٹر کے اس قبضے سے وزیر اعظم کو حیلہ مل گیا کہ قوانین کو زیادہ سخت کیا جائے۔ چنانچہ نومبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو چند نئے قانون وضع کئے گئے جن کو ملا کر "قوانین ستّہ" کہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی اہمیت جداگانہ تھی۔ پہلے قانون سے حکام کو، گھروں کے باہر جلسے روک دینے میں سہولت حاصل ہو گئی۔ یہ قانون پانچ سال کے لئے نافذ ہوا۔ دوسرے نے "بدروئی" کے مقدمات جلدی طے ہونے کا انتظام ہو گیا۔ اور سیاسی شورش کرنے والوں پر یہی الزام عائد کیا جاتا تھا؛ تیسرے قانون سے لوگوں کو بلا اجازت اپنی خوشی سے فوجی قواعد کی مشق کرنے سے روک دیا گیا۔ یہ ایک واجبی بات تھی اور کسی مہذّب ملک میں ایسی فوجی مشق جائز نہیں رکھی جاتی؛ چوتھا قانون ملحدانہ اور اہانت آمیز مغویانہ تحریروں کو زیادہ کارگر طور پر روکنے اور سخت سزا دینے کے لئے وضع ہوا۔ پانچویں سے فوجداری حکام کو سولہ تعلقوں میں (جہاں بہت شورش کا ہونا بیان کیا جاتا تھا) اسلحہ ضبط کر لینے کا اختیار دیا گیا۔ یہ قانون تین سال کے واسطے نافذ ہوا؛ چھٹا قانون صریحاً اخباروں کی آزادی محدود کرنے کے لئے وضع کیا گیا کیونکہ اس کی رو سے تمام اخباروں کے ناشروں پر نقد ضمانت پیشگی داخل کرنا لازمی ہو گیا تاکہ شورش انگیز یا کفر و الحاد کی تحریریں چھاپنے کی سزائیں جرمانہ ہو تو فوراً وصول کر لیا جائے۔ اس قانون سے کم استطاعت اشخاص کا اخبار جاری کرنا زیادہ دشوار ہو گیا اور خود اس کی نوعیت ایسی تھی کہ اخباروں کی کھلی ہوئی بے وقعتی ہوتی تھی؛ وھگ فرقے کی طرف سے ان سب قوانین کی سر توڑ مخالفت ہوئی اور تیسرے قانون کے سوا باقی سب جلدی یا کچھ بعد میں منسوخ کر دیے گئے؛

مجموعۂ تعزیرات

تعزیری قوانین کو نرم بنانے کے لئے سیم یول رومیلی نے جو محنت و سعی کی، اگرچہ اس کا کوئی نمایاں نتیجہ نہ نکلا تاہم چونکہ وہ ایک بہت بڑی اصلاح کی تمہید تھی اس لئے قابلِ ذکر ہے۔ واضح رہے کہ تمدّن کے ایسے ابتدائی مدارج میں جس میں انگلستان نارمن فتح سے قبل تھا، تعزیری قوانین کا منشا سزا کی بجائے معاوضہ ہوا کرتا تھا۔

پھر املاک کی قیمت بڑھی تو اس کی حفاظت کے واسطے بھی سخت تر قوانین بننے لگے اور چونکہ طویل مدت تک مجرموں کو قید میں رکھنا کافی زحمت و دشواری کا موجب تھا، لہذا ہر جرم کے واسطے سزائے موت مقرر کر دینا" لوگوں کو سب سے آسان معلوم ہوا۔ اس آئین کے ماتحت صدہا اشخاص پھانسیاں پاتے تھے۔ اور گو آگے چل کر لوگوں کے اخلاقی احساس پر یہ مقاتل بہت ناگوار گزرنے لگے لیکن اسی کے ساتھ قانون کا احترام قائم کرنے کا جذبہ بھی اتنا حد سے بڑھا کہ کیے بعد دیگرے جرائم پر سزائے موت عاید کی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۶۶۰ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک دو چار نہیں، پورے ۱۶۰ نئے جرائم سزائے موت کے مستوجب قرار دیے گئے۔ مگر اس افراط کی بدولت قانون کا اصلی مقصد ہی فوت ہونے لگا۔ خود ضرر رسیدہ مقدمہ چلانے سے، جوریاں مجرم گردانے سے، اور حکام عدالت سولیاں دینے سے رہا کرنے لگے۔ حتیٰ کہ بیس میں سے ایک فیصلے پر بھی واقعی عمل نہ ہوتا تھا جس سے قانون کا انسدادی فائدہ ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور ان اثرات کا تو ذکر ہی کیا ہے جو ساری قوم کو سخت دل اور بے رحم بنانے میں گویا ممد تھے، بایں ہمہ سنہ ۱۸۱۰ء تک اس خرابی کو دور کرنے کی کوئی واقعی کوشش نہیں ہوئی۔

تاآنکہ سر سیمیول رومیلی نے یہ قانون منظور کرایا کہ جیب کترے سزائے موت سے مستثنیٰ کر دیے جائیں گے۔ دکانوں سے پانچ شلنگ قیمت کا مال اڑالینا بھی سزائے موت کا مستلزم تھا۔ اور اسے کم کرنے کی تحریک دارالامرا میں آئی تو ایلڈن کی سرکردگی میں امرا نے یہ تحریک مسترد کر دی۔ یوں بھی رومیلی کی ساری عمر کی کوشش کا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، سوائے اس کے کہ دھوبیوں کے گھاٹوں سے کپڑے چرانا مستلزم موت جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ باوجود اتنی کم کامیابی کے اتنا ضرور ہوا کہ رومیلی کی چیخ پکار سے عام طور پر لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے اور آیندہ ایک نسل کے اندر ہمارے تعزیری قوانین کو پوری طرح بدل دیا گیا۔

قوانین ستہ منظور ہوئے ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ جنوری سنہ ۱۸۲۰ء میں جارج سوم نے وفات پائی اور اس کا بیٹا جارج چہارم رسمی اور حقیقی طور پر ملک کا بادشاہ ہو گیا۔

باب چہارم

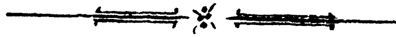
مشہور سنین

جمہوریہ فرانس سے جنگ .... سنہ ۱۷۹۳ تا سنہ ۱۸۰۲ء

نپولین " .... سنہ ۱۸۰۳ تا سنہ ۱۸۱۴ء

معرکۂ ٹرے فالگر .... سنہ ۱۸۰۵ء

معرکۂ واٹرلو .... سنہ ۱۸۱۵ء



باب پنجم

جارج چہارم سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۳۰ء

ولادت .... سنہ ۱۷۶۲ء
ازدواج با کیرولائن (برنسز وکی) .... سنہ ۱۷۹۵ء

مشہور معاصرین :-

فرانس .... لوئی ہجدہم
چارلس دہم

جارج چہارم کا دہ سالہ مختصر عہد حکومت تاریخ انگلستان میں ایک اہم تغیر کا زمانہ ہے کہ جارج سوم کے آخری زمانے میں فرقۂ ٹوری کو جو غلبۂ کامل حاصل تھا، وہ اسی دس سال میں ٹوٹا اور آیندہ (ولیم چہارم کے) عہد میں وھگ حکمت عملی کے فروغ کا راستہ صاف ہو گیا۔

نئے بادشاہ کے زمانے کا سب سے پہلا واقعہ ایک سازش کا انکشاف تھا جو ایسی واقعی اور اتنی خطرناک تھی کہ گذشتہ عہد حکومت میں ایسی کوئی سازش معرض ظہور

باب پنجم

میں نہ آئی تھی۔ یہ "کیٹو اسٹریٹ" کی سازش تھی جسے تھسل وُڈ نے پکایا۔ وہ پہلے فوج میں سردار تھا اور اسپا فیلڈ کے ہنگاموں میں بھی شریک رہا لیکن عدالت سے بری کر دیا گیا تھا اس نئی سازش میں کوئی درجن بھر بیباک آدمی بھی اُس کے شریک کار بن گئے تھے۔ اگرچہ ان میں سے کوئی بھی صاحب وجاہت و اثر نہ تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ وزرا کے کھانا کھانے کے وقت امیر ہیرو بی کے مکان میں داخل ہو کر ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ سڈمتھ اور کاسل ری کے کٹے ہوئے سر عوام الناس کو دکھائے جائیں۔ قلعۂ لندن پر جبراً قبضہ اور سپاہیوں کو مغلوب کر لیا جائے اور ایک عارضی حکومت بنالی جائے؛ یہ سارا منصوبہ جس قدر شقاوت پر مبنی تھا اسی قدر احمقانہ بھی تھا۔ خوش قسمتی سے حکام کو ایک شخص ایڈورڈز کے ذریعے پہلے سے اطلاع مل گئی۔ یہ بھی شبہ کرتے ہیں کہ ایڈورڈز ان بدبخت لوگوں کو جن کے پکڑوانے کی فکر میں تھا خود اغوا بھی کرتا رہا تھا۔ بہرحال مقررہ دن ۲۲ فروری تک اہل سازش سے مطلق تعرض نہیں کیا گیا اور عین اس وقت جب کہ وہ کیٹو اسٹریٹ کے ایک اصطبل میں گھاس کی مچان پر چڑھے ہوئے ہتیار لگا رہے تھے کوتوالی والے ان پر دوڑ لے گئے۔ یہ بازار ایج ویر سڑک کے آگے واقع ہے؛ مگر گرفتار کرنے میں ایسی بدسلیقگی سے کام لیا گیا کہ ایک کوتوالی کا عہدہ دار مارا گیا اور خود تھسل وڈ نکل بھاگا۔ بارے دوسرے دن گرفتار ہو کر آیا اور عدالت سے جرم بغاوت کی چار ساتھیوں سمیت انتہائی سزا پائی؛ حکومت وقت کے جو لوگ سخت مخالف تھے وہ بھی ایسی احمقانہ اور سفاکانہ سازش سے نہایت ناخوش ہوئے۔ ادھر حسن اتفاق سے اصلاح پارلیمنٹ کا ایک خیال ایسا سامنے آگیا کہ وہگ اور اصلاح طلب دونوں فریق اس میں متحد ہو گئے۔ اس اتحاد سے وہگوں میں تو حرارت پیدا ہوئی اور طالبان اصلاح کا جوش ذرا دھیما ہو کر بین بین صورت نکل آئی؛ ادھر تجارت کی کساد بازاری کے وہ خاص اسباب جو جنگ کا نتیجہ تھے دور ہوئے اور تجارت سرعت کے ساتھ از سر نو ترقی کرنے لگی تو اہل حرفہ اور مزدوروں کی کم سے کم ایک حد تک پریشانیاں بھی رفع ہو گئیں؛

جارج چہارم کے تعلقات زناشوئی	جارج کے نائب السلطنت کی بجائے خطاب بادشاہی

باب پنجم

اختیار کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ازدواجی زندگی کے حالات بہت ناگوار طریق پر طشت ازبام ہو گئے۔ ۱۷۸۵ء میں جارج نے ایک کیتھولک بی بی مسز فٹز ہربرٹ سے عقد کر لیا تھا۔ اس شادی کے خلاف قانون ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ قانون ازدواج خاندانِ شاہی مجریہ ۱۷۷۲ء کے مطابق اسے اپنے باپ سے شادی کی اجازت لینی چاہئے تھی جو اس نے نہیں لی۔ اب اگر مذکورۂ بالا شادی جائز تسلیم کر لی جاتی تو پھر مسودۂ قانونِ حقوق مجریہ ۱۶۸۹ء کی رو سے یہ شہزادہ وراثتِ بادشاہی سے محروم ہو جاتا۔ شادی کے وقت اس پر بے حساب قرضے کا بوجھ تھا اور اس میں زیادہ تر روپیہ تاش کے جوے میں لیا گیا تھا۔ مجبور ہو کر پارلیمنٹ سے یہ قرضہ ادا کرنے کی درخواست کی تو اس نے فوکس کو اجازت دے دی کہ مذکورۂ بالا شادی سے انکار کر دے اور ادھر مسز فٹز ہربرٹ کے سامنے بہت حیرت ظاہر کی کہ فوکس نے ایسا کیوں کیا؟ ان حرکتوں سے شہزادے کی راست بازی پر سخت حرف آگیا۔ بایں ہمہ فوکس اور بعض وہگ اکابر نے جائز رکھا کہ لوگ انھیں شہزادے کا دوست کہتے رہیں۔ بہرحال پہلی دفعہ کے قرضے تو ادا ہو گئے لیکن زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس نے تازہ قرضے لے لئے اور ۱۷۹۵ء میں وہ اتنا ہی پریشان ہو گیا جتنا کہ پہلے تھا۔ اس حالت میں باپ نے تجویز کی کہ اگر وہ باقاعدہ شادی کر لے تو اس کے قرضے دوبارہ ادا کر دئے جائیں گے۔ اس تجویز کو شہزادے نے بادلِ ناخواستہ قبول کیا اور باپ کو اختیار دیا کہ جہاں مناسب سمجھے نسبت قرار دے دے۔ شادی کے لئے امیر برنزوک اور جارج سوم کی بہن کی نوجوان بیٹی کیرولائن چنی گئی۔ شہزادے نے اسے پہلی مرتبہ شادی سے صرف تین روز قبل دیکھا۔ الغرض ۱۷۹۵ء میں شادی ہو گئی اور ایک بیٹی، شارلٹ بھی پیدا ہوئی لیکن شہزادہ تین ماہ کے بعد ہی دلھن کو چھوڑ کر پھر مسز فٹز ہربرٹ کے پاس چلا گیا۔ شوہر کا ایسا ظالمانہ برتاؤ ہر بیوی کو شاق گزرتا۔ بدنصیبی سے کیرولائن کی جبلت بھی ایسی نہ تھی کہ اپنا غصہ ضبط و متانت سے برداشت کر لیتی۔ ان کی تربیت بری اور تعلیم ادنیٰ درجے کی ہوئی اور معلوم ہوتا ہے مزاج میں بہت ہی چھچھورا پن تھا۔ وہ بلیک ہیتھ میں رہتی تھی اور تھوڑے ہی دن میں اس کی حویلی کے متعلق سرگوشیاں

باب پنجم

ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ ۱۸۰۶ء میں خود شہزادے اور اس کے بھائیوں کے اصرار سے حکومت نے "نازک تحقیقات" کے نام سے شہزادی کے طرزِ عمل کی خفیہ تفتیش بھی کرائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شرمناک افعال کے الزام سے بالکل بری ثابت ہوئی۔ اور آیندہ کئی سال تک اس بارے میں کوئی چرچا نہیں سنا گیا لیکن ۱۸۱۴ء میں کیرولائن باہر گئی اور تھوڑے ہی دن میں یہ افواہ انگلستان پہنچی کہ آزادی سے فائدہ اٹھا کر وہ بے محابا عیش اڑانے لگی ہے۔

شارلٹ اور وکٹوریہ

اس عرصے میں اس کی بیٹی شارلٹ بڑی ہوتی جاتی تھی۔ آٹھ سال کی عمر سے وہ اپنی ماں کی نگرانی میں بہت کم چھوڑی جاتی تھی اور ۱۸۱۴ء سے تو کبھی اپنی ماں سے ملنے ہی نہ پائی تھی۔ اس کی تعلیم کا بے حد اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے نتائج بھی نہایت اطمینان بخش ہوئے اور قوم یہ شکر خدا کا شکر کرتی تھی کہ ان کی آیندہ فرماں روا کس قدر نیک، نڈر اور خوش طبع ہے۔ ۱۸۱۶ء میں اس کی شادی لیوپولڈ شہزادۂ سیکس کوبرگ کے ساتھ کی گئی جو موزوں ترین شوہر بننے کی قابلیت رکھتا تھا۔ یہ سب باتیں حسب دلخواہ ہو رہی تھیں کہ نومبر ۱۸۱۷ء میں شارلٹ کے ایک مردہ بچہ پیدا ہوا اور اسی میں وہ خود فوت ہو گئی۔ اس حادثے نے ملک بھر کو سخت پریشان و ملول کر دیا۔ بادشاہ کی دوسری اولاد میں منجھلا بیٹا شہزادۂ یارک متاہل مگر لاولد تھا۔ شہزادگان کلیرنس، کینٹ اور کیمبرج کی شادی نہ ہوئی تھی۔ کمبرلینڈ کی شادی ہوئی اور بچے بھی تھے لیکن ملک میں وہ بہت ہی نامقبول تھا۔ تب تینوں شہزادوں نے جلدی شادیاں کر لیں۔ کلیرنس کے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی مگر فوراً ہی مر گئی اور اس طرح تخت کی آیندہ وراثت شہزادۂ کینٹ کی بیٹی وکٹوریا کے حصے میں آ گئی جو بتاریخ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء پیدا ہوئی اور اپنے چچا جارج اور ولیم کے بعد وارثِ سلطنت بن گئی۔

جارج چہارم نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیروں سے استدعا کی کہ کیرولائن کو طلاق دلوا دیں حالانکہ خود اس کی زندگی کے شرمناک واقعات سب پر ظاہر تھے۔ وزرا نے ملکہ سے خط کتابت کی کہ وہ انگلستان کے باہر ہی رہے

باب پنجم

اور ادھر نئے بادشاہ سے وعدہ کر لیا کہ اگر کیرولائن ملک میں آئی تو باضابطہ طلاق دلوا دیں گے۔ بہت ممکن تھا کہ ان کی کوشش کامیاب ہو جاتی اور ملکہ انگلستان واپس نہ آتی لیکن کلیسا کے خطبوں سے اس کا نام اڑا دیا گیا اور یہ انگلستان کے ہر کلیسائی حلقے میں گویا اس کے مجرم ہونے کا اعلان تھا۔ اسے وہ برداشت نہ کر سکی اور سارے نامہ و پیام بالائے طاق رکھ کر جون میں انگلستان آ پہنچی۔ امرا تو الگ رہے لیکن عوام اور متوسط طبقوں نے اس کا تپاک سے استقبال کیا۔ اب وزیروں کو مجبوراً اپنا وعدہ پورا کرنا پڑا۔ ایک کیننگ نے اپنے عہدے سے البتہ استعفا دے دیا ورنہ حکومت کی طرف سے "تاوان و سزا بحد طلاق نامہ" کا مسودۂ قانون دارالامرا میں پیش ہوا۔ پھر جس طرح ملکہ کی معاشرت کی تمام جزئیات پر علانیہ بحث مباحثہ اور الٹا لوی گواہوں کے بیانات ہوئے ان سے ساری قوم کی سخت فضیحت و رسوائی ہوئی۔ شہادتیں اخباروں میں طبع ہوتی تھیں اور ہر طبقے کے لوگ روزانہ ان کا چرچا کرتے تھے۔ مگر یہ بیانات طلاق کا فیصلہ صادر کرنے کے لئے کافی نہ تھے اور ملکہ کے قانونی پیروکار بروام اور ڈین من نے جرح میں ان بیانات کی بری طرح تکذیب کی۔ قانون کی دوسری خواندگی ۲۸ اور تیسری صرف ۹ رائے کی اکثریت سے منظور ہوئی۔ پس وزیروں کو نظر آ گیا کہ دارالعوام میں یہ مسودہ منظور نہیں ہو سکیگا لہذا یہ خیال ترک کر دیا گیا۔ لیکن جب تک قانون بننے کا امکان تھا اس وقت تک تو عام طور پر لوگ ملکہ کے دل سے طرفدار تھے البتہ جب قانون وضع کرنے کا خیال چھوڑ دیا گیا، تو پھر عام رائے اس کے خلاف ہو گئی کیونکہ شہادتیں اگرچہ ناکافی تھیں تاہم ملکہ کی نیکنامی پر ان سے ضرور حرف آ گیا اور اس کے طرفداروں کی تعداد بھی بہت جلد کم ہونے لگی۔ طرہ یہ ہوا کہ کمال بے عقلی سے اس نے نومبر میں اپنے شوہر کے ساتھ اپنی تاج پوشی کا مطالبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اسے مسترد کر دیا گیا اور وہ کلیسائے ویسٹ منسٹر کے دروازے پر پہنچی تو اسے داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اس تکلیف دہ واقعے کے بعد وہ رنج و غصے میں بھری ہوئی واپس گئی تو اسی ہیجان کی بدولت بخار چڑھ آیا اور وہ جان سے گزر گئی۔ اس کی موت سے ایک بڑا خطرہ دور ہو گیا ورنہ "تاوان و سزا" کے مسودۂ قانون سے خود بادشاہی

باب پنجم

ایسی معرض خطر میں پڑ جاتی کہ شاید پہلے کبھی نہ پڑی تھی۔

جس وقت کیٹلو اسٹریٹ کی سازش اور ملکہ کے مقدمے کا ہیجان فرو ہوگیا، تو اس بات کے اندازے کا موقع ملا کہ انقلاب فرانس نے ہر قسم کی اصلاحات کو جیسا ہوا بنا دیا تھا، وہ صورت اب باقی نہیں رہی اور ملک میں تازہ فلاح و ترقی کے آثار نمایاں ہوئے؛ ۱۸۱۲ء میں بروہم نے قومی تعلیم کی تجویز پیش کی۔ ہورنر کی وفات کے بعد سے فریق اختلاف میں سب سے ممتاز شخصیت بروہم ہی کی ہوگئی تھی۔ دوسرے مسئلۂ تعلیم پر اس سے بہتر واقفیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوگی۔ اگرچہ اس کا خاندان ویسٹ مورلینڈ کا تھا مگر وہ اڈن برو میں پیدا ہوا کیونکہ اس کے باپ نے اسی شہر میں رابرٹ سن (مورخ) کی بھتیجی سے شادی کرلی تھی۔ بروہم کی تعلیم اسی شہر کے مدرسے اور جامعہ میں ہوئی اور وہ اسکاٹ لینڈ کے عمدہ تعلیمی نظام سے خوب واقف ہوگیا۔ ہورنر بھی اسی مدرسے کا تعلیم یافتہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں وہ اور جیفرے، بروہم اور سڈنی اسمتھ مل کر "اڈن برو ریویو" جاری کرچکے تھے۔ اس رسالے نے فرقہ وہگ کے خیالات شائع کرنے میں وہ کچھ کیا کہ کیننگ کو اس کا اثر زائل کرنے کی غرض سے رسالہ "کوارٹرلی" نکالنا پڑا۔ بروہم اسکاٹ لینڈ کے دیہاتی مدارس کا طریقہ انگلستان میں رائج کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ اس کی تجویز تھی کہ ان مدرسوں کے تمام استاد سرکاری کلیسا کے افراد ہونے چاہئیں، لہٰذا غیر متقلد فرقوں میں اس کی تائید نہ ہوئی اور انھی کی مخالفت سے یہ تجویز برباد ہوگئی۔ البتہ چند سال بعد بروہم نے وہ تحریک شروع کی جو "جامعۂ لندن" کی تاسیس پر منتج ہوئی اور یہ اس کا مستقل فائدہ بخش کارنامہ تھا۔ کیونکہ اس جامعہ کا ملک کی اعلیٰ تعلیم پر برابر بہت کچھ اثر پڑتا رہا ہے؛ اسی سلسلے میں وہ حرفتی جماعت خانے بھی قابل ذکر ہیں جو اہل حرفہ کی دماغی اور اخلاقی اصلاح کی غرض سے بطور انجمن گاہوں (کلبوں) کے قائم کئے گئے۔ اس تجویز کو سب سے اول ڈاکٹر برک بیک نے عملی جامہ پہنایا مگر بروہم بھی اس میں بہت کچھ دلچسپی لیتا رہا۔ اسی طرح "انجمن اشاعت علوم مفیدہ" بھی انھی دنوں قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ علوم و فنون کی عمدہ اور ارزاں کتابیں کم استطاعت ناظرین تک پہنچائے؛

آثار فلاح و ترقی

باب پنجم

بائرن اور شیلی

جن دنوں عملی آدمی اس قسم کے کاموں میں مصروف تھے بائرن اور شیلی جیسے شعرا آزادی اور زندگی کے نئے خیالات سے اہلِ ذوق میں ولولہ پیدا کر رہے تھے اور برنز کے نقشِ قدم پر چل کر ورڈس ورتھ اور کول رج، شعر میں ایک نئی قوت، واقعیت اور صداقت کا جذبہ پھونک رہے تھے جو اٹھارھویں صدی کے ادبیات عالیہ کے دور میں کہیں نظر نہیں آتا۔

۱۸۲۱ء میں سر جیمس میکن ٹوش کی کوشش سے قانون فوجداری میں وہ ترمیم ہوئی جو رومیلی ساری عمر نہ کرا سکا تھا۔ یعنی دکانوں سے پانچ شلنگ قیمت کے سامان کی چوری سنگین جرائم کی فہرست سے خارج کر دی گئی۔ اس کے بعد اگرچہ اصلاح کی رفتار سست رہی تاہم رومیلی اور میکن ٹوش کے مقاصد کے مؤیدین برابر بڑھتے رہے اور ۱۸۳۷ء میں ایک مجلس تحقیقات قوانین فوجداری کی سفارش پر بہت سی رعایتیں کر دی گئیں۔ اس کی اور بھی توسیع ۱۸۴۵ء میں ہوئی جب کہ یہ قانون وضع ہوا کہ موت کی سزا، صرف قتل، اقدام قتل اور بغاوت تک محدود کر دی جائے اور آخر میں اقدام قتل کو بھی اس فہرست سے ہٹا دیا گیا۔ ان ترمیمات کے اثر کا اندازہ اس وقت بخوبی ہوتا ہے جب کہ ہم یہ حساب لگائیں کہ ۱۸۱۰ء سے ۱۸۴۵ء تک کم سے کم چودہ سو اشخاص کو انھی جرائم کی سزا میں موت کی سزا ملی، جو اس سال کے بعد سے سنگین جرائم کی فہرست سے خارج کئے گئے تھے۔

اصلاح پارلیمنٹ

اصلاح پارلیمنٹ کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ اس معاملے میں بروہام کی زبان بند رہی کیونکہ وہ خود برابر انھی حلقوں کا مبعوث رہا تھا جہاں نامزدگی کر دی جاتی تھی البتہ امیر کبیر بیڈفورڈ کے ایک چھوٹے بیٹے لارڈ جان رسل نے جو بلا کا عنتی شخص تھا، اس مسئلے کو اٹھایا۔ ۱۸۲۱ء میں کارنول کا حلقہ گریم پاونڈ کو رشوت کی گرم بازاری کی بنا پر حق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا اور اس وقت سوال پیدا ہوا کہ وہاں کے مبعوثین کس حلقے میں داخل کئے جائیں۔ دار العوام نے فیصلہ کیا کہ لیڈز کو یہ حق ملے اور یہ فیصلہ اسی اصول پر ہوا تھا کہ نامزدگی کے حلقوں کو رفتہ رفتہ محروم ادان کی بجائے

باب پنجم

بڑے شہروں کو انتخاب کا حق دیا جائے۔ مگر دارالامرا نے مذکورۂ بالا فیصلے کی یہ ترمیم کی کہ وہ مبعوث یارک کے پورے تعلقے میں تقسیم کر دیے اور اِس منزل میں دارالعوام بھی اس ترمیم پر رضامند ہو گیا۔

کیتھولک فرقے کی مساوات و آزادی کی تحریک بھی کچھ آگے بڑھی۔ چند سال سے یہ کارروائی زیادہ تر گریٹن کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے ۱۸۱۳ء ۱۸۱۶ء اور ۱۸۱۹ء میں تجاویز بھی پیش کیں لیکن قلیل اکثریت سے شکست ہوتی رہی۔ خود وزرا میں باہم اختلاف تھا۔ البتہ کاسل ری کیتھولکوں کی طرفداری میں برابر ثابت قدم رہا اور کیننگ سے بھی پیہم مدد ملتی رہی۔ بہرحال ان کی تائید ملک میں بڑھتی جاتی تھی اور ۱۸۲۱ء میں پلنکٹ نے ان کی سختیاں اور قیود دور کرنے کی تجویز پیش کی تو دارالعوام میں خاصی اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔ البتہ اُمرا نے یہ مسودۂ قانون مسترد کر دیا۔

وزرا کا ردّ و بدل

مذکورۂ بالا تحریکات تمام تر فریق اختلاف کی رہینِ منت تھیں۔ مگر پارلیمنٹ اور ملک میں خیالات اس قدر نمایاں طور پر بدلتے جاتے تھے کہ وزارت نے زیادہ ہردلعزیز اشخاص کو حکومت میں لے کر اپنی مضبوطی کرنی ضروری سمجھی۔ ۱۸۲۲ء میں گرین ویل کے گروہ سے اتحاد ہو گیا اور گو خود گرین ویل وزارت کا کام سنبھالنے پر آمادہ نہ ہوا لیکن اس کے کئی پیرو جن کا سرگروہ خود اس کا بھتیجا امیر کبیر بکنگ ہم تھا، حکومت میں شریک ہو گئے۔ اسی زمانے میں کیتھولک فرقے کا دوست، مارکوئیس ولزلی آئرستان کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ ان سب سے بڑھ کر ایک تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ سڈمتھ، یہ سمجھ کر کہ اب سازشوں کی تفتیش و جستجو کا کام ختم ہو چکا ہے، عہدے سے دستکش ہو گیا اور اس کی بجائے روبرٹ پیل مقرر ہوا۔ یہ شخص لنکا شر کے ایک کارخانہ دار کا بیٹا، اور ہیرو اور کرائسٹ چرچ کا تعلیم یافتہ تھا۔ آکسفرڈ میں وہ دو مضمونوں میں اوّل رہا اور پارلیمنٹ میں داخل ہوا تو اس کے باپ نے کہا کہ بیٹا اگر تم وزیراعظم نہ ہوئے تو میں ایک اُٹھنی دے کر تمھیں الگ کر دوں گا۔ پیل پکا ٹوری تو تھا لیکن خود اہلِ حرفہ میں پلا بڑھا اور ان کی روزافزوں آبادی کے

باب پنجم

خیالات سے پوری ہمدردی رکھتا تھا۔ وزیر داخلہ رہنے کے زمانے میں اس کا سب سے یادگار کام یہ ہے کہ لندن کی کوتوالی کی جمعیت کی تنظیم کی اور اس جمعیت کو آج تک عوام الناس چڑانے کے لئے چند ناموں سے یاد کرتے ہیں جو پیل ہی کے پہلے یا دوسرے نام پر رکھ دئے تھے۔

کاسل ری کی وفات

ان تبدیلیوں سے لورپول کی وزارت کا رنگ بہت کچھ بدل گیا۔ لیکن سب سے بڑا تغیر کاسل ری کی خودکشی سے واقع ہوا۔ یہ خودکشی اس نے ۱۸۲۲ء میں ترپن سال کی عمر میں کی۔ ایک سال قبل وہ اپنے باپ کی جگہ مارکوئیس لنڈن ڈری ہوا تھا اور عام لوگوں کی نظر میں پرانے ٹوری جذبات کا سراپا مرقع تھا۔ ہر چند ذاتی میل جول میں وہ بہت نیک دل اور خوش مزاج آدمی تھا لیکن باہر لوگوں میں ہر قسم کے نئے خیالات کا بے درد مخالف نظر آتا تھا اور بے احتیاطی سے بعض تقریریں کر کے اس نے اپنی شہرت بگاڑ لی تھی۔ بے شبہ ام نہاد جمہوری یا عام پسند تحریکوں کو وہ ذرا بھی پسند نہ کرتا تھا لیکن اسی کے ساتھ بادشاہوں کے "اتحادِ مقدس" کی بے اعتدالیوں کو بھی بقیناً اس نے روکا۔ تنگ خیال اشخاص اکثر نہایت پختہ مزاج اور راست باز ہوا کرتے ہیں، کاسل ری کا بھی شمار انھی میں ہے اور نپولین کے ساتھ جدوجہد میں کامیابی پانے کے لئے جیسی استقامت اور مضبوط ارادے کی ضرورت تھی، وہ ان سے متصف تھا اور اس موقع پر نہایت عمدہ وزیر خارجہ ثابت ہوا۔ لیکن امن و صلح کے زمانے میں جب وسعت خیال اور زیادہ احتیاط و سلیقہ مندی کی ضرورت تھی، اس وقت کاسل ری اتنا کامیاب نہ رہ سکا۔ وطنی معاملات میں، بجز کیتھولک فرقے کی آزادی کے، وہ یقیناً رجعت پسند تھا اور اس کی موت سے غالباً راہِ ترقی کی ایک رکاوٹ دور ہو گئی۔ آخر میں اس کا دماغ بے کار ہو گیا اور اس نے خودکشی کر لی جس پر نہایت بدتہذیبی سے خوشیاں منائی گئیں اگرچہ یہ بھی اس امر کی دلیل تھی کہ عوام الناس جس نظامِ تمدن کا کاسل ری کو نمونہ سمجھتے تھے، وہ کس درجہ نامقبول تھا۔

متوفی وزیر کی بجائے کیننگ وزیر خارجہ ہوا۔ اس نے ۱۸۱۲ء میں

باب پنجم

طے کیا تھا کہ اگر وزیر اعظم نہ بنایا گیا تو پھر دوسرا کوئی عہدہ قبول نہ کرے گا۔ لیکن بعد میں کاسل ری کی شہرت کے آگے خود ماند ہو کر رہ گیا تھا لہٰذا لزبن میں کچھ مدت سفیر رہنے کے بعد ۱۸۱۶ء میں نظارتِ ہند کی صدارت قبول کر کے وزارت میں شامل ہو گیا۔ ۱۸۲۰ء تک اس کی توجہ ہندوستان کے معاملات تک محدود رہی لیکن اس سال "تاوان و سزا" کے مسودۂ قانون کی مخالفت کی بنا پر عہدے سے مستعفی ہو گیا۔
پھر وہ گورنر جنرل بنکر ہندوستان جانے کی فکر میں تھا، اور مجلس نظما نے اسے منتخب بھی کر لیا تھا کہ اتنے میں اپنے حریف کے مرنے کی خبر آئی اور وہ سب ارادے بدل دیئے۔ لورپول نے بلا تاخیر وزارتِ خارجہ اور دار العوام کی سرگروہی پیش کی اور کیننگ نے دونوں عہدے قبول کر لئے۔

اتحادِ مقدس

کیننگ نازک موقع پر وزیر ہوا کیونکہ ملوک یورپ کا اتحادِ مقدس جو پہلے محض برائے نام چیز سمجھا جاتا تھا اس کے اصول پر عمل کرنے کا انہی دنوں ایک موقع یہ نکل آیا کہ اسپین میں بغاوت برپا ہو گئی۔ جوزف بوناپارٹ کے اخراج پر فرڈینینڈ ہفتم واپس آیا تو ۱۸۱۲ء کا آئین حکومت منسوخ اور مجلس طبقات شکست کر دی گئی۔ استبداد کا دوبارہ یہ دور دورہ دیکھ کر اسپین والے بھی چیں بجبیں ہوئے بغیر نہ رہے۔ ۱۸۲۰ء میں بغاوت برپا ہوئی، ۱۸۱۲ء کا آئین بحال ہوا اور بادشاہ کو بھی منظوری دینی پڑی۔
اس واقعے پر غور کرنے کی غرض سے ورونا میں ایک موتمر کا انعقاد اور برطانیہ کی طرف سے ولنگٹن وکیل نامزد ہوا۔ عین اس انعقاد کے وقت کاسل ری کی جگہ کیننگ وزارت خارجہ کی کرسی پر فائز ہوا اور گو اس نے متوفی وزیر کی تحریری ہدایات میں کوئی کمی بیشی نہ کی تھی لیکن ولنگٹن کی طرف سے مزید ہدایات کی درخواست ہوئی تو کیننگ نے صاف طور پر یہ اصول مقرر کر دیا کہ اسپین والوں پر دباؤ ڈالنے میں انگلستان مطلق شرکت نہ کرے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقین ہے کہ اتحاد مقدس کا پورا دباؤ اہل اسپین پر ڈالا جاتا کیونکہ زار کی تجویز تھی کہ روسی فوجیں رائن کے کنارے پر بھیجدی جائیں۔ ایسی متفقہ کارروائی کو کیننگ کی روش نے روک دیا۔ البتہ جب فرانس کی سپاہ اسپین پر حملہ آور ہوئی اور فرڈینینڈ کو بحال کر کے

باب پنجم

آئین حکومت کو پھر منسوخ کیا گیا، تو کیننگ کو خاموش رہنا پڑا۔ برطانیہ کے واسطے یہ غیر جانب داری کچھ قابلِ اعزاز شے نہ تھی لیکن کیننگ نے عذر پیش کیا کہ اس طرز عمل سے عام جنگ کی نوبت نہ آنے پائی اور معاملہ فرانس و اسپین تک محدود ہو گیا۔ مزید برآں اسپین والوں نے اپنی آزادی کی حمایت میں کوئی خاص ایثار ظاہر نہیں کیا اور اس لئے ان کی بغاوت کو صحیح معنی میں قومی کہنا درست نہ تھا۔ رسمی طور پر کیننگ کا یہ فعل اپنے پیش روکی اس کارروائی کے مماثل تھا کہ اُس نے ۱۸۲۱ء میں آسٹریہ کی نیپلز میں مداخلت جائز رکھی۔ بایں ہمہ ان دونوں کے اصول میں اس قدر فرق تھا کہ تمام یورپ میں لوگ محسوس کرنے لگے کہ کیننگ کی حکمت عملی اتحادِ مقدس کے کارگزیاں کے حق میں سراسر مہلک ہے۔

اسپین کی امریکی مستعمرات کے مسئلے میں بھی کیننگ کا طرزِ عمل خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان نوآبادیوں نے شاہ جوزف کی بادشاہی کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور چونکہ اس کے ہاتھ میں بحری قوت نہ تھی اس لئے وہ ان کو مجبور بھی نہ کر سکا۔ پس جوزف کے چند روزہ عہد میں یہ علاقے بالکل خود مختار رہے اور فرڈی نینڈ بحال ہوا تو اس وقت بھی اپنی خود مختاری چھوڑنے پر خوشی سے تیار نہ تھے۔ جنھیں فرڈی نینڈ کی حکومت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو بھی موقع ملتے ہی وہاں والوں نے بغاوت کر دی۔ بغاوت کے سُورما ایک تو مستعمرات کی آزادی کا اصلی بانی، مرانڈا، دوسرے بولی ور اور انگریز امیر البحر کاکرن تھے۔ ۱۸۲۲ء تک عملاً سب علاقے خود مختار ہو گئے اور کیننگ نے اس کو بہت کچھ اہمیت دی۔ اس کی رائے میں اسپین کی نوآبادیوں کا اُس کے قبضے سے نکل جانا گویا فرانس کی مداخلت کا نعم البدل تھا۔ چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ "اسپین پر نظر ڈالی، تو میں نے قصد کر لیا کہ اگر اسپین پر فرانس کا قبضہ ہو جائے۔ تو پھر میں اُسے وہ اسپین نہ رہنے دوں گا جیسا کہ "جزائر الہند" کے ساتھ وہ ہمارے اجداد کے ذہن میں تھا۔ پس پُرانی دنیا کا توازن درست کرنے کی غرض سے میں نئی دنیا کو معرضِ وجود میں لے آیا۔" پھر اسی حکمت عملی کے تحت برطانیہ نے اسپینی مستعمرات کی خود مختاری تسلیم کر لی اور اسپین استعماری سلطنت کی بجائے صرف یورپ کی ایک طاقت رہ گیا۔

باب پنجم

"اتحادِ مقدس" سے تبرّی اور نئی امریکی جمہوریتوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ کیننگ نے اہلِ یونان سے دلی ہمدردی کا ثبوت دیا۔ جو حصول آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ یوں بھی جن ارباب سیاست نے یونانی ادبیات کی تعلیم پائی تھی انھیں یونانیوں کی ترکی سے بغاوت میں گمنام امریکی آبادکاروں کی بغاوت کی نسبت کہیں زیادہ دلچسپی تھی اور بہت سے انگریز یونانی باغیوں کے معاملات میں خاص ذوق رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ (اسلامی سلطنت ہونے کے باعث) ترکی "اتحادِ مقدس" میں شریک نہ تھی اور اپنی باغی رعایا کے مقابلے میں کوئی امداد طلب نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ اتحاد کا رکن رکین، یعنی روس، ہر اعتبار سے یونان کی کامیابی کا آرزومند تھا جس سے استنبول کی طرف خود روسی اقدام میں سہولت ہو جانے کی امید تھی۔ روس کی اسی درازدستی کے خوف نے معاملے کو پیچیدہ بنا دیا اور مغربی طاقتیں الگ رہیں۔ ترک اپنے آپ جس طرح ہوا بغاوت فرو کرنے میں مصروف رہے اور سات برس تک یونانی باغی مقابلے میں جمے رہے۔

جس وقت کیننگ برطانیہ کے معاملات خارجہ میں ایک نئی روح پھونک رہا تھا، اسی زمانے میں اس کے دوست ہسکسن نے وطن کی تجارت و مصنوعات میں خاصا انقلاب پیدا کر دیا۔ یہ اسٹیفرڈشر کے ایک کم استطاعت زمیندار کا بڑا بیٹا اور ۱۷۷۰ء میں پیدا ہوا۔ ۱۷۹۰ء میں پیرس کی برطانی سفارت کا معتمد مقرر ہوا اور بعد میں پٹ کے قانون اجانب کو اس اخلاق اور خوش اسلوبی سے نافذ کیا کہ اس کی بہت شہرت ہوئی۔ لیکن اس کی آیندہ ترقی سست رہی اور ۱۸۱۲ء کے بعد کیننگ کی دوستی بھی اس کے آگے بڑھنے میں حائل ہو گئی۔ ۱۸۲۲ء میں کیننگ وزیر خارجہ ہوا تو ہسکسن کو نظارت تجارت کا صدرنشین بنوا دیا اور اگلے سال لورپول کی طرف سے کیننگ کی بجائے وہی مبعوث منتخب ہوا۔ سیاسی خیالات میں وہ ٹوری تھا لیکن تجارت کے متعلق ہر معاملے میں اس کی نگاہ وسیع اور خیالات میں آزادی تھی۔ مجلس نظارت کی صدارت پر آئے ہوئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کے اثر سے حکومت نے زیادہ آزادانہ روش اختیار کر لی۔ اس تعریف میں جان روبسن بھی حصہ دار ہے جو ۱۸۲۳ء میں وین سیٹارٹ

باب پنجم

کی جگہ وزیر مالیہ مقرر ہوا اور محاصل کی کمی بیشی کے متعلق، جس کے بغیر ہسکسن کی نئی تجویزیں نہ چل سکتی تھیں، نہایت دوستانہ طریق پر ہسکسن کے ساتھ کام کرتا رہا۔ آگے چل کر روبنسن کو لارڈ گوڈریچ کا خطاب ملا؛

غرض انھوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ ریشم اور اون کے محصول گھٹا دیے اور بیرونی شہتیر کے زرِ درآمد میں کمی کر دی کہ جہاز سازوں کو بنانے میں کفایت ہوا اور مالکانِ جہاز کرایہ بھاڑا کم کر سکیں۔ ساتھ ہی قوانین جہاز رانی میں بہت کچھ ترمیم کرائی۔ یہ قوانین کروم ویل کے عہد میں وضع ہوئے اور چارلس دوم کے زمانے میں ان کی تجدید ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے بجز انگریزی جہازوں کے انگلستان میں یورپ کے باہر کا مال، دوسرے جہازوں میں نہ آ سکتا تھا البتہ یورپ کا مال اسی ملک کے جہاز لا سکتے تھے، جہاں کا مال ہو۔ ۱۷۸۲ء تک امریکی نوآبادیاں اس قانون سے مستثنیٰ تھیں کیونکہ وہ برطانی علاقہ تھیں لیکن سنہ مذکور کے بعد سے وہ بھی غیر ممالک میں داخل ہو گئیں اور ان کے جہاز بھی مال لانے سے روک دیے گئے۔ اسی لئے وہاں کا مال بھرت کے طور پر آتا اور امریکہ والوں کو دونوں طرف کا کرایہ بھرنا پڑتا تھا۔ ان قوانین کا قدرتی طور پر باہر والوں نے بدلہ لیا کہ اکثر ملکوں نے انگریزی جہازوں کا اپنی بندرگاہوں میں آنا موقوف کر دیا۔ انگریزوں کی خواہش تھی کہ ولایات متحدہ اور جنوبی امریکہ کی جمہوری ریاستوں سے بڑے پیمانے پر تجارت کریں مگر مذکورۂ بالا قوانین سدِ راہ تھے۔ پس ہسکسن نے انھیں بھی وہی مرتبہ دلوا دیا جو ممالک یورپ کو حاصل تھا۔ اس پر بہت شور مچا کہ برطانی جہاز رانی کو سخت نقصان پہنچے گا لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ نئے دور میں جہاز سازی کی صنعت کو خوب ترقی ہوئی اور برطانی جہازوں کی تعداد سرعت سے بڑھنے لگی؛

ایک اور قابلِ ذکر قانون اسپٹ فیلڈ کے ریشم بافوں کے لئے وضع ہوا۔ لندن میں ریشم کی اس صنعت کی فرانس کے ہیوگونو اشخاص نے ابتدا کی تھی جو جیمز ثانی کے زمانے میں اپنے وطن سے فرار ہو کر انگلستان چلے آئے تھے۔ انھیں شروع سے خاص خاص ضوابط کا پابند رکھا گیا اور وقتاً فوقتاً حکام فوجداری ریشم بننے والوں کی اُجرت مقرر کرتے رہتے تھے؛ اِدھر ملک کے دوسرے اضلاع خاص کر چیشر اور

باب پنجم

اسٹیفرڈ شہر میں بھی جا بجا ریشم تیار ہونے لگا اور وہاں ان پر کسی قسم کی قیود عائد نہیں ہوئیں۔ اس سے اسپٹ فیلڈ (لندن) کا ریشم گراں تر اور نسبتہً کم فروخت ہونے لگا اور لندن کے ریشم بافوں نے اپنی قیود کے خلاف شور مچایا چنانچہ پارلیمنٹ کے ایک نئے قانون کی رو سے یہ قیود دُور کر دی گئیں۔

مزدوروں کی حالت میں ایک اور تبدیلی یہ ہوئی کہ ان پر ملک میں آنے جانے کی جو قیود تھیں، وہ سب منسوخ کر دی گئیں۔ واضح رہے کہ یہ قیود چارلس دوم کے وقت اور قانونِ بندوبست کے سلسلے میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کا اصلی مقصد یہ تھا کہ حلقے کے نگران کار آسانی سے ایسے نو واردوں کو وہاں سے اٹھا سکیں جن کی نسبت احتمال ہو کہ حلقے پر ان کا بار پڑ جائے گا۔ ایک اور اہم تغیر ۱۸۲۴ء و ۱۸۲۵ء میں اجیر و آجر کے معاملے میں ہوا۔ اصل میں ۱۸۰۰ء میں ایک قانون نافذ ہوا تھا کہ پھیری والوں اور کاریگروں نے اجرت کے اضافے، کام کے گھنٹے یا محنت کم کرنے یا کام میں اور کسی قسم کی ردّ و بدل کے لئے باہمی جو اقرار کئے ہوں، وہ سب قانوناً کالعدم سمجھے جائیں گے۔ ۱۸۲۴ء تک اسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا رہا۔ سنہ مذکور میں پارلیمنٹ کی ایک ذیلی جماعت کی سفارش پر یہ سب ضوابط منسوخ کر دیئے گئے تھے مگر بعد میں غور کے بعد یہ منسوخی بھی بہت عام اور بیجا نظر آئی اور ۱۸۲۵ء میں ایک اور قانون وضع کیا گیا کہ جائز و ناجائز قول و قرار کی تصریح کر دی جائے۔ چنانچہ کام لینے والے اور کام کرنے والے کے درمیان اوقات یا اجرت کے متعلق جو کچھ اقرار ہو، وہ جائز قرار دیا گیا اور خود مزدوروں یا کاریگروں کا مل کر آجروں پر زبردستی دباؤ ڈالنا، ناجائز قرار پایا۔

ہسکسن کے مجوزہ قوانین کی مخالفت کم ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جس زمانے میں یہ پیش ہوئے اس وقت تجارت اور صنعت و حرفت بڑی ترقی پر تھیں۔

تجارتی پریشانی

اس گرم بازاری کی بدولت لوگوں نے اناپ شناپ روپیہ لگانا شروع کیا اور جنوبی امریکہ کی تجارت میں خصوصیت کے ساتھ طرح طرح کی قسمت آزمائیاں کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کو نقصان پہنچا۔ بہت سی ساہوکارہ کوٹھیاں اور شرکتیں دوالیہ ہو گئیں۔

باب پنجم

اکثر کاریگر بے روزگار رہ گئے۔ صلح کے بعد چند سال تک جس قسم کی ہل چل رہی تھی، وہی نقشہ پھر نظر آنے لگا۔ شہروں اور دیہات میں بہت سی کلیں توڑی گئیں کیونکہ دستکاروں میں ان کے رواج سے بدگمانی چلی جاتی تھی اور مصیبت کے وقت سب ان خرابیوں کا سبب انھی کلوں کی ایجاد کو قرار دیتے تھے۔

کیتھولک فرقے کی آزادی۔

اس عرصے میں کیتھولک فرقے کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے بڑھ کر توجہ کا مرکز بننے لگا تھا۔ اس کا کسی حد تک سبب یہ تھا کہ آئرستانی اخبار نویس برابر اس مسئلے کو نمایاں کئے جاتے تھے کیونکہ آئرستان میں فی الواقع حالت اچھی نہ تھی۔

اس ملک میں ایمیٹ کی بغاوت کے بعد سے کوئی شورش تو برپا نہیں ہوئی لیکن مالگزاری اور عشر کے خلاف جد و جہد میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسی کے ساتھ کیتھولک فرقے اور اورینج مینوں کا باہمی عناد کم ہونا درکنار شاید کچھ بڑھ ہی لیا تھا۔ بارے ۱۸۲۳ء میں ایک انجمن فرقۂ کیتھولک کی بنیاد پڑی جس سے حالات میں نمایاں تغیر رونما ہوا۔ قریب قریب ہر جگہ کے کیتھولک اس انجمن میں شریک ہو گئے اور پادریوں نے اس کے لئے چندے وصول کئے۔ اس نئی تحریک کا سرگروہ ایک آئرستانی وکیل ڈےنیل اوکونیل تھا۔ اس میں خطابت کے ایسے قدرتی اوصاف موجود تھے کہ منبر پر سے اپنے ہموطنوں کے جذبات کا رخ جدھر چاہتا، ادھر پھیر سکتا تھا۔ غرض نئی انجمن کے تیار ہونے کا ملک کی حالت پر بڑا اثر پڑا۔ انجمن کی طرف سے جو لوگوں کو کیتھولکوں کی بیجا قیود پر بار بار متوجہ کیا گیا اس کا بالواسطہ اثر یہ ہوا کہ اس فرقے پر آئے دن جو شرمناک زیادتیاں ہوتی رہتی تھیں، وہ از خود رک گئیں۔ انجمن کی قوت بڑھتے دیکھ کر حکومت کے بھی خواہی نخواہی کان کھڑے ہوئے کیونکہ اس کے شرکا سے جو حلف لیا جاتا تھا، اس میں خانہ جنگی کی بو تھی۔ چنانچہ شرکت کے وقت ہی جو عہد کیا جاتا اس کے الفاظ یہ تھے: "اورینج مین گروہ سے جو ہمارے فطری دشمن ہیں، نفرت کی قسم۔ اور انجمن فرقۂ کیتھولک پر جو ہمارے طبعی اور پرجوش دوست ہیں اعتماد کی قسم، ہم ہر قسم کی خفیہ اور خلاف قانون جماعت بندی اور ہنگامہ و فساد سے مجتنب رہیں گے،

باب پنجم

آخر ۱۸۲۵ء میں یہ انجمن حکماً توڑ دی گئی۔ بایں ہمہ کیتھولک مسئلہ سب سے نمایاں ہوکر وقت کا سب سے اہم مسئلہ ضرور بن گیا۔ کیتھولک فرقے کے موئدین یہ دکھانا چاہتے تھے کہ گو وہ انجمن کے مخالف ہوں، لیکن اپنے وعدے کے پکے ہیں۔ چنانچہ سر فرانسس برڈٹ نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں نہ صرف کیتھولک فرقے کی قیود منسوخ کرنے، بلکہ کیتھولک پادریوں کو سرکاری وظائف وانعامات دینے کی تحریک تھی دارالعوام میں اس کی منظوری آسانی سے حاصل ہوگئی لیکن دارالامرا نے اسے مسترد کردیا۔ اسی بحث کے دوران میں شہزادہ یارک نے یہ الفاظ کہے کہ میں جس حیثیت میں بھی رہوں گا، اس قانون کی مخالفت کروں گا"۔ اس قول نے پوری بحث کو تاریخی طور پر یادگار بنادیا اور کیتھولکوں کے حامیوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ ممکن ہو تو شہزادۂ موصوف کے تخت نشین ہونے سے قبل اس مسودے کو منظور کرادیں۔ چنانچہ انھوں نے اور زیادہ کوشش شروع کی اور انجمن فرقۂ کیتھولک کو قریب قریب پہلی کی شکل ایک دوسری شکل میں قائم کرلیا۔

لورپول کا استعفا کیننگ کی وفات۔

ان واقعات سے خواہی نخواہی مجلس وزارت میں دشواریاں پیدا ہوئیں۔ لورپول کی وزارت میں کیتھولک مسئلہ برابر غیر طے شدہ سمجھا جاتا رہا۔ لیکن اب جو اس مبحث کی اہمیت بڑھی تو وزارت میں بھی دو متضاد خیال کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل ہوگئے۔ ایک گروہ کے سرخیل کیننگ اور ہسکسن تھے، دوسرے کے لارڈ ایلڈن اور ڈیوک ولنگٹن۔ پھر اسی پر منحصر نہیں بلکہ حقیقت میں سوائے پارلیمنٹ کی اصلاح کے جس کی مخالفت میں جملہ وزیر متفق الرائے تھے، باقی مشکل سے کوئی مسئلہ ایسا ہوگا جس میں ان کا اتفاق رائے ہو۔ ولنگٹن کو کیننگ کی بیرونی حکمت عملی سے بدگمانی تھی اور کیننگ اور ہسکسن دونوں سے طبقۂ امرا کے وزیر نفرت کرتے تھے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ یکایک لارڈ لورپول بیمار ہوا اور اسے استعفا دینا پڑا۔ بادشاہ اس کی جگہ کسی امیر کو وزیر اعظم بنانا چاہتا تھا جس کے ماتحت باقی سب وزیر کام کرسکیں۔ یہ ممکن نہ ہوا اور کچھ تامل کے بعد آخر کیننگ صدر امیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ اس پر ولنگٹن، ایلڈن،

باب پنجم

پیل اور تین دوسرے ارکان وزارت جو کیتھولک دعاوی کے مخالف تھے مستعفی ہو گئے اور کیننگ نے ان کی جگہ حامیان کیتھولک مقرر کر دیے۔ ہسکسن نظارت تجارت کا بدستور صدر نشین اور پامرسٹن معتمد جنگ رہا۔ روبنسن اب لارڈ گوڈرچ ہو گیا تھا' اسے جنگ و مستعمرات کی وزارت ملی۔ اس طرح ٹوری وزارت کی ایسی قلب ماہیت ہو گئی کہ سوائے اصلاح پارلیمنٹ کے مسئلے کے اور ہر اعتبار سے وہ ایک اصلاح پسند (لبرل) حکومت بن گئی اور اسی حد تک خود بروہم اس کا موید ہو گیا۔ مگر ارل گرے اور لارڈ جان رسل مخالف رہے اور واقع میں بھی وہ کوئی وجہ با وزارت نہیں نظر آتی تھی؛ بہر حال' اتنی امید ضرور تھی کہ زیادہ مدت گزرنے سے قبل اس میں ممتاز وہگ شامل ہو جائیں گے اور ان کے واسطے عہدے بھی خالی رکھے گئے تھے کہ اتنے میں کیننگ کے مرنے سے یہ وزارت ہی یک بہ یک ختم ہو گئی ۔ (۱۸۲۷ء)

یونانی

کیننگ اپنی وزارت کے اس قلیل زمانے میں بھی زیادہ تر یونان کے معاملات پر متوجہ رہا۔ اہل یونان اور ترکوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ان کی باہمی جنگ و جدل کا بظاہر کبھی خاتمہ نہ ہوتا کیونکہ کوئی فریق بھی دوسرے پر قطعی غلبہ نہ پا سکتا تھا۔ لیکن ۱۸۲۶ء میں مصر کے خراج گزار حاکم' محمد علی پاشا کا قدم درمیان آیا تو یونانیوں کی خیر نظر نہ آتی تھی۔ یونانیوں کے اصلی مامن مجمع الجزائر کے جزیرے تھے ترکوں کے پاس بیڑا نہ ہونے سے' وہاں وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ مگر مصری بیڑے کے سامنے یہ جزیرے ذرا نہ ٹھیر سکتے تھے اور یکے بعد دیگرے سب فتح ہو گئے۔ ایتھنز بھی مسخر ہو گیا اور سوائے کورنتھ اور ناپولی کے کوئی مقام یونانیوں کے ہاتھ میں نہ رہا۔ ان کی تسخیر بھی چند روز کی بات تھی۔ مگر دول یورپ کو محسوس ہوا کہ سات سال کی جدوجہد کے بعد یونانی کچھ بہتر صلہ پانے کے مستحق ہو گئے تھے۔ چنانچہ کیننگ نے برطانیہ' روس اور فرانس کے درمیان اتحاد ثلاثہ قائم کر کے' باب عالی سے مطالبہ کیا کہ یونان کو بھی وہی مرتبہ دیا جائے جو سرویہ' اور والاشیہ کو حاصل تھا۔ یعنی یہ کہ وہ باب عالی کی بادشاہی تسلیم کرے

باب پنجم

اور اندرونی معاملات میں خود مختار ہوئے غوں کے لئے سلطان کو مہلت دی گئی تھی مگر ابھی کچھ طے ہونے نہ پایا تھا کہ مصری بیڑے کے پاس بڑی کمک پہنچ گئی۔ انگریزی بیڑے کا امیرالبحر سر ایڈورڈ کوڈرنگٹن نے ملکی جہازوں کو جانے دیا کہ وہ نوارینو کی بندرگاہ میں مصری اور ترکی بیڑے سے جا ملیں اور اس کے بعد روسی و فرانسیسی بیڑے کی شرکت سے پورے مصری اور ترکی بیڑے کی ناکہ بندی کرلی۔ فریقین کے جہاز اتنے قریب تھے کہ ان میں لڑائی چھڑ گئی اور چار گھنٹے کی گولہ باری میں تمام ترکی اور مصری جہاز غرقاب کر دیے گئے (۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء) بیڑے کی اسی تباہی کے ساتھ اگر انگریزی اور اتحادی استنبول کے سامنے پہنچ جاتے تو غالباً ترک یونانی مطالبات مان لیتے اور لڑائی کا خاتمہ ہو جاتا لیکن انگریز وزرا ہی کی کوئی رائے قائم نہ ہوئی تھی اور یہ عمدہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

کیننگ کا جانشین اس کا دوست لارڈ گوڈرچ ہوا۔ مگر کیننگ صدر امیر خزانہ اور اسی کے ساتھ وزیر مالیہ بھی تھا اور گوڈرچ دارالامرا کا رکن ہونے کے باعث وزیر مالیہ مقرر نہ ہو سکتا تھا لہٰذا یہ عہدہ ایک ٹوری، ہیریز نامی کو ملا۔ اس سے آیندہ مناقشات میں فریقی مجلس مال کے صدرنشین نامزد کرنے میں دشواری پیش آئی۔ ہیریز یہ کام خود انجام دینا چاہتا تھا اور ہسکسن کی خواہش تھی کہ صدارت وہگ فرقے کے رسمی سرگروہ لارڈ آلتھورپ کو دی جائے۔ اسی جھگڑے میں دونوں مستعفی ہو گئے اور گوڈرچ کو کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی تو خود بھی استعفا دے دیا۔ کیننگی وزارت کی اس کامل تباہی کے بعد بادشاہ کو موقع ملا کہ امیرکبیر ولنگٹن کو وزارت عظمیٰ کی دعوت دے اور اس نے یہ عہدہ قبول کر کے ایک مخلوط وزارت مرتب کی جس میں ہسکسن گوڈرچ پامرسٹن وغیرہ کیننگ کے ساتھی بعض شدید ٹوری جو خود ولنگٹن کے پیرو تھے اور پیل شریک تھے۔

لہ۔ نوارینو میں ترکی اور مصری بیڑے کو بغیر اعلان جنگ دھوکے سے اور یک بہ یک حملہ کر کے غرقاب کیا گیا تھا۔ مگر فاضل مصنف نے انگلستان کی یہ تاریخ انگریز طلبا کے واسطے لکھی ہے اور بظاہر بیرونی واقعات کے لکھنے میں تاریخی صحت و تحقیق کا چنداں لحاظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ مترجم۔

باب پنجم

ولنگٹن کی وزارت

حکومت کی تبدیلی کا پہلا اثر یہ ظاہر ہوا کہ مشرق میں کیننگ کا کیا دھرا سب اکارت ہوگیا۔ اس کی شروع سے حکمت عملی یہ رہی تھی کہ روس کو بطور خود دراندازی کرنے سے باز رکھے اور جہاں تک ہو سکے آمادہ کرے کہ وہ دوسری طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرے۔ نوارینو کی لڑائی سے اتحادیوں کا فائدہ نہ اٹھانا گویا کیننگ کا سارا منصوبہ برباد کرنا تھا۔ کم سے کم انگریز تو اس فتح سے کچھ نہ کچھ خفیف ہی ہوئے اور ولنگٹن نے اسے "واقعہ نامرضیہ" کے نام سے یاد کیا۔ اتحادیوں کی یہ سست کاری دیکھ کر روسی بہت ناخوش ہوئے اور ۱۸۲۸ء میں ترکی پر حملہ کرکے عہدنامہ ادرنہ لکھنے پر اسے مجبور کیا جس کے ایک فقرے میں یونان کی آزادی تسلیم کرنے کی شرط درج تھی۔ آگے چل کر دوسری سلطنتوں نے بھی اس کی توثیق کر دی اور بویریہ کا شہزادہ اوٹو یونان کا پہلا بادشاہ منتخب ہوا۔

قانونِ آزمائش و بلدیات کی تنسیخ

۱۸۲۸ء کا سیاسیات زیادہ تر آزمائش اور بلدیات کے قانون کی تنسیخ کے باعث یادگار رہے گا۔ یہ سرکاری تحریک نہ تھی بلکہ جان رسل کی طرف سے پیش ہوئی۔ واضح رہے کہ ایک قانونِ تاوان کئی سال قبل وضع ہو چکا تھا کہ جو لوگ ان دو مذکورہ قوانین کی خلاف ورزی کریں انہیں کچھ ہرجانہ لیکر معاف کر دیا جائے۔ لہٰذا عملاً یہ قانون پہلے ہی بیکار ہو چکے تھے اور اسی لئے اب تنسیخ کی تحریک پر کوئی خاص مخالفت نہیں ہوئی۔ تاہم ولنگٹن کئی سال تک کیننگ کی تائید میں اس تحریک کی مخالفت کرتا رہا تھا وہ بہت منغص ہوا اور اس قضیے کی بدولت وزارت کے بعض روشن خیال افراد سے اس کی ان بن ہوگئی۔ پھر مئی ۱۸۲۸ء میں پین رین اور ریٹ فرڈ کے انتخابی حلقے توڑنے کے متعلق پیل اور ہسکسن کا اختلاف ہوا تو یہ نزاع بردئے کار آگئی۔ ہسکسن کی طرف سے مشروط استعفا پیش ہوا۔ ولنگٹن نے موقع غنیمت جانکر اسے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ اسی استعفا کے سلسلے میں پامرسٹن وغیرہ کیننگ کے دوسرے ساتھی دوبارہ مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ ولنگٹن کے

قدامت پسند دوست مقرر ہوئے اور حکومت کا کام خیر و خوبی سے چلنے لگا تھا کہ دیکایک کیتھولک فرقے کا مسئلہ پھر اس شکل میں سامنے آیا کہ فوری توجہ ادھر منعطف کرنی پڑی۔

حلقۂ کلیئر کا انتخاب

نظارت تجارت کا نیا صدر نشین ویزی فٹز جی رلڈ، حلقۂ کلیئر کا قدامت پسند مبعوث تھا۔ سرکاری عہدہ قبول کرنے کی وجہ سے اس کا دوبارہ انتخاب ضروری ہوا۔ وہ کیتھولک مطالبات کا مؤید تھا۔ برایں ہم انجمن فرقۂ کیتھولک[۱] نے اس کے مقابلے میں اپنی طرف سے خود اوکونیل کو منتخب کرنے کا قصد کیا۔ واضح ہو کہ کسی کیتھولک کے انتخاب میں قانوناً کوئی نقص نہ تھا کیونکہ یہ بات خود منتخب ہونے والے پر منحصر تھی کہ وہ پارلیمنٹ میں شرکت کے وقت مقررہ حلف لے یا نہ لے۔ چنانچہ ۴۰ شلنگ مالگزاری والے زمینداروں نے اوکونیل کو کامیاب کرادیا اور ساتھ ہی گویا مقام جنگ ویسٹ منسٹر میں منتقل ہوگیا۔ پھر یہ ایک مبعوث کا معاملہ نہ تھا بلکہ انجمن بڑھ بڑھ کر دعویٰ کرتی تھی کہ آیندہ انتخابات میں کم سے کم ساٹھ کیتھولک اشخاص کو منتخب کراوے گی۔ ایک اور بات یہ ثابت ہوئی کہ حقیقت میں یہ انجمن اہل آئرستان پر اتنا کامل اثر رکھتی ہے کہ ان کی بد عادتیں تک چھڑا سکتی ہے۔ چنانچہ کلیئر کے انتخاب میں سوائے اوکونیل کے کوجیان کے، جو پروٹسٹنٹ مذہب کا آدمی تھا اور کوئی شخص مخمور نہ تھا۔ حتیٰ کہ حکام عدالت تک قیدیوں کے نہ ہونے سے حیران ہوگئے۔ بہ الفاظ دیگر، ملک میں ایک نئی جماعت حکومت سے بھی زیادہ باقتدار مرتب ہوگئی تھی اور ولنگٹن کو یقین ہوگیا کہ اوکونیل کا راستہ روکا گیا تو خانہ جنگی کے بغیر کام نہ چلے گا۔ اب ولنگٹن کے نزدیک صورت یہ تھی کہ یا تو کیتھولک فرقے کو پوری آزادی دی جائے اور یا خانہ جنگی کی تیاری کی جائے اور معاملے کے

۱؎ یہ انجمن جس قانون کی رو سے توڑی گئی اُس کی میعاد منقضی ہونے کے بعد پھر اس نے اپنا قدیم نام اختیار کرلیا تھا۔

باب پنجم

اس حد پر پہنچتے ہی اس نے بلا تاخیر اپنی رائے قائم کرلی۔ وہ جنگی آدمی تھا اور اس کا بڑا وصف ہی یہ تھا کہ ٹھیک ضرورت کے وقت لڑنے یا پسپا ہونے کے لئے بالکل تیار رہتا تھا۔ غیر مصافی معاملات میں بھی اس کا یہ وصف موجود رہا کہ جب تک کسی بات کی حمایت ہوسکی، لڑا اور جب دیکھا کہ مقابلہ ممکن نہیں، تو پہلی صورت کی پروا کئے بغیر، پیچھے ہٹ گیا۔ الغرض، اس نے طے کرلیا کہ کیتھولک دعاوی کا مقابلہ

کیتھولک فرقے کی آزادی

فائدے کی بجائے نقصان زیادہ پہنچائے گا۔ پس ہتیار ڈال دیئے اور مجلس وزارت کو بھی اپنا ہمرائے بنالیا۔ اس طرح رائے بدلنے سے، سب سے بڑھ کر دشواری پیل کو پیش آئی جو جامعۂ آکسفرڈ کی طرف سے کیتھولک مطالبات کے مخالف کی حیثیت سے منتخب ہوا تھا۔ اس نے استعفا دینا اپنا فرض سمجھا اور دوبارہ انتخاب کے لئے استادہ ہوا مگر انگلیس سے شکست کھا کر ویسٹ بری میں گوشہ نشین ہوگیا۔ بادشاہ سے معاملہ کرنے میں بھی کچھ دوسری پیش آئی لیکن جارج چہارم اپنے باپ سے بالکل مختلف مزاج کا آدمی تھا اور ولنگٹن کو اس کے اصول وعقائد کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ دوسرے کیتھولک فرقے کی ایسے مخالفت کرنے والے جو نئی وزارت بنا لیتے، موجود نہ تھے لہذا وزیروں کے استعفا دینے کی دھمکی سے وہ بہت جلد ہوش میں آگیا اور نئے قانون کی تحریک کرتے وقت پیل کو تمہیداً یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ بادشاہ سلامت بھی یہ تجویز منظور فرما چکے ہیں۔ اس اہتمام سے یہ تجویز پیش ہوئی تو دارالعوام میں ہر بار بڑی اکثریت سے منظور کرلی گئی اور دارالامرا میں بھی، ایلڈن کی جدوجہد کے باوجود ولنگٹن کے اثر سے یہ مسودۂ قانون منظور ہوگیا۔ اس کے پہلے اور بعد میں دو جدید قانون اور وضع ہوئے۔ ایک میں انجمن فرقۂ کیتھولک کو دوبارہ ناجائز قرار دیا گیا وہ قانون کی زد میں آنے سے پیشتر، خود ہی برخاست ہوگئی۔ دوسرے قانون سے ۴۰ شلنگ مالگزاری والے زمیندار حق رائے دہی سے محروم کئے گئے اور دس پونڈ مالگزاری والوں تک اس حق کو محدود کردیا گیا۔ ان قیود کے خلاف شورش کے زمانے میں اوکونیل بار بار کہتا تھا کہ ان کے دور کردیئے جانے سے آئرستان میں شورش و ناراضی عنقا فرو ہوجائے گی

لیکن مذکورۂ بالا قانون مشکل سے منظور ہوا ہوگا کہ اس نے پھر ہنگامہ شروع کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ جب تک آئرستان کو برطانیہ سے علیحدہ نہ کیا جائے گا مجھے چین نہ آئے گا۔

جس زمانے میں پارلیمنٹ کی اصلاح کا مسئلہ سرعت سے منظر عام پر آرہا تھا اور ادھر آئرستان میں کیتھولک آزادی کے متعلق شورش ہو رہی تھی، جارج چہارم کی وفات سے ایک نیا کارفرما میدان میں داخل ہوا جب کہ سیاسی مطلع پہلے ہی کچھ کم مکدر نہ تھا۔ رہا، جارج چہارم سو اس کی نسبت کوئی کلمۂ خیر کہنا مشکل ہے۔ جوانی میں وہ وھگ فرقے کا دوست بنتا تھا، بڑھاپے میں قدامت پسندوں کی طرف جھک گیا تھا۔ مگر کسی فریق میں بھی نہ اس کی عزت تھی نہ اس کی صداقت کا اعتبار تھا۔ اسی لئے جب مرا تو ناخلف فرزند، نامعتبر دوست، ناخدا ترس شوہر ہونے کی ایسی شہرت یادگار چھوڑی کہ اس سے بدتر خیال میں نہیں آسکتی۔ اس کی وفات ۲۶ جون ۱۸۳۰ء کے دن واقع ہوئی۔

مشہور واقعات

لنڈن ڈری کی وفات	۱۸۲۲ء
کیننگ کی وزارت	۱۸۲۷ء
معرکۂ نوارینو	۱۸۲۷ء
قانونِ آزمائش	
اور " بلدیات کی تنسیخ	۱۸۲۸ء
کیتھولک فرقے کی قیود کی تنسیخ	۱۸۲۹ء

باب ششم

ولیم چہارم ۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۷ء

ولادت ۱۷۶۵ء
ازدواج (با ایڈی لیڈ) ۱۸۱۸ء
مشہور ہمعصر بادشاہ .... لوئی فلپ (شاہِ فرانس)

نئے بادشاہ نے بحری تعلیم پائی تھی اور شہزادہ یارک کی وفات واقع ۱۸۲۷ء تک اُسے تخت نشین ہونے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی۔ سمندر پر رہنے کے زمانے میں اس کی عادات میں ایسی بے تکلفی اور خوش مزاجی آگئی تھی جو درباری آداب و قواعد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ بادشاہ ہونے کے بعد بھی وہ بازار میں کسی دوست کو دیکھ کر شاہی سواری ٹھیرالیتا کہ دوست کو اُس کے گھر پہنچا دے۔ اگرچہ اس میں اُسے خود سامنے کے رُخ (گھوڑوں کی طرف پشت کرکے) ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے۔ سیاسی معاملات میں وہ پارلیمنٹ کی اصلاح کا مؤید اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کا نہایت خواہش مند تھا اور لوگوں کو یقین تھا کہ وہ امیر کبیر ولنگٹن سے نفرت رکھتا ہے۔

باب ششم

اسی لیئے طالبانِ اصلاح کو شاہی تائید سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی توقع تھی۔
۱۸۱۸ء میں سیکس مینن جن کی امیرزادی ایڈی لیڈ سے شادی ہوئی اور دو بیٹیاں بھی پیدا ہوئیں مگر دونوں صغرسن میں فوت ہوگئیں۔ اس طرح ولیم کے بعد تخت کی وارث وکٹوریہ بن گئی جو بادشاہ کے بعد کے بھائی شہزادہ کینٹ کی بیٹی تھی۔
ولیم کو تخت نشیں ہوئے زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ

انقلاب جولائی

فرانس میں ایک تازہ انقلاب ہونے کی خبر سے تمام یورپ چونک پڑا۔ لوئی ہجدہم نے ۱۸۲۴ء میں وفات پائی۔ چارلس دہم جو عہدِ انقلاب میں کاؤنٹ وارتو آ کہلاتا تھا، اس کا جانشین ہوا۔ اس کی خوخصلت اپنے بھائی سے اسی قدر مختلف تھی، جس قدر چارلس ثانی اور جیمز ثانی کے مزاجوں میں فرق تھا۔ اختیارِ مطلق کی خواہش ہر ایک میں موجود تھی۔ مگر لوئی ہجدہم اور چارلس ثانی تو اپنی رعایا کو برگشتہ کئے بغیر اس مقصد میں بہت کچھ کامیاب ہوگئے بخلاف اس کے جیمز اور چارلس دہم دونوں اپنی بادشاہی کھو بیٹھے اور خاندانِ شاہی کا ایک چھوٹا فرد دونوں کا وارث ہوگیا یعنی انگلستان میں ولیم ثالث اور فرانس میں لوئی فلپ۔ فرانس کے اس جدید انقلاب کے حالات سے انگلستان میں لوگوں کو اتنی دلچسپی اور جوش وخروش ہوا جس کا اب اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ اگر ان دنوں جارج چہارم کی حکومت ہوتی جس سے عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی تو انگلستان میں بھی لوگ اسے نکال باہر کرنے کی دل سے کوشش کرتے۔ حالاتِ موجودہ میں، نئے بادشاہ کی ہردلعزیزی نے تختِ شاہی کو تو حملوں سے بچا لیا مگر وزرا محفوظ نہ رہے۔ چارلس دہم کے نامقبول وزیر شہزادۂ پولی نیاک اور امیر کبیر ولنگٹن میں نکتہ چینیوں نے مشابہت دکھائی شروع کی۔ یہ انصاف کے خلاف تھی لیکن ملک پر اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا اور نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی جو عام انتخابات ہوئے ان میں وزرا کے مخالفین کو تقویت پہنچی۔ فرانس کے انقلاب کے ساتھ بلجیم میں بھی شورش برپا ہوئی۔ آسٹریہ کے پرانے اضلاع کے کیتھولک، موتمر وی آنا کے اس فیصلے سے جس نے انھیں ولندیز پروٹسٹنٹوں کے ساتھ ملا دیا تھا، سخت ناخوش تھے۔ انھیں

فرانس کی نئی حکومت سے مدد ملنے کی توقع تھی، لہذا ہتیار سنبھال کے اٹھ کھڑے ہوئے ولندیزی فوجوں کو ملک سے نکال دیا اور اینٹ ورپ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر فرانس کی مدد سے یہ شہر فتح ہو گیا اور یہ علاقہ بلجیم کی نئی بادشاہی بنا دیا گیا۔ شہزادی شارلٹ (متوفیہ) کا شوہر شہزادہ لیوپولڈ اول بلجیم کا پہلا بادشاہ منتخب ہوا اور نئی مملکت کی صیانت و خود مختاری کی تمام بڑی طاقتیں ضامن ہوئیں۔

لورپول اور مانچسٹر کی ریل

پارلیمنٹ کا افتتاح ہونے سے قبل لورپول اور مانچسٹر کے درمیان ریل کی پٹڑی تیار ہوئی جو دنیا کی تاریخ کا یادگار واقعہ ہے۔ اس کا بانی جارج اسٹیفن سن، ڈرہم کی معدن زغال کا ایک کاریگر تھا جس نے کمال ذہانت سے معلوم کیا کہ اگر پرانی ٹریم کی پٹڑی پر ٹھیلے کھینچنے کے لئے دخانی انجن سے کام لیا جائے تو رفتار زیادہ تیز ہو سکتی ہے۔ اس خیال کو سب سے اول اسٹوک ٹن کے قریب عملی جامہ پہنایا گیا اور بڑے ٹھیلے پر بگی گاڑی بھی پہیے نکال کر رکھ دی گئی۔ اس میں لوگ سوار ہوئے اور اس طرح دنیا کی پہلی مسافر گاڑی چلائی گئی۔ اس منصوبے میں اتنی کامیابی ہوئی کہ ایک تجارتی شرکت تیار ہو گئی کہ مین چسٹر اور لورپول کے درمیان نئی پٹڑیاں بچھائے۔ ان دونوں شہروں میں اتنی تجارت ہوتی تھی کہ مدت سے سڑک اور دریا سے آمد و رفت کے وسائل ناکافی رہ گئے تھے۔ ریل بچھانے کا کام خود اسٹیفن سن کی نگرانی میں ہوا اور ستمبر ۱۸۳۰ء میں نئی ریل جاری ہو گئی۔ اس کو اتنی اہم قومی تقریب سمجھا گیا تھا کہ امیر کبیر ولنگٹن اور دوسرے ارباب سیاسی کو افتتاح کے وقت دعوت دی گئی۔ انھی میں ہس کسن بھی آیا تھا۔ راستے میں ایک جگہ ریل ٹھیری اور وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ نیچے اترا تو ایک دوست نے اس کے اور ولنگٹن کے درمیان کشیدگی دور کرنے کا یہ موقع غنیمت سمجھا اور دونوں کی ملاقات کرا دی۔ چنانچہ دونوں بہت اخلاق اور تپاک سے ملے لیکن اسی وقت ایک انجن یکایک ادھر سے گزرا ہس کسن کی ٹانگ میں لنگ تھا اور وہ آسانی سے چل پھر بھی نہ سکتا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی جگہ جا کر بیٹھ سکے۔ انجن سے ٹکر کھا کے گرا اور ٹانگ نیچے آ گئی۔ صحت پہلے سے

باب ششم

اتنی خراب تھی کہ ٹانگ کاٹنے میں مصلحت نہ نظر آئی اور وہ اسی رات مر گیا۔

ریلوں کے اجرا سے جو سیاسی اور تجارتی فوائد حاصل ہوئے۔ انھیں چند سطروں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ شاید یہ کہنا سب سے بہتر شاعرانہ انداز ہوگا کہ انجن کی آہنی چھاتی کی ایک ہی آواز پر شہر اچھل اچھل کر صدہا میل قریب تر آ گئے"۔ خواہ تجارتی اعتبار سے دیکھا جائے کہ ریلوں نے مال کے لانے لے جانے میں اور اس مقدار میں جس کا پہلے تصور بھی نہ ہو سکتا تھا، دنیا کا کتنا وقت بچایا۔ خواہ علوم کی اشاعت و ترویج اور سیاسی فوائد کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ ریلوں کی بدولت کتنی دور دور کی منتشر قومیں ایک دوسرے سے متصل ہو گئیں، بہر حال اس کے اثرات حیرت انگیز نظر آئیں گے۔ پھر ریل کے انجن نے خشکی پر جو کام کیا، وہی دخانی جہاز نے سمندر میں انجام دیا۔ بہت دن پہلے یعنی ۱۷۸۵ء ہی میں اسکاٹ لینڈ میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ کشتی کو دخان سے چلایا جائے مگر سب سے پہلی کارآمد دخانی کشتیاں کلرمنٹ اور کومیٹ تھیں ان میں سے پہلی کو ایک امریکی فلٹن نامی نے ۱۸۰۷ء میں تیار کیا اور دوسری گلاسگو کے کاریگر ہینری بل نے ۱۸۱۲ء میں بنائی۔ غرض آمد و رفت کے ان نئے وسائل سے اقوام کی تاریخ اور سیاسی زندگی کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اور ان میں بھی سب سے بڑھ کر فائدہ برطانیہ کو پہنچا جس کی بحری نوآبادیاں دنیا کے ہر خطے میں پھیلتی چلی جاتی تھیں۔

ولنگٹن کی معزولی

پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا تو بروہم نے اصلاح پارلیمنٹ کے لئے خود اپنی تجاویز پیش کیں۔ یہ اس مرتبہ یارک شہر سے مبعوث منتخب ہوا اور بڑی ناموری پائی تھی۔ مگر اس کی تجاویز بحث میں آنے نہ پائی تھیں کہ ولنگٹن کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس زمانے میں یہ وزارت حد سے زیادہ نامقبول ہو گئی تھی۔ فرانس کی نئی حکومت سے ولنگٹن کا برتاؤ بالکل واجبی رہا اور بلجیم کے معاملات میں بھی اس نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ لیکن پارلیمنٹ کے افتتاح کے موقع پر بادشاہ سے اس قسم کے الفاظ کہوائے گئے جن سے مذکورۂ بالا واقعات کی تحقیر مترشح تھی۔ دوسرے،

باب ششم

بادشاہ کو گلڈ ہال کی دعوت میں جانے سے روکا کہ کہیں لوگ مخالفانہ مظاہرہ نہ کریں۔ اس کا مشورہ حد سے زیادہ اور بیجا احتیاط پر مبنی تھا مگر اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی ہنگامے یا انقلاب سے خوفزدہ ہے۔ وھگ فرقہ پہلے ہی ولنگٹن کو اصلاحات کا مخالف سمجھ کر اس کا دشمن تھا۔ پرانے قدامت پسند بھی کیتھولک فرقے کے معاملے میں اس کی تبدیلی رائے کے باعث اُسے مرتد سمجھنے لگے تھے۔ انھی وجوہ سے اس کے عزل میں کچھ دیر نہ نظر آتی تھی۔ لیکن وہ معاملہ جس پر یہ تغیر عمل میں آیا کچھ بہت سنگین نہ تھا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ سر ہینری پارنیل نے عہدہ داران شاہی کے دفتر کی تنقیح کے لئے دارالعوام میں ایک ذیلی مجلس کے تقرر کی تحریک پیش کی۔ حکومت نے مخالفت کی اور ۲۹ آرا سے شکست کھائی۔ اس کے خلاف رائے دینے والوں میں وھگ اور برگشتہ قدامت پسند شامل تھے۔ یہ کوئی بہت اہم چیز نہ تھی مگر معلوم ہوتا ہے امیر کبیر ولنگٹن کو خیال ہوگیا کہ فرقہ وھگ نے یہ قضیہ چھیڑا ہے تو میں آیندہ بادشاہ کو رضامند نہیں رکھ سکتا۔ اسی بنا پر اس نے مصلحت یہ سمجھی کہ اپنا استعفا پیش کر دے۔ لیکن اصلاحات کے متعلق اس کی رائے کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ دارالامرا کی ایک بحث کے دوران میں وہ علانیہ یہ کہہ چکا تھا کہ "آج تک کوئی ایسی تجویز میرے مطالعے میں نہیں آئی نہ میں نے سنی جس سے مجھے پورا یقین ہو جاتا کہ وہ نیابت کے موجودہ طریق کو بہتر بنا دے گی یا ملک کے حق میں موزوں تر ثابت ہوگی"۔ اس غیر دانشمندانہ بیان کا اثر یہ ہوا کہ سارا ملک اصلاح کی تجاویز پر متوجہ ہوگیا۔ اور اسی لئے جب بادشاہ نے ولنگٹن کی جگہ وزارت مرتب کرنے کی غرض سے ارل گرے کو طلب کیا تو سب کو معلوم ہوگیا کہ اب سب سے بڑا مسئلہ یہی (یعنی پارلیمنٹ کی اصلاح) معرض بحث میں آئے گا۔

گرے کی وزارت

گرے ہر لحاظ سے نئی وزارت کا نہایت موزوں سرگروہ تھا۔ ۱۷۶۴ء میں پیدا ہوا اور اصلاح پارلیمنٹ کا سب سے پرانا حامی تھا۔ اس نے اصلاحات کے واسطے اُس وقت جدوجہد شروع کی جب کہ ایسا کرنے سے ارباب سیاست تحقیر و دشنام کا نشانہ بن جاتے اور کسی حد تک ان کی گرفتاری کا بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ مزید براں جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ

باب ششم

اس قسم کی اصلاحیں لازمی طور پر انقلاب و بغاوت سے تعلق رکھتی ہیں؛ وہ بھی گرے کی نسبت ایسا وہم نہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ صاحب وجاہت اور نہایت عمدہ سیرت کا آدمی تھا۔ بہت وسیع اراضی اس کی جاگیر میں داخل تھیں۔ اخلاق و آداب درباری تھے۔ بازاری تقریریوں کی کوئی ادا چھو کر نہ نکلی تھی اور سب کو معلوم تھا کہ اس کا اصلاح کی حمایت کرنا دلی تیقن پر مبنی ہے۔ اس کا وزیر مال امیر اسپنسر کا بڑا بیٹا لارڈ آل تھورپ تھا اور اپنے سرگروہ کی مثل اس کا بھی سب سے بڑا وصف ذاتی خصائل تھے۔ وہ مالیات کا ماہر نہ تھا اور مقرر بھی بہت برا تھا لیکن اس کی سچائی اور خلوص مسلم تھے اور اس کی تقریریں ہمیشہ توجہ سے سنی جاتی تھیں۔ بروہم صدر اعظم بنایا گیا اور بادشاہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی وہ اور گرے ساتھ کام کرتے تھے۔ حکومت کے دوسرے ممتاز ارکان یہ تھے: پامرسٹن، وزیر خارجہ، ملبرن (سابقہ لیمب) وزیر داخلہ اور لارڈ گوڈرچ وزیر مستعمرات؛ مجلس وزارت کے باہر بڑے عہدہ داروں میں جان رسل، بخشی فوج۔ ایڈورڈ اسٹین لی (جو آگے چل کر امیر ڈاربی ہوا) والی آئرستان کا صدر معتمد۔ قابل ذکر ہیں؛

اب جب کہ وقت کا سب سے اہم مبحث، پارلیمنٹ کی اصلاحات ہو گئی تھیں، ملک میں ان کے موافق و مخالف دو فریق ہو گئے۔ مخالفت کرنے والے آئین حاضرہ کی قدامت، ان کا مدت تک قومی معاملات کو کامیابی سے چلاتے رہنا ایک سے ایک اعلیٰ افراد کا اس میں حصہ لینا، دلیل میں پیش کرتے تھے اور نئے آئین پر جس کی کوئی آزمائش نہیں ہوئی، انھیں اعتراض تھا۔ وہ اس بات پر خصوصیت سے زور دیتے تھے کہ نامزدگی ہی کے حلقوں سے دونوں پٹ، برک، کیننگ، ہس کس، بروہم وغیرہ نامی گرامی لوگ پارلیمنٹ میں داخل ہوئے۔ اور پوچھتے تھے کہ وہ ان بڑے حلقوں کی طرف سے کیونکر منتخب ہو سکتے تھے جنھوں نے عرصہ دراز کے بعد ان کی قدر پہچانی؛ اس کے برخلاف حامیان اصلاح کا قول تھا کہ پرانا آئین کامیاب نہیں ہوا۔ اور اگر وہ "زیادہ سے زیادہ تعداد کی زیادہ سے زیادہ مسرت"[1]

---

[1] یہ جملہ انتہا پسند فلسفی جرمی بینتھم نے زبان زد عوام کرا دیا تھا؛

باب ششم

کی درستی عمل میں آئی۔ صدر اسقفوں کی تعداد گھٹا کر چار سے دو اور اسقفوں کی بائیس کی بجائے بارہ کردی گئی۔ اس تخفیف سے جو رقم بچی تھی اس کی نسبت وزیروں میں اختلاف تھا ورنہ آئرستانی کلیسا کی اور کئی اصلاحات ہوتیں۔ مگر وزارت کا زیادہ آزاد خیال طبقہ تو اس رقم کو عام رفاہی کاموں میں لگانے کا خواہاں تھا، اور کلیسا کے نام نہاد خیرخواہ اسے خالص کلیسائی اغراض کے لئے مخصوص کردینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی قضیے کی بنا پر امیرکبیر رچ منڈ، امیر ریپن (سابقہ لارڈ گوڈرچ) ایڈورڈ اسٹینلی اور سر جیمس گریہم نے وزارت سے علحدگی اختیار کرلی۔ لیکن ان کے عہدے جلد پر ہوگئے اور وزرا نے ایک جماعت خاص مقرر کردی کہ کلیسائے آئرستان کے پورے مسئلے کی تحقیقات کرے۔

ملبرن کی وزارت

مگر ان مشکلات سے عہدہ برا ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ حکومت کو ایک اور دشواری کا سامنا ہوا۔ ۱۸۳۴ء میں آئرستانی قانون جرائم کی تجدید ہونی تھی اور وزیروں میں سیاسی مجالس کے متعلق ضوابط کو دوبارہ نافذ کرنے کے بارے میں اختلاف تھا۔ امیر گرے ان کی تجدید چاہتا تھا۔ لارڈ آل تھورپ خلاف تھا۔ آئرستان کے معتمد لٹل ٹن نے کمال بے وقوفی سے او کونیل سے کہدیا کہ اس قانون کی تجدید نہ ہوگی اور جب وزرا نے امیر گرے کے اثر سے اس کی تجدید کا فیصلہ کیا تو او کونیل نے علانیہ کہا کہ مجھے فریب دیا گیا۔ آل تھورپ نے استعفیٰ دینے پر اصرار کیا۔ اس پر گرے کو جو عہدے کی دردسری سے پہلے ہی پریشان تھا، خود بھی مستعفی ہونے کا موقع مل گیا۔ تب ملبرن وزیراعظم ہوا اور آل تھورپ بادل ناخواستہ عہدے پر بحال رہا اور قانون جرائم کو ذرا نرم کردیا گیا کہ او کونیل کی رائے سے فی الجملہ مطابق ہوجائے۔ ولیم لیمب الملقب بہ دوائی کاؤنٹ ملبرن کے وزیراعظم مقرر ہونے پر لوگوں کو خاصا تعجب ہوا۔ کیننگ کے پیرو ہونے کی حیثیت سے اس نے اصلاحات کے متعلق کوئی خاص جوش وخروش نہیں دکھایا تھا۔ ذاتی طور پر بھی وہ متانت واستقامت

باب ششم

سے عاری تھا۔ مختلف عہدوں کا کام جو اسے ملے، خصوصاً وزارت داخلہ کی خدمت، اُس نے پوری قابلیت سے انجام دی اور ایسی احتیاط سے کام کیا کہ عام طور پر وہ ایسا محتاط و جفاکش نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بایں ہمہ اصلاح طلب فرقے کی رہنمائی اتنی دشوار تھی، کہ بہت کم لوگ اسے ملبرن کے قابو کا کام سمجھتے تھے اور غالباً اس کے وزیر اعظم ہونے سے وزارت کی شہرت پر حرف آگیا ہو۔

سیاسی فرقوں کی حالت

ملبرن کے تقرر کو اس اہم تغیر کے بیان کرنے کے لئے بہت مناسب زمانہ قرار دے سکتے ہیں، جو ملک کے سیاسی حالات میں پیدا ہو رہا تھا۔ قانونِ اصلاحات کے نافذ ہونے کے وقت سے قدرتی طور پر لوگوں کے خیالات میں رجعت رونما ہوئی جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ خود مسودۂ قانون کی خامیوں کی صرف معمولی ضرورتیں قانون سے پوری ہوئیں۔ دوسرے انتہا پسند فرقہ اس قانون کو آیندہ آئینی بہت سے تغیرات کی تمہید بنانا چاہتا تھا اس کے انتہائی مطالبات پورے نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طالبانِ اصلاح کے دو فرقے بن گئے۔ نئے فرقوں کے لئے نئے ناموں کی ضرورت لاحق ہوئی اور آیندہ سے وہگ کی بجائے یہ فرقہ آزاد خیال (لبرل) اور انتہا پسند (ریڈیکل) کی دو جماعتوں میں منقسم ہوگیا۔ ان میں سے پہلا فرقہ قانون اصلاحات کو کم سے کم سردست، بالکل کافی اور قطعی سمجھتا اور چاہتا تھا کہ اب وہ سیاسی اور عمرانی اصلاحات کی جائیں جو ۱۸۳۲ء سے پارلیمنٹ کے سامنے تھیں۔ لیکن انتہا پسند چاہتے تھے کہ حقوق رائے دہی کو بڑھایا جائے اور اس قسم کی تبدیلیاں کی جائیں، جن کے لئے اس سیاسی گروہ کے اکثر افراد تیار نہ تھے۔ قدامت پسندوں میں بھی اسی قسم کا تغیر ہو رہا تھا کہ روبرٹ پیل جیسے اشخاص جو طبقۂ متوسط کے خیالات سے آگاہی رکھتے تھے، سمجھ گئے تھے کہ اگر اصلاحات کی نری مخالفت کی جاتی رہی جو ٹوری فرقے کا اب تک طریق عمل رہا تھا، تو قدامت پسندوں کی جدید حلقوں میں ہرگز تائید نہ ہوگی۔ پس وہ جدید اصلاحات کے ساتھ ہوگیا اور آئینِ حاضرہ کی حدود کے اندر سمجھ بوجھ کر قدم بہ قدم ترقی کرنے کی حمایت کرنے لگا۔ اسی روش کے واسطے

باب ششم

کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مخالفین انھیں فرقۂ وگ کی نقالی کہہ کر ہنسی اڑاتے تھے اور بار بار حکومت کو شکست ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ جان رسل کی یہ تحریک کہ آئرستانی کلیسا کا بچا ہوا روپیہ عام اخلاقی اور مذہبی اغراض میں خرچ کیا جائے، حکومت کے علی الرغم منظور ہو گئی تو اس وقت پیل کو چار ماہ کی وزارت کے بعد استعفیٰ دینا پڑا۔

اب ولیم کو بہ اکراہِ تمام پھر وگوں کو طلب کرنا پڑا اور دوبارہ ملبرن وزیر اعظم مقرر ہوا۔ وزارت میں صرف دو تبدیلیاں قابل ذکر ہوئیں کہ اول تو آل تھورپ کی بجائے اسپرنگ رائس وزیر مالیہ بنایا گیا اور دوسرے مہر شاہی ایک جماعت کے تفویض کر دی گئی۔ یہ گویا بروم کے سخت ضرب لگی۔ اصل میں اس کی قابلیت میں کسی کو شک نہ تھا لیکن اس کی بدمزاجی کم نشناسی اور سب سے بڑھ کر خود بینی ساتھیوں کے لئے ناقابل برداشت تھیں اور ملبرن نے یہ موقع غنیمت جان کر اسے الگ کر دیا۔ ایک سال بعد سر چارلس پیپس (آزاد خیال فرقے کا) امیر عدلیہ مقرر اور لارڈ کوٹن ہیم ملقب ہوا۔

بلدی اصلاحات

لارڈ ملبرن کی دوسری وزارت کا بڑا کام قانون اصلاحِ بلدیات کا نفاذ ہے۔ ان بلدیات کی حالت پارلیمنٹ کے پرانے حلقوں سے کچھ بہت بہتر نہ تھی۔ طرز یہ کہ عموماً ہر بلدیہ اپنی خالی نشستوں پر خود ہی اراکین کو نامزد کر لیتی اور اس کے ارکان حین حیات اپنی جگہ پر قائم رہتے۔ یہی بلدیہ لوگوں کو شہری حقوق دیتی اور اس میں اکثر نرستانی کا بھی دخل ہوتا۔ مجلس کی کارروائیاں صیغۂ راز میں رکھی جاتی تھیں۔ ان حالات میں ہر طرف رشوت اور خورد برد کا بازار گرم ہونا ایک لازمی بات تھی۔ ۱۸۳۳ء میں ایک تحقیقاتی جماعت مقرر ہوئی کہ تمام مسئلے پر تفصیلی نظر ڈالے۔ اس نے جو کیفیت پیش کی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اکثر صورتوں میں بلدیات محض اپنے ارکان کے فائدے کے واسطے قائم ہیں اور باقی باشندوں کو ان مقامی حکام پر نہ کوئی اعتماد ہے نہ اس انتظام کی کوئی وقعت رہ گئی ہے۔ نظر بریں ارادہ کر لیا گیا کہ حکومت بلدی کو ہمیشہ کے لئے جمہوری بنیادوں پر

باب ششم

قائم کیا جائے۔ ہر شہر کے محلّے یا حلقے بنائے گئے اور ہر محلّے کے باشندوں کو مجلس بلدیہ کے ایک یا زیادہ ارکان کے انتخاب کا حق دیا گیا۔ مقامی عمّال کے تقرر کا آخری اختیار اسی مجلس بلدیہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ تمام تجارتی امتیازات توڑ دیے گئے اور ارکان کے فوجداری اختیارات سلب کر لئے گئے۔ دار العوام سے یہ قانون اسی صورت میں منظور ہوا تھا لیکن اُمرا نے ایک دفعہ بڑھا دی اور بعد میں دار العوام نے بھی اسے قبول کر لیا کہ اہل بلدیہ چھ سال کے واسطے شہر کے فوجداری حکام (آلڈرمن) کا انتخاب کریں اور عہدے کے زمانے میں انھیں وہی حقوق و امتیازات حاصل ہوں جو منتخب شدہ ارکان کے ہوتے ہیں۔ مگر اس قاعدے نے بلدیات کی اکثریت کو مزید قوت پہنچا دی اور رائے عامّہ کا بلدیہ کی حکمت عملی پر اثر پڑنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ تاہم جدید قانون سے شہری زندگی میں بڑا انقلاب واقع ہوا۔ نظم و نسق کو بہتر بنا دینے کے علاوہ اس قانون نے مقامی حکومت کا فن سکھانے میں معلّم کا سا کام دیا اور آیندہ اضلاع و دیہات میں بھی اسی طریقے کے رواج کا راستہ تیار کر دیا۔ انھی دنوں خیال تھا کہ شہر لندن کی قدیم بلدیہ کے واسطے ایک جداگانہ قانون وضع کیا جائے گا لیکن کسی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور لندن کا بلدیہ ابھی تک اپنی سابقہ حالت پر قائم ہے۔

دوسرے سال وزارت نے ایک اور قانون وضع کیا جس سے اہل کلیسا اور غیر مقلد فرقوں کی ایک پرانی بنائے مخاصمت دُور ہو گئی۔ اب تک پادری اور متولی اپنا عُشر جنس کی صورت میں وصول کیا کرتے تھے۔ مثلاً اناج کے ہر دسویں گٹھے کو اُٹھا کر اپنے ذخیرے میں ڈلوا دیتے اور اس عمل سے کاشتکاروں خصوصاً غیر مقلدوں کو سخت آزار پہنچتا تھا۔ پس ایک قانون "تحویل عُشر" وضع ہوا جس سے عُشر جنس کی بجائے لگان کی صورت میں ادا ہونے لگا اس کی تشخیص سات گذشتہ سال کے نرخ غلہ کی اوسط کے مطابق قرار دی جاتی اور کھیت کے رقبے پر رقم مقرر ہو جاتی تھی۔ ایسا ہی قانون آئرستان

قانون تحویل عشر

باب ششم

کے واسطے وضع ہوا تھا مگر اُمرا نے ایک فقرہ منظور نہیں کیا جس میں (عشر کی) زائد مالگزاری کو عام اغراض کے واسطے خرچ کرنے کی اجازت تھی۔ اور اسی اختلاف پر پورا قانون ہی چھوڑ دیا گیا ؎

اخبارات کا محصول

۱۸۳۶ء کے دو نئے قانونوں سے لوگوں کی سیاسی تعلیم پر بہت اثر پڑا۔ ۱۷۱۲ء میں ہارلے کی وزارت نے ہر اخبار پر فی ورق ایک پینی اور فی اشتہار ایک شلنگ محصول لگایا تھا اور یہ اب تک سرکاری آمدنی کی ایک معقول مد تھا۔ لارڈ نارتھ نے اس میں اضافہ کیا اور پیٹ نے جنگ کی ضروریات کے لحاظ سے اور بڑھایا۔ حتیٰ کہ ۱۸۱۶ء میں ہر ورق پر ۴ پینی اور ہر اشتہار کے ۳½ شلنگ لئے جانے لگے۔ ۱۸۲۶ء میں تھوڑی سی تخفیف ہوئی اور ۱۸۳۳ء میں آل تھورپ نے اشتہاروں کا محصول گھٹا کر ۱۸ پینی کر دیا۔ لیکن خبروں پر حسب سابق ۴ پینی فی ورق کی شرح قائم رہی تا آنکہ اسپرنگ رائس نے ۱۸۳۶ء میں اسے پھر ایک پینی کر دیا۔ یہ تخفیف اخباروں کی ترقی کے دور نو کا آغاز ثابت ہوئی۔ سرکاری محاصل شروع میں کم رہ گئے تھے لیکن پھر اخباروں کی اشاعت میں اتنی تیز ترقی ہوئی کہ ۱۸۵۴ء میں سرکاری آمدنی پرانی شرح کے محاصل کے برابر ہوگئی۔ اس کا سبب پرانے اخباروں کی کثرت اشاعت ہی نہ تھا بلکہ یہ بھی کہ صدہا نئے اخبار، خصوصاً روزنامے، جاری ہوگئے اور اسی نسبت سے سیاسی امور کے متعلق معلومات اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا ؎

فہرست آرا

دوسرا قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی طرف سے ارکان کی (ہر معاملے میں) فہرست آرا خود شائع ہونے لگی۔ اس سے قبل، اخبار والے سن سنا کر، بغیر پارلیمنٹ کی اجازت کے، یہ فہرست چھاپ دیتے تھے اور پارلیمنٹ والوں کو اصرار تھا کہ ان کی ذاتی رائے کسی کو معلوم نہ ہونی چاہئے۔ لیکن تجربے سے ظاہر ہوا کہ عملاً باہر والوں کو پتا چل ہی جاتا تھا کہ کس نے کدھر رائے دی پس بہتر یہی معلوم ہوا کہ سرکاری

باب ششم

طور پر یہ فہرست شائع کر دی جائے اور اس کی اجازت دے دی گئی۔ اس سے ہر مبعوث کے حلقے والوں کو یقینی طور پر یہ خبر ہو جاتی تھی کہ اس نے کدھر رائے دی اور دوسرے یہ بھی پتا چل جاتا تھا کہ اس نے کن امور میں حصہ لیا۔ جس سے مبعوثین کی حاضر باشی کی بھی نہایت عمدہ نگرانی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے فرائض بہ نسبت سابق کے زیادہ اچھی طرح انجام دینے لگے۔

۱۸۳۷ء میں کوئی قابل ذکر قانون پارلیمنٹ میں منظور نہیں ہوا اور جون میں یہ میقات ہی بوڑھے بادشاہ کی وفات سے یک بہ یک ختم ہو گئی اور نئے انتخاب کی ضرورت پڑی۔ برطانیہ میں متوفی بادشاہ کی وارث اس کی بھتیجی وکٹوریا (بنت شہزادۂ کینٹ) ہوئی لیکن ہنوور میں وراثت نرینہ کا اصول جاری تھا لہذا شہزادۂ کینٹ کا دوسرا بھائی شہزادہ کمبرلینڈ وہاں مسند نشین حکومت ہوا۔ اور ان حکومتوں کی علحدگی پر اہل انگلستان کو کوئی تاسف بھی نہیں ہوا۔

مشہور واقعات وسنین

قانون اصلاحات کا نفاذ	۱۸۳۲ء
انسداد غلامی	۱۸۳۳ء
کلیسائے آئرستان کی اصلاح	۱۸۳۳ء
نیا قانون مساکین	۱۸۳۴ء
قانون بلدیات	۱۸۳۵ء
ولیم چہارم کی وفات	۱۸۳۷ء

باب ہفتم

وکٹوریا حصۂ اول ۱۸۳۷ء تا ۱۸۶۵ء

ولادت ۱۸۱۹ء ازدواج با البرٹ (سیکس کوبرگ) سنہ ۱۸۴۰ء

معاصرین: فرانس .... لوئی فلپی
جمہوریت
نپولین سوم
روس .... نکولس اول
الیگزنڈر دوم
پروشیا .... فریڈرک ولیم سوم و چہارم
سارڈینیا (اطالیہ) .... وکٹر امانویل دوم

ملکہ کی تعلیم

نئی ملکہ شاہ ولیم کی وفات سے کچھ ہی پہلے قانونی طور پر سن رشد کو پہنچی اور لوگوں کو اس سے بہت کم واقفیت تھی۔ اس کی ماں (بیگم کینٹ) نے عاقبت اندیشی سے جہاں تک ممکن ہوا اسے چچا کے دربار کی صحبتوں سے الگ رکھا تھا جو ایک نوجوان لڑکی کے لئے کچھ مناسب نہ تھیں۔ مگر قصر کینزنگٹن کی

باب ہفتم

چارونواری کے اندر کسی تعلیم وتربیت میں جو بیٹی کے آیندہ منصب عالی پر پہنچنے میں کام آسکتی تھی اس کے بہم پہنچانے میں بیگم کینٹ کمی نہ کرتی تھی۔ اس کے دل ودماغ دونوں کے بنانے میں پورا اہتمام کیا گیا تھا۔ اسے خوداعتمادی، باقاعدگی اور کفایت شعاری کی تعلیم دی گئی تھی اور جب اس کے بادشاہی کے اعلیٰ فرائض اداکرنے کا وقت آیا تو ہر شخص جسے سابقہ پڑا اس کے کام کا طریقہ دیکھکر متحیر رہ گیا۔ ابتدا سے وہ تہیہ کئے ہوئے تھی کہ آئینی فرماں رواکی طرح حکومت کرے گی اور سیاسی فرقوں میں اپنے آپ کو کوئی امتیاز یا رورعایت ملحوظ نہ رکھیگی۔

یہ بادشاہی طرزعمل میں ایک نمایاں تغیر تھا۔ جارج ثالث اپنے وزیروں کو خود نامزد کرنے کا دعوے دار تھا اور اس کے دونوں جانشین اپنا میلان مشکل سے مخفی رکھ سکے تھے۔ وکٹوریا وارث تاج ہوئی تو ولنگٹن نے پیشین گوئی کی کہ اب قدامت پسندوں کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ مجھے غیر رسمی گفتگو اور پیل کو آداب نہیں آتے،، لیکن تجربے سے ظاہر ہوا کہ نئی فرماں روا پر ایسی معمولی باتوں کا مطلق اثر نہ تھا اور اپنے عہد میں صرف دارالعوام کے منشا پر وزارت واقتدار کو منحصر رکھنا چاہتی تھی۔ ان عمدہ خیالات کی کچھ نہ کچھ ملبرن کو بھی داد ملنی چاہئے کیونکہ نوجوان ملکہ کو آئینی حکومت کے اُصول اور طریق اسی نے سکھائے تھے؛

ملکہ کی تاجپوشی ۲۸ جون ۱۸۳۸ء کے دن ہوئی۔

ملکہ کا شوہر

۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو وہ اپنے پھپیرے بھائی البرٹ (امیرزادہ سیکس کوبرگ) سے بیاہی گئی۔ یہ شادی جذبۂ محبت پر مبنی تھی۔ البرٹ خوبصورت، اعلیٰ سیرت کا نوجوان اور فنون موسیقی اور ادبیات کا بہت دلدادہ تھا۔ وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوا اور اپنی بیوی کو فرائض بادشاہی کے اداکرنے میں نیز اُن لوگوں کی جن میں آکے رہا تھا، اخلاقی اور دماغی فلاح وبہتری میں جیتے جی (یعنی ۱۸۶۱ء تک) ہر طرح کی مدد دیتا رہا؛

کناڈا کی حالت

ریاست ہنوور کے تاج برطانیہ سے جدا ہونے پر تو انگلستان کے ہر طبقے میں اطمینان اور خوشی ہوئی تھی

لیکن ملکہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہنوور سے کہیں بڑھکر نقصان کا ایک اندیشہ یہ پیدا ہوا کہ کناڈا میں سخت دل برداشتگی نظر آئی۔ ۱۷۷۴ء میں لارڈ نارتھ کی وزارت نے فرانسیسی کیتھولکوں کو ان کے قوانین اور مذہب میں آزادی دلوادی تھی مگر اس کے بعد سے انگریزوں اور اسکوٹوں کی تعداد کثیر اس نو آبادی میں جاکر بسی اور ولایات امریکہ کی آزادی کا اعلان ہوا تو بہت سے وفادار انگریز بھی وہ علاقہ چھوڑ چھوڑ کر کناڈا چلے آئے۔ یہ لوگ پرانے فرانسیسی آبادکاروں سے بالکل مختلف تھے اور انہی جدید حالات کو دیکھکر پٹ نے ۱۷۹۱ء میں قانون کناڈا منظور کرایا جس کی رو سے یہ ملک بالائی اور زیرین کناڈا کے دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ زیرین کناڈا دریائے سینٹ لارنس کے نشیبی حصے کی وادی تھا۔ اس میں مونٹ ریال اور کیوبیک کے شہر تھے اور زیادہ آبادی فرانسیسی آبادکاروں کی تھی۔ بالائی کناڈا بڑی جھیلوں کے کنارے کا علاقہ اور خالص برطانی آبادی سے آباد تھا۔ سیاسی اعتبار سے یہ تقسیم بری تھی کیونکہ اس سے برطانی اور فرانسیسی آبادکاروں کا باہم گھل مل جانا غیر ممکن ہوگیا اور اسی بنیاد پر قانون مذکور کی فاکس نے مذمت کی۔ تجارتی اعتبار سے بھی اس میں خرابی تھی کہ بالائی کناڈا کی ساری پیداوار سمندر تک زیرین کناڈا ہی کے راستے سے پہنچ سکتی تھی۔ ان سب باتوں کے علاوہ ہر نو آبادی میں حاکم اعلیٰ اور اس کی مجلس عاملہ اور مجلس وضع قوانین میں جیسے وہیں کے باشندے منتخب کرتے تھے، آئے دن پیچیدگیاں واقع ہوتی تھیں۔ ان وجوہ سے زیرین اور بالائی دونوں علاقوں کے لوگ بغاوت پر تیار تھے اور وکٹوریا تخت نشین ہوئی تو وہاں کے بہت سے گرجوں کے نمازی خطبے میں اس کا نام سن کر اُٹھ اُٹھ کر چل دیے جس سے ان کی ناراضی ظاہر ہو۔ تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ زیرین کناڈا میں فرانسیسی الاصل پاپی نو کی سرکردگی میں اور بالائی کناڈا میں میکنزی کے زیر قیادت مسلح بغاوت شروع ہوئی۔ پہلے علاقے میں سر جان کولبورن نے فوج باقاعدہ کی مدد سے اور دوسری جگہ میجر ہیڈ نے محض مقامی نظم جمعیت سے یہ فساد فرو کردیا۔ اور اس میں زیادہ دشواری نہیں پیش آئی لیکن ہر فریق کو

باب ہفتم

لارڈ ڈرہم کا انتظام

یہ صاف نظر آگیا کہ کناڈا کے نظم و نسق میں اساسی تبدیلی ضروری ہے۔ چنانچہ نوآبادی کی اصلاح کے لیے (ملبرن کی وزارت نے) امیر ڈرہم کو روانہ کیا۔ وہ آئینی اصول کا پرجوش حامی تھا اور گرے پر بہت کچھ اثر رکھنے کے بعد ملبرن کی وزارت سے اسی بنا پر الگ ہوا کہ یہ حکومت پوری مستعدی نہیں رکھتی۔ شروع میں اسے کناڈا میں کامل اختیارات دید یئے گئے تھے اور اس نے ان سے پوری طرح کام بھی لیا۔ فاکس کی رائے کے بموجب اس نے سنہ ۱۷۹۱ کے قانون مسترد کر کے کناڈا کے دونوں حصوں کو ایک بنا دیا اور مقامی حکومت دینے کے علاوہ وزرا کو مجلس وضع قوانین کے سامنے جواب دہ بنانے کی تجویز مرتب کی۔ ان تجاویز کو قبول کر لیا گیا اور اب تک کناڈا خاص کا دستوری آئین انھی پر مبنی ہے۔ دوسرے شمالی امریکہ کی تمام برطانی نوآبادیوں کے اتحاد کا راستہ بھی ڈرہم نے تیار کیا جس پر کچھ مدت بعد عملدرآمد ہوا۔ لیکن بغاوت کے قیدیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا تھا کہ دارالعوام میں فریق اختلاف کو اور دارالامرا میں ڈرہم کے ذاتی مخالفوں کو اس پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اگر یہ قیدی زیرین کناڈا کی کسی عدالت میں پیش ہوتے تو کوئی معمولی جوری انھیں یقیناً رہا کر دیتی۔ ان میں سے بعض خود اقبال جرم کر چکے تھے لیکن ڈرہم کا یہ فعل بالکل خلاف آئین تھا کہ اس نے انھیں برمنڈا میں جلاوطن کیا اور فیصلہ سنا دیا کہ اگر وہ کناڈا واپس آئیں تو موت کی سزا دی جائیگی۔ اس فیصلے کا خلاف قانون ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ برمنڈا میں لارڈ ڈرہم کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا اور گو نوآبادی والوں نے اسے قبول کر لیا لیکن برطانی پارلیمنٹ میں شدید حملے ہوئے۔ خصوصاً بروہم نے اس موقع پر دوسری وزارت (سنہ ۱۸۳۴ء) میں اپنے امیر عدلیہ نہ بنائے جانے کا ملبرن سے انتقام لیا اور ملبرن اتنا کمزور تھا کہ اپنے صوبہ دار کا ساتھ چھوڑ بیٹھا اور جلاوطنی کا حکمنامہ منسوخ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس پر لارڈ ڈرہم مستعفی ہو گیا۔ حکومت کے ارکان اس کی مراجعت پر بھی کچھ تپاک سے نہیں ملے البتہ آزاد خیال فرقے کے گروہ کثیر کے دوستانہ خیر مقدم

باب ہفتم

سے اس بے مہری کی تلافی ہوگئی۔ پھر بھی ناکامی کے اثر سے اس کی صحت کو نقصان پہنچا اور ہر چند وہ اپنے روز تک جیتا رہا کہ کناڈا کے متعلق اس کی تجاویز منظور کر لی گئیں اور یقین ہوگیا کہ ان پر عمل کیا جائے گا لیکن صحت جواب دے چکی تھی اور سنہ ۱۸۴۰ء میں صرف ۴۸ برس کی عمر میں وہ فوت ہوگیا۔

ملبرن کی کمزوری

ڈرہم کے معاملے میں حکومت نے جو کمزوری دکھائی وہ ملبرن کے پورے عہدِ وزارت کی خصوصیت ہے۔ اس کے چند اسباب تھے۔ اول تو ملکہ کی تخت نشینی پر جو انتخاب ہوا اس میں انگلستان کی کئی نشستیں وزارت کے حامیوں کے ہاتھ سے نکل گئیں حتیٰ کہ اگر ان کا طرفدار او کونیل آئرستان میں جگہ جگہ کامیاب نہ پاتا تو وزرا کی اکثریت قائم نہ رہ سکتی تھی۔ لیکن خود یہی امر کہ وزارت آئرستان کے مبعوثوں کی وجہ سے برسر اقتدار ہے انگلستان میں ملبرن کے لئے بہت مضر ثابت ہوا۔ دوسرا سبب خود اس وزیر کی خصلت تھی کہ وہ کسی قسم کی بھی اصلاح کی چنداں پروا نہ کرتا تھا اور ملک میں یہ خیال پھیلتا جاتا تھا کہ اس کے زمانے میں قدامت پسندوں سے بڑھکر کسی ترقی کی توقع رکھنی فضول ہے۔

اصلاح کے پرجوش حامیوں کے واسطے یہ حالت بہت صبر آزما تھی اور اس سے ملک میں شورش پیدا ہونے لگی۔ شورش کے مقصد دو تھے۔ اور اسی لئے دو قسم کے اشخاص اس میں پیش پیش تھے۔ ایک تو کارخانہ دار جو قانون غلہ کو منسوخ کرانا چاہتے تھے اور دوسرے انتہا پسند جنہیں دستور حکومت کی اصلاح کی خواہش تھی۔ واضح رہے کہ سنہ ۱۸۳۲ء کی تجاویز اصلاح کو قدامت پسند فرقہ جس نے یہ مسودہ منظور کرایا اصلاحات کی کم سے کم سرحد سمجھتا تھا اور خود جان رسل نے اسی قسم کا خیال ظاہر کیا تھا۔ لیکن انتہا پسندوں کی دانست میں یہ اصلاحات محض قسطِ اول اور مزید اہم تغیرات کی تمہید تھیں۔ پیشہ وروں کے طبقوں میں خصوصاً یہی خیالات پھیلے ہوئے تھے کیونکہ دس پاونڈ کے مالکانِ مکان اور چھوٹے دکانداروں کو تو ووٹ کا حق دیا گیا اور یہ پیشہ ور محروم رہ گئے تھے۔ خاص کر برمنگھم وغیرہ مقامات میں جہاں اہل حرفہ کو پہلے

باب ہشتم

یہ حق حاصل تھا، اور نئے قواعد کی رو سے زائل ہوگیا، اُن میں بڑی ناراضی پائی جاتی تھی۔ غرض مزید تغیرات کا جوش پیدا ہوا اور اس تحریک کے سرگروہوں نے اپنے مقاصد کو ذیل کے مطالبات میں قلم بند کیا:۔ (۱) رائے کا عام حق، اس اصول پر کہ ہر بالغ مرد یہ حق رکھتا ہے۔ (۲) مخفی رائے دہی تاکہ رائے دینے والے پر کوئی بیجا دباؤ نہ ڈالا جا سکے۔ (۳) پارلیمنٹ کی سالانہ میقات تاکہ مبعوثین انتخاب کرنے والوں کی مرضی کے خلاف کام کرنے نہ پائیں۔ (۴) مبعوثین کو رقمی معاوضہ کہ اگر غیر مستطیع لوگ منتخب ہوں تو وہ اپنا کام چھوڑ کر پارلیمنٹ میں کام کر سکیں۔ (۵) مالی شرائط کی منسوخی جن کی وجہ سے کوئی شخص معقول ملکیت کے بغیر منتخب نہ ہو سکتا تھا[1] اور (۶) انتخابی حلقوں کی یکسانی تاکہ ہر شخص کی رائے کی قدر و قیمت تا امکان یکساں ہو جائے۔ ان مطالبات کو عام طور پر "منشور جمہور" کہتے تھے۔ اوکونیل بھی اس کا حامی ہوگیا اور یہ الفاظ کہے کہ "یہ تمہارا منشور ہے۔ اس کے لئے برابر لڑے جاؤ اور اس سے کم پر ہرگز رضا مند نہ ہونا"۔

منشوری فرقے

ان مطالبات کے حامی منشوری کہلائے۔ ان کی بھی دو قسمیں تھیں ایک تو اخلاقی قوت کے وکیل تھے اور دوسرے زبردستی کرنے کے۔ یعنی ضرورت ہو تو جبر و تشدد سے کام لینا جائز سمجھتے تھے۔ پہلے گروہ کا سرگروہ فیرگس اوکونور تھا جس کی طبعی فصاحت اور مستعدی مسلم تھی اور باہر والوں کی نظر میں وہ بہت محترم سرگروہ سمجھا جانے لگا تھا۔ ایک غیر مقلد پادری اسٹیفن، اور ہنری ہتھرنگٹن، ہنری ونسنٹ اور لوویٹ بھی اسی گروہ میں پیش پیش تھے۔ آخر الذکر تینوں مزدور پیشہ آدمی تھے۔ یہ لوگ جلسوں اور اخباروں کے ذریعے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے اور ان کا خاص اخبار "دی نوردرن اسٹار" تھا جو اوکونور کی ملکیت میں تھا۔ تشدد پسند منشوریوں میں اس کے بہت ہی جاہل پیرو داخل تھے اور ان کے سرگروہ بھی انھیں اپنے مقصد کے حق میں خطرناک سمجھتے تھے۔

[1] اس قاعدے میں درحقیقت ایک مدت سے لوگ ٹالے بالے بتا دیتے تھے۔ ۱۲

باب ہفتم

ہاتھ آئی۔ شمالی برما اور وہاں کا پائے تخت آوا یا مانڈلے آزاد چھوڑ دیے گئے۔
۱۸۲۶ء میں ایک غاصب نے بھرت پور کے شیر خوار راجہ کے اتالیق کو مار کر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ یہ ہندوستان کے مستحکم ترین قلعوں میں تھا اور انگریز حکام اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے تھے۔ اب ایک لشکر جرار اس قلعے پر بھیجا گیا۔ وِلنگٹن کی سوار فوج کا ایک بہترین سردار لارڈ کومبر میر اس کا سرلشکر تھا۔ پھر باقاعدہ محاصرے کے بعد قلعہ تسخیر کر کے اسی شیر خوار بچے کو دوبارہ گدی پر بٹھا دیا گیا۔

۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی مدت منقضی ہوئی اور اس کی تجدید کی درخواست پر پارلیمنٹ میں کئی اہم تبدیلیاں کر دی گئیں۔ پٹ کے زمانے کے مقابلے میں اب کمپنی اتنے وسیع علاقوں پر قابض تھی کہ اسے پہلے سے زیادہ ہندوستان کا حکمراں کہنا بجا تھا۔ ادھر کمپنی کے مخصوص تجارتی امتیازات سے انگریزوں کی مشرق سے تجارت کے بڑھنے میں رکاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ نظر براین اب تک جو اجارہ کمپنی کو حاصل تھا، وہ منسوخ کر دیا گیا اور کمپنی کے فرائض بھی صرف ملک کے نظم و نسق تک محدود ہو گئے۔ گورنر جنرل اور اس کی مجلس عاملہ کو زیادہ باقاعدہ بنانے کی غرض سے حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک قانون داں آدمی مستقل طور پر مجلس مذکور کا رکن مقرر کیا جانے لگا اور پہلی مرتبہ اس خدمت کے لئے مکالے چنا گیا جس نے قانون اصلاحات کی بحث میں بہت کچھ ناموری پائی تھی۔

اس عرصے میں کمپنی کی حدود بڑھتے بڑھتے سندھ و پنجاب اور ان سے بھی آگے، افغانستان کی حکومت سے جا بھڑی تھیں۔ یہ ملک ہندوکش کے پار، دریا[1] کی بالائی وادی میں واقع ہے اور کابل، قندھار، غزنی اور ہرات اس کے بڑے شہر ہیں۔ ۱۸۳۰ء میں اس کے بڑے حصے پر دوست محمد خاں اور اس کے بھائیوں کی حکومت تھی جنھوں نے سابق امیر شاہ شجاع کو نکال باہر کیا تھا۔ شاہ شجاع انگریزوں کی پناہ میں آ گیا اور بنگالے میں

---

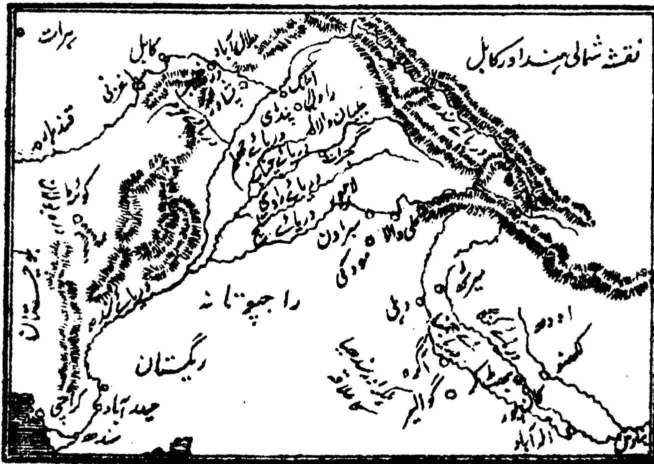
[1] فاضل مولف نے دریا کا نام نہیں لکھا۔ بظاہر Indus مراد ہے۔ مترجم۔

باب ہفتم

مقیم تھا۔ اس اثنا میں روسیوں کا وسط ایشیا میں اقدام دیکھ کر کمپنی خوفزدہ ہوئی اور بڑا اندیشہ یہ پیدا ہوگیا کہ کہیں دوست محمد خاں ان سے مل کر پہاڑ کے بڑے دروں کے راستے جو اس کے ملک میں تھے انھیں ہندوستان میں نہ پہنچا دے۔ یہ خوف ایرانیوں کے ہرات کا محاصرہ کرنے سے اور بڑھ گیا کیونکہ اس محاصرے کو انگریز سمجھے کہ روسیوں کی شہ سے کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ہرات میں شاہ شجاع کا ایک رشتہ دار حاکم تھا اور اسے دشمن کے ہاتھ پڑنے سے ایک انگریز سردار ایلڈرڈ پوٹنگر کی بہادری اور کاردانی نے بچایا۔ دوست محمد خاں کے دربار میں ان دنوں الیگزنڈر برنس انگریزی سفیر تھا اور وہ دوست محمد خاں کو انگریزوں کا دوستدار سمجھتا تھا۔ مگر ۱۸۳۷ء میں ایک روسی سفیر کابل آیا تو امیر کو اسے خارج کر دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی بنا پر برنس کی رائے کے

جنگ افغانستان

خلاف گورنر جنرل نے دوست محمد سے جنگ کا اعلان کر دیا اور انگریزی سپاہ نے قندھار، غزنی اور کابل فتح کر لئے۔ دوست محمد خاں نے اطاعت قبول کی اور شاہ شجاع کو پھر امیر بنا دیا گیا۔ مگر تھوڑے ہی دن میں معلوم ہوگیا کہ اس امیر سے



باب ہفتم

ملک بھر میں لوگوں کو نفرت تھی۔ انھوں نے بغاوت کر کے برنس کو جسے افغانی بڑا غدار سمجھتے تھے، مار ڈالا اور انگریزی سپاہ محصور کر لی گئی۔ یہ جنرل الفنسٹن اور نئے ناظر افغانستان (کمشنر) سر ولیم میک ناٹن کے ماتحت تھی۔ فوجی انتظامات کی خرابی سے خورد رسد خانوں پر دشمن کا قبضہ ہو گیا اور بجائے اس کے کہ انگریزی سپاہ جان جوکھوں میں ڈال کر بھی لڑتی بھڑتی محاصرے سے نکلنے کی کوشش کرتی، وہ دوست محمد خاں کے بیٹے محمد اکبر خاں سے ایک ذلت آمیز صلح کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ محمد اکبر افغانی باغیوں کا سرگروہ بن گیا تھا۔ اسی سے صلح کی گفتگو کے دوران میں محمد اکبر خاں نے میک ناٹن سے کہا کہ "تو ہی ہمارا ملک لینے آیا ہے" اور اسے جان سے مار ڈالا۔ جنرل الفنسٹن بوڑھا، بیمار اور کام سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔ وہ ان شرطوں پر رضامند ہو گیا کہ انگریزی سپاہ جس میں زیادہ تر ہندوستانی سپاہی تھے سرحد تک اکبر خاں کی حفاظت میں بھیجدی جائے۔ دوست محمد خاں کو امارت کابل پر دوبارہ متمکن کیا جائے اور بہت سے انگریز سردار بطور یرغمال افغانیوں کے حوالے کر دیے جائیں۔ مگر اس شرمناک معاہدے پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ یعنی جنوری ۱۸۴۲ء میں انگریزی سپاہ کابل خرد کے درے سے گذری تو اس پر پہاڑی قبائل نے حملہ کر دیا اور شدید نقصانات اٹھانے کے بعد وہ درے سے باہر نکلی تو محمد اکبر خاں نے شادی شدہ فرنگنوں اور ان کے شوہروں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ باقی ماندہ سپاہی آگے بڑھے تھے کہ جگ دلک درے کے خونخوار پٹھانوں سے مٹ بھیڑ ہوئی۔ انھوں نے انگریزی سپاہ کو کامل طور پر تباہ کر دیا۔ صرف ایک فرنگی ڈاکٹر برائی ڈن زندہ بچ کر جلال آباد پہنچا۔ جہاں جنرل سیل درۂ خیبر کے سرے پر ابھی تک جما ہوا تھا۔ انگریزوں کو ملک خالی کیے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ شاہ شجاع مار ڈالا گیا۔ انگریزوں کی سپاہ کو ایسی ذلت آمیز ہزیمت ہندوستان میں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس سے ہماری سطوت کو شدید صدمہ پہنچا اور اگر جنگی برتری کو بحال کرنے کی فوری کوشش نہ کی جاتی تو ہندوستان میں غالباً عام بغاوت برپا ہو جاتی۔ غنیمت ہے کہ جنرل ناٹ، قندھار میں اپنی جگہ قائم رہا اور سیل نے جلال آباد پر سب حملے روک لئے۔ اس طرح افغانستان کے دو راستے

باب ہشتم

انگریزوں کے ہاتھ میں رہے اور پھر جنرل پولک جلال آباد سے ناٹ قندھار کی طرف سے بڑھ کر کابل پہنچے۔ اس شہر کو تسخیر کر کے بالا حصار میں آگ لگا دی جو برنس اور میکناٹن کے قتل کا انتقام تھا۔ پولاک کی فتح کے ساتھ گورنر جنرل، لارڈ ایلن برو کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ انگریز کسی قوم پر ان کے خلافِ مرضی کسی کو جبراً بادشاہ نہیں بنائیں گے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ دوست محمد کی بادشاہی تسلیم کرنی پڑی۔ بہ الفاظ دیگر جنگ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور اسی برنس کے قول پر پورا عمل درآمد کیا گیا کہ کمپنی کی صحیح حکمت عملی یہ ہونی چاہیئے کہ دوست محمد سے دوستانہ تعلقات رکھے جائیں۔

سندھ اور پنجاب

افغانستان کی جنگ کی بدولت امیرانِ سندھ سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ انھی کے علاقے سے ہماری فوجیں اجازت لیکر افغانستان گئی تھیں۔ انگریزوں کی ہزیمتوں سے ان کی جسارت بڑھی کہ اپنے عہد نامے توڑ دیے اور ۱۸۴۳ء میں لڑائی چھڑ گئی۔ انگریز سپہ سالار سر چارلس نیپیر نے میانی اور حیدر آباد کے سخت معرکوں میں امیرانِ سندھ کی قوت توڑ دی اور پھر سندھ احاطہ بمبئی میں داخل کر لیا گیا۔

سندھ میں امن امان مشکل سے قائم ہونے پایا تھا کہ پانچ ندیوں کی سرزمین پنجاب میں فساد پیدا ہوا۔ اس خطے میں جہلم، چناب، راوی، ستلج اور دریائے سندھ کے علاقے شامل ہیں اور یہ اس وقت سکھوں کے ہاتھ میں تھا۔ "سکھ" کے معنی چیلے کے ہیں۔ اسے ایک مذہبی سرگروہ گرو نانک صاحب کے پیروؤں نے اختیار کیا اور ان میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے افراد شریک تھے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں سکھوں کو ایک اعلیٰ درجے کا حکمراں رنجیت سنگھ مل گیا جس نے سارے پنجاب پر قبضہ کیا اور سکھ خالصہ اور خدائی فوج کے زور سے یہ قبضہ قائم رکھا۔ زندگی بھر رنجیت سنگھ نے انگریزوں سے بہت اچھے تعلقات رکھے لیکن ۱۸۳۹ء میں اس کے فوت ہوتے ہی ملک میں سخت ابتری پھیل گئی اور اس کی ساٹھ ہزار فوج کو بالکل کوئی سنبھالنے والا نہ رہا۔ آخر وہ ہندوستان (خاص) پر حملہ آور ہوئی اور انگریزوں سے مدکی اور فیروز شہر کی لڑائیوں میں

باب ہفتم

ستلج پار دھکیل دی گئی۔ دوسری بار سکھوں نے پھر چڑھائی کی مگر علی وال اور سبراؤن کی خوفناک لڑائی میں پھر انھیں شکست ہوئی۔ رنجیت سنگھ کی بیوہ کو اپنے بیٹے دلیپ سنگھ کی طرف سے حکمراں بنایا گیا تھا مگر یہ انتظام قطعی ناکام رہا۔ ۱۸۴۸ء میں سکھ سپاہ پھر میدان میں اتر آئی اور چلیانوالہ کی لڑائی میں لارڈ گاف کی انگریزی فوج پر قریب قریب غالب آگئی تھی مگر آخر میں گجرات پر شکست کھا کر فرار ہو گئی۔ اس کے بعد پنجاب کا کمپنی کے مقبوضات میں الحاق کر لیا گیا اور اس کا نظم و نسق انگریز عہدہ داروں کے تفویض ہوا جن میں سر ہینری اور جان لارنس سب سے ممتاز تھے۔

آئرستان کی شورش

پیل کے برسر اقتدار آتے ہی اُسے آئرستان کی شورش سے سابقہ پڑا۔ اس کا آغاز اوکونیل نے قانون آزادی فرقہ کیتھولک کے منظور ہوتے ہی کر دیا تھا۔ ۱۸۴۳ء میں شورش اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اوکونیل گویا سیاسی شورش کے لئے بنا تھا۔ اسے اپنے ہموطنوں کے جذبات کو ہیجان میں لانا خوب آتا تھا اور اس نے اپنا مطمح نظر ہی یہ بنایا تھا کہ آئرستان سے "سیکسن" یعنی انگریز کے تعلق کے خلاف عداوت پیدا کی جائے۔ اس کا یہ فعل نہایت نقصان رساں تھا کیونکہ گذشتہ سنین میں اہل آئرستان کا یہ نسلی تعصب فرو ہوتا جاتا تھا۔ لیکن برطانیہ اور آئرستان کے ملکی اتحاد کے خلاف ہنگامہ کرنے میں اوکونیل کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور یہی اس کا قریبی مقصد تھا۔ آئرستان میں جابجا عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے اور آخر میں اوکونیل نے اعلان کیا کہ ۱۸۴۳ء قطع اتحاد کا سال ہوگا۔ اس کا معمول تھا کہ تارا وغیرہ بڑے بڑے تاریخی مقامات پر جلسے کیا کرتا تھا اور اسی قسم کا ایک جلسہ اکتوبر ۱۸۴۳ء میں اس نے کلونٹارف میں قرار دیا۔ عین جلسے کے روز حکومت نے اسے روک دیا۔ اب اوکونیل کے سامنے یا تو حکم کی تعمیل تھی یا مسلح مقابلہ۔ مجبوراً وہ دب گیا اور ایک اعلان شائع کیا کہ جلسہ موقوف کر دیا جائے۔ اس کے پیرو سخت حیران ہوئے۔ ان میں سے اکثر یہ سمجھتے تھے کہ اوکونیل بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے اور جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ حکومت سے لڑنا نہیں چاہتا تو زیادہ تعداد ایسی تھی کہ بیزار ہو کر اس سے الگ ہو گئی اور یہ تحریک جس قدر زیادہ ضد پکڑ گئی تھی اب

باب ہفتم

اتنی ہی کمزور ہو گئی اوکونیل کا اثر خاک میں مل گیا اور غالباً یہ حکومت کی غلطی تھی کہ اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا اور ایک جوری نے جس میں سب پروٹسٹنٹ ارکان تھے۔ اسے مجرم قرار دیا۔ یہ سزا دوبارہ اس کا اثر بحال کرنے کے لئے کافی ہوتی مگر بے قاعدگی کے عذر پر مرافعہ ہوا اور خوش قسمتی سے ایوانِ اعلیٰ کے امرائے مذکورۂ بالا فیصلہ ۱۸۴۲ء میں مسترد کر دیا۔ اب اوکونیل کو معلوم ہو گیا کہ اس کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اس کی صحت بگڑ گئی اور ۱۸۴۷ء میں وہ اطالیہ میں مر گیا۔

مے نوتھ کی امداد

اوکونیل کی وفات سے پہلے پیل نے آئرستان کے کیتھولک فرقے کو رام کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ ۱۷۹۵ء تک وہاں کے پادری سینٹ اومر (فرانس) کی خانقاہ میں جا کر دینی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انقلاب فرانس کے دوران میں یہ خانقاہ توڑ دی گئی تو آئرستان میں ایک اسی قسم کی درس گاہ بن گئی جسے ۱۷۹۵ء سے حکومت تھوڑی سی امداد دیتی تھی۔ اب ۱۸۴۵ء میں پیل نے اس امداد میں اضافے کی تحریک کی اور میکالے نے پوری قوت سے تائید کی۔ اس کارروائی کی وجہ سے گلیڈ اسٹون عہدے سے مستعفی ہو گیا اور نہ صرف مے نوتھ کی رقمی امداد کی مخالفت کی بلکہ کلیسا اور حکومت کے تعلقات پر ایک مستقل کتاب لکھ کر اس قسم کی تمام امدادی رقوم سے اختلاف کیا۔ حکومت کے عہدے پر رہنے کی صورت میں اسے اندیشہ تھا کہ لوگ الزام دیں گے کہ عہدے کی خاطر اپنی رائے بدل دی لہٰذا مستعفی ہو گیا اور غیر سرکاری مبعوث کی حیثیت سے حکومت کی تائید کرتا رہا۔

اسکاٹ لینڈ کا آزاد کلیسا۔

۱۸۴۳ء میں اسکاٹ لینڈ کی دینی زندگی میں ایک تغیر واقع ہوا۔ ۱۷۱۲ء برطانی پارلیمنٹ نے وہاں کے پادریوں کے علی الرغم زمیندار مربیوں کے قدیم حقوق تسلیم کر لئے تھے اور وہی نماز خوانوں کا تقرر کرتے جس سے اہل حلقہ کو اختلاف تھا اور وہ اُن کے اس حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ۱۷۳۲ء میں آوخ ٹرارڈر کے حلقے میں ایسا نماز خواں مقرر ہوا جسے لوگ مطلق پسند نہ کرتے تھے مگر گرجا کا مکان رہنے کے لیے اسی کے حوالے کر دیا گیا۔ اسی طرح اسٹر تھ بوگی کے حلقے میں ایسا پادری

باب ہفتم

اور اسی پر وزیر اعظم کی خبر لینے کے لئے ڈزرائیلی نے اپنی پوری ذہانت صرف کی شروع میں وہ اتنا با اثر نہ تھا کہ تائین تجارت کے حامیوں کا رسمی سرگروہ بنا لیا جاتا یہ منصب لارڈ جارج بین ٹنک کو دیا گیا جو امیر کبیر پورٹ لینڈ کا بیٹا' اپنے مرتبے اور اوصاف کے اعتبار سے محترم اور ساتھ والوں کی تنظیم کرنے میں کافی قابلیت رکھتا تھا لیکن ۱۸۴۸ء میں بین ٹنک نے وفات پائی تو ڈزرائیلی اپنی جماعت کا نہ صرف اصلی بلکہ باضابطہ بھی سرگروہ بن گیا ؛

آئرستان کا قحط

ادھر آلو کی فصل نہ ہونے کے باعث آئرستان کی حالت بہت اندیشہ ناک ہو گئی ۔ ان لوگوں کو جن کا گزارہ ہی آلو کی پیداوار پر تھا غلے کی قیمت کم ہو جانے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ ہزاروں کی تعداد میں کسان مرنے لگے ۔ مصائب کے اس طوفان کو روکنے کی ساری سرکاری اور غیر سرکاری کوششیں ناکافی نظر آتی تھیں ۔ ایسی حالت میں یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی کہ پریشاں حال مخلوق میں جرائم کا اضافہ نہ ہوگا اور اسی کے تدارک کی غرض سے پیل نے ایک قانون اسلحہ کی تجویز کی ۔ آئرستانی مبعوثین طبعاً اس کے مخالف تھے بہت سے انگریز آزاد خیالوں نے بھی ان کی تائید کی ۔ "حامیانِ تائین" نے دیکھا کہ اگر وہ بھی مجوزہ قانون کے خلاف رائے دیں تو پیل کو شکست ہو جائے گی ۔ گویا انتقام لینے کا اچھا موقع ہاتھ آیا اور انھوں نے اس کو نہ جانے دیا ۔ پیل کو ۷۳ رائے سے شکست ہوئی اور وہ بلا تاخیر مستعفی ہو گیا ؛

رسل کی وزارت

لارڈ جان رسل اس کا جانشین ہوا اور اس نے پامرسٹن کو وزیر خارجہ بنایا ۔ امیر گرے بھی اب وزیر جنگ و مستعمرات بننے پر آمادہ ہو گیا ۔ امیر کلیرنڈن نظارت تجارت کا صدر نشین اور مکالے فوج کا بخشی مقرر ہوا ۔ ملکی معاملات میں حکومت کی توجہ آئرستان پر منعطف رہی جہاں اموات اور ترک وطن کی بدولت آبادی آدھی رہی جاتی تھی ۔ قحط زدوں کی امداد کے لیے ایک کروڑ پاؤنڈ کی رقم پارلیمنٹ سے منظور ہوئی مگر یہ مطلق کافی نہ تھی ۔ ۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان تقریباً

باب ہشتم

بیس لاکھ آدمی کم ہو گئے۔ بدامنی کا سدباب کرنے کی غرض سے رسّل کی وزارت کو بھی اسی قسم کا قانون اسلحہ پیش کرنا پڑا جیسا پیل نے تجویز کیا اور ان لوگوں نے مخالفت کی تھی۔ مگر خود پیل نے کمال شرافت سے وزارت کا ساتھ دیا اور کہا کہ سابقہ وزارت کی بہترین تلافی یہی ہو گی کہ موجودہ حکومت کو یہ قانون نافذ کرنے میں مدد دی جائے' چنانچہ پیل کی تائید سے یہ قانون منظور ہو گیا ؛

قحط کی وجہ سے آئرستان کے اکثر زمینداروں کے افلاس کا حال بھی ظاہر ہوا کہ دلی ہمدردی کے باوجود اس مصیبت میں اپنے کسانوں کی کوئی دستگیری نہ کر سکے اور یوں بھی سرمایہ نہ ہونے کے باعث زراعت کو ترقی دینے کا کبھی بھی کوئی انتظام نہ کر سکتے تھے۔ ان کی اراضی اس طرح سے ورثے میں وقف اور بھاری بھاری قرضوں میں زیر بار تھیں کہ پارلیمنٹ کی مدد کے بغیر نجات کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ پس جدید قانون کے ذریعے ایک "زیر بار جاگیروں کا سررشتہ" قائم کیا گیا کہ غیر مستطیع زمینداروں کی جماعت کو اراضی کے فروخت کرنے میں مدد دے جس سے وہ اپنے قرضے وغیرہ ادا کر سکیں اور دوسرے ایسے زمینداروں کو میدان میں لائے جو روپیہ اور شوق بھی زیادہ رکھتے ہوں ؛ اس سررشتے کی وساطت سے آئرستان کی صدہا جاگیریں انگریزوں اور اسکوٹوں کی ملکیت میں منتقل ہو گئیں اور ان کو اکثر صورتوں میں یہ ترغیب دلائی گئی کہ ان اراضی کے لگان کم ہیں اور انھیں آسانی سے بڑھایا جا سکتا ہے ؛

سنہ ۱۸۴۷ء میں مزدوری کے اوقات میں اور تخفیف کی گئی۔ یعنی نئے قانون فیلڈن کی رو سے اٹھارہ سال سے کم عمر کے مزدوروں کے واسطے دس گھنٹے یومیہ اور شنبے کے دن نو گھنٹے کام معین ہوا۔ چونکہ بڑی عمر کے لوگ بغیر لڑکوں کی مدد کے کام جاری نہیں رکھ سکتے تھے لہٰذا اس قانون سے اُن کے کام کے اوقات کی بھی تحدید ہو گئی اور عملاً روزانہ دس گھنٹے کام کا تعین ہو گیا ؛ کوب ڈن اور برائٹ اور وہ لوگ بھی جو بعد "جماعت مانچسٹر" کہلائے اس قانون کے خلاف تھے لیکن "ٹامینیوں" نے اس کی تائید کی ؛

انقلابات کا سنہ

سنہ ۱۸۴۸ء مسلسل انقلابات کی وجہ سے جو براعظم یورپ میں ہوئے یادگار سال ہے۔ ان کا آغاز فروری میں فرانس سے

باب ہفتم

ہوا جہاں لوئی فلیپ معزول اور فرار ہو کر برطانیہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اس کا پورا تسلّط فرانس پر کبھی بھی نہ ہوا تھا اور اسی لیے انقلاب کے پہلے جھونکے سے تخت بادشاہی گر پڑا اور جمہوریت نے اس کی جگہ لی۔ پھر یہ تحریک جرمانیہ میں پھیلی۔ وہاں اس کی دو صورتیں ہوگئیں۔ ایک تو یہ کہ الگ الگ ریاستوں کے باشندوں نے دستوری حکومت کا مطالبہ کیا۔ اور دوسرے تمام جرمانیہ کو قومیت کی بنا پر متحد کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ ان میں سے پہلی تحریک کسی حد تک کامیاب ہوئی مگر دوسری کا وقت نہیں آیا تھا فریڈرک ولیم چہارم شاہ پروشیا کے سامنے تاج شہنشاہی پیش کیا گیا تو اس نے عذر کیا کہ ریاستیں متفق نہیں ہیں۔ آسٹریا میں قومی تحریک نے ایک اور پیرایہ اختیار کیا۔ یعنی کوسوت کی سرکردگی میں ہنگری والوں نے بغاوت کی۔ جان توڑ کر لڑے اور یورپ کی ہمدردی ان کے شامل حال رہی لیکن ۱۸۴۹ء میں روسی آکودے اور بغاوت کا قلع قمع کر دیا گیا۔ کوسوت وغیرہ ہنگری کے سرگروہ بھاگ کر ترکی پہنچے اور پھر انگلستان کے راستے امریکہ چلے گئے۔

اطالیہ میں ماتزینی (Mazzini) بہت دن سے جمہوریت کے قیام اور آسٹریا والوں کے اخراج کی تلقین کر رہا تھا۔ اب اس نے عوام میں بغاوت کرا دی اور سارڈینیا کا بادشاہ چارلس ایلبرٹ اہل آسٹریا کے خلاف لشکر لیکر لومبارڈی میں جا گھسا۔ مگر آخر میں دونوں کو شکست نصیب ہوئی۔ یعنی راڈزکی نے سارڈینیا والوں کی نووارا کے میدان میں سرکوبی کی ماتزینی نے چند روز کے لیے روما میں جمہوری حکومت قائم کر لی تھی۔ فرانس کی جمہوری فوج ہی نے اس کا قلع قمع اور دوبارہ پاپا کا اقتدار بحال کر دیا۔

اخبار "یونائٹیڈ آئرش مین"

انگلستان میں ان واقعات سے بہت کچھ ہمدردی پیدا ہوئی مگر وہاں خود پیچیدگیاں پیش آرہی تھیں۔ ایک طرف تو آئرستان میں بغاوت ہوئی اور دوسرے لندن میں "منشوریوں" نے مظاہرہ کیا۔ ۱۸۴۲ء میں اوکونیل کا اثر زایل ہوا، تو چند پرجوش نوجوان "تنسیخ اتحاد" کی تحریک کے سرگروہ ہوئے۔ ان میں جان مچل، ٹامس فرانسس میگر اور چارلس گیون ڈفی نیز ایک سن رسیدہ پارلیمنٹ کا مبعوث، اسمتھ او برائن سب سے بڑھ کر قابل ذکر ہیں۔

باب ہفتم

ان کے ہاتھ میں یہ تحریک صاف صاف آزادی آئرستان کی تحریک بن گئی یہ مچل اخبار "یونائیٹڈ آئرش مین" کا مدیر تھا اور اس اخبار کو اُس نے اوکونیل کے اخبار "نیشن" کی اعتدال پسندی دیکھکر جاری کیا تھا" اس کے ذریعے وہ علانیہ اپنے ہموطنوں کو بغاوت و سرکشی پر اُکسانے کی کوشش اور بہر ہفتے برطانی سپاہیوں پر حملہ کرنے کی بہترین صورتیں بیان کیا کرتا تھا۔ اس کا تدارک کرنے کی غرض سے حکومت نے ایک نیا قانون وضع کیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ فتنۂ بغاوت کے نام سے ایسی تقریر و تحریر بھی جس کا مدعا حکومت کے خلاف فساد بپا کرانا ہو، جرم قرار پائے۔ چنانچہ اسی قانون کی رو سے مچل کا جرم ثابت ہوا اور عبور دریائے شور کی سزا ملی اسے امید تھی کہ لوگ اسے چھڑانے کی سعی کریں گے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اور زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اوبرائن اور میگر ایک باغیانہ تحریک میں مبتلا ہو گئے۔ یہ دونوں پہلے گرفتار ہوئے لیکن رہا کر دیے گئے تھے اور اب بھی اپنی خوشی سے شریک ہونے کی بجائے بہت کچھ بلا ارادہ اس ہنگامے میں گھسیٹ آئے۔ یہ کوئی بہت سنگین فساد نہ تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ پولس نے بیلن گاری کے ایک بنگلے میں بھاگ کر پناہ لی تو بلوائیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ پھر اوبرائن اور میگر کے ساتھی منتشر ہو گئے تو ان دونوں کو چھپ چھپاتے گرفتار کر لیا گیا۔ عدالت سے موت کی سزا تجویز ہوئی مگر اسے عبور دریائے شور سے بدل دیا گیا۔ آخر میں اوبرائن کو آئرستان واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ میگر، تسمانیا سے فرار ہو کر ولایات متحدۂ امریکہ پہنچ گیا۔ بہرحال اس شورش سے نوجوان آئرستانیوں کی تحریک کا ناقابلِ عمل ہونا ظاہر ہو گیا اور کچھ عرصے کے لئے معلوم ہوتا تھا کہ بغاوت کا جوش آئرستان میں سرد ہو گیا۔

انگلستان میں "منشوریوں" کی تحریک اس سے بھی کم اہم ثابت ہوئی حکومت کو الٹ دینے میں پیرس والوں کی کامیابی سنکر ان لندن والوں کو بھی ہمت ہوئی اور انھوں نے ۱۰ اپریل ۱۸۴۸ء کے دن اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا تہیہ کیا۔ وہ اس بات کو بالکل بھولے ہوئے تھے کہ لوئی فلیپ کی حکومت کمزور تھی اور اس کے برخلاف حفظِ امن و قانون کی کوشش میں اہلِ ملک کی تعدادِ کثیر کی تائید

برطانی وزارت کے شاملِ حال تھی۔ بہر نوع منشوریوں نے زبردست جلسہ کرکے ایک
عظیم الشان محضر لیکر ویسٹ منسٹر تک جلوس لانے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ
ڈھائی لاکھ اشخاص شریک ہوں گے اور محضر پر ۵۰ لاکھ سے زیادہ دستخط ثبت
ہوں گے۔ اس جلسۂ عظیم کے دن کا متوسط طبقے والوں کو بہت خوف ہوا لیکن حکومت
پوری طرح تیار تھی۔ امیر کبیر ولنگٹن نے بہ حیثیت سپہ سالارِ افواج، ڈاک خانہ،
قلعۂ لندن سرکاری بینک اور دوسری بڑی عمارات پر فوجی پہرہ لگا دیا۔ پلوں کے
دونوں سروں پر سپاہی متعین کر دیے گئے جو منظرِ عام پر نہ تھے مگر حکم کے ساتھ
کام کرنے پر بالکل تیار تھے۔ ایک بڑی تعداد یعنی ایک لاکھ ستر ہزار خاص برقندازوں
سے اس موقع کے لئے عہد و پیمان لے لیا گیا تھا۔ یہ تیاریاں دیکھیں اور نیز یقین
ہوا کہ بیجا جوش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بلا وجہ اور بے حساب جانیں ضائع ہوں گی تو
فیرگس اوکونور نے منشوریوں کو مشورہ دیا کہ جلوس لیکر نہ جائیں۔ اوکونیل کے
مشورے کا جو نتیجہ ہوا تھا وہی اب ہوا کہ ساری تحریک ہی سرد ہوکر رہ گئی۔ جلسے
میں پچیس ہزار سے زیادہ آدمی شریک نہ تھے اور اس تعداد میں بھی تماشائی شامل
ہیں۔ کوئی جلوس بھی مرتب نہیں کیا گیا اور محضرِ عظیم جس وقت پیش ہوا تو اس کے
بانیوں کو الٹا موردِ لعن و تضحیک بننا پڑا۔ کیونکہ تحقیق سے پورے بیس لاکھ دستخط
بھی نہ نکلے اور معلوم ہوا کہ ورق کے ورق ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے دستخطوں سے
بھرے ہوئے ہیں اور ان میں ایسے صریح جعلی نام جیسے ملکہ، شہزادہ ایلبرٹ، ولنگٹن وغیرہ
درج کر دیے گئے ہیں۔ اور ایسے فرضی ناموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جیسے پنچ، ڈیوی
جونز وغیرہ؛ مگر اس تضحیک و رسوائی سے بھی منشوری تحریک کا خاتمہ نہ ہوتا اگر دوسرے
اسباب بھی کام نہ کر رہے ہوتے۔ اصل یہ ہے کہ جدید اصلاحات کے بعد جو قوانین
وضع ہوئے وہ اپنا اثر کئے بغیر نہ رہے تھے۔ نئے قانونِ مساکین کے خلاف ناراضی
پیدا ہوئی مگر وہ بھی دبتی جاتی تھی۔ اصلاح پارلیمنٹ کی تجویزیں خود ذمہ دار
اربابِ سیاست نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں اور قوانینِ غلہ کی منسوخی سے مزدور پیشہ
طبقوں کی آسودگی میں نمایاں اضافہ ہوگیا تھا۔

مستعمرات کی مقامی آزادی

۱۸۴۰ء میں کناڈا کو نظم و نسق کے اندرونی

باب ہفتم

اختیارات دیے گئے تھے۔ ۱۸۴۲ء میں ان کی توسیع آسٹریلیا کی نوآبادیوں تک کر دی گئی اس طریقے کا منشا یہ تھا کہ وطن اصلی اور نوآبادی میں سیاسی اختیارات باہم تقسیم کر لئے جائیں۔ مقامی معاملات جیسے کروڑگیری جمعیت ملکی اور مالگزاری کا انتظام نوآبادی کے حوالے کیا گیا لیکن معاملات خارجہ برطانیہ کے ہاتھ میں رہے اور اسی نے خالص اپنے خرچ سے پوری شہنشاہی کے لئے بیڑا اور بری فوج مہیا کی اور نوآبادیوں کو اس میں مالی حصہ لینے کا پابند نہیں کیا نوآبادیوں میں حکومت کا نظام وطن اصلی کی شکل قائم ہوا اور ہر نوآبادی کا والی جسے ملکہ مقرر کرتی تھی، وہاں عملاً وہی حیثیت رکھتا تھا جو آئینی حکمرانوں کی ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنے وزیروں کی رائے سے کام کرتا تھا اور یہ وزیر نوآبادی کی منتخبہ مجلس کے سامنے جواب وہ ہوتے تھے مجلس کے بھی دو شعبے رکھے گئے۔ والی کو بادشاہ کی طرح یہ اختیار تھا کہ مجلس وضع قوانین جو تجویز منظور کرے، اس کی منظوری نہ دے، غرض عملی اعتبار سے ہر نوآبادی اپنے گھر کا خود انتظام کرتی اور وطن اصلی کی طرف سے بہت کم کبھی کوئی دخل دیا جاتا تھا۔ مگر اس طریقے میں بے اصولی کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ کہ نوآبادیوں کا صلح و جنگ اور بیرونی معاملات میں کوئی حصہ نہ تھا حالانکہ ان کی برائی بھلائی بھی اسی طرح ان فیصلوں سے وابستہ تھی جس طرح برطانیہ کے باشندوں کی۔ دوسرے یہ کہ گو نوآبادیوں میں پوری شہنشاہی کی دولت اور آبادی روزافزوں تعداد میں کچھ کچھ کر چلی آتی تھی باایں ہمہ وہ اس کی جنگی اور بحری مدافعت میں کوئی حصہ نہ لیتے یا بہت ہی کم حصہ لیتے تھے۔

قوانین جہاز رانی کی تنسیخ

اسی سال پارلیمنٹ نے جہاز رانی کے قانون منسوخ کر دیے اور آیندہ سلطنت برطانیہ کے تجارت کرنے والے جہازوں یا جہاز رانوں کو کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

۱۸۵۱ء کی نمائش

آزاد تجارت کے حامی غلّے اور جہاز رانی کے قوانین کی تنسیخ کا اصلی مقصد یہ سمجھتے تھے کہ تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا جائے جس میں تامین و تقیید کی بجائے مختلف ممالک کا مال بے تکلف ایک دوسرے کے معاوضے میں لیا جا سکے

باب ہفتم

اور سیاسی رقابت و دشمنی کی بجائے مصنوعات اور دستکاریوں میں دوستانہ مسابقت جاری ہو۔ اس خیال کا ایک اور ظہور اس طرح ہوا کہ ۱۸۵۱ء میں ایک بین الاقوامی نمائش کی گئی جو آیندہ ایسی نمائشوں کے طویل سلسلے کی ابتدا تھی۔ شہزادۂ البرٹ اس کے صدر نشین تھے اور نمائش کے لئے ہائیڈ پارک میں شیشے اور لوہے کی عمارت جوزف پکسٹن نے تیار کرائی تھی جو اب سڈن ہم میں منتقل کر دی گئی ہے۔ اس میں دنیا کی تمام متمدن قوموں نے اپنی مختلف مصنوعات وغیرہ بھیجیں اور لاکھوں آدمیوں نے نمائش کی سیر کی۔ مگر امن و صلح کا نیا دور شروع ہونے کی بجائے، قریب قریب عین یہی زمانہ ہے جب کہ محاربات انقلاب فرانس کے بعد جو امن کا دور گزرا تھا، اس کا خاتمہ ہو گیا۔ عالمگیر فوائد کے اعتبار سے دیکھئے تو بے شبہ اس نمائش سے ترقی کی تحریک پیدا ہوئی اور پس ماندہ قوموں نے زیادہ ترقی یافتہ ہمسایوں کے طور طریق سے آگہی حاصل کی خصوصاً یورپ کے ملکوں کو برطانی کارخانہ داروں کے تجارتی اصول دکھائے۔ لیکن برطانی فوائد کا خیال کیا جائے تو ان بیرونی منڈیوں میں جہاں برطانی مال چھایا ہوا تھا، وہاں اس نمائش کی بدولت آیندہ انگریزوں کے رقیب و حریف پیدا ہو گئے۔ تاہم ۱۸۷۵ء تک برطانی مصنوعات کی فوقیت ایسی صریحی تھی کہ باہر والوں کے مقابلے کی چنداں پروا بھی نہ کی گئی۔ دوسرے بے قید تجارت کے حامیوں کا پختہ اعتقاد تو یہ تھا کہ چند ہی سال میں تمام متمدن دنیا اُن کے اصول پر عمل کرنے لگے گی۔ اگرچہ آگے چل کر یہ امید باطل ثابت ہوئی؛

۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۲ء کے درمیان تین ممتاز قومی اکابر بینٹنک، پیل اور ولنگٹن داغ مفارقت دے گئے۔ ان میں لارڈ جارج بین ٹنک ۱۸۴۸ء میں فوت ہوا۔ وہ دار العوام میں تامین طلب گروہ کا ایک کھرا سرگروہ تھا اگرچہ اس میں کوئی خاص لیاقت نہ تھی۔ چونکہ لارڈ اسٹینلی کئی سال پہلے سے دار الامرا میں چلا گیا تھا۔ اس لئے اب دار العوام کے مذکورۂ بالا گروہ کا مسلمہ رہنما ڈزرائیلی ہو گیا؛ دوسری قابل ذکر وفات امیر کبیر ولنگٹن کی تھی۔ گو اس میں سیاسی اہمیت نہ تھی

باب ہشتم

اور اسی لئے ستمبر ۱۸۵۲ء میں یہ واقعہ خاموشی سے گزر گیا۔ ولنگٹن کی سیاسی زندگی اتنی کامیاب نہ تھی جتنی کہ اس کی جنگی زندگی۔ بلکہ ملکی خدمات کے سلسلے میں وہ بہت نامقبول ہو گیا۔ البتہ یہ امر اُس کی سیاسی دوراندیشی پر دال ہے کہ اُس نے صاف صاف اندازہ کر لیا کہ سیاسی اقتدار کا مرکز منتقل دارالعوام میں ہٹ آیا ہے اور اسی لئے جب کبھی اس ایوان میں مُلک کے جذبات کی صاف صاف ترجمانی کر دی جائے اور دارالامرا کو اُس سے اختلاف ہو، تو ایسے موقع پر (ولنگٹن کے نزدیک) امرا کو واجب تھا کہ وہ دب جائیں؛

پیل

اسی زمانے میں سر رابرٹ پیل نے وفات پائی۔ (۱۸۵۰ء) اس کے مرنے سے برطانی سیاسیات میں ایک جگہ ایسی خالی ہوئی جو بعد میں معمور نہ ہو سکی۔ وہ ایک وقت سب سے ممتاز مرتبے کا اہل نظر آتا تھا۔ لارڈ جان رسل کی وزارت کچھ بہت ہر دلعزیز نہ ثابت ہوئی۔ اور تامین طلب گروہ کے لوگ بجائے خود اتنے طاقتور نہ تھے نہ انھیں اپنی حکمت عملی پر اتنا اعتماد تھا کہ ملک کی حمایت حاصل کر لیتے۔ بہ خلاف ان کے رابرٹ پیل کو ذاتی اوصاف اور تجربے کے علاوہ بڑی قوت یہ حاصل تھی کہ لائق اشخاص کی ایک جماعت اُس سے وابستہ ہو گئی تھی اور "پیلی گروہ" کہلاتی تھی۔ اس میں دارالعوام کے کل چالیس مبعوث اور یہ ممتاز افراد شامل تھے: لارڈ ابرڈین، سر جیمس گریہم سڈنی ہربرٹ۔ ایڈورڈ کارڈویل اور ولیم ایورٹ گلیڈاسٹون۔ یہ جماعت مل کر کام کرنے کی صورت میں جدھر جاتی معاملات کا رُخ بدل سکتی تھی۔ اور اس کے افراد کے خیالات بھی ہر مضمون پر لازماً توجہ سے سنے جاتے تھے۔ باریک بین مبصّروں کی رائے تھی کہ ایسی قوی جماعت کے ساتھ ایک نہ ایک سیاسی فرقے کو اتحاد کرنا ضروری ہوگا۔ مکالے نے جہاں آزاد خیالوں کے اصول میں خرابی کا رونا رویا ہے، وہاں صاف لکھ دیا کہ اب اقتدار و حکومت انھی تبریز "پیلیوں" کے قبضے میں منتقل ہو جائے گی۔ یہ صورت تھی جب کہ پیل ۶۲ سال کی عمر میں گھوڑے سے گر کر مر گیا (۲ ار جولائی ۱۸۵۰ء) لیکن اپنے سر گروہ سے محروم رہ جانے کے باوجود اُس کے متبعین آپس میں متحد رہے؛

باب ہفتم

رہے تھے۔ اس کی آزمائش کے لئے بے قید تجارت کے اصول کی حمایت میں چند قرار دادیں پیش کی گئیں اور ان میں سے ایک' جسے پامرسٹن نے مرتب کیا تھا' بالآخر ۵۳ کے مقابلے میں ۴۶۸ آرا سے منظور ہوئی۔ تب قدامت پسند اور آزاد خیال دونوں نے تسلیم کیا کہ پیل کا اصول عمل ہی قوم کا پسندیدہ اصول ہے اور اس وقت سے آج (یعنی تالیف کتاب کے وقت) تک تائینِ تجارت دونوں فرقوں کے نزدیک عملی سیاسیات سے خارج سمجھی جانے لگی[له]۔ آزادی تجارت کی حمایت میں جو قرارداد منظور ہوئی اس نے تائین کی طرف مراجعت کو ناممکن کر دیا تھا لہٰذا حکومت کو موازنہ بناتے وقت' اہل زراعت کے لئے کوئی فائدہ رساں کارروائی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی حالانکہ پچھلے چھ سال سے قدامت پسند فرقے کے مقرر اسی موضوع پر جادو بیانی دکھاتے رہے تھے۔ بایں ہمہ ڈزرائیلی نے بڑی چالاکی سے ایک ایسی صورت نکالی کہ بظاہر تو آزادی تجارت کے اصول سے تجاوز نہیں ہوا لیکن محاصل میں اس قسم کا ردّ و بدل کر دیا گیا کہ شہری نقصان میں اور مزارعین فائدے میں رہے۔ اس تجویز کو لوگوں نے سمجھتے ہی سخت مخالفت شروع کی اس کا سرگروہ گلیڈ اسٹون تھا اور ڈزرائیلی سے ایسی ذاتی پرخاش ہوگئی کہ ڈزرائیلی کے جیتے جی اس میں کمی نہ آئی۔ ڈزرائیلی اپنے مجوزہ موازنے کی حمایت میں خوب لڑا اور طعن و ملامت ہر قسم کے ہتیاروں سے کام لیتا رہا۔ اسی سلسلے میں اس نے ایک دفعہ کہا کہ مجھ پر ایک مخلوط گروہ نے حملہ کیا ہے اور انگلستان مخلوطیوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ بایں ہمہ پارلیمنٹ میں اسے ۲۸۶ کے مقابلے میں ۳۰۵ آرا سے شکست ہوئی اور اسی کے ساتھ ڈاربی مستعفی ہو گیا ؛

له۔ یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں طبع ہوئی' ۱۹۲۳ء کے انتخابات میں جب کنزرویٹو فریق کی جانب سے یہ مسئلہ قوم کے سامنے پیش کیا گیا تو تائینی اصول کے متبعین کو شکست فاش ہوئی اور انگلستان کی پہلی اشتراکی حکومت وجود میں آئی' لیکن ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک جو کنزرویٹو حکومت پھر برسر اقتدار رہی اس نے تائینی اصول پر ایک حد تک عمل کیا اور ۱۹۳۱ء کے بعد آج تک "قومی حکومت" کے تحت اس اصول پر کامل عمل ہو رہا ہے۔

باب ہفتم

ابرڈین کی وزارت

اب آزاد خیال اور پیلی فرقے کی ایک مخلوط وزارت قائم ہوئی۔ لارڈ ابرڈین جو پیلی جماعت کا فرد اور پیل کی وزارت میں وزیر خارجہ رہ چکا تھا، وزیر اعظم مقرر ہوا اور گلیڈ اسٹون کو وزیر مالیہ بنا کر اپنے ساتھ لایا۔ گلیڈ اسٹون کے پرانے مربی کا فرزند نیو کاسل وزیر مستعمرات سڈنی ہربرٹ وزیر جنگ اور سر جیمس گراہم صدر امیر بحریہ مقرر ہوا۔ آزاد خیالوں میں جان رسل وزیر خارجہ اور پامرسٹن وزیر داخلہ بنائے گئے۔ لارڈ گرین ویل اور امیر کبیر آرجائل کے لئے بھی جگہیں نکال لی گئیں۔ لارڈ پامرسٹن کے متعلق کچھ دقت پیش آئی تھی کیونکہ پیلی اور آزاد خیال کوئی بھی اس کی وزارت خارجہ کے کام سے خوش نہیں تھا لیکن اس دشواری کو اس نے اپنی خوش طبعی سے وزارت داخلہ مانگ کر خود دور کر دیا اور کہا کہ "آدمی کے لئے اپنے ہموطنوں سے باخبر ہونا بھی کچھ برا نہیں ہے"۔ ڈزرائیلی کے موازنے پر سب سے غضب ناک حملہ گلیڈ اسٹون کا ہوا تھا لہذا لوگ مشتاق تھے کہ خود وہ کیسا موازنہ بناتا ہے۔ اور جب موازنہ پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ بلا محصول درآمد میں اور ایک قدم آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ صابون کا محصول بالکل اڑا دیا اور ۱۳۳ دوسری اشیائے برآمد کی کروڑگیری میں تخفیف کر دی۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اس نے محصول آمدنی (انکم ٹیکس) کو ۷ پینی فی پاؤنڈ رہنے دیا مگر تجویز کی کہ نئے محاصل کی آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے گھٹایا جائے یہاں تک کہ ۱۸۶۰ء میں بالکل موقوف کر دیا جائے۔ ضمناً اس نے محصول آمدنی کا مصارف جنگ کے واسطے مفید ہونا بھی ثابت کیا۔ ان اصول میں کوئی بات نئی نہ تھی بلکہ یہ سب پٹ، ہسکس اور پیل کے اصول تھے مگر گلیڈ اسٹون نے مالی حسابات کے خشک مضمون کو فصاحت کے رنگ سے ایسا رنگا کہ لوگ اس کا موازنہ پڑھ کر دنگ رہ گئے اور آئندہ سے وہ مالیات کا قابل ترین ماہر مانا جانے لگا۔

مسئلۂ شرقیہ

گلیڈ اسٹون نے زمانۂ جنگ میں محصول آمدنی یا انکم ٹیکس کے فوائد ضمناً بیان تو کئے تھے مگر حقیقت میں اس کی ساری مالی تجاویز قیام امن پر مبنی تھیں اور اسی کی آئندہ امید پر یہ تجویزیں مرتب کی گئی تھیں لیکن کس قدر مضحکہ انگیز بات ہے کہ عین اسی زمانے میں

مجوزہ اور اس کے ساتھی وزرا روس کے خلاف بہ تدریج جنگ کے میدان کی طرف بھی بڑھ رہے تھے۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اس جنگ کے حالات پڑھتے وقت بھی ضروری ہے کہ جنگ کے بنیادی اسباب اور اُن خاص وجوہ میں فرق کیا جائے جن کے طفیل فی الواقع جنگ چھڑی۔ اب جنگ کا اصلی سبب تو یہ سمجھنا چاہئے کہ مغربی دول یہ فیصلہ کر چکی تھیں کہ روس کو استنبول میں اتنا اقتدار حاصل نہ کرنے دیں کہ بالآخر ترکی کی آزادی ہی حرفِ غلط ہو کے رہ جائے مگر لاطینی اور یونانی کلیسا کے قضیے اور معاہدۂ کشاک کنارجی کی بعض دفعات میں اختلاف رائے جنگ کی فوری وجوہ بن گئیں۔ کلیسائی جھگڑا یروشلم میں کنیسۂ روح القدس وغیرہ مقدس مقامات کے حقوق کی نسبت تھا اور گو پادریوں کی نزاع بجائے خود کچھ وقعت نہ رکھتی تھی مگر چونکہ لاطینی مذہب کے تحفظ و حمایت کا شہنشاہ فرانس کو اور یونانی کلیسا کی خاص محافظت کا زارِ روس کو دعویٰ تھا، لہذا یہ مذہبی اختلافات بہت اہم شئے بن گئے۔ البتہ معاہدۂ کشاک کنارجی کے متعلق جو نزاع ہوئی وہ زیادہ قابلِ لحاظ تھی۔ یہ معاہدہ بہت پہلے یا ۱۷۷۴ء میں ہوا تھا اور اس میں ترکون نے روسیوں سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ دینِ مسیحی اور اس کے معابد کی برابر حفاظت کی جاتی رہے گی۔ اسی شرط کی بنا پر زار دعویٰ کرتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی ساری مسیحی رعایا میرے ظلِ حمایت میں ہے اور سلطان کا اپنی مسیحی رعایا سے جو طرز عمل ہو میں اس کی نسبت باز پرس کر سکتا ہوں۔ گلیڈ اسٹون نے بھی پہلے اس رائے کو تسلیم کر لیا تھا مگر یورپ کی عام رائے زار کے اس دعوے کی سراسر مخالف تھی کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ سلطنت عثمانیہ کی ایک کرور چالیس لاکھ یونانی آبادی جو کلیسائے یونان کی پیرو تھی آیندہ سے زار کو اپنا ولی نعمت سمجھے اور سلطان کی اطاعت محض رسمی باقی رہ جائے۔ روسی دعویٰ اس لئے اور بھی پُر معنی ہو گیا تھا کہ زار نکولاس کے نزدیک سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ قریب آ لگا تھا اور وہ اس سلطنت کو ہمیشہ "مردِ بیمار" کے نام سے یاد کرتا تھا۔ پس اکثر اربابِ سیاست خیال کرتے تھے کہ روس کا مسیحیوں کو اپنی حمایت میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ جب ترکی سلطنت کے حصے بکھرے ہوں تو سب سے بڑا حصہ خود لینے کی ایک بنی بنائی دلیل اس کے ہاتھ آ جائے۔

باب ہفتم

روس سے مراسلت

۱۸۵۲ء میں معاملہ بہت نازک ہوگیا۔ اور دو سال تک یورپ کے سیاسی شاطر تحریری جنگ میں ایک دوسرے سے گتھے رہے۔ مختلف سلطنتوں کی اغراض بھی الگ تھیں۔ برطانیہ کا صریحی فائدہ اس میں تھا کہ ترکی کی صیانت قائم رہے۔ فرانسیسی بادشاہ کو اصل جھگڑے کی چنداں پروا نہ تھی مگر برطانیہ کے حلیف بنے رہنے کا بہت خیال تھا اور خود اپنی بادشاہی کو مضبوط کرنے کی غرض سے ایسی جنگ میں شریک ہونا عین مصلحت سمجھتا تھا جو ملک میں عام طور سے مقبول تھی۔ آسٹریا کی دوسری سلطنتوں سے کہیں زیادہ براہِ راست مصلحت یہ تھی کہ روسیوں کو ترکی علاقہ لینے سے باز رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ اس کام میں فرانس و برطانیہ کی شرکت اس کے عین مفید مطلب تھی۔ بہر حال معاملے کا سارا انحصار برطانی وزیروں کے فیصلے پر آٹھہرا تھا اور اگر انہیں خود اپنے ارادوں کی خبر ہوتی یا زار کو یقین دلا سکتے کہ وہ جو زبان سے کہتے ہیں حقیقت میں وہی ان کا دلی منشا بھی ہے تو غالباً جنگ کی نوبت نہ آتی۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ زار اپنا دعویٰ منوانے کے لئے جنگ کی جوکھوں میں پڑنے کا قصد نہیں رکھتا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ برطانی وزرا ہم آہنگی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔ ابرڈین کی دانست میں جنگ ناممکن تھی اور اس لئے وہ زار سے دوستانہ برتاؤ کئے جاتا تھا۔ گلیڈاسٹون معاہدے کی تعبیر میں روسیوں سے متفق تھا اور جنگ بھی کسی طرح پسند نہ تھی جس سے اس کے مالی موازنے کے مجوزہ انتظامات کا درہم برہم ہونا یقینی تھا۔ بخلاف اس کے پامرسٹن زوردار کارروائی کا حامی اور اپنے ساتھیوں کو جہاں تک ممکن ہو ذمہ داری لینے پر آمادہ کرنے کی فکر میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وزرا کی آرا میں سخت اختلاف و انتشار پیدا ہوگیا۔ کوئی یک رنگ روش نہ اختیار کی گئی نہ اس پر استقلال سے عمل ہوا اور قبل اس کے کہ اہلِ ملک حالات کی نازکی کا اندازہ کرنے پائیں جنگ ناگزیر ہوگئی۔ جولائی ۱۸۵۳ء میں روسیوں نے اپنی (مذہبی) سیادت منوانے کی مادی ضمانت میں ڈینیوب کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ اکتوبر میں ترکی نے اعلان جنگ کیا۔ نومبر میں روسیوں نے اسنوف پر ترکی بیڑا غرقاب کر کے بحر اسود پر اقتدار اور استنبول پر حملہ کرنے کی قوت حاصل کر لی۔ دسمبر میں فرانس و برطانیہ کے بیڑے

بحر اسود میں داخل ہوئے اور مارچ ۱۸۵۴ء میں آسٹریا کی شرکت کا انتظار کیے بغیر انھی دونوں نے روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

معرکہ آرائیاں

برطانی اور فرانسیسی فوجوں کے ڈینیوب پہنچنے سے قبل، ترکوں نے تن تنہا روسی پیش قدمی کو روک دیا تھا۔ پس رائے قرار پائی کہ ان کے بیڑوں کی مسلمہ فوقیت سے فائدہ اٹھایا جائے اور روس کے بحری ذخائر پر حملہ کیا جائے۔ اس غرض سے دو بحری مہمیں تیار کی گئیں۔ ایک تو امیر البحر سر چارلس نے پیر کی قیادت میں کرونسٹاٹ بھیجی گئی جو بحیرۂ بالٹک میں پورس منتھ کی طرح کا بحری مستقر تھا اور دوسری کریمیا کے شہر سباسٹوپل کے خلاف جسے بحر اسود میں یہی مرتبہ حاصل تھا۔ اس دوسری مہم کا سردار لارڈ ریگ لن تھا اس کا پہلا خطاب لارڈ فٹنرروے سمرسٹ تھا اور اسی نام سے وہ ولنگٹن کا فوجی معتمد رہا اور واٹرلو میں اس کا ایک ہاتھ بھی ضائع ہوا۔ وہ نہایت موقع شناس اور غیر ملک کے حلیفوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے نہایت موزوں آدمی تھا مگر اتنی بڑی خدمت کو خاطر خواہ انجام دینے کی اس میں اہلیت یا قوت نہ تھی؛ بہر حال انگریزوں کی پہلی مہم تو کچھ نہ بنا سکی کیونکہ کرونسٹاٹ کے جنگی مورچے جنگی جہازوں کے قابو میں نہ آئے۔ لیکن کریمیا کی مہم بہت اہم ثابت ہوئی۔ برطانی حکومت کو شروع میں اس کی مشکلات کا اندازہ نہ تھا وہ سمجھتی تھی کہ چونکہ اتحادی بیڑا بحر اسود پر چھایا ہوا ہے اس لیے بڑی فوج کو کریمیا میں اتارنا اور سباسٹوپل کو برباد کر کے جنوبی روس کے تکلیف دہ جاڑوں سے پہلے واپس آ جانا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ اور حقیقت میں یہ صورت ممکن بھی تھی بشرطیکہ پامرسٹن نے جس وقت اس کی تجویز کی اسی وقت یعنی جون میں اس پر عمل ہوتا جب کہ سباسٹوپل میں جنگی مورچے تقریباً بالکل نہ تھے اور ساری کریمیا میں چالیس ہزار سے زیادہ سپاہی نہ تھے لیکن ستمبر میں صورتِ حالات بالکل دوسری ہو گئی ڈینیوب سے جو روسی سپاہ (ترکوں کے مقابل سے) پسپا ہوئی، اسی سے زار کریمیا کو سپاہیوں سے معمور کر سکتا تھا۔ بایں ہمہ ترکی کی فرانسیسی اور برطانی فوج کے سپہ سالاروں (ریگ لن اور سینٹ آرنو) کو احکام پہنچ گئے کہ جہاز سے کریمیا روانہ ہو جائیں؛ چنانچہ ۲۵ ہزار برطانی اور

باب ہشتم

۳۵ ہزار فرانسیسی سپاہی کریمیا میں بہ مقام یوپاتوریا اتارے گئے۔ یہ جگہ رودِ آلما سے چند میل اوپر سباستوپل سے کوئی بیس میل دور واقع تھی۔ اسی ندی کے عقب میں

معرکۂ آلما

پہاڑیوں کے سلسلے پر ۴۵ ہزار روسیوں کے مورچے اتنے مضبوط موجود تھے کہ انھیں عملاً ناقابلِ تسخیر سمجھنا چاہیئے۔ ۲۰ ستمبر کے دن اتحادیوں نے ان پر حملہ کیا۔ میمنے پر فرانسیسی اور میسرے پر انگریز تھے۔ لڑائی میں دونوں طرف سے کچھ بہت ہنرمندی ظاہر نہیں ہوئی۔ فوجی نقل و حرکت یا ترتیب میں کسی فن وانی سے کام نہیں لیا گیا البتہ اتحادی سردار اور سپاہی شکاری کتوں کی طرح سیدھے لپکے چلے گئے اور سخت نقصان اٹھا کر پہاڑیوں کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد اگر وہ دشمن کے تعاقب میں بڑھ جاتے تو گمان غالب یہ ہے کہ اسی جھپٹے میں سباستوپل تسخیر ہوجاتا جہاں ان کا اچانک حملہ



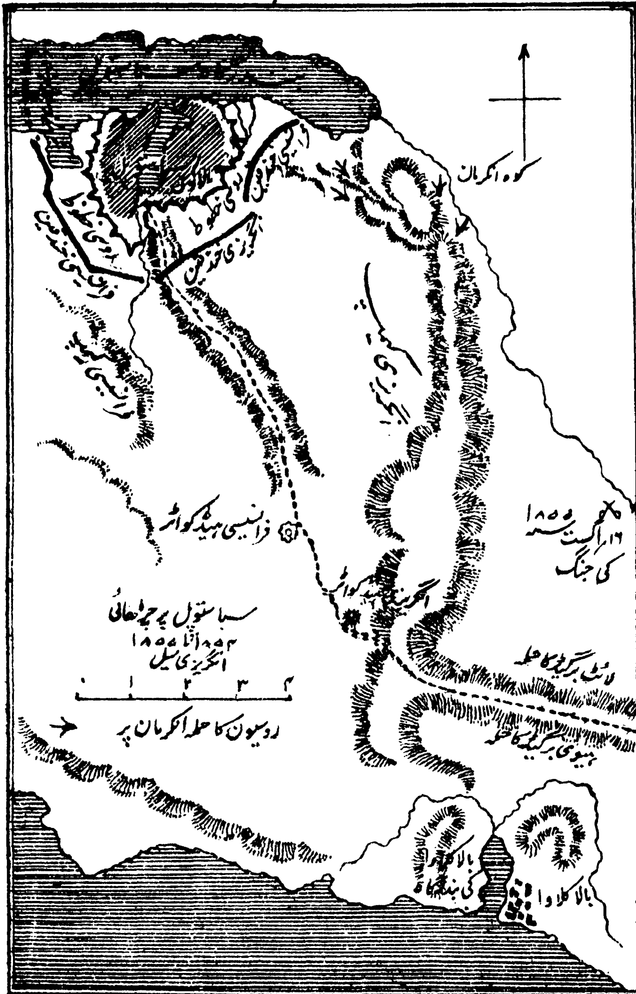
نقشہ معرکہ آلما مشرق میں معرکہ آرائیاں ۱۸۵۴ء تا ۱۸۵۶ء

روکنے کی کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی۔ مگر اتحادیوں کی رسدرسانی اور نقل و حرکت کا انتظام اتنا ناقص تھا کہ روسی صاف بچ کر بھی نکل گئے اور مدافعت کی تیاریاں کرنے کے لئے چند روز کی مہلت بھی انھیں مل گئی۔ چنانچہ جب تک اتحادی پھیر حرکت کریں روسی فوجیں ایسے موقعوں پر آچکی تھیں کہ خود نقصان اٹھائے بغیر محاصرین کو پریشان کرتی رہیں اور نیز سباستوپل کو ایسا درست کرلیا تھا کہ خوب جم کر مدافعت ہوسکے؛

سباستوپل کا محاصرہ

شہر سباستوپل سمندر کی کوئی چار میل لمبی کھاڑی پر

محاصرۂ سباستوپل



حملے سے اختتام کا نقشہ

باب نہم

جانب جنوب واقع ہے اور اُن دنوں اس میں زیادہ تر جہازوں کی گودیاں، حربی مخزن اور فوجی بارکیں بنی ہوئی تھیں اور سرکاری ملازمین یا ان کے متعلقین کے علاوہ دوسری آبادی بہت کم تھی۔ عمارات سنگ بستہ تھیں۔ سمندر کے رُخ مضبوط دمدمے بنے ہوئے تھے۔ روسی بیڑا اتحادیوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا لہٰذا اسے بندرگاہ کے اندر ہٹالائے تھے اور کھاڑی کے دہانے پر پُرانے جہاز ڈبو کر راستہ روک دیا تھا۔ خشکی کی طرف ایک مہندس جنرل ٹوڈل بین نامی نے دمدموں کا نقشہ تیار کیا اور جہازی توپوں سے مورچے بنائے۔ مدافعت کی خوبی کا سہرا بہت کچھ اسی شخص کے سر ہے۔ ان مورچوں میں ریڈان (خورد و کلاں) اور مالاکوف قابل ذکر ہیں۔ بہر حال، ایسے مقام کا محاصرہ کرنا سہل بات نہ تھی۔ برطانی وزرا اس حملے کو محض ایک گرمائی مہم کا کام جانتے تھے حالانکہ وہ ایسی مہم کے بس کی چیز نہ تھا۔ بہر حال، اب سوائے محاصرہ کرنے کے چارہ کار نہ تھا۔ اتحادی فوج آلما سے روانہ ہوئی اور سباستوپل کی بندرگاہ کے سرے کی بلندیوں پر جہاں سے شہر سامنے نظر آتا تھا، پڑاؤ ڈالا۔ سمندر کی طرف سے جہازوں نے سنگین دمدموں پر گولاباری کی تیاری کی۔ واضح رہے کہ پورے شہر کو اتحادی آخر تک نہ گھیر سکے بلکہ بندرگاہ کا شمالی پہلو برابر روسیوں کے ہاتھ میں رہا۔ دوسرے محاصرین کو صرف محاصرہ کرنا نہ تھا بلکہ شہزادہ منشی کوف کی بیرونی سپاہ کا مقابلہ بھی درپیش تھا لہٰذا اس کو دو خطوں پہ آراستہ کیا گیا کہ اندرونی خط کی فوج محاصرے میں مصروف ہوا ور بیرونی قطار کا رُخ باہر کی طرف رہے۔ یہ بیرونی خط زیادہ دور میں پھیلا ہوا تھا۔ بایں ہمہ اگر اتحادی (۲۶ ستمبر کو) شہر کے سامنے پہنچتے ہی یورش کرتے تو قریب بہ یقینی ہے کہ شہر فتح ہو جاتا۔ لیکن سپہ سالاروں نے فیصلہ کیا کہ قلعہ شکن توپوں کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے۔ ان کے پہنچنے اور ٹھیک قائم کرنے میں تین ہفتے لگے اور اس مدت میں روسیوں نے اپنے استحکامات کو اور بھی مضبوط کر لیا۔ بارے ۱۶ اکتوبر کو آتش باری شروع ہوئی۔ پوری مستعدی سے کام لیا گیا لیکن یہ گولا باری کچھ بہت کارگر نہ ہوئی۔ معمولی محاصروں میں گولا باری اکثر غیر مصافی آبادی کو دہشت زدہ بنا کر اپنا کام کر جاتی ہے سباستوپل میں یہ صورت بھی نہ ہو سکتی تھی کیونکہ وہاں سوائے

باب ہفتم

سپاہیوں اور جہازیوں کے دوسری آبادی کا تقریباً وجود نہ تھا اور یہ دیکھکر کہ دشمن کی توپیں کچھ زیادہ نہ بگاڑ سکیں، خوفزدہ ہونے کی بجائے سپاہیوں کے حوصلے اور بڑھ گئے غرض ایک ہفتے تک آگ برسانے کے بعد اتحادیوں کو فیصلہ کرنا پڑا کہ یورشش کرنا فضول ہوگا، باقاعدہ محاصرہ ہی کیا جائے۔

معرکۂ بالاکلاوا

یہ بات سمجھ میں آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ محاصرین کو منشی کوف کے پے در پے حملوں سے سابقہ پڑا۔ ان میں پہلا حملہ معرکۂ بالاکلاوا پر منتج ہوا جو اتحادی سپاہ کے سرے پر واقع تھا۔ اس پر روسی رسالے کچھ غیر مسلسل سے حملے کر رہے تھے اور برطانی، فرانسیسی، اور ترک فوجیں مدافعت پر مامور تھیں۔ روسی حملے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا مگر لڑائی کے تین واقعے انگریزی سپاہ کو ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہیں گے۔ ایک تو یہ کہ خاص بالاکلاوا کے قریب سر کولن کیمبل کے دستے پر روسی رسالے نے حملہ کیا (یہ دستہ اس وقت "۹۳ ہائی لینڈرز" کہلاتا تھا اور اب "آرجائل و سدرلینڈ کی دوسری بلٹن" موسوم ہے) اور برطانی سپاہیوں نے مربع بنانے کی بھی تکلیف نہ اٹھائی بلکہ اسی طرح سیدھی صف نے ایک باڑ چلا کر دشمن کو پسپا کر دیا؛ دوسرا کارنامہ وہ یورش تھی جو جنرل اسکارلیٹ کی سرداری میں زرہ پوش رسالے (بریگیڈ) نے کی جس میں کل تین سو سوار تھے اور حملہ روسیوں کے ٹھیرے ہوئے سواروں پر ہوا جن کی تعداد دو اور تین ہزار کے درمیان تھی۔ انگریز سوار دشمن کی صفوں کو کاٹتے ہوئے قریب قریب دوسری طرف نکل گئے۔ حسن اتفاق سے دوسرے دستے بھی کمک پر پہنچ گئے اور روسیوں کی ساری سوار فوج بے ترتیب ہو کر میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی؛ مگر یہ شاندار جنگی کارنامہ بھی نیم مسلح رسالے (لائٹ کیولری) کے افسانہ نما حملے کے آگے ماند ہوگیا۔ یہ حملہ غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا۔ لارڈ ریگ لن میدان سے الگ بلندیوں پر کھڑا دیکھ رہا تھا کہ روسی سات انگریزی توپیں چھین کر لئے جاتے ہیں۔ یہ توپیں ترکوں کو مستعار دی گئی تھیں اور وہ کھو بیٹھے تھے۔ تب اس نے سوار فوج کے سالار لارڈ لوکن کو حکم دیا کہ ان توپوں کو واپس لینے کی کوشش کرے۔ لوکن نیچے میدان میں تھا اور ریگ لن کی طرح

باب ہفتم

سارے میدان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے گویا طبعاً دریافت کیا کہ "کونسی توپیں؟"
پیام کے ساتھ سردارِ رکاب نولن آیا تھا۔ اُس نے فقط اتنا کہا اور غالباً زور
دے کر کہا کہ "دشمن سامنے ہے اور وہیں تمھاری توپیں ہیں" لوکن سمجھا کہ اس سے
انگریزی توپیں نہیں بلکہ روسی توپ خانہ مُراد ہے اور اس نے نیم مسلح رسالے کے سردار
لارڈ کارڈی گن کو اسی توپ خانے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ رسالے میں کل ۶۷۳ سوار
تھے اور گو اس حکم کو ماننا صریحاً موت کے مُنہ میں جانا تھا" تاہم اس کی بے چون وچرا
تعمیل ہوئی۔ روسی توپیں ایک دو میل لمبی وادی کے دوسرے سرے پر تھیں بایں ہمہ
لارڈ کارڈی گن اور اس کے بہادر سوار اسی اطمینان کے ساتھ جیسے مشقی قواعد میں
بڑھتے ہیں، وادی میں گھوڑا بڑھائے ہوئے چلے۔ تھوڑی دیر تو روسی ان کی جرأت
دیکھکر سکتے میں رہ گئے، لیکن پھر کوئی ایک سو توپوں سے ان جانبازوں پر آتش باری
ہونے لگی۔ بایں ہمہ یہ رسالہ روسی توپ خانے تک پہنچا بلکہ آگے تک نکل گیا اگرچہ
ان کی یہ سعی محض لاحاصل تھی اور شدید نقصان اٹھانے کے بعد جو زندہ رہے تھے وہ
جس طرح بن پڑا واپس روانہ ہوئے۔ اس اقدام اور پسپائی میں ۲۴۷ آدمی مارے
گئے یا مجروح ہوئے اور گھوڑوں کی تعداد جو ہلاک یا زخمی ہوئے اور بھی زیادہ
تھی۔ اور اگر فرانسیسی توپ خانہ نہایت قادر اندازی سے روسیوں کی ایک پہلو
کی توپوں کو خاموش نہ کر دیتا تو انگریزوں کا نقصان اور بھی زیادہ ہوتا۔ ایک
فرانسیسی نے جو بلندیوں سے کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا، کہا "یہ کارنامہ شاندار ہے
مگر اسے جنگ نہیں کہتے" اور جنگی اعتبار سے فی الواقع یہ اوّل درجے کی حماقت کی
بات تھی۔ البتہ بے چون وچرا فرض ادا کرنے کی ایسی مثال تھی جو ہمیشہ یادرہے گی
اور اس لحاظ سے اسے محض قابلِ تاسف نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ واقعہ برطانی فوج
کی ایسی لائقِ ناز میراث ہے کہ اس کی مباہات میں کبھی کمی نہیں آئے گی ؛
چند ہی روز گزرے تھے کہ پیادوں کو بھی ناموری میں حصہ لینے کا موقع ملا۔
۵ نومبر کے دن روسیوں نے اتحادی سپاہ کے ایک سرے پر یورش کرنی چاہی۔

معرکۂ انکرمان	یہ انکرمان کی بلندیاں تھیں جہاں تمام تر برطانی فوج مقیم تھی۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ سباسٹوپل کی فوج بھی قلعوں سے

نکل کر اتحادیوں کے دوسرے سرے پر حملہ کرے اور باہر سے منشی کوف کا لشکر ایک بازو سے جا گرے۔ یہ حملہ بہت سویرے ہوا جب کہ ڈھلانوں پر کہر چھائی ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق طلائے والوں کو ہٹ کر کسی مورچے پر جمع ہو جانا چاہیے تھا جہاں سے حملہ روکنا آسان ہوتا۔ مگر کچھ تو کہر کی تاریکی کے باعث اور کچھ برطانی فوج کے ہٹنے میں پس و پیش کی وجہ سے لڑائی انھی بیرونی چوکیوں کی مدافعت میں ہونے لگی اور خود لشکر سے طلائے والوں کو کمک بھیجی جانے لگی۔ یہ طریقہ جنگ کے تمام اصول کے خلاف اور نہایت مخدوش تھا۔ کیونکہ کسی مقام سے بھی روسی اندر داخل ہو جاتے تو ساری مدافعت برباد ہو جاتی۔ مگر انگریزوں کی خوش قسمتی تھی کہ کہر ان کے کام آئی اور روسیوں کو اصل حالت کا ٹھیک پتا نہ چل سکا۔ ادھر وہ ایسی مستعدی اور جانبازی سے لڑے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی شدید نقصان اٹھانا پڑا اور اگر فرانسیسی سپاہ کافی تعداد میں ان منتشر انگریزی دستوں کی مدد کے لئے نہ آ جاتی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طریقِ جنگ سے روسی دل بادل کو شکست دینا کیونکر ممکن تھا۔ بہر حال فتح نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ فرانسیسی زور شور سے تعاقب کرنے پر آمادہ نہ ہوئے ورنہ روسی شکست کامل ہزیمت بن جاتی۔

انکرمان کی لڑائی کے بعد روسیوں نے کچھ مدت تک کھلے میدان میں کوئی معرکہ آرائی نہ کی لیکن ان کے سکوت سے اتحادیوں کو کچھ آرام نہ ملا۔ طویل محاصرے کی ضرورت پیش آئی تو اتحادیوں کو کریمیا میں سرمائی قیام کا انتظام کرنا پڑا اور جنگ کی پوری نوعیت ہی بدل گئی۔ وہ قیام کے واسطے بالکل تیار ہو کر نہ آئے تھے۔

محاصرین کی تکالیف

لڑائی اور علالت کے نقصانات سے انگریزی سپاہ کی تعداد سولہ ہزار رہ گئی اور اس کمی کی وجہ سے منفرد اً ہر سپاہی پر کام کا بار اس کی قوت سے زیادہ بڑھ گیا۔ کمکی افواج کے پہنچنے میں دیر لگی۔ بالاکلاوا سے برطانی خیمہ گاہ دس میل اور راستہ بہت خراب تھا اس سے رسد پہنچنے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ ۱۴ نومبر کے خوفناک طوفان میں دو جہاز بالاکلاوا کی گودی میں غرقاب ہو گئے۔ ایک میں گرم کپڑے اور دوسرے میں گولا بارود کا ذخیرہ تھا۔ سردی بھی غیر معمولی پڑی

اور سپاہیوں کو اپنے تئیں گرم رکھنا مشکل ہو گیا کہ پڑاؤ تو بلندی پر تیز ہوا کی آماجگاہ تھا اور خندقوں میں سیل کے باعث دانت سے دانت بجتے تھے۔ ان مشکلات سے کسی حکومت کا بھی عہدہ برآ ہونا دشوار تھا۔ ابرڈین کی وزارت بھی اسے نہ سنبھال سکی۔ چالیس برس تک برابر امن رہنے سے بظاہر برطانیہ کے محکمۂ وزارت کی کارکردگی میں فرق آ گیا تھا۔ جنگ کا انتظام کرنے میں ایسی ایسی حماقتیں سرزد ہوئیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک پورا چالان بائیں پیر کے جوتوں کا بھیج دیا گیا کیونکہ ذخیروں کی طرف سے ذخائر کی دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہ ہوا تھا۔ ہسپتالوں کے نگران تو مقرر ہوئے مگر کسی نے یہ نہ دیکھا کہ وہ اس کام کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ ادویہ کثرت سے بھیجی گئی تھیں مگر سرکاری طور پر ان سے کام لینے کے احکام نہیں دیے گئے جس سے بہت لوگ دوا نہ ملنے کے باعث فوت ہو گئے۔ سپاہیوں کو کھانا پکانے کا ضروری سامان نہیں دیا گیا اور آخری بات یہ کہ باربرداری کے لئے گھوڑے اور خچر تو روانہ کئے گئے لیکن برطانی خزانے سے گھاس کا انتظام کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ ان سب کوتاہیوں پر طرہ یہ ہوا کہ خود فوج کے سپاہی یا سرداروں نے مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کا کوئی سلیقہ نہ دکھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ سپاہ کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ فرانسیسیوں کا حال بھی انگریزوں سے کچھ بہتر نہ تھا مگر چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لئے وہاں ایک ایک سپاہی پر کام کا اتنا بار نہ پڑتا تھا۔ دوسرے یہ بھی یقینی ہے کہ فرانس کے سپاہیوں نے مشکلات کے باوجود آرام سے رہنے کی صورت نکال لینے میں برطانیوں سے بڑھکر سلیقہ دکھایا۔

"ٹائمز" کے خطوط اور تبدیلی وزارت

دوسرے معرکوں میں بھی بے شبہ انگریزی لشکر کو اسی قسم کی مصیبتیں پیش آئی ہوں گی۔ لیکن پہلے زمانے میں فوج کی اصلی حالت کا وطن میں حکام کے سوا دوسرے اشخاص کو بہت کم علم ہوتا تھا۔ بہ خلاف اس کے کریمیا کی جنگ میں اخباروں کے خصوصی نامہ نگار خصوصاً اخبار ٹائمز کا ڈاکٹر رسل، اہلِ انگلستان کو تمام واقعات کی خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ مذکورۂ بالا خرابیوں کی اطلاع سنکر حکومت کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان برپا ہو گیا۔

پارلیمنٹ میں اس کی ترجمانی روبک نے اپنے ذمے لی اور دارالعوام میں یہ قرارداد منظور کرائی کہ جنگ کے انتظامات کی تحقیق کی غرض سے ایک جماعت ماہرین مقرر کی جائے۔ یہ گویا حکومت سے عدم اعتماد کا اظہار تھا۔ ابرڈین فوراً مستعفی ہوگیا اور پامرسٹن نے اس کی جگہ لی۔

حقیقت میں ملک کو ایک مضبوط کارفرما کی ضرورت تھی ابرڈین پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اور پامرسٹن سے وہ حسن اعتقاد رکھتا تھا چنانچہ اس کے صدرِ حکومت مقرر ہوتے ہی لوگ مطمئن ہوگئے۔ تاہم دارالعوام کو تحقیقاتی مجلس مقرر کرنے پر اصرار تھا اور گلیڈاسٹون وغیرہ پیلی گروہ کے افراد جو شروع میں پامرسٹن کے ساتھ رہے تھے، انھوں نے دستکش ہوجانے کا فیصلہ کیا۔ مجلس تحقیقات سے بہت فائدہ ہوا اور اس کی کیفیت (رپورٹ) ہر زمانے کی برطانی حکومتوں کے لئے ایک سبق ہونی چاہیئے۔ اس کے نتائج تحقیقات سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ جن بدنظمیوں کی شکایت تھی ان کے ذمہ دار اس قدر افراد نہ تھے جس قدر کہ وہ طریقۂ عمل جس کی وجہ سے زمانۂ امن میں جنگ کرنے کی کل کو فرسودہ و بوسیدہ ہوجانے دیا گیا اور نیز یہ احمقانہ طریقہ کہ ہر بات کی ذمہ داری کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اتنے اشخاص پر تقسیم کردیا گیا کہ کسی غفلت یا خطا کا شخص واحد کو قصوروار قرار دینا ہی محال ہوگیا تھا۔

مگر مجلس تحقیقات کی کیفیت پیش ہونے کا انتظار کئے بغیر نئی وزارت نے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے کی سعی کی۔ ابرڈین کی علحدگی سے بھی پہلے سڈنی ہربرٹ نے فلورنس نائٹ انگیل کو استنبول جانے پر آمادہ کیا کہ جنگی ہسپتالوں میں تیمارداری کے متعلق اصلاح کی صورت بنائے۔ امیر کبیر نیوکاسل نے مجلس وزارت میں تجویز پیش کی کہ بالاکلاوا سے لشکرگاہ تک رسد لانے کے لئے ریل کی پٹری بچھادی جائے۔ نائٹ انگیل کے مراسلات سے پامرسٹن کو معلوم ہوا کہ کیا کیا تدبیریں اختیار کرنی مناسب ہوں گی۔ اور ان پر عمل کرنے میں اس قدر مستعدی سے کام لیا گیا کہ زخمیوں کی اموات کی تعداد جو ابرڈین کے زمانے میں بچاس فیصدی تھی بہت کچھ گھاٹ گئی۔ بالاکلاوا سے لشکرگاہ تک ریل بھی جس کی

صرف جس ضرورت کا وزرا کو پہلے ہی احساس ہونا چاہئے تھا، نئی وزارت نے بلا تاخیر بنوا دی۔ اب ہر طرف عمدہ انتظام او ر مستعدی نظر آتی تھی اور گرمیاں آنے سے پہلے کریمیا کی انگریزی سپاہ پھر ویسی ہی کارگزار ہو گئی جیسی شروع میں تھی اگرچہ اس کی تعداد اتنی کم تھی کہ آیندہ تمام جنگی کارروائیوں میں فرانسیسیوں کا حصّہ خواہی نخواہی زیادہ رہا اور انھوں نے برطانی سپاہ سے خندقوں کا شمالی مشرقی سرا، نیز مالاکوف اور ریڈان (خمد) پر حملہ کرنے کا کام بھی اپنے ذمّے لے لیا؛

اُدھر، موسم کی شدت سے روسیوں کا حال اتحادیوں سے بھی بدتر تھا۔ کریمیا روس کے دارالحکومت سے بعید فاصلے پر، اور ریلوں کا مطلق انتظام نہ ہونے سے سارا جنگی سامان اور کمک صدہا میل کی سڑکیں طے کر کے پہنچتی تھی۔ اس میں بہت کچھ نقصان اٹھانا پڑتا اور خود کریمیا میں اتنے نقصانات نہ ہوئے تھے جتنے اس کوشش میں روسیوں کو اٹھانے پڑے اور ان کی قوت کمزور ہوئی۔ ان حالات میں صلح کی امیدیں پیدا ہوئیں اور مارچ ۱۸۵۵ء میں زار نکولاس کے مرنے اور آسٹریا کے بیچ میں پڑنے سے ان امیدوں کو تقویت پہنچی۔ لیکن شرائط صلح طے نہ ہو سکیں اور سردیاں ختم ہوتے ہی پھر جنگ چھڑ گئی۔ اسی موسم بہار میں سارڈینیا والے بھی اتحادیوں کے شریک ہو گئے اور جنرل مارمورا کے ماتحت ایک فوج روانہ کی۔ ان کے آنے اور نیز فرانس کی کثیر التعداد اور برطانیہ کی تھوڑی سی کمک پہنچنے سے اتحادی بیرونی حملے سے نسبتہً محفوظ ہو گئے اور انھوں نے پوری قوت سے محاصرے کے مورچے بڑھانے شروع کئے۔ پھر بھی جون سے پہلے کوئی باقاعدہ یورش نہ ہو سکی اور ہوئی تو اس میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ٹوڈل بین کی مستعدی سے روسی مورچے اتنے مضبوط کر لئے گئے تھے کہ ایک چوکی فتح ہوئی تو اس کے عقب میں ظاہر ہوا کہ تازہ استحکامات کا مزید سلسلہ موجود ہے؛ چنانچہ ۱۸ ویں جون کے اقدام میں اتحادی بالکل پسپا کر دیے گئے۔ چند روز بعد لارڈ ریگ لین کا انتقال ہو گیا اور برطانی سپاہ کی قیادت جنرل سمپ سن کے حصّے میں آئی؛

اب دوسری طرف سے راستے تیار کئے گئے کہ اتنے میں روس کی بیرونی سپاہ نے حملہ کیا۔ اس حملے کا بار تمام تر فرانس و سارڈینیا والوں پر پڑا اور انھی نے اس

باب ہفتم

سقوط سباسٹوپل

معرکے میں جسے تھرنایا سے منسوب کرتے ہیں۔ روسیوں کو شکست دی۔ یہ روس کی امدادی سپاہ کی آخری کوشش تھی۔ ۸ ستمبر کے دن فرانسیسیوں نے سپہ سالار میک موہن کے ماتحت مالاکوف و ریڈان (خرد) کو یورش کر کے چھین لیا۔ اور اگرچہ ریڈان (کلاں) کو شدید نقصان اٹھانے کے بعد انگریز فتح کر کے پھر وہاں نہ تھم سکے تاہم اسی رات روسیوں نے اسے خود خالی کر دیا۔ ان مورچوں کا ہاتھ سے نکلنا تھا کہ دوسرے مورچوں پر بھی دشمن کا قائم رہنا غیر ممکن ہو گیا۔ چنانچہ اسی رات ہر کارآمد شے کو برباد کرنے کے بعد سباسٹوپل کے بہادر مدافعین بندرگاہ کے دوسری طرف چلے گئے اور فاتحین کے لئے سیاہ دیواروں کے سوا اور کوئی مالِ غنیمت نہ چھوڑا۔

صلح

سباسٹوپل کی تسخیر سے میدان کی لڑائیاں ختم ہو گئیں اتحادیوں کی دسترس میں اور کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ روسیوں پر وہاں حملہ کر سکتے۔ لہذا جنگ کا باقی زمانہ صرف معمولی بحری تاختوں میں گزرا جنھیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ البتہ ایک قابلِ ذکر واقعہ قارص کی فتح ہے جسے ارمینیا میں روسیوں نے چھین لیا۔ اس موقع پر جو سخت مدافعت ہوئی اس کا سہرا ابھی جنرل ولیمس، ڈاکٹر سینڈوِد اور کرنل لیک نامی تین انگریزوں ہی کے سر ہے جن کے ساتھ ہونے سے قلعے کی ترکی فوج کا دل بڑھا اور اس نے کمال شجاعت سے مقابلہ کیا۔[1]

غرض اب سب فریق صلح کے خواہش مند تھے اور پیرس میں ایک موتمر منعقد ہوئی جس میں طے پایا کہ (۱) بحر اسود غیر مصالحی سمندر شمار ہو گا اور سوائے نگہبانی کے چند چھوٹے جہازوں کے اس میں بڑے جنگی جہاز بالکل نہ رکھے جائیں گے۔

[1] فاضل مولف نے ترکوں کی بہادری کا سہرا بھی اپنے ہموطنوں کے سر باندھا ہے۔ لیکن ترک سپاہیوں کی ضرب المثل شجاعت کے متعلق اس قسم کا نظریہ غالباً انگلستان کے سوا اور کہیں باور نہ کیا جائیگا۔ مترجم۔

باب ہفتم

(۲) روس سباستوپل میں دوبارہ جنگی مورچے نہ بنائے گا۔ (۳) ڈینیوب کی اندرونی طور پر آزاد ریاستوں پر ترکی کی سیادت قائم رہے گی (۴) ڈینیوب کی جہازرانی آزاد ہوگی۔ اور (۵) ترک اس سلطانی فرمان پر جس نے انھی دنوں مسیحی رعایا کو خاص خاص حقوق عنایت کئے تھے، عمل کریں گے۔ یہ شرطیں صرف معمولی طور پر قابلِ اطمینان تھیں، مگر بظاہر ان سے بہتر شرطیں میسر نہ آسکتی تھیں، بجز اس کے کہ برطانیہ اور ترک اپنے آپ جنگ جاری رکھنے پر تیار ہوتے۔ روس کی نظر میں صلحنامۂ پیرس کی سب سے دشکن شرط بحراسود کا غیر مصافی بنایا جانا تھی اور ۱۸۷۰ء میں جب فرانس جرمانیہ سے مصروف جنگ اور برطانیہ میں گلیڈاسٹون وزیرِاعظم تھا، روسیوں نے موقع دیکھکر اعلان کر دیا کہ ہم اس شرط کے آیندہ پابند نہ ہوں گے۔ برطانی وزرا نے بھی اسے چپ چپاتے تسلیم کرلیا اور صرف اتنی شرط لگائی کہ روس باضابطہ کسی یورپ کی موتمر سے اجازت حاصل کرلے۔ اس کے بعد سے سباستوپل کو ازسر نو بناکر مستحکم کرلیا گیا اور بحراسود میں روسیوں کا وہ بیڑا تیار ہوا جو دنیا کے سب سے مضبوط اور بڑے بیڑوں میں شمار ہوتا ہے[1]۔ مجموعی طور پر دیکھئے تو جنگ کریمیا سے دو بڑے مقصد حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ روس ایک کافی مدت کے لیئے اتنا کمزور ہو گیا کہ ترک کا جب چاہے خاتمہ کرنے کی دھمکی نہ دے سکتا تھا۔ دوسرے ترکوں کو کافی مہلت مل گئی جس میں وہ چاہتے تو اپنا گھر درست کرسکتے اور ان انتظامی خرابیوں کو دور کرسکتے تھے جن سے روس کو مداخلت کا بہانہ ملتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں اکثر اشخاص، خصوصاً پامرسٹن اور لارڈ اسٹریٹ فرڈ ڈی ریڈکلف (جو استنبول میں سفیر تھا) یہی سمجھتے تھے کہ ترک اس مہلت سے بخوبی فائدہ اٹھائیں گے لیکن بعد کے تجربے سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ اس قسم کی ساری توقعات محض فضول تھیں۔

چین کی دوسری جنگ

روس کی جنگ ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا

[1] یعنی تالیف کتاب کے وقت تک جب کہ روس کی شہنشاہی قوت اور شہنشاہی حکمت عملی قائم تھی۔ ۱۹۱۷ء میں انقلاب روس سے ان حالات میں بہت کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا۔ (مترجم)

کہ انگریز چین سے الجھ پڑے۔ اس جھگڑے میں سارا قصور انگریزوں ہی کا تھا۔ اُس قسم کا جسے "لرچا" کہتے ہیں ایک چینی جہاز موسوم بہ "ایرو" خود چینیوں کی ملاحی اور ملکیت میں بغیر کسی اجازت کے برطانی جھنڈا لگائے ہوئے تھا۔ چین کی بحری پولس ایک ملاح کو بحری قزاقی کے سلسلے میں گرفتار کرنے کی غرض سے اس جہاز پر چڑھ آئی جس کا اسے پورا حق حاصل تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک زمانے میں یہ جہاز برطانی جھنڈا اڑانے کا اجازت نامہ رکھتا تھا لیکن گرفتاری کے وقت، اجازت کی مدت ختم ہوچکی تھی اور اس کی تجدید نہیں ہوئی تھی۔ بایں ہمہ ہونگ کانگ کے انگریز قنصل نے اسے برطانیہ کی توہین پر محمول کیا اور چین میں برطانی قائم مقام سر جان باورنگ کو اپنی تائید پر آمادہ کرلیا۔ چینی حکومت خواہ مخواہ اپنے حقوق پر اڑی رہی اور یہ جھگڑا ایک دفعہ شروع ہوا تو دوسری بحثیں بھی چھڑ گئیں اور اسی ضد بحث کی بدولت اعلان جنگ کی نوبت پہنچی۔ ۱۸۵۷ء کی گرمیوں میں برطانیہ سے فوج بھیجی گئی کہ چین پر حملہ کرے لیکن اس سے اور بھی زیادہ ضروری کام میں لگانا پڑا اور چین کے خلاف جنگی کارروائی ۱۸۵۸ء تک ملتوی ہوگئی۔ اس جنگ کے علاوہ ایران سے بھی ہمارا جھگڑا ہوا اور سر جیمس آؤٹ رم اور جنرل ہے وے لوک ۱۸۵۶ء میں ایران پر فوجی ہم لیکر گئے۔ چینی جہاز ایرو کے قضیے سے مخالفین کو حکومت پر حملہ کرنے کا عمدہ موقع میسر آیا۔ چنانچہ پیلیوں کی طرف سے گلیڈ اسٹون اور قدامت پرستوں کی طرف سے ڈزرائیلی نے اور منچسٹری گروہ کی طرف سے کوب ڈن، برائٹ وغیرہ نمایندوں نے حکومت کی سخت مذمت کی اور پامرسٹن کی ان زوردار کارروائیوں کو جو اُس نے برطانی حقوق کی پاسداری میں کی تھیں، نہایت ناپسندیدہ ٹھیرایا۔ مخالفوں کا یہ جتھا بہت قوی تھا۔ پامرسٹن نے اپنی حکمت عملی کی حمایت میں مخالفین کی خبر لینے میں کچھ کمی نہیں کی پھر بھی اسے ۲۴۷ کے مقابلے میں ۲۶۳ آرا سے شکست ہوئی مگر وزارت سے مستعفی ہونے کی بجائے اُس نے ملک سے آخری فیصلہ چاہا اور مخالفت کے خاص اسباب کو چھوڑ کر صرف یہ استدعا کی کہ آیا اہل وطن اُس پر بھروسا رکھتے ہیں یا نہیں؟ جواب قطعی طور پر

باب ہفتم

اثبات میں ملا۔ کوب ڈن برائٹ اور مسٹر گبسن اپنی رکنیتیں کھو بیٹھے اور نئی پارلیمنٹ میں پامرسٹن کا اقتدار ایک مدت تک بالکل مسلم رہا۔

(انگریزوں کے حق میں) بہتر ہی ہوا کہ ان دنوں ایک مضبوط شخص برسر اقتدار تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں فوجی غدر بپا ہوا اور سلطنت برطانیہ پر ایسا صعب وقت آپڑا کہ نپولینی محاربات کے وقت سے کبھی نہ آیا تھا۔

غدر ہندوستان کا

اس فساد کے اسباب بہت ہی مختلف تھے اور عمومی اسباب میں اور اُن میں جنھوں نے محض بارود میں چنگاری کا کام دیا، امتیاز کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔ واضح رہے کہ (ہماری) ہندوستان پر حکومت ایک فوجی قبضے کی نوعیت کی تھی اور یہ قبضہ برطانی اور ہندی سپاہیوں کی مخلوط سپاہ کے بل پر قائم تھا۔ غدر کی فوری وجہ انھی ہندی سپاہیوں کی ناراضی تھی اور یہ امر بھی کہ گوروں کی نسبت ان کی تعداد کی بڑی اکثریت کامیابی کا یقین دلاتی تھی، غدر کرنے میں ممد ہوا۔ ان کی خاص شکایت اسلحہ کی تبدیلی سے پیدا ہوئی کہ جب روس کی جنگ میں ثابت ہوگیا کہ صاف نالی کی پرانی بندوقوں سے پیچ کٹی ہوئی رائفلیں بہتر ہوتی ہیں اور یہی نئی قسم کی بندوقیں ہندوستانی سپاہیوں کو دی جانے لگیں تو کسی نے یہ جھوٹی خبر اُڑا دی کہ نئی بندوقوں کی گولیوں میں جو چکنائی دی جاتی ہے وہ گائے اور سور کی چربی سے بنائی گئی ہے۔ چونکہ ہندو گائے کو مقدس جانتے ہیں اور مسلمان سور کو نجس مانتے ہیں لہٰذا خبر اُڑانے والے نے پوری ذہانت سے کام لیا کہ دونوں قوم کے سپاہیوں میں تشویش اور غصہ پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر لوگوں کی اندیشہ مندی کے زیادہ گہرے اسباب موجود نہ ہوتے تو یہ ہنگامہ بھی خطرناک صورت اختیار کیے بغیر رفع دفع ہو جاتا جیسا کہ چند بار پہلے ہندوستانی فوج کے غدر و سرکشی کا انجام ہوا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ بغاوت کا مسالا ایک مدت سے جمع اور آگ لینے کے لیے تیار تھا۔ چکنائی والے کارتوسوں نے صرف ان باغیانہ جذبات کی آگ کو تیلی دکھا دی۔

اہل ہند میں شورش و تشویش کے قوی ترین اسباب میں سے ایک سبب لارڈ ڈلہوزی کی حکمت عملی کو سمجھنا چاہیے جو ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۶ء تک ہندوستان کا

گورنر جنرل رہا۔ یہ انگریز امیر نہایت مستعد حاکم تھا اور سچائی سے یقین رکھتا تھا کہ ہندوستان کے حق میں برطانی تسلط موجب خیر ہے۔ پس وہ تلا ہوا تھا کہ جب موقع ملے برطانی علاقے میں توسیع کی جائے۔ ۱۸۴۹ء میں اس نے سکھوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا (دیکھو صفحہ ۹۶۰)۔ ستارا، ناگپور اور جھانسی کے مرہٹہ رئیس لاولد فوت ہوئے تو یہ ریاستیں بھی اُس نے نوبت بہ نوبت ضبط کر لیں۔ اور ۱۸۵۶ء میں اودھ کی وسیع شاہی مملکت کا الحاق کر لیا۔ اہل یورپ کے روبرو ان الحاقات کا جواز پیش کرنا آسانی سے ممکن تھا کیونکہ ان میں سے ہر ایک ریاست، خاص کر اودھ کی حکومت میں بلا کی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن دیسی آبادی نے اس کارروائی کو بالکل دوسری نظر سے دیکھا خصوصاً اُن رئیسوں کے عزیز و اقربا متوسل سپاہیوں اور مصاحبوں وغیرہ نے جن کا تغیر حکومت سے سراسر نقصان ہوا۔ ادھر ریل تار وغیرہ مغربی تمدن کے لوازم ملک میں مروج ہوئے۔ مسیحی داعیوں نے نیک نیتی مگر بعض اوقات بدتمیزی سے اپنے دین کی اشاعت شروع کی اور ان سب واقعات سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ ہندوستان کی بالکل کایا پلٹ ہونے والی ہے اور یہ انقلاب اُس تمدن و معاشرت کو سلامت نہ چھوڑے گا جس کے ہندوستان کے کثیر باشندے مالی اغراض یا قلبی جذبات کے باعث مانوس و گرویدہ تھے۔ مزید براں ایک پیشین گوئی بھی ملک میں گشت لگا رہی تھی کہ کمپنی کی حکومت پلاسی کی لڑائی سے سو برس تک قائم رہے گی اور ۱۸۵۷ء میں اس کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ روس کی جنگ سے بھی لوگ سمجھتے تھے کہ برطانیہ کی طاقت میں زوال آگیا ہے اور وہ کسی عام بغاوت کو فرو کرنے کے قابل کافی فوج نہیں رکھتی۔ ان سب اسباب نے مل کر لوگوں میں سخت بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کر دی اور یہ خیالات سب سے بڑھ کر "بنگال آرمی" (سپاہ شمال مشرق) کے برہمن سپاہیوں میں پھیلے جن میں سے اکثر اودھ سے بھرتی کئے گئے تھے۔ اس سپاہ کی ناقابل اطمینان حالت کا تیز نظر مبصر کئی سال سے اندازہ کر چکے تھے اور انھوں نے حکام کو جتا دیا تھا کہ اس فوج میں فرنگی سرداروں کی تعداد کا تناسب

عام اسباب ناراضی

باب ہفتم

ہندوستانی سپاہیوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ سپاہیوں میں خاندان اور برادری کے تعصبات قوی ہیں اور فرنگیوں کو ان جذبات کی بالکل خبر نہیں ہے۔ مگر ان باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا؛ اور ۱۸۵۷ء کے موسم بہار میں جب فساد پر فساد برپا ہوا، تو اس وقت بھی حکام کو بہت دیر میں اس خطرے کا صحیح اندازہ ہوا جس سے اُن کو سابقہ پڑ رہا تھا؛

پہلے اِدھر اُدھر غیر مسلسل سے فساد ہوتے رہے۔ پھر آخر کار میرٹھ کی فوجیں بگڑ ایں اور اپنے اسلحہ سمیت دہلی روانہ ہوگئیں۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے خاندان مغلیہ کی آخری یادگار بوڑھے بادشاہ (بہادر شاہ) کو تخت پر بٹھایا اور اپنے غدر کو ایک قومی بغاوت کا پیرایہ دینا چاہا۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیلی اور چند ہی روز میں دوآب کے ہر مستقر میں فوجی فساد برپا ہوگیا۔ بغاوت کے مرکز دہلی، کانپور اور لکھنؤ تھے۔ دہلی میں بوڑھے بادشاہ کی موجودگی سے باغیوں کو گویا ایک سر دھرا مل گیا جس کے تحت میں جمع ہوسکیں۔ کانپور میں بٹھور کے رئیس اور آخری پیشوا کا لے پالک نانا، بغاوت کا سرغنہ بن گیا (دیکھو صفحہ ۹۶۴) کیونکہ لارڈ ڈلہوزی نے اس کا وظیفہ جاری رکھنے سے انکار کیا اور اس وقت سے وہ سخت ناراض تھا۔ لکھنؤ کا معزول شاہِ اودھ تو کلکتے میں قید تھا مگر انگریزوں کے خلاف لڑانے کے لئے بہت سے بگڑے ہوئے امیر موجود تھے۔ ان مقامات میں سے دہلی میں انگریزوں کو باغیوں نے بالکل مغلوب کر لیا۔ مگر کانپور میں سر ہیو وہیلر اور لکھنؤ میں سر ہنری لارنس کی سرکردگی میں انگریز مقابلہ کرتے رہے۔ کانپور کی مدافعت میں سخت بدانتظامی سے کام لیا گیا اور کثیر التعداد دشمن کے مقابلے میں انتہائی جانبازی سے لڑنے کے باوجود وہاں کی فوج کو ہتیار ڈال دینے پڑے۔ اسی موقع پر نانا صاحب نے یہ شرمناک حرکت کی کہ تمام انگریز مرد عورت اور بچوں کا قتل عام کرایا اور صرف تین شخص سلامت نکل سکے جنھوں نے یہ سب قصّہ بیان کیا۔ بخلاف اس کے لکھنؤ میں لارنس نے اور اس کی وفات کے بعد جنرل انگلیس نے نہایت خوبی سے مدافعت کی؛

بغاوت کی صورتِ حال بھی انگریزوں کے حق میں بری نہ تھی۔ گنگا کی وادی

باب ۱۶ زیریں میں کلکتے سے بنارس تک انگریزوں کا تسلّط کچھ روز کے لئے بھی زائل نہ ہوا۔ نیپال کے گورکھے وفادار رہے۔ پنجاب کے سکھوں کو اسی زمانے میں مغلوب کیا گیا تھا باوجود اس کے وہ کثیر تعداد میں باغیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے جو ہنری اور جون لارنس کی خوبی انتظام کی بہترین شہادت تھی۔ گوالیار میں راجہ سندھیا اور اندور میں ہلکر اپنی فوجوں کو قابو میں نہ رکھ سکے لیکن خود انگریزوں کے ساتھ رہے۔ غرض اس طرح باغیوں کے ہر طرف وفادار علاقوں کا حلقہ کھنچ گیا اور انگریزی حکومت کو بنگال، مدراس، بمبئی یا پنجاب سے فوجیں لانے میں کوئی دقّت نہ پیش آئی۔ البتہ بڑی دشواری یہ تھی کہ گورے سپاہی اتنی تعداد میں فراہم نہ ہو سکتے تھے کہ چھاؤنیوں کی حفاظت بھی کریں اور پیش قدمی کے لئے ان کا لشکر بھی مرتّب کر لیا جائے۔ خوش قسمتی سے ایران کی مہم اسی زمانے میں ختم ہوئی اور آؤٹ رم اور ہے وے لوک کلکتے واپس روانہ ہو چکے تھے۔ ادھر راس امید کی نوآبادی کے والی سر جارج گرے نے قومی جذبے اور بڑی ہمت سے کام لیا کہ جو فوج چین کی جنگ کے لئے جا رہی تھی اُسے اپنی ذمّہ داری پر چین کی بجائے ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ انگلستان سے سر کولن کیمبل کو، جو بعد میں لارڈ کلائیڈ ہوا، فوج کی اعلیٰ سپہ سالاری کے لئے ہندوستان بھیجا گیا، مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی بغاوت کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ لارڈ کیننگ ہندوستان کا گورنر جنرل اور سابق وزیر اعظم (کیننگ) کا بیٹا تھا۔ اس میں اتنی فراست تھی کہ سمجھ گیا کہ بغاوت کا اصلی مرکز دہلی ہے اور اس کی تسخیر پر پوری قوّت صرف کر دی۔ حُسنِ اتفاق سے پنجاب میں اتنی توپیں موجود تھیں کہ محاصرے کا حلقہ تیار کیا جا سکے چنانچہ پنجاب ہی کو مرکزِ جنگ بنا کے شمال مشرق کی طرف سے دہلی پر حملہ کیا گیا۔ محاصرے میں بڑی طوالت و تکلیف ہوئی اور آخر مئی سے وسط ستمبر تک جاری رہا۔ بعض اوقات خود انگریزوں پر بہت سختیاں گزریں مگر غنیمت ہے کہ وہ کسی وقت بھی محاصرہ چھوڑنے پر مجبور نہ ہوئے۔ اور بالآخر محاصرہ کامیاب ہوا۔ یہ کامیابی زیادہ تر جون نکلسن کی محنت و مستعدی کا ثمرہ تھی جسے جون لارنس نے پنجاب سے بھیجا تھا۔ شہر پناہ میں شگاف پڑ گئے اور ہر چند یورش میں نکلسن

باب ہفتم

خود مارا گیا۔ تاہم شہر فتح ہوگیا اور دہلی کا بوڑھا بادشاہ جو برائے نام بغاوت کا سرغنہ تھا، قیدیوں میں شامل تھا۔ اس کی جان نہیں لی گئی لیکن اس کے بیٹوں کو ہڈسن رسالے کے سردار ہڈسن نے بلا تاخیر بندوق کا نشانہ بنایا۔

لکھنؤ کی انگریزی فوج کی مخلصی۔

جس وقت انگریزوں کی بڑی فوج دہلی کے محاصرے میں مصروف تھی۔ جنرل ہے وے لوک جنوبی بنگالے سے فوج لیکر چلا اور لڑتا بھڑتا کانپور پہنچ گیا۔ نانا صاحب کو شکست ہوئی مگر انگریزوں کو مزید کمک کا انتظار کرنا پڑا۔ ستمبر میں وہ اور آؤٹ رم پھر بڑھے اور لکھنؤ میں داخل ہو گئے جہاں کی انگریزی فوج ۸۷ دن سے بلا یار و مددگار باغیوں کا مقابلہ کرتی رہی تھی۔ مگر ہے وے لوک بھی اتنی جمعیت نہ رکھتا تھا کہ محصور فوج کو باہر نکال لائے اور اسی لئے اس کی مخلصی کہیں نومبر میں ہو سکی جب سر کولن انگلستان سے کمک لیکر ہندوستان آیا اور لڑ کر لکھنؤ میں داخل ہوا اور وہاں کی پوری فوج کو سلامت نکال لایا۔ پھر بھی اسے ہٹ کر کانپور میں پناہ لینی پڑی۔ کیونکہ گو لکھنؤ میں دوبارہ داخلے سے باغیوں کی قوت اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکتے تھے، تاہم ان کو ایک ایک کر کے مغلوب کرنا ابھی باقی تھا۔ یہ کام ۱۸۵۸ء میں ہوا۔ گورکھوں کی مدد سے سپہ سالار کولن نے مارچ میں پھر لکھنؤ کو مسخر کیا۔ جنوب میں سر ہیوروز[1] بمبئی سے نربدا کے خط پر بڑھا۔ تانتیا توپی اور جھانسی کی رانی پر فاتحانہ پیش قدمی کی اور گوالیار کی بغاوت کو فرو کیا۔ انگریزوں کی ان کامیابیوں سے بغاوت کی ہمہ گیری اور تسلسل ٹوٹ گیا۔ کچھ مدت تک اکیلے دکیلے باغی سردار مقابلہ کرتے رہے مگر سال کے ختم ہوتے ہوتے انگریزی تسلط عملاً از سر نو قائم ہو گیا۔

برطانی کامیابی کے اسباب

غدر کی ناکامی کے خاص اسباب حسب ذیل سمجھے جا سکتے ہیں۔ (۱) یہ پیشہ ور سپاہیوں کی سرکشی تھی اور ہندوستان کے عام باشندے کثرت کے ساتھ اس میں شریک نہ تھے۔

[1] یہ سردار آگے چل کر لارڈ اسٹریتھ نیرن ہوا۔

باب ہفتم

کلیسائے اسکوٹی سے مشہور علیحدگی	سنہ ۱۸۴۳ء
قوانین غلہ کی منسوخی	سنہ ۱۸۴۶ء
الحاقِ پنجاب	سنہ ۱۸۴۹ء
مستعمرات آسٹریلیا کی مقامی آزادی	سنہ ۱۸۵۰ء
جنگ روس	سنہ ۱۸۵۴ء تا سنہ ۱۸۵۶ء
غدر ہندوستان	سنہ ۱۸۵۷ء
شوہر ملکہ کی وفات	سنہ ۱۸۶۱ء



باب ہشتم

وکٹوریا حصۂ دوم ۱۸۶۵ء تا ۱۹۰۱ء

مشہور معاصرین: فرانس .... نپولین تا ۱۸۷۰ء
جمہوریۂ فرانس
جرمانیہ .... ولیم شاہ پروشیا
شہنشاہ جرمانیہ: ۱۸۷۱ء
فریڈرک و ولیم ثانی
اطالیہ .... وکٹر امان ویل و ہمبرٹ؛

لارڈ پامرسٹن کی وفات پر صدر امارت خزانہ امیر (لارڈ جان) رسل کے تفویض ہوئی۔ اُس نے وزارت میں کوئی خاص ردّ و بدل نہ کیا مگر فورسٹر اور گوشن کے لئے وزارت میں جگہیں نکالیں جو آیندہ ملک کی تاریخ میں کافی حصّہ لیتے رہے۔ ادھر گلیڈ اسٹون دارالعوام میں فرقۂ آزاد خیال کی متین رائے کا مسلّمہ سرگروہ بنکر داخل ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ایک نئے دور کی ابتدا ہے؛

باب ہشتم

قضیۂ جمیکا

کچھ مدت تک وزیروں کی توجہ جمیکا کے قضیئے پر منعطف رہی۔ اس کی بنا یہ تھی کہ وہاں کے انگریز حکام نے آئر نام والی جمیکا کے زیر حکم حبشیوں کے ایک بلوے میں لوگوں کو غیر معمولی طور پر سخت سزائیں دیں اور جواز قانونی کی مطلق پروا نہ کی تھی۔ اس پر انگلستان میں لے دے ہوئی۔ وزیر مستعمرات نے آئر کو فوراً معطل کر دیا مگر ایک غیر سرکاری جماعت کی کوشش کہ اس پر قتل عمد کا الزام ثابت کیا جائے، کامیاب نہ ہوئی اور آخر میں اس مقدمے کا خرچ بھی جو آئر نے برداشت کیا تھا، گلیڈاسٹون کی وزارت میں حکومت نے ادا کیا۔

مسودۂ اصلاحات

لارڈ پامرسٹن پارلیمنٹ کی اصلاح کا پرجوش حامی نہ تھا اور جب تک وہ زندہ رہا اس وقت تک حکومت نے اس معاملے کو غیر سرکاری مبعوثین ہی کی تحریک وسعی پر چھوڑے رکھا لیکن ۱۸۶۵ء کے انتخابات سے ظاہر ہوا کہ بہت سے لوگ حق رائے دہی کی توسیع چاہتے ہیں۔ اور ۱۸۶۶ء میں اصلاح کی سرکاری تجاویز کا مسودہ گلیڈاسٹون نے پیش کیا۔ اس میں دیہات کے حق رائے دہی کو ۱۴ پاؤنڈ اور شہروں میں ۷ پاؤنڈ کی مالیت تجویز کیا تھا مگر چونکہ یہ ایک معتدل صورت تھی اور کسی خاص اصول پر مبنی نہ تھی، لہذا کوئی فریق بھی اس سے خوش نہ ہوا۔ جان برائٹ اور انتہا پسند تو اس لئے ناخوش تھے کہ اس میں کافی وسعت نہ تھی اور قدامت پسند اور معتدل آزاد خیال سمجھتے تھے کہ اس میں نامناسب رعایت کی گئی ہے۔ آزاد خیالوں کی طرف سے رابرٹ لو نے مخالفت کی جو پامرسٹن کے زمانے میں مجلس وزرا کا نائب صدر تھا۔ قلیل التعداد مگر لائق لوگوں کی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی تھی جنھیں برائٹ نے ایک بار ان بددل افراد سے مشابہت دی جو حضرت داؤد کے آس پاس غار ادولام میں جمع ہو گئے تھے۔ اسی لئے لوگ یہ رفیق ادولامی کہلانے لگے تھے۔ ان کی تعداد تیس کے قریب تھی اور جب مذکورۂ بالا مسودۂ اصلاحات ذیلی مجلس میں آیا، تو اسی گروہ کے ایک فرد لارڈ ڈنکے لن نے تحریک کی کہ مالیت کی تشخیص محاصل کی بنا پر کی جائے نہ کہ مالک کی آمدنی پر،

باب ہشتم

تو وزرا کو شکست ہوئی اور یہ مسودہ رہ گیا۔

یہ جون ۱۸۶۶ء کا ذکر ہے اس کے بعد جب حکومت مستعفی ہوئی اور لارڈ ڈربی دوسری دفعہ وزیر اعظم ہوا تو ڈزرائیلی وزیر مالیہ اور دار العوام کا سرگروہ بنایا گیا۔ ابھی تک اصلاحات کا کوئی خاص جوش نہیں نظر آتا تھا لیکن اسی شہر ال میں دو واقعات ایسے پیش آئے جن سے اصلاحات کو بڑی تحریک پہنچ گئی۔ ان میں سے ایک تو وہ مظاہرہ تھا جو ہائڈ پارک میں اصلاحات کی وکالت کے لئے کیا گیا اور بلوے پر ختم ہوا جس میں باغ کا کٹہرہ کئی سو گز تک ٹوٹ گیا۔ دوسرا واقعہ گلیڈ اسٹون کی ایک تقریر تھی جس میں اس نے یہ پُر معنی سوال کیا کہ کیا وہ (یعنی رائے نہ دینے والے) ہمارے بھائی بند نہیں ہیں؟ یہ جملہ سارے ملک میں آناً فاناً پھیل گیا اور بے شبہہ اسی سے لوگوں کی رائے پر بڑا اثر پڑا۔ غرض ۱۸۶۷ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو بہت لوگ دل سے چاہتے تھے کہ اس مسئلے کا جلد سے جلد تصفیہ ہونا واجب ہے۔ خود ڈزرائیلی اصلاحات میں بہت دور تک جانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور بقول خود "اپنے گروہ کو بھی اس کوشش کے لئے سکھا پڑھا رہا تھا" چنانچہ کچھ روز تامل کے بعد اس نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں سابقہ وزارت کی نسبت ایک قدم آگے بڑھایا اور مالیت کی شرط کم کر کے علی الترتیب دس پاؤنڈ و چھ پاؤنڈ قرار دی۔ وزرا آسانی سے ڈزرائیلی کے ہمرائے نہیں ہوئے بلکہ لارڈ کرین بورن (جو آگے چل کے امیر سالسبری ملقب ہوا) اور لارڈ کرنارون اس کی تجاویز قبول کرنے کی بجائے اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ بایں ہمہ ڈزرائیلی بات پر قائم رہا اور یہ دیکھکر کہ ان تجاویز سے بھی لوگ مطمئن نہیں ہوئے اس نے طے کیا کہ "لوگوں کی دہن دوزی" ہمیشہ کے لئے کر دی جائے اور شہروں میں ہر صاحب خانہ اور دیہات میں ۱۲ پاؤنڈ مالیت والوں کو حق رائے دیدیا جائے۔ اب آزاد خیال بھی حکومت کی تجاویز سے اختلاف نہ کر سکتے تھے لہذا یہ مسودۂ قانون بڑی بڑی اکثریتوں سے دار العوام میں منظور ہوا۔ دار الامرا میں لارڈ ڈربی نے اسے "اندھیرے میں چھلانگ مارنے" سے تعبیر کیا تھا مگر اس کے متبعین نے اسے

باب ہشتم

قبول کرنے میں کچھ بہت تامل و تذبذب نہیں دکھایا۔ اس کی منظوری کے بعد تقسیم نشست کا قانون پیش ہوا جس میں ۱۸۳۱ء کی نظیر کے مطابق گیارہ نشستیں خارج کر دی گئیں اور دس ہزار سے کم آبادی والی دو نشستوں کو صرف ایک مبعوث دیا گیا۔ اس طرح بڑے شہروں اور زیادہ آباد تعلقوں کو مزید نشستیں مل گئیں۔

جس وقت اہل برطانیہ کی توجہ پارلیمنٹ کی اصلاح پر معطوف تھی ایک نیا قانون اور منظور ہوا جس کے آیندہ بہت کچھ اثرات پڑنے والے تھے۔ یہ قانون وفاقیہ کناڈا، موسوم ہے اور اس لیے شمالی امریکہ کی منتشر برطانی مستعمرات کو موقع دیا کہ وہ کناڈا کے نام سے ایک وفاقی حکومت کے ماتحت شیرازہ بند ہو جائیں جس کے معنی یہ تھے کہ گو وہاں کی ہر ریاست اندرونی معاملات میں اپنی مجلس وضع قوانین کے ماتحت ہوگی لیکن جن معاملات میں تمام مستعمرات کے اغراض و فوائد کا مشترکہ تعلق ہے ان کو اٹاوا میں ایک مجلس سرانجام کرے گی اور وزرا اسی کے روبرو جواب دہ ہوں گے؛ کناڈا خاص میں نیو برنزوک، نووا اسکوشیا اور برطانی کولمبیا شامل تھے۔ کچھ روز بعد نووا اسکوشیا کے ساتھ خلیج ہڈسن کا علاقہ بھی جسے اب مانی ٹوبا کہنے لگے ہیں، ملا دیا گیا۔ اس تغیر عظیم سے کناڈا کی حالت پر بڑا اثر پڑا۔ متضاد اغراض و حقوق پر غور کرنے اور وسعت نظر سے کام لینے کی ضرورت نے اس ملک میں صوبہ داری جذبے کو بالکل مٹا دیا اور اسی تھوڑی مدت میں سر جان میک ڈونلڈ آنجہانی جیسے مدبر پیدا کیے جو کسی قوم میں بھی ہوتے اس کے لئے باعث ناز ہوتے۔ ورنہ اپنے اپنے صوبے کی پاسداری کا جذبہ یہ خطرناک میلان رکھتا تھا کہ چھوٹے اور دور دست علاقے کے باشندے اپنی مقامی اور ادنیٰ اغراض کو سارے ملک کے وسیع تر فوائد و اغراض پر ترجیح دینے لگیں گے؛ غرض کناڈا میں یہ شیرازہ بندی کامیاب ہوئی تو شہنشاہی کے دوسرے علاقے بھی اسی قسم کی کارروائی پر راغب ہوئے چنانچہ (تالیف کتاب کے وقت) آسٹریلیا کی نوآبادیوں میں اسی قسم کی تنظیم حکومت کی تجویزیں زیر غور ہیں اور وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ جنوبی افریقہ کی نوآبادیاں بھی اسی کی تقلید کریں گی اور یہ پوری شہنشاہی کے حق میں نہایت نفع بخش ہوگا،

باب ششم

یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ زیادہ اہم واقعات پر کافی توجہ نہیں کی جاتی۔ چنانچہ وفاقیۂ کناڈا کے قانون سے لوگوں کو وہ دلچسپی نہ ہوئی جو تھیوڈور شاہ حبشہ کی چھوٹی سی جنگ سے پیدا ہوئی جس میں لارڈ ڈربی کی وزارت کو بادلِ ناخواستہ اُلجھنا پڑا تھا کیونکہ اس نے چند مسیحی داعیوں اور سیاحوں کو اپنے پائے تخت مگدالا میں قید کر دیا تھا۔ اسی پر برطانی اور ہندوستانی سپاہیوں کا ایک لشکر سر رابرٹ نے پیئر کی قیادت میں بھیجا گیا اور دشوار گزار سفر طے کرنے کے بعد تھیوڈور کی فوج کو شکست ہوئی۔ مگدالا کو یورش کر کے لے لیا گیا۔ تھیوڈور نے اپنے ہاتھ سے اپنی جان لی اور ایک رشتہ دار جان اس کا جانشین ہوا۔ برطانی سپاہ تھیوڈور کے اکلوتے بیٹے الامایو کو اپنے ساتھ لے گئی اور وہ اپنی وفات (۱۸۷۹ء) تک انگلستان ہی میں رہا۔

فینی گروہ

اس عرصے میں آئرستان کی حالت پھر قابلِ توجہ ہو چلی تھی ۱۸۴۸ء کی بغاوت ناکام رہ جانے کے بعد چند سال تک سازش کا بازار ٹھنڈا رہا لیکن ۱۸۵۸ء میں روسا اور اسٹیفن نے فی نکس کلب کی بنیاد ڈالی اور یہی فینی اصول اور گروہ کی تمہید بن گئی۔ خود یہ لفظ (فینی) آئرستان کے ایک قدیم بادشاہ کے خدام کے نام سے لیا گیا تھا۔ شروع میں اس تحریک کو کچھ وقعت حاصل نہ تھی اور گو روسا پر مقدمہ قائم اور جرم ثابت ہوا تاہم اُسے رہا کر دیا گیا۔ لیکن امریکہ کی خانہ جنگی ختم ہوئی تو یہ تحریک خطرناک ہو گئی۔ اہل آئرستان امریکہ میں دونوں طرف سے لڑ کر نام پا چکے تھے اور جب وہاں کی فوجیں موقوف کی گئیں تو فینی سرگروہوں کو امید ہوئی کہ ان امریکی آئرستانی سپاہیوں سے برطانی حکومت کے خلاف کام لیا جا سکے گا۔ ۱۸۶۵ و ۱۸۶۶ء میں اس بات کا کافی اندیشہ ہو گیا تھا لیکن ۱۸۶۷ء کے موسم بہار میں بغاوت کی ضعیف سی کوشش سے ظاہر ہو گیا کہ آئرستان میں باغیوں کو کتنی کم قوت حاصل ہے۔ پھر بھی سازشوں کا سلسلہ جاری رہا اور اسی سال دسمبر میں بعض فینیوں نے

لہ۔ آگے چل کر اسے لارڈ نے پیر اوف مگدالا کا لقب ملا۔

باب ششم

اپنے ایک محبوس رفیق کو چھڑانے کی خاطر کلرکن ویل کے محبس کی دیوار باروت سے اُڑا دی اور اسی کے اُڑنے سے پورے بارہ آدمیوں کی جان گئی۔ اسی واقعے کو گلیڈاسٹون نے "گرجا کے گجر" سے یاد کیا جو لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور قصد کر لیا کہ خود آئرستان کا مسئلہ اٹھایا جائے۔

اہل آئرستان کی پہلی شکایت جس پر وہ توجہ دلانا چاہتا تھا' وہاں کی کلیسا کی حالت تھی۔ اس کی ۱۸۳۳ء میں اصلاح ہوئی لیکن کیتھولک فرقے میں خاص کر ان کے پادریوں میں وہ ویسا ہی غیر مقبول رہا اور وہ اس کے وجود کو یہی سمجھتے رہے کہ گویا یہ حکومت کی طرف سے ہمارے دین و ملت کو ذلیل کرنے کی غرض سے قائم ہے۔ پٹ نے اس شکایت پر غور کیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ سب فرقوں کے لئے ساتھ ساتھ اوقاف دینے کا انتظام کیا جائے جس سے کیتھولک پادریوں کے کام کی قدر شناسی کے علاوہ یہ فائدہ بھی متصور تھا کہ اکثریت کے مذہبی پیشوا اقلیت کے علما کو مالامال دیکھ کر حسد نہ کریں۔ کیونکہ یہ جذبہ ذلیل سہی قدرتی ضرور تھا۔ مگر گلیڈاسٹون نے ایک اور ہی تجویز سوچی تھی اور وہ یہ کہ آئرستان میں پروٹسٹنٹوں کے اسقفی نظام کو توڑ دیا جائے اور پروٹسٹنٹوں کو اوقاف کا جو بڑا حصہ مل گیا ہے' اس سے محروم کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ پرس بی ٹیری فرقے کی قدیم شاہی امداد یا انعام جو ولیم ثالث کے زمانے سے انھیں حاصل تھا' اور نیز کیتھولکوں کی درس گاہ مے نوتھ کی سرکاری امداد موقوف کر دینا چاہتا تھا پٹ کے بعد اکثر آزاد خیال اور نیز غیر مقلد اشخاص کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ سرکاری روپے سے کسی گرجا یا مذہب کو قائم رکھنا نامناسب ہے۔ گلیڈاسٹون کی تجویز اس رائے کے موافق تھی اور اسی لئے آزاد خیال فرقے نے اسے قبول کر لیا۔ اور ۱۸۶۹ء میں گلیڈاسٹون نے حکومت کی مخالفت کے باوجود یہ قرارداد منظور کرا لی کہ آئرستان کا مذہبی نظام موقوف کر دیا جائے۔ لارڈ ڈاربی علالت کی وجہ سے مجبوراً مستعفی ہو چکا تھا اور اس کی جگہ فروری ۱۸۶۸ء میں ڈزرائیلی وزیر اعظم مقرر ہوا تھا' اس نے مذکورہ قرارداد کی بنا پر فوراً استعفیٰ داخل کر دیا مگر اسے کہہ سنکر آیندہ عام انتخابات اور لوگوں کی صحیح رائے معلوم ہونے

باب ششم

تک روک لیا گیا ۔

گلیڈاسٹون کی پہلی وزارت

۱۸۶۵ء کے انتخابات میں اصلی مقابلہ کلیسائے آئرستان ہی کے مسئلے پر ہوا۔ اس میں آزاد خیالوں کو نمایاں فتح حاصل ہوئی کہ ۲۶۵ قدامت پسندوں کے مقابلے میں اُن کے ۳۹۳ منتخب ہوئے۔ تو ڈزرائیلی بلا تاخیر مستعفی ہوگیا۔ اس کی بجائے گلیڈاسٹون صدر امیر خزانہ اور وزیر اعظم بنا اور ساتھ کے لئے رفیق بھی نہایت لائق جمع ہوگئے۔ ان میں گرین ویل وزیر خارجہ، رابرٹ لو وزیر مال، جان برائٹ صدر نشین مجلس تجارت اور کارڈویل جو گلیڈاسٹون کی طرح پہلے قدامت پسند اور پیل گروہ میں شامل تھا، وزیر جنگ مقرر ہوا۔ فورسٹر مجلس وزرا کا نائب صدر اور عملاً وزیر تعلیمات تھا۔ گوشن شعبۂ قانونِ مساکین کا صدر نشین اور بعد میں صدر امیر بحریہ مقرر ہوا۔ اسی طرح دوسرے وزرا تھے۔

۱۸۶۹ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو حکومت کی طرف سے بلا تاخیر کلیسائے آئرستان کی موقوفی کا مسودہ پیش ہوا جو گلیڈاسٹون کی تجاویز پر مبنی تھا۔ اس قانون کی رو سے آئرستان کا کلیسا آزاد اسقفی کلیسا ہوگیا اور وہاں کے اسقفوں کی سرکاری حیثیت باقی نہ رہی نہ وہ آئندہ دارالامرا کے رکن رہے۔ گرجاؤں کے تمام ساز و سامان اور غیر سرکاری اوقاف جو ۱۶۶۰ء کے بعد سے انھیں دیے گئے تھے، انھی کے قبضے میں چھوڑ دیے گئے۔ تنخواہ دار علما اور پادریوں کو معاوضہ دینے کے بعد قرار پایا کہ جو سرمایہ بچے، اسے حکومت وقت حسب صوابدید آفاتِ ارضی و سماوی سے نجات دلانے میں صرف کرتی رہے۔ دارالعوام میں اس قانون کی منظوری میں کوئی دشواری پیش نہ آئی تھی۔ امرا میں سخت مقابلہ ہوا لیکن بالآخر دوسری خواندگی ۱۴۶ کے مقابلے میں ۱۷۹ آرا سے منظور ہوگئی اور قانون نافذ کر دیا گیا۔

مسئلۂ اراضی

۱۸۷۰ء کا زیادہ زمانہ آئرستان کی ایک اور شکایت دور کرنے میں بسر ہوا۔ یہ اراضی کا مسئلہ تھا اور بہت سے باریک بین مبصروں کے نزدیک اہلِ آئرستان کے دل میں

باب ششم

اس کا خیال ان کلیسائی معاملات سے بھی زیادہ تھا جن پر گلیڈاسٹون نے سب سے پہلے توجہ کی۔ اس پیچیدہ اور تکلیف دہ مسئلے کو سمجھنے کے لئے دو ضروری امور کا ذہن نشین رکھنا ناگزیر ہے۔ ایک تو یہ کہ قدیم زمانے سے آئرستان کا عام دستور یہ تھا کہ مزروعہ اراضی میں مکانات، کھیت کی باڑیں اور بدررو بنانے کا کام کاشتکاروں کے ذمے ہوتا تھا کہ وہ اپنی محنت یا خرچ سے یہ انتظام کریں۔ انگلستان میں جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ (صفحہ ۲۶۰) کاشتکار کو یہ سب چیزیں بنی بنائی ملتی تھیں۔ آئرستان میں صرف زمین اپنی قدرتی حالت میں مل جاتی اور یہ سب کام خود اسے بعد میں کرنے پڑتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انگلستان میں زراعت منجملہ اور پیشوں کے ایک پیشہ تھی۔ بخلاف اس کے آئرستان کے بڑے حصے میں لوگوں کا سوائے اس کے اور کوئی پیشہ ہی نہ تھا اور ان میں قبضۂ زمین کی آرزو ایسی موروثی اور قوی ہوگئی تھی کہ انگلستان میں اس کی مشکل سے مثال ملے گی اگرچہ ویلز کے بعض زرعی اقطاع میں بھی یہ جذبہ کسی حد تک موجود ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ آئرستانی کسان انگریزوں یا اسکوٹوں کی نسبت زمین کا اتنا مالیہ دینے پر جلد آمادہ ہو جاتا جو حقیقت میں اس کی قدرت سے باہر ہوتا تھا۔ آئرستانی کاشتکار کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ عموماً اپنی زندگی ہی میں کھیت کے حصے اولاد میں بانٹ دیتا جس سے اراضی کے اتنے چھوٹے ٹکڑے ہو جاتے کہ ایک ایک حصے سے پورے خاندان کی اچھی طرح بسر بُرد نہ ہوسکتی تھی۔ بہر حال جب تک پرانے زمیندار مالک رہے جو اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود کاشتکاروں کے حال سے واقف اور دُکھ درد میں اُن کے شریک تھے، اس وقت تک مزارعین آئرستان کی یہ خصوصیات چنداں قابلِ اعتنا نہ ہوئی تھیں لیکن جب سے قانون اراضی زیر بار کا نفاذ ہوا۔ (دیکھو صفحہ ۹۷۲) اور بہت سے پرانے زمیندار بے دخل ہوئے، تو ان کی بجائے وہ لوگ مالکانِ زمین ہو گئے جو انگلستان کے اصولِ زراعت و مالگزاری کے عادی تھے اور اکثر صورتوں میں اراضی کے خریدار ہی اس بنا پر ہوئے تھے کہ اُن سے کہا گیا تھا کہ مالیہ لگان کم ہے اور اسے آسانی سے بڑھانا ممکن ہوگا۔ ان نئے زمینداروں کی خوبیاں اور عیوب دونوں سے پیچیدگی پیدا ہوئی۔ انھوں نے زراعت کا معیار

بلند کرنا چاہا اور بہتر طریق کاشت کاری کو رواج دینا چاہا تو بھی مقامی کاشتکار ناراض ہوئے اور جب انھوں نے لگان بڑھانے کی کوشش کی کہ وہ زمین کی تجارتی قیمت کے مطابق ہوجائے اور پچھلے کاشتکاروں کو بزور عدالت بے دخل کرایا تو بعض اوقات کسان جان لینے پر تیار ہوگئے۔ البتہ السٹر کا علاقہ ایسا تھا جہاں صنعتی کارخانے موجود تھے اور انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی نسل کے کاشتکار بھی آباد تھے جو محنتی کفایت شعار اور آزادی پسند لوگ تھے اور انھی وجوہ سے یہاں ایک بہتری کی صورت یہ نکل آئی تھی کہ ایک حق کاشتکاری کو رواجاً تسلیم کیا جاتا تھا۔ یعنی اگر کاشتکار کھیت کو ترقی دے یا اس میں روپیہ لگائے تو اس کا یہ حق مانا جاتا اور کھیت چھوڑنے کی صورت میں اس کو معاوضہ ملتا تھا۔ لیکن رواج ہونے کے باوجود اس حق کو قانون تسلیم نہ کرتا تھا اور ۱۸۵۲ء میں شرمن کرافورڈ نے اسے قانونی شکل دینے کی کوشش بھی کی تو ناکام رہا۔ ۱۸۶۰ء میں پامرسٹن کی وزارت نے بالکل برعکس کارروائی کی کہ آئرستان اور انگلستان کے طریقوں کو مخلوط کر دینا چاہا۔ خود پامرسٹن کہتا تھا کہ میرے نزدیک کاشتکار کا یہ حق زمیندار کی حق تلفی ہے چنانچہ زمیندار و کاشتکار کے واسطے ایک قانون وضع کیا گیا جو مروجہ قانون یا رواج کی بجائے محض معاہدے کے اصول پر مبنی تھا۔ مگر اہل آئرستان کے حق میں یہ اور بھی بدتر صورت تھی۔ چنانچہ ۱۸۷۰ء میں گلیڈاسٹون کی حکومت نے اسے منسوخ کیا اور دوسرا قانون بنایا جس میں السٹر کی کاشتکاری نیز دوسرے رواجی حقوق کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ جھگڑے فساد سے نقصان کا بھی کسان کو معاوضہ ملنا تجویز ہوا تھا بشرطیکہ یہ جھگڑا لگان سے انکار کرنے کے سلسلے میں نہ پیدا ہوا ہو۔ اور پٹے کی میعاد ختم ہونے پر کاشتکار نے جو کچھ مستقل ترقی دی ہو اس کے معاوضے کا بھی حقدار ہوتا تھا۔ برائٹ کی رائے یہ تھی کہ آئرستان کے زرعی مسئلے کا اصلی حل یہ ہے کہ خود کاشت زمینداروں کی جماعت پیدا کی جائے۔ وزرا نے اس کی بھی رعایت ملحوظ رکھی اور قانون میں ایک دفعہ یہ بڑھا دی کہ جو کاشتکار اپنے زمینداروں کی مرضی سے کھیت خود خریدنا چاہیں حکومت ان کو تقاوی یا قرض روپیہ دے سکے گی۔ مگر گلیڈاسٹون کے اس قانون کا نقص یہ تھا کہ کاشتکار کے کھیت کو

باب ہشتم

ترقی و بیجے پر اگر زمیندار لگان اتنا بڑھا دے کہ کاشتکار ادا نہ کر سکے اور بے دخل کر دیا جائے تو اس خرابی کو دور کرنے کا قانون میں کوئی انتظام نہ تھا۔ حالانکہ ایسی بے دخلی کی صورت میں کاشتکار اپنے حق معاوضہ سے محروم رکھا گیا تھا۔ اسی نقص کے باعث قانون مذکور کا فائدہ کم ہو گیا اور گلیڈ اسٹون نے جو وثوق کے ساتھ یقین دلایا تھا کہ یہ اور کلیسا کا قانون دونوں مل کر آئرستان کی بے اطمینانی رفع کر دیں گے، وہ غلط ثابت ہوا۔

قانون تعلیم ابتدائی مجریہ سنہ ۱۸۷۰ء

جس زمانے میں گلیڈ اسٹون آئرستان کے لئے یہ قانون منظور کرا رہا تھا، انھی دنوں فورسٹر نے ابتدائی تعلیم کا قانون پارلیمنٹ سے منظور کرایا۔ اس قانون کے جس قدر فوائد بیان کئے جائیں کم ہیں کیونکہ اسی سے ابتدائی تعلیم کے قومی نظام کی بنیاد پڑی۔ تعلیم کے لئے سرکاری رقم اول سنہ ۱۸۳۳ء میں منظور ہوئی تھی۔ اسی وقت سے یہ بات برابر آشکارا ہوتی گئی کہ تعلیم کی حسب دلخواہ اشاعت کرنی منظور ہے تو سرکاری مدارس قائم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا خصوصاً زیادہ آباد علاقوں میں ایسا انتظام ناگزیر نظر آیا۔ مگر اس خیال کی بڑی مخالفت ہوئی جس میں ایک تو منکرین کلیسا نے حصہ لیا کیونکہ انھیں اندیشہ تھا کہ ان سرکاری مدرسوں سے کسی نہ کسی پیرایہ میں اہل مذہب کی تائید کا کام لیا جائے گا۔ دوسرے وہ لوگ مخالف تھے جن کی دانست میں تعلیم کا اہتمام کرنا حکومت کے فرائض سے خارج تھا۔ بایں ہمہ تعلیمی ماہرین برابر کام کرتے رہے۔ سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۸۳۹ء تک سرکاری رقم کا خرچ کرنا حکام خزانہ کے ہاتھ میں تھا مگر اسی سال (سنہ ۱۸۳۹ء) سے یہ مجلس شاہی کی ایک ذیلی مجلس کے حوالے کر دیا گیا اور مجلس کا نائب صدر اس ذیلی مجلس کا صدر مقرر ہوا۔ اسی کے ساتھ قرار پایا کہ یہ رقم حسب سابق نئے مدارس کے قیام میں بھی خرچ کی جائے اور مناسب ہو تو پرانے مدرسوں میں بھی اس سے مدد دی جائے بشرطیکہ یہ مدرسے سرکاری نگرانی قبول کر لیں۔ سنہ ۱۸۳۹ء کی ایک روئداد میں امداد کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں:-

(۱) تعلیم المعلمین کے مدارس کے لئے۔

باب ہشتم

(۲) نئے مدارس کی عمارات کے لئے۔
(۳) مدارس سابقہ کی سالانہ امداد کے لئے۔

جن مدرسوں کو امداد ملتی وہ عموماً اساتذہ کی تنخواہوں کی صورت میں ملتی تھی مگر تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ طریقہ اتنا مفید نہیں جتنا کہ خرچ طلب ہے۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں امداد کی رقم تیس ہزار پاؤنڈ تھی۔ سنہ ۱۸۵۹-۶۰ء میں دس لاکھ سے اوپر ہو گئی مگر اسی سال سرکاری تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ پڑھائی کی حالت اکثر ناقص ہوتی ہے۔ اسی بنا پر سنہ ۱۸۶۲ء میں نائب صدر مجلس روبرٹ لو نے تعلیم کے جدید ضوابط جاری کئے اور اسی کے ساتھ یہ اصول رائج کیا کہ سالانہ سرکاری امتحانات میں طلبہ کی کامیابی دیکھکر سرکاری امداد دی جایا کرے اور اس طریقے کا "نتائج پر ادائی" نام رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال جو اضافہ ہوتا تھا، اس میں کمی آگئی اور سنہ ۱۸۶۵ء تک یہ امداد گھٹکر صرف بارہ لاکھ پچیس ہزار ہو گئی۔

قانون تعلیم ابتدائی مجریہ سنہ ۱۸۷۰ء

فورسٹر کی تجویز یہ تھی کہ جو ضلع چاہے اسے ایک مجلس مدارس منتخب کرنے کی اجازت دی جائے اور اس مجلس کو خود اپنے زیر انتظام مدد سے قائم کرنے یا سابقہ مدارس کی امداد کرنے کی غرض سے رسوم کی وصولی اور خرچ کا اختیار دیا جائے۔ کاؤپر ٹمپل کی تحریک سے یہ دفعہ بڑھادی گئی کہ ان مجلسی مدارس میں کسی خاص مذہبی فرقے کا کلمہ اور ارکان دین یاد نہیں کرائے جائیں گے۔ اہل انکار کی رعایت رکھنے کے لئے یہ قاعدہ بھی وضع ہوا کہ جن امدادی مدارس میں دینی تعلیم دی جاتی ہے اس کا وقت شروع یا آخر میں مقرر کر دیا جائے اور جن بچوں کے والدین یہ تعلیم دلانی نہ چاہیں، ان بچوں کی کسی قسم کی حق تلفی جائز نہ رکھی جائے۔ مگر اہل انکار کا ایک گروہ سرکاری مدارس سے ہر قسم کی مذہبی تعلیم کو خارج کرانا چاہتا تھا۔ ان کی "حزب برمنگھم" نے مذکورۂ بالا مسودۂ قانون کے ایک ایک فقرے کی سخت مخالفت کی لیکن مجموعی طور پر لوگوں نے اسے اچھی نظر سے دیکھا اور ایک مشکل مسئلے کا قابل اطمینان حل سمجھا۔ اسی زمانے میں گوشن نے ایک اور قانون پیش اور سنہ ۱۸۷۱ء میں منظور کرایا جس نے اوکسفرڈ اور کیمبرج کی جامعات کی مذہبی شرائط

منسوخ کیں اور کیتھولک اور اہل انکارسب کے داخلے کی اجازت مل گئی ۔

۱۸۳۲ء کی طرح ' اب بھی حق رائے دہی کی توسیع سے اصلاحات کا جوش ترقی کر گیا تھا جس کا مختلف پیرایوں میں ظہور رہوا ۔ ۱۸۷۰ء میں اکثر دیوانی ملازمتوں کی شرط صرف امتحانِ مسابقہ میں کامیابی کو قرار دیا گیا ۔ ۱۸۷۲ء میں " رائے اندازی " کا قانون وضع ہوا کہ رائے دینے والے لالچ یا خوف کے بغیر اپنی رائے کاغذ پر بلا دستخط دے سکیں اور زبانی رائے دینے یا اعلان کی ضرورت نہ رہے جیسا کہ پہلے معمول تھا ۔ یہ منشوریوں کا مطالبہ تھا اور دار العوام نے کئی بار اسے نافذ کرنا چاہا مگر دار الامرا نے مسترد کر دیا تھا ۔ منشوریوں کا ایک اور مطالبہ ۱۸۵۸ء میں منظور ہو چکا تھا کہ مبعوثین کے لئے ملکیت کی جو شرط تھی وہ منسوخ کر دی گئی ۔

فوجی اصلاحات

جنگ کریمیا کے وقت سے یہ خیال قوی ہوتا جاتا تھا کہ روپیہ بھر کر سرداری کی خدمات خریدنے کا طریقہ برا ہے ۔ اس رواج کے بموجب کوئی لفٹنٹ جو سابق الخدمت ہونے کے لحاظ سے کپتانی کا مستحق ہو جائے ' معقول رقم ادا کئے بغیر یہ ترقی نہ پا سکتا تھا ۔ یہ رقم اس حد تک معین تھی کہ کم سے کم اس قدر ادا کرنی ہو گی لیکن مختلف لشکروں میں اور بھی زیادہ لی جاتی تھی ۔ اس طریق سے کم استطاعت اشخاص کا فوج میں بھرتی ہونا یا ترقی کرنا دشوار ہو گیا تھا بحالیکہ زر دار سردار آسانی سے رقم بھی بھر دیتے تھے اور روپیہ دے کے تبادلہ کرا لینے کے رواج کی بدولت بہت جلد ترقیاں بھی حاصل کر سکتے تھے ۔ مثال کے طور پر ولنگٹن صرف ۲۳ برس کی عمر میں کرنل ہو گیا اور سر کولن کیمبل ۴۲ برس کی نمایاں خدمت کے بعد اس رتبے تک پہنچ سکا تھا ؛ پھر بھی اس طریقے کے بہت سے حامی تھے اور ان کی بڑی دلیل یہ تھی کہ گو اصولاً یہ طریقہ برا نظر آتا ہو عملاً ایسا برا نہیں رہا ' لہذا اب اس کو بدل کر ایک نا آزمودہ طریقہ اختیار کرنا احتیاط کے خلاف ہو گا ۔ اس مخالفت کے باوجود کارڈول نے ۱۸۷۱ء میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کا ایک جزو مذکورہ طریقے کی تنسیخ بھی تھی ۔ دار العوام کی منظوری کے باوجود امرا نے اس جزو کو نا منظور کر دیا جس پر گلیڈ اسٹون نے ملکہ کو صلاح دی کہ وہ اس شاہی حکم کی تنسیخ کر دے جس کی

روسے سرداریاں خریدنا جائز ہوا تھا۔ ملکہ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ تب امرا بھی مذکورۂ بالا قانون کو ماننے پر آمادہ ہو گئے جس میں ان سرداروں کے معاوضے کی تجویز بھی موجود تھی جن کو جدید قانون سے نقصان پہنچتا تھا۔ یہ اصلاح فوج کی عام اصلاحات کا جن کا گلیڈ اسٹون کی وزارت میں نفاذ ہوا، محض ایک حصہ تھی۔

۱۸۷۰ء میں فوجی بھرتی کا بھی ایک قانون وضع ہوا تھا جس کی رو سے ۱۲ برس کی مدت ملازمت کی بجائے یہ وعدہ لیا جانے لگا کہ فوجی ملازم صرف ۶ سال واقعی فوجی خدمت انجام دے گا اور اسی قدر زمانے تک فوج محفوظ میں رہے گا؛ اسی سال مجلس خاص کے ایک حکم نے سپہ سالار افواج کو وزیر جنگ کے ماتحت قرار دیا۔ ورنہ پہلے سپہ سالار کا محکمہ "ہورس گارڈز" کے نام سے علٰحدہ حکم احکام جاری کرتا اور وزارت جنگ سے علٰحدہ احکام جاری ہوتے اور اس دوعملی سے بعض اوقات بڑی خرابیاں پڑتی تھیں؛ لہٰذا اب اس کا خاتمہ کر دیا گیا؛ ۱۸۷۱ء میں نیم مسلح اور مطوعہ فوج کی نگرانی دوبارہ فرماں روائے وقت کی تحویل میں آ گئی اور اضلاع کے جداگانہ سپہ سالاروں کے عہدے توڑ دیے گئے۔ اسی اصلاح سے فوج باقاعدہ و بے قاعدہ کو علاقہ واری اصول پر مرتب کرنا ممکن ہوا اور پھر مختلف افواج انھی علاقوں کے نام سے موسوم کر دی گئیں۔ جیسے ڈورسٹ شر، مشرقی اسٹفرڈ شر (کی فوج) اور ہر علاقے کی نظم جمعیت، اور مطوعین اسی فوج کے پیادہ و سوار دستے بنا دیے گئے۔ اس ترکیب جدید میں بہت سے فوائد تھے لیکن ان کے مقابلے میں ایک نقصان کی بات یہ تھی کہ فوجوں کے پرانے (عددی) نشان ترک کر دیے گئے حالانکہ انھی نشانوں سے ان فوجوں نے سابقہ میدانوں میں بہادری کی داد دی تھی اور اب ان کے اڑا دیے جانے سے نہ صرف سپاہیوں کو بلکہ عام اہل ملک کو بھی بہت افسوس ہوا۔ بہر حال، سرداری کی خرید کا انسداد، مدت ملازمت میں تخفیف اور علاقہ واری فوج بندی کا آغاز، یہ سب ایسی تبدیلیاں تھیں جن سے کارڈول کی وزارت جنگ کا زمانہ برطانی سپاہ کی تاریخ میں بہت معرکے کا زمانہ بن گیا ہے۔

گلیڈ اسٹون کی وزارت میں ایک اہم عدالتی اصلاح بھی عمل میں آئی۔ قدیم عدالت شاہی سے اب بتدریج مالگزاری، فصل خصومات، شاہی کچہری اور عدالت صدر،

باب ششم

کی چار عدالتیں بن گئی تھیں اور ان میں اتنی سختت اور باریکی سے تقسیم کر دی گئی تھی کہ حکام عدالت، وکلا اور اہل مقدمہ کو اکثر بڑی زحمت کا سامنا ہوتا۔ نظر بریں اب ان سب کو ملا کر ایک **عدالت عالیہ** کے چار شعبے قرار دیا گیا اور اس نئی عدالت کے واسطے عمارات کا ایک سلسلہ بھی نیا تیار ہوا جسے نئی عدالتیں کہتے تھے۔ یہ ٹمپل بار کے باہر لنکن اِن اور ٹمپل کے درمیان تعمیر ہوئیں اور تمام دیوانی عدالتوں کے اس طرح یکجا ہو جانے سے ہر شخص کو بہت سہولت ہونے لگی۔

آئرستان کا تعلیمی مسئلہ

کلیسا اور اراضی کے مسائل کے بعد آئرستان میں سب سے دشوار مسئلہ اعلیٰ تعلیم کا تھا۔ کیتھولک فرقے کے پادری اپنے طلبہ کے ان جامعات و کلیات میں پڑھنے کے ہمیشہ سے سخت مخالف تھے جہاں دینی علوم میں پروٹسٹنٹی عقائد داخل نصاب تھے۔ اور یا جن کے نصاب سے دینی تعلیم کو بالکل خارج کر دیا گیا تھا۔ ان کی اصلی خواہش یہ تھی کہ کیتھولک فرقے کی ایسی جامعہ بنائی جائے جس کے نصاب میں قطعی طور پر کیتھولک اصول کی دینی تعلیم بھی داخل ہو۔ آئرستان کے اکثر کیتھولک اس خیال کے ہمنوا تھے کیونکہ ایسی اعلیٰ تعلیم کا آئرستان میں کوئی انتظام نہ تھا۔ ٹرینٹی کالج خالص پروٹسٹنٹ تھا۔ مے نوتھ میں صرف مذہبی علما تیار کیے جاتے تھے اور اس کی سرکاری امداد بھی انھی دنوں بند کر دی گئی تھی۔ ۱۸۴۵ء میں پیل نے امتحاناً بیلفاسٹ، کارک اور گالوے میں "ملکہ کے کالج" کے ناموں سے کلیات بنائے جن میں صرف دنیاوی تعلیم دی جاتی تھی۔ افسوس ہے کہ انھیں بنتے ہی "لامذہب کلیات" کہ کے بدنام کیا گیا اور یہ کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ غرض اب ۱۸۷۳ء میں گلیڈ اسٹون نے اپنی مجوزہ تدبیر پیش کی کہ آئرستان میں ایک قومی جامعہ بنائی جائے جس میں الہیات، اخلاق اور تاریخ کی تعلیم بالکل نہ ہو۔ اس تجویز سے کوئی بھی خوش نہ ہوا۔ کیتھولک فرقے کا منشا یہ نہ تھا اور پروٹسٹنٹ بھی ایسی جامعہ کا بننا سن کر بہت ہنسے جس میں اخلاق، الہیات اور تاریخ نہ پڑھائی جائے۔ چنانچہ مسودۂ قانون کی دوسری خواندگی تین رائے کی اکثریت سے نامنظور کر دی گئی گلیڈ اسٹون مستعفی ہو گیا مگر ڈزرائیلی کو

پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل نہ تھی، اس نے وزارت بنانے سے انکار کیا۔ اور وزارت میں کچھ ردّ وبدل کے بعد گلیڈاسٹون ہی برسر اقتدار رہا؛ گر عام انتخاب کو زیادہ عرصے تک ملتوی نہ رکھا جا سکتا تھا۔ گذشتہ انتخابات کے بعد سے گلیڈاسٹون کی وزارت ۲۲ نشستوں کے مقابلوں میں شکست کھا چکی تھی۔ ملک کے سامنے جس قدر مجوّزہ قوانین تھے ان سب کو اس نے پیش یا نافذ کرا دیا تھا۔ چنانچہ وزرا کی صف پر

گلیڈاسٹون کی شکست

ایک مرتبہ ڈزرائیلی نے "بجھے ہوئے آتش فشاں پہاڑوں" کی پھبتی کہی تھی۔ غرض جنوری ۱۸۷۴ء میں پارلیمنٹ برخاست ہوئی۔ گلیڈاسٹون نے جدید انتخاب کے اعلان میں یہ بیان شائع کیا کہ اگر اس بار بھی وہی برسر اقتدار رہا تو (انکم ٹیکس) موقوف کرا دے گا۔ لیکن معلوم یہ ہوا کہ پچھلے پانچ سال کے پے در پے جدید قوانین سے ملک اکتا گیا تھا۔ شدید غیر مقلد، تعلیمی مسئلے میں حکومت کے دب کر معاملہ کرنے سے بہت ناراض تھے۔ انھوں نے تائید وحمایت کی کوئی خاص زحمت نہ اٹھائی اور ادھر وہ گروہ جسے ڈزرائیلی نے "مظلوم حق دار" موسوم کیا تھا، شدّ ومد سے قدامت پسندوں کے ساتھ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈزرائیلی نئی پارلیمنٹ میں تین سو پچاس متبعین کے ہمراہ داخل ہوا اور گلیڈاسٹون بلا تاخیر مستعفی ہو گیا۔ ڈزرائیلی نے اس کی جائے لی اور نئی وزارت میں لارڈ ڈاربی وزیر خارجہ لارڈ سالسبری وزیر ہند اور نارتھ کوٹ وزیر مالیہ مقرر ہوئے۔

جنگ فرانس وجرمانیہ

گلیڈاسٹون کی وزارت میں چند اہم واقعات براعظم یورپ میں پیش آئے۔ ۱۸۶۸ء میں فرانسیسیوں کے بادشاہ نے اپنی سپاہ کو جدید چیس پو (دہن گز) بندوقوں سے مسلح کیا۔ ان کی مار پروشیا کی تیلی تالی کی بندوقوں سے زیادہ دور کی تھی لہذا بادشاہ موصوف کو یقین تھا کہ اب پروشیا کا مقابلہ ہو سکتا ہے اور یہ کہ اس کے حملے سے جرمن ریاستوں کی وہ شیرازہ بندی فوراً ٹوٹ جائے گی جس کی صدر پروشیا بن گئی ہے۔ ادھر بسمارک بھی نپولین ثالث سے کچھ کم جنگ کا خواہش مند نہ تھا اور ثابت ہوا کہ یہ خیال بیجا نہ تھا کیونکہ تمام جرمن ریاستیں،

باب ہشتم

جن میں بوبریا وغیرہ وہ بھی شامل ہیں جو ۱۸۶۶ء میں پروشیا کے خلاف لڑی تھیں، اب اس کی وفادار رہیں اور نپولین کو معلوم ہو گیا کہ اسے پروشیا سے نہیں بلکہ (بہ استثنائے آسٹریا) پوری جرمن قوم سے لڑنا پڑے گا۔ آسٹریا بھی غیر جانب دار رہی۔ بس پروشیا پر چڑھ دوڑنے کی بجائے نپولین کو اپنا ہی ملک بچانا پڑ گیا اور اس میں بھی وہ ناکام رہا۔ بادشاہی حکومت رشوت و تخویف کی بنیادوں پر قائم تھی اور ثابت ہوا کہ اس نے فرانس کی جنگی قوت کا اندر ہی اندر ستیاناس کر دیا تھا۔ اُدھر جرمن سپاہ کو شاہ ولیم اور مولٹکے جیسے اعلیٰ درجے کے سپہ سالار ملے۔ انھوں نے فتح پہ فتح حاصل کی اور بالآخر شہنشاہ فرانس کو سیڈان میں ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ اس پر اہل فرانس نے جمہوری حکومت کا اعلان کیا مگر اس سے جرمن سیلاب بڑھنے سے نہ رکا۔ میٹز تسخیر ہو گیا پیرس محصور اور چار ماہ سے کچھ زیادہ مدت کے بعد اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ ایسی زبردست فتح جس میں آسٹریا کے باہر تمام جرمن قوم نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ متحد ہو کر جنگ کی تھی، اس اتحاد قومی کی تکمیل کا بہترین موقع تھی جو بتدریج معرضِ وجود میں آیا تھا۔ چنانچہ دوسرے رؤسا کی درخواست پر شاہ ولیم نے شہنشاہ جرمانیہ کا لقب اختیار کیا اور جرمن شیرازہ بندی "شہنشاہی جرمانیہ" کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ اسی کے ساتھ فرانس کو مجبور کیا گیا کہ السیس و لورین کے قدیم جرمن اضلاعؔ واپس دے اور بیس کروڑ اشرفی کا تاوانِ جنگ ادا کرے۔

جنگ کے دوران میں اطالیہ والوں نے فرانس کو کمزور پا کر شہر روم پر قبضہ کر لیا اور آیندہ سے وہی متحدہ اطالیہ کا پایۂ تخت قرار پایا۔ پاپا کی دنیوی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا؛ جرمانیہ کی طرح اطالیہ کا اتحاد بھی زمانۂ جدید کی تاریخ یورپ میں یقیناً دو سب سے اہم واقعات ہیں کہ ان سے برّ اعظم کی سیاسیات کا رنگ بالکل بدل گیا۔ جنگ کے زمانے میں بلجیم کی حفاظت، جس کی ۱۸۳۹ء میں ضمانت کی گئی تھی، سخت خطرے میں نظر آتی تھی لیکن گلیڈسٹون کی وزارت نے شد و مد سے یقین دلایا کہ

لہ۔ ان اضلاع کو جرمن کہنا غلط ہے۔

برطانیہ اس میں خلل نہ آنے دے گی اور متخاصمین سے باقاعدہ اعلان کرا لیا کہ وہ اس ملک کی غیر جانب داری میں کوئی فتور نہ آنے دیں گے۔ البتہ روسیوں نے بحر اسود کی غیر مصافی نوعیت کو بدل لینے کا اعلان کیا تو گلیڈسٹون اس کو نہ روک سکا (دیکھو صفحہ ۵۹۱)۔

مسئلۂ سکہ

جنگ ہی کے سلسلے میں ایک مالی تغیر پیدا اور آئندہ اہم نتائج پر منتج ہوا۔ قرن ہائے دراز سے متمدن دنیا کی تجارت سونے چاندی سے ہوتی رہی تھی۔ بعض قومیں اپنا معیار چاندی کو، بعض سونے کو اور بعض دونوں کو قرار دیتی تھیں۔ مثلاً برطانیہ میں سونے کا معیار ۱۸۱۶ء سے قائم تھا اور چاندی کے سکے محض قانونی قیمت رکھتے تھے۔ فرانس میں ۱۸۰۳ء سے دونوں دھاتیں معیاری تھیں اور جرمانیہ میں چاندی کا رواج تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ چاندی اور سونے دونوں کی قوت خرید میں عملاً ایک توازن رہتا تھا۔ ۱۸۷۱ء میں جرمنوں نے فرانس کے زر تاوان سے فائدہ اٹھا کر سونے کا سکہ جاری اور سونے کو اپنا معیارِ زر قرار دیا۔ ۱۸۷۳ء سے فرانس نے بھی چاندی سونے دونوں کی بے روک سکہ سازی چھوڑ کر صرف سونے کا سکہ ڈھالنا شروع کیا۔ ان حالات نے سونے کی مانگ کو بڑھا دیا اور چاندی کی مانگ گر گئی۔ اب سونے کے معاوضے میں مال یا جنس کی مقدار پہلے سے زیادہ دی جانے لگی جس کے معنی یہ ہوئے کہ اشیا کا نرخ کم ہو گیا۔ جن لوگوں کی آمدنیاں معین تھیں یا جنھیں سونے کے سکے میں سود ملتا تھا، ان کے لیے تو یہ ارزانی بہت اچھی رہی مگر کارخانہ داروں کو سخت پریشانی ہوئی کیونکہ جن ملکوں میں چاندی کا چلن تھا، وہاں انھیں اپنے مال کی (چاندی میں) قیمت بڑھانی پڑی تاکہ وطن کے اندر سونا لینے میں جو زیادہ چاندی دینی پڑتی تھی، اس کی تلافی ہو جائے۔ دوسرا سبب یہ کہ ہندوستان وغیرہ جن ملکوں میں چاندی کا رواج تھا، وہاں کے تاجر ملکی پیداوار کو اب سونے کے حساب سے زیادہ ارزاں فروخت کر سکتے تھے اور اس لیے ان کا مال خود انگلستان یا دوسرے ملکوں میں برطانی اشیا سے زیادہ سستا بک سکتا تھا۔ اس دشواری میں اور بھی اضافہ اس لیے ہو گیا کہ انھی دنوں آسٹریلیا اور امریکہ میں چند بڑی بڑی چاندی کی کانیں نکل آئیں اور ظاہر ہے کہ اس نے چاندی کو اور بھی سستا کر دیا۔ غرض سونے کے مقابلے میں چاندی کی

یہ ارزانی سخت پیچیدہ معاملہ بن گئی اس کا ہندوستان چین جاپان اور ممالک یورپ کے تجارتی تعلقات پر بہت اثر پڑنے لگا اور اس مسئلے کو حل کرنا بھی زمانۂ حاضرہ کے سب سے ضروری مسائل میں داخل ہو گیا ؛

ڈزرائیلی کی دوسری وزارت

گلیڈ اسٹون کی پنج سالہ وزارت میں قوم کا جوش اصلاحات گویا خرچ ہو چکا تھا اور ڈزرائیلی کے زمانے میں ملکی قوانین کا کچھ زیادہ کام نہ ہوا ۱۸۷۵ء میں ایک قانون مساکنِ اہلِ حرفہ منظور ہوا۔ خود اس قانون سے حالات میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا مگر زمانۂ حاضرہ کے وضعِ قوانین میں اہلِ حرفہ کی معاشرت کی اصلاح کو نمایاں دخل نظر آتا ہے اور چونکہ قانون مذکور اسی قسم کے سلسلۂ قوانین کی ابتدا تھا لہٰذا اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسے ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۶ء کے قوانین سے ملا کر دیکھنا چاہیئے جن کی بدولت اُس پرانے قانون کی کامل تنسیخ عمل میں آئی جس نے اہلِ حرفہ کی جماعت بندی کو بطور خود خلافِ قانون قرار دے رکھا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات کی اصلاح کی غرض سے ایک اور قابلِ ذکر کارروائی یہ کی گئی کہ یہ امر انھی دونوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ اگر وہ جدید ضابطے کی پابندی گوارا کریں تو کاشتکار کو آیندہ یہ حق حاصل ہو کہ زمین چھوڑتے وقت اُن ترقیوں کا بھی معاوضہ حاصل کرے جن کا فائدہ آیندہ ظاہر ہونے والا ہو۔ یہ قاعدہ وقتی اور اختیاری تھا لیکن آیندہ تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا ؛

مسئلۂ شرقیہ

اس عہد میں دلچسپی کا اصلی مرکز معاملات خارجہ بنے رہے ۱۸۷۵ء میں یورپی ترکی کے صوبۂ ہرزیگووینیا کی مسیحی رعایا نے بغاوت کی۔ اس سے تمام سلطنت عثمانیہ میں ہیجان برپا ہو گیا اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر ترکوں نے اصلاحات کے مطالبوں کو جو عیسائی پیش کر رہے تھے، جلد قبول نہ کر لیا تو ہر جگہ فساد ہو جائے گا اور سرویا رومانیا جبل اسود کے آزادی یافتہ علاقے بلکہ شاید خود روس، باغیوں کی پشت پناہی کرے گا۔ برطانیہ کے لئے مشکل یہ تھی کہ ترکی پر روسیوں کو

باب ہشتم

آزادی دیے بغیر دباؤ ڈالنا ممکن نہ تھا اور روسیوں کو آزادی عمل دینے میں اندیشہ تھا کہ کہیں سلطنت ترکی کا بالکل خاتمہ اور استنبول میں روسیوں کا تسلط نہ ہو جائے۔ برخلاف اس کے روسیوں کو روکے رکھنے کے معنی یہ تھے کہ گویا ترکوں کی ناقص حکومت سے بظاہر چشم پوشی اور رعایت کی جا رہی ہے۔ اوّل اوّل بہترین صورت یہ نظر آتی تھی کہ تمام بڑی طاقتیں مل کر ترکوں سے جبراً اصلاحات کرائیں۔ مگر ۱۸۷۶ء میں جب ان طاقتوں کی طرف سے موعودہ اصلاحات پر زور دینے کے لیے وہ تحریر جسے یادداشت برلن کہتے ہیں ترکی کو پیش کی گئی تو ڈزرائیلی نے تائید سے انکار کیا اور اس طرح برطانیہ کی آزادی عمل محفوظ رہی۔ قریب قریب انھی دنوں ترکوں کی اس وحشیانہ سفاکی سے جو بلغاریہ کے مسیحی باغیوں کی سرکوبی میں انھوں نے دکھائی تھی، غیظ و غضب کی ایک لہر سارے یورپ میں دوڑ گئی[1] اس سے ایک تو روسیوں کو آزادانہ کوئی کارروائی کرنے سے باز رکھنا اور بھی مشکل ہو گیا اور دوسرے خود کوئی مصالحانہ کارروائی میں بھی ترکوں کی بیجا پاسداری کیے الزام کا اندیشہ قوی نظر آنے لگا۔ غالباً سب سے بہتر تدبیر یہ ہوتی کہ ایک مسلح جمعیت استنبول میں اتار دی جاتی کہ روسیوں کے متوقع حملے سے پہلے ترکوں کو اصلاحات پر مجبور کرے۔ لیکن اس کی بجائے ڈزرائیلی نے اسی مشترکہ کارروائی کی تجویز پر رجوع کیا جسے پہلے مسترد کر چکا تھا اور استنبول میں ایک مجلس مشاورۃ منعقد ہوئی کہ ترکوں سے اصلاحات کا تقاضا کرے۔ سلطان بھی ظاہراً ان تجاویز کو مان گیا اور اپنی رعایا کے واسطے مجلسی دستور بھی عطا کر دیا لیکن حقیقت میں وہ ان میں سے کسی چیز پر عمل کرنا نہ چاہتا تھا۔

گلیڈاسٹون کی شورش۔

مشرقی نصاریٰ کے معاملے سے گلیڈاسٹون کو ہمیشہ سے بہت دلچسپی رہی تھی۔ ان کی حمایت کے اس موقع نے اسے ڈزرائیلی کی وزارت کے خلاف میدان میں لا کھڑا کیا

[1] تعجب یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس سفاکی یا وحشت کا آیندہ کوئی ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا ہے جو چین یا سوڈان میں یورپ کے انھی مہذبوں کی طرف سے ظہور میں آئی۔ مترجم۔

حالانکہ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ زمانہ گزرا تھا جب کہ وہ سیاسیات سے کنارہ کش اور آزاد خیال فرقے کی سرگروہی سے علیحدہ ہونے کا قصد ظاہر کر چکا تھا۔ مگر ستمبر ۱۸۷۶ء میں پھر پیش پیش ہو گیا اور بلیک ہیتھ کے ایک بہت بڑے جلسے میں اس نے اپنی پوری طاقت لسانی ترکوں کی مذمت میں خرچ کر دی اور ترکی کے مسیحی صوبوں کو اندرونی آزادی دلوانے کی وکالت کی۔ اس سے قبل گلیڈاسٹون کا اثر بیشتر پارلیمنٹ کے اندر کام میں آتا تھا مگر اب وہ عوام کے خطیب کی حیثیت سے میدان میں آیا اور لوگوں کو غالباً پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ اس کی شخصیت اور جادو بیانی اپنے ہم وطنوں کے گروہ کثیر پر کس قدر غیر معمولی اثر رکھتی ہے۔

ادھر زیادہ تر روس کے فوجی سرداروں کی رفاقت و پشت پناہی سے سرویا اور جبل اسود والوں نے ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا (جون ۱۸۷۶ء) جس سے ڈزرائیلی کی مشکلات اور بڑھ گئیں۔ لیکن ترک اعلیٰ درجے کے سپاہی ہوتے ہیں۔ انھیں باغیوں کو کھلے میدان میں شکست دینے میں کوئی دقت نہ ہوئی مگر ان کی فتوحات سے روسیوں کو اور بھی غصہ آیا اور زار پر زور ڈالا گیا کہ ترکوں کے خلاف مذہبی جنگ شروع کرے۔ چنانچہ روسی سپاہ تیار کر کے ترکوں سے درخواست کی گئی کہ باغیوں سے لڑائی روک دی جائے۔ ترکوں نے اسے مان لیا اور ذرا سی مہلت میں استنبول کی مجلس مشاورۃ ہوئی۔ چونکہ مجلس سے کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا، لہذا اپریل ۱۸۷۷ء میں روسی لشکروں نے پرتھ کو عبور کیا اور روما نیا سے گزر کر ترکی پر

جنگ روس و ترکی

حملہ آور ہوئے۔ کچھ مدت تک ترکوں نے روسی پیش قدمی کو خصوصاً پلونا کے دھسوں پر روک لیا لیکن دسمبر میں پلونا کی تسخیر کے ساتھ روسی بلقان میں پھیل گئے اور خود استنبول خطرے میں پڑ گیا۔ ڈزرائیلی نے (جو اب لارڈ بیکنس فیلڈ ہو گیا تھا) اسے روکنا ضروری سمجھا اور برطانی بیڑا استنبول بھیج دیا اگرچہ خود اس کے دو وزیر (ڈربی اور کارنارون) مستعفی ہو گئے اور گلیڈاسٹون برابر چیخ پکار مچاتا رہا۔ ساتھ ہی برطانیہ کی فوج محفوظ طلب کی گئی اور ایک ہندوستانی فوج مالٹا بلا لی گئی۔ اس اثنا میں روسی ترکوں سے جبراً سین سٹی فانو کے معاہدے پر

باب ہشتم

دستخط کرا چکے تھے جن کی اہم شرطیں یہ تھیں کہ بلغاریا کو اندرونی آزادی دے کر بحیرۂ ایجین پر بھی کچھ علاقہ دیا جائے اور خود روسیوں کو ایشیائی ترکی کا ایک بڑا ٹکڑا حوالے کیا جائے۔ بیکنس فیلڈ پہلی شرط کے معنی یہ سمجھتا تھا کہ بلغاریا کو جو عملاً روسیوں کا صوبہ ہوگی، استنبول اور یورپی ترکی کے بیچ میں ایک سدراہ کے طور پر قائم کر دینا منظور ہے اور اسے وہ گوارا نہ کر سکتا تھا۔ لہذا پارلیمنٹ میں فریق اختلاف کے احتجاج اور باہر گلیڈاسٹون کی شورش کے باوجود وہ جنگی تیاریاں کیے گیا اور روسیوں کو بھی جب معلوم ہوا کہ برطانیہ واقع میں لڑنے پر تیار رہے تو وہ مذکورہ عہدنامے کو ممالک یورپ کی ایک موتمر میں پیش کرنے پر رضامند ہو گئے لیکن موتمر میں آنے سے قبل ہی وہ برطانیہ سے اقرار کر چکے تھے کہ "بلغاریا کبیر" کا خیال چھوڑ دیں گے اور اس کی بجائے علاقۂ مذکور کے دو حصّے بنا دیے جائیں گے جن میں سے ایک بالکل اور دوسرا جزءً سلطان کی حکومت سے آزاد ہوگا۔ سرویا اور رومانیا بالکل خودمختار کر دیے جائیں گے۔ روس کو قارص اور باطوم ل جائے گا گو وہ باطوم کی قلعہ بندی نہ کر سکے گا۔ ترکی بلاتاخیر وہ اصلاحات نافذ کر دے گی جس سے ارمینیا کی حکومت درست ہو جائے۔ چنانچہ صلح نامۂ برلن کا لب لباب بھی یہی دفعات تھیں اور اس صلح نامے کو طے کرنے کی غرض سے خود لارڈ بیکنس فیلڈ اور سالسبری برلن گئے اور مرتب ہونے کے بعد واپس آئے تو اسے بیکنس فیلڈ نے "عزت کی صلح" کے نام سے پیش کیا۔ حقیقت میں اس معاہدے نے بڑا کام کیا کہ یورپی ترکی کے سب سے بڑے مسیحی علاقوں کو آزادی دلوائی اور ساتھ ہی روس کو استنبول پر متصرف ہو جانے سے روک دیا۔ صلح نامے کی بعد کی تاریخ نے فریقین کی بہت سی امیدوں اور اندیشوں کو باطل ثابت کیا۔ آزاد صوبے روس کے اس قدر حلقہ بگوش نہ نکلے جتنی زار کو توقع اور بیکنس فیلڈ کو خوف تھا۔ اور ۱۸۸۵ء میں بلغاریا کے دونوں حصّے برطانیہ کی عین رضامندی سے عملاً متحد ہو گئے۔ باطوم کو روسیوں نے قلعہ بند کر لیا اور ترکوں نے اب تک (یعنی تالیف کتاب کے وقت تک) ارمینیا میں موعودہ اصلاحات نافذ نہیں کیں۔

قبرس پر انگریزوں کا قبضہ برلن کی موتمر منعقد ہونے سے کچھ ہی پہلے

باب ہشتم

انگریزوں نے ترکی سے ایک عہدنامہ کرلیا کہ انھیں قبرس پر قبضے اور انتظام کی اجازت ہوگی اور اس کے عوض میں وہ باب عالی کے ایشیائی مقبوضات کی سلامتی کے ضامن ہوں گے۔

افغانستان

بیکنس فیلڈ کی حکومت نے روس کی یورپ میں پیش قدمی روکی تو اس کی طرف سے قدرتی طور پر اس کا جواب ایشیا میں ملا جہاں روسیوں کو فرماں روائے افغانستان سے دوستانہ تعلقات بڑھا کر ہندوستان کی انگریزی سلطنت پر زد ڈالنا کچھ دشوار نہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء کی گرمیوں میں امیر کو روسی سفیر کے باریاب کرنے پر آمادہ کرلیا گیا۔ اس خبر سے ہندوستان میں یہ افواہ پھیل جانی یقینی تھی کہ روس و کابل میں اتحاد ہوگیا۔ نظر بر ایں بیکنس فیلڈ کے وائسرائے (لارڈ لٹن) کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ امیر برطانی سفارت کو بھی باریاب کرے۔ مگر یہ سفارت سرحد پر روک دی گئی اور حکومت ہندوستان نے فوراً افغانستان پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ لڑائی میں کچھ زحمت پیش نہ آئی۔ امیر کابل بھاگ گیا اور تھوڑے دن بعد وفات پائی۔ تب انگریزوں نے یعقوب خاں کو امیر بنایا اور عہدنامۂ گندمک کرکے اس سے اقرار لیا کہ ساٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ لینے کے عوض میں وہ انگریز سفیر کو کابل میں رہنے کی اجازت دے گا اور قرم، پشین اور سیبی کی وادیاں جن کا رخ وادی سندھ کی طرف کھلتا تھا، انگریزوں کے حوالے کردے گا۔ افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی افغانیوں نے برطانی قائم مقام کے مقرر کیے جانے کی تجویز سے وہی شدید عداوت دکھائی جیسی ۱۸۴۱ء میں دکھا چکے تھے اور ستمبر ۱۸۷۹ء میں برطانی سفیر سر لوئی کیوگ ناری ایک عام بلوے میں جان سے مارا گیا۔ تب دوبارہ فوج کشی عمل میں آئی اور جیسا کہ آگے آتا ہے شہر کابل کی تسخیر کے بعد یعقوب خاں کو ہندوستان میں نظر بند کردیا گیا۔

جنوبی افریقہ

افغانستان کی لڑائیوں کے ساتھ ساتھ ہم جنوبی افریقہ میں بھی جنگ و جدال میں مصروف تھے۔ جب سے راس امید پر قبضہ ہوا اس وقت سے پرانے ولندیز آبادکاروں اور دیسی باشندوں سے برابر ہمارے جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ ولندیز آبادکار یا بوئر

باب ہشتم

برطانی آباد کاروں کے طور طریق پسند نہ کرتے تھے اور اس بات سے بھی بگڑتے تھے کہ حکومت اُن کے دیسی نوکروں کے معاملات میں تعرض کرتی تھی۔ اسی بنا پر ۱۸۳۶ء میں ولندیزوں کا ایک گروہ راس کی نوآبادی چھوڑ کر شمال کے علاقے نٹال میں بس گیا تھا مگر یہاں بھی وہ زیادہ دن آزاد نہ رہنے پائے اور ۱۸۴۳ء میں انگریزوں کے ماتحت کر لیے گئے۔ انگریزوں کے روز افزوں تعداد میں آنے کی بھی انھیں سخت تکلیف تھی لہذا ایک اور بوئر گروہ نے ترک وطن کر کے "اورینج فری اسٹیٹ" کا علاقہ آباد کیا۔ ۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے اس کا بھی الحاق کر لیا تھا مگر پھر یہ سوچ کر کہ ایک ریاست کو بالکل ولندیزوں ہی کے اختیار میں چھوڑ دینا بہتر ہوگا، وہاں سے برطانی تسلط اٹھا لیا گیا (۱۸۵۴ء)۔ برایں ہمہ ۱۸۳۶ء میں بوئروں کی ایک اور جماعت دیسی علاقے میں اور آگے تک چلی گئی اور ٹرانس وال کی نوآبادی بسائی اور یہ بھی ۱۸۷۷ء تک خود مختار رہی۔ لیکن کسی فرنگی نوآبادی کے اس طرح پھیلنے کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر وہاں کے دیسی باشندوں میں مزاحمت کی کچھ بھی طاقت ہے تو جنگ و جدل کی نوبت آئے۔ چنانچہ ۱۸۳۵ء اور ۱۸۵۳ء میں قوم کافر سے لڑائیاں ہوئیں اور بہ مشکل اُن کو مغلوب کیا گیا۔ ۱۸۷۶ء میں اس سے بھی زبردست خطرہ انگریزوں اور ولندیزوں دونوں کو یہ لاحق ہوا کہ زولو قوم نے فروغ حاصل کیا۔ یہ جنگ جو قوم غالباً افریقہ کی سب قوموں سے فائق تھی اور انھیں ایک شخص چکا اور اس کے بیٹے سیت وایو نے ایسے جنگی اصول پر منظم کیا تھا کہ ان کے سب ہمسائے خوف زدہ ہو گئے۔ اسی کا اثر تھا کہ ۱۸۷۶ء میں بہت سے ٹرانسوال کے بوئر از خود برطانی اقتدار میں آنے پر آمادہ تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اگر سیت وایو کو دیسی ریاستوں سے لڑنے اور انھی کو زیر کرنے دیا جاتا تو وہ اس صورت میں فرنگیوں سے خود کوئی چھیڑ بھی کرتا؟ لیکن انگریز صدر ناظم سر بارٹل فریر کا خیال دوسرا تھا اور ۱۸۷۹ء میں مصمم ارادہ کر لیا گیا کہ سیت وایو پر حملہ کر کے اس کی جنگی سطوت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ حملے کا انتظام بہت ناقص ہوا اور انگریزوں کو ای سن دھل وانا میں سخت ہزیمت نصیب ہوئی اگرچہ ایک چوکی (Rorake's Drift) پر مٹھی بھر سپاہی پوری زولو سپاہ کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اس دلاوری نے

انگریزوں کی ذلت کی فی الجملہ تلافی کر دی۔ پھر بڑا بھاری لشکر تیار کر کے سیت والیو کو الندیٰ میں شکست اور بالآخر قید کر لیا گیا۔ اور زولو قوم کی قوت قطعی طور پر توڑ دی گئی۔ زولوؤں کا خطرہ دُور ہوتے دیر نہ ہوئی تھی کہ ٹرانسوال کے بوئروں نے پھر خود مختار ہونا چاہا اور گلیڈ اسٹون وغیرہ آزاد خیال فرقے کے بعض افراد نے بھی ان کے دعاوی کو جائز سمجھا ؛

گلیڈ اسٹون کی دوسری وزارت

خاص برطانیہ میں میکنس فیلڈ کے آخری سنین حکومت صناعت و زراعت دونوں اعتبار سے سخت کساد بازاری کے سال تھے۔ اس کے بہت سے اسباب تھے جن کا اثر ابھی تک پورا ظاہر نہیں ہوا ہے۔ ان میں سب سے اہم یہ ہیں : (۱) غلہ، اُون وغیرہ خام اشیا میں نو آبادیوں اور ممالک خارجہ کا تجارتی مقابلہ، جس کی تیز ترقی سے برطانی پیداواروں کی قیمت اس قدر کم ہو گئی کہ کوب ڈن وغیرہ بے قید تجارت کے سر برآوردہ حامیوں کے خیال میں کبھی نہ ہوگی۔ (۲) ممالک خارجہ کی صنعتی ترقی کہ برطانیہ کے سوا ہر ملک اپنی صنعتوں کی حفاظت میں بیرونی درآمد کو روکتا تھا اور جب اپنی صنعت کو کافی فروغ ہو جاتا تو گھر کی ضرورتیں پوری کرنے کے دوسری منڈیوں میں انگریزوں سے مقابلہ کرتا تھا۔ (۳) سکے کے انتظام میں وہ خلل جو ۱۸۷۳ء سے شروع ہوا اور جاپان جیسے چاندی استعمال کرنے والے تجارتی حریف ہر جگہ بہت فائدے میں رہے ؛

بہر حال تجارت کی اسی پستی اور میکنس فیلڈ کی خارجہ حکمت عملی کی بعض قابل گرفت کمزوریوں پر گلیڈ اسٹون کو حکومت پر اعتراض کا موقع ملا اور اسکاٹ لینڈ کی اُن تقریروں میں، جو "مڈلوتھین کی گشت" کہلاتی ہیں، اس نے ان اسقام کو بیان کرنے میں حیرت انگیز مستعدی اور پوری فصاحت صرف کر دی چنانچہ ۱۸۸۰ء کے عام انتخاب میں وہ ہر جگہ کامیاب ہوا اور ۲۴۳ قدامت پسند، ۶۰ آئرستانی آزادی کے حامیوں کے مقابلے میں ۳۴۹ آزاد خیال منتخب ہوئے۔ گلیڈ اسٹون دوبارہ وزیر اعظم۔ گرین ویل، وزیر خارجہ۔ ہارکورٹ، وزیر داخلہ۔ ہارٹنگٹن، وزیر ہند۔ جون برائٹ، امارت سینکاسٹر کا صدر المہام اور فورسٹر آئرستان کا معتمد بنائے گئے۔ جوزف چیمبرلین، برمنگھم کی بلدی حکومت

باب ہشتم

کے عمدہ انتظامات کے سلسلے میں بڑی شہرت پا چکا تھا۔ وہ شعبۂ تجارت کا صدر بنایا گیا۔ مگر گلیڈ اسٹون نے سب سے پہلے معاملات خارجہ پر اپنی توجہ مبذول کی۔

ترکی

اس کا منشا یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے بیکنس فیلڈ کی حکمت عملی کو الٹ دے۔ ترکوں سے اپنی عداوت کا ثبوت اس نے یہ دیا کہ یورپ کی بڑی طاقتوں کو ترغیب دے کر فوجی دباؤ ڈالا اور ڈلسینیو کو جبل اسود والوں کے حوالے کرایا۔ یونان کو بھی کچھ علاقہ دلوایا کہ ان کی سرحد پہلے سے بہتر ہو جائے۔ لیکن صلح نامۂ برلن میں ارمینیا کے لئے جن اصلاحات کی شرط لکھوائی گئی تھی ان پر اس نے کوئی زور نہیں دیا؛ افغانستان کے معاملات میں دخل دینے سے وہ باز رہنے کا قصد رکھتا تھا مگر افغانیوں کی سرگرمی کے باعث جنگی کارروائیاں زیادہ عرصے تک جاری رہیں۔ ایک برطانی لشکر کو میوند پر شکست ہوئی بارے جنرل روبرٹس کی کابل سے قندھار پر یلغار اور پیر پائمال پر فتح سے ہماری جنگی سطوت دوبارہ قائم ہوگئی اور آخرکار عبدالرحمن خاں کو افغانستان کا بلا شرکت فرمانروا تسلیم کر لیا اور قندھار حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد انگریز ملک کو خالی کر کے چلے آئے اور اس وقت سے افغانی حکومت کے ساتھ بہترین تعلقات رکھتے ہیں؛

ٹرنسوال

اس عرصے میں جنوبی افریقہ میں جنگ چھڑ گئی۔ بوئروں کو یہ دیکھکر بڑی مایوسی ہوئی کہ گلیڈ اسٹون نے وزیر اعظم ہوکر بھی انھیں فوراً آزادی نہیں دی اور وہ بغاوت پر تیار ہو گئے۔ باغیوں نے نٹال کی نوآبادی پر حملہ کیا۔ انگریزی فوج انھیں اپنے مقامات سے ہٹانے میں ناکام و ناکافی ثابت ہوئی۔ اور بے قاعدہ جنگ میں جو عملی قابلیت بوئروں نے دکھائی اس کے مقابلے میں انگریزی سپاہیوں کو بہت بے ڈھنگے پن سے لڑایا گیا۔ جا بہ جا زک کھانے کے بعد انگریز سپہ سالار سر جارج کولی مارا گیا اور انگریزی فوج کا ایک دستہ مجوبا ہل کے مقام پر کاٹ ڈالا گیا۔ اب گلیڈ اسٹون کو بھی اچھی طرح یقین آگیا کہ بوئر حق پر ہیں اور ہر چند ایک زبردست لشکر مہیا کر لیا گیا تھا، تاہم اس نے ان کا آزادی کا مطالبہ مان لیا اور ٹرنسوال پر صرف

برائے نام سیادت قائم رکھی ۔

آئرستان

دارالعوام میں آئرستان کی حکومت خود اختیاری کے ساتھ حامیوں کے مبعوث منتخب ہو جانے سے اس ملک کی تاریخ میں ایک نیا باب شروع ہوا ۔ گلیڈاسٹون کی سابقہ اصلاحات کے باوجود وہاں بہت کچھ ناراضی موجود تھی ۔ اس نے دو پیرائے اختیار کئے ۔ اول تو آئرستانی قومیت کا وہ جذبہ پھر تازہ ہوا جس نے آئرستان و برطانیہ کے مجلسی اتحاد کو ہمیشہ بُرا سمجھا تھا ۔ دوسرے مزارعین کو شکایتیں پیدا ہوئیں ان کی تہ میں اصلی سبب وہی تھا کہ سونے کی قیمت میں زرعی اجناس کا نرخ گر گیا ۔ اسی سے انگلستان میں تجارت کو نقصان پہنچا اور کاشتکاروں کو لگان ادا کرنا زیادہ دشوار ہونے لگا ۔ اس سے بے دخلیوں کی نوبت پہنچی ۔ اور چونکہ گلیڈاسٹون کے قانون مجریہ ۱۸۸۱ء میں صراحۃً اُن کاشتکاروں کو معاوضے سے محروم کر دیا گیا تھا جو لگان ادا نہ کرنے کے سلسلے میں ہنگامہ کریں ۔ لہٰذا بڑی مصیبت پیش آئی ۔ چونکہ کثرت سے بے دخلیاں ہوئی تھیں اس لئے حسب معمول آئرستان میں کاشتکار مشتعل ہو کر جرائم کا ارتکاب کرنے لگے ۔

وطنیت کی شورش تازہ ہوئی تو اس نے حکومت خود اختیاری یا ہوم رول (= ہوم رُول) کے مطالبے کی صورت اختیار کی جس کا منشا یہ تھا کہ آئرستان کے اندرونی معاملات طے کرنے کی غرض سے خود آئرستان میں ایک ماتحت پارلیمنٹ قائم کر دی جائے لیکن وسیع تر مسائل سلطنت برطانی پارلیمنٹ میں طے ہوا کریں ۔ وطنیت کے جذبات کے علاوہ جن کا اس صدی میں تمام یورپ کی سیاسیات میں بہت بڑا حصہ رہا ، مذکورۂ بالا مطالبہ پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ حکومت کی اس درجہ مرکزیت سے تنگ دل تھے جیسا کہ بڑی اور پھیلی ہوئی سلطنتوں میں ہمیشہ ہوا کرتا ہے ۔ مگر خود انگلستان والوں کو ہوم رول منظور کرنا محال نظر آتا تھا جس کی وجوہ حسب ذیل تھیں : (۱) اگر آئرستان میں ایسی مقامی حکومت قائم ہوئی تو یہ آئندہ کامل آزادی کے مطالبے کا پیش خیمہ ہوگی ۔ (۲) جب تک انگلستان کے نظام حکومت میں کامل تغیر نہ کر دیا جائے ۔ اس وقت تک ایسی مقامی حکومت

باب ہشتم

کی تشکیل جس میں برطانیہ اور آئرستان دونوں کے حقوق پوری طرح محفوظ رہیں ممکن نہیں۔ اور (۳) آئرستان کی آبادی کا حصۂ کثیر ایسی تبدیلی کے بالکل خلاف ہے؛ سالہا سال تک یہ اعتراض برطانیہ کے جملہ سیاسی فریقوں کی نظر میں ناقابل جواب سمجھے جاتے تھے۔
انجمن حکومتِ ملکی جو بعد میں "ہوم رول لیگ" کہلائی ۱۸۷۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ بٹ ۱۸۷۴ء کے انتخابات میں اس نے ۵۹ مبعوث دارالعوام کے لئے منتخب کرا دیے۔ پہلے آئزک بٹ اور پھر شا ان کا سرگروہ تھا۔ مگر ان دنوں اس تحریک کو جس نظر سے دیکھا جاتا تھا، اس کا ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ ۱۸۷۴ء میں بٹ نے اسے پارلیمنٹ میں پیش کیا تو ۶۱ کے مقابلہ میں ۴۵۸ آرا سے۔ اور ۱۸۷۶ء میں شا نے پیش کیا تو ۶۷ کے مقابلے میں ۲۹۱ آرا سے تحریک نامنظور کر دی گئی۔ البتہ ۱۸۷۷ء میں طالبان خود اختیاری کے ایک نوجوان فرد مسٹر ایس پارنیل نے اس سلسلے میں ایک نئی تدبیر یہ ایجاد کی کہ بجز کی رفاقت میں "رکاوٹ ڈالنے" کا طریقہ اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پارلیمنٹ کو کام کرنا اتنا دشوار کر دیا جائے کہ آزاد خیال یا قدامت پسند کوئی نہ کوئی فرقہ "مجبوراً" خود اختیاریوں سے مصالحت کرے اور اس طرح ان کے شرائط قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طریقے کا سدباب کرنے کی غرض سے مباحثے کے سخت سخت قواعد وضوابط بنائے گئے بایں ہمہ یہ لوگ اپنی روش پر قائم رہے۔ اس نے انھیں انگلستان میں سخت قابلِ نفرت بنا دیا مگر خود اپنے ملک میں ان کی ہردلعزیزی اور وقعت یقینی بڑھ گئی۔
اب تک اس تحریک کی کمزوری یہ تھی کہ اس کا اثر صرف شہروں میں تھا اور مزارعین کچھ زیادہ تائید نہ کرتے تھے۔ مگر ۱۸۷۹ء میں مائیکل ڈے وٹ نے اس کی اصلاح کا راستہ نکالا۔ وہ دیس راجیوں (ہوم رولرز) میں شامل، گو پارلیمنٹ کا مبعوث نہ تھا۔ آئرستان میں ان دنوں بڑی پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اجناس کا نرخ برابر گرتا گیا جس سے لگان ادا کرنا دشوار تر ہو گیا اور ادھر آلو کی فصل بعض مقامات پر خراب ہو گئی اور چند اضلاع قحط کے سرے پر آ گئے۔ ڈے وٹ نے یہی موقع غنیمت سمجھ کر ایک "مجلس اراضی" قائم کی جس کا بڑا مقصد تو لگان کم کرانا تھا، لیکن اسی میں حکومت خود اختیاری کا مطالبہ بھی شامل کر کے اس نے

باب ہشتم

دونوں تحریکوں کو اتنا قوی کر دیا کہ وہ بطور خود نہ ہو سکتی تھیں۔ اس جد و جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۰ء کے انتخاب میں آئرستان سے ساٹھ مبعوث ایسے منتخب ہوئے جو صراحۃً پارنیل اور ڈیوٹ کی تائید کا عہد و پیمان کر چکے تھے اور تلے ہوئے تھے کہ زرعی اصلاح اور حکومت خود اختیاری کے لئے ایک سابقہ زور دیں گے۔ آئرستانی معاملات کی یہ نئی شکل اس قدر قابل لحاظ تھی کہ بیکنس فیلڈ نے انتخاب عام کے خطبے میں اس کو خاص طور سے جتایا اور گلیڈ اسٹون کو بھی معلوم ہو گیا کہ وزارت کو سب سے پہلے اسی ملک کے معاملات پر توجہ کرنی پڑے گی۔ اسی لئے اُس نے آئرستان کا صدر معتمد فورسٹر کو مقرر کیا جو انگلستان کے اول درجے کے رجال سیاسی میں داخل تھا۔ اہلِ آئرستان سے اس کی یہ سفارش بھی کی گئی کہ وہ اپنی نوجوانی کے زمانے میں آئرستان کے قحط ۱۸۴۶ء کے زمانے میں قحط زدگان کی امداد کا کام کر چکا ہے۔

گلیڈ اسٹون کی آئرستانی حکمت عملی

کاشتکاروں کی شورش کی جڑ پر ضرب لگانے کی غرض سے حکومت نے گلیڈ اسٹون کے سابقہ قانون کی وہ دفعہ دو سال کے لئے معطل کرنے کی تحریک کی جس میں عدم ادائے مال کی بنا پر بے دخلی کی جاتی اور کاشتکار ہنگامہ کریں تو معاوضے سے محروم ہو جاتے تھے۔ لیکن دار الامرا میں یہ تحریک مسترد کر دی گئی۔ گلیڈ اسٹون اس تحریک کو قیام امن کے واسطے ضروری سمجھتا تھا بایں ہمہ اس کی منظوری پر اصرار کرنے کی بجائے وہ دار الامرا کی جھڑکی پر چپ ہو رہا اور چونکہ آئرستان کی شورش بڑھتی جاتی اور طرح طرح کی بدعنوانیاں ہو رہی تھیں، لہذا پارنیل وغیرہ بہت سے افراد پر بدامنی پھیلانے کا مقدمہ قائم ہوا۔ جوری کو اختلاف تھا اس لئے یہ لوگ سزا سے بچ گئے اور ان کی ہردلعزیزی بھی ملک میں اور بڑھ گئی۔

۱۸۸۰ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو ایک تازہ کارروائی کی گئی۔ گلیڈ اسٹون ۱۸۸۰ء میں ذرا تعلّی سے کہہ چکا تھا کہ ہم قیام امن کے قانون کی تجدید نہیں کریں گے جو آئرستان کے (انگریز) حکام کو مزید اختیارات دینے کی

باب ہشتم

غرض سے پچھلی پارلیمنٹ نے وضع کیا تھا۔ لیکن اب اسی نے حفظِ جان و مال کا ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کی رو سے ہیبس کورپس عملاً بیکار ہو جاتا تھا اور صدر معتمد کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس شخص کی آزادی کو ملک کے امن کے واسطے مخدوش سمجھے اسے بلا عدالتی تحقیقات کے گرفتار و محبوس کر لے۔ ساتھ ہی ایک قانون اراضی نافذ کیا گیا کہ ایک آئرستان میں ایک خاص عدالت اراضی قائم کی جائے اور کاشتکار کی درخواست پر وہ کھیت کی مالگزاری خود مقرر کرے۔ لیکن عدالت جو لگان تجویز کرتی وہ اس قانون کی رو سے پندرہ سال تک نہ بدل سکتا تھا اور چونکہ اجناس کے نرخ برابر گر رہے تھے، اور مذکورۂ بالا تعین میں کسی تدریج و فرق کی گنجائش نہ رکھی گئی تھی، لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ خود عدالت کے مقرر کئے ہوئے لگان سے ناراضی پیدا ہو۔ دوسرے اس قانون سے پرانے پٹے دار فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے حالانکہ ان کا لگان اس وقت مقرر ہوا جب اجناس کی قیمتیں گراں تھیں اور حقیقت میں سالانہ یا نئے کاشتکاروں کی نسبت زیادہ تکلیف انھی لوگوں کو تھی۔ اب دیس راجیوں کو اور موقع ملا کہ اپنے تازہ دیہاتی رفیقوں میں ہیجان پیدا کریں اور انھوں نے گلیڈاسٹون کے نئے قانون کی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اس پر گلیڈاسٹون نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی کہ یہ گروہ "قتل و غارت گری کے راستے سلطنت کے ٹکڑے کر دینے کے درپے ہے" اور یہ بھی سنا دیا کہ "تہذیب" کے انسدادی ذرائع ختم نہیں ہو گئے ہیں۔ پھر نئے قانون سے کام لیکر پارنیل، ڈِلن اور دوسرے دیس راجیوں کو کل مین ہم کے قید خانے میں ڈال دیا۔ جواب میں دیس راجیوں نے ایک اعلان شائع کیا کہ مالگزاری دینا بالکل بند کر دیا جائے۔ تب مجلس اراضی خلاف قانون اور مجرمانہ جماعت قرار دی گئی۔ مگر ۱۸۸۲ء میں گلیڈاسٹون نے پھر اپنا طریق عمل بدل دیا اور فورسٹر کی مخالفت کے باوجود پارنیل کو رہا کر دیا۔ یہ شرط گویا مقدر تھی کہ دیس راجی آئندہ فرقۂ آزاد خیال کی تجاویز کے موافق رائے دیا کریں گے، یہی قرارداد آگے چل کر معاہدہ کل مین ہم کہلائی۔ فورسٹر نے اس کو سراسر ناجائز قرار دیا اور حکومت سے علحدہ ہو کر سخت الفاظ میں پارنیل کو جرائم اور تشدد کا اصلی بانی ٹھیرایا۔ فورسٹر کے استعفیٰ

دیتے پر لارڈ اسپینسر آئرستان کا والی اور لارڈ کے ون ڈِش صدر معتمد بنائے گئے اور سب کو معلوم تھا کہ وہ مصالحانہ روش اختیار کریں گے۔ لیکن ڈبلن پہنچے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ خونیوں کی ایک ٹکڑی نے جو اپنے آپ کو "ان وِن سی بلز" ناقابل شکست (invincibles) کہتے تھے، کے ون ڈِش کو مار ڈالا۔ اس پر وہ ہیجان پیدا ہوا کہ گلیڈ اسٹون کو دوبارہ جبر و تشدد کا طریقہ اختیار کرنا اور "قانون انسدادِ جرائم" منظور کرانا پڑا۔ اس کی سب سے اہم دفعات وہ تھیں جن میں حکومت کو جرائم کی خفیہ تحقیقات اور خاص خاص جوریوں کے سامنے قیدیوں پر مقدمہ چلانے کی آسانیاں دی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ آئرستان کے دیس راجیوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور جب تک دارالعوام کے جدید ضوابط کی رو سے ان کے پچیس آدمی خارج نہیں کیے گئے، اس وقت تک انھوں نے قانون منظور نہ ہونے دیا۔ اسی کے ساتھ ایک قانون بقایا وضع ہوا اور ان لوگوں کو تقاوی دی گئی جو گذشتہ تکلیف و پریشانی کے زمانے میں مالگزاری نہیں ادا کر سکے تھے۔ کے ون ڈِش کی جگہ ٹریویلین صدر معتمد مقرر ہوا اور اس کے اور اسپنسر کے زمانے میں آئرستان کی حالت رو بہ اصلاح ہوتی چلی گئی جس کا ایک سبب تو قانون اراضی کا نفاذ تھا اور دوسرا یہ کہ جدید قانون جرائم سے بڑی مستعدی کے ساتھ کام لیا گیا۔ بایں ہمہ دیس راجیوں نے اپنی جد و جہد سے پارلیمنٹ کے اندر یا باہر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

آئرستان کے قضیوں میں مصروف رہنے کے باوجود گلیڈ اسٹون کی وزارت نے انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے لئے بھی بعض قابلِ ذکر قوانین وضع کرنے کی فرصت نکال لی۔ ۱۸۸۰ء ایک قانون کی رو سے کاشتکاروں کو اپنے کھیتوں کی زمین میں خرگوش وغیرہ کے شکار کرنے کی قطعی اجازت دی گئی۔ ۱۸۸۳ء کے "قانونِ املاک زرعی" سے پٹہ داروں کو پٹے کی میعاد ختم ہونے پر خاص خاص کاموں کے معاوضے کا حقدار تسلیم کیا گیا، جن سے زمین کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہو۔ چیمبرلین کا پیش کردہ مسودۂ قانون بھی جس میں دِوالے کے متعلق پہلے سے بہتر ضوابط تھے، منظور ہو گیا۔ کشیدہ شرابوں کے محصول کی بجائے

باب ششم

صرف جو کی شراب پر آبکاری لگائی گئی۔ غیر مقلد مسیحیوں کی سہولت کے لئے قانونِ تدفین وضع ہوا۔ قرائض آجران کے نام سے جو ضوابط بنائے گئے ان میں مزدوروں کے خاص خاص حادثات سے نقصان کا ذمہ دار آجروں کو قرار دیا گیا۔ سپاہ کی علاقہ واری تنظیم میں بھی کچھ اور ترقی ہوئی؛

چوتھا سیاسی فرقہ

گلیڈاسٹون کی وزارت کے ابتدائی حصے میں قدامت پسند گروہ کے سبھی سرگروہوں نے مخالفت میں کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی کیونکہ ۱۸۸۰ء کی سخت شکست سے یہ لوگ بددل ہوگئے تھے۔ البتہ لارڈ رینڈولف چرچل اور اس کے حلیف بالفور گورسٹ اور سر ہینری ڈرمنڈ وولف یہ کام انجام دیتے رہے۔ ان کی مستعدی اور اپنے سیاسی گروہ سے استغنا دیکھکر لوگوں نے ان کا نام "فرقۂ چہارم" رکھ دیا؛

معاملات مصر

مجلس قوانین کی یہ سب گتھا گتھمیاں قضیۂ آئرستان کے ہیجان ہی سے ماند پڑگئی تھیں کہ اب ایک سخت پیچیدگی مصر کے متعلق پیدا ہوئی۔ اس کے اسباب گلیڈاسٹون کے عہد وزارت سے پہلے وجود میں آچکے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کے بن جانے سے انگریزوں کا مصر سے تعلق بہت قوی ہوگیا کیونکہ یہ ملک گویا ہندوستان کے قریب ترین راستے کی کنجی تھا۔ نہر کی تیاری زیادہ تر فرانسیسی سرمائے سے ہوئی تھی مگر ۱۸۷۵ء میں بیکنس فیلڈ نے خدیو مصر سے بہت سے حصے خرید کر نہر کے انتظامات میں باثر شرکت کا حق حاصل کرلیا۔ یوں بھی حکومت مصر یورپ خاص کر فرانس و انگلستان کے ساہوکاروں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لے چکی تھی اور ان کے سود کی ادائی کی ایک بڑی اور متقدر جماعت کو فکر لاحق تھی۔ مزید براں مصر میں تجارت کی آسانیاں دیکھکر بہت سے فرنگی سوداگر وہاں جا بسے تھے اور ان کے لئے فرنگی حکومتوں نے مصری اور ترکی حکومتوں سے بروئے معاہدہ وہ رعایتیں حاصل کرلی تھیں جو "امتیازات" کے نام سے موسوم ہوئیں۔ ان میں بعض بہت قدیم یعنی سولہویں صدی عیسوی میں لکھوائی گئی تھیں۔ غرض ان اغراض و حقوق کی بدولت انگریزوں اور فرانسیسیوں کو مصر میں بہت کچھ درخور حاصل ہوگیا اور انھوں نے خدیو مصر،

باب ہشتم

توفیق سے یہ قول و قرار بھی کر لیا کہ جب تک وہ ان فرنگی قوموں کی صلاح سے کام کرے گا اس وقت تک یہ بھی اُسے معزول نہ ہونے دیں گے۔ اجانب کا یہ دخل در معقولات بہت سے مصری خصوصاً عہدہ داروں کو نہایت ناگوار تھا اور وہ توفیق کے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو بار بار فوجی اور دیوانی عہدے دینے میں بھی اپنی حق تلفی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مصری سردار عربی پاشا نے بغاوت کی تیاری کی اور ان قلعوں پر قبضہ کر لیا جن کی سکندریہ کی بندرگاہ پر زد پڑتی تھی۔

اس بغاوت سے خدیو توفیق کی حکومت معرض خطر میں آگئی اور خود سکندریہ میں بلوے اور کشت و خون ہونے لگے۔ لہذا برطانی حکومت نے فرانسیسیوں سے مل کر مداخلت کرنے کی استدعا کی۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا تو انگریزی بیڑے کو سکندریہ کے قلعوں پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ کام اچھی طرح سرانجام ہوا لیکن شہر میں کوئی فوج نہیں اتاری گئی تھی اس واسطے قلعوں سے جو لوگ بھاگے انھوں نے شہر میں آگ لگا دی اور جان و مال کا بہت کچھ نقصان ہوا۔ نظر بریں گلیڈ اسٹون کی حکومت کو فوج بھیجنی ضروری معلوم ہوئی۔ اور ستمبر ۱۸۸۲ء میں جنرل ولزلی کے برطانی لشکر نے عربی پاشا کو طل الکبیر پر کامل شکست دے کر پھر توفیق کی حکومت کو بحال کر دیا۔ ان واقعات سے مصر میں عملاً برطانیہ کی سیادت قائم ہو گئی اور گو گلیڈ اسٹون کم سے کم مداخلت کرنی چاہتا تھا لیکن اس حکمت عملی پر چلنا بہت مشکل ہو گیا۔ کچھ مدت سے بالائی وادی نیل میں ایک متعصب مذہبی سردار کا ظہور ہوا جو اپنے آپ کو مہدی کہتا تھا اور اپنے مریدوں کی فوج بنا کر مصر کی فتح کی فکر میں تھا۔

مہدی سوڈانی

نیل کا بالائی علاقہ یعنی ملک سوڈان (جس کا صدر مقام خرطوم تھا) بہت زمانے سے حکومت مصر کے زیر نگین تھا اگرچہ خود مصر کے اندر گذشتہ ہلچل سے مصریوں کے سوڈانی اقتدار میں بھی خلل واقع ہوا۔ اور انگریزوں کے قاہرہ میں قدم جمے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ مہدی کے مصری چھاؤنیوں اور خرطوم پر قبضے کی تیاریوں کی خبر پہنچی۔ گلیڈ اسٹون کا نظریہ یہ تھا کہ مصریوں کی سوڈانی کارروائیوں سے برطانی حکومت کو کچھ سروکار نہیں

باب ہشتم

چنانچہ حکومتِ مصر نے سراسر ناکافی فوج ہکس پاشا کی قیادت میں سوڈان بھیجی تو انگریزوں کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوا۔ یہ فوج، جیسا کہ اندیشہ تھا، مہدویوں کے ہاتھ سے فنا کے گھاٹ اتار دی گئی اور اب وہ مسرت کے جوش میں پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ آگے بڑھے۔ اس نئے خطرے سے "عدم مداخلت" کا نظریہ شکستہ ہو گیا۔ مہدی کی طرف سے مصریوں کو حکم پہنچا کہ سوڈان خالی کر دیں تب جنوری ۱۸۸۴ء میں انگریزی حکومت نے جنرل گورڈن کو سوڈان روانہ کیا جو چین میں بہت کچھ کارنامے دکھا چکا تھا اور مصری حکومت کی ملازمت میں بھی سوڈان میں رہا تھا۔ اس کو حکم تھا کہ مصری افواج اور حکام کی واپسی کا انتظام کرے۔ اسے کوئی فوج نہ دی گئی نہ آیندہ بھیجنے کی امید دلائی گئی۔ بایں ہمہ ایک عجیب تلون یہ دکھایا گیا کہ ایک دوسرے سپہ سالار کو لشکر دے کر سواکیم بھیج دیا گیا کہ بحر قلزم کے ساحل کی مصری چوکیوں کو لڑ کر دشمن کے پنجے سے چھڑائے۔ مگر یہ لشکر بھی نہایت ناکافی تھا اور مہدویوں نے اس کا قیمہ قیمہ کر دیا۔ اور ادھر مہدی کے لشکر خرطوم کے چاروں طرف منڈلانے لگے اور گورڈن کو مجبور کیا کہ یا تو مصر کی مقامی افواج وعمال کو خونخوار دشمن کے پنجے میں چھوڑ دے اور یا خود بھی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرے۔ جیسی کہ امید تھی، گورڈن نے آخری صورت کو ترجیح دی۔ اب گلیڈ اسٹون کو ایک اور لشکر سپہ سالار گریہم کی قیادت میں سواکیم کی طرف روانہ کرنا پڑا لیکن وہ گورڈن کو مدد نہ دینے کی تجویز پر قائم رہا اور پارلیمنٹ میں بیان کیا کہ "یہ سردار گھبرا رہا ہے مگر ابھی تک بالکل محصور نہیں ہو گیا ہے"۔ فروری اور مارچ میں گریہم کی سپاہ نے لڑ بھڑ کر سواکیم کا علاقہ صاف کر لیا اور تجویز ہوئی کہ ریگستان کے پار گورڈن کو کمک بھیجی جاوے۔ برطانی حکومت اس وقت بھی رکی اور جب تک رائے عامہ کا سخت تقاضا نہ ہوا کہ گورڈن کو حوالۂ تقدیر نہ کیا جائے، اس وقت تک امداد پر آمادہ نہ ہوئی۔ آخر کہیں اگست میں نیل کے راستے ایک لشکر خرطوم روانہ کیا گیا مگر ہراول کی فوج بہت کچھ نقصان اٹھا کر جنوری میں بالائی نیل تک پہنچی تو معلوم ہوا کہ وقت گزر گیا۔ یعنی ان کے خرطوم کے سامنے پہنچنے سے

باب ششم

دو روز قبل وہ شہر فتح اور گورڈن مارا جا چکا تھا۔ تب جنگی کارروائی ملتوی کر کے انگریزی لشکروں کو واپس ہٹا لیا گیا اور وہ صرف مصر کی سرحد یعنی وادی حلفہ اور سوآکیم کی حفاظت کرنے لگے۔

سرحد افغانستان کا قضیہ۔

انگریزوں کو مصر کی طرف اُلجھا ہوا دیکھ کر روسیوں نے ایشیا میں اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا موقع پایا۔ وہ ۱۸۸۴ء میں دشتِ (ترکستان) کو اتر کر مرو کے سبزہ زار پر قابض ہو گئے جہاں سے افغانستان پر لشکر کشی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ روسی سپاہی افغانستان کی سرحد پر نمودار ہوئے اور حدود کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ روس و برطانیہ کی مشترکہ جماعت اس غرض کے لئے مقرر ہوئی لیکن چونکہ روسیوں کا اصول بظاہر یہ تھا کہ جس مقام پر چاہا قبضہ کر لیا اور پھر کہہ دیا کہ یہ ہماری سرحد میں ہے لہٰذا بار بار مناقشے کی نوبت آئی اور جب روسیوں نے پنج دہ کے افغانی دستے پر حملہ کیا تو لڑائی سر پر تل گئی۔ بارے انگریزوں کے قریب قریب ہر معاملے میں دب جانے سے یہ قضیہ طے ہو گیا اور جو حدود مقرر ہوئی تھیں ان کی حفاظت کا انگریزوں نے ذمہ لیکر امیر افغانستان کو مطمئن کیا۔

پارلیمنٹ کی اصلاح

کچھ روز سے پارلیمنٹ کی مزید اصلاحات کا خیال پیدا ہو رہا تھا۔ ۱۸۶۷ء سے اب تک تعلیم کا رواج اتنا بڑھ چکا تھا کہ زرعی مزدوروں کو حق رائے دینے میں سب سے بڑی دشواری دور ہو گئی تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں وزرا کی طرف سے تحریک ہوئی کہ تعلقوں کے ہر گھر والے کو یہ حق دے دیا جائے۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں اس اصول پر عمل کرنے کی دونوں سیاسی گروہ تائید کرتے تھے۔ آئرستان کے متعلق بہت اختلاف تھا۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ وہاں بھی اسی اصول پر عمل کیا جائے۔ نئے قانون رائے دہی کا تکملہ ایک مسودۂ قانون سے کرنا مقصود تھا جس میں نشستوں کی نئی تقسیم کی تجویز تھی۔ وزرا اس کو آئندہ سال (۱۸۸۵ء میں) پیش کرنا چاہتے تھے مگر دارالامرا میں حجت ہوئی کہ اگر رائے دہی کی جدید توسیع کے ساتھ پرانے حلقوں سے انتخاب ہوا تو طرح طرح کی بے ربطیاں نمایاں ہونگی۔

چنانچہ امرا نے یہ قرارداد منظور کی کہ جب تک جدید نشستوں کی تجاویز سامنے نہ ہوں، قانون رائے دہی کا فیصلہ ملتوی کر دیا جائے۔ اس پر ملک میں خوب ہنگامہ ہوا۔ امرا کی موافقت اور مخالفت میں بہت سے جلسے منعقد کیے گئے اور ہر چند اسی جاڑے میں دارالعوام کا اجلاس ہوا تھا کہ قانون جدید کو نافذ کر دیا جائے، لیکن گلیڈاسٹون نے امرا کی رائے قبول کر لی۔ نشستوں کی تقسیم جدید دونوں سیاسی فرقوں کے سرگروہوں کے مشورے سے مرتب کی گئی۔ ۱۸۸۴ء کے اخیر میں قانون رائے دہی اور ۱۸۸۵ء کے اوائل میں نشستوں کی جدید تقسیم کا قانون منظور ہو گیا۔

اسی میقات میں گلیڈاسٹون کو شکست ہوئی۔ لارڈ اسپنسر کے آئرستان میں محکم انتظام اور گلیڈاسٹون کی ویس راج سے قطعی مخالفت نے وہاں کے قومیت پسندوں کو اس قدر ناراض کیا کہ وہ ۱۸۸۵ء میں تل گئے کہ مناسب موقع ملتے ہی اپنی رائیں اس امید میں قدامت پسند فرقے کی طرف منتقل کر دیں گے کہ گلیڈاسٹون اور آزاد خیال فرقے سے جن تجویزوں کے ماننے کی کوئی توقع نہیں رہی تھی، شاید قدامت پسند انھیں قبول کر لیں۔ انگلستان کی سیاسی گروہ بندی کا اصول ایسا ہے کہ کوئی گروہ اپنے حریف کے زیادہ رائیں حاصل کر کے حکومت پا لینے میں شدت سے مزاحمت نہیں کرتا۔ لہٰذا جس وقت گلیڈاسٹون نے یہ کہہ کر کہ (آئرستان کے) قانون جرائم کی اہم دفعات دوبارہ نافذ کی جائیں گی، ویس راجیوں کو جلایا تو وہ قدامت پسندوں کے ساتھ ہو گئے اور مجوزہ موازنے میں شراب و جنازے کے زائد محاصل کے خلاف رائے دے کر گلیڈاسٹون سے بدلا لیا۔ یعنی اسے گیارہ رائے کی اکثریت سے شکست دلوائی اور وہ فوراً مستعفی ہو گیا۔

سالسبری کی پہلی وزارت

(قدامت پسندوں کا سرگروہ) لارڈ سالسبری، گلیڈاسٹون کا جانشین ہوا اور ہر چند اس نے ویس راج کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی تاہم قانون جرائم کو نظر انداز کر دیا اور ایک بڑی رقم بطور تقاوی دینی منظور کی کہ آئرستانی مزارعین اپنے کھیت وغیرہ خرید سکیں۔ اس کے عوض میں اسی سال نومبر کے عام انتخاب میں ویس راجیوں نے اپنے ہم وطنوں کو جو برطانیہ میں رہتے تھے،

حکم دیا کہ قدامت پسند امیدواروں کو رائے دیں۔ مطلب یہ تھا کہ آزاد خیال اور قدامت پسند گروہوں میں ایسا توازن قائم ہو جائے کہ آئرستانی ارکان کی شرکت کے بغیر کسی کو اکثریت نہ حاصل ہوسکے۔ اس کے برخلاف گلیڈاسٹون رائے دینے والوں سے التجا کرتا تھا کہ اُسے اتنی اکثریت دیں کہ وہ آئرستانی شرکت سے بالکل مستغنی ہو جائے مگر شہروں میں آئرستان والوں کی رائے کے اثر سے پہلے کی نسبت زیادہ قدامت پسند منتخب ہوئے اگرچہ مزدوروں میں جن کو پہلی دفعہ رائے کا حق حاصل ہوا تھا آزاد خیالوں کو زیادہ رائیں ملیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۵ آزاد خیال اور ۲۴۹ قدامت پسند ارکان منتخب ہوئے۔ آئرستان میں حق رائے دہی کے سہل تر ہو جانے سے دیس راجیوں کو جیسی کہ امید تھی بہت فائدہ پہنچا اور ان کے ۸۶ آدمی منتخب ہوئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ چونکہ قدامت پسند اور دیس راجی مل کر آزاد خیالوں کے بالکل برابر رائیں رکھتے ہیں، لہذا حکومت کی کنجی دیس راجیوں کے ہاتھ میں ہے۔

گلیڈاسٹون دیس راج کو قبول کر لیتا ہے۔

انتخاب کے نتائج بمشکل شائع ہوئے تھے کہ یہ افواہ سن کر سارا ملک اچھل پڑا کہ خود گلیڈاسٹون دیس راجیوں سے مل گیا۔ آزاد خیال فرقے کے ممتاز افراد اور نیز اخباروں نے بگڑ بگڑ کر اس خبر کی تردید کی لیکن زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ یہ صحیح ثابت ہوئی۔ ادھر نئی پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا تو سالسبری کی حکومت کی طرف سے آئرستان کی "حزب الوطنی" کو خلاف قانون قرار دینے کا ارادہ ظاہر کیا گیا جو وہاں کی "مجلس اراضی" کی جانشین بن گئی تھی۔ وزارت کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ آئرستان میں جرائم کی تعداد روز افزوں تھی۔ لیکن دیس راجی اپنے تازہ حلیفوں کا یہ قصد سن کر بہت بگڑے اور گلیڈاسٹون کے تبدیل عقائد کی خبر سے بھی انھیں بڑی مسرت ہوئی تھی لہذا ملکہ کی افتتاحی تقریر پر انھوں نے وزارت کے خلاف رائے دی اور حکومت کو ایک معمولی ترمیم پر ۲۵۲ کے مقابلے میں ۳۳۱ آرا سے شکست ہوئی۔ اس موقع پر چند آزاد خیال مبعوث ایسے بھی تھے جنھوں نے محض گلیڈاسٹون کی تبدیلی رائے کے شبہے پر سالسبری کی وزارت کے خلاف رائے دینے سے احتراز کیا۔

سالسبری کی علیحدگی کے بعد بھی کچھ روز تک قطعی طور پر علم نہ تھا کہ گلیڈاسٹون

واقع میں کیا کرنا چاہتا ہے۔ تاہم گوشن اور لارڈ ہارٹنگ ٹن جنھوں نے شبہے کی بنا پر رائے نہ دی تھی، وزارت میں داخل نہ کیے گئے البتہ چیمبرلین اس امید پر شریک وزارت ہوا کہ شاید گلیڈ اسٹون کی ذہانت ان دشواریوں سے جن کا بظاہر کوئی حل نہ تھا، عہدہ برآ ہو جائے۔ واضح رہے کہ خود چیمبرلین شروع سے پورا انتہا پسند رہا تھا۔ اس کے علاوہ نئی وزارت میں قابلِ ذکر اشخاص یہ تھے:۔ لارڈ ہرشیل۔ لارڈ روزبری سر ولیم ہارکورٹ۔ لارڈ اسپنسر۔ ٹریولین اور جان مورلے۔ مورلے آزاد خیالوں کے اس قلیل التعداد گروہ میں تھا جو گذشتہ انتخابات میں دیس راج دینے کے حامی رہے تھے۔ اب اسی کو آئرستان کا صدر معتمد مقرر کیا گیا۔ دیس راج کو اصولاً تسلیم کرنے کے بعد گلیڈ اسٹون کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ خود آئرستان کے قوم پرستوں سے اپنا مسودہ پیش کرنے کی درخواست کی جائے تاکہ ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس طرح اس پر عمل درآمد کی تجویز کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ یہ تجاویز خود مرتب کی جائیں۔ اور اسی دوسری صورت کو اس نے اختیار کیا۔ بایں ہمہ جب یہ تجویز تفصیلی طور پر مجلس وزارت کے روبرو آئی تو چیمبرلین وغیرہ کئی وزیروں نے استعفیٰ بھیجدیا۔ آزاد خیال گروہ میں اسی سے مستقل طور پر تفریق ہو گئی۔ اکثریت نے دیس راج قبول کرنے میں گلیڈ اسٹون

آزاد خیال گروہ کی تفریق

کا ساتھ دیا ایک معقول تعداد ان لوگوں کی تھی جو لارڈ ہارٹنگ ٹن، جان برائٹ، گوشن، چیمبرلین وغیرہم کی سرگروہی میں پرانے مسلک پر قائم رہے کہ آئرستان و برطانیہ میں وضع قوانین کے اتحاد میں خلل نہ ڈالا جائے البتہ گلیڈ اسٹون کی وزارت نے جن اصلاحی قوانین کی بنیاد ڈالی تھی، اس روش پر برابر عمل ہوتا رہے تاکہ اہل آئرستان کی جائز شکایتیں دور ہو جائیں اور پھر بہت ممکن ہے کہ وہ اسکاٹ لینڈ کی طرح اتحاد کو خوشی سے قبول کر لیں۔ اسی بنا پر یہ قلیل التعداد گروہ آیندہ "آزاد خیال اتحادی" کہلایا تاکہ گلیڈ اسٹون کے متبعین میں اور ان میں امتیاز رہے۔

دیس راج کا پہلا قانون

ہر شخص جانتا تھا کہ دیس راج کی تجاویز مرتب کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ پیش آئے گی کہ آیا اہل آئرستان کو

برطانی پارلیمنٹ میں نشست کا حق دیا جائے یا نہیں، سب کو بڑی فکر تھی کہ دیکھیے گلیڈسٹون اس مسئلے کو کس طرح حل کرتا ہے۔ اس کی تجاویز پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ ڈبلن میں ایک مجلس وضع قوانین قائم کرنا چاہتا ہے جس کا صرف آئرستان کے معاملات سے تعلق ہو۔ اس مجلس کے دو شعبے تجویز کیے گئے تھے۔ ایک وہ جس میں مالکانِ مکان کے مبعوث ہوں اور دوسرے میں ایسے سرمایہ داروں کے جو کم سے کم ۲۵ پاؤنڈ مالگزاری ادا کرتے ہوں۔ مجلس کو کسی مذہبی جمعیت کے قیام یا دینی قیود بڑھانے کا اختیار نہ تھا۔ اسے پولس کے جوان بھرتی کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ رہی برطانی پارلیمنٹ کی نیابت، اس میں گلیڈاسٹون کی تجویز تھی کہ اہل آئرستان اپنے حصے کا روپیہ تو ادا کریں لیکن شاہی پارلیمنٹ میں ان کو نشست کا حق حاصل نہ ہو۔ یہ مسودۂ قانون پیش کرتے وقت گلیڈاسٹون نے برطانی قوم سے پرزور التجا کی کہ وہ آئرستان کی جماعت کثیر کی درخواست قبول کریں۔ اور اپنی تجاویز کی نسبت یقین ظاہر کیا کہ ان سے دونوں ملکوں کے تعلقات خوشگوار ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ چند روز بعد اس نے خریدِ اراضی کی ایک تجویز بھی پیش کی جس کا منشا یہ تھا کہ لارڈ ایشبورن کے قانون کے مطابق حکومت آئرستان کو تقاوی کی غرض سے ۵ کروڑ پاؤنڈ بطور قرض دیے جائیں۔ لیکن اس کی سعی و التجا کے باوجود خود وہ لوگ بھی جو اصولاً دیس راج کے حامی تھے گلیڈاسٹون کے مجوزہ قانون کی سخت نکتہ چینی کرتے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آئرستان کے ارکان کو شاہی پارلیمنٹ سے الگ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ملک از خود برطانیہ سے علیحدہ ہو جائے گا اور دوسرے اس آئینی اصول کی خلاف ورزی ہوگی کہ جو لوگ محصول ادا کریں ان کو سرکاری مصارف کے معاملے میں رائے کا حق ملنا چاہیے۔ انتہا پسند فرقہ دو دو شعبوں کے قیام کے خلاف تھا۔ پروٹسٹنٹ اور دیس راج کے مخالفین چلاتے تھے کہ ہمارے حقوق کی کافی حفاظت نہیں کی گئی۔ دیس راجی مختلف قیود و شرائط کو غیر ضروری اور آئرستانی اکثریت کی اہانت کا موجب سمجھتے تھے۔ خریدِ اراضی کی جدید تجاویز کی بھی شدید نکتہ چینی کی گئی۔ خصوصاً اس بنا پر کہ اس رقم کثیر کی ادائی کا قابل اطمینان انتظام نہیں بنایا گیا تھا۔ مخالفت کا یہ ہنگامہ دیکھ کر گلیڈاسٹون کو ماننا پڑا کہ اگر اس کا مسودۂ قانون

باب ہشتم

اصولاً قبول کر لیا جائے تو مجلسِ ذیلی میں وہ اس میں بہت کچھ ردّ و بدل کر دے گا۔ بریں ہمہ یہ مسودۂ قانون دوسری خواندگی پر ۳۱۱ کے مقابلے میں ۳۴۳ آرا سے نامنظور ہوا۔ ۹۳ آزاد خیال بھی اسی اکثریت میں شامل تھے؛ اس پر گلیڈاسٹون نے ملک سے فیصلہ چاہا اور ایک پرجوش اعلان شائع کیا کہ میرے مخالفین فرقہ پرست یا ان کے دست نگر لوگ ہیں اور میرے رفیق وطن کے جذبۂ حق شناسی کی حمایت کر رہے ہیں؛ بخلاف اس کے سالسبری نے یہ کہکر لوگوں کو اپنی طرفداری پر آمادہ کیا کہ "آئرستان کو حکومت کی ضرورت ہے۔ حکومت بھی ایسی جو کسی سے نہ دبے اور نہ اس میں تبدیلی واقع ہو۔ اس حکومت کو محض ویسٹ منسٹر میں شور مچا کر آئرستان والے مرعوب نہ کر سکیں اور نہ حکومت کے گروہ کی رائے بدلنے سے اس کے مزاج اور ارادوں میں تغیر آئے۔" آزاد خیال اتحادی دیس راج کے اصولی مسئلے میں تو قدامت پسندوں کے ہمنوا تھے لیکن زور دیتے تھے کہ اہل آئرستان کی شکایات دُور کرنے کا کام برابر جاری رہے۔ غرض انتخابات کے وقت عام ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ نتیجے میں گلیڈاسٹون کو شکست ہوئی اور اس کے ساتھی آزاد خیال صرف ۱۹۱ منتخب ہوئے۔ اتحادیوں کی تعداد ۷۸، آئرستان کے دیس راجیوں کی ۸۵ اور ان کے مقابلے میں قدامت پسندوں کی تعداد ۳۱۶ تھی۔

سالسبری کی دوسری وزارت

اب گلیڈاسٹون کو مستعفی ہونا پڑا۔ شروع میں مخلوط وزارت قائم کیے جانے کی بھی بات چیت رہی جس میں قدامت پسندوں کے ساتھ اتحادی بھی شامل ہوں لیکن آخر میں خالص قدامت پسندوں ہی کی وزارت مرتب ہوئی جس کا وزیر اعظم سالسبری اور وزیر مالیہ اور دار العوام کا سرگروہ لارڈ رنڈولف چرچل تھا۔ لیکن یہ انتظام زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔ سال ختم ہونے سے پہلے چرچل یہ دیکھکر کہ برّی اور بحری فوجی مصارف کی تخفیف میں اس کی رائے نہیں چلنے پاتی، عہدے سے الگ ہو گیا۔ اس کی جگہ گوشن مقرر ہوا جو گلیڈاسٹون کے بعد اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر مالیات سمجھا جاتا تھا اور خود گلیڈاسٹون کی وزارت (۱۸۶۸ء تا ۷۴) میں بھی شریک رہا تھا۔ حق رائے دہی

کو سہل تر بنانے کے متعلق وہ گلیڈ اسٹون کے خلاف تھا اس لئے گذشتہ وزارت میں نہیں لیا گیا؛ اسی کے ساتھ بالفور کو آئرستان کے صدر معتمد کی خدمت دی گئی۔

نئی وزارت کو طبعی طور پر سب سے زیادہ آئرستان کے معاملے پر توجہ کرنی پڑی۔ دیس راج کے حامیوں کو شکست ہوئی تو اہل آئرستان کے رنج و مایوسی کی وجہ سے ان پر حکومت کرنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ وطن پرست سرگروہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم موجودہ اتحاد کی حالت میں نظم و نسق کا قائم رہنا غیر ممکن بنا دیں گے؛ سب سے بڑھ کر یہ کہ گلیڈ اسٹون کا یہ قانون (مجریہ ۱۸۸۱ء) کہ لگان کی تشخیص سرکاری طور پر کی جائے؛ اپنے بُرے اثرات دکھانے لگا۔ یہ سرکاری یا عدالتی تشخیص پیداوار کی مقدار دیکھکر روپے کی صورت میں کی جاتی تھی۔ اور اس کے معنی یہ تھے کہ اگر پیداوار یا مویشی کی قیمت اگلے سال تک گھٹ کر آدھی رہ جائے تو کاشتکار کو دگنی پیداوار دینی پڑے۔ چونکہ اجناس کے نرخ برابر گھٹ رہے تھے اس لئے کاشتکاروں پر ان تشخیص کی ہوئی رقوم کا بار برابر بڑھتا گیا۔ جو لگان دو سال پہلے معقول معلوم ہوتا تھا؛ اب سراسر ناواجب ہو گیا اور جو پٹہ دار اس جدید قانون سے مستثنیٰ کر دیے گئے تھے ان کو بھی قدیم شرح کے مطابق روپیہ ادا کرنا مصیبت ہو گیا۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ گلیڈ اسٹون کی غلطی کی اصلاح کر دی جائے لیکن پارنیل نے ۱۸۸۵ء سے قبل کی شرح کم کرنے کی تجویز پیش کی تو وہ ۲۰۲ کے مقابلے میں ۲۹۷ آرا سے نامنظور کر دی گئی۔ اس کے جواب میں دیس راجیوں نے "طریق جنگ" کی یہ نئی صورت نکالی کہ کاشتکاروں سے جو رقم وہ ادا کر سکتے تھے؛ اسے زمینداروں کو دینے کی بجائے خود وصول کرتے اور اس سرمائے سے مالکانِ زمین کے خلاف جنگ و جدل جاری رکھتے تھے۔ اس کشاکش نے زمینداروں اور کسانوں میں سخت عداوت پیدا کر دی۔ ایک طرف دھڑا دھڑ بے دخلیاں کرائی جاتیں اور دوسری طرف سے طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب ہوتا۔ مصالحت کے تمام قرائن مٹ گئے؛ ادھر حکومت کو ملک کی ایسی خراب حالت دیکھکر اس بات کا حیلہ مل گیا کہ حکومت بلدی کے موعودہ قانون کو ملتوی کر دے جس پر آزاد خیال وحدت پسند برابر زور دیتے رہتے تھے اور ۱۸۸۶ء میں حکومت نے بھی وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال اسے پارلیمنٹ میں پیش کر دیا جائے گا۔ اس کی بجائے

وزرا نے قانونِ جرائم کا مسودہ پیش کیا۔ اس قسم کے پہلے قوانین چند سال کے لئے وضع ہوتے تھے اور وزرا کو یہ موقع بھی مل جاتا تھا کہ آئرستان والوں کی رائیں خرید نے کے لئے ان کی تجدید نہ کریں چنانچہ دونوں سیاسی گروہ اس ترغیب کا شکار ہو چکے تھے۔ مگر اب کے تجویز کی گئی کہ قانون دائمی ہو البتہ اس کا کسی ضلع میں نفاذ، والی آئرستان کے اعلان پر مبنی کر دیا جائے۔ اس کی خاص خاص دفعات وہ تھیں جن میں جوری کی مدد سے فیصلہ کرنے کو غیر ضروری قرار دیا تھا کیونکہ تجربے سے ثابت ہوا کہ اس طریق میں تاخیر کے علاوہ کسی بات کا یقین بھی نہیں ہو سکتا۔ لہذا انتظامی عمالِ فوجداری کو خاص خاص جرائم کا بطور خود سرسری فیصلہ کرنے کی اجازت دی گئی حتی مخفی تحقیقات اور بے لاگ جوری مہیا کرنے کی غرض سے تبدیلِ مقام بھی جائز کر دیا گیا تھا۔ ان تجاویز کی دیسی راجیوں اور گلیڈاسٹون کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور اس مخالفت نے اتنا طول کھینچا کہ مباحثے کا ایک وقت معین کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجوزہ قانون کی ۲۰ دفعات میں سے چودہ بغیر کسی مباحثے کے منظور ہو گئیں۔

اسی ہنگام میں آئرستان کی اراضی کا ایک اور قانون بھی نافذ کیا گیا۔ اگرچہ تھوڑے ہی دن پہلے پارنیل کی تجاویز رد کر دی گئی تھیں مگر حکومت کو یقین ہو گیا کہ گلیڈاسٹون کے قانون کی فوری ترمیم ضروری ہے۔ چنانچہ اول تو پٹہ دار جو ۱۸۸۱ء میں ہر قسم کی رعایت سے محروم رہے تھے، وحدت پسندوں کے اصرار سے قانون کے احاطے میں داخل کر لیے گئے۔ دوسرے ۱۸۸۶ء سے پہلے کی عدالتی شرح کی موجودہ نرخوں کے مطابق ترمیم کرائی گئی۔ اسی کے ساتھ کاشتکاروں کے زمین خریدنے میں مزید آسانیاں بہم پہنچائی گئیں۔ اس قانون سے نہایت عمدہ نتائج برآمد ہوئے اور اگر بقایا کی وصولی کا بھی پوری مستعدی سے انتظام کر دیا جاتا تو اور بھی فائدہ ہوتا۔ اجناس کی ارزانی اور کاشتکاروں کی سرکشی سے یہ بقایا بہت بڑھ گئے تھے اور نئے قانون نے بھی اس خرابی کا کوئی علاج نہیں کیا۔ ادھر بہت سے کاشتکار جو بے دخل ہو چکے تھے پچھلا لگان ادا کرنے پر تیار یا اس کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ غرض جدید قانون جو صلح کا پیام لایا تھا، وہ بھی ملک میں امن و آشتی قائم نہ کر سکا اور برطانی صدر معتمد (بالفور) اور آئرستانی عمائدین میں سخت مخالفت پیدا ہو گئی۔ ان میں سے اکثر افراد پر شورش و سازش کے

مقدمات قائم ہوئے اور مقامی عدالتوں نے انھیں قید کی سزائیں دیں؛ ۱۸۸۱ء میں ایشبورن کے قانون کے اصول پر ایک کروڑ پاؤنڈ کی مزید رقم تقاوی کے لئے منظور ہوئی۔ اگلے سال آئرستان کی صفائی اور پانی خارج کرنے کے واسطے روپیہ دیا گیا اور تجارت کی سہولت کے لئے ہلکی ریلیں تیار کرائی گئیں۔ اسی ۱۸۸۷ء میں اخبار ٹائمز میں چند قلمی خطوط کے عکس چھپے جو پارنیل وغیرہ آئرستانی اکابر کے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں لارڈ کےونڈش کے قتل پر اظہار پسندیدگی اور فورسٹر کے قتل کی ترغیب دی گئی تھی۔ تب دیس راجی فرقے کے مجرمین سے تعلقات کی پوری تحقیقات کے لئے

"پارنیل کمیشن"

پارلیمنٹ نے ایک خاص جماعت مقرر کی۔ دیس راجی اس کے سخت مخالف رہے اور آخر میں یہی ثابت ہوا کہ وہ خطوط جعلی تھے اور گو وطن پرستوں کے وسیع نظام کے بعض افراد جرم و بدعنوانی کرنے والوں سے میل رکھتے تھے، مگر پارلیمنٹ کے سرگروہ تمام الزامات سے بری نکلے۔ البتہ ۱۸۹۰ء کے اواخر میں اوشیا کے مقدمۂ طلاق میں پارنیل کے ذاتی چال چلن کے جو راز کھلے ان سے خود آئرستانی جماعت میں تفریق ہو گئی اور وطن پرستوں کی تعداد کثیر نے آیندہ پارنیل کی قیادت میں کام کرنے سے انکار کر دیا اور گلیڈاسٹون نے بھی ان لوگوں کو شہ دی۔ پھر بھی ایک قلیل مگر سرگرم جماعت اس کے ساتھ رہی اور ان دونوں گروہوں کے آپس ہی میں اس قدر جھگڑا ہوا کہ دیس راج کے مقاصد کو سخت نقصان پہنچا۔ ادھر بالفور کی حکومت میں آئرستان کی حالت مسلمہ طور پر بہتر ہو گئی، خواہ اس کا سبب کچھ ہی قرار دیا جائے۔ مگر اب بھی برطانی وزارت بلدی حکومت کا مسئلہ طے کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تاہم ۱۸۹۲ء میں محدود سے اختیارات کی مجالسِ ضلع بنانے کی تجویز پارلیمنٹ میں پیش ہوئی۔ اسے بھی قدامت پسند خصوصاً السٹر والے پسند نہ کرتے تھے اور ادھر وطن پرستوں نے اس کی تحقیر اور گلیڈاسٹونیوں نے سخت نکتہ چینی کی؛ لہذا یہ تجاویز واپس لے لی گئیں؛

برطانی قوانین

آئرستان کو چھوڑ کر، خود برطانیہ کے واسطے سالسبری کی وزارت میں بہت سے نئے قوانین وضع ہوئے اور اتحادیوں کی شرکت کے باعث ان کی نوعیت بھی یقیناً آزاد خیالی کا پہلو

باب ہشتم

لیے ہوئے تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۷ء میں تفویض اراضی کا قانون مرتب ہوا کہ سرکاری طور پر زمین خرید کر مستحقین کو دی جا سکے۔ کوئلے کی کانوں اور تجارتی نشانوں کے قانون وضع ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں گوشن نے ایک ایسی صورت تجویز کی کہ قومی قرضے کی شرح سود تین فیصدی کی بجائے پونے تین اور پھر ۲½ فیصدی رہ گئی اور اس سے بہت کچھ بچت ہوئی۔ ۱۸۸۹ء میں یہ خیالات پھیل گئے تھے کہ بیڑے پر ملک اتنا روپیہ خرچ نہیں کر رہا ہے جتنا کہ اس کی سلطنت اور تجارت کی وسعت کے لئے خرچ ہونا چاہیئے۔ لہٰذا دو کروڑ پندرہ لاکھ پاؤنڈ کی منظوری دی گئی کہ ستر نئے جنگی جہاز بنائے جائیں۔ ۱۸۹۰ء میں تعلیمات کا جدید دستور العمل شائع ہوا اور نتائج امتحان پر سرکاری امداد کی کمی بیشی کا طریقہ ترک کر کے مدرسے کی عام حالت کو اس کا معیار قرار دیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں انگلستان و ویلز میں چند شرطوں کے ساتھ ابتدائی تعلیم کو مفت کر دیا گیا۔ ۱۸۸۸ء میں سب سیاسی فرقوں کے اتفاق رائے سے یہ اہم قانون نافذ ہوا کہ اضلاع میں بھی انتخابی اصول پر بلدی حکومت قائم کی جائے یہ قانون ۱۸۳۵ء کے قانونِ بلدیات کے اصول پر مرتب ہوا، اور اس میں مجالس ضلع کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے "آلڈرمن" بھی منتخب کر دیں (دیکھو صفحہ ۹۰۱) ۱۸۹۰ء میں وہ رقم جو شراب کے محصول سے وصول اور اجازت ناموں کو منسوخ کرنے کی غرض سے مخصوص کی گئی تھی، انھی مجالس ضلع اور بلدیات کے حوالے کر دی گئی کہ وہ چاہیں تو اسے صنعتی اور وسطانی تعلیم میں صرف کریں۔

مستعمرات

سالسبری کے عہد وزارت کا ایک اور یادگار واقعہ یہ ہے کہ تمام نوآبادیوں کی ایک مجلس مشاورۃ لندن میں منعقد ہوئی کہ مشترکہ اغراض کے مسائل پر غور و بحث کی جائے۔

یہ حقیقت میں اس تغیر عظیم کا نتیجہ تھی جو اہل وطن کے نوآبادیوں کے متعلق خیالات میں پیدا ہوا تھا۔ جس وقت آسٹریلیا کو حکومت خود اختیاری کا حق ملا تو بہت سے برطانی مدبر توقع رکھتے تھے کہ اس کا نتیجہ کامل خود مختاری ہوگا اور جب نوآبادیاں ایسا اعلان کرنے کا وقت مناسب سمجھیں تو وطن مادری کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اس منشا کے مطابق ایک مسودۂ قانون بھی مرتب کر لیا گیا تھا اگرچہ پارلیمنٹ میں

باب ہشتم

پیش نہیں ہوا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خیالات بدلتے گئے۔ جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ آمد و رفت کی آسانی سے نوآبادیوں کے ساتھ ہماری تجارت میں اور خود نوآبادیوں کی باہمی تجارت میں بے اندازہ ترقی ہوئی۔ دوسرے ممالک متحدۂ امریکہ اور ممالک یورپ میں تائین تجارت کا اصول اختیار کر لیا گیا تھا اور تیسرا سبب یہ کہ اب شہنشاہی برطانیہ کے دنیا کی بہتری خصوصاً قیام امن کا واسطہ بن جانے کا بلند خیال دلوں میں پیدا ہو رہا تھا۔ نوآبادیوں کی قدر و قیمت اور اس سے بھی بڑھ کر تمام شہنشاہی کی مجموعی قدر و قیمت کا بہتر اندازہ کیا جانے لگا تھا اور سیاست شناسوں کی ایک تازہ جماعت تیار ہو گئی تھی جو قومی اتحاد کو بڑی چیز سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ شہنشاہی کی صیانت و سلامتی میں مطلق فرق نہ آئے۔ ان لوگوں میں "فارسٹر" انگلستان میں۔ سر جان میک ڈونلڈ "کناڈا میں۔ اور ہینری پارکس آسٹریلیا میں خاص طور پر ممتاز تھے۔ فارسٹر نے اپنے خیالات کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام لیا اور ۱۸۸۶ء میں وہ مرا تو لارڈ روزبری نے اس کی جگہ لی۔ ان ساعی کو پروفیسر جان سیلی کی معرکہ آرا کتاب (the Expansion of England) سے بڑی تقویت پہنچی۔ ۱۸۸۵ء میں نیو ساؤتھ ویلز کی نوآبادی نے ایک امدادی فوج سوآکین بھیجی۔ کناڈا کے ملاح نیل کی مہم میں انگریزوں کے ساتھ لگائے گئے۔ ۱۸۸۶ء میں ہندوستان اور نوآبادیوں کی ایک نمائش منعقد ہوئی جو بطور خود ان مقبوضات کی قدر و قیمت کا سبق تھی۔ ۱۸۸۷ء میں ملکۂ وکٹوریا کے پنجاہ سالہ عہد کی سلطنت کے ہر حصے میں دلی گرم جوشی سے خوشیاں منائی گئیں اور یہ سب اسباب مذکورۂ بالا تحریک کی تقویت کا موجب تھے۔ اسی پنجاہ سالہ جشن کے موقع سے وزیر مستعمرات اسٹین ہوپ نے فائدہ اٹھایا اور پہلی بین المستعمرات مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس کا دوسرا جلسہ کناڈا کے صدر مقام اوٹاوا میں (۱۸۹۴ء میں) منعقد ہوا۔

۱۸۸۹ء میں برطانی شرکت جنوبی افریقہ کو منشور شاہی عطا ہوا جو افریقہ کے معاملات میں بہت نتیجہ خیز کارروائی تھی۔ ملکۂ وکٹوریا کی تخت نشینی تک ہمیں افریقہ کے اندرونی علاقوں اور زمبیزی، کانگو بلکہ خود نیل کے بالائی حصوں کا قریب قریب کوئی علم نہ تھا۔ لیکن چند عالی حوصلہ

باب ہشتم

انگریزوں کی کوشش سے رفتہ رفتہ تمام اندرونی علاقوں کی کیفیت آئینہ ہوگئی اور ان کا اکثر حصہ بسانے کے قابل ثابت ہوا تو مختلف مقامات میں انگریزوں جرمنوں اور بلجیم والوں کی آبادیاں بس گئیں۔ جنوبی افریقہ کی شرکت بھی ایک نامور انگریز سیسل رھوڈس کی رہین منت تھی جو کیپ کالونی کا مدار المہام بھی ہوگیا تھا۔ اس کی مستعدی نے اپنی زندگی ہی میں کمپنی کو اندر دور تک پہنچا دیا اور راس امید سے لیکر تانگانیکا جھیل کے کناروں تک انگریزوں کا نفوذ ہوگیا۔ دوسری طرف مشرقی افریقہ کی کمپنی نے زنجبار سے بڑھنا شروع کیا اور برٹن، اسپیک اور گرانٹ کے دریافت کردہ علاقوں پر قبضہ کرلیا اس کے مقبوضات وکٹوریا نیانزا تک وسیع ہوگئے اور ریل کے بن جانے سے امید ہے کہ برطانی محنت وسعی ان بیش بہا علاقوں میں تجارت وآبادکاری کے وسائل بہم پہنچا لیگی۔

معاملات خارجہ

سالسبری کے زمانے میں معاملات خارجہ میں بہت خاموشی رہی۔ جرمانیا، آسٹریا اور اطالیا میں اقدامی اور دفاعی اتحاد ہوجانے سے قیام امن کو بظاہر فائدہ پہنچا۔ بلغاریا اور سرویا کے ساتھ جو لڑائی چھڑی غنیمت ہے کہ اسے ممالک یورپ تک پھیل جانے سے روک لیا گیا۔ باقی ہندوستان اور مستعمرات میں کامل امن کا دور دورہ رہا۔ برطانیہ مصر پر ابھی تک قابض تھی اور وہاں کے نظام حکومت کی غیر معمولی پیچیدگیوں کے باوجود، انگریز عہدہ داروں نے مصری فوج، مالیات، عدالت اور ملک کی فلاح وبہبود کے جو کام انجام دیے، وہ ان کے ہموطنوں کی نظر میں باعث ناز ہوگئے ہیں۔

دیسی راجی فرقے میں پھوٹ پڑگئی۔ دوسرے آئرستانی کسانوں کی حالت اب بہتر بنادی گئی تھی۔ یوں بھی سالسبری کے بہت سے نئے قوانین ملک میں مقبول عام تھے، لہذا آزاد خیال فرقے کو اپنی آیندہ کامیابی کے لئے نئی تدبیر سوچنی پڑی۔

لہ۔ ان میں از یم بزی کے لیے، لونگ اسٹون۔ وادی نیل کے لئے، برٹن، اسپیک، گرانٹ اور بیکر۔ اور کانگو کے لئے اسٹینلی کی سعی ہمیشہ یادگار رہے گی۔

باب ششم

گلیڈاسٹون کو یقین تھا کہ "چڑھتی موج کا رُخ میرے ساتھ ہے" لیکن بعض قابل ترین ساتھی کہتے تھے کہ محض "دیس راج" کا نعرہ ملک کو ہمنوا بنانے کے لئے ہرگز کافی نہ ہوگا غرض ایک اور اعلان تیار کیا گیا جو "نیوکاسل کا نظام العمل" کہلاتا ہے اور اس میں گلیڈاسٹونی گروہ کے تمام منصوبے قلم بند کیے گئے۔ اس میں آئرستان کے لئے دیس راج، لندن کی مجلس ضلع کے لئے مزید اختیارات، ہر ضلعے اور کلیسائی حلقے میں انتخابی مجلسوں کا قیام، ویلز کے اسقفی نظام کا توڑا جانا، دارالامراء کی درستی یا شکستگی، ارکان پارلیمنٹ کا معاوضہ، فی کس ایک رائے وغیرہ بہت سی تجویزیں درج تھیں۔ آیندہ انتخابات (۱۸۹۲ء) میں ان سب تجاویز کو عمل میں لانے پر زور دیا گیا۔ اتحادی آئرستان کے ساتھ مجلسی اتحاد اور سالسبری کی داخلی اور خارجی حکمت عملی کی کامیابی پر زور دیتے تھے لیکن آخر میں گلیڈاسٹون کو چالیس ارکان کی اکثریت حاصل ہوگئی۔ جس میں پارنیل کے ساتھی اور مخالف دونوں شامل تھے۔ قدامت پسند ارکان کی تعداد ۲۶۹ اور اتحادیوں کی ۴۶ تھی۔ پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا تو ایس کوئتھ نے حکومت پر عدم اعتماد کی تحریک پیش کی اور ۳۱۰ کے مقابلے میں ۳۵۰ آرا سے منظور کرالی۔ سالسبری مستعفی ہوگیا اور گلیڈاسٹون دوبارہ وزیراعظم ہوا۔ اس مرتبہ لارڈ روزبری وزیر خارجہ، ایس کوئتھ وزیر داخلہ، سر ولیم ہارکورٹ وزیر مالیہ اور جان مورلے آئرستان کا صدر معتمد مقرر ہوئے۔

دیس راج اور دوسرے قوانین

آئرستان میں دیس راج کی تجاویز بہت جلد پیش کر دی گئیں۔ ان میں اور ۱۸۸۶ء کے مسودے میں بڑا فرق صرف یہ تھا کہ آئرستان کے مبعوثین کو برطانی پارلیمنٹ سے خارج کرنے کی بجائے شریک ہونے کی اجازت دی گئی تھی گروہ صرف عام شہنشاہی معاملات میں رائے دے سکتے تھے۔ یہ تجویز سن کر خود گلیڈاسٹون کے متبعین میں بہت اختلاف پیدا ہوا کیونکہ اوّل تو اس طریقے سے پارلیمنٹ کے کاموں میں بڑی بے ربطی واقع ہوتی دوسرے اسی قسم کی ایک تجویز کی ۱۸۸۶ء میں لارڈ روزبری سخت مذمت کر چکا تھا۔ آخر گلیڈاسٹون کو اپنی رائے بدلنی اور یہ تجویز قبول کرنی پڑی کہ آئرستان کے ۸۰ مبعوث برطانی پارلیمنٹ میں شریک ہوں

اور نہ صرف بیرونی۔ بلکہ خود اسکاٹ لینڈ اور انگلستان کے معاملات میں اسی طرح حصہ لیں جیسے برطانیہ کے دوسرے مبعوث۔ یہ تجویز ۳۰۰ کے مقابلے میں ۳۲۷ آرا سے داخل قانون کی گئی اور پھر پورے بیاسی دن کے بحث مباحثے کے بعد مسودۂ قانون دارالعوام میں منظور ہوا۔ لیکن دارالامرا میں دوسری خواندگی کے موقع پر اسے ۴۱ کے مقابلے میں ۴۱۹ آرا سے مسترد کر دیا گیا۔

اب حکومت کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو پارلیمنٹ کو برخاست کر دیں جیسا کہ لارڈ گرے نے ۱۸۳۲ء میں کیا تھا اور یا نیوکاسل پروگرام کی دوسری تجاویز کو بروئے کار لائیں۔ یہی صورت انھوں نے پسند کی اور انھی گرمیوں میں مجالس حلقہ کا قانون منظور کرایا جو دیہاتی علاقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا۔ اس کی رو سے بڑے حلقوں میں مجالس حلقہ اور چھوٹے حلقوں میں پنچایتیں قائم ہوئیں۔ مجالس تعلقہ اور مجالس حلقہ کے بیچ میں ہر پرگنے یا ذیل میں بھی مجلسیں بنا دی گئیں جس سے مقامی حکومت کی ازسرنو تشکیل اور قانون اصلاحات مجریہ ۱۸۳۲ء، قانون بلدیات ۱۸۳۵ء اور قانون قیام مجالس تعلقہ ۱۸۸۹ء کی تکمیل ہوگئی۔ یہ حقیقت میں برطانیہ کی دیہاتی زندگی میں ایک انقلاب انگیز تبدیلی تھی اور اس کے اچھے اور برے' دونوں قسم کے اثرات کے ظہور میں ابھی ایک مدت درکار ہے۔

اس قانون کے علاوہ حکومت آجروں کی ذمہ داریوں کا ایک قانون نافذ کرنا چاہتی تھی مگر دارالامرا کی طرف سے اس میں ایک دفعہ کا اضافہ تجویز کیا گیا جس سے مزدوروں کے ہر گروہ کو خود اپنی "انجمن بیمہ" قائم کرنے کی اجازت مل جاتی بشرطیکہ محکمۂ تجارت اس کی توثیق کر دے۔ اس دفعہ کو حکومت نے قبول نہ کیا اور یہ مسودۂ قانون ہی ترک کر دیا۔ تجارت شراب کا ایک قانون بھی پیش ہوا تھا کہ عام آرا سے کسی محدود رقبے میں شراب نوشی کا قطعی انسداد کیا جا سکے۔ مگر اس کی دوسری خواندگی نہ ہوئی۔ اور ۱۸۹۴ء کے موسم بہار میں خود گلیڈ اسٹون مستعفی ہوگیا۔ اس کی عمر پچاسی برس کی ہوگئی تھی اور ۱۸۳۲ء سے اب تک برابر پارلیمنٹ کا رکن رہا تھا۔ اب اس نے سیاسیات سے کنارہ کشی کا فیصلہ کیا

اور روزبری نے اس کی جگہ لی۔ دوسرے وزرا قریب قریب سب وہی رہے جو پہلے تھے؛ یوں بھی حکومت کی حکمت عملی وہی رہی کہ فی الوقت دلیس راج کو چھوڑ کر صرف برطانیہ کے مسائل پر توجہ اور جدید قوانین وضع کئے جاتے رہے۔ اس سال کا بڑا کارنامہ ولیم ہارکورٹ کا پیش کردہ موازنہ تھا جس میں آمدنی کے تدریجی محصول کے عوض میں رسوم موتی کو بہت کچھ بڑھا دیا گیا؛ ۱۸۹۵ء میں حکومت کی طرف سے دو قابل ذکر تجاویز پیش ہوئیں جن میں ایک تو ویلز کے اسقفی نظام کو موقوف کرنے کے متعلق تھی اور دوسری انسداد شراب نوشی کے متعلق۔ ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ ایک قرارداد پیش کی جائے گی کہ دارالامرا کو دارالعوام کے منظور کردہ قوانین کے مسترد کرنے کا حق کس قدر نامناسب ہے۔ مگر اس تمام زمانے میں حکومت کی اکثریت برابر کم ہوتی جاتی تھی۔ پارنیل کے نو رفیق اسی وقت سے حکومت کے خلاف رائے دے رہے تھے جب سے دیس راج کا مسئلہ معرض التوا میں پڑا۔ ضمنی انتخابات میں بھی کئی نشستیں ہاتھ سے نکل گئیں حتیٰ کہ جون ۱۸۹۵ء میں ان کی اکثریت کا اوسط صرف دس رہ گیا۔ چنانچہ ایک موقع پر فوج کے انتظامات کے متعلق ان کی تجویز سات کی اکثریت سے نامنظور ہوئی اور وزرا نے فوراً استعفیٰ داخل کر دیا۔

سالسبری کی وزارت

روزبری کی بجائے سالسبری وزیراعظم مقرر ہوا۔ اس وزارت میں قدامت پسندوں کے علاوہ آزاد خیال وحدت پسند افراد بھی شامل تھے۔ وزارت خارجہ کا عہدہ خود سالسبری کے پاس رہا۔ بلیفر صدرامیر خزانہ اور دارالعوام کا سرگروہ مقرر ہوا۔ امیر کبیر ڈیون شر (سابقہ لارڈ ہارٹنگ ٹن) صدر امیر مجلس گوشن، صدر امیر بحریات، چیمبرلین، وزیر مستعمرات۔ اور ہنری جیمس (جسے اب لارڈ جیمس اوف ہیریفرڈ کا خطاب مل گیا تھا) امارت لینکاسٹر کا صدرالمہام بنایا گیا۔ سیاسی فریقین کی تعداد قریب قریب مساوی تھی اور کارگر نظم و نسق کے لئے جدید انتخاب ضروری تھا لہٰذا وزارت نے ملک سے فیصلہ چاہنے کا اعلان کیا۔

نئے انتخابات میں گلیڈ اسٹون فرقے نے رائے دہندوں سے درخواست کی کہ اُسے آئرستان میں دیسی راج اور "نیوکاسل پروگرام" کی دوسری اصلاحات نافذ کرنے کا موقع دیا جائے۔ دوسری طرف اتحادیوں کے مقاصد وہ تھے جو بیلفر نے مانچسٹر کے رائے دہندوں کے نام اپنے خطبے میں بیان کئے۔ مزدوروں کی سکونت کا بہتر انتظام۔ معافی کی اراضی کا اضافہ۔ بوڑھے مساکین کی امداد و دستگیری۔ کاشت کو ترقی دینے کے بعد کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت۔ مدارس مطوّعہ کا قیام و بقا۔ برطانی مصنوعات کے واسطے نئی منڈیوں کا انتظام وغیرہ اصلاحات ان مقاصد میں شامل تھیں۔ اسی گروہ کو اکثریت حاصل ہوئی یعنی ۷۱ آزاد خیال اتحادی اور ۳۴۰ قدامت پسند منتخب ہوئے۔ برطانی دیسی راجی ۱۷۷۔ پارنیلی ۱۲، اور پارنیل کے مخالفین دیسی راجی ۷۰ کامیاب ہوئے۔ پوری نوّے نشستیں جو پہلے گلیڈ اسٹونی فرقے کے قبضے میں تھیں، اتحادی یا قدامت پسندوں کے ہاتھ آئیں۔ ہارنے والے آزاد خیالوں میں مورلے ہارکورٹ اور دو اور وزیر بھی تھے۔ غرض سالسبری کو ۱۵۲ کی وہ اکثریت حاصل ہوئی جو ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹ کے وقت سے کسی وزارت کو میسّر نہ آئی تھی۔

جو مقاصد بیلفر نے بیان کئے تھے، حقیقت میں ان سے کہیں زیادہ مسائل حکومت کو طے کرنے تھے۔ ان میں ایسے اہم اور ہمہ گیر سوال بھی تھے کہ شہنشاہی برطانیہ کی آئندہ تنظیم کس طرح کی جائے، جو روزبری کے الفاظ میں "فلاح کا اتنا بڑا دنیاوی وسیلہ بن گئی تھی کہ اس سے بزرگ تر وسیلہ نوعِ انسان کے علم میں نہ آیا تھا"۔ ایک اور اہم مسئلہ یہ تھا کہ ۱۸۷۳ء کے تغیرات سے تجارت میں جو بے ربطی پیدا ہوئی، اسے کیونکر دور کیا جائے۔ ملکی معاملات میں، ایسی حکومت خود اختیاری کا مسئلہ بھی شامل تھا جس میں آئرستان و برطانیہ دونوں کے فائدے کی صورت ہو۔ تعلیمات عامّہ۔ کلیسا اور مملکت کا تعلق۔ آجر و اجیر کے باہمی تعلقات کے پیچیدہ مسائل۔ معاشرت کی تنظیم کا وہ طریقہ جو عوام کی مادی اور اخلاقی سود و بہبود کا بہترین ذریعہ ثابت ہو اور اسی طرح کے بہت سے مہمات اور حکومت کے سامنے تھے۔ نئی پارلیمنٹ کا اگست ۹۵ء میں اجلاس ہوا اور پھر وہ ستمبر تک

ملتوی کردی گئی۔ مگر انھی چند روز میں کئی ایسے واقعات رونما ہوئے کہ نئی وزارت کو ان پر فوری توجہ مبذول کرنی پڑی۔ یہ چترال (شمالی مغربی ہندوستان) اور اشانتی کے قضیے تھے اور اسی طرح سال ختم ہونے سے قبل وینی زوئلا اور جنوبی افریقہ کی گتھیوں کو سلجھانا پڑا۔

چترال و اشانتی

ان میں سب سے پہلے سالسبری کی وزارت کو ہندوستان کے معاملات سے سابقہ پڑا جہاں شمالی مغربی سرحد پر کئی سال امن رہنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں چترال میں خانہ جنگی پھوٹ پڑی اور انگریزی فوج روانہ کی گئی۔ اگست میں سالسبری نے اعلان کیا کہ چترال پر انگریزی فوجیں مستقل قبضہ کر لیں گی۔

ایسی ہی کامیابی مغربی افریقہ کی مہم میں ہوئی۔ چیمبرلین کے وزیر مستعمرات ہوتے ہی ظاہر ہو گیا کہ برطانیہ اپنی نوآبادیوں کو زیادہ مضبوطی کے ساتھ رہنے سے وابستہ رکھنے کے درپے ہے۔ ۱۸۹۵ء تک وزارت مستعمرات کے طریقوں کو "جامد" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا مگر یہ "روایات" چیمبرلین نے آتے ہی کوڑے کی طرح صاف کر دیں اور آیندہ سے یہ محکمہ حکومت کا سب سے زیادہ کارکن جزو سمجھا جانے لگا۔ مغربی افریقہ کے شاہی مفتوحات پر پورا قبضہ جمانے کی غرض سے ۹۵ء کے جاڑوں میں ریاست اشانتی پر فوج کشی کی گئی اور بتاریخ ۱۸ جنوری ۱۸۹۶ء اس کا صدر مقام کماسی فتح کر کے، وہاں کے بادشاہ پریم پیا کو معزول کر دیا گیا۔

۱۸۹۵ء کے ختم ہونے سے قبل جنوبی افریقہ میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے اور ادھر جنوبی امریکہ میں گی آنا اور وینی زوئلا کی سرحد کے متعلق کئی بار ایسا معلوم ہوا کہ برطانیہ کی امریکہ سے جنگ ہوا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رئیس جمہوریہ کلیولینڈ نے ۱۷ دسمبر کو مجلس ولایات امریکہ میں بیان کیا کہ برطانیہ اصول منرو کی خلاف ورزی کر رہی ہے اور اس غیر معمولی کارروائی سے یہ مسئلہ جو آخر کار برطانیہ کے دعاوی کے مطابق فیصل ہوا، کافی مخدوش بن گیا۔ اس بیان سے تجارتی دنیا میں کھلبلی پڑ گئی تھی جو صرف سالسبری کے سکون اور مستقل مزاجی سے دفع ہوئی۔ پھر جب ولایات متحدہ کی طرف سے ماہرین حدود مقرر ہوئے

باب ہشتم

اور تمام معاملات کی تنقیح ہو چکی تو یہ مقدمہ ثالثی میں پیش ہوا جن میں دو پنچ انگریز، دو امریکی اور سر پنچ ایک روسی قانون داں، پروفیسر ڈی مارٹنز تھا۔ ثالثی کا اجلاس جون ۱۸۹۹ء میں بمقام پیرس ہوا اور اس نے اکتوبر میں برطانیہ کے دعاوی کے موافق فیصلہ صادر کر دیا۔

جنوبی افریقہ

جس زمانے میں برطانیہ اور امریکہ والے وینی زوئلا کے قضیے میں الجھے ہوئے تھے۔ جنوبی افریقہ کے واقعات نے بھی سالسبری کی وزارت کو کافی فکرمند کر دیا۔ ۱۸۹۴ء میں جنوبی افریقہ کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ یہ سمجھا گیا ہے کہ برطانیہ نے سوازی لینڈ اور سمندر کے درمیان کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور ٹرانسوال کے رئیس جمہوریہ کروگر کو اپنی ریاست کے لئے کوئی بندرگاہ حاصل کرنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ یہ الحاق گلیڈ اسٹون کی وزارت کے وقت میں ہوا جب کہ لارڈ رپن وزیر مستعمرات تھا اور نیز اسی زمانے میں جب کہ پہاڑی علاقے کی غیر بوئر آبادی طرح طرح کی شکایتیں پیش کر کے شور مچا رہی تھی کہ ان کا تدارک کیا جائے؛ لارڈ رپن نے اکتوبر ۱۸۹۴ء میں کروگر سے یوئٹ لینڈ کے باشندوں کے متعلق تقاضا بھی کیا کہ ان کی سیاسی حالت کو بہتر بنانے پر توجہ کی جائے اور رپن کے جانشین، چیمبرلین نے بھی یہ کوشش جاری رکھی۔ ۱۸۹۵ء میں پرتگالی بندرگاہ ڈلاگوا اور پریٹوریا کے درمیان ریل جاری ہوئی تو بوئروں کا تسلط اور بھی قوی ہو گیا مگر اس سے بھی یوئٹ لینڈ کے ستر ہزار باشندوں میں مخالفت کا جوش بڑھا اور وہ تل گئے کہ بوئر سرمایہ داروں کی خصوصی حکومت کا جو ترقی اور حسن انتظام سے عاری تھی، خاتمہ کر دیا جائے۔

وینی زوئلا کی پیچیدگی کی وجہ سے کچھ روز تو ٹرانسوال کی طرف توجہ نہ ہو سکی لیکن یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو لندن میں یہ خبر سن کر لوگ چونک پڑے کہ رھوڈیشیا کا مشہور ناظم، ڈاکٹر جیمسن برطانی سپاہ کے کئی وظیفہ یاب سرداروں اور کئی سو سواروں کو لیکر میف کنگ سے ۲۹ دسمبر کے دن روانہ ہوا اور ٹرانسوال کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ جوہانس برگ میں یوئٹ لینڈ

والوں سے جاملے اور کروگر کو ان کے مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور کرے۔ کیپ کالونی کا مدارالمہام، سیسل رھوڈس، ڈاکٹر جیمس کی تیاریوں سے پوری طرح باخبر تھا اور اپنے خاص خاص رفیقوں سمیت گذشتہ گرمیوں ہی میں یہ باور کر چکا تھا کہ کروگر ٹرانسوال میں ممالکِ غیر سے بھی دخل دلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چونکہ رھوڈس جنوبی افریقہ کی تمام ریاستوں اور صوبوں کو برطانی پرچم کے ماتحت متحد کرنے کا آرزومند تھا، لہٰذا اس نے اپنے بھائی کرنل فرینک رھوڈس کو بھی جوہانس برگ میں فوج کی قیادت کرنے کی غرض سے بھیج دیا کہ مذکورۂ بالا منشا جیسر عمل میں آجائے۔

جیمس کی یورش

مگر قبل اس کے کہ جوہانس برگ میں تیاری مکمل ہو، ڈاکٹر جیمس کی بے صبری نے سارا کام خراب کر دیا کہ اصلاحات چاہنے والے رکنے کی تاکید ہی کرتے رہ گئے اور وہ دوڑ پڑا۔ دوسری جنوری (۱۸۹۶ء) کے دن وہ کروگرزڈورپ پہنچ گیا تھا مگر جوہانس برگ کی طرف سے کوئی کمک نہ آئی اور جنرل کرونجی کی قیادت میں دو ہزار کے قریب بوئروں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کوئی پچیس آدمی مارے گئے تھے کہ جیمس کی مختصر جمعیت نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ ایک عرصے تک تشویش و تذبذب رہا اور اس دوران میں صدر ناظم سرہرکیولیس روبن سن پریٹوریا بھی آیا۔ اور بالآخر یہ چھاپا مارنے والے انگلستان بھیج دیے گئے اور ڈاکٹر جیمس اور پانچ فوجی سرداروں کو قید کی سزا ملی۔ اُدھر جوہانس برگ کی "جماعتِ اصلاح" پر سخت جرمانہ کیا گیا اور حکومتِ ٹرانس وال نے سلطنت برطانیہ کے حکام سے مطالبہ کیا کہ مالی نقصانات اور نیز اخلاقی اور دماغی تکلیف کا "تاوان برطانیہ ادا کرے"۔

سیسل رھوڈس، جنوری (۱۸۹۶ء) کو کیپ کالونی کی مدارالمہامی سے مستعفی ہو گیا تھا۔ وہ ایک مجلسِ تفتیش کے روبرو پیش ہوا جس میں سرہنری کیمپبل بیزمین وغیرہ چار اشخاص شامل تھے۔ اہلِ تفتیش نے رھوڈس اور دوسرے اشخاص کے اظہار لیے اور ۱۸۹۷ء میں اس کے طرزِ عمل کو قابلِ ملامت قرار دیا۔ حقیقت میں یورش کے نتائج بہت ناگوار برآمد ہوئے۔

باب ششم

قیصر جرمانیا (ولیم) نے ۳ر جنوری کے دن کروگر کے نام مبارک باد کا تار بھیجا اور اس پر انگریزوں نے ایک تیز تور و بہت بڑا مجمع کر لیا اور ان واقعات سے برطانیہ اور جرمانیا کے تعلقات میں ایسی کشیدگی پیدا ہوئی کہ بہت روز تک صفائی نہ ہو سکی۔ دوسرے خود بوئروں کو کامل یقین رہا کہ انگریزی حکومت کے بعض افراد اس یورش کی تیاریوں سے بخوبی آگاہ تھے اور چاہتے تھے کہ وہ کامیاب ہو۔ اسی بنا پر بوئروں نے بھی آئندہ حملوں کے سدباب کی غرض سے فوجی تیاریاں شروع کیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ آگے چل کر ان کی حکومت بالکل خود مختار ہو جائے۔

ارمنی مقاتل

۱۸۹۲ء میں ایشیائے کوچک میں ارمنوں کے بار بار قتل عام ہوئے جن کا سلسلہ درحقیقت اشتلاع سا سون سے ۱۸۹۴ء میں شروع ہوا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں تخمینہ کیا گیا کہ اسی ہزار (ارمن) مارے گئے۔ ۱۸۹۵ء ہی میں برطانیہ، فرانس اور روس نے باب عالی سے احتجاج کیا تھا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اگست ۱۸۹۶ء میں چند ارمنوں نے استنبول کے عثمانی بینک پر قبضہ کر لیا تو پھر ان کے قتل عام کی نوبت آئی جس میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً چار ہزار ارمن اسی شہر کے اندر مارے گئے۔ چونکہ روس زبردستی کرنے اور "ارمینیا" میں ایک اور بلغاریا تیار کرنے پر آمادہ نہ تھے، پس دوسری دول بھی کوئی کارروائی نہ کر سکیں اور سالسبری نے قدامت پسندوں کی جانب سے نیز روز بری آزاد خیال فرقے کی طرف سے تنہا مداخلت کی روش کی تائید کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن روز بری نے اپنے سیاسی گروہ کے اکثر افراد کو ہمنوا نہ پایا تو اس کی قیادت سے استعفیٰ دے دیا اور لارڈ اسپینسر آزاد خیال گروہ کا سرگروہ ہو گیا۔ کہیں ۱۹۱۸ء میں جا کر ارمینیا کو کچھ سیاسی اصلاحات نصیب ہوئیں۔

جن دنوں ایشیائے کوچک اور استنبول میں یہ ہنگامے ہو رہے تھے، جزیرہ کریٹ میں بھی بڑا جوش و خروش پیدا ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں ترکی حکومت سے بغاوت برپا ہو گئی اور اس سے طرح طرح کے برے نتیجے نکلے۔ یونان والوں نے کریٹ کے باغیوں کی حمایت کی اور ۱۸۹۷ء کی اپریل و مئی میں ترکوں سے جنگ چھڑ گئی۔

یونانیوں کو کامل شکست نصیب ہوئی۔ یورپ کی سلطنتوں نے فوجی دستے بھیج کر کریٹ پر قبضہ کر لیا تھا مگر امن قائم رکھنے میں بہت دشواریاں تھیں آئیں شہر کانڈیا میں مسلمانوں نے انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ تب برطانیہ کی طرف سے سلطان کو جنگ کا پیام دیا گیا۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں ترکی فوج جزیرے سے واپس بلالی گئی اور دسمبر میں یونان کا شہزادہ جارج، دول یورپ کی طرف سے کریٹ کا صدر ناظم مقرر ہو گیا۔

اس عرصے میں انگلستان کے لوگ زیادہ تر خانگی اور ستعمراتی مسائل میں لگے رہے جو ملکہ کی شصت سالہ سالگرہ کے سلسلے میں نمایاں ہو گئے تھے۔ ۲۰ جون ۱۸۹۷ء کو ملکہ وکٹوریا کی بادشاہی کے ساٹھ برس پورے ہوئے اور تاریخ ۲۲ جون سینٹ پال کے کلیسا میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ جشن سالگرہ کے موقع پر خود اختیار نو آبادیوں کے وزرائے عظمیٰ کو بھی لندن میں مدعو اور برطانیہ کے ساتھ ان کے رشتۂ مودت کو زیادہ مضبوط کیا گیا۔ ایک جلسۂ مشاورت میں شہنشاہی کی اندرونی تجارت اور جنگی مدافعت کے مسئلوں پر بحث ہوئی۔ کیپ کالونی کی طرف سے ایک جنگی جہاز نذر دیا گیا۔ اور وہ تجاویز بھی پیش ہوئیں جو اس صدی کے ابتدائی سنین میں محاصلِ ترجیحی کے لئے پیچ پیکار کا پیش خیمہ تھیں۔

۱۸۹۸ء

داخلی اور خارجی سیاسیات میں ۱۸۹۸ء کا سال یادگار ہے کہ اسی برس، مئی میں گلیڈاسٹون اور ۳۱ جولائی کے دن بسمارک نے وفات پائی۔ ان دونوں کی سوانح ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہیں، مگر ان دونوں نے اپنے اپنے ملک کی تاریخ میں گہرا نقش ڈالا۔ یہ دونوں مرنے سے قبل سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے مگر اتنے دن زندہ رہے کہ ان کی حکمت عملی کے خاص خاص اجزا ان کے جانشینوں نے یا ترک کر دیئے اور یا بالکل مخالف راستہ اختیار کیا۔ گلیڈاسٹون کی تدفین ۲۸ مئی کے روز ویسٹ منسٹر ایبی میں ہوئی۔

اپریل ۱۸۹۸ء میں چین سے جزیرہ وی ہئی وی کا پٹہ مل جانے کا اعلان ہوا۔ اسی مہینے اسپین اور ولایات متحدۂ امریکہ میں جنگ چھڑ گئی جس کا ظاہری سبب

کیوبا میں اسپین کی بدانتظامی تھا۔ اسپین کو ہر موقع پر شکست ہوئی اور کیوبا اور فلپائن کے جزیروں کو فاتحین کے حوالے کرنا پڑا اگر وہاں کی قزاقانہ لڑائیوں کی بدولت یہ علاقے آسانی سے قابو میں نہ آئے۔ اس جنگ میں یورپ کی بڑی سلطنتیں نمایاں طور پر اسپین کی حامی تھیں اور اگر لارڈ سالسبری اپنی رائے پر مستقل نہ رہتا تو ممکن تھا کہ امریکہ کے خلاف دول یورپ کا جتھا تیار ہو جاتا۔

مشرق اقصیٰ

اس عرصے میں چین میں چند بڑے بڑے واقعات پیش آئے۔ ۱۸۹۴ء میں ریاست کوریا کے بارے میں اس کی جاپان سے لڑائی چھڑی اور جاپانیوں نے ایک بحری اور ایک بری معرکہ جیت کر چینیوں کو کوریا سے نکال دیا اور نومبر میں وہاں کے مستحکم بحری مستقر پورٹ آرتھر پر قابض ہو گئے۔ دوسرے سال جاپانیوں نے وی ہی وی کے بحری مرکز اور جنگی مخزن پر بھی قبضہ کر لیا اور چین نے صلح کی استدعا کی۔ جاپان کا مطالبہ تھا کہ فارموسا اور جزیرہ نمائے لیوٹنگ (جس میں پورٹ آرتھر بھی شامل ہے) نیز نقد کثیر بطور تاوان دیا جائے لیکن روس، جرمانیا اور فرانس نے بیچ میں پڑ کر اسے جزیرہ نمائے مذکور کی بجائے زر نقد میں اضافہ کر دینے پر باول ناخواستہ آمادہ کیا۔ اس کے تین برس بعد خود یورپ کی سلطنتیں بے بس چین کی تکا بوٹی کرنے پر جمعیت پڑیں اور معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بھی وہی گزرے گی جو انیسویں صدی میں پولینڈ پر گزری تھی۔ چنانچہ منچوریا پر روسیوں نے سیاسی اور تجارتی اثر قائم کیا اور طے ہو گیا کہ وہ اپنی سائبریا کی ریل کا سلسلہ پورٹ آرتھر اور پھر پیکن تک وسیع کریں گے اور پورٹ آرتھر کے ساتھ ٹالیان وان کا پٹہ بھی انھوں نے حاصل کر لیا۔ فرانس نے اپنی ٹانکین کی سرحد درست کرنے کے سلسلے میں کوان چو وان کی بندرگاہ بھی لے لی جرمانیا نے کیو چو کی بندرگاہ کا مدت دراز کے لئے پٹہ لکھوا لیا اور برطانیہ نے چین میں آزادی تجارت پر زور دینے کے علاوہ ہانگ کانگ کے سامنے کا کچھ علاقہ اور نیز جزیرہ وی ہی وی کا قبضہ حاصل کیا اور یہ بھی اصرار کیا کہ وادی ینگ سی پر مستقلاً اہل چین ہی متصرف رہیں۔

باب ششم

اس میں شبہہ نہیں کہ مشرق میں جاپان و برطانیہ دونوں نقصان میں رہے۔ جاپان کو تو پورٹ آرتھر سے ہاتوں ہاتوں میں الگ کر کے، روسی مالک بن بیٹھے اور انگریزوں کو محسوس ہوا کہ وہ کوئی مزاحمت نہیں کر سکتے۔ اس بندرگاہ کے قدرتی محل وقوع کو روسی قلعوں نے اور بھی مستحکم کر دیا اور معلوم ہوتا تھا کہ آیندہ اسے کوئی تسخیر نہ کر سکے گا نیز یہ کہ امروز فردا میں نہ صرف منچوریا بلکہ کوریا بھی پوری طرح روس کی مٹھی میں آجائے گی۔

سوڈان کی بازیابی

مشرق اقصیٰ میں برطانیہ کے کم و بیش نقصان میں رہنے کے باوجود، مصر و سوڈان میں اس کے سپاہی اور سپہ سالاروں کی قابلیت کی بدولت اس کا ستارہ عروج پر رہا۔ ۱۸۸۳ء سے انگریز منتظمین کے طفیل (جن میں لارڈ کرومر سب سے ممتاز رہے) وادریسی کا عمدہ انتظام ہوا۔ مالیات کی حالت درست، اور تجارت و زراعت میں ایسی توسیع ہوئی کہ مصر کا حال کچھ سے کچھ ہو گیا۔ فلاحین کا بار بہت کچھ ہلکا، اور ان کی حیثیت کہیں بہتر بن گئی۔ مگر کرومر کے قاہرہ پہنچنے کے وقت ہی مصری اقتدار کا سوڈان میں خاتمہ ہوا اور اس کی جنوبی سرحد، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے وادی حلفہ قرار دی گئی۔ سوڈان بھر میں صرف سواکین پر مصری قبضہ باقی رہ گیا اور گورڈن کی سفارت کے سوا، آیندہ پندرہ سال تک سوڈان مہدی اور اس کے جانشین خلیفہ عبداللہ کی جابرانہ حکومت کے حوالے رہا۔ حتیٰ کہ مارچ ۱۸۹۶ء میں ڈنگولا کی تسخیر سے وہ معرکہ آرائی شروع ہوئی جس کا خاتمہ ام درمن کی فتح پر ہوا جب کہ لارڈ کچنر نے ۲ ستمبر ۱۸۹۸ء کو خلیفہ کے لشکر کا قلع قمع کر دیا اور سوڈان کو ظلم و بد امنی سے نجات دی۔

خرطوم کی تسخیر کے بعد کچنر، جنرل اسمتھ ڈورین کے ساتھ نیل کے کنارے کنارے جنوب میں بڑھا اور فشودہ کے مقام پر میجر مارشان کی فرانسیسی جمعیت سے ملاقی ہوا۔ برطانیہ اور فرانس گذشتہ جون میں مغربی افریقہ میں اپنی اپنی حدود کے متعلق ایک اقرار نامہ لکھ چکے تھے پس فرانس کے فشودہ پر فوج بھیجنے سے بہت پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ معاملہ

اس قدر نازک ہوگیا کہ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں ان سلطنتوں کے درمیان جنگ کا امکان تھا۔ آخر ایک اضطراب انگیز وقفے کے بعد فرانسیسیوں نے وادی نیل میں ہمارا مرتبہ تسلیم کرلیا اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائی۔ پھر ۲۲ مارچ ۱۸۹۹ء کے دن ایک عہدنامے پر دستخط ہوگئے جس کی رو سے فرانس نے سودانی علاقے میں اپنے دعادی سے بالکل ہاتھ اٹھالیا؛ اسی سال نومبر میں خلیفہ عبداللہ مارا گیا۔ کچھ مدت بعد خرطوم اور آگے ڈیڑھ سو میل جنوب تک ریل بنالی گئی اور یقین ہے کہ آیندہ سودان مصر کا بیش قیمت مقبوضہ ثابت ہوگا[۱]۔

جنگ جنوبی افریقہ

جیمس کی یورش کے وقت ہی جنوبی افریقہ میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ انگلستان نے بظاہر دب کر، یوئٹ لینڈ والوں کی پشت پناہی سے ہاتھ اٹھالیا تو بوئروں کی ہمت بڑھ گئی اور وہ غیر بوئر باشندوں کے ساتھ اور بھی سختیاں کرنے لگے جن سے یہ پردیسی آبادی پہلے سے زیادہ بددل ہوگئی۔ فروری ۱۸۹۷ء میں سر الفریڈ ملنر صدر ناظم مقرر ہوا اور کوشش کی کہ ٹرانس وال کی حکومت یوئٹ لینڈ والوں کی کچھ بھلائی کا سامان کرے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ۱۸۹۹ء میں اس کی اور کروگر کی بلوم فونٹین میں ملاقات بھی بے سود رہی تو معاملہ اور بھی نازک ہوگیا۔ بعد میں رسل و رسائل ہوتے رہے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بوئر خود مختاری حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ ان کے متکبرانہ دعاوی کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ جانتے تھے کہ جنوبی افریقہ کی انگریزی فوج قلیل ہے اور وہ خود جنگ کے لئے پوری طرح تیار اور جدید ترین توپوں سے مسلح ہوچکے ہیں۔

کیپ کالونی میں بھی لوگ بوئروں کے دعاوی کے حامی تھے اور اورینج فری اسٹیٹ کی حکومت، جس کا صدر نشین اسٹین تھا، اعلان جنگ ہوتے ہی ٹرانس وال کے ساتھ ہوگئی۔ جنگ کا آغاز ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ہوا اور جیسا کہ لارڈ ولزلی وغیرہ مبصرین کا خیال تھا، برطانیہ کو کافی مشکل پیش آئی۔ سال ختم ہونے ہوتے انگریزوں کو سخت شکستیں نصیب ہوئیں۔ سر جارج وھائٹ،

---

[۱] دیکھو صفحہ ۱۰۲۸۔

شہر لیڈی اسمتھ میں اور رھوڈس کمبرلی میں محصور ہو گئے۔ ۱۰ر دسمبر کے دن لارڈ میتھوان کو جو بوئروں سے بیل منٹ وغیرہ کے تین معرکے جیت چکا تھا، میگرس فونٹین پر سخت شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔ اسی دن جنرل گیٹ ایکر کو اسٹورمبرگ میں ہزیمت نصیب ہوئی اور ۱۵ر دسمبر کے دن سپہ سالار بلر نے لیڈی اسمتھ کو چھڑانے کی کوشش میں کولنسو پر شکست کھائی؛

ان شکستوں کی خبر سے برطانی قوم کو جوش آیا۔ لارڈ رابرٹس سپہ سالار اعلیٰ اور کچنر اس کا نائب اول مقرر کیا گیا۔ کمکی سپاہ بھیجی گئی۔ بہت سے مطوعین بھرتی ہوئے۔ کناڈا، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کی فوجوں نے دلی شوق سے خدمات پیش کیں اور ایک نئی شاہی فوج "امپیریل یومین ری" مرتب کی گئی۔ غرض اندازہ کیا گیا ہے کہ ۱۹۰۰ء میں حکومت برطانیہ نے ڈھائی لاکھ سپاہی جنوبی افریقہ میں فراہم کر دیے؛ رابرٹس اور کچنر جنوری کے آغاز ہی میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت نٹال کی حالت خاص طور پر مخدوش تھی؛ وھائٹ لیڈی اسمتھ میں بہ مشکل قدم جمائے ہوئے تھا اور بلر کی کوشش کہ اسے محاصرے سے نجات دلائے اس وقت تک کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ ۲۳ر جنوری کو اس سپہ سالار نے اسپیون کوپ میں اور پھر ۵ر فروری کو وال کرانز میں شکستیں کھائیں؛

لیکن ان ناکامیوں کے بعد سے معاملات کی صورت بہتر ہونے لگی۔ رابرٹس ۱۱ر فروری کے دن کیپ ٹاؤن سے روانہ ہوا۔ ۱۵ویں تاریخ رسالے کے لائق سردار فرینچ نے کمبرلی کو محاصرے سے چھڑا لیا۔ اور ۲۷ویں کو کرونجی نے پارڈی برگ کے مقام پر کچنر کی اطاعت قبول کر لی؛ اس تیز اقدام سے نٹال کا دباؤ کم ہو گیا۔ بلر نے ۲۷ر فروری کے دن پائی ٹرہل کے معرکے میں دھوم کی فتح پائی اور لیڈی اسمتھ کو چھڑا لیا؛ ادھر رابرٹس نے بڑھ کر بلوم فون ٹین پر قبضہ کیا (۱۳ر مارچ) اور ۲۸ر مئی تک پوری ریاست اورینج کا سلطنت برطانیہ میں الحاق کر لیا؛

جنرل باڈن پاول بڑی بہادری سے میف کنگ میں قلعہ بند ہو کر لڑ رہا تھا۔ مئی میں اسے محاصرے سے نجات ملی اور ۵ویں جون کو رابرٹس پریٹوریا

باب ششم

میں داخل ہوگیا۔ ایک ہفتے بعد ڈائی منڈیل کی لڑائی انگریزوں کی فتح پر منتج ہوئی اور یکم ستمبر کے دن پورے ٹرانس وال کے الحاق کا اعلان کردیا گیا۔ رابرٹس اپنی دانست میں جنگ کو ختم کرکے نومبر میں واپس انگلستان چلا آیا اور سپہ سالاری کی خدمت کچنر کے تفویض کردی۔ ستمبر میں پارلیمنٹ برخواست ہوئی مگر ملک مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ جنگ کی کامیابی میں کوئی کسر نہ رہے لہذا قدامت پسندوں کو پھر بڑی اکثریت حاصل ہوئی اور سالسبری ہی اپنے عہدے پر (۱۹۰۲ء تک) برقرار رہا۔

لیکن رابرٹس کی واپسی کے ساتھ ہی ٹرانس وال میں ایک طویل اور پریشان کن قزاقانہ جنگ شروع ہوگئی تھی جس میں کچنر اور انگریز سپاہیوں کو اپنی ساری سعی و قابلیت صرف کرنی پڑی۔ اور یکم جون ۱۹۰۲ء سے پہلے حریف سپہ سالار قابو میں نہ آسکے۔ آخر ان بوئر سرداروں یعنی بوتھا، ڈی ویٹ اور ڈی لارے کو معلوم ہوگیا کہ جنگ جاری رکھنا بیکار ہے اور انھوں نے صلحنامۂ وری نگنگ پر دستخط کردیے جس کی رو سے ٹرانس وال اور اورینج فری اسٹیٹ قطعی طور پر شہنشاہی برطانیہ میں شامل کرلیے گئے۔

یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو آسٹریلیا کی دولت عامہ کی تشکیل ہوئی یعنی وہاں کی ۶ نوآبادیاں ایک ہی وفاقی حکومت کا جزو بن گئیں اور اسی کی ریاستوں کے نام سے موسوم ہوئیں۔ بہ الفاظ دیگر آسٹریلیا کا پورا براعظم اب ایک واحد قوم کا ملک بن گیا اور اس اہم تغیر کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ وطن اصلی اور آسٹریلیا کے لوگ ایک دوسرے سے اور زیادہ مربوط ہوگئے۔

ملکہ کی وفات

جنوبی افریقہ کی جنگ ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ملکۂ وکٹوریا نے وفات پائی۔ ۱۹۰۰ء میں وہ خود ڈبلن آئی تھی کہ جنوبی افریقہ کی جنگ میں آئرستانی سپاہیوں نے جو بہادری دکھائی اس کی قدردانی کا اظہار کرے۔ وہ تاریخ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء کو آزبرن میں فوت ہوئی۔ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوکر وہ اپنے ممالک پر "بے مثل فراست" سے حکومت کرتی رہی اس وصف کے ساتھ حب وطن کا جذبہ بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔

باب ششم

اور انھی اوصاف نے اسے دنیا بھر کے انگریزوں میں محبوب بنا دیا اور وہ ہمیشہ آئینی بادشاہی کا بہترین نمونہ سمجھی جائے گی ؂

مشہور سنین واقعات

شہروں میں خانہ بخانہ حق رائے دہندگی	۱۸۶۷ء
آئرستانی کلیسا کے سرکاری انتظام کا خاتمہ	۱۸۶۹ء
قانون تعلیم ابتدائی	۱۸۷۰ء
مخفی رائے دہی کا طریقہ	۱۸۷۲ء
عہد نامۂ برلن	۱۸۷۸ء
آئرستان کا دوسرا قانون اراضی	۱۸۸۱ء
قبضۂ مصر	۱۸۸۲ء
دیہات میں خانہ بخانہ حق رائے	۱۸۸۵ء
دیس راج کے پہلے مسودۂ قانون کی نامنظوری	۱۸۸۶ء
نوآبادیوں کی پہلی مجلس مشاورۃ	۱۸۸۷ء
دیس راج کے دوسرے قانون کا استرداد	۱۸۹۳ء
مجالس دیہات اور حلقوں کی پنچایتیں	۹۳ و ۹۴ء
لارڈ سالسبری کی تیسری وزارت	۱۸۹۵ء
چترال اور اشانتی کی لڑائیاں	"
ڈاکٹر جیمیس کی یورش	۹۵ و ۹۶ء
جنگ ترکی و یونان	۱۸۹۷ء
روسیوں کا پورٹ آرتھر اور انگریزوں کا وی ہی وی پر قبضہ	۱۸۹۸ء
معرکۂ ام درمن اور قضیۂ فشودہ	۱۸۹۸ء
جنگ جنوبی افریقہ	۱۸۹۹ء
وفات ملکۂ وکٹوریا	۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء

بابِ نہم

ایڈورڈ ہفتم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۱۰ء

مشہور معاصرین۔

فرانس	جمہوریہ
روس	نکولاس ثانی
جرمانیہ	ولیم ثانی
اطالیہ	امان وِل ثالث
جاپان	مت سکیتو

ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہوا تو ملک اس وقت بھی بوئروں کی جنگ میں الجھا ہوا تھا۔ لیکن یکم جون سنہ ۱۹۰۲ء کو یہ جنگ ختم ہو گئی اور کچھ روز آرام لینے کے بعد جنوبی افریقہ اپنی تاریخ کے نئے دور میں داخل ہوا۔ ادھر اس لڑائی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ وطن مادری اور آزاد نو آبادیوں میں یگانگی کے جذبات اور تعلقات قوی تر ہو گئے اور اسی لیے اب (یعنی تالیف کتاب کے وقت) شہنشاہی برطانیہ اس درجہ مضبوط ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی۔

سالسبری کی وفات سنہ ۱۹۰۲ء میں سالسبری سیاسیات کے عملی میدان

باب نہم

سے کنارہ کش ہوا اور بیلفر نے اس کی جگہ لی۔ ۱۹۰۳ء میں سالسبری نے وفات پائی۔ انیسویں صدی کے آخری تیس برس میں وہ برطانی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ گلیڈاسٹون کو زیادہ تر مسائلِ داخلی میں انہماک رہتا تھا مگر سالسبری معاملاتِ خارجہ سے بہت گہری واقفیت رکھتا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں وہ لارڈ بیکنس فیلڈ کے ہمراہ برلن گیا اور بیکنس فیلڈ کی وفات کے بعد قدامت پسند گروہ کا سرگروہ ہوا۔ انگلستان کی سیاسیات پر نگرانی رکھنے والا اس قابلیت کا مدبّر شاید ہی کوئی دوسرا ہوا ہوگا۔ اس کی تاریخی معلومات کافی وسیع تھیں اور خطابت کی طرح ادبی قابلیت بھی ایسی تھی کہ وہ عام اہلِ سیاست سے کہیں بلند و برتر رتبہ رکھتا تھا۔ اس لئے برطانیہ کی مختلف مشکلات میں رہ نمائی کی اور دولِ خارجہ سے معاملہ کرنے میں اور اپنے وطن کا وقار قائم کرنے اور قائم رکھنے میں کمال ہنرمندی سے کام لیا۔

مشرقِ اقصیٰ

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ دور رس اہمیت کے کئی واقعات پیش آئے جو آیندہ شہنشاہی برطانیہ کی فلاح و بہبود پر بڑا بھاری اثر ڈال سکتے ہیں۔ ایک طرف تو چین میں اندرونی بدامنی کے باعث جاپان کو فرصت مل گئی کہ اپنی پوری قوت روس کے مقابلے میں صرف کرے اور اس سے روس کے بادشاہوں کی قوت کو کافی صدمہ پہنچا۔ اور دوسری طرف انھی دنوں جب کہ بعض یورپی سلطنتیں چین میں مزید ریلیں بنانے کے درپے تھیں، پائے تخت پیکن میں بغاوت ہو گئی۔ سابقہ وزیر با اقتدار، لی ہون چان نامی معزول ہوا اور بیوہ ملکہ نے شہنشاہ) چین کی یہ کوشش کہ مغربی اصول پر اصلاحات نافذ کی جائیں، چلنے نہ دی۔ حامی اصلاح گروہ کے زوال اور شہنشاہ کے عملاً نظر بند کر لیے جانے سے ملک میں بہت بد دلی پھیلی اور جا بہ جا فتنہ و فساد برپا ہوئے۔ اپریل ۱۹۰۰ء میں خود پیکن اور دوسرے مقامات میں بلوے، اور فرنگیوں اور عیسائیوں کا قتلِ عام ہوا۔ جرمن سفیر پیکن میں مارا گیا۔ اور دوسرے فرنگی سفیر بھی اپنے اپنے سفارت خانوں میں سختی سے گھیر لیے گئے۔ یورپ کی سلطنتوں اور نیز جاپان و امریکہ نے فوراً فوجی دستے روانہ کیے۔ ٹیئنٹ سن پر جولائی میں قبضہ کر کے اگست میں مشترکہ افواج

باب نہم

پیکن پہنچ گئیں۔ چینی حکومت یقین دلاتی تھی کہ سارے فساد کا باعث "بوکسرز" ہیں جن کی جماعت اجانب کو چین سے نکال دینے ہی کے لئے وجود میں آئی تھی۔ دُول خارجہ نے بالاتفاق مطالبہ کیا کہ چینی حکومت ان عہدہ داروں کو جو گذشتہ فساد کے بانی تھے سزا اور نقصانات کا تاوان ادا کرے۔ چین کے شاہ و وزیر پیکن سے باہر چلے گئے تھے۔ ممالک غیر کی فوج ستمبر ۱۹۰۱ء سے پہلے پیکن سے نہ گئی جنوری ۱۹۰۲ء میں بادشاہ بھی پائے تخت میں واپس آیا۔ اسی سال انگلستان و جاپان کا مفاہمت نامہ ہوا جس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ روس منچوریا پر مستقل قبضہ کرنے کی چین سے منظوری لینے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مذکورہ بالا عہد و پیمان کی بدولت چین اور کوریا کی آزادی مسلم ہوگئی۔

زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ جاپانیوں نے ۱۸۹۸ء میں پورٹ آرتھر کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوب ہی بدلا لیا۔ ۱۹۰۴ء میں جاپان و روس کی جنگ چھڑ گئی اور شدید جد و جہد کے بعد بر و بحر دونوں پر جاپان فتحیاب ہوا۔ پورٹ آرتھر واپس لے لیا گیا۔ کوریا پر جاپان کی گرفت دوبارہ مضبوط ہوگئی اور روس کا سارا بیڑا برباد کر دیا گیا۔ مشرق اقصیٰ کے توازن سیاسی میں انقلاب ہوگیا اور ۱۹۰۵ء میں جاپان و انگلستان میں معاہدۂ اتحاد کر لیا گیا۔ اس عہدنامے سے جاپان اور برطانیہ دونوں جگہ لوگ خوش ہوئے۔ لارڈ لینس ڈاؤن نے بیان کیا کہ اس کا مقصد "امن" ہے۔ محض اسے تکمیل کو پہنچانے کی غرض سے بیلفر کا ۱۹۰۵ء میں برسر اقتدار رہنا بجا تھا۔ مشرق اقصیٰ کی تشکیل جدید کا عمل ہنوز جاری ہے اور اس میں یورپ کی دوسری سلطنتوں کی نسبت برطانیہ کا تعلق سب سے زیادہ ہے۔ تاریخ ۲۸ ستمبر مراکش کی بابت جرمانیہ اور فرانس کا مفاہمت نامہ بھی شائع ہوا، مگر اس سال کی آخری سہ ماہی میں وزارت کی قوت کم ہوتی گئی۔ چیمبرلین کی علحدگی اور محاصل تجارت کی وکالت کرنے سے قدامت پسند گروہ کو ایسا صدمہ پہنچا کہ پھر وہ پنپ نہ سکا۔ صاف ظاہر ہوگیا کہ بیلفر اور چیمبرلین میں سخت اختلاف رائے ہے اور اس صورت میں بیلفر کے لیے یہی راستہ رہ گیا تھا کہ وزارت سے استعفا داخل کر دے۔

کیمپبل بینرمن کی وزارت

۴ دسمبر کو بیلفر وزارت سے کنارہ کش ہوا

باب نہم

تو کیمپ بل بنیرمن نے نئی وزارت مرتب کی۔ اس میں یہ لوگ شامل تھے:۔ سر رابرٹ ریڈ وزیر عدالیہ۔ اور ارل کروُ لارڈ رپن سر ایڈورڈ گرے۔ جان مورلے لائڈ جارج۔ ایس کوئیتھ وغیرہم۔ وزارت کی اس تشکیل کو عامۃً پسند کیا گیا اور آیندہ انتخابات میں آزاد خیال فرقے کی کامیابی یقینی سمجھی جانے لگی؛

عام انتخاب جنوری، فروری ۱۹۰۶ء میں ہوا اور آزاد خیالوں کو بڑی بھاری اکثریت حاصل ہوئی۔ اس گروہ میں فرقۂ مزدور اور قوم پرست بھی شامل تھے اور ان کے مبعوثین کی مجموعی تعداد ۳۷۷ تھی۔ بخلاف اس کے قدامت پسند اور اتحادی صرف ۱۵۷ تھے۔ یہ ہزیمت بلفور و چیمبرلین کی مصالحت کا باعث ہوئی اور آیندہ سے اس سیاسی گروہ نے محاصل تجارت کی اصلاح کو اپنا دستور العمل قرار دے لیا؛

نئی حکومت پہلے سال بہت سے جدید اور مفید قوانین وضع کرنے میں مصروف رہی۔ لیکن بیرونی مسائل میں طرح طرح کی پریشانیاں پیش آئیں۔ مشاورۂ الجزائر میں، جسے مراکش کے حالات پر غور کرنے کی غرض سے طلب کیا گیا تھا، انگریزوں نے فرانس کا ساتھ دیا جس سے فرانس و برطانیہ کی موودت قوی تر ہوگئی اور جرمانیہ میں برطانیہ سے مخالفت پیدا ہوئی۔ فرانس و مصر کی حدود کے متعلق اس فرقے کو فرانس سے اختلاف تھا مگر یہ قضیہ بھی قابلِ اطمینان طریق پر طے ہوگیا۔ جنوبی افریقہ کے بارے میں حکومت نے اعلان کیا کہ وہ برطانی سیادت قائم رکھنا چاہتی ہے لیکن خود وہاں کے برطانی اور بوئر باشندوں کی مدد سے ایسا کرے گی؛

حکومت کی نئی تعلیمی تجاویز میں دارالامرا والوں نے غور و بحث کے بعد چند ترمیمیں منظور کی تھیں۔ دارالعوام نے ان کو مسترد کر دیا، لہذا یہ مسودۂ قانون ہی ترک کر دیا گیا اور پھر فروری ۱۹۰۷ء تک پارلیمنٹ ملتوی ہوگئی؛ اس سال میں وزارت کی قوت اور بڑھی ایڈورڈ گرے، مورلے وغیرہ نے سب فرقوں میں اپنا اعتبار قائم کر لیا۔ ہال ڈین نے سپاہ کی تنظیم جدید شروع کی اور ستمبر میں ایسٹر کمیٹی کی سفارشوں کے مطابق نظارت عامہ کے نئے محکمے کی بنیاد ڈالی؛

باب نہم

سنہ ۱۹۰۷ء میں پارلیمنٹ فروری سے اگست تک اجلاس کرتی رہی۔ مباحث میں اکثر اوقات تحدید کی نوبت آئی اور اسی لئے اکھٹے مسودات قانون منظور ہوئے۔ لارڈ مورلے کی سیاست دانی کے متعلق جو اعلیٰ رائے تھی وہ اس کی وزارت ہند کے کارناموں سے صحیح ثابت ہوئی اسی طرح ایڈورڈ گرے کی وزارت خارجہ کے کام کرنے کا طریقہ سب کی نظر میں مستحسن قرار پایا۔ متوفیہ بیوی کی بہن کا قانون تو منظور ہو گیا لیکن برل کے مجوزہ قوانین متعلقہ آئرستان اسکاٹ لینڈ کے چھوٹے زمینداروں کے مسودۂ قانون کی طرح دارالامرا میں مسترد کر دیے گئے۔ ملکی اور محفوظ فوج کے بارے میں جو تجویزیں پیش ہوئیں وہ بصورت قانون نافذ کر دی گئیں لیکن حکومت کی بحری حکمت عملی پر بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئیں۔ سال کے ابتدائی مہینوں میں نوآبادیوں کا جلسہ منعقد ہوا مگر وزارت نے ترجیحی محاصل کی تجویز پر غور کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

تجارت کے اعتبار سے سنہ ۱۹۰۷ء کو پورے دور کا سال نصف النہار کہا جاتا ہے جس کے بعد سے زوال شروع ہوا اور آیندہ تین سال تک جاری رہا۔

سنہ ۱۹۰۸ء

سنہ ۱۹۰۸ء میں حکومت کو مختلف دشواریوں کا سامنا رہا۔ ۱۵ جنوری کی لینکاسٹر والی تقریر میں ایس کو یتھ نے آیندہ سنین کی کساد بازاری کی پیشین گوئی کر دی تھی پھر اس نے اور ایڈورڈ گرے نے یہ بھی جتا دیا کہ برطانی بیڑے میں اضافہ لازمی ہے اور اس کے معنی یہ تھے کہ مصارف میں بہت کچھ بیشی کرنی پڑے گی۔ دوسری سلطنتیں اپنے بیڑے بڑھا رہی تھیں اور ہر چند کسی متوقعہ جتھے کے مقابلے میں ہمارا بیڑا فی الوقت کافی تھا لیکن ان وزیروں کی رائے تھی کہ اگر ممالک خارجہ اپنی تجاویز کے مطابق عمل کریں تو ہم پر بھی لازم ہے کہ بیڑا بڑھایا جائے۔

زنانہ حقوق رائے کی شورش بھی اس سال پھیلتی رہی گو وزرا یا اسپنے حامیوں کی طرف سے اسے کوئی خاص مدد نہ ملی اور اکتوبر میں اس تحریک کی سرغنہ عورتیں جنھوں نے دارالعوام پر یورش کی تھی حراست میں لے لی گئیں۔ آئرستان میں کاشتکاری جرائم اور بدامنی پر فریق اختلاف نے سخت نکتہ چینی کی گو وہاں کا صدر معتمد

برل اس کے تدارک کی کسی قابلِ اطمینان تدبیر کا وعدہ نہ کر سکا ؛

اپریل کے آغاز ہی میں بینرمن عہدے سے دستکش ہوا اور تھوڑے ہی دن بعد وفات پائی۔ اس پر وزارت کی از سرِ نو ترتیب کی گئی۔ ایس کوئیتھ وزیرِ اعظم اور

ایس کوئیتھ کی وزارت

صدر امیر خزانہ لائڈ جارج، وزیر مالیہ۔ میک کینا صدر امیر بحریہ ارل کرو، وزیر مستعمرات۔ ونسٹن چرچل، صدر محکمۂ تجارت اور رن سی مین، صدر سررشتۂ تعلیمات مقرر ہوئے۔ اسی سال (۱۹۰۸ء) کے اوائل میں صدر اسقف کنٹربری نے اپنی اسقفی کے لوگوں کو بتایا کہ "ملت انگریزیہ" کی جو مشاورۃ آیندہ ہونے والی ہے وہ کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ تعلیم، معاشرت اور دین کے وہ وسیع مسائل جن سے کلیسا کو آیندہ سابقہ پڑنے والا ہے اس میں زیر بحث آئیں گے اور کلیسائے انگلستان کے پیرووں کو ان کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ چنانچہ جون میں یہ مجلس مشاورۃ لندن میں منعقد ہوئی اور اس کے ختم ہونے پر تین لاکھ تینتیس ہزار پاؤنڈ کی رقم کثیر نذر نیاز کی غرض سے مختلف حلقوں کی طرف سے اس مجلس میں پیش کی گئی ؛

۲۸ جون کو، طویل مباحثے کے بعد، وظائفِ پیرانہ سالی کا مجوزہ قانون دار الامرا میں منظور ہو کر نفاذ پذیر ہوا اگرچہ لارڈ روزبری نے اس پر قابلِ غور نکتہ چینی کی تھی۔ اس قانون سے ستر سال کی عمر کا ہر مرد یا عورت، جو حکام متعلقہ کو یقین دلا دے کہ گذشتہ بیس سال تک برابر برطانی رعایا اور ساکن برطانیہ رہا یا رہی اور اس کی سالانہ آمدنی ۳۱½ پاؤنڈ سے زیادہ نہ تھی، تو وہ شخص وظیفۂ پیرانہ سالی کا مستحق ہو جائے گا۔ ان وظائف کے سالانہ خرچ کا تخمینہ پچھتر لاکھ پاؤنڈ کیا گیا تھا۔

اسی مہینے ترکی میں دستور جدید کا اعلان ہوا اور وہ نہ صرف قابلِ عمل بلکہ مجموعی طور پر اطمینان بخش ثابت ہوا۔ اگست میں شاہ اڈورڈ، قیصر جرمانیہ سے مارین باڈ میں اور شہنشاہ آسٹریا سے اِشل میں ملاقی ہوئے ؛ اسی سال اکتوبر کے آغاز میں آسٹریا نے بوسینا اور ہرزی گووینا کا اپنی سلطنت میں الحاق کیا تو سارے یورپ میں ہیجان پھیل گیا اور کچھ روز تک معلوم ہوتا تھا کہ سرویا لڑ پڑے گی لیکن اس کا کوئی یاور و مددگار نہ تھا اور اسے مجبوراً الحاق کو تسلیم کرنا پڑا۔ خصوصاً اس لیے کہ

باب نہم

روس نے کان تک نہ ہلایا اور جرمانیہ آسٹریا کی موید ہو گئی ؛

۲۹ نومبر کو "مسودۂ قانون اجازت نامہ" تین روز کے مباحثے کے بعد دارالامرا میں (۳۵۰ بمقابلہ ۷۵) مسترد کیا گیا جس سے آزاد خیال بہت بگڑے۔ رن سی مین کا مجوزہ قانون تعلیم بھی دوسری دفعہ دارالعوام میں پیش ہونے کے بعد طول طویل بحث کے بعد ۴ دسمبر کو خود وزیر اعظم نے ترک کروایا۔ بہرحال اس میثاقات کے ختم ہونے سے "قانون معادن" (ہشت ساعتی) قانون بندرگاہ لندن اور قانون وظائف پیرانہ سالی نافذ ہوئے جو کچھ کم کام نہ تھا۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی خوبیوں کا ابھی تک امتحان نہیں ہوا ہے۔ شراب فروشی کو محدود کرنے کی غرض سے "مسودۂ قانون اجازت نامہ" میں جو تجویزیں پیش کی گئی تھیں دارالامرا میں ان کے نامنظور کئے جانے سے شراب نوشی کے مخالف بہت ناخوش ہوئے اور اس واقعے نے بھی ان کی اور انتہا پسند گروہ کی دارالامرا سے عداوت اور بڑھا دی ؛

۱۹۰۹ء

۱۶ فروری ۱۹۰۹ء کو پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو بادشاہ کی تقریر میں لوگوں کو خبردار کر دیا گیا کہ بیڑے میں اضافے کی غرض سے بہت بھاری مصارف اٹھانے پڑیں گے۔ ۲۹ اپریل کو لائڈ جارج نے موازنہ پیش کیا جس کے آگے اس میثاقات کے اور سب کام ماند ہو گئے۔ ۲۲ جون سے پہلے یہ موازنہ ذیلی مجلس تک نہ پہنچ سکا اور وہاں بھی چالیس دن بحث میں صرف ہوئے۔ نومبر میں بہت دلچسپ مباحثے کے بعد دارالامرا نے فیصلہ کیا کہ اسے سارے ملک کی رائے لئے بغیر منظور نہ کیا جائے ؛

دوسرے مسائل جو اس بار زیر بحث آئے ان میں جنوبی افریقہ کا مسئلہ تھا۔ جس کے مختلف اوطاع کے اتحاد کی تجویز پیش اور شاہی منظوری سے بصورت قانون نافذ ہو گئی (۲۰ ستمبر) لارڈ مورلے نے ہندوستان کی مجالس وضع قوانین میں توسیع کا اہم قانون مرتب اور نافذ کرایا۔ مارچ میں نیوزی لینڈ کی حکومت نے ایک اول درجے کا جنگی جہاز نذر کیا جسے قبول کر لیا گیا اور جون میں آسٹریلیا کی طرف سے اسی قسم کا ہدیہ پیش ہوا ؛

باب ششم

مجموعی طور پر اہلِ ملک بیڑے کے متعلق وزرا کے بیانات سے کچھ مطمئن نہ تھے اور ان کے عدم اطمینان کا ۱۹۱۰ء کے انتخابات میں ظہور ہوا۔ بری فوج اور سلطنت کے بڑے مسائل پر بھی وزرا تقریریں کرتے رہے۔ اتنا سب پر ظاہر تھا کہ جرمانیہ کی جہاز سازی کی سرگرمی کے باعث جنگی جہازوں میں اضافہ ضروری ہے۔ اور کسی اہم مسئلے پر اس مبقات میں بحث نہ ہوئی۔ ویلز میں استقفی انتظام کی موقوفی کے لیے قانون پیش ہوا مگر واپس لے لیا گیا۔ اراضی آئرستان کا ایک قانون منظور ہوا اور "لیبر ایکس چینج" قائم کرنے کا مجوزہ قانون دونوں ایوانوں میں بلا وقت کامیاب ہوگیا۔ بایں ہمہ اصلی توجہ مجوزہ موازنے ہی پر مبذول رہی اور اس کو منظور کرنے کے لئے پارلیمنٹ کا قریب قریب پورے سال مسلسل اجلاس ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ نئے انتخابات کے لئے برخاست ہوگئی۔

انتخابات ۱۹۱۰ء

عام انتخاب جنوری ۱۹۱۰ء میں ہوا۔ وزارت کے حامی دارالامرا کی مخالفت کو اپنی عام تائید کا قوی سبب سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ انگلستان کے حلقوں میں اس مخالفت کا کوئی اثر نہیں یا ہے تو بہت کم ہے۔ اصلاح محاصل کے لئے دیہات میں بہت لوگوں نے رائے دی لیکن مینچسٹر اور وسطی اضلاع کے اکثر بڑے شہروں میں لوگ سلطنت کے اقتصادی نظام میں مزید غور و فکر کے بغیر کسی تغیر کی رائے دینے پر آمادہ نہ تھے۔ البتہ یہ صاف ثابت ہوگیا کہ سمندر پر برطانی سیادت قائم رکھنے کے عزم بالجزم میں سارا ملک متفق الرائے ہے۔

نتائج انتخاب سے ظاہر ہوا کہ آزاد خیالوں کی ۳۳۶ کی سابقہ اکثریت گھٹ کر ۱۱۵ رہ گئی اور اس میں بھی ۸۲ قوم پرست اور ۴۰ مزدور فرقے کے مبعوث شامل تھے۔ چنانچہ اجلاس شروع ہوتے ہی صاف نظر آگیا کہ قدامت پسندوں اور آزاد خیالوں میں توازن رکھنا آئرستانی قوم پرستوں کے ہاتھ میں ہے جن کا سرگروہ ایڈ منڈ تھا۔ چونکہ دارالامرا میں قدامت پسندوں کی اکثریت کو بے کار و بے اثر بنائے بغیر آئرستان کے دیس راج کی کوئی تجویز نہ چل سکتی تھی، لہذا وزارت نے طے کر لیا کہ اہلِ آئرستان کی تائید کرے اور ان کی مدد سے

باب نہم

دارالامرا کے ترکیبی آئین مرتبے اور عام نوعیت پر پوری قوت سے حملہ کیا جائے۔ مگر مئی میں پارلیمنٹ ایک ماہ کے واسطے ملتوی ہوگئی کیونکہ بادشاہ جو بیمار پڑ گیا ہوا تھا، اپریل کے اخیر میں واپس آیا اور چند روز علیل رہ کر قصر بکنگ ہم میں وفات پائی؛ (۶ مئی سنہ ۱۹۱۰ء)

ایڈورڈ ہفتم کی وفات

نو سال کی قلیل مدت حکمرانی میں ایڈورڈ ہفتم نے ثابت کر دیا کہ وہ سلطنت برطانیہ کے سب سے لائق و ہر دلعزیز بادشاہوں میں شمار ہونے کا مستحق ہے۔ ممالک خارجہ کے سیاسی حالات سے وہ بہت گہری واقفیت رکھتا تھا۔ رعایا کے ہر طبقے میں اس کی ہر دلعزیزی اور اثر مسلم تھا اور اس کی موت سے برطانیہ اپنے ایک بزرگ ترین فرماں روا سے محروم ہوگئی؛ شاہ ایڈورڈ کی پس ماندہ اولاد میں صرف ایک فرزند جارج پنجم (ولادت سنہ ۱۸۶۵ء) باقی تھے اور وہی وارث تخت ہوئے۔ ان کی ملکہ ٹیک کی شہزادی میری ہے اور اسی کے بطن سے ایک بیٹی اور پانچ بیٹے ہیں۔ جن میں ولی عہد شہزادہ ایڈورڈ سنہ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوا؛

سنہ ۱۹۱۰ء اور دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں جو عام انتخابات ہوئے ان میں کامیابی وزرا کو حاصل ہوئی اگرچہ اُن کی اکثریت گھٹ گئی۔ اس دوسری کامیابی کے بعد دارالامرا اپنے اختیارات کم کر دیے جانے پر رضامند ہوگیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ایس کوینتھ نے، جسے اہل آئرستان کی مدد سے اکثریت حاصل ہوئی تھی، ان کے لئے ہوم رول کا ایک مسودۂ قانون پیش اور بالآخر منظور کرا لیا۔ اس پر شمالی آئرستان میں السٹر کے پروٹسٹنٹ سخت ناراض ہوئے پہلے ان کو دارالامرا سے اپنی پشت پناہی کی امید رہتی تھی لیکن اب انھوں نے بطور خود مزاحمت کی تیاریاں شروع کیں؛ ادھر ملک کے باہر جرمانیہ کی جبرہ دستیاں بڑھتی جاتی تھیں اور ایک سے زیادہ مرتبہ جنگ کی نوبت پہنچ گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۴ء کی گرمیوں میں آئرستان کا جدید قانون نافذ ہونے سے قبل اور عین اس زمانے میں جب کہ وہاں خانہ جنگی کے آثار نمایاں تھے، براعظم یورپ ہی میں جنگ کا طوفان آگیا۔ آسٹریا کے ولی عہد سلطنت کو سرویا کے ایک خونی نے قتل کیا تو آسٹریا کی طرف سے تلافی کی اتنی سخت شرطیں پیش ہوئیں کہ

باب نہم

روس نے احتجاج کیا۔ برطانیہ صلح و آشتی کرا دینے کی رائگاں کوشش کرتی رہی۔ جرمانیہ اور آسٹریا لڑائی کا تہیہ کئے ہوئے تھے اور آخر چند روز میں لڑائی چھڑ گئی۔ جرمانیہ نے بلجیم کے راستے فرانس پر حملہ کیا حالانکہ وہ فرانس، روس و برطانیہ کے ساتھ بلجیم کی غیر جانب داری کا عہد و پیمان کر چکی تھی۔ اب (اس کی خلاف ورزی پر) برطانیہ نے بھی جرمانیہ کے خلاف اگست ۱۹۱۴ء میں اعلان جنگ کر دیا۔ ساتھ ہی سب اندرونی اختلافات کو بالائے طاق رکھکر تمام شہنشاہی برطانیہ شخص واحد کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی کہ انصاف و صداقت، اور خود اپنی سلامتی کی خاطر جنگ کرے۔

مشہور سنین

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی	سنہ ۱۹۰۱ء
پیکن کا تخلیہ فرنگی افواج سے	سنہ ۱۹۰۱ء
صلحنامۂ ویری نگنگ (جنوبی افریقہ)	سنہ ۱۹۰۲
جنگ روس و جاپان	سنہ ۱۹۰۴
معاہدۂ برطانیہ و جاپان	سنہ ۱۹۰۵
آزاد خیال فرقے کی وزارت	سنہ ۱۹۰۶
مستعمراتی مشاورۃ لندن میں	سنہ ۱۹۰۷
موازنۂ آمد و خرچ کا دارالامرا سے مسترد ہونا	سنہ ۱۹۰۹
انتخابات عام اور شاہ ایڈورڈ کی وفات	سنہ ۱۹۱۰
شاہ جارج پنجم کی تخت نشینی	سنہ ۱۹۱۰ء
دارالامرا کے اختیارات میں تخفیف	سنہ ۱۹۱۱ء
آئرستان کے دیس راج کا قانون منظور، نفاذ ملتوی	سنہ ۱۹۱۴
یورپ کی جنگ عظیم کا آغاز	سنہ ۱۹۱۴ء

تمت

صحت نامہ

تاریخ انگلستان حصۂ دوم (ترمیم)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۶	۲۵	جذبات نفساتی	جذبات نفسانی	۸۸	۳	تخت وداشت	سخت و درشت
۱۶	۱۴	ہوک	ملوک	״	۱۹	بیٹاں	بیٹیاں
۱۹	۵	بڑا	پڑا	۹۲	۲۱	طرف تر	طرفہ تر
۳۲	۲	انگلستا	انگلستان	۱۱۰	۱	چاریس	چالیس
۳۷	۴	مہلت	مہلت	۱۱۳	۶	اسکوئی	اسکوتی
۴۸ و ۵۰	پیشانی کتاب	حصۂ دو	حصۂ دوم	۱۳۵	۲۲	شترقدبری	شروزبری
				۱۵۱	۱۴	حسن و فنج	حُسن و قبح
۷۲	۴	آیندہ سنہ	آیندہ سنہ	۱۵۹	۱۱	پیپوری ٹن	بیوری ٹن
״	۹	وسلط ہو جائیں	نہ مسلط ہو جائیں	۱۶۲	۹	مبعوب	مبعوث
۷۴	۳	والادت	ولادت	۱۸۶	۱۸	نسوخی	منسوخی
۷۷	۱۷	دائواتیں	دلواتیں	۱۸۷	۲	حصۂ اول	جزو اول
۷۹	۲۲	معمولی یہ	معمول بہ	۱۹۲	۸	الینٹ	الیٹ
۸۴	۱۴	پیدا ہوای	پیدا ہوئی	۲۱۶	۱۲	بسایں	بسائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۴۵	۱۴	طینخوں	طینچوں	۴۹۲	۱۳	برتھ	پرتھ
۲۶۶	۷	اسکوئی	اسکوتی	″	۲۱	فورشس ٹرہ	فورس ٹر
۳۰۵	۶	معاشوز	معاشوں	۵۴۶	۱۵	قلعہ اولسس	قلعۂ اوگسٹس
۳۰۶	۲ و ۳	سُرعت کے کے	سُرعت کے	۵۸۱	۲۰	یگانکت	یگانگت
۳۱۶	۲	ناماعد ہوا	ناساعد ہوا	۶۰۵	۲۲	دہنے لگے	دینے لگے
۳۲۹	۷	دستور تھے۔	دستور تھا۔	۷۱۵	۶	تھے	تھا
۳۹۶	۱۰	نفاد	نفاذ	۷۴۰	۲۲	باغ وخیایان	باغ وخیابان
۴۲۲	۲۴	کرنی پڑنی	کرنی پڑتی	۸۷۹	۴	کئیں	گئیں
۴۲۷	۲۴	نہ رہے۔ ی	نہ رہے۔ اسی	۸۹۶	۱۲	قارص	قادص
۴۴۶	۶	کپمبل	کیمبل	۹۱۹	محاذی جدول	باب ہشم	باب ہشتم
۴۵۹	۵	وضع فوانین	وضع قوانین				